اِنَّا مِنَ المُجرِمِینَ مُنتَقِمُونَ

الحمد للہ والمنۃ کہ دریں ایام فیض التیام یہ کتاب حقیقت مآب مملو بدلائل ساطعہ و براہین قاطعہ و حجج قویہ بجواب رسالہ ہدیۃ الشیعہ المسمیٰ بہ

تحفۃ الشیعیۃ

سنہ ۱۳۱۰ ہجری نبوی

من تصنیفات فضائل آیات مقبول بارگاہ رب الصمد جناب مولوی سید محمد حسن صاحب بامداد جناب افتخار العلماء عمدۃ الفضلاء مقبول بارگاہ لم یزل جناب مولوی حاجی سید عمار علی صاحب دام ظلہ

بمطبع یوسفی دہلی باہتمام سید محمد علی حسن طبع شد

اشتہار واجب الاظہار

تحفۃ الاشعریۃ

بعض صاحبان نازک طبع عدیم الفرصت کی خدمت میں عرض ہے کہ اگرچہ اس اشتہار کا ایسی کتاب کے چھاپنا مناسب نہ تھا مگر بخیال اسکے کہ شاید کوئی صاحب صرف اشتہار ہی کو ملاحظہ فرما کر دریافت کرلیں کہ یہ کتاب کس مضمون میں ہے اور شوق ملاحظہ ہو لہذا چھاپا جاتا ہے ۔

کتاب مندرجۂ عنوان اشتہار ہذا بجواب ہدیۃ الشیعہ مصنفہ مولوی شیخ محمد قاسم ساکن دیوبند از روے تحقیق و انصاف کمال شد و مد سے نہایت عمدہ سلیس اردو عبارت میں ہر ایک منصف کے فہم کے لائق مطبع ہذا میں چھپکر تیار ہوگئی ہے بناے تحریر اس کتاب کی یہ ہے کہ ایک شخص میر نادر علی صاحب ساکن کھیرتل علاقہ الور نے ایک خط بخدمت جناب مولانا و مقتدانا مفتی دین و مرشد راہ شرع متین مولوی حاجی سید عمار علی صاحب ساکن سونی پت ضلع دہلی بدریافت سوالات مفصلۂ ذیل روانہ کیا۔ اول یہ کہ جناب رسولخدا صلعم کے نطفہ سے کتنی صاحبزادیاں تھیں دوسرے یہ کہ حضرت ام کلثوم دختر جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کا نکاح کس سے ہوا تھا تیسرے یہ کہ بیبی نسلی باغ فدک کے مقدمہ میں نہیں ہوئی۔ چونکہ یہ تنازعات واقعات تنقیح طلب ہیں عامۂ خلائق کی راے سے اسکا فیصلہ نہیں ہوسکتی انور نیز میر صاحب سے مجادلہ و مکابرہ حتی کہ مناظرہ بھی انکی بے علمی و ہم مذہب ہونیکی وجہ سے منظور نہ تھا لہذا قلم برداشتہ انکی فہم و فراست کے موافق جو سمجھ میں آیا لکھدیا صرف اطمینان خاطر برادر مومن منظور تھا اتفاقاً وہ خط شیخ محمد قاسم اہل جماعت کے ہاتھ جا پڑا انہوں نے معارضۃً اسکا جواب لکھا اور ہدیۃ الشیعہ اسکا نام رکھا اور اکثر کلمات ناشایستہ اور الفاظ بیہودہ اسمیں مندرج کئے کہ جو شان اہل علوم سے بہت بعید ہیں اور جا بجا طعن و تشنیع و ہجو و مذمت تمام شیعوں اور انکی مثل طریقۂ بازاریوں کے کی کہ جناب مولوی صاحب ممدوح کو مجبوراً جواب ترکی بترکی اکثر مواقع پر لکھنا پڑا اور بعض عقائد تو انکے اہل جماعت کے نزدیک بھی ایسے منجر بکفر و الحاد ثابت ہوئے کہ اہل جماعت نے ناچار ہوکر انکی نسبت کفر کا فتویٰ دیدیا چنانچہ فتاواے مُہری اس کتاب کے خاتمہ پر ثبت ہیں (۱) خصم کو جن جوابات مدللہ و براہین قاطعہ و حجج قویہ سے معقول و لاجواب کیا ہے اس قابل نہیں کہ کوئی جزو اسکا بطور نمونہ بذریعہ اشتہار ہذا کے پیش کیا جائے بلکہ شائقین جسوقت اس کتاب کو طلب فرما کر ملاحظہ کرینگے تو میرے بیان کی تصدیق ہو جائیگی (۲) جن اشخاص کو کچھ بھی اپنے مذہب کا پاس و جوش ہے اور بعض اوقات انکو مخالفین سے مجادلہ یا مکابرہ کی نوبت پہنچتی ہے اور بسبب اپنی ناواقفیت کے انکے اعتراضات باطلہ و دلائل ناقصہ کو سنکر خاموش ہونا پڑتا ہے انکے لئے یہ ایک اعلیٰ درجہ کا دستور العمل ہے کہ جسکو وہ اپنے پاس رکھنے کی وجہ سے ہمیشہ اپنی فتحیابی سے شادکامی حاصل کرینگے (۳) اکثر برادران مومنین بعض مکاران حیلہ جو کے اغوا [illegible] سے اکثر مسائل مباحثہ میں اپنی ناواقفیت کی وجہ سے مخالفین کو پورا پورا جواب نہیں دیسکتے ایسے اشخاص کے لئے اگر اس کتاب کا نام طلسم حیرت افزا رکھا جائے تو بیجا نہیں (۴) ہر ایک مومن خصوصاً شائقین و محققین مذہب کے پاس اس کتاب کا ہونا اہم امورات سے ہے جس نے اس کتاب کو نہیں دیکھا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ گویا اسنے مناظرہ کی کوئی کتاب ہی نہیں دیکھی (۵) اصحاب عالی ہمم سے امید ہے کہ اس کار خیر کی اشاعت میں کمر ہمت باندھکر حسب حیثیت و علی قدر مراتب کسیقدر جلدیں خرید کر غربا مومنین کے مطالعہ کے لئے وقف فرماویں اور متوسطین اپنی جیب خاص سے خرید کر مطالعہ میں لاکر حظ وافر اٹھائیں ۔

اعلان یہ کتاب بموجب قانون نمبر ۲۵ سنہ ۱۸۶۷ء داخل بہی رجسٹری گورنمنٹ ہو چکی ہے [illegible] خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ کوئی صاحب بدون اجازت راقم کے قصد طبع نفرمائیں کیونکہ حق تالیف اس کتاب کا جناب مصنف دام ظلہم نے بندہ کو ہبہ کردیا [illegible] صاحبوں کو جسقدر کتب مطلوب ہوں نقد بحساب فی جلد قسم اول عہ۔ قسم دوم ۱۲؍ قسم سوم ۸؍ بھیجکر طلب فرمائیں محصول ڈاک ذمہ خریدار کے ہے دو آنے بابت رجسٹری قیمت کے ہمراہ آنی چاہئیں

المشتہر سید علی حسین مالک مطبع یوسفی دہلی

اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ

الحمد للہ والمنۃ کہ در ایام فیض انتظام یہ کتاب حقیقت مآب مملو بدلائل ساطعہ و براہین قاطعہ و حجج قویہ بجواب رسالہ ہدیۃ الشیعہ المسمیٰ بہ

تحفۃ الشیعہ

سنہ ۱۳۲ ہجری

من تصنیفات فضائل مآب مقبول بارگاہ رب الصمد جناب مولوی سید محمد حسن صاحب امداد جناب افتخار العلماء ممتاز الفضلا مقبول بارگاہ لم یزل

بمطبع یوسفی دہلی باہتمام سید محمد علی

سے یہ امر حاصل
نے تمہارے کفر کا فتویٰ لکھا
ں کرنا اور آپکو اس آفت میں پھنسانا سوائے
سکا اشارہ تھا مگر آپکا تو اسمیں جو اشارہ تھا اب تو
خط موصوف میں مندرج ہیں کون کون اُسکے
سوں نے کس قدر اسبارہ میں ہاتھ پاؤں مارے ہیں
معقول نہ بن پڑیگا سوائے نہ لیات بکنے کے
ما اختتام ہدیۃ الشیعہ ان اوراق کا نام رکھا
حق میں یہ رسالہ زیادہ تر معتقدین اہل سنت کے
کریں تو ذریعہ حصول ایمان ہی اقول شیعیان
رسول مقبول ہی مختص ہے چنانچہ احادیث
انت وشیعتک فی الجنۃ انکو تمہارے
سے کام لیا انہوں نے تحفۂ اثنا عشریہ اور اپنے
کا نام بیگم رکھنے سے کیا کچھ نام ہوجاتا ہے
سکا لکھا یہ صحیح ہے اس راست گوئی کو ہم ان
ں صحیح استدلال میں تو تین چیزوں سے
ے نزدیک مسلم اقول ہونیدیہ تینوں شیعوں

جائے اور کہا کہ ہم یہ خوب جانتے ہیں کہ اس کتاب میں کوئی دلیل علمی قابل تسلیم نہیں ہے مگر طبع آزمائی و زبان زوری مصنف قابل دیدنی ہے کہ کس طرح دلائل عقلیہ ملکارانہ و دانشمندانہ سے اپنے مزعوم کو ثابت کیا ہے اگرچہ جواب انکا یہی دیا گیا کہ جب تحریر مصنف فاضلانہ نہیں ہے بلکہ جاہلانہ اہلکارانہ ہے تو جواب جاہلاں باشد خموشی۔ اور زبان زوری کی جو تعریف کرتے ہو تو اس زمانہ میں صدہا مختار اور وکیل عدالت انگریزی میں موجود ہیں ایک دوسرے کی دلیل کو اپنی زبان زوری سے قطع کرکے حق کو باطل اور باطل کو حق ظاہر کرتا ہے یہ امر قابل تحسین نہیں ہے بہرحال جب انکو اسمیں زیادہ مصر پایا تو دل نے چاہا کہ گو مہلت نہیں ہے اور اجابت ہی شعور مانع بھی ہیں مگر مہر خموشی بھی ناانصافوں کے منہ پر لگی ہوئی نہوگی اسواسطے باعانت اور توجہ جناب مولوی صاحب ممدوح بر بعد اسکا لکھنا شروع کیا اور اسکے دو مقصد مقرر کئے مقصد پہلا تو اُن خرافات کے جواب میں ہے کہ جو اس شیخ نے خط کے جواب سے پہلے لکھے ہیں اور مقصد دوسرا خط کے جواب کے رد میں ہے اور نام اسکا **تحفۃ الاشعریہ** رکھا

مقصد اوّل

اُن خرافات کے جواب میں جو اس شیخ نے خط کے جواب سے پہلے لکھا ہے **قال الشیخ الاشعری** بعد حمد و صلوۃ کے بندۂ ہیچمدان گمنام محمد قاسم نام متخلص خاکپای علماء ناظران اوراق کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ اواخر رجب ۱۲۸۳ھ ہجری میں مخدوم العلماء مطاع الفضلاء مجمع الکمالات منبع الحسنات زیب طریقت حامی شریعت فخر احباب افتخار اصحاب ملجاء انام مرجع خاص و عام معلم قوانین طاعت و انقیاد محرک سلسلہ رشد و ارشاد جامع کمالات ظاہری و باطنی مخدومنا و مولانا مولوی رشید احمد گنگوہی دام رشدہ و ارشادہ نے ایک خط متضمن بعضے خرافات شیعہ جو مولوی عمار علی صاحب کی طرف سے بنام میرزا دعلی صاحب ساکن کھیرتل نواح الور تھا اس ہیچمدان کے پاس باغرض بھیجا کہ ان خرافات کے جواب لکھکر روانہ خدمت مولانا ممدوح کروں **اقول** اس عبارت سے آپ کی ظاہر ہے کہ مولوی رشید احمد کے اشارہ سے امر قبیح پر آپنے کمر باندھی ہے اے عقل کے دشمن تم یہ نہ سمجھے کہ اگر جواب خط صداقت نمط کوئی کار سہل ہوتا تو مولوی گنگوہی اس امر سے پہلوتہی کر کے تمکو اس آفت میں کیوں ڈالتے تم خود لکھتے ہو کہ مولوی صاحب مذکور بڑے عالم و فاضل بلکہ مطاع علماء ہیں اور آپ بہ نسبت انکے جاہل ہیں اور نادان سے نادان آدمی اسکو خوب جانتا ہے کہ مناظرہ علماء کا کام ہے جو سوائے علماء جو کوئی اسمیں قدم رکھے اسکو نادان کہنا چاہئے اور جب عالم اس کار پر دشواری سے پہلوتہی کرے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس دال میں کچھ کالا ہے کسی لم سے یہ امر خالی نہوگا سو آپ انکے کہنے سے شیخی میں آ گئے اور از راہ نادانی جواب کے لکھنے پر مستعد ہوئے اور آخر کو نادانی اور جہالت سے ایسے مضامین خط کے جواب میں لکھے کہ علماء اہل سنت نے تمہارے کفر کا فتویٰ لکھا اور مقام غور ہے کہ اگر خط صداقت نمط کے اعتراضات کا کچھ جواب ہوتا تو وہ خود ہی اس شرف مناظرہ سے اپنے تئیں کیوں معاف رکھتے انکا پہلوتہی کرنا اور آپکو اس آفت میں پھنسانا سوائے ہوشیاری اور پرکاری مولوی صاحب اور کچھ نظر نہیں آتا جب یہ امر ثابت ہوگیا تو آپ کو لازم تھا کہ آپ خود سمجھ جاتے گو کہ انکا اشارہ تھا مگر آپکا تو اسمیں خسارہ تھا اب تو یہ طوق بدنامی اور قشقہ ضلالت آپ کے سر و گردن میں آ پڑا ہے تمکو اتنا تو خیال ضرور تھا کہ استدلالات فرقہ حقہ بمقدمہ فدک جو خط موصوف میں مندرج ہیں کون کون اُسکے جواب میں سر نہیں مار گیا ہے انجام کو سوائے خفت کے اور کچھ حاصل نہوا شیخ عزیز دہلوی سے تو تم زیادہ نہیں ہو دیکھو انہوں نے کس قدر اس بارہ میں ہاتھ پاؤں مارے ہیں لیکن سوائے خفت کے کچھ ہاتھ نہ آیا اور تم تو کس کھیت کے تھوے ہو اگر تمام روے زمین کے سنی جمع ہو کر اسکا جواب دیں تو ہرگز جواب معقول نہ بن پڑیگا سوائے نہ لیات بکنے کے اور یہ سیاہی کا دھبہ حضرات خلفا کی پیشانیوں پر ایسا نہیں جما ہے کہ کسی کے چھڑائے سے چھوٹ سکے **قال الشیخ الاشعری** اور بعد اختتام ہدیۃ الشیعہ ان اوراق کا نام رکھا اور وجہ اس نام رکھنے کی حالانکہ یہ رسالہ مؤید اہل سنت ہے اور اسوجہ سے ہدیۂ اہل سنت کہنا مناسب تھا یہ ہے کہ بہ نسبت اہل سنت شیعوں کے حق میں یہ رسالہ زیادہ تر مفید ہے اہل سنت کے لئے تو اسمیں اتنا ہی فائدہ ہے کہ کچوں کے لئے مفید یقین اور پکوں کے لئے باعث اطمینان ہے پر شیعوں کے حق میں اگر انصاف کریں تو ذریعہ حصول ایمان ہے **اقول** شیعیان علی بن ابی طالب علیہ السلام کو تو روز ازل سے خداوند کریم نے نور ایمان و ایقان بخشا ہے بلکہ سرشت انکی بقیہ طینت ذریت رسول مقبول سے مخمر ہے چنانچہ احادیث متکاثرہ مندرجہ کتب فریقین اسکی شاہد ہیں اور جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے حضرت علیؑ کی طرف خطاب کر کے کہ یَا عَلِیُّ اَنْتَ وَشِیْعَتُکَ فِی الْجَنَّۃِ الخ تو تمہارے اس کلام مجنونانہ سے کیا حاصل ہوگا اور یہ نام رکھنا محض متابعت صاحب تحفہ ہے جب آپ کچھ نام نہ رکھ سکے تو سنت عزیزیہ سے کام لیا انہوں نے تحفۂ اثنا عشریہ اور آپنے ہدیۃ الشیعہ نام رکھا ہے نہ وہ تحفہ اثنا عشریہ ہے بلکہ تحفہ عزیزیہ ہے اور نہ یہ ہدیۃ الشیعہ ہے بلکہ ہدیۂ ناصبیہ ہے اور گھر میں مرغی کا نام بیگم رکھنے سے کیا کچھ نام ہو جاتا ہے منہ پاس ہے جو چاہو سو کہو ثابت تو وہ ہی ہے کہ جو ٹکسال میں پوری اترے اور سبکو مان جائیں اور بہ نسبت اہل سنت کے جو مفید ہونا اسکا لکھا ہے یہ سچ ہے اس راست گوئی کو ہم مان گئے کچوں کے لئے گمراہی اور پکوں کے لئے حصول تزلزل این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند **قال الشیخ الاشعری** ان اوراق میں جو استدلال ہیں تو تین چیزوں سے استدلال ہیں قرآن مجید یا احادیث صحیحہ معتبرہ شیعہ یا دلائل عقلیہ واضحۃ الدلالات سے سو ان تینوں کا مسلم ہونا شیعوں کے نزدیک مسلّم **اقول** ہر چند یہ تینوں شیعوں کے نزدیک مسلم ہیں لیکن آپکے استدلالات صحیح نہیں ہیں قرآن کا تو یہ حال ہے کہ آپ پیرو ۔۔ بکر اور عمر کے ہیں اور آپ کے پیشوا ہمیشہ معانی قرآن کے سمجھنے میں عاجز رہے

ہیں چنانچہ پیر اول آپ کے بیان معانی قرآن میں فرماگئے رہے ہیں کہ کہتا ہوں میں اگر صحیح ہو تو خدا کی جانب سے سمجھو اور جو غلط کہوں تو میرے اور شیطان کی جانب سے جانو اور دوسرے پیر کا حال قرآن دانی میں ظاہر ہے کہ زنان پردہ نشین سے الزام کھاتے تھے اور ہر مسئلہ میں پناہ بجناب حلال مشکلات دین مبین و وارث علوم النبیین لیجاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ لولا علی لھلک عمر جب تمہارے پیشواؤں کا یہ حال ہے تو تم کس شمار میں ہو اور معانی قرآن کو تم کیا جانو اور جب آپکے بزرگان دین کا قرآن دانی میں یہ حال ہو تو آپکا دعوی اس مقدمہ میں بیجا ہے اور چھوٹا سا مُنہ بڑی بات آپ کو زیبا نہیں ہے اور احادیث کا یہ حال ہے کہ انکی طرف سے تم نے کیا تمہارے بڑے بڑے عالموں نے جھوٹی کتابیں اور جھوٹی حدیثیں بنا کر شیعوں کی طرف منسوب کر دی ہیں اور روایت کے اول کو بیان کیا اور اُسکے آخر کو جسکے بیان سے مطلب فوت ہوتا تھا محذوف کر دیا اور یہ سب انشاء اللہ تعالے بعد اسکے معلوم ہو جائیگا اور دلائل عقلیہ کا تمہارے وہ حال ہے کہ اکثر گفتگو تمہاری مجانین کی سی ہے کہ شیعہ تو کیا اہل سنت بھی اُسکو پسند نکریں اور بعضے مضامین تم نے ایسے لکھے ہیں کہ تمہارے حق میں علماء اہل سنت کی جانب سے فتوی کفر کا صادر ہوا ہے اور یہ تحریر آپ کی ایسی ہے کہ بقول مشہور جس بیاہ کو گھر والوں نے سراہا اُسکا کیا بگڑا اور تردید بطلان قول آپ کی کا ظاہر ہے جسوقت یہ خیالی باتیں آپکے تابعین ائمہ الطاہرین کے پیش نظر آئینگی تو بحول و قوت پروردگار عالم حق باطل سے جدا ہو کر کالشمس فی وسط النہار واضح ہو جائیگا اور ناظرین اوراق اُسکو دیکھکر قدرت خدا کا تماشا کرینگے اور احادیث کتب معتبرہ شیعہ کے عدم دستیابی کو تو آپ اوراق آئندہ میں خود مقر ہیں اقراری منکر ہو کر پھر اثبات دعوی حدیث دانی کا نزد العقلاء کے نزدیک سمجھ لیجیے کون کہلاتا ہے اور استدلال عقلی پر فخر کرنا اپنی بے خردی پر آپ شہادت دینا ہے حصر عقل خداوند عالم نے ایک شخص پر نہیں کیا ہے ایک دوسرے سے بہتر اور برتر ہے اور آپ کی تو وہ عقل ہے کہ جسکا اشارہ ہم اوپر کر چکے قال الشیخ کلا شعری مگر یہ سنکر بوجہ گمنامی احقر شاید کسیکو یہ بدگمانی ہو کہ استدلال سبھی کرتے ہیں پر استدلال کسی کسیکو آتا ہے سو اسکا جواب یہی ہے کہ رسالہ موجود ہے ہمارا اور نیکیجیے اس رسالہ کو دیکھ لیجیے صاحبو دیوانہ ہوں ولیکن کہتا ہوں بات ٹھکانے کی بہ برکت اہل بیت کرام اور صحابہ عظام امیدیوں ہے کہ انشاء اللہ منصفان فہمیدہ آفریں ہے کہینگے اور کوئی بات کہے تو یہ کہیگا ؎ گاہ باشد کہ کودک ناداں - بغلط بر ہدف زند تیرے **اقول** ہاں استدلال کسی کسیکو آتا ہے اور اکثر کو نہیں آتا ہے اور استدلال کے نہ جاننے والوں میں ایک آپ ہیں کہ آپنے فدک کے مقدمہ میں قرآن سے ایسا استدلال کیا ہے کہ اُس استدلال پر تمہارے علماء اہل سنت نے تمہارے کفر کا فتوی دیا ہے اور اس رسالہ ہی کو تمہارے دیکھکر استفتا کیا گیا تھا سو تمہارے کفر کا فتوی حاصل ہوا اس کفر کو اپنے تم ٹھکانے کی بات کہتے ہو اور جیسے تم دیوانہ ہو ایسا ہی تمہارا کلام بھی دیوانوں کا سا ہے ٹھکانے کی کوئی بات نہیں ہے اور تم جو احکام کو خدا کے لکھتے ہو کہ یہ احکام خدا کی طرف سے بندوں پر اسکے نہیں ہیں بلکہ رسول خدا صلعم کی طرف سے لوگوں پر ہیں اور رسول خدا صلعم کو لکھتے ہو کہ وہ مرے نہیں اور قبر کے گوشہ میں زندہ بیٹھے ہیں اور وہ حضرت دنیا میں کسی چیز کے مالک نہ تھے اور سوائے اسکے اور بہت سے امور جو تم نے لکھے ہیں یہ کلام دیوانوں کا سا ہے کہ جسکا کوئی مسلمان قائل نہیں ہے اور پھر لکھتا ہے ان کلمات مجنونہ کے باب میں کہ منصفان فہمیدہ آفریں ہی کرینگے لے دیکھ لے اب تو تجھپر آفریں کے عوض نفرین کر گئے ہیں تیرے ہی مذہب کے فہمیدہ اور باوجود اسکے تو طالب اپنی مدح کا ہے اور اپنے منہ میاں مٹھو بنتا ہے اور ایسے پوچ کلام کے بھروسے تعلی کی باتیں لکھتا ہے اے پیر نابالغ کس خیال میں بھولا ہے اس دار ناپائدار میں کون کون فرعون خوارج نہیں ہو گزرے ہیں اور کس کس نے اپنے دعوی باطل کو پیش نہیں کیا ہے مگر خالق ارض و سما نے ہر فرعون اور مغرور کے لئے ایک ایک سرکوب بھی اُنکے ساتھ پیدا کیا ہے کہ جس نے حق کو باطل سے جدا کرکے دکھلا دیا ہے آپ تو کس قطار و شمار میں ہیں بجائے آفریں یقین ہے کہ جبتک یہ اوراق آپ کے صفحہ روزگار پر موجود رہیں گے ضد اُسکی آپ طعن سنان ملام اہل اسلام کے نشانہ رہیں گے اور عقبی میں جو نصیب ہوگا وہ تو ظاہر ہے اور اہل بیت کرام کی برکت تو آپکے کہاں نصیب ہے جنکے آپ کہلاتے ہیں اُنہیں کی آفت میں اور اُنکی اصلاح حال میں آپ گرفتار رہینگے اور منصفان فہمیدہ کی جانب سے جو بے ناموزوں بات کو آپنے موزوں کیا ہے محض آپ کی خام خیالی ہے کیونکہ تیر تدبیر آپکا نشانہ پر نہیں پہنچا ہے اور ایک واہی بادہوائی تحریر تھی کہ گوزشتر ہو گئی البتہ بعد ملاحظہ اوراق ہذا منصفان فہمیدہ یہ ضرور کہیں گے ؎ والے بر پیر مرد نامعقول + عمر ے خویش صرف کرد فضول ؎

قال الشیخ کلا شعری سو یہ سب سچ ہے اپنے آپ کو کون نہیں جانتا غرض اپنی نسبت جو کچھ لکھے بجا ہے اس رسالہ کی حقانیت کا دعوی بھی بیجا نہیں انشاء اللہ بعد ملاحظہ معلوم ہو جائیگا ہاں نادان متعصب اگر دو چار باتوں میں تکرار کریں تو نادانوں کا کام یہی ہے اُنکی زبان سے قرآن تو چھوٹا ہی نہیں یہ ہیچمدان تو کس شمار میں البتہ دانشمند ذی علم ایسا کریں تو ہمیں بھی شکایت ہے کیونکہ کسی رسالہ یا کسی کتاب کے یہ معنی نہیں کہ تمام استدلالات کو باطل کر دیجے جیسا کہ اس ہیچمدان نے بہ نسبت خط مولوی عمار علی صاحب کیا ہے چنانچہ انشاء اللہ تعالی واضح ہو جائیگا ورنہ ایک دو بات تو ہر کسی کی قابل گرفت ہوتی ہے

جناب من بشر ہوں اور بشر بھی سب سے کمتر خدا نہیں رسول نہیں جو غلطی کا احتمال نہو بھول چوک سے انکار نہیں کیا جاتا پر کتاب کی صحت و اعتبار باعتبار اکثر کے ہوتی سوا اگر کسی صاحب کو خیال جواب ہو تو بندہ ہیچمدان کی روش پر چلیں یعنی ہر مضمون کے ہر پہلو پر گرفت کریں نہیں تو اس سے بھی کیا کم کہ موافق قواعد علم مناظرہ ہر دعوی کے استدلال پر اعتراض کریں ورنہ دو چار باتوں کی تغلیطوں سے کام نہیں چلتا اسکا تو میں خود معترف ہوں کہ خطا و نسیان سے مبرا نہیں کیا عجب ہے کہ کچھ غلطی ہو گئی ہو

اقول - سبحان اللہ آپکی تحریر کیا عجیب و غریب ہے کہ جسکے دیکھنے سے ہر ذی شعور کو تعجب آتا ہے شروع میں تو یہ فخر و مباہات اور انجام کو اقرار اغلاط اول میں جو آپنے اپنے تئیں دیوانہ لکھا ہی صحیح اور درست ہے مگر آپ کہتے ہیں بات کہی لیکن کہنی نہ آئی ایسے تحریر مزنہ کا طالب جواب ہونا آپ ہی کا کام ہے حقانیت مضامین رسالہ کا دعوی آپکے ہی بیان سے باطل ہو گیا جب دو چار باتوں کی غلط ہونیکا آپ کو یقین ہو گیا اور آپ کے اس رسالہ کے بعضے مضامین تو وہ ہیں کہ جو آپکے کفر پر دلالت کرتے ہیں اگر اسی کو حقانیت کہتے ہو تو چشم ما روشن اور دانشمندان ذی علم ہی نے تمہارے کفر کا فتوے دیا ہے نہ نادانوں نے اور ہمنے تمہارے کل رسالہ کا رد کیا ہے نہ دو چار باتوں کا کہ ناظرین اوراق قدرت خدا کا تماشا کریں کہ ہم نے تمہاری تقریر لایعنی و وسوسۂ شیطانی کو کیونکر ہباء منثورا کر دیا ہے ہمکو منصفان فہمیدہ سے امید ہے کہ بعد ملاحظہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ہی فرمائینگے اور ابتدا میں تو یہ طمطراق اور انجام میں یہ خوف و اضطراب اگر کوئی دانشمند ذی علم لکھتا تو ہم کو جائے شکایت تھی جو شخص ایک خط کی تین چار باتوں کے لکھنے میں اسقدر فخر و ناز کرے اور وہ بھی سراسر پوچ اور واہی اگر کسی کتاب کا جواب لکھتا تو یقین ہے کہ زمین پر قدم نہ رکھتا ہمکو نہیں دیکھتا کہ کیونکر آزادانہ تیری جمیع ہفوات اور دلائل واہیات کو رد کرتے ہیں اور حرف بیہودہ ستائش زبان پر نہیں ہے اور یہ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ خدا نہیں رسول نہیں لیکن یہ کلمات فخریہ آپکے مقبول نہیں ہیں کہ شیطان آپ کو اغوا کرتا ہے اور یہاں جواب لکھتے ہیں کہ میں خدا نہیں رسول نہیں جو مجھ سے غلطی نہو یہ کہنا بھی آپ کا غلط ہے اسواسطے کہ بعد اسکے آپ فدک کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ سے غلطی ہوئی کہ اپنے بھائی ہارون کے بال پکڑ کر کھینچے اور حضرت داؤد نے غلط حکم دیا اور ملاحظہ فرمالیجئے کہ قواعد علم مناظرہ میں آپکو وقوف ہی نہیں ہے اور یہ پیش بندی جو آپنے یہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر دو چار باتوں میں میری گرفت کریں تو آدمی سہو و نسیان سے بھرا ہوا ہے کچھ عجب نہیں کہ خطا ہوئی ہو یہ آپ کی مکاری اور پرکاری ہے چونکہ آپ پہلے ہی خود جان رہے ہیں کہ تمام تحریر میری ایک سفسطہ محض اور مثل تار عنکبوتی کے ہے ادنے توجہ ماہران فن مناظرہ میں سب قلعی کھلجائیگی اسواسطے آپنے اس ہوشیاری کو پہلے ہی کام فرمایا ہے یہ نہ جانتے تھے کہ اپنے مخالف سے کہاں چھوٹکر جائینگے اور ایسے آپکے کسقدر اعتراض اور استدلال ہیں کہ جن میں سے دو چار تو ضرور ہی غلط اور قابل گرفت ہیں میاں آنکھیں کھولو اور مراقبہ و مجاہدہ شیطانی سے سر اٹھاؤ اور رسالہ کو دیکھو کہ آپکے رسالہ میں کل تین چار ہی تو باتیں ہیں کہ جسکو آپنے اسقدر طول دیا ہے رسالہ کی ضخامت کو دیکھکر جانا ہوگا کہ میں نے کسقدر بے انتہا مقدمات لکھے ہونگے اور اگر آپ کو نظر ثانی کا اس رسالہ پر اتفاق نہیں ہوا ہے تو کیا مضائقہ ہے بندہ درگاہ نیابۃً دیکھکر عرض کرتا ہے کہ اول حفظ قرآن کا ذکر ہے اور اسکی تحریف کا اور کچھ صحابہ کے فضائل کا اور بعد اسکے بداء اور تقیہ کا ذکر ہے اور خط میں مقدمہ کلثوم اور رقیہ دختران خدیجہ زوجہ رسول خدا صلعم کا اور نکاح حضرت ام کلثوم دختر فاطمہ زہراء کا اور بعد اسکے فدک کا ذکر ہے اب فرمائیے کہ جب اسمیں دو چار باتیں تو آپکے نزدیک بھی غلط ہیں تو پھر وہ صحیح کیا رہا

ایک مختصر خط جناب ممدوح کے جواب میں جو مثل نامۂ اعمال اپنے کے ایک دفتر سیاہ کیا ہے کوئی بات ٹھکانے کی بھی ہو اکثر مضامین منجر ہے اپنے بلا سند خلاف طریقہ علماء مناظرہ کے لکھکر دل اپنا خوش کیا ہے اور جسوقت آپ یہ اوراق ملاحظہ فرمائینگے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ سب خوش فعلیاں آپکی مبدل برنج ہو جائینگی قال الشیخ الاشعری القصہ اہل انصاف سے امید ہے کہ قطع نظر پریشانی تقریر اس رسالہ کے دعووں اور دلائل پر حرف گیر نہوئیں بلکہ آفریں و تحسین سے پیش آویں اور اگر بنسبت انبیاء مرسلین و بزرگان اہل بیت و اصحاب سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم اس رسالہ میں کوئی حرف نامناسب دیکھکر الجھیں تو مجھے اس سے بری الذمہ سمجھیں ایسا مذکور کہیں کہیں ناچاری بغرض الزام شیعہ آگیا ہے اسکا بار انہیں کی گردن پر ہے یہ سب انہوں نے کرایا ہے خدا شاہد ہے کہ ایسے عقائد سے میں بہزار جان و بہزار زبان بیزار ہوں محبت بزرگان مذکور کو اپنی سعادت اور انکے حسن اعتقاد کو ذریعہ نجات سمجھتا ہوں مگر مردان فہمیدہ سے یوں امید ہے کہ میرے عذر سے پیشتر ہی بشہادت مذہب مجھے معذور سمجھیں

اقول تمہاری یہ امید اہل انصاف کہ دیکھیں اس تقریر لایعنی اور تحریر بے معنی اس بے معنی کو اور نفریں اور ملامت کریں اس لچر اور پوچ عبارت پر یا تو وہ دعوے ہمہ دانی اور یا یہ نادانی سو آپکے رسالہ میں سوائے اسکے اور کیا ہی ہے دعووں اور دلائل کے اعتراضات کو پریشانی کی علت سے بچایا اور دعووں اور دلائل کے اعتراض کو مثبت و مسلمات سمجھ لیا اب اہل انصاف بجائی تحسین و آفرین طعن و ملامت یاد کریں تو بجا ہے اور کیونکر پیش آئیں اہل انصاف تحسین و آفرین سے تیری تحریر پر جسوقت تیری تحریر مجنونانہ ہو اور بعضی فقرات منجر بکفر ہوں اے بے شعور عقل سے مجبور وہاں تو ہر پہلو تقریر کی گرفت کا خواستگار اور یہاں تقریر اول سے بیزار کسکو درست اور کسکو

نادرست تصور کیا جائے بجز اسکے کچھ خیال میں نہیں آتا کہ آپ شراب تعصب کے نشہ میں ایسے مدہوش ہوئے ہیں کہ فرق سر و پا اور نیک و بد کا باقی نہیں رہا ہے جھوٹا نہ جو زبان پر آیا کہدیا اگر کچھ پاس دین و ایمان کا ہوتا تو خیال پیش و پس کا رہتا آپکی دروغگوئی کے اثبات کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ دروغگو را حافظہ نباشد اور اس علاط کی نسبت صاحبان انصاف سے امید انصاف کی رکھنی گویا اپنے ہاتھ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنی ہے اور اس پیر نابالغ کو کس آفت نے گھیرا ہے کہ ایسے نامعقول تحریر کا طالب جواب ہے نعوذ باللہ منہا محبت ثلاثہ اور عداوت شیعیان علیؑ بن ابیطالب نے اس ناصبی کو ایسا نابینا کیا ہے کہ خود مقر ہے کہ شیعوں کی ضد میں میں نے اہانت انبیائے کرام اور اہل بیتؑ کی کی ہے اسکے نزدیک شیعوں کی ضد میں اگر نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کی نسبت بے ادبی کریں اور نصاریٰ کی ضد میں حضرت عیسیٰؑ کی اہانت بیان کریں تو اہل سنت کے نزدیک سب درست ہے سبحان اللہ کیا خوب مذہب ہے اور پھر لکھتا ہے کہ بار اسکا شیعوں کی گردن پر ہے اس عقل کے دشمن سے کوئی پوچھے کہ گناہ تو کرے تو اور اسکے عقاب میں شیعہ گرفتار ہوں اسکو کونسا عقیل پسند کریگا اور معلوم ہوا کہ اہل سنت کا جو قرآن پر عمل نہیں ہے تو شیعوں ہی کی ضد میں نہیں ہے قرآن میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی اور یہ کہتا ہے کہ میں نے جو اہانت انبیا و اہل بیت علیہم السلام کی کی ہے اسکا گناہ شیعوں کی گردن پر ہے اور سوائے اسکے اور بہت امور شرعیہ ایسے ہیں کہ اہل سنت نے شیعوں کی ضد میں انکو ترک کیا ہے جیسے کہ انگشتری دست راست میں رکھنا اور قبر کا مربع بنانا اور ائمہ معصومین تنہا پر درود کا بھیجنا اور خود ہی لکھتے ہیں کہ ہمنے اسواسطے ترک کیا ہے اور اس شیخ نجدی نے تو سبکے کان کترے کہ انبیا اور اہل بیت کی بدگوئی کو شیعوں کی ضد میں درست رکھا ہے اور اگر خدا تعالیٰ کی بھی نعوذ باللہ بے ادبی ایسے تو کیا تعجب ہے کہ خدا تعالےٰ سے قبیح کے صادر ہونے کو تو جائز ہی جانتے ہیں چنانچہ کتب معتبرہ انکی ایسی خرافات کی شہادت دے رہے ہیں اور تہمت بدا فی المعنی الغیر کے ناحق آپنے دی ہے اب یہ مصیبت آپ ہی پر ٹوٹی شیعہ بیچارے تو ہمیشہ اس تہمت سے بری اور اس عقیدۂ فاسدہ جو مکنون اہل سنت کا ہے بیزار ہیں اور استغفار کرتے ہیں اپنی کلچھن اور انکو لگاتے ہو اور جس بات میں آبروئے ثلاثہ بچتے دیکھی اور انکی عیب پوشی کے لائق پایا اسی کو لے دوڑے اسمیں خواہ خدا تعالیٰ کی بے ادبی ہو خواہ انبیا اور اہل بیت کی اہانت ہو نہ خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال کا خیال آیا اور نہ انبیاء کے مراتب کا اور اہل بیت بیچارے تو کسی شمار ہی میں نہیں ہیں کہ وہ تو بسبب عداوت شیعیان زیر مشق ہیں بلکہ دشمن کھائی دیتی ہیں اور جتنے محبت ثلاثہ میں جو کلمات اہانت بہ نسبت ان حضرات کے آپسے سرزد ہوئے ہیں اسکی آپ خود مقر ہوئے ہیں گو بظاہر لوگوں کے دکھانے کو اور شرم کے مٹانے کو رفع دخل اسکا آپنے کیا ہے مگر وہ تو آپکے نامۂ اعمال میں ثبت ہو چکے ہیں ہر چند آپکا یہ عذر باطل ہے کہ وبال اسکا شیعہ بیچاروں پر ہے اور یہ مزعوم آپکا مطابق مزعوم آپکے پیشوائے عالی مکان معاویہ ابن ابی سفیان کی ہے کہ جسوقت حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں معاویہ پلید بر خلیفہ حق یعنی امام صدق اہل سنت کے مریدوں کے ظلم سے شہید ہوئے تو عمرو عاص نے کہا کہ قاتل عمار کا دوزخ میں جائیگا کیونکہ حدیث نبوی مجھکو یاد ہے کہ حضرت فرماتے تھے کہ عمار بہشت میں ہے اور قاتل اسکا دوزخ میں یہ بات سنکر آپکے پیشوا معاویہ نے کیا فی البدیہ جوابدیا مطابق آپکی رائے اور تقریر کے کہ قاتل عمار کا علی ہے نہ وہ اسکو اپنے ہمراہ لاتا نہ وہ مارا جاتا حضرت علیؑ نے سنکر فرمایا کہ اگر یہی بات ہے تو معلوم ہوا کہ قاتل امیر حمزہ کے جناب رسول خدا صلعم ہیں وہ انکو ہمراہ اپنے لیجاتے نہ وہ شہید ہوتے سو آپنے پیر و مرشد کی بدشگنی کے واسطے اپنی ناک کاٹی ہے اسکا وبال آپ کی ہی گردن پر ہے اور ابد الآباد اسمیں آپ خوف رہینگے اور نسبت محبت اہل بیت اطہار کی اور بدعقیدگی سے انکی بیزار ہونا جو آپنے ظاہر کیا ہے یہ دعویٰ آپکا محض لسانی ہے آپکو محبت اہل بیت کرام سے موت آتی ہے اگر خالص محبت ذریت رسول مقبول ہی کرتے تو اصول و فروع میں انکی پیروی کرتے پھر یہ خنثے دین پسندیدہ میں کیوں پڑتے اور زید اور بکر کو ہر بار منہ پر کیوں لاتے کیا محبت اہل بیت طاہرین کی یہی معنی ہیں کہ جناب باری تو کلام مجید میں انکو معصوم فرمائے اور تم برعکس اسکے انکی نسبت عقیدۂ فاسدہ رکھو چنانچہ فرماتا ہے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا یعنی سوائے اسکے نہیں کہ چاہتا ہے اللہ کہ دور کرے تم سے پلیدی کو اے اہل بیت محمد صلعم اور پاک کرے تم کو خوب پاکیزہ کرنا اب بدیدۂ بصیرت دیکھ لیجئے کہ وہ مزعوم آپکا خلاف حکم خدا ہے یا نہیں اللہ جل شانہ نے اس تھوڑی سی عبارت میں کسقدر لطف و کرم فرمایا کس درجہ کی توصیف ان حضرات کی فرمائی ہے قربان ہو جاؤں میں اس لطف و کرم کے کہ اپنے حبیب کی اہل بیت کو بنظر شفقت یوں فرماتا ہے کہ اے اہل بیت ہم چاہتے ہیں تمکو پاک کرنا جمیع پلیدی سے اور کیسا پاک کرنا کہ جو حد پاک کرنے کی ہے اور یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا کس اعلیٰ درجہ کا توجہ آمیز کلمہ ہے کہ ایک ایک حرف سے اسکے وہ چاشنی شفقت خداوندی ٹپک رہی ہے کہ تشنگان وادی محبت کے لئے قوت تازہ اور سیرابی کا اندازہ حاصل ہوتی ہے اور یہ شفقت آمیز کیوں نہو کہ روز ازل سے انکو خاص نور محمدی سے پیدا کر کے مقرب بارگاہ صمدیت قرار دیا تھا انمیں پلیدی اور نجاست معاصی کیسے ہوتی یہ ارشاد تو محض اتمام محبت مریضان حسد کے لئے صادر ہوا ہے تاکہ وہ لوگ متنبہ ہو کر اپنے مرض کو دور کریں مگر واہ ری قساوت قلب کہ اپنے مزعوم فاسد سے باز نہ آئے اور اس آیت کے شرف میں اعدائے اہل بیت نے ازواج رسول خدا صلعم کو داخل کرنا چاہا اور بہت ہاتھ اور پاؤں مارے مگر راہِ مقصود تک نہ پہنچ سکے چنانچہ ذکر اسکا انشاء اللہ تعالیٰ مفصل بعد اسکے اس شیخ کے قول کے رد میں آئیگا جس جگہ کہ آیت تطہیر کو ازواج کی شان میں لکھیگا اب ملاحظہ فرمائیے کہ منکران عصمت اہل بیت کے جناب باری عز اسمہ نے کیسی

گردن توڑی ہو مگر ہاں آپکو تو معانی قرآن سے اور اُس پر عمل کرنے سے کچھ کام نہیں ہے آپ تو کثرتِ تلاوت کے معنی سے کام رکھتے ہیں چنانچہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ امر بخوبی ظاہر ہو جائیگا مگر ہم فخر و مباہات کرتے ہیں عقیدۂ حقہ اثنا عشریہ پر کہ جمیع ائمہ اطہار ذریت حضرت خیر الانام کو معصوم سمجھتے ہیں اور کیوں فخر و مباہات نکریں اپنے عقیدۂ حقہ پر کہ مطابق قرآن مجید کے ہی عقیدہ اُنکا اور پیروان خاص اُنہیں حضرات کے ہیں جو کہ وارثان علوم رسول مقبول صلعم ہیں اور روا ہے اُس گروہ بے شکوہ پر جو ایسے صراط مستقیم کو چھوڑ کر بہ تلبیس ابلیس لعین بکر و زید کی تقلید کا پٹہ کہ جو جہلا تھے اپنی گردنوں میں ڈالکر بادیہ ضلالت میں سرگرداں ہیں کہ خسر الدنیا والآخرہ انہیں لوگوں کی شان میں ہے اور جھوٹا دعوی لسانی لوگوں کے دکھانے کو محبت اہل بیت کا کرتے ہو اور جن بزرگیوں سے یہ مشرف ہوئے ہیں اُنکو بدلائل نامعقول منقطع کرتے ہو اور روایات فضائل اُنکے کی تنقیص اور تضعیف کرتے ہو اور ثلاثہ کی نسبت جن بزرگیوں سے کہ اُنکو بہرہ نہیں ہے بہ تکلف و زبردستی براہین فضول اُنمیں ثابت کرتے ہو اگر اسی کو آپ کے مذہب میں محبت کہتے ہیں تو ایسی محبت کو سلام ہے البتہ دعوی محبت ثلاثہ آپکا بجا اور درست ہے کہ اُنکے عیبوں کو ایسا چھپاتے ہو کہ جیسا بلی گوہ کو چھپاتی ہے اے نادان بھائیو کچھ تو غور کرو کہ تمہارے بزرگوں نے تو باوجود اسقدر تاکید شدید جناب باری عزاسمہ کے اہل بیت کرام کو قائم رکھا ہی نہیں کہ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے شرف و منزلت اُنکا رسول خدا صلعم کے زمانہ میں دیکھا تھا اور آیات بینات خاص اُنہیں کے متنبہ کرنے کو جناب باری نازل فرماتا ہے کہ ذٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ یعنی وہ روضات جنت و دہیں کہ خوشخبری دیتا ہے خدا بندوں اپنے کو جو کہ ایمان لائے ہیں اور عمل کئے ہیں اُنہوں نے نیک اور ایمان اور عمل صالح کے ساتھ واسطے حاصل ہونے روضات جنت کے یہ فقرہ بھی بعد اسکے بڑھایا کہ اگر وہ نہوگا تو بہشتیں حاصل نہونگی اور وہ یہ ہے کہ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ یعنی کہہ تو اے محمدؐ کہ نہیں سوال کرتا ہوں میں تم سے رسالت اور بشارت کے پہنچانے پر مگر دوستی کرنے اپنی قربیوں میں کہ وہ علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ ہیں کہ اُنسے دوستی کرو اور بعد اسکے فرماتا ہے کہ وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا یعنی اور جو کوئی کماوے نیکی کو کہ وہ محبت اہل بیت ہے تو زیادہ کرینگے ہم واسطے اُسکے اُسمیں نیکی کو کہ ثواب چند در چند عطا کرینگے اب ملاحظہ فرمائیے کہ جناب باری نے ایمان کے ساتھ کیا کیا قیود اور شرائط لگائے ہیں کہ جب یہ سب پوری ہو جائیں تو اُسوقت یہ بشارت فیض اشارت بہشت کی راست آتی ہے یہ نہیں کہ صرف ذاتِ خدا اور رسول کو مان لیا اور عمل صالح نکئے اور عمل صالح بھی کئے مگر محبت اہل بیت رسول صلعم سے نرکھی تو وہ بشارت جو دیگئی ہے صاحبان ایمان کو کافی نہوگی سو مودت پیغمبر کی ذوالقربےٰ کی بھی ضروریات ایمان سے ہے جب تک یہ پوری نہو جائے ایمان کامل نہیں ہو سکتا کیونکہ جناب باری نے اجر رسالت جناب سرور کائنات اس محبت کو قرار دیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ رسالت وہ رکن اعظم ہے کہ جسپر بنیاد دین اسلام کی رکھی گئی ہے اگر رسالت نہوتی تو دنیا میں کوئی متنفس ایمان سے بہرہ ور نہوتا پس محبت اہل بیت اُس رکن اعظم کا صلہ ہے اسواسطے جناب باری عزاسمہ نے مودت کو ایمان کی شرط گردانا ہے اور بہشت کو اُسکی جزا مقرر کیا ہے اب ذرا چشم انصاف کو کھولکر دیکھو کہ کیا یہی شرط محبت ہے کہ حضرت سیدۃ نساء العلمین پارۂ جگر خاتم المرسلین صلعم کو اُسکے حق سے محروم کریں اور وہ فاطمہؑ کہ جسکی شان میں کثرت سے حدیثیں اُسکی مناقب کی کتب فریقین میں موجود ہیں اور وہ مظلومہ تو دعوی پیش کرے اور علما ریاست دنیا اُسپر تہمت دروغ کی رکھکر اُسکے دعوے کو رد کریں اور اُسکو رنج اور آزار پہنچائیں اور اُسکو ایسا غضبناک کریں کہ تا دم واپسیں پھر وہ مظلومہ اُنسے کلام نکرے اور یہ سب مفصل انشاءاللہ تعالی بعد اسکے فدک کے ذکر میں آئیگا اور جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ ایذا دینا فاطمہ کا مجھکو ایذا دینا ہے اور قرآن شریف میں لکھا ہے کہ اَلَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ سو بموجب آیت شریفہ اور قول رسول مقبول صلعم فاطمہ زہرا کے ایذا دینے والے پر خدا تعالے نے دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے تمہارے چھڑانے اور بات بنانے سے کیا ہوتا ہے وہ تو ایک امر ہو ہی چکا اسمیں بھلا ہمارا اور تمہارا کیا چارہ چلتا ہے اگر کسی شیعہ بیچارہ نے کوئی بات اپنے منہ سے نکالی ہوتی تو جائے شکایت تھی وہ تو محض پیروی حکم خدا میں بدنام ہیں ان بیچاروں سے عداوت کرکے ناحق اپنے دین اور ایمان کو تم کھوتے ہو ہائے افسوس جنکے پیشواؤں کا محبت ذوالقربےٰ میں یہ حال ہو کہ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کا وہ مصداق ہوں اور اُنکے پیرو محبت ذوالقربیٰ کا شیعوں کے منہ چڑھکر دعوی کریں اور امید بہشت کی رکھیں کونسا عقیل اُنکو نادان نہ سمجھیگا اور ایسی ہی پیروی اہل بیت کی نہیں کرتے ہیں اصول میں نہ فروع میں اور جب اُنکی پیروی نہ کی تو قرآن شریف کی بھی پیروی نہ کی اسواسطے کہ بموجب حدیث ثقلین جو کہ تفسیر قرآن کی ہے وہ اُنکے ہی پاس ہے اور اللہ تعالی نے اُن حضرات کو محض احکام رسانی اپنی ہی کیلئے تو پیدا کیا ہے کہ جو احکام جناب رسول خدا صلعم خدا کے یہاں سے لائے ہیں اُنکو یہ پہنچاتے رہیں اور اسیواسطے کلام مجید کو آپنے اُنکے سپرد کیا ہے اور بلا عمل صرف پڑھنے اور حفظ کرنے کے واسطے نازل نہیں کیا ہے سو مطلب قرآن کو اُنکے پاس سے لینا اور سمجھنا چاہئے اور اگر شیعوں کی ضد میں اہل بیت علیہم السلام کی پیروی کا اور قرآن کے سمجھنے کا ارادہ نہیں ہے تو ہم کہتے ہیں ہماری نہ مانو اپنے رسول کی تو مانو کہ وہ فرماتے ہیں مَثَلُ اَهْلِ بَیْتِیْ فِيكُمْ كَمَثَلِ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَ فِيهَا نَجَىٰ وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ یعنی مثال اہل بیت میری کی تم میں مثل کشتی نوح کی ہے جو کوئی سوار ہوا اُسمیں نجات پائی اور جس نے تخلف کیا اُس سے وہ غرق اور ہلاک ہوا پس اب تو ہمکو یقین کامل ہے کہ اگر کچھ بھی مایہ سعادت باقی ہے تو اُس کلام خدا اور حدیث مقبول فریقین کو سنکر اپنے عقیدۂ فاسدہ سابقہ

بیزار ہو کر یقین کامل حاصل کروگے اور حق سے منہ نہ موڑو گے اور یہ بڑا ماننے کی بات نہیں ہے حق کو جو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے محض قبول کرنیکے واسطے ہی پیدا کیا ہے حق سے انکار کرنا نادانوں کا شعار ہے اسکو بھی کوئی نہ سمجھے تو اسکو خدا سمجھے ہمارا کام کہنے کا تھا سو کہہ سُنایا وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ **قال الشیخ الاشعری** ہاں بوجہ بے سروسامانی احقر کسی شیعہ کو نقل روایات میں کچھ تامل ہو تو چند وجہ سے بجا ہے اول تو کتب شیعہ کسے میسر سنیوں کو کیا غرض جو فراہم کریں شیعوں کو بحکم مثل مشہور اَهْلُ الْبَيْتِ أَدْرَى بِمَا فِيهِ یعنی گھر والے گھر کی بات کو خوب جانا کرتے ہیں بلحاظ خوبی مضامین سنیوں کے دینے میں دار و گیر طعن و تشنیع کا اندیشہ پھر کوئی سُننے لانے لائے تو کہاں سے لائے جو کوئی روایت مفید مطلب شیعیان کسی رسالہ میں درج کی جائے **اقول** اگر بے سروسامانی تجھکو حاصل تھی اور کتاب شیعہ تجھکو میسر نہیں ہو سکتی تھی تو کس واسطے تو نے جھوٹی باتیں لکھنے کو یہ بار گراں اپنی گردن پر رکھا اور معلوم ہوا کہ جھوٹی روایتیں تو نے شیعوں کی طرف منسوب کی ہیں اپنے جی سے بنا کر اور اس رسالہ میں اپنی کوئی روایت آپنے کتب شیعہ کی مندرج نہیں فرمائی کہ اسکی صحت و دروغ میں تامل ہو اور محض دروغ اور تقریر پریشان اور تحریر بے سروسامان بازاری عامیانہ سے اپنے نامۂ اعمال کی کاغذ سیاہ کئے ہیں آپ خاطر جمع رکھئے - ماشاء اللہ اس علم مناظرہ سے اللہ تعالیٰ نے آپکو بے بہرہ رکھا ہے اور جب کوئی روایت سُنی سُنائی یا کسی کتاب میں سنی مذہب کی دیکھی دکھائی درج بھی کی ہے تو وہ کسی وجہ سے اعتبار نہیں رکھتی ہے اول تو یہ کہ آپ خود منکر ملاحظہ کتب شیعہ ہیں اور دوسرے یہ کہ آپکی مذہب کے کل مصنفوں کا طریقہ مستمرہ ہے کہ جب اعتراضات شیعوں سے گلو خلاصی ثلاثہ نظر نہیں آتی تو مضامین مزعومی اور مفروضی لکھکر اور کسی کتاب کا حوالہ دیکر لکھدیتے ہیں کہ یہ کتاب شیعہ کی ہے اور اُسمیں یہ لکھا ہے چنانچہ کوئی کتاب تصنیف سُنی اس علم میں ایسی نہیں ہے کہ جسکا جواب دنداں شکن جانب شیعہ سے نہ لکھا گیا ہو اور اُن روایات مندرجہ کی قلعی نہ کھولی گئی ہو اور دروغ اور بہتان مصنفین پایۂ ثبوت کو نہ پہنچایا ہو سو ایسی روایات نقل بہ نقل کا مندرج رسالہ کرنا سوای نادانی اور پشیمانی مصنف رسالہ اور کچھ نہیں ثابت ہوتا اور بعدم تیسیر کتب شیعہ تبطریر لغو جو آپنے بت بنائی کی ہے وہ محض آپکا دروغ اور بہتان ہے اور فضل الٰہی سے کتب شیعہ کو بکو اور خانہ بخانہ شائع اور ذائع ہیں لیکن کتب شیعہ قابل اعتراض ہرگز نہیں ہیں اور جسکو اہل سنت اعتراض کہتے ہیں وہ حقیقت میں اعتراض نہیں ہوتا اور قابل اعتراض کتب اہل سنت ہیں کہ شیعہ اُن کتابوں میں سے طرح طرح کی اعتراض خلفاء ثلاثہ پر کرتے ہیں اور غرض واسطے جمع کرنے کتب خصم کے واسطے تحریر جواب کے ہوتی ہے سو جو اعتراضات کہ شیعہ خلفاء ثلاثہ پر کرتے ہیں اُسکا جواب اہل سنت کتب شیعہ سے حاصل نہیں کر سکتے جیسے کہ شیعہ کتب اہل سنت سے اہل سنت کو جواب دیتے ہیں پھر جب مقصود اہل سنت کا کتب شیعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا تو وہ کتب شیعہ کو کاہیکو جمع کرینگے اور کتب شیعہ کے دیکھنے کی ممانعت بھی ہے کہ ایسا نہو کہ ثلاثہ کے عیوب دیکھکر مذہب میں تزلزل آجائے اور اسی واسطے واعظین کو اہل سنت کے مذہب میں ممانعت ہے حسنین علیہما السلام کے مقتل اور صحابہ کے نزاعوں اور جھگڑوں کے ذکر کی کہ اسمیں صحابہ سے بغض ہو جائیگا لوگوں کو انکا حال سنکر چنانچہ صواعق محرقہ میں قول امام غزالی کا لکھا ہے کہ وَيَحْرُمُ عَلَى الْوَاعِظِ وَغَيْرِهِ ذِكْرُ مَقْتَلِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَمَا جَرَى بَيْنَ الصَّحَابَةِ مِنَ التَّشَاجُرَاتِ وَالْمُنَازَعَاتِ لِأَنَّهُ يُجَرُّ إِلَى بُغْضِ الصَّحَابَةِ اور طعن اور تشنیع تو اہل سنت شیعوں پر کیا کرینگے کہ شیعوں کے اعتراضوں کے جواب ہی سے آجتک اہل سنت کو فرصت حاصل نہیں ہے اور اہل سنت بخوف اس امر کے بھی کتب شیعہ کو نہ دیکھتے ہیں اور نہ جمع کرتے ہیں کہ ایسا نہو کہ کہیں مطلب کو سمجھکر مذہب حق کہ جو مذہب شیعہ ہے وہ قبول کرنا پڑے اُسکے مطالعہ سے بے نصیب ہو جاتے ہیں اور بقول آپکے سنیوں کو تو کتب حقہ شیعہ کی فراہم کرنے سے کچھ غرض نہیں ہے اور اُنکے مطالعہ سے باغوای شیطان محروم ہے تو پھر دعوی مناظرہ کرکے میدان میں آنا اور اس بارہ میں کاغذ سیاہ کرنا بڑی دلیل حماقت کی ہے اے عقل کے دشمن جب مناط دعوی ہی غلط ہو گیا تو اُسکی سرسبزی کا امید ہونا سوای مردمان بوالہوس کے اور کسیکا کام نہیں ہے اور کتب فرقہ حقہ شیعہ مثل کتب سنیان بوالفضول نہیں ہیں کہ کوئی مضحکہ کرے دیکھو شرح وقایہ وغیرہ کتب فقہیہ میں کہ مذہب امام اعظم اہل سنت کو کیا مضحکہ طفلاں تحریر کیا ہے نماز کہ جو رکن اعظم عبادت اسلام ہے اُسکی کیا خرابیاں کی ہیں کہ نبیذ سے وضو کرنا اور بجائے قرأت دو برگ سبز کہنا فارسی میں اور سجدہ میں مثل ٹھونگ مارنے کوے کے اکتفا کرنا اور سلام کے عوض گوز مارنا اور پوست سگ کو بمقدار کف دست نجاست میں آلودہ کرکے پہننا اور اُس نجس سے نماز پڑھنی چنانچہ علماء شافعیہ نے بھی محمود غزنوی کے سامنے اس نماز کو امام اعظم کی ادا کرکے مذہب حنیفہ سے اُسکو بیزار کر دیا تھا اور یہ سب تواریخ علماء اہل سنت میں لکھا ہے اور ایسا ہی کلام بڑے پیر جی صاحب کا ہے کہ جسکو دیکھکر ہر وضیع و شریف خندہ زن ہو غنیۃ الطالبین میں علاوہ دیگر خرافات کے قصہ رنگیاں اور تماشا دکھلانا حضرت سرور کائنات کا اپنے کندھے پر سوار کرکے بی بی عائشہ کو اور مجھے یاد ہے کہ ایک ہندو کے سامنے ایک شخص فخریہ یہ قصہ بیان کرتا تھا کہ میرا گزر ہوا اور ہندو نے ڈانٹا اور کہا کہ کہاں گئی شرم اسلام اور دین و ایمان تیرا کہ ایسی تہمت معصوم کے ذمہ لگاتا ہے اور ایک مضحکہ خلاف مذہبوں کو یاد دلاتا ہے اور یہ بڑے پیر وہ صاحب ہیں کہ جنکی گردن پر جناب رسالتماب شب معراج پاؤں رکھکر آسمانوں پر گئے تھے تعجب ہے ان نادانوں کی سمجھ پر کیا کیا مزخرفات ایسے دین پسندیدہ اسلام میں شامل کرکے خندہ طفلاں بنایا ہے اور لطیفہ یہ ہے کہ اپنی کمجہلی اور انکو لگاکر اپنے عیوب کھلواتے ہیں ورنہ خدا آگاہ ہے کہ ہمارا ارادہ کسیکی پردہ دری کا نہ تھا - بلکہ عیب پوشی کی نیت ہے خداوند کریم ان دشمنان دین کو سمجھ **قال الشیخ الاشعری**

اگر فرض کرو کہ لیں بھی تو مجھ سے بے سروسامان کے ملنے کی تو کوئی صورت ہی نہیں کیونکہ اپنی کتابیں جب پاس نہوں تو دوسروں کی کتابیں کیا ہونگی تیسری نقل مشہور
المرء یقیس علیٰ نفسہ شیعوں کی دروغ مذہبی نے شیعوں کے نزدیک سنیوں کا اعتبار بھی نہیں رکھا ہی پھر حسب مثل مذکور اگر شیعہ اس سنی مشرب کو جھوٹا سمجھیں تو سمجھ کی
بات ہے بالجملہ بوجوہ مذکورہ خاص کر وجہ قول اسبات میں کسی شیعہ کو تامل ہو تو بجائے خود ہی سو اسلئے یہ راست باز بھی عرض پرداز ہے کہ الصدق ینجی والکذب یہلک
یعنی سچ میں نجات ہے اور جھوٹ میں تباہی تو واقعی اس بے سروسامان کے پاس اس قسم کا سامان کچھ نہ تھا **اقول** ہم تو پہلے ہی آپ کی بے سروسامانی اور کم مایگی کا
یقین رکھتے تھے کہ آپ بقول شخصے پڑھے نہ لکھے نام کو محمد فاضل خون لگا کر شہیدوں میں ملا چاہتے ہیں مگر بقول شخصے حق بر زبان جاری ہوا الحمد للہ علی احسانہ اپنی
ہی زبان سے آپنے اقرار عدم مطالعہ کتب حقہ کر لیا صاحبان انصاف بجائے خود سمجھ گئے کہ یہ تقریر و تحریر آپکی بے دیکھے بھالے ہے سنی سنائی کا اعتبار سوائے جہلا و بد شعار
اہل علم کب کرتے ہیں صرافان بازار معنی کو کلام کی کسوٹی پر کھوٹ آپکا ظاہر ہو گیا اور صداقت کلام آپ کا پایہ اعتبار سے ساقط ہو گیا پہلے ہی اگر آپ نے تئیں منکہ مشغول
و مہر بالمہر نہ لکھتے تو یہاں تک دوسری خامہ فرسائی کیوں کرنی پڑتی ہاں سچ ہے دانا کند کند ناداں لیکہ بعد از خرابی بسیار انجام کو سچ سچ اور جھوٹ جھوٹ ظاہر ہو گیا آپکے پاس جب اپنی کتابیں بھی نہیں ہیں
تو واقع میں کتب حقہ تو کہاں حرام الکتب ہیں اس صورت میں ایک دھوکہ بازی ہے اور سچ یہ دھوکہ بازی آپکے مذہب کی ایک سنت سنیہ بلکہ واجبہ ہے کیونکہ یہ طریقہ کچھ جدید اپنی طرف سے آپنے ہی نہیں نکالا کیا ہی بلکہ بزرگان اسلاف سے
مروج چلا آتا ہے جب اعتراضات شیعوں سے تمہارا قافیہ تنگ ہوتا ہے تو اسوقت ایک دو روایت منحوس گھڑ کر اور کتب شیعہ کا حوالہ دیکر اپنی گلو خلاصی کرتے ہو جیسے کہ مولوی عبد العزیز
صاحب و نصر اللہ کابلی وغیرہ نے کیا ہی انجام کو محققین فضلاء شیعہ کے ہاتھ سے ویسی ہی اپنی پردہ دری کرائی آپنے یہ نقل اپنے حال کے بالعکس لکھی ہے کہ الصدق ینجی والکذب
یہلک آپکے حسب حال تو الکذب ینجی والصدق یہلک موزوں تھا کیونکہ جھوٹ میں آپکا بچاؤ ہے اور سچ میں آپکی تباہی ہے اور راستی اور درستی مذہبی شیعوں کی
کلام مجید و اہل بیت کی پیروی اور محبت کی جہت سے موافق مضمون حدیث ثقلین کے ظاہر اور ہویدا کالشمس فی وسط النہار ہے مگر آپنے جو لفظ دروغ نسبت شیعیان آل اطہار
درج اوراق کیا ہے وہ یہ ہے کہ المرء یقیس علیٰ نفسہ جیسا درس ویسا برس جیسے آپ تھے ویسا ہی شیعوں کو اپنے اوپر قیاس کیا مگر لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہاں نور کجا
نار ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا حق حق ہے اور باطل باطل ہے دونوں کو یکساں قیاس کرنا سوائے نادانوں کے کسی کا کام نہیں ہے اور جھوٹ آپکا کیا بلکہ مولوی عبد العزیز
صاحب کا جنکے تم پیرو ہو انشاء اللہ تعالیٰ بعد اسکے واضح ہو جائیگا البتہ اسقدر سچ ہے کہ سنیوں کا اعتبار شیعوں نے کھو دیا سو مہربان من اسمیں شیعہ بیچارے ناچار ہیں کہ حق بات
ظاہر کرنے شیعوں پر واجب ہے اور حق ظاہر ہو جاتا ہے تو قاعدہ ہے کہ باطل کا اعتبار جاتا رہتا ہے اسمیں شیعوں نے آپکے پیشوایان سلف کی تو ہری ڈھکی رکھی ہی نہیں ہے
راستبازی میں اور صاف گوئی میں آپکا ملاحظہ کر لیجئے عدم مطالعہ کتب حقہ نے آپکی جمیع تحریر مکر و تزویر کی آبرو کو پایہ اعتبار سے ساقط کرکے خاک سیاہ کر دیا ہے حضرت سلامت
عیب کرنے کو ہنر چاہئے اگر بسبب بے استطاعتی خود کتب حقہ میسر نہیں آتی تھیں تو مستعار تو بہرحال ہر جگہ سے مل سکتی تھیں اس سے اپنی کارروائی کرتے اور جو شکوک بسبب
دست بردی نفوس شیطانی مانع اور مزاحم حق تک پہنچنے کے تھے اسکو رفع کر لیتے مگر میں بھولا معاف کیجیگا آپکو تو سر سے حق پسندی نہیں حق کی تحقیق سے تو آپکو کمال ہی
نفرت ہے اگر پسند ہوتا تو ضلالت اور گمراہی پر اسقدر اصرار کیوں کرتے آپ سے ایسی سمجھ کی بات کہنی گویا آئینہ داری در مجلس کوراں و نصیحت کردن ستوراں ہے وَمَنْ یُضْلِلِ
اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ جسکو خدا گمراہی میں چھوڑ دے اسکو کون ہدایت کر سکتا ہی **قال الشیخ الاشعری** پر ایک تحفہ اثنا عشریہ تھا اور جب تحفہ تھا تو جاننے والے جانتے
ہیں کہ سب کچھ تھا موافق مصرع ؎ کافی ہے تسلی کو تری ایک نظر بھی۔ اور کتاب نہ سہی ایک تحفہ ہی بہت ہے **اقول** تحفہ عزیزیہ کو تحفہ سمجھنا گویا اپنے ہاتھ سے اپنے
پاؤں پر کلہاڑی کا مارنا ہے اور اسکے استدلال پر مدعی ہونا اپنی آبرو کا کھونا ہے کیونکہ آپ تو شاید واقف نہیں مگر جو صاحبان علم و فضل ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ
اس تحفہ کے مصنف نے جو اپنی مدۃ العمر میں بمکائد نفسانی و بہتانات بے پایاں شیرازہ بندی کی تھی شیعیان آل اطہار نے ہمہ وجوہ اسکی پریشانی کر دی یعنی ایک
فقرہ کی کئی تردید اور ایک کلمہ کے گوناگون بطلان انہیں کی کتب معتبرہ سے ظاہر کر دیئے اور بیسیوں رد اور جواب اس کتاب کے کہ بکو موجود ہیں اور جو کچھ ملمع بازی اور کارسازی
اسمیں کی تھی ان حضرات شیعہ نے اسکی سب قلعی کھول دی اگرچہ اس کتاب کے مکائد عظیم تھے مگر آپ جانتے ہیں کہ خدائے عز اسمہ کو کید کب پسند ہے کیونکہ خود اپنے کلام مجید
میں فرماتا ہے وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ یعنی اور خدا بہتر سزا مکر کی دینے والوں کا ہی اور جب خدائے عز و جل اپنکو مقابلہ مکاران دنیا خیر الماکرین فرمائے تو مصنف تحفہ کس شمار و قطار
میں ہیں اور انکے مکائد کہاں قائم رہ سکتے ہیں حضرت من یہ عروس بیا آپکی جسکو دکھلا کر آپ ناچ رہے ہیں یعنی وہ ابکار افکار شاہ صاحب جبتک حجلہ نشین خانگی
یا دامن و آغوش میں مستور تھی تب تک ہی انکی خیر تھی اور اسیوقت تک حسن کلام کا دعویٰ بخاص مؤلف اور مریدان مؤلف کو زیبا تھا اور جسوقت کہ وہ بر سر بازار ہر آشنا
اور بیگانہ کے ہم آغوش ہوئی پھر تو یاران مست بادہ محبت حیدر کرار اسکو ہاتھوں ہاتھ لے اڑے اور خوب ہی اپنے دل کی حسرتیں نکالیں اور وہ وہ کارروائیاں پردہ دری

میں کہیں کہ شاہ صاحب کا دل ہی جانتا ہوگا چنانچہ اسی رنج میں لشت بہ بہشت ہوئے اے عقل کے دشمن ہفوات اور بہتانات عزیزیہ عرصہ ہوا کہ مثل ہباءً منثوراً کے پراگندہ
ہو چکے ہیں اگر تجھ کو لکھنا تھا تو پہلے تحفہ کے جوابوں کو دیکھ لیا ہوتا اور جواب اُسکا سوچ لیا ہوتا تب کچھ لکھا ہوتا لیکن تونے اُس کلام مردود ہی پر اکتفا کر کے اپنی آبرو کو کھو دیا اور
اُسکے متن اور حواشی کے دعووں سے اپنی تحریر کو بیکار کر دیا کاش اپنی ہی جانب سے استدلال کا دعوی کرتے تو گو عقیل تو طرز تقریر سے آپکے علم و فضل کو جان ہی جاتے مگر
تاہم بادی النظر میں عوام کالانعام کو تا حین مطالعہ آپکے رسالہ کی کسیقدر رسائی رہتی لیکن کیا اور کرنا جانا اپنے ہاتھوں سے شیخ چلی کا سا گھر بنا بنایا بگاڑ ڈالا اور تحفہ ایک
تقویم پارینہ تھی جسکے کل استدلالات منسوخ اور مردود ہو چکے ہیں اُسپر دعوی آپکا محض خام خیالی آپکی ہے **قال الشیخ الاشعری** کیونکہ مؤلف تحفہ حجۃ اللہ فی العالمین
خاتم المحدثین والمفسرین زبدۃ المتکلمین عمدۃ المناظرین مولانا شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ کے نام کے سُنّی تو دیوانہ ہیں پر علماء شیعہ بھی جاہلوں کو میں نہیں کہتا اُنکے تبحر و تحقیق
کو بہ نسبت دونو مذہبوں کے اپنے دل میں تو خوب ہی جانتے ہیں زبان سے کہیں یا نکہیں سو جو روایات کتب شیعہ میں سے اِس رسالہ میں منقول ہوئی ہیں ماخذ اُسکا یا متن تحفہ
مطبوع یا اُسکے حواشی ہیں جو غالباً شہنیہ معلوم ہوتے ہیں **اقول** صاحب تحفہ اگر حجۃ اللہ فی العالمین ہیں یا خاتم المحدثین ہیں تو اہل سنت کے نزدیک ہونگے اور شیعہ تو
اُنکو اکذب الکاذبین جانتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنی کتاب تحفہ کو سینکڑوں دروغوں اور بہتانوں سے پر کیا ہے اور نہ یہاں کسی کے تبحر سے کام ہے یہاں تو حق گوئی سے
مقصود ہے اور حق گوئی اُنمیں ہرگز نہ تھی اور دعوی تبحر شاہ صاحب میں جو دروغ کو آپ فروغ دیتے ہیں یہ محض آپکی یاوہ گوئی ہے کہ شاہ صاحب کا حال تبحر ظاہر
ہو چکا ہے کہ علماء شیعہ نے اُنکی تحقیق اور تصانیف کی کیا کیا تردید کی ہے اور کیا کیا کذب و دروغ اُنکا ظاہر کر دیا ہے کہ جسکا جواب آج تک اُنکے کسی اہل نحلہ سے بن نہ آیا بلکہ
علماء اہل سنت خود جوابات شیعہ دیکھکر اپنے دل میں سمجھ گئے گو زبان سے نہ کہیں کہ شاہ صاحب نے محض براہ عام فریبی اور دھوکا دہی کتب شیعہ کا حوالہ دیا تھا اور
کتب شیعہ میں اُن روایات کا وجود بھی نہیں جن بعضی روایتوں کا کہ حوالہ دیا ہے آپنے ناحق اُنکی تعریف اور توصیف میں تضییع اوقات کی مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار
گوید اُنکے حالات سے ہم خوب واقف ہیں کہ مثل اُنکے دروغگو مفتری کون ہوگا کہ خاص اسی تحفہ میں صدہا دروغ لکھے ہیں کہ کچھ اُنمیں سے بعد اسکے مذکور بھی ہونگے اور
شیعوں پر بہتان باندھے ہیں کہ جسکی پیروی میں آپ بھی عرق ریزی کر رہے ہیں انشاء اللہ تعالی عنقریب اسکے جواب میں اُنکا اور آپکا حال کھل جائیگا مگر آپ بڑے پرکار
سلیقہ شعار معلوم ہوتے ہیں کہ بظاہر دوستی میں آپنے جال دشمنی اُنکے واسطے بچھایا ہے کہ مُردوں کو گور سے اُکھڑوایا ہے کہ کوئی بُرا کہیگا تو اُنکو کہیگا نہ مجھکو کہ میں تو اُنکے قول
کو نقل کرتا ہوں ہمکو بھی آپکی خاطر عزیز ہے خوف نہ کیجے مثل آپکے میں دہن دریدہ نہیں ہوں گو بظاہر تحریر میں تتبع آپکا ہی مگر بات ٹھکانے کی کہتا ہوں منصفان حمیدہ آپکی
گفتگو لایعنی اور کلمات ناموزوں کو میری تقریر برجستہ کے ساتھ موازنہ کر کے خود واہ واہ کہدینگے کہ اسکی راست گوئی میں شک نہیں ہے ارے نادان شیعیان علی بن ابی طالب
علیہ السلام صاف گو راستباز سخت گیر ہیں سچ بات کہتے ہیں کسی کی رو و رعایت یا لگی لپٹی نہیں رہنے دیتے اور علماء کو شیعوں کے شاہ صاحب کا تبحر اور محقق ہونا کیا تسلیم ہے کہ اُنہوں
نے شاہ صاحب کے خرافات کا بالکل استیصال کر دیا ہے اور تبحر کا اُنکے یہ حال ہے کہ ایک روز مجمع عام میں ایک شخص نے شاہ صاحب سے سوال کیا کہ شیعہ حضرت عائشہ صدیقہ کے
باب میں کچھ کلام کرتے ہیں آپکا اسمیں کیا ارشاد ہے آپنے بعد تامل بسیار فرمایا کہ میاں حضرت عکاشہ صحابی کا قصہ سنا ہوگا کہ ایک دفعہ مہر نبوت پر بوسہ دیا تھا جناب رسالتمآب صلعم نے
فرمایا کہ اے عکاشہ تجھپر آتش دوزخ حرام ہوئی پس قیاس کر لینا چاہیے کہ صدیقہ تو شرف ہمبستری سے آپکے ہمیشہ مشرف تھیں ہمیشہ مس مہر نبوت سے ہوتا تھا ایک دفعہ کے مس نے جب عکاشہ کو آتش
دوزخ سے نجات دی تو اُنپر بدرجہ اولی آتش دوزخ حرام ہوگی سائل خاموش ہوا کہ جواب معقول مسکت پایا مگر ایک طفل اقرباء شاہ صاحب سے جو اُسوقت بازیچہ طفلانہ میں مشغول
تھا یہ سنکر چونکا ہوا کیونکہ بموجب مقولہ مصنف رسالہ تبحر تو اس خاندان کا مشہور ہے اُس صاحبزادہ بلند ارادہ کو یارائے ضبط نرہا اور عرض کی کہ جناب کیا ارشاد ہوا میں نے یہ سنا ہے کہ
ابوطالب آپکا چچا کافر تھا اور آپ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ راہ ہدایت پر آجائے کہ آتش دوزخ سے نجات پائے جب وہ ایمان سے محروم رہا تو آپنے اُسکے تمام جسم کو اپنی زبان مبارک سے مس
کیا جب نوبت تہ کف پا پہنچی تو اُسوقت حکم جناب باری نازل ہوا کہ بس اس مقام کو مس نہ کرنا کہ اس جگہ سے آتش دوزخ اثر کریگی پس زبان کہ تمام جسم میں اولی اور افضل ہے
جب مس زبان نبی ابوطالب کو کچھ فائدہ نہ بخشا تو مس جسم کیا فائدہ بخش سکتا ہے اور یہ قول نہ موافق عقیدہ اہل سنت کے ہے نہ موافق اعتقاد اہل حق کے اور باقی تقریر دلپذیر اُس
طفل صغیر کی سنکر اور بھی خفا اُٹھانا چاہیے کہ بعد اسکے اُس نے بیان کیا کہ حضرت نوح علی نبینا و علیہ السلام کی زوجہ اور حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ کا حال مشہور و معروف ہے
چنانچہ آیات بینات سورہ تحریم اخیر پارۂ اٹھائیس قرآن مجید میں خاص واسطے تہدید ازواج حضرت رسالت پناہی کے نازل ہوئی ہیں و پسر نوح علیہ السلام کہ خاص صلب سے حضرت
نوح کے تھا جب عذاب آسمانی نے اُنکو نہیں چھوڑا تو اس دلیل سے بچنا حضرت صدیقہ کا محال ہے یہ قصہ محض نظر تفریح طبائع ناظرین درج اوراق ہوا ہے انشاء اللہ تعالی خالی از لطف
نہوگا اور کلام تبحر شاہ صاحب میں ہے یعنی شاہ صاحب نے جو بحجت شاقہ مدت العمر میں یہ کتاب لکھی ہے تو اسمیں صرف شاہ صاحب ہی کا کید نہیں ہے بلکہ باقی ان مکائد کا اول نصراللہ

کابلی تھا اُس نے یہہ ضلالت نامہ عربی میں لکھا تہا اور شاہ صاحب نے اُسکا ترجمہ فارسی میں کرکے نام اُسکا تحفہ رکہا اور کچھہ بہتان بندی اپنی طرف سے
اُسمیں اضافہ کرکے یہہ کید نامہ تیار کیا ہے مگر قربان جائیے قادر ذوالجلال ایزد بیہمال کے کہ ہمیشہ باطل کو مغلوب اور حق کو غالب کرتا ہے مگر آفرین ہے عالی ہمتی
گروہ باشکوہ فرقہ حقہ شیعہ کو کہ کیا ہی حق دوست اور راست پسند باحمیت لوگ ہیں کہ جسنے سر اُٹھایا اُسی کے سر کوبی کو آمادہ و تیار ہوئے چنانچہ بفور
شایع ہونے کید عزیزی کے جناب مستطاب معلی القاب علامہ دہلوی جناب حکیم مرزا محمد صاحب مرحوم و مغفور اور جناب غفران مآب مجتہد العصر والزمان
حجۃ اللہ فی العالمین حامی دین مبین دافع بدعات اہل کین مولانا و مقتدانا سید دلدار علی صاحب قدس سرہ و فاضل بے نظیر و عالم بیبدل جناب
مرزا محمد صاحب اکبرآبادی رحمۃ اللہ علیہ اور جناب فخر المحققین و زبدۃ المتکلمین مولانا السید محمد قلی صاحب علے اللہ مقامہٗ جناب ملا ابوالقاسم صاحب و
جناب مولوی خیرالدین صاحب وغیرہ نے اُن مکائد عزیزیہ کے خبر لے اور اُنہیں کے کتب معتبرہ سے بطلان اُنکا ظاہر اور ہویدا کر دیا اور جو جو بہتان کہ کتب
شیعہ سے روایت کرکے لکھی تہی اُنکو کالشمس فی وسط النہار اسیطرح ظاہر کر دکہایا کہ شاہ صاحب کو اپنا چھپا چہرا نا دشوار ہو گیا اور کسی صاحب کا جواب
شاہ صاحب سے بن نہ آیا انجام کو زمین کے اندر اپنا مونہہ چہپا لیا چنانچہ تصانیف ان صاحبان بلند شان کے ہر شہر اور دیہہ میں موجود اور شایع ہیں مثل
تمہاری اُنکی تعریف اور توصیف کی کچھہ ضرورت نہیں ہے مشک آنکہ خود ببوید نہ آنکہ عطار گوید یہہ حال آپکے شاہ صاحب کے تبحر کا ہے اور فرقہ حقہ کے مقابلہ
میں تحفگی تحفہ اور تبحر شاہ صاحب کا بیان کرنا محض نادانی آپکی ہے وہ ایک تقویم پارینہ تہے جسکے بیسیوں رد ہو چکے اُسکی خرافات سے کیا استدلال ہو اور
جو دلائل کہ پہلے مردود ہو چکے ہیں اُنکے جواب کا طالب ہونا آپسے حمقا کا کام ہے اور جب آپکے کل دلائل رد ہو چکے تو اب ہمکو مجدداً اُنکا جواب دینا سوای
تحصیل حاصل اور کچھہ متصور نہیں ہوتا جوابات سابقہ کافی اور وافی ہیں اپنی تسکین کر لیجے قال الشیخ ۱۸ شعر ہے سو تحفہ کا حوالہ اہل انصاف
کے نزدیک خود اُن کتب کے حوالہ سے کم نہیں جن کا اس رسالہ میں نام لکھا گیا **اقول** تحفہ کا حال اوپر گذر چکا کہ تحفہ ایک تقویم پارینہ ہے کہ جسکی کثرت
سے جواب ہو چکے ہیں اہل انصاف خود جا نگئے ہیں کہ اُسکی استدلال مقدوح اور مردود ہیں اور تحفہ واسطے تسلی کے کافی نہیں ہے اگر کوئی امر جدید ظاہر
کرتا تو مقام ناز و فخر تہا اُس پر نازاں ہونا اپنا حمق ظاہر کرنا ہے اور جو کتب شیعہ کا حوالہ اندروی تحفہ ہے وہ بہی قابل التفات نہیں ہے کیونکہ خود جوابات تحفہ
میں بہتان بندی شاہ صاحب ظاہر ہو چکی ہے اور اگر کسی روایت میں کوئی بات ہے بہی تو ویسا ہی اہل سنت کی کتابوں میں بہی موجود ہے چنانچہ بعد
اسکے واضح ہو جائیگا اور چونکہ اس شیخ نے یہاں مجمل لکھا ہے اسواسطے ہمنے بہی اجمال ہی پر اکتفا کیا **قال الشیخ الاشعری:** اسوجہ سے اس احقر نے بے تامل
اُن کتب کا حوالہ رقم کر دیا ہے **اقول** اللّٰدری مکادی تیری یہہ بار بہی اپنے ذمہ نہیں لیا اسکا بہی بوجہ بہار شاہ صاحب کی گردن پر دکہا اگر غلط
نکلے تو شاہ صاحب سے مواخذہ ہوگا اور اُنکو ہی لوگ نفرین کرینگے اور ہم بری الذمہ ہیں بقول نقل ہندی دہوبی بیٹا چاند سا سیٹھی اور شاخ یہہ پرکاری سوا
آپکے کون کرسکتا ہے اس تحریر اور عذر سے آپ کی اس جگہہ بچہا آپکا نہیں چہوٹتا ہم پہلے لکھہ چکے ہیں کہ روایات اور استدلالات تحفہ پہلے ہی مقدوح
و مردود ہو چکے ہیں اُسکے اعتبار پر جو آپنے حوالہ لکھے ہیں وہ بہی منجملہ اُنہیں کے ہیں اور شاہ صاحب تو اپنی دروغگوئی میں بہی ہوئی تہی مگر آپ بہی
طعن سنان ملام اہل حق سے نجات نہ پائیں گے **قال الشیخ الاشعری** - صاحب تحفہ کی راست بازی اور تبحر ہی کے بہروسہ منصفان شیعہ کی خدمت
میں عرض پرداز ہوں کہ فقط میری بے سروسامانی کے خیال سے بیدماغی نفرماویں نقل کو اصل سے مطابق کر دیکہیں اکثر کتب منقول عنہا کتب مشہورہ
معتبرہ شیعہ ہیں نادر الوجود کمیاب نہیں **اقول** - راست بازی صاحب تحفہ کی آپ پر ہم پہلے اس سے منکشف کر چکے کہ علماء اہل سنت میں اُنکی برابر کوئی عالم
دروغ نویس نہوگا اگر انکی کتاب تحفہ کے دروغ مجتمع کئے جائیں تو ایک کتاب ضخیم تیار ہو اور جب صاحب تحفہ کے بزرگان خدیعت شعار کے دروغ و بہتان شیعہ
ظاہر کر چکے تو صاحب تحفہ کس شمار میں ہیں اُنکو تو قدیم سے عام فریب جانتے ہیں اور بیدماغی شیعان باصفا کا کام نہیں ہے نقل کو اصل سے بعد تصنیف
تحفہ کے مطابق کر لیا ہے اور دروغ صاحب تحفہ دریافت کرکے فارغ البال ہوئے ہیں اب کچھہ ضرورت مطابق کرنے کی نہیں ہے لیکن بعد اسکے اپنے اپنے
مقام پر اطلاع کر دی جائیگی **قال الشیخ الاشعری** اسکا اندیشہ نکریں کہ مطابقت ہوئی تو ماننا پڑیگا خدا نے خود فرمایا ہے مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ
لَہٗ **اقول** مطابق نکرنا روایات کا کار اہل سنت کا ہے اور شیعوں کی کتاب کو اس اندیشہ سے نہیں دیکہتے ہیں کہ مذہب میں تزلزل پیدا ہوگا اور
شیعان علی بن ابیطالب مطابقت کرنے سے کبہی اندیشہ مند نہیں ہوتے کہ اہل سنت کے علماء کا دروغ اُنپر واضح ہو گیا ہے یہ جانتے ہیں کہ مطابقت

میں اہل سنت ہی جہوٹے نکلینگے پہر اندیشہ کس بات کا کریں اور مطابقت روایات میں آپکو ہمیشہ اندیشہ رہتا ہے اسی واسطے مثل اپنے شیعوں پر بہی اپنا قیاس جاری کیا نعوذ باللہ منہا جو امر حق ہے شیعہ اُسکے پیرو ہیں اُنکے عقیدہ میں کسی طرح تزلزل ہی نہیں ہوتا یہہ کام تو آپکی ہی گروہ کا ہے کہ حق کو ہمیشہ پوشیدہ رکہتے ہیں اور باطل پر اصرار کرتے ہیں نافرمانی خدا اور رسول سے کچہہ اندیشہ تمکو نہیں ہے چنانچہ فرمان واجب الاذعان جناب رسولخدا صلعم ایتونی بقرطاس صادر ہونا اور اُسکو نہ ماننا اور وہ حضرت فرماویں کہ جہز وا جیش اسامہ اور اُس سے تخلف کرنا تمہارے بزرگوں کا شعار ہر وضیع اور شریف پر ظاہر اور ہویدا ہے اپنی کلہپن اوروں کو کیوں لگاتے ہو اور یہہ آیت جو لکہی اس سے یہہ مراد نہیں ہے کہ جو تم کہتے ہو کہ خدا گمراہ کرتا ہے بلکہ مراد اُس سے یہہ ہے کہ خدا جسکو گمراہی میں پڑا رہنے دیتا ہے اور یہہ آیت اہل سنت ہی کی شان میں ہے کہ وہ خود مقر ہیں کہ فاعل حقیقی لوگوں کے افعال کا خدا ہے اور وہی گمراہ کرتا ہے اور بندے مجبور ہیں اور شیعہ بیچارے تو قدیم سے اس عقیدہ سے بری ہیں **قال الشیخ الاشعری** پہر کیا اندیشہ ہے خدا کی فرمائی ہوئی باتوں میں تو یہہ بات پائی ہی نہیں جاتی کہ جو سمجہہ میں آجائے تو اُسکو ماننا ہی پڑے **اقول** خدا کی باتوں میں تو ہمیشہ یہی بات ہے کہ جو سمجہہ میں آجائے اُسکا ماننا ضرور اور واجب ہے مگر آپکو تو پیروی اپنے بزرگان سلف کی ہے کہ ہمیشہ ارشاد فیض بنیاد جناب رسالتمآب سنتے تہے اور برای العین دیکہتے تہے اور بخوبی سمجہہ میں آتا تہا اور پہر منحرف ہوجاتے تہے چنانچہ قصہ حدیث غدیر خم مشہور و معروف ہے کہ بعد ارشاد آنحضرت بخوبی سمجہہ گئے اور بخ بخ لک یا علی کہہ چکے اور جو جو مدارج مبارک باد کی تہی وہ ادا کر چکے اور پہر بعد رسول مقبول اپنی پاشنوں پر ہٹ گئے سو دیکہو کہ کون سمجہہ کر نہ ماننے والوں میں سے ہو ایسی عبارات فضول سے سوائے اپنی خرابی کے اور کچہہ فائدہ اُس سے نہیں اُٹھاتے ہو اور جو بات بناہے کرتے ہو وہ آپ ہی کی گردن میں طوق ہو چکا ہے **قال الشیخ الاشعری** اس گنہگار ہیچمدان کی بات میں یہہ بات کہاں **اقول** یہی حق ہے کہ آپکی بات میں راستی کجا کہ جو کوئی اُسکو ملنے وساوس شیطانی ہیں جسوقت لاحول زبان سے نکلی فوراً دفع ہوگئی **قال الشیخ الاشعری** معہذا حق تو ماننے ہی کے لیئے ہے اگر حق کو تسلیم ہی کر لیا تو کیا نقصان ہے **اقول** مومنین اور اہل حق کا تو تسلیم کیا ہوا حق روز ازل سے ہے کیونکہ یہہ لوگ بقیہ خمیر ذریت رسول مقبول سے پیدا ہوئی ہیں مگر آپکو حق کے ماننے میں بڑی خرابیاں دکہلائی دیتی ہیں کہ حق آل رسول صلعم جو غصب ہوا ہے اگر اُسکو مان لیں تو سُنت شیخین درہم و برہم ہوجائے اسواسطے کہ چونکہ آپکو خوف معلوم ہوتا ہے حق کے ان لینے میں اوروں پر بہی آپکا یہی قیاس ہے نعوذ باللہ منہا اس خیال فاسد کو فرقہ حقہ شیعان پاک سے دور کیئے اللہ تعالیٰ خود اُنکا حافظ اور ناصر ہے **قال الشیخ الاشعری** تطبیق میں کاہلی نکریں مع مطابقت اگر فرق نکلے تو وہ میری ذمہ **اقول** ہمنے تطبیق میں کاہلی نہیں کی بلکہ مطابقت کی تو بہت فرق پایا اور جب فرق پایا تو آپکا ہم کیا کر سکتے ہیں بجز نفرین کرنے اور لعنة اللہ علی الکاذبین کہنے کے اور ایسی گفتگو عامیانہ کرنے سے نہ معلوم اس شخص کو کیا فائدہ ہے نہ یہہ طریقہ مناظرہ کا ہے نہ تمیز والوں کا مگر یہہ بیچارہ کیا کرے فکر ہر کس بقدر ہمت اوست علم و شعور سے تو بے نصیب ہے مناظرہ کو جی چاہا تو کچہہ خرافات تحفہ سے نکالکر اور کچہہ بازاری گفتگو اپنی طرف سے ایجاد کر کے اُسکا ایک مجموعہ تیار کیا اور صاحب تصنیف کہلانیکو آمادہ ہو بیٹہے تُف ہے ایسی خواہش نفسانی اور وساوس شیطانی پر **قال الشیخ الاشعری** مگر میں جانتا ہوں کہ میرے بے کہے شیعہ اس بات کو جانتے ہونگے کہ اہل سنت کے نزدیک جہوٹ بولنا خصوصاً دین کے مقدمہ میں سخت ممنوع اور منجملہ کبائر ہے **اقول** سب فرقہ ناجیہ اثنا عشریہ بلکہ تمام مردمان روی زمین و ساکنان ملاء اعلیٰ بخوبی تہ دل سے جان رہے ہیں کہ فرقہ اہل سنت و جماعت بلکہ تمام بزرگان سلف اُنکے دروغ گو کذاب مفتری حق فراموش محسن کش مفسد بانی فساد طالب دنیا دوں ہیں علی الخصوص مقدمہ دین میں سوائے کذب و افترا صریح کے اور کچہہ کام اس فرقہ کا نہیں چنانچہ اس فعل قبیح کے خود خلیفہ ثانی صاحب اپنی زبان سے پیش جناب امیر علیہ السلام اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ مقر ہیں کہ تم ابو بکر کو اور مجہکو کاذب جانتے ہو چنانچہ صحیح مسلم میں لکہا ہے سو طریقہ حضرت علیؑ کا یہہ نہ تہا کہ بے سبب کسی کو متہم بکذب کریں اسواسطے کہ جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ اور روضۃ الاحباب میں لکہا ہے کہ بصرہ میں جسوقت عایشہ نے سنا کہ یہہ حواب وہی مقام ہے کہ جسکی رسول خدا صلعم نے خبر دی تہی اور فرمایا تہا کہ ایسا نہو کہ ای عایشہ وہ تو ہی ہو اُسوقت عایشہ نے ارادہ کیا کہ میں بصرہ سے اُلٹی پہر جاؤں تو ابن زبیر نے چالیس مسلمانوں سے جہوٹی گواہی دلوائی کہ یہہ حواب وہ مقام نہیں ہے جسکی رسولخدا صلعم نے خبر دی تہی سو طریقہ دروغگوئی کا اہل سنت میں ہمیشہ سے چلا آیا ہے اور یہہ باتیں آپکی معتبر کتابوں میں لکہی ہیں اگر کچہہ شرم دینا اور حیاء عقبیٰ ہے تو اپنی کتابوں میں برائی العین مشاہدہ کر کے تصدیق کلام اس نحیف کے کریں مگر آپکو تو فضل الٰہی سے جہوٹ بولنے کی شرم نہیں ہے

اگر ظاہر ہی ہوا تو کیا اور دروغگوئی پر تمہاری تو کیا بلکہ مولوی عبد العزیز صاحب کی دروغ گوئی پر بعد اسکے خط کے جواب کے رد میں تمکو ہم مطلع کریں گی اور دروغگوئی اگرچہ ہر ملت و مذہب اہل دنیا میں منجملہ کبائر ہے لیکن فرقہ اہل سنّت میں سنّت خلفاء ثلثہ ہے اور اگر آپ قیام سنّت سلف پر نکرینگے تو اس مذہب سنّت جماعت سے خارج ہو جائینگے **قال الشیخ الاشعری** وہ ہم نہیں کہ مثل مولوی عمار علی صاحب مشار الیہ پیشوا و پیش امام شیعہ کہ وہ بظاہر مولوی عمار علی سونی پتی معلوم ہوتے ہیں غلط موضوع کو صحیح اور ضعیف کو قوی اور غیر معتبر کو معتبر کہدیں یا محض بے اصل کے جھوٹ سچ کو اصل گھڑ دیں چنانچہ ناظران رسالہ پر واضح ہو جائیگا کہ مولوی صاحب موصوف نے خط مذکور میں کیا کیا ستم کئے ہیں **اقول** خدا نکرے کہ آپ مثل جناب مستطاب مولوی عمار علی صاحب کے ہوں انکی مثل نہونیکا قول آپکا سچا ہے کہ وہ نور ہیں اور آپ نار ہیں اور وہ روز روشن ہیں اور آپ شب تار ہیں اور وہ آفتاب درخشندہ علوم نبوی ہیں اور آپ ظلمت جہالت اشعری ہیں آپکو ان سے کیا نسبت اور انکو آپ سے کیا مشابہت اور وہ بیشک پیشوا و پیش امام شیعہ اور دین مبین سیّد المرسلین ہیں اور سونی پتی ہونا انکا کالشمس فی وسط النہار واضح اور ہویدا ہے کلمات مشتبہ سے یاد کرنا انکا آپکی تیرہ درونی اور بے بصیرتی پر دلیل قاطع ہے اور غلط موضوع کو صحیح اور ضعیف کو قوی اور غیر معتبر کو معتبر کہنے کی تہمت انپر گویا چاند پر خاک ڈالنا ہے یہہ پیشہ علماء فرقہ سنّت وجماعت کے حصّہ میں آیا ہے اور علماء شیعہ اس سے بری اور پاک ہیں ایسے بزرگواروں پر ایسی تہمت کرنے اپنے دین و ایمان کا خراب کرنا ہے مگر آپکو در اصل دین و ایمان سے کچھہ بہرہ ہی نہیں ہے اسکا کیا ڈر ہے اگر کچھہ شرم وحیا تہی تو اس دعوی کو آپ لکھتے کہ فلاں روایت موضوع ہے اور انہوں نے اسکو صحیح اور فلاں روایت ضعیف تہی اسکو قوی لکھدیا ہے اور بغیر دلیل کے قول آپکا قابل التفات عقلا نہیں ہے کیونکہ جن جن کتابوں کا حوالہ جناب مستغنی التوصیف نے دیا تہا انکو دیکھہ کر ضعیف و قوی اور معتبر اور غیر معتبر کی سند لاتے تو اسوقت آپکا کلام قابل سماعت تھا اب تو آپکی وہی نقل ہے کہ ناچ نجانوں آنگن ٹیڑہا مطالعہ کتب حقّہ سے تو اقراری بے نصیبی آپکو حاصل تہی اور اس تحریر سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اپنی کتب معتبرہ کے دیکھنے سے ہی آپ بے بہرہ و محروم ہیں اور ظاہر ہونا ستم کا جو نسبت جناب ممدوح الذکر کے آپ لکھتے ہیں آپکا رسالہ حرف بحرف باطمینان خاطر دیکھا گیا کہ کسی جگہہ سوائے لغویات اور ہفوات کچھہ ثبوت آپکے دعوی کا نہ دیکھا اور ستم کرنا آپکا ہے بعد مطالعہ رسالہ ناظرین کو بخوبی ثابت ہو گیا **قال الشیخ الاشعری** ہمکو یہہ گمان تہا کہ شیوہ دروغ بنا ہی زمانہ سابق کے علماء شیعہ پر ختم ہو چکا مگر غنیمت ہے کہ انکے خلفاء رشید اب تلک بہت باقی ہیں **اقول** یہہ بدگمانی آپکی محض مبنی بہ بے ایمانی ہے علماء شیعہ کی راستبازی قدیم سے اظہر من الشمس و ابین من الامس ہے اپنی علماء دین بلکہ ائمہ معتبرین کی کلمہن علماء شیعہ کو کیوں لگاتے ہو ابو حنیفہ کی خبر نہیں لیتے کہ بقول امام غزالی اور صاحب تاریخ بغداد شرع نبوی کو منقلب کر دیا اور پلٹ دیا اور ابو یوسف کا ہارون رشید کی خاطر سے جہوٹے فتاوی دینی تاریخ الخلفاء میں موجود ہے اپنے گریبان میں مونہہ ڈالکر دیکھو کہ امام مالک جو استاد اور امام برحق شافعی اور حنبل کے ہیں آیا انہوں نے بطمع دنیا بپاس خاطر خلفاء جور کیا فتوے دیئے ہیں کہ جن سے کتب مملو ہیں حاجت اظہار نہیں مخالفت باہمی کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کیا کیا ستم دروغ اور بہتان کے خلاف حکم خدا و رسول ظاہر ہوتے ہیں تفصیل کو اسکے باعث بخش ناظرین سمجھہ کر درج اوراق نہیں کیا اپنی مخاطب کی طرح مجمل ہی عرض کیا اور مولوی عبد العزیز صاحب تو اسقدر دروغ نویس ہیں کہ جس کی انتہا ہی نہیں ہے چنانچہ بعد اسکے کچھہ معلوم ہی ہو جائیگا اور اس کاذب نے تو سبھوں کے سروں پر خاک ڈالی اور اپنے علماء کی تہمت علماء شیعہ پر باندہی لیکن کیا ہوتا ہے اس فرقہ ضالہ نے کب و کس زمانہ میں ایسے امور میں کوتاہی اور کمی کی ہے صدیقین اور صالحین اسلام کے باب میں کیا کیا زیادتی نکی ابتدای اسلام سے آجتک یہہ لوگ نور ہدایت و یقین کے چہپانے میں مصروف ہیں مگر خدا تعالی بحکم جاء الحق وزہق الباطل ایک ایسا ہادی پیدا کرتا ہے کہ وہ اس نور کو ظاہر کرتا رہتا ہے۔

قال الشیخ الاشعری دعوی ہبہ فدک حضرت زہرا کے طرف سے سنّیوں کی معتبر کتابوں کے حوالہ سے بیان کرنا اور حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا دختران رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقطع کرنا یہہ مولوی عمار علی صاحب جیسے مقتدا و پیشوای شیعہ سے ہو سکتا ہے **اقول** دعوی ہبہ فدک حضرت زہرا کی طرف سے اہل سنّت کی بیس کتب معتبرہ سے زیادہ ثابت ہے چنانچہ بعد اسکے انشاء اللہ تعالی خط کے جواب کے رد میں اسکا ذکر آئیگا تو نام ان کتابوں کے لکھے جائینگے اسوقت تیری آنکھیں کہلینگی اسکا انکار کرنا زمین و آسمان کا انکار کرنا ہے اسواسطے کہ کتب معتبرہ سنیوں کے مملو اس قصہ سے ہیں اسکی کتب معتبرہ میں ہونے سے تیری تو کیا اصل ہے

اگر تمام روے زمین کے سنّی متفق ہوکر انکار کریں تو کچھ نہیں ہوسکتا اگر کچھہ شرم و حیا ثقبیٰ تہی تو جن کتابوں کا حوالہ ہمارے مولوی صاحب نے دیا تھا انہی
کتابوں میں دیکھ کر معلوم کرتا کہ یہہ حوالہ راست ہے یا دروغ ہے اور بغیر دیکھے بہالے مولوی عبدالعزیز صاحب دروغ نویس کے دہوکا دینے سے جو تو انکار
صریح کرتا ہے تو یہہ ایسا ہے جیسے کہ مشہور ہے دروغ گویم بروئ تو اور یہہ امر ایسا مشہور و معروف ہے کہ اسکا انکار کرنا مثل انکار ذاتِ خدا ہے اور حضرت رقیہ
و امّ کلثوم اور زینب کو جو لکہا ہے کہ رسولِ خدا صلعم کی نسبت سے منقطع کردیا تو جناب ممدوح نے یہہ روایت مثل آپکی منجوڑی درج خط نہیں فرمائی ہے بلکہ بموجب
روایت کتب حقہ تحریر فرمائی ہے چنانچہ بعد اسکے خط کے جواب کے رد میں معلوم ہوگا **قال الشیخ الاشعری** کیونکہ متابعت بزرگان ایسے ہی بزرگوں کا کام
ہے کہ جہوٹ بولنے کو جی چاہتا تہا تو ایسا بولنا تہا کہ پیش جا سکتا اور کسیکی خیال میں آسکتا ایسا طوفان کہیں نہیں سنا تھا کہ ایک شخص کے سنّی
ہوجانیکی اندیشہ سے نہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمائے اور نہ ائمہ معصومین کا کچھہ پاس و لحاظ کیا **اقول** افسوس ہے کہ تونے
مولوی عبدالعزیز صاحب دروغ نویس کی پیروی سے اپنا ایمان خراب کیا کہ دعوی فدک کا انکار کیا اور جن کتابوں کا حوالہ دیا تہا انہیں نہ دیکھا اور مولوی
عبدالعزیز صاحب نے انکار اُس امر کا کیا ہے کہ جو اہلِ سنّت کی بیشمار کتابوں میں لکھا ہے اور اُنکی پیروی سے تونے انکار کیا ہے کوئی ایسا ہی جہوٹ
صریح بولتا ہے کہ اسقدر کتابوں کا انکار کرے اُسکو کون تسلیم کریگا مگر متابعت بزرگان ایسی ہی بزرگوں کا کام ہے کہ جہوٹ بولنے کو جی چاہتا تہا تو ایسا
بولتا تہا کہ پیش جاسکتا اور کسیکے خیال میں آسکتا ایسا طوفان کہیں نہیں سنا تہا کہ بیس تیس کتابوں کی تحریر کا انکار کیا نہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمای اور نہ خلفاء ثلثہ کا کچھہ پاس و لحاظ کیا اور دعوی ہبہ فدک جو اسقدر کتابوں میں لکھا ہے تو ایسا یقینی ہے کہ
جیسے سورہ الحمد اور قل ہو اللہ کا قرآن میں ہونا یقینی ہے اور انکار اسکا ایسا ہے جیسے کہ الحمد اور قل ہو اللہ کے قرآن میں ہونیکا انکار ہو اور ایسے
امر واضح کو یہہ شیخ دروغ کہتا ہے اور طوفان تبلاتا ہے اگر ہم کہیں کہ قرآن شریف میں قل ہو اللہ لکھا ہوا ہے اور یہہ شیخ اُسکے جواب میں کہے
کہ یہہ جہوٹ ہے اور ایسا طوفان کہیں نہیں سنا تھا تو اس سے کچھہ بعید نہیں ہے ارے نادان حضرت سیدۃ نساء العالمین فرزند خاص رسولِ خدا
صلعم کو جنکی شان میں احادیث متواترہ کتب فریقین میں مثل آفتاب درخشاں کے مندرج ہیں تیرے بزرگوں نے دعوی ہبہ فدک میں جہوٹا قرار
دیا اور حق وراثت سے مثل فرزند عاق کے محروم رکھا اگر تو انکے کسی فرزند حق گو راستی پسند کو جہوٹا قرار دے تو کیا عجب ہے **قال الشیخ الاشعری** حضرت ام
کلثوم بنت سیدۃ النساء کے خلیفہ ثانی سے نکاح کا ذکر نکرنا تو اسپر ہی تکلف محمول ہوسکتا ہے کہ ایک کو ذکر نہیں کیا تو باقیوں سے انکار ہی نہیں کیا پر
یہہ بات کہ حضرت رقیہ وغیرہ رضی اللہ عنہا دختران سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہی نہیں **اقول** یہہ ناصبی کس طرحکا نامعقول ہے کہ مکرر سہ کرروی
ایک عبارت و مضامین خلاف داب مناظرہ کے لکھ کر داعی جواب ہوتا ہے اور شرم نہیں کرتا کہ دو سطر پہلے ہی تو یہہ ذکر تھا اور اسکے درمیان میں حضرت
ام کلثوم کے نکاح کا ایک جملہ معترضہ چہیڑ دیا اور صرف اسی مقام میں یہہ تکرار اسکا نہیں ہے بلکہ آیندہ جہاں سے کہ جواب خط شروع کیا ہے وہاں ذکر اسکا زیادہ
ہے انشاء اللہ تعالی ناظرین اوراق جواب اسکا دندان شکن اور مسکت ملاحظہ فرماکر حظ وافر اوٹھائینگے اور بعد اُسکے ذکر حضرت ام کلثوم بنت سیدۃ نساء
العالمین کا ہے کہ اُنکا نکاح عمر سے ہرگز نہیں ہوا ہے اور مفصل بیان کیا جائیگا **قال الشیخ الاشعری** اور حضرت زہرا کا دعوی ہبہ فدک کرنا اہلِ سنت کی
معتبر کتابوں سے ایسا دروغ صریح ہے کہ کسی احتمال صحیح پر کسی طرح منطبق نہیں ہوسکتا چنانچہ بعد ملاحظہ رسالہ ہذا انشاء اللہ میرے قول کی بخوبی صحت
معلوم ہوجائیگی یہہ وہی مثل ہے دروغ گویم بروی تو **اقول** دیوانوں کی سی باتیں جو پہلے لکھہ چکا ہے پہر وہی لکھتا ہے ارے عقل کے دشمن ہم
پہلے اس سے تنبیہ کرچکے ہیں کہ مندرج ہونا دعوی ہبہ فدک کا کتب معتبرہ اہلِ سنت میں ایسا یقینی ہے کہ جیسا سورہ الحمد اور قل ہو اللہ کا قرآن مجید میں
مندرج ہونا یقینی ہے کہ کسی احتمال پر دروغ ہونا اُسکا منطبق ہی نہیں ہوسکتا جیسے آفتاب درخشاں کا روز روشن میں اور ماہ تاباں کا شب ہمارد میں
میں اگر کوئی منکر وجود ہو تو اُسکا ہی منکر ہوسکتا ہے جسوقت ہم ہبہ فدک کے ذکر میں روایتیں دعوی ہبہ کی تیری کتب معتبرہ سے نقل کرینگی اُسوقت
تیری آنکہیں کہلینگی جہوٹ تو تو لکہتا ہے اور ہماری طرف جہوٹ کو منسوب کرتا ہے اور تونے ایسا دروغ صریح لکھا ہے کہ اسمیں تونے تمام روی زمین کے
جہوٹوں کی ناک کاٹ ڈالی مقام افسوس ہے کہ دروغگویاں سلف کو اسکی موت آئے اور اس کذب لکا ذبین کا سر ہی کبہی نہیں مُوکہتا اسکی نقل وہی
مشہور ہے کہ دروغ گویم بروی تو اور ایسے دروغ گو ہٹ دہرم کا کیا بگڑتا ہے اگر اہلِ حق کے مقابلہ میں یہہ ہی کہدے کہ ہماری جن کتابوں کا تم حوالہ

دیتے ہو یہہ کتابیں ہماری نہیں ہیں کسی شیعہ نے لکھہ کر ہماری نام سے منسوب کردی ہیں اور جب جواب اُن روایتوں کا نہیں آتا ہے تو یہہ تو کہتے ہی ہیں کہ شیعوں نے ہماری کتابوں میں یہہ روایتیں اپنے مطلب کی داخل کردی ہیں اور جب کوئی مقام گریز نہیں پاتے ہیں تو جھوٹی کتابیں اپنے دل سے تجویز کرکے شیعوں کیطرف منسوب کردیتے ہیں چنانچہ بعد اسکے خط کے جواب کے رد میں اسکا بھی ذکر ہوگا اور یہہ جو لکہتا ہے کہ بعد ملاحظہ رسالہ ہذا انشاءاللہ میرے قول کی صحت بخوبی معلوم ہوجائیگی سو اُس مقام میں سوائے انکار روایت کے اسنے کچہہ نہیں لکہا اور ہم اسکے انکار کے جواب میں بیس کتابوں سے زیادہ کا حوالہ دینگے کہ جن میں یہہ روایت دعوی ہبہ فدک کے موجود ہے **قال الشیخ الاشعری** لیکن بغور دیکھیئے تو مولوی صاحب کی بھی اسمیں کچہہ تقصیر نہیں آخر مذہب اہل سنت بشہادت کلام اللہ و عترت رسول صحیح اور مذہب شیعہ بشہادت کلام اللہ و عترت رسول سر تا سر غلط ہے **اقول** اپنے مونہہ میاں مٹھو بنتے ہو کوئی دلیل بھی تمہارے پاس ہے اہل سنت کے مذہب کے اچھے ہونیکی اور شیعوں کے مذہب کے غلط ہونے کی بلکہ حق یہہ ہے کہ مذہب شیعہ بشہادت قرآن اور محبت اور تقلید عترۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صحیح ہے اور مذہب اہل سنت بعداوت اہل بیت اور عدم تمسک عترۃ سراسر غلط ہے قرآن میں تو خدا تعالی نے فرمایا ہے کہ قُل لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی سو عوض مودت کے کونسی عداوت اہل بیت اطہار سے بانی مبانی مذاہب اہل سنت نے اُٹھا رکھی ہے یعنی حق دختر رسول خدا صلعم کا غصب کرنا اور اُس سیدہ نساء العالمین کو ایذا پہنچانے اور اُسکے برادر اور وصی برحق کا حق خلافت غصب کرنا اور خانہ فاطمہ کے گہر جلانیکو آگ اور لکڑیاں لیجانے اور سبطین جگر گوشہ رسول الثقلین پر وہ زیادتی کرنے کہ آجتک اُن کے مصائب کو یاد کرکے روتے ہیں اری نادان جس نے حضرت زہرا کا حق غصب کیا وہ مذہب اہل سنت کا پیشوا کیا نتہا جسنے ارادہ فاطمہ زہرا کے گہر جلانیکا کیا وہ مرشد کامل مذہب اہل سنت کا نتہا اور جسنے کلام اللہ علوا اور عایشہ نے اُسکے حق میں کہا کہ اُقْتُلُوا النَّعْثَلَ کیا وہ سرکردہ مذہب اہل سنت نتہا اور جسنے حضرت امام حسن کو زہر دلوایا اور اُنکے مرنیکی خبر سنکر تکبیریں کہیں کیا وہ بانی مذہب اہل سنت نتہا بلکہ صواعق محرقہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس مذہب کا نام سنت جماعت اُسی نے رکہا ہے اور خلیفہ حق و امام صدق اُسکو لکہا ہے اور یہہ معاویہ وہ شخص تہا کہ مدۃ العمر حضرت علیؑ کو گالیاں دیتا رہا اور اُسکے ہمراہی جو کہ محاربہ کرنیوالے نفس رسول کے تہے کیا وہ پیشوایان اہل سنت نتہے اور جسنے خامس آل عبا کو شہید کروایا کیا وہ مرید ثلثہ کا اور سنت جماعت میں سے نتہا اور جن بنی اُمیہ اور بنی عباس نے اولاد رسول مقبول کو قتل کروایا او زہر دلوایا اور دیواروں میں چنوایا بے جرم و خطا کیا وہ سنی مذہب کے نتہے محبت کا تو اہل بیت علیہم السلام کے یہہ حال ہے اور پیروی اہل بیت کی نکرنے کو بھی علمائے اہل سنت خود ہی لکھتے ہیں کہ ہم اُنکی پیروی نہیں کرتے بلکہ امامیہ اُنکی پیروی کرتے ہیں چنانچہ بعد اسکے اسکا بھی ذکر آتا ہے پس مقام شرم ہے کہ شہادت کلام اللہ اور عترت رسول اللہ صلعم سے ایسے مذہب کو برحق لکھنا اور دعوی اسلام کرکے بمقابلہ اہل حق آنا نہایت بے حیائی ہے اگر کچہہ بھی حیا ہوتی تو اس شہادت کو زبان پر بھی نلاتے بلکہ اہل حق کو مونہہ تک نا کہاتے اور عترت رسول مقبول وہ عترت ہے کہ جن کی شان میں خود جناب رسولخدا صلعم حدیث ثقلین میں فرماتے ہیں کہ کلام اللہ اور عترت پاک اپنے کو میں درمیان تمہارے چھوڑے جاتا ہوں اگر متمسک ہوگے تم ان دونوں سے تو کبھی ضلالت و گمراہی میں نہ پڑوگے سو مودت ذوالقربی تو آپکے پیشوایان مذہب کے معلوم ہوگئے کہ مودت کی عوض میں عداوت کی اور شہادت حدیث سے بھی یہہ مذہب اہل سنت غلط صریح ہے کہ آجتک اہل سنت کو تمسک عترت رسول خدا صلعم سے نہیں ہے اور یہہ امر اظہر من الشمس ہے اسواسطے کہ اہل سنت اصول میں تو پیرو ابوالحسن اشعری اور ابوالمنصور ماتریدی کے ہیں اور فروع میں مقلد ابوحنیفہ اور شافعی اور مالک اور حنبل کے اگر کہیں ہوسے بہے روایت عترت رسول سے کتب معتبرہ میں آپکی آئی ہے تو اُسکے مقابلہ میں دیگر اشخاص غیر عترت رسول کو ترجیح دیکر اُسکو رد کردیا ہے چنانچہ اثبات اسکا آیندہ انشاءاللہ تعالی خاطرنشان ناظرین ہوگا پس اگر حقانیت مذہب اہل سنت بجائے مودت عداوت اور بجائے پیروی برات ہے تو تف ہے ایسی حقانیت پر اور اف ہے ایسے مذہب پر اب ناظرین با انصاف کو بخوبی ثابت ہوگیا کہ کونسا مذہب صحیح ہے اور کونسا مذہب سراسر غلط ہے **قال الشیخ الاشعری** اور باوجود اسکے یہہ اپنے پیشواؤں کو دیکھا کہ مذہب شیعہ کو حق اور مذہب اہل سنت کو باطل کہتے ہیں تو مولوی صاحب موصوف بحسب اعتقاد بزرگان یہہ سمجہہ بیٹھے کہ حق غلط ہی باتونکو کہا کرتے ہیں اور کیونکر نہ سمجہیں آخر مولوی صاحب عمدہ علمائے شیعہ ہیں **اقول** جناب مستطاب ممدوح کے عمدہ علماء شیعہ ہونے میں کچہہ شک نہیں ہے ہر موافق اور مخالف اُنکے فضل و کمال کا قائل ہے اہل حق تو جان و دل سے ذات مقدس جناب ممدوح کو ہادی دین مبین و مفتی شرع مبین سید الاسلام و المسلمین سمجہہ کر اپنی جان کو اُنپر نثار کرتے ہیں اور مخالفین بھی جاہلوں کا توشل مخاطب کے

ذکر نہیں ہے اُنکے علم و تحقیق و تقوی و زہد کو دل میں سمجھ رہتے ہیں گو زبان سے کہیں یا نہ کہیں اور غلط کو حق سمجھنا اور پیروی اُن پیشوایان سلف کی کرنا جو کہ جہلاء محض اور طالبان دنیا تھے یہہ طریقہ نامرضیہ شعار اہل سنت کے علماء کا ہے اور علماء شیعہ ایسے امور نازیبا سے اور ایسی حرکات بیجا سے منزہ اور پاک ہیں کہ وہ پیروزان علوم نبی ہیں اُن سے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ غلط کو حق سمجھیں اور غلط کو حق سمجھنے والے وہی لوگ ہیں کہ جو جہلاء کے مثل ابوبکر و عمر کے پیروی کرتے ہیں اور شیعوں کے نسبت ایسے کلمات دور از عقل اور ایسے احتمالات لاطائل لکھکر اپنی بے ایمانی اور ناصبیت کا ظاہر کرتا ہے کیونکہ جناب ممدوح علماء دین مبین اور جگر گوشگان جناب سیدۃ النساء العالمین بنت خیر المرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین میں سے ہیں **قال الشیخ الاشعری** بعد ازیں کلام اللہ کی تلاوت کا جو نہوئے چوکے اتفاق ہوا تو سورہ احزاب میں یہہ آیت نکل آئی وَاللّٰہُ لَا یَسْتَحْیِی مِنَ الْحَقِّ یعنی اللہ تعالی حق بات سے شرم نہیں کرتا چونکہ مولوی صاحب کو بزعم خود کمال اتباع خداوندی مدنظر ہے تو اپنے عندیہ میں غلط باتوں پر ہیز کرنا خلاف اخلاق خداوندی سمجھکر جھوٹ بولتے شرم طاق میں اُٹھا دہری اور بے ساختہ مثل پیشوایان قدیم کہ اُنکی متابعت ہی بزعم مولوی صاحب موجب سعادت ہے اور حضرت ائمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اُنکے حق میں بددعائیں کی ہیں اور اُنکو جھوٹا بتلایا ہے اور اُنکی باتوں سے رنج اُٹھایا ہے اُنہوں نے بھی افترا پردازیوں پر کمر باندہی تاکہ اُنکی متابعت کے صدقے حضرات ائمہ رضوان اللہ علیہم کی دعا نہیں تو بددعا ہی میں شریک ہوجائیں **دوہرہ** رس رس کے اے سکھی تیرے دونوں سبہ سہائے ؛ ٹھنڈے تتے نیر جوں دونوں آگ بجھائے ؛ قطع کیجے ؛ تعلق ہمسے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی **اقول** بے ارادہ ہوئے چوکے تلاوت قرآن کرنا کام تمہارا ہے اور ہم تلاوت قرآن کی بصدق دل اور نیت خالص کرتے ہیں اور اتباع خداوندی ہمارے مولوی صاحب کو اعتقاد دیجہ سے ہے اور زعم سے اتباع خداوندی شعار تمہارا ہے اور غلط باتوں سے پرہیز کرنا خلاف اخلاق خداوندی تمہارے علماء سمجھتے ہیں اور جھوٹ بولنے سے اُنکو شرم نہیں آتی علی الخصوص مولوی عبدالعزیز صاحب مولف تحفہ کہ اُنہوں نے اپنے تحفہ کو جھوٹ باتوں سے پر کیا ہے چنانچہ بعد اسکے تجھکو بخوبی معلوم ہوجائیگا جسوقت ہم اہل سنت کی کتابوں سے اُنکا دروغ لکھنا ثابت کرینگے اور ہمارے مولوی صاحب کا کام دروغ نویسی نہیں ہے وہ تو جو کچھ لکھتے ہیں روایات کتب اہل سنت سے لکھتے ہیں اور بعضے محل پر شیعوں کے روایت کے موافق لکھتے ہیں لیکن تصریح کردیتے ہیں کہ یہہ روایت کتب اہل سنت کی ہے یا کتب شیعہ کی اور ہمارے پیشوا سب اہل حق تھے اور جب وہ حق پر نہوئے تو واقع میں پیروی اُنکی البتہ موجب سعادت ہے زعم کو اس میں کیا دخل ہے اور ائمہ علیہم السلام نے اُنکے حق میں بددعا نہیں کی ہے اور بعد اسکے جو تو اُنکا نام لکھیگا اور ہم اُسکا جواب لکھینگے تو معلوم ہوگا کہ اُنمیں سے اکثر پر تو افترا تیرا ہے کہ اُنکے حق میں ہرگز بددعا نہیں کی ہے اور اُنمیں سے اگر کسی بعضے کے حق میں جو بددعا کی ہے تو اسواسطے کہ وہ اشخاص اُس زمانہ میں مذہب باطل پر تھے اور خلاف حق کے بیان کرتے تھے اور بعد اسکے اُنہوں نے مذہب حق کو اختیار کیا تھا اور وہ حق ہی پر مری بھی تھی اور جب حق کیطرف رجوع لی تو ائمہ علیہم السلام نے اُنکی مدح کی ہے چنانچہ بعد اسکے ہم لکھینگے اور جھوٹے تیری علما تھے کہ خوشامد سلاطین بنی اُمیہ اور بنی عباس سے جھوٹے مسائل جی سے جوڑکر واسطے حاصل کرنے انعام کے بیان کرتے تھے تیری ہی کتابوں میں یہہ لکھا بھی ہے اور بعضی باتوں کو اُنکی انشاء اللہ تعالی بعد اسکے ہم ذکر بھی کرینگے **قال الشیخ الاشعری** تفصیل اس اجمال کی کہ اہل سنت کا مذہب ثقلین یعنی کلام اللہ اور عترت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موافق ہے اور شیعوں کا مذہب مخالف ثقلین اور یہ بات کہ پیشوایان شیعہ کے حق میں حضرات ائمہ نے کیا کیا کچھ کہا ہے اس رسالہ مختصر میں سما نہیں سکتے لیکن بطور نمونہ ایک ایک دو دو باتیں عرض کرنی ضرور پڑیں اہل انصاف اُس ہی سے سمجھ جائیں گے مشتے نمونہ خروارے بعد ازآں اُس خط کے تردید مناسب وقت کی جائیگی **اقول** تفصیل اس تیرے اجمال کی سب باطل ہے اور اہل سنت کا مذہب ہرگز موافق کلام اللہ اور عترت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہیں ہے بلکہ شیعوں کا مذہب دونوں کے موافق ہے اور جس فرقہ سے استفسار کروگے یہی کہیگا کہ شیعوں کا مذہب موافق مذہب عترت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے ہے کہ وہ اُنکی ہی پیروی کرتے ہیں اور مذہب اہل سنت کا موافق مذہب اہل بیت کے نہیں ہے کہ وہ اُنکی پیروی نہیں کرتے ہیں بلکہ علماء اہل سنت بھی مقر ہیں اس امر کے کہ شیعہ تو پیروی عترت رسول خدا صلعم کی کرتے ہیں اور اہل سنت اُنکی پیروی نہیں کرتے ہیں چنانچہ جامع الاصول میں کہ جامع صحاح ستہ کی ہے لکھا ہے کہ علی بن موسی رضا مجدد مذہب امامیہ ہے اور مجدد مذہب اہل سنت کا ابوحنیفہ اور شافعی اور مالک کو لکھا ہے اور سید شریف نے جو نامہ امیر تیمور کو لکھا تھا اُسمیں مائۃ اولی میں تو مجدد مذہب

امامیہ امام جعفر صادق ؑ کو لکھا ہی اور رائۃ ثانیہ میں علی بن موسی الرضاء کو لکھا ہی اور جلال الدین دوانی نے شرح عقائد میں لکھا ہے کہ اہل سنت اپنے عقائد میں متمسک صحابہ
سے ہوتے ہیں اور شیعہ تتبع کرنیوالے ہیں اُن روایتوں سے کہ جو اُنکے اماموں سے منقول ہیں اور بعد اسکے تفصیل سے انشاء اللہ تعالیٰ اِن روایتوں کو جامع الاصول کی اور شرح عقائد
کے میں لکھونگا منتظر رہنا چاہئے اور سوا اسکے اور کتابوں میں بھی اسی کے قریب قریب لکھا ہی اب ملاحظہ کرنا چاہئے کہ علماء اہل سنت تو لکھتے ہیں کہ مذہب شیعوں کا مذہب عترت رسول
خدا صلعم کے موافق ہی اور یہ شیخ نجدی مولوی عبدالعزیز صاحب دروغ نویس کی پیروی سے مخالف اسکے لکھتا ہی اور مذہب اہل سنت کا جو مخالف اُنکے مذہب کے ہے اور موافق مذہب
ابوحنیفہ اور شافعی اور مالک کے ہی اسکو موافق مذہب عترت رسول خدا صلعم کے لکھتا ہی کس طرح کا دروغگو ہے اور جس وقت کہ ثابت ہوا مذہب شیعہ موافق مذہب اہل بیت علیہم السلام کے
ہے تو موافق کلام اللہ کے بھی یہی مذہب ہو گا اسواسطے کہ مضمون قرآن کا کما حقہ اُنکے ہی پاس تھا کہ سینہ بسینہ جناب رسول خدا صلعم سے اُنکو علم پہنچا تھا چنانچہ اہل سنت
کی بھی کتابوں میں لکھا ہی اور حضرت علی ؑ کے سب صحابہ سے زیادہ عالم ہونے اور صحابہ کی مسائل میں غلطی کرنے کی اور حضرت علی ؑ کی طرف رجوع کرنے کی روایتیں اہل سنت کی
کتابوں میں موجود ہیں اور پیشوایان شیعہ کا حال پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور مفصل بعد اسکے لکھا جائیگا اسکے قول دروغ کے رد میں جس قول میں کہ یہ نام اُنکا لکھیگا اور خط کے جواب
کا رد بھی ایسا دنداں شکن ہوگا کہ یہ شیخ ہونٹ چبا ڈالیگا اور نادم ہو کر کہیگا کہ میں نے جواب خط کیوں لکھا تھا **قال الشیخ الاشعری** مخدوم من کلام اللہ میں سورۂ بقرہ میں
پہلے سیپارہ میں یہ آیت ہے اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ حاصل اسکا یہ ہی کہ جنکو ہم نے
دی ہے کتاب وہ اسکو پڑھتے ہیں جو حق ہی پڑھنے کا وہی اُسپر یقین لاتے ہیں اور جو منکر ہوگا اُس سے سو اُسی کو نقصان ہی اس آیت کے مضمون کے دیکھنے کے بعد تصور میں نہیں آتا کہ
کسیکو دربارہ حقیت مذہب اہل سنت شک ہے اور جب شک نہ ہا تو اسکا پہلے یقین ہو جائیگا کہ مذہب شیعہ باطل ہی تفصیل اس اجمال کی یہ ہی کہ یہ آیت ہر چند بعض اہل کتاب کے حق
میں نازل ہوئی ہی لیکن اس آیت میں گو کسی کی شان میں نازل ہو کتاب اللہ پر ایمان لانے کو اُنہیں میں منحصر کر دیا ہے جو اُسے خوب ہی پڑھتے ہیں حق پڑھنے کا جب یہ بات اُنہیں
میں منحصر ہوئی تو معلوم ہوا کہ کتاب اللہ پر ایمان لانے کی علامت یہی ہی کہ اُسکو خوب تلاوت کیا کرے کوئی سی خدا کی کتاب خدا کی کیوں نہو توریت ہو یا انجیل یا قرآن شریف
اسکی ایسی مثال ہی کہ کوئی ذہین آدمی کوئی مشکل بات جلد سمجھ جاوے اور خوب سمجھے اور دوسرے اُسکی تعریف میں یوں کہیں کہ بات کو ذہین ہی سمجھتے ہیں تو گویہ تعریف اُسی کے
سُنانے کے لیے کی گئی ہی پر حقیقت میں سارے ہی ذہینوں کی تعریف ہے سو یہ نسبت قرآن شریف کے یہ نشانی سوا اہل سنت کے اور کسی فرقہ میں پائی نہیں جاتی خصوصاً شیعہ
کہ اُنکا تلاوت کرنا تو سب ہی جانتے ہیں یہانتک کہ کلام اللہ کے یاد نہونے میں ضرب المثل ہو گئے ہیں سو اسکا باعث بجز اسکے اور کیا ہی کہ جیسے تلاوت چاہتے اُنسے ویسی تلاوت
نہیں ہو سکتی جسقدر کلام اللہ کے پڑھنے میں محنت چاہئے اُنسے محنت نہیں ہو سکتی **اقول** خادم من اللہ سورہ بقرہ میں یہ آیت ہے عبداللہ بن سلام وغیرہ یہودی کے حق
میں جو کہ مسلمان ہو گئے تھے لیکن تیرا مطلب اس سے ثابت نہیں ہوتا تو نے اس قول میں دروغ نویسی کو اسقدر طول دیا ہی کہ اپنی گور کو تو نے انگاروں سے بھرا ہے اول تو یہ آیت
بعض اہل کتاب کی شان میں نازل ہوئی تھی کہ جو توریت کو پڑھتے ہیں اور قرآن شریف ہرگز اس سے مراد نہیں ہو سکتی اور خدا تعالیٰ نے کوئی سی کتاب کو نہیں فرمایا ہے
بلکہ توریت کو فرمایا ہے اور خوب تلاوت کرنا اُس سے مراد نہیں ہے بلکہ اُسپر عمل کرنا اور اُسکے معانی میں تدبر کرنا مراد ہے اور اگر بالفرض قرآن شریف کی تلاوت بھی اس سے مراد لی
جائے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ مذہب اہل سنت حق ہی اور مذہب شیعہ باطل ہی بلکہ اس آیت سے حقیت مذہب شیعہ ہی ثابت ہوتی ہی کہ جو حق تلاوت قرآن ہی وہ اُنہیں ہی
منحصر ہے کہ وہ قرآن شریف کو ترتیل سے پڑھتے ہیں اور حروف کو اُنکے مخارج مقررہ سے ادا کرتے ہیں کہ اُنکے نزدیک مخارج سے حروف کا ادا کرنا واجب ہے اور اگر مخارج سے کوئی ادا نکرے
تو نماز اُسکی صحیح نہیں ہوتی اور اُسکے معانی میں تدبر کرتے ہیں اور موافق اُسکے مقتضا کے عمل کرتے ہیں بخلاف اہل سنت کے کہ وہ قرآن کو ایسا پڑھتے ہیں کہ جیسے کوئی گھانس کاٹتا چلا
جاتا ہی تراویح میں اگرچہ ایک مرتبہ میں چار پانچ سیپارہ پڑھ جائیں لیکن حروف کو آپسمیں ایسا مخلوط کرتے ہیں کہ سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ کیا پڑھا سو اسکو حق تلاوت نہیں کہتے ہیں
یہاں سے حقیت مذہب شیعہ اور بطلان مذہب اہل سنت ثابت ہوا کہ ایمان لانے کو کتاب خدا پر شیعوں ہی میں منحصر کر دیا ہے کہ اُسکو حق تلاوت سے وہ تلاوت کرتے ہیں جب یہ بات اُنہیں
میں منحصر ہوئی تو معلوم ہوا کہ کتاب اللہ پر ایمان لانے کی علامت یہی ہی کہ اُسکو جو کہ حق تلاوت کا ہی اُس طرح سے پڑھے نہ یہ کہ گھانس کی کاٹتا چلا جائے جیسا کہ اہل سنت کرتے ہیں
اور یہ جو ذہین کی مثال دی ہی باطل ہی اسواسطے کہ جو کوئی تعریف ایک ذہین کی کرے تو سب ذہینوں کی ہوگی نہ غیر ذہینوں کی ایسے ہی جو کوئی کسی قاری کی تعریف کریگا
تو قاریوں کی تعریف ہوگی نہ غیر قاریوں کی پس ہزاروں کیا بلکہ لاکھوں اہل سنت قرآن کی تلاوت ہی نہیں کرتے ہیں قطع نظر حق تلاوت سے تو چاہئے کہ وہ سب باطل پر
اور بے ایمان ہوں تیرے نزدیک بھی سو حق تلاوت نشان اہل سنت نہیں ہے بلکہ نشان شیعہ ہے اور شیعوں کی تلاوت کرنیکو ہم بیان کر چکے جیسا کہ وہ تلاوت کرتے ہیں اور نسبت
شیعہ کو کلام اللہ کے یاد نہونے کی مثل تیرے گھر کی ہی تو جو چاہے شیعوں پر تہمت کرے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ غلط پڑھنا اہل سنت کا قرآن کو ضرب المثل ہو گیا ہی سو اسکا باعث بجز

اور کیا ہے کہ جیسی تلاوت چاہئے ویسی اُنسے نہیں ہوسکتی جسقدر کلام اللہ کے پڑھنے میں محنت چاہئے ایسی اُنسے محنت نہیں ہوسکتی کہ حروف کے مخارج سے نکالنے میں کوشش
اور مشق کریں یہ تو اسکے قول کا جواب ہے اور حق پوچھو تو یہ ہے کہ سنیوں میں اور شیعوں میں دونو فرقوں میں تلاوت قرآن کرنیوالے ہوتے ہیں سنیوں کی کثرت جو ہے انمیں
زیادہ ہیں اور شیعوں میں بسبب انکی قلت کے کم ہیں اور شیعوں کو بالکل تلاوت قرآن سے خارج کرنا یہ سراسر اس شیخ نجدی کی بے ایمانی ہے اور حق کا باطل کرنا ہے کہ
کوئی ایسا دروغ صریح بھی لکھتا ہے کہ جیسے اسنے کاغذ کو دروغ باتوں سے سیاہ کرکے آخرت میں اپنی سیاہ روئی اختیار کی ہے **قال الشیخ الاشعری** باقی اہل سنت کا
ایسا تلاوت کرنا جیسا تلاوت کا حق ہے عیاں ہے اور عیاں را چہ بیاں اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ پڑھتے پڑھتے برزبان ہوجاتا ہے اس بیت سے اشارہ معلوم ہوا کہ جتنے فرقے
اہل اسلام میں معدود ہیں کم نہیں ہے جونسا فرقہ حقانی ہوگا اُسی کو کلام اللہ یاد ہوگا اوروں کو یاد نہیں ہوسکتا ورنہ لازم آئے کہ باطل پر ہوکر ممدوح خداوند کریم ہوں
سو بحمد اللہ تعالیٰ یہ دولت نصیب اہل سنت ہوئی ماسوا انکے اور سب فرقے اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہے چنانچہ آجتک مسموع نہیں ہوا کہ سوائے اہل سنت کے کسی اور کو روافض
وخوارج میں سے یاد ہوا ہو اور فرقوں کا تو ہندوستان میں وجود ہی نہیں پر سوا اہل سنت روافض البتہ بکثرت موجود ہیں کوئی قصبہ اور کوئی شہر نہوگا کہ وہاں انکے غول کے غول
نہوں علاوہ بریں نواح لکھنؤ اور اطراف دکن اور اضلاع سندھ میں باوجود کثرت کے تسلط بھی انہیں کا ہے یہانتک کہ اسی باعث تشیع کو ہندوستان میں کمال درجہ کو
شیوع حاصل ہوا ہزاروں عالم شیعہ مذہب موجود پر حافظ نام کو کوئی نہ دیکھا نہ سنا اور کسی کے ذمہ شیعوں نے حفظ قرآن کی تہمت لگا بھی دی تو اسی یوں ہی کہتے سنا کہ یاد تو
تھا پر آجکل کچا ہوگیا ہے اسلئے فی الحال سنانے سے معذور ہوں اور جو سنانے پر آتے ہیں یہ نہیں کہ ایک جلسہ یا دو جلسہ میں پڑھکر ادھر سے اُدھر کردیں **اقول** اہل سنت کے
تلاوت کرنیکو ہم بیان کر چکے جس طرح سے کہ وہ تلاوت کرتے اور پڑھتے ہیں اور پڑھتے پڑھتے برزبان ہوجاتا ہے تو شیعوں کو بھی پڑھتے پڑھتے برزبان ہوجاتا ہے لیکن کل سنی قرآن کو نہیں پڑھتے ہیں کل شیعہ بھی نہیں بعضے سنی
پڑھتے ہیں ایسے ہی بعضے شیعہ بھی پڑھتے ہیں اگرچہ سنی شیعوں سے زیادہ ہیں اور بالکل شیعوں کے قرآن پڑھنے کا انکار کرنا زمین و آسمان کا انکار کرنا ہے اور جیسے کہ اہل سنت قرآن کو یاد
کرتے ہیں ویسے ہی شیعہ بھی یاد کرتے ہیں لیکن تلاوت کرنا دلیل حقانیت کی نہیں ہے تلاوت کرنا قرآن کا مستحب ہے اگر کوئی تلاوت کریگا تو مستحق ثواب ہوگا اور اگر تلاوت
نکریگا تو گنہگار بھی نہوگا اور اگر یہی بات ہے تو لاکھوں آدمی فرقہ اہل سنت کے جو تلاوت نہیں کرتے ہیں تو چاہیے کہ عذاب نار میں گرفتار ہوں اور خاص کرنا اہل سنت کا تلاوت
میں اور شیعوں کو اس سے خارج کرنا مصداق لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ کا ہونا ہے اور اگر تو نے کسی شیعہ کو حافظ نہیں دیکھا یا نہیں سنا ہے تو تیرے دیکھنے اور سننے سے
کیا ہوتا ہے تو کون ہے اور کس کھیت کا تھوا ہے کہ تو دیکھے تو سچ اور راست و درست ہو اور نواح لکھنؤ و سندھ اور دکن کی تجھکو کیا خبر ہے تو یہاں بھرتپور میں آکر دیکھ
کہ شیعوں میں سے کوئی حافظ ہے یا نہیں اور بھرتپور کو بھی جانے دے تیرے قریب امروہہ اور پانی پت اور سونی پت ہے وہاں جاکر قرآن کو شیعوں کے حافظوں سے یاد سن لے
اور متھرا میں حکیم امجد علی خان تحصیلدار کے مکان پر اور امرتسر پنجاب میں جو ڈپٹی آغا کلب عابد خان صاحب کے مکان پر معرکہ ہوا ہے اور اہل سنت کے فاضلوں اور حافظوں
اور اکثر اہل سنت نے قرآن کو شیعوں کے حافظوں سے از بر سنا ہے تو وہاں جاکر اپنے ہم مذہبوں سے پوچھ کہ شیعوں نے حفظ سنایا تھا یا نہیں اور متھرا میں تو شیعوں کے حافظ سنیوں
کے حافظوں پر غالب آ گئے اور کہتے ہیں کہ پانی پت میں بھی ایسا ہی ہوا اور سنی و شیعہ جمع ہوئے اور شیعوں کے حافظ نے قرآن شریف از بر سنایا تو دعوی دروغ کرکے
اپنے ایمان میں کیوں خلل ڈالتا ہے اور حفاظ اہل سنت اگرچہ قرآن کو یاد کرتے ہیں لیکن انکو اچھا یاد نہیں ہوتا ماہ رمضان سے پہلے بڑی محنت اور مشقت یاد کرنے میں کرتے
ہیں لیکن پھر بھی خوب یاد نہیں ہوتا تراویح میں جسوقت قرآن کو پڑھتے ہیں تو بیسیوں غلطیاں کرتے ہیں اور جماعت کے آدمی جو پیچھے کھڑے ہوتے ہیں وہ بتلاتے جاتے
ہیں اور شیعوں میں جو کم آدمی حفظ کرتے ہیں سبب اسکا یہ ہے کہ دیکھکر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہوتا ہے اور حروف قرآن کے زیارت بھی ہوتی ہے اور حفظ پڑھنے میں
طرح طرح کے متشابہ پیش آتے ہیں اور غلطیاں ہوتی ہیں اور پھر طوطے کی طرح سے یاد کرنے میں کیا فائدہ ہے کہ اسکے معانی کو تو سمجھتے ہی نہیں ہیں اور شیعہ حفظ کی تہمت
کسیکو نہیں لگاتے جیسے کہ اہل سنت اگر تھوڑا سا یا غلط سلط قرآن کوئی یاد کرے تو اسکو بھی حافظ جی کہنے لگتے ہیں اور اگر تجھکو شیعہ سے یاد پختہ قرآن کا سننا منظور ہے تو بھرتپور
میں چلا آ اور ایک جلسہ یا دو جلسہ میں قرآن کو سن لے یا جس سورہ کو چاہے سن لے اور بھرتپور نہیں تو امروہہ میں چلا جا کہ وہ تیرے قریب ہے اور گھر میں بیٹھے ہوئے تیرے
جھوٹے دعوی کو کون اعتبار کرتا ہے **قال الشیخ الاشعری** منجملہ حفاظ شیعہ مولوی جعفر علی صاحب پیش امام دہلی جو ورع اور تقوی و علم و فضل میں مجتہد زمانہ نہیں
تو مجتہد ثانی تو بیشک و شبہ ہیں انکے حفظ کی یہ کیفیت ہے کہ رمضان شریف میں غدر سے پہلے بچشم خود اس احقر نے دیکھا ہے کہ جلسہ تلاوت قرآن میں جو دن کو نواب حامد علیخان کی
مسجد میں ہوا کرتا تھا مثل دیگر حفاظ شیعہ مذہب حمائل میں دیکھ دیکھکر پڑھتے تھے تس پر بھی دو جگہ غلط پڑھ گئے اور خداوند کریم کی حق نمائیاں دیکھئے کہ اُسی جلسہ میں حفاظ اہل سنت
جو بطور سیر آجاتے تھے اور اہل تشیع دیکر انکو بھی پڑھنے کے لئے کہتے تو وہ برزبان ہی پڑھتے تھے مگر تاہم دیدہ عبرت شیعہ کشادہ نہیں ہوتا تھا ایک شخص سنی المذہب مولوی

حافظ عبدالعزیز نام ساکن نجیب آباد کہتے تھے کہ میں کچھ کتب درسیہ میں مولوی جعفر علی صاحب سے پڑھا کرتا تھا اتفاقاً کچھ اسکا مذکور آگیا کہ شیعوں کو کلام اللہ یاد نہیں ہوتا سنکر فرمانے لگے کہ تم سنو گے میں نے عرض کیا کیا مضائقہ ہے اگر ایک دو جلسہ میں ہو یا یوں کہا کہ زیادہ زیادہ پڑھیے تو کیا مضائقہ ہے مگر پھر مولوی صاحب کہاں تھے بجز اسکے نہ بن پڑی کہ ایک ایک سیپارہ ہر روز سن لیا کرو جائے غور ہے کہ ایک ایک سیپارہ روز تو بعضے بعضے بندگان خدا از سر نو یاد کر سکتے ہیں وہ حافظ ہی کیا ہو کہ جسنے ایک دو جلسہ میں کلام اللہ نہ پڑھ لیا اور میں جانوں کہ مولوی صاحب سے ایک ایک سیپارہ بھی نہ سنایا جاتا یہ بھی ایک دھمکی تھی مولوی عبدالعزیز صاحب مذکور یوں سمجھکر کہ شاید اب یاد کرکے سنا دیں اور پھر یاد نہ ہے سو اتنی بات میں سر دست ہمارا دعوی تو غلط ہو جائیگا یا دو چار سیپارے انکو یاد ہوں اور انکو جوں توں سنا کر پھر کچھ حیلے بہانے لیدیں اور انکو کہنے کو جگہ ہو جائے اسباب پر تجھے نہ ہونے اور نیز یہ بھی مرکوز خاطر ہوگا کہ سب پر عیاں ہو جائے کہ مولوی صاحب کو یاد نہیں انکا حافظ کہنا ایک حرف غلط ہے منجملہ اور دروغوں کے زبان زد شیعہ ہو گیا ہے اور اگر مارکر ایک دو نے بالفرض بفرض محال کچا پکا یاد بھی کر لیا تو غیرتمندان شیعہ کے لئے تو یہی بات ڈوب مرنے کو بہت ہے کون نہیں جانتا کہ ایک ایک شہر بلکہ بعضے بعضے ایک قصبہ میں اہل سنت میں سو سو بلکہ زیادہ زیادہ حافظ ہوتے ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ بعضے بعضے قصبات میں اہل سنت ہی کے برابر شیعہ ہوتے ہیں لیکن اہل سنت میں سینکڑوں حافظ ہوتے چلے جاتے ہیں اور شیعوں میں ایک بھی نہیں ہوتا چنانچہ سہارنپور اور پانی پت اور کرانہ میں یہی حال ہے **اقول** مولوی جعفر علی صاحب کے امام دہلی اور متورع اور متقی اور عالم اور فاضل ہونے میں کیا شبہ ہے اور حمائل میں دیکھکر جو وہ ماہ رمضان کے جلسہ قرآن خوانی میں پڑھتے تھے سبب اسکا یہ تھا کہ وہ قوانین قرات کے موافق حروف کو انکے مخارج مقررہ سے مع صفات کے ادا کرتے تھے اور غنہ اور وقف وغیرہ ہر ایک کا خیال رہتا تھا سو وہ دیکھکر پڑھنے میں بسہولت حاصل ہوتا ہے بخلاف حفظ کے کہ اسمیں بکمال عسرت یہ بات حاصل ہوتی ہے اور جب ان امور کا لحاظ ہوتا ہے تو بعض مرتبہ الفاظ ذہن سے نکل جاتے ہیں سو اسلئے حمائل میں دیکھکر پڑھتے تھے کہ لوگوں کو سنانا قرات کا کما ینبغی منظور ہوتا تھا ورنہ حفظ پڑھنے میں کیا تامل تھا اور دو جگہ غلطی کرنے کو تو بالکل غلط لکھتا ہے غلطی انسے ہرگز نہیں ہوئی تھی اور حفاظ اہل سنت جو انکی قرات کو سننے آتے تھے شیعوں کو انسے دبکر کہنے کی کیا بات تھی بلکہ جسوقت انکو پڑھنے کو کہتے تھے تو پہلے تو وہ انکار ہی کرتے تھے اس نظر سے کہ ہماری قرات انکی سی قرات نہیں ہے اور جب انسے بہت کہتے تھے تو وہ بیچارے دبے ہوئے پڑھ بھی دیتے تھے اور غلطی بھی بعضی جگہ کرتے تھے تو ایک مرتبہ گیا ہے ہمکو کیا خبر ہے اور جسطرح وہ پڑھتے تھے اسیوقت مولوی جعفر علی صاحب اسطرح پڑھ دیتے تھے وہ حیران ہو جاتے تھے اور برزبان پڑھ دینا کیا بڑی بات ہے کہ انکو قرات میں اسقدر دخل کہاں تھا جو کہ مولوی جعفر علی صاحب کو تھا کہ پڑھنے میں لحاظ وقف کے مخارج کا اور انکی صفات کا ہوتا جیسے کہ گھانس کاٹتے ہیں ایسے پڑھ دیتے تھے اور پھر بعض مرتبہ غلطی بھی کرتے تھے اور مولوی حافظ عبدالعزیز صاحب نے جو ایک دو جلسہ میں تمام قرآن کے پڑھنے کو کہا اور مولوی جعفر علی صاحب نے ایک ایک سیپارہ پڑھنے کو کہا تو سبب اسکا یہ تھا کہ عادت مولوی صاحب ممدوح کی قرات کے قاعدوں کے موافق ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی تھی اور نقاہت انمیں بدرجہ کمال تھی اس صورت میں تو ایک ایک سیپارہ کا سنانا بھی دشوار تھا لیکن انہوں نے کمال جرات سے اسکا اقرار کیا تھا اور ایک دو جلسہ میں تو انسے دیکھکر پڑھنا بھی ممکن نہ تھا اور ایک دو جلسہ میں وہ حافظ پڑھ دیتا ہے کہ جسکو رعایت اصول قرات کی نہیں ہوتی اور جلدی جلدی الفاظ کو آپسمیں مخلوط کرکے پڑھتے ہیں جیسے کہ لوگ تراویح میں قرآن کو پڑھتے ہیں اور مولوی عبدالعزیز صاحب اس مقدمہ میں اور کچھ بھی نہیں سمجھے جیسے کہ تو لکھتا ہے بلکہ انہوں نے ایک سیپارہ کا سننا نہ چاہا ہوگا اور تجھ کو کیا خبر ہے کہ وہ غلطی سے حافظ مشہور ہو گئے ہیں یہ بات تو اہل سنت میں ہے کہ جو کوئی حافظ نہیں ہوتا ہے اسکو بھی حافظ مشہور کر دیتے ہیں اور شیعوں میں جو کوئی حافظ ہے وہ پکا ہی حافظ ہے کچا نہیں ہے مثل حفاظ اہل سنت کے اور سو حافظ اہل سنت کے تو کسی قصبہ میں نہیں ہیں نہ سہارنپور میں نہ پانی پت میں نہ کرانے میں البتہ حفاظ اہل سنت حفاظ شیعہ سے زیادہ ہیں کہ اس فرقہ کی کثرت بھی تو ہے اور شیعوں میں جو حافظ کم ہوتے ہیں تو وجہ اسکی ہم پہلے اس سے بیان کر چکے اور سوا اسکے یہ بات ہے کہ حفظ کرنا قرآن کا ضروری مذہب اسلام نہیں ہے کہ اکثر حفظ ہی کرنے کی طرف رجوع کرے بلکہ ثواب کی بات ہے اور اگر حفظ نکرے تو گناہ بھی نہیں ہے اور ایسے ہی اکثر امور مستحبہ ایسے ہیں کہ کوئی بھی اہل سنت میں سے انکو ادا نہیں کرتا ابو حنیفہ کے نزدیک ختنہ کرنا عورتوں کا سنت ہے لیکن کوئی سنی بھی ہندوستان میں اپنی عورت کے ختنہ نہیں کرتا اور قرآن کا حفظ کرنا غیر ممکن بات نہیں ہے اگر کافر چاہے تو وہ بھی حفظ کر سکتا ہے اور جب کوئی حافظ شیعہ قرآن کو حفظ سنا دیتا ہے تو اہل سنت یہی جواب دیتے ہیں چنانچہ اکبرآباد میں ایک سنی نے مرزا آغا علی صاحب سے یہ کہا کہ شیعوں میں کوئی حافظ نہیں ہوتا وہ اسکو محلہ شاہ گنج میں حافظ سید حسین کے پاس لیگئے اور جس مقام سے اس سنی نے کہا حفظ سنا دیا بعد سن لینے کے وہ سنی کیا کہتا ہے کہ سنا دیا تو کیا ہوا نصرانی اور ہندو بھی قرآن کو حفظ کر سکتا ہے اور اب حافظ سید حسین بھرتپور میں رہتے ہیں اور متھرا میں جو دو حافظوں نے ایک معرکہ میں قرآن کو تحصیلدار کے مکان پر سنا دیا تو سنی کہنے لگے کہ یہ حافظ شیعہ نہیں ہیں بلکہ سنی ہیں اور روپیہ لیکر انہوں نے کہدیا ہے کہ ہم شیعہ ہیں اور وہ دونو حافظ امروہہ کے رہنے والے ہیں لیکن چاہئے کہ اہل سنت اپنی ہٹ دھرمی سے باز آئیں ایسا ہرگز نہ ہوگا جو تو انکے پاس کو گزر ہی نہیں ہے دیکھتے ہیں اور شیعوں سے قرآن کو حفظ سنتے ہیں لیکن اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے یہی کہتے ہیں کہ شیعوں میں حافظ نہیں ہوتا

لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ **قال الشیخ الاشعری** اور وجہ اس یاد نہونے کی حالانکہ مقتضای طعن اہل سنت یہ تھا کہ کلام اللہ مع تفسیر شیعے یاد کر لیتے
یہی بات ہے کہ جیسا تلاوت کا حق ہوتا ہے انکو میسر نہیں آتا اور باعث اسکا واللہ اعلم یا تو یہ ہے کہ طبائع انسانی و حیوانی باعتبار غذا کے جیسی مختلف ہیں کہ کسیکو میٹھا بھاتا ہے
کسیکو نمکین کسیکو ایک چیز کی طرف رغبت ہوتی ہے کسیکو نفرت انگریزوں کو عطر نفیس سے تنفر اور مچھلی کے اچار سے جیسے سونگھ بھی لیجے تو دماغ چھوڑ جان کی خیر نہیں
رغبت پاخانہ کو کیڑے گندگی میں خرم و شاد و عیش و آرام سے رہیں اور خوشبو سونگھیں تو مر جائیں ایسے ہی باعتبار امور دینی کے جو غذاء ارواح ہیں ارواح
بنی آدم مختلف ہیں کسیکو رغبت ہے کسیکو نفرت کسیکو لذت آتی ہے کسی کی جان نکلی جاتی ہے سو حضرات شیعہ کو کلام اللہ پر محنت کرتے موت نظر آتی ہے **اقول** ارے
جھوٹوں کے جھوٹے شیعوں کو کیوں نہیں یاد ہوتا ہے جو کوئی ارادہ کرتا ہے یاد کر لیتا ہے اور اس امر میں شیعہ اور سنی دونو یکساں ہیں جیسے کہ بعضے بعضے سنی یاد کرتے ہیں ایسے ہی
بعضے شیعہ بھی یاد کرتے ہیں مگر حفاظ اہل سنت حفاظ شیعہ سے زیادہ ہیں اور اہل سنت میں لاکھوں ایسے ہیں کہ یاد نہیں کرتے نماز کہ جو رکن دین ہے اسکو تو سب ادا ہی نہیں کرتے پھر
تو حفظ قرآن کے لئے پوچھتا ہے کہ جو ضروری نہیں ہے اگر شیعوں کو کلام اللہ پر محنت کرتے ہوئے موت آتی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ لاکھوں اہل سنت جو حفظ نہیں کرتے انکو بھی کلام اللہ پر
محنت کرتے موت آتی ہے تخصیص شیعوں ہی کی کیا ہے اور جو کچھ تونے اس قول میں بیان کیا ہے یہ سب حال اہل سنت کا ہے کہ بعضوں کو انمیں سے رغبت قرآن کے حفظ کی ہے اور بعضوں کو نہیں
قال الشیخ الاشعری اور رہا یہ ہے کہ جو شاگرد استاد کی خدمت میں گستاخ ہوتا ہے عادت الٰہی یوں جاری ہے کہ علم سے بہرہ ور نہیں ہوتا وجہ اسکی شاید یہ ہو کہ
شکر پر وعدہ مزید نعمت ہے چنانچہ فرمایا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ یعنی اگر شکر کروگے تو البتہ ہم اور زیادہ دینگے تو اس صورت میں بشہادت عقل کفران پر زوال
نعمت متفرع ہونا چاہئے ادھر حدیث میں ہے مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ یعنی جو کوئی آدمیوں کا شکر نکریگا وہ اللہ کا بھی شکر نکریگا اور ظاہر ہے کہ ہرچند
منعم حقیقی خداوند کریم ہے پر دولت علم بواسطہ استاد ہی حاصل ہوتی ہے اور نعمۃ عظمے کلام اللہ کے استاد حضرات صحابہ ہیں جنمیں سے خلیفہ اول اور ثالث کو تو وجہ تالیف
مصنف مجازی کہئے تو بجا ہے پھر ان گستاخوں کو یہ نعمت عظمی عطا ہو تو کیونکر ہو **اقول** جن صحابہ کو تو استاد کہتا ہے وہ صحابہ استاد نہیں ہیں استاد وہ ہوتا ہے کہ
جس سے تعلیم حاصل ہوتی ہے اور وہ کسیکو تعلیم کرنے کی لائق نتھے کہ معانی قرآن کو وہ سمجھتے نتھے اور مسائل دین میں غلطیاں کرتے تھے اور تالیف کرنے کلام غیر سے کوئی
استاد نہیں ہو جاتا ہے سو ایسے لوگوں کی خدمت میں گستاخی کرنے کی کچھ قباحت نہیں ہے کہ انہوں نے اس تالیف کو کسی جگہ سے کم کر دیا اور کسی جگہ زیادہ کیا اور کلام خدا
کو اور دوسرے لوگوں کی تالیفوں کو جلوا دیا اور جس نے تالیف کے دینے سے انکار کیا اسکو زد و کوب کیا جیسا کہ اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے اور استاد اور منعم سب کا خداوند کریم ہے
نہ بیجا تالیف کرنیوالے سو شکر خدا تعالیٰ کا چاہئے نہ ایسے مؤلفوں کا اور جو کچھ نعمت ہمکو حاصل ہوئی ہے وہ ان لوگوں کے طفیل سے ہے کہ جو معانی قرآن کو سمجھتے تھے اور تم اس نعمت سے
محروم ہو **قال الشیخ الاشعری** مگر جیسے اشارہ خداوندی سے یہ نکتہ مذکورہ معلوم ہوا یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان کا ان لوگوں میں منحصر ہونا جو خوب ہی تلاوت کرتے
ہیں اور جو حق تلاوت ہے وہ بجا لاتے ہیں تو بہ نسبت ان لوگوں کے ہے جو کلام اللہ کی تلاوت میں تو مقصر ہیں اور باینہمہ اپنی ہی سمجھ کے موافق اسپر عمل کرتے ہیں یا ان لوگوں
کے حق میں جو انکے اتباع و توابع ہیں اور مطلق کم پڑھنے والوں کے یا بالکل نہ پڑھنے والوں کی نسبت حصر نہیں کیونکہ وجہ اس حصر کی ان لوگوں میں جو حق تلاوت ادا کریں
بجز اسکے اور کچھ نہیں کہ جو کسی کتاب کو کثرت سے دیکھے بھالیگا وہی اسکو خوب سمجھیگا اور اسکی حقیقت کو پہنچیگا اور کلام اللہ پر ایمان اسیکا نام ہے کہ اسکے احکام اور مضامین
کو حق سمجھے جو لوگ ان لوگوں کے متبع ہونگے کہ وہ جیسا تلاوت کا حق ہے تلاوت کیا کرتے تھے مدام اس سبب سے اسکی اصل حقیقت کو پہنچگئے ہیں اور انکے بتلائے موافق عمل کرینگے
وہ بھی ایمان سے محروم ہونگے اور فرقہ مشار الیہا بلفظ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ میں داخل ہونگے **اقول** اس آیت میں اشارہ مؤمنین یہود کی طرف ہے جو کہ توریت میں
حقیقت اسلام کو تلاوت کر کے ایمان لائے جیسا کہ تفاسیر اہل سنت میں لکھا ہے اور مومنین اہل اسلام کی طرف اس آیت میں اشارہ نہیں ہے اور اگر قرآن شریف
کی تلاوت کرنیوالوں کو کہا جای تو تلاوت تو بعضے سنی اور بعضے شیعہ سب ہی کرتے ہیں لیکن جو حق تلاوت ہے وہ شیعوں میں منحصر ہے کہ اس زمانہ میں
موافق اصول علم قرأت کے پڑھتے ہیں ایمان بھی انہیں ہی منحصر ہوگا اور تلاوت قرآن میں مقصر تیرے پیشوا تھے کہ انکو قرآن یاد نتھا جیسے کہ حضرت عمر جبوقت
رسول خدا صلعم نے وفات پائی تو کہا کہ وہ حضرت مرے نہیں ہیں اور پیغمبر مرتا نہیں ہے اور حال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ
اور عورتوں سے الزام کہاتے تھے عورات ناقص العقل کو تو قرآن یاد تھا اور خلیفہ صاحب کو یاد نتھا اور خلاف قرآن کے عورتوں کو دہمکا کرتے تھے کہ
تمہارے مہر چھین کر بیت المال میں داخل کرونگا جب عورتوں نے خلیفہ صاحب کو قرآن کی آیت پڑھ کر بات دی تو خجل ہو کر خلیفہ صاحب نے فرمایا کل الناس
افقہ من عمر حتی المخدرات فی الحجال اور اپنی سمجھ کے موافق ہی اور اپنی رائے پر وہی لوگ عمل کرتے تھے چنانچہ تاریخ الخلفا وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب بڑے خلیفہ

صاحب بہادر سے آیات کے معنے پوچھے تو کہا کہ اپنی راے سے کہتا ہوں اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور جب بیروں کا یہ حال ہے تو وا
حال بر ہر یدان اور تونے فدک کے مقدمہ میں اپنی راے سے قرآن کے وہ معانی بیان کئے کہ تیری ہی علما نے تیرے کفر کا فتویٰ لکھا چنانچہ بعد اسکے خلاصے
جواب کے رد میں اسکا ذکر آئیگا اور جبتک کوئی خوب کتاب کے مطلب کو نہ سمجھے جیسے کہ مطلوب خدا ہے کثرت سے دیکھنا بھالنا کچھ فائدہ نہیں بخشتا ہے اور مطلب کو
اُسکے وہی سمجھیگا جسکو اُستاد حقیقی نے سمجھایا ہے اور محض دیکھنے بھالنے بہت سے خود بخود کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے اور نہ اُسکی حقیقت کو پہنچ سکتا ہے اسکی مثال یہ ہے
کہ چار پاے بر و کتابی چند۔ اور کتاب اللہ کے احکام اور مضامین کو حق تو سب ہی مسلمان سمجھتے ہیں لیکن حق بر وہ ہیں کہ جو وارثان علوم رسولخدا کے متقلد
ہیں نہ جہلا، اپنی رائے سے معانے قرآن کے بیان کرنیوالے اور جسوقت کہ وہ قرآن کو نہیں سمجھتے تھے اور اپنی راے سے بیان کرتے تھے اور مسائل دین
میں غلطیاں کرتے تھے اُنکے مطیعوں کو بھی ایمان سے کچھ بہرہ نہوگا اور جسوقت کہ بیر حق تلاوت کو نہیں جانتے تھے اور حقیقت قرآن کو نہیں پہنچتے تھے تو بیدل
اُنکے اُن سے بھی کمتر ہونگے بلکہ فرقہ مشار الیہا و من یکفر میں داخل ہونگے **قال الشیخ الاشعری** ہاں جو شخص اُسکی تلاوت میں مقصر رہا ہو اور بے تقلید کسی اور کے
اپنی ہی سمجھ کے موافق اُسپر عمل کرنیکا ارادہ کیا تو ایسی محنت والے تو قانون انگریزی میں بھی بہکتے ہیں جنمیں چنداں دقایق نہیں ہوتے کلام اللہ کو جو
مخزن تمام علوم اور مجموعہ جملہ دقایق ہی کیا خاک سمجھیں گے بلکہ بالیقین کچھ کا کچھ سمجھ جائیں گے سو ایسے لوگ جو کتاب اللہ کچھ کہے اور وہ کچھ کہیں گو اپنی عندیہ میں کتاب اللہ
پر ایمان رکھتے ہوں کتاب اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور اُنپر یہہ قول خداوندی مطابق ہے وَمَن يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ یعنی جو لوگ کتاب اللہ پر ایمان نہ لاے
سو وہی ٹوٹے میں ہیں **اقول** لاکھوں آدمی مذہب اہل سنت کے تلاوت قرآن سے مقصر رہتے ہیں اور اگر بعضے اُنمیں سے تلاوت کرتے ہیں تو بعضے شیعہ بھی
تلاوت کرتے ہیں اور بے تقلید کسی اور کے اپنی ہی سمجھ کے موافق اُسپر عمل کرنیکا پیشوایان اہل سنت کا ہی چنانچہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں اور شیعوں کے مذہب میں اپنی
راے سے تفسیر قرآن کی بیان کرنی جائز نہیں ہے چنانچہ روایتیں اس مضمون کی تفسیر صافی وغیرہ میں موجود ہیں اور اُنکے یہاں جو کچھ ہی تقلید ائمہ معصومین علیہم السلام ہی
جو کہ وارث تھے علوم نبوی کے اور قوانین انگریزی کا بخوبی سمجھنا اور اُس پر عمل کرنا کار اہل سنت کا ہے کہ اُسکو سمجھتے ہیں اور بہکتے نہیں ہیں اور اُسی سے اُنکو فخر ہے اور
جیسے کہ وہ لوگونکی راے سے جمع ہوا ہے ایسے ہی پیشوایان اہل سنت معانی قرآن کے جو کہ مخزن تمام علوم اور مجموعہ جملہ دقایق ہے اپنی راے اور سمجھ کے موافق بیان کرتے تھے بلکہ
بالیقین کچھ کا کچھ سمجھتے تھے سو ایسے لوگ جو کتاب اللہ کچھ کہے اور وہ کچھ کہیں گو اپنی عندیہ میں کتاب اللہ پر ایمان رکھتے ہوں کتاب اللہ پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور اُنپر یہ قول
خداوندی سراپا مطابق ہے وَمَن يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ **قال الشیخ الاشعری** اور اس آیت میں بھی اُنہی طرف اشارہ ہے يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا یعنی خدا تعالیٰ
اس قرآن سے بہت لوگوں کو بہکا بھی دیتا ہے **اقول** یہ آیت بھی اُنہیں لوگوں پر صادق آتی ہے جن کو ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں **قال الشیخ الاشعری**
اور اس تقریر کی صحت کا موید قطع نظر اسکے کہ ظاہر ہے ایک یہ بھی ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے جو کتاب اللہ کو خوب تلاوت کیا کرتے تھے
اور اس سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علامتیں جو اس کتاب میں تھیں خوب یاد ہو گئی تھیں اور اُنکے مطالب کے سب پہلو اُنکے ذہن نشین ہو گئے تھے اسی سبب سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یہ وہی ہیں ہر طرح سے اُن اوصاف کو آپ پر مطابق پایا اسمیں اختلاف ہے کہ وہ کتاب کونسی تھی توریت یا انجیل
اور وہ لوگ کون تھے یہود یا نصاری **اقول** جو کچھ تونے تقریر کی ہے وہ قابل قبول اہل انصاف کے نہیں ہے اپنی راے ہے جو کچھ چاہتا ہے بے سر و پا لکھ دیتا ہے اور اس آیت اہل کتاب کے حق
میں نازل ہوا ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ تلاوت سے مراد تلاوت توریت ہے اور تونے اپنی راے سے خلاف تحریر جمیع مفسرین اہل سنت کے تلاوت قرآن شریف مراد لی ہے کہ جسکو کسی مفسر نے نہیں لکھا ہے اور تعجب یہ ہے کہ
اہل سنت معانی قرآن کو اپنی راے سے بیان کرتے ہیں اور اپنی سمجھ کے موافق اُس پر عمل کرتے ہیں اور اُسکی احتیاج نہیں ہے کہ تفسیر آیت کے جناب رسول اللہ صلعم سے منقول ہو اپنی
راے سے جو چاہا کہہ دیا **قال الشیخ الاشعری** باینہمہ یہہ بھی اہل فہم پر روشن ہے کہ ہیئت مجموعی کی رو سے تمام فرقہ اہل سنت اور علی ہذا القیاس تمام فرقہ شیعہ
ایک گنا جاتا ہے سو ہیئت مجموعی اہل سنت کو جدا لحاظ کیجیے اور ہیئت مجموعی شیعہ کو جدا پیش نظر رکھیے اور دیکھیے کہ اس فرقہ میں کثرت تلاوت اور تلاوت کا جیسا
حق ہے پائی جاتی ہے یا فرقہ شیعہ میں اور ہیئت مجموعی کی رو سے سب کا ایک ہی حال ہوتا ہے ایک کی بات سبھی کی طرف منسوب ہوتی ہے تھوڑی ہی تھوڑی
اور بہت سے تو بہت ہاتھ پاؤں ناک آنکھ کے احوال کو تمام عالم مجموعہ کی طرف یعنی اپنی طرف منسوب کر دیتے ہیں ہاتھ میں کچھ تکلیف ہو تو یوں کہا کرتے ہیں کہ
میں بیمار ہوں یا فلانا بیمار ہے علے ہذا القیاس ہمنے کسیکو مارا یا ہمنے کسیکو دیکھا یہ ساری اضافتیں جزو کے کل کیطرف باعتبار مجموعہ کے ہوتے ہیں یعنی مجموعہ کو
ایک سمجھکر جزو کی حالت کو کل کی طرف منسوب کر دیتے ہیں معہذا للاکثر حکم الکل سبھی کا سنا ہوا جملہ اور سبھی کے نزدیک مسلم ہے اکثر کی بات صفات کل ہی کی طرف منسوب

ہوتی تھی سو اکثر دیندار ان اہل سنت بکثرت تلاوت میں مشغول رہتے ہیں بخلاف شیعہ کہ انکا حال خود عیاں ہے **اقول** جیسا حال اہل سنت کا ہے کہ بعضے اُنمیں سے تلاوت کرتے ہیں اور اکثر تلاوت نہیں کرتے ایسی ہی حال شیعوں کا ہے کہ بعضے اُنمیں سے تلاوت کرتے ہیں اور اکثر نہیں کرتے کچھ فرق نہیں ہے اور اہل سنت کے فرقہ کے آدمی کروڑہا ہیں تلاوت کرنیوالوں کو دیکھئے تو بہ تلاوت کرنیوالوں کی نسبت ایسی ہی نہیں ہیں جیسے آدمی کے بدن پر تِل ہووے اور شیعوں کی تلاوت کرنیوالوں سے زیادہ جو انکی تلاوت کرنیوالے ہیں تو اس جہت سے کہ اُنکے فرقہ کے آدمی کثرت سے ہیں اور شیعہ تھوڑے ہیں اور یہ بات نہیں ہے کہ اہل سنت کے فرقہ میں سے اکثر آدمی تلاوت کرتے ہوں بلکہ اکثر تو نہ تلاوت کرنیوالے اور فساق ہیں اور جسقدر کہ اُنکے یہاں نہ تلاوت کرنیوالے اور بدکار نکلینگے اسقدر تو تمام شیعہ بھی نہونگے چہ جائیکہ نہ تلاوت کرنیوالے اور فساق اُنکی

اور جسوقت کہ اہل سنت میں نہ تلاوت کرنیوالے اور فساق کثرت سے ہوئے تو ہم یہی کہتے ہیں کہ ہیئت مجموعی اہل سنت کو جدا لحاظ کیجئے اور ہیئت مجموعی شیعہ کو جدا پیش نظر رکھئے اور دیکھئے کہ اس فرقہ میں کثرت عدم تلاوت اور نہ ہونا حق تلاوت کا اور ہونا فسق و فجور کا پایا جاتا ہے یا فرقہ شیعہ میں اور ہیئت مجموعی کے رو سے سبکا ایک ہی حال ہوتا ہے ایک بات سبھی کیطرف منسوب ہوتی ہے تھوڑی ہے تو تھوڑی اور بہت ہے تو بہت ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کے تمام عالم مجموعہ کی طرف یعنی اپنی طرف منسوب کر دیتے ہیں الی آخر ما قال سو اکثر اہل سنت تلاوت نہیں کرتے ہیں بلکہ اکثر اُنمیں جہلاء اور فساق ہیں اور اگر تلاوت کرتے ہیں تو بعضے اُنمیں سے تلاوت کرتے ہیں اکثر اور اکثر کے واسطے حکم کل کا ہے نہ بعض کے واسطے بخلاف شیعہ کہ اُنکا حال خود عیاں ہے کہ اُنمیں اس کثرت سے نہ تلاوت کرنیوالے ہیں اور نہ فساق ہیں۔ جیسے کہ اہل سنت میں ہیں

قال الشیخ الاشعری اس تقریر کے بعد شاید فاضلان شیعہ اپنے بچاؤ کے یہ سبیل کریں کہ حق تلاوت کے ہمارے نزدیک یہ معنی ہیں کہ بخشوع و خضوع و حضور قلب با تدبر آیات تلاوت کیجاوے سو اسباب کی سنیوں ہی میں ہونے اور شیعوں میں ہونیکی کیا دلیل ہے اسلئے بندۂ کمترین بطور پیش بندی یہ گزارش کرتا ہے کہ موافق مثل مشہور ہمارا ادھر بھی ہے لیکن اس بات کی تسلیم سے بھی ہمیں انکار نہیں کیونکہ خشوع و خضوع کا باعث بجز حسن عقیدہ یا کثرت تلاوت بہ نسبت کلام اللہ کے اور کچھ نہیں ہو سکتا حسن عقیدہ کا باعث خشوع و خضوع ہونا تو ظاہر ہے رہی کثرت تلاوت سو اُسکی یہ وجہ ہے کہ اکثر بنی آدم خدا سے غافل دنیا کی طرف مائل ہوتے ہیں تو ساعت دو ساعت کے ذکر یا تلاوت سے اُنکی غفلت اور رغبت زائل نہیں ہوتی ہاں مدتہائے دراز تک اگر ذکر کی مشق کیجے تو مثل اور کاموں کے البتہ بتقدیر یاد داشت اور حضور کامل پیدا ہو جائیگا اُسوقت خشوع و خضوع آپ پیدا ہو جائیگا مگر ان فرقوں کو ذکر کرنیوالے اور تلاوت کرنیوالے ہی جانیں تو جانیں شیعے کیا جانیں؟ **اقول** شیعہ ہر طرح سے بچے ہوئے ہیں اُنپر طعن کرنیکی کوئی صورت نہیں ہے اہل سنت کے دروغگو جو چاہیں اُنپر تہمت کریں اور حق تلاوت کے معنی پہلی اس سے ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کے معانی میں تدبر کرے اور موافق اُسکے مقتضا کے عمل کرے اور ترتیل سے پڑھے کہ اُسکے حروف کو اُنکے مخارج مقررہ سے مع صفات کے ادا کرے اور اسکے ہمراہ اگر خشوع و خضوع بھی ہو تو اولیٰ ہے اور بے حضور قلب تو پڑھنے کا کچھ لطف ہی نہیں ہے سو اس طرح سے بعضے شیعہ بھی پڑھتے ہیں اور بعضے اہل سنت بھی جن کو خدا تعالیٰ نے توفیق دی ہے اور ہم بعضے اہل سنت کا اس طرح سے پڑھنے کا انکار نہیں کرتے ہیں جیسے کہ تو شیعوں پر طرح طرح کی تہمت کرکے اپنا ایمان جھوٹ بول کر بدتر کرتا ہے اور باعث خشوع و خضوع کا حسن عقیدہ ہے اور تدبر اسکے معانی کا نہ کثرت تلاوت کہ طوطی کی طرح پاٹ ٹاں کر لیا اس سے کیا ہوتا ہے البتہ باعث ثواب بھی ہے کہ تلاوت قرآن خالی ثواب سے نہیں ہے علی الخصوص وہ لوگ کہ جو معانی الفاظ قرآن کو نہیں جانتے ہیں اور جیسے اُن فرقوں کو اہل سنت جانتے ہیں ایسے ہی شیعہ بھی جانتے ہیں کہ بعضے شیعہ بھی ایسے ہوتے ہیں کہ اُنکے تمام عمر تلاوت قرآن ہی میں بسر ہوتی ہے **قال الشیخ الاشعری** خیر غرض یہ ہے کہ باعث خشوع و خضوع یا حسن عقیدہ ہے یا کثرت تلاوت بلکہ دونوں ملکر باعث خشوع و خضوع ہوتے ہیں سو حسن عقیدہ کا اُن لوگوں کے دلوں میں ہونا تو معلوم جو کلام ربانی کو بیاض عثمانی سمجھتے ہیں **اقول** باعث خشوع و خضوع حسن عقیدہ ہے خواہ کثرت تلاوت ہو خواہ قلت تلاوت اور بیاض عثمانی جو کوئی شیعوں میں سے قرآن شریف کو کہتا مقصود اُسکا اُس سے یہ ہے کہ یہ قرآن جمع کروایا ہوا اس ترتیب سے عثمان کا ہے نہ یہ کہ وہ کلام عثمان کا ہے اور شیعہ کے نزدیک تو جو کوئی اس قرآن کا انکار کرے اور کلام خدا اُس کو نجانے وہ کافر ہے اور بنیاد اُنکی دین کی اور مآخذ حلال و حرام کا اُنکے نزدیک وہی ہے پھر حسن عقیدہ قرآن کے اُنکے دلوں میں نہونیکی کیا وجہ ہے عداوت کی راہ سے جو چاہو سو کہو۔ **وقال الشیخ الاشعری** ہاں اہل سنت کے لئے جو کلام اللہ کو بے کم و کاست و تغیر و تبدل حرفاً حرفاً بجنسہ کلام اللہ منزل سمجھتے ہیں جتنا کہئے تھوڑا ہے معہذا موافق نقل عربی الاناء یترشح بما فیہ یعنی ہر برتن میں سے وہی چیز چھلک کر نکلے گی جو اُسکے اندر ہوگی احوال شیعوں اور سنیوں کو مطابق کرکے دیکھ لیجے کسکو اس کلام اللہ سے زیادہ اعتقاد ہے اہل سنت کا حال تو ظاہر ہے اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ حرز جان سمجھتے ہیں اور جہاں شیعی حرز دانوں اور مکانوں میں رکھتے ہیں سُنی بوجہ محبت سینوں میں اور جانوں میں رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کلام اللہ کی تعلیم و تعلم سب سے زیادہ اور کسی چیز کی تعلیم کا اہتمام نہیں

سب میں پہلے بچوں کو کلام اللہ ہی پڑھاتے ہیں اور تا مقدور حفظ ہی کراتے ہیں کلام اللہ کے سامنے کسیکی نہیں سنتے یہاں تک کہ احادیث کو بھی اسپر مطابق کرکے دیکھتے ہیں اگر موافق نکلے تو فبہا ورنہ بموافق مثل مشہور کالا ہ زبوں بریش خاوند اُسکو راویوں کے سر مارتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ کچھہ کچھہ راوی کا قصور ہے القصہ عقل و نقل کی کسوٹی اور دین و دنیا میں امام سمجھتے ہیں چنانچہ سب جانتے ہیں **اقول** شیعہ بے کم و کاست تغیر و تبدیل کلام اللہ کو البتہ منزل من اللہ سمجھتے ہیں اور اہل سنت کے علما کے نزدیک اس کلام اللہ میں بہت جگہہ تغیر و تبدیل الفاظ اور آیتیں اور سورتیں بلکہ قرآن کثیر کم ہو گیا ہے چنانچہ عنقریب ہم بیان کرینگے تو تمکو معلوم ہوگا اور اگر سنیوں کو کلام اللہ سے اعتقاد ہے تو شیعوں کو بھی اُس سے اعتقاد ہے اور اُنکے ایمان میں وہ داخل ہے اور اُسکو حرز جان سمجھتے ہیں اور اگر تھوڑے سے سنی اپنی سینوں میں اسکو رکھتے ہیں تو بعضی شیعہ بھی اسکو اپنے سینوں میں رکھتے ہیں اور کلام اللہ کی تعلیم و تعلم سے زیادہ ور کسی چیز کی تعلیم کا اہتمام نہیں کرتے اور سب سے پہلے بچونکو کلام اللہ ہی پڑھاتے ہیں جب کلام اللہ کو ختم کر لیتے ہیں تب دوسری چیز شروع کراتے ہیں اور اگر کوئی بعض طالب دنیا قرآن کو چھوڑکر فارسی یا انگریزی پڑھاتا ہے خواہ سنی ہو خواہ شیعہ اُسکا اعتبار نہیں ہے اور سب سنی اور سب شیعہ حفظ تو کاہیکو کرتے ہیں مگر بعضے البتہ حفظ کراتے ہیں اور شیعہ بھی کلام اللہ کے سامنے کسیکی نہیں سنتے اور احادیث کو بھی اُسی پر عرض کرتے ہیں اگر قرآن کے مطابق نکلے تو فبہا ورنہ اُس حدیث پر عمل نہیں کرتے اور اہل سنت کے نزدیک تو احادیث کو اگر اپنی رائے کے خلاف نکلے تو بھی رد کرتے ہیں چنانچہ ابو حنیفہ نے چار سو احادیث کو رد کیا ہے جیسا کہ اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے کچھہ کلام اللہ ہی کے مطابق کرنا نہیں ہے شیعہ البتہ عقل و نقل کی کسوٹی اور دین و دنیا میں امام اپنا کلام اللہ کو سمجھتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** باقی رہی حضرات شیعہ اُنکی بے اعتقادی ہی اسیا رجہ کی ہے اور کیونکر نہوں علامہ کلینی اپنی کتاب کافی میں جو شیعوں کے نزدیک اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے وہ روایتیں رقم فرماتے ہیں کہ جنکی دیکھنے سے کلام اللہ کیطرف سے نعوذ باللہ بالکل جی ٹھنڈا ہوا جاتا ہے شایقین کی نظر سے انشاء اللہ جلد ہی گزرتے ہیں بالجملہ کلام اللہ کی بے اعتباری تورات و انجیل کی بے اعتباری سے بھی چند نمبر زیادہ ہے ناظرین روایات مشار الیہا انشاء اللہ اس قول کو آپ تسلیم کرینگے غرض نوبت یہانتک پہنچی ہے کہ کلام ربانی کا نام انکی اصطلاح میں بیاض عثمانی ہو گیا ہے اور اپنے آپ بھی کہے جنسے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ منجملہ ثقلین کلام اللہ کیساتھہ تو ہمیں تمسک میسر نہیں **اقول** شیعہ ہرگز ہرگز قرآن شریف سے بے اعتقاد نہیں ہیں تو جھوٹ لکھتا ہے کہ بے اعتقادی کی تہمت اُنپر کرتا ہے بلکہ اعتقاد قرآن سے رکھنا اُنکے ایمان میں داخل ہے اور علامہ کلینی نے جو ناقص ہوجانے قرآن کی روایات بیان کی ہیں علماء شیعہ کے نزدیک ہرگز اُن روایات کا اعتبار نہیں ہے کہ وہ منجملہ احاد ہیں چنانچہ معلوم ہوگا بلکہ اُنکے نزدیک تو یہہ ہے کہ کلام اللہ بے کم و کاست یہی ہے نہ اسمیں سے کم ہے نہ زیادہ ہے اور علامہ کلینی کا بھی یہی اعتقاد ہے گو اُنہوں نے روایات کم ہوجانے قرآن کے بیان کی ہیں لوگوں سے سنکر اسواسطے کہ اعتقاد اور چیز ہے اور بیان کرنا روایات کا اور امر ہے بخاری میں اکثر روایات ایسی ہیں کہ محمد اسمعیل بخاری کا اعتقاد اُنکے موافق نہیں ہے کہ وہ روایات تشبیہ اور تجسیم کے ہیں ورنہ ہمارے نزدیک کافی اصح الکتب ہے بعد کتاب اللہ کے جیسے بخاری سنیونکی نزدیک ہے بلکہ ہماری نزدیک سب کتب احادیث برابر ہیں اور سنیونکی کتابوں میں بھی وہ روایات ہیں کہ جنکے دیکھنے سے کلام اللہ کی طرف سے نعوذ باللہ بالکل جی ٹھنڈا ہوا جاتا ہے منصفونکی نظر سے انشاء اللہ جلد ہی گزرتے ہیں اس شیخ کے قول کے رد میں بالجملہ کلام اللہ کی بے اعتباری اہل سنت کے نزدیک تورات و انجیل کی بے اعتباری سے بھی چند نمبر زیادہ ہے ناظرین روایات مشار الیہا انشاء اللہ تعالی اس قول کو تو آپ تسلیم کرینگے اور سوا اسکے ایک بے اعتباری کی دلیل یہ ہے کہ پیشاب سے قرآن کی آیت کا لکھنا انکے نزدیک جائز ہے چنانچہ فتاوی قاضی خاں میں لکھا ہے اور قرآن شریف شیعونکی اصطلاح میں ہرگز بیاض عثمانی نہیں ہے اور اگر کسی نے خوش طبعی کی راہ سے لکھدیا ہے تو مراد اُس سے یہ ہے کہ عثمان نے اسکو جمع کروایا ہے اور اُسکے ترتیب نزول کو اُلٹ پلٹ کر دیا ہے اور کہیں کی آیت کہیں ڈالدی ہے لیکن وہ سب ہی کلام ربانی ہے عثمان کا کلام نہیں ہے اور نہ کوئی شیعہ اُسکو کلام عثمان کہتا ہے تاکہ جای گرفت ہو اور یہ بھی کوئی شیعہ نہیں کہتا ہے کہ منجملہ ثقلین کلام اللہ کے ساتھہ تو ہمیں تمسک میسر نہیں ہے اور اگر بالفرض کسی نے کہا بھی ہے تو اس اعتبار سے کہ ہم مضامین قرآن کو نہیں سمجھہ سکتے ہیں اُسکی تفسیر میں جو کچھہ پیغمبر صلعم اور امام علیہ السلام فرماویں وہ حق ہے اور اپنی رای سے ہم کچھہ نہیں کہہ سکتے جیسے کہ پیشوایان اہل سنت اپنی رای سے تفسیر کرتے تھے سو اُنکو ہی حقیقت میں قرآن سے تمسک نتہا بلکہ یہ اپنی رائے کے تھے **قال الشیخ الاشعری** ادہر تلاوت کلام ربانی کے انداز اور مجلس مرثیہ و کتاب خوانی کی توقیر و تعظیم کے موازنہ سے خود ظاہر ہے کہ گو شیعوں کے دلمیں کلام اللہ کی مرثیوں کے برابر بھی قدر منزلت نہیں گو زبان سے نہ کہیں ورنہ اسکے کیا معنے کہ کلام اللہ کے پڑہنے والے کو بھی حقہ کے پی لینے میں کچھہ دریغ نہو اور محفل مرثیہ و کتاب میں کیا مقدور جو کوئی حقہ کی طرف دیکھہ بھی سکے بہر حال حال اکثر شیعہ اس بات پر شاہد ہے کہ کلام اللہ کی عظمت اُنکے دلوں میں چنداں نہیں گو اقل قلیل اہل سنت میں بھی ہے

ہوں کہ انکا حال اُنکے قال کے موافق نہو **اقول** کہاں تلاوت کلام ربانی کے انداز اور کہاں مجلس مرثیہ خوانی چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ وہ کلام خدا یہ کلام بشر کیونکر برابر ہو سکتے ہیں اور یہ کہنا کہ شیعوں کے دل میں کلام اللہ کی مرثیوں کی برابر قدر و منزلت نہیں چاند پر خاک ڈالنی ہے اور چاند خاک ڈالنے سے کب پوشیدہ ہوتا ہے شیعوں کا قرآن شریف ایمان ہے اُسکی منزلت کی برابر اُنکے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں ہے کہ وہ سب سے اعلیٰ ہے۔ کیا کیا تہمتیں شیعوں پر کرتے ہیں خدا انکو سمجھے ہاں اس طرح کہیں تو مضائقہ نہیں ہے کہ مجلس حال و قال جہاں ڈھولک بجوا کر پیر اہل سنت کے ناچتے اور کودتے ہیں اُسکی تعظیم و توقیر کلام ربانی سے بڑھکر ہے اہل سنت کے نزدیک کہ جب حال کھیلنے والا کھڑا ہوتا ہے تو سب آدمی اُس مجلس کے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب وہ بیٹھتا ہے تو سب بیٹھ جاتے ہیں اور کلام اللہ کی تعظیم کے واسطے کونسا سُنی کھڑا ہوتا ہے ایک مجلس میں چالیس پچاس سُنی بیٹھے ہوں اور کوئی شخص سامنے سے کلام اللہ لیکر آئے تو کوئی سُنی کھڑا نہوگا اور حقہ کا پینا روایاتِ معتبرہ صحیحہ کی رُو سے شرع میں ممنوع نہیں ہے خواہ کلام اللہ پڑھنے والا ہو خواہ مرثیہ اور کتاب پڑھنے والا لیکن بخیال تعظیم تلاوتِ قرآن کے سبب سے کوئی شیعہ وقت پڑھنے قرآن کے حقہ نہیں پیتا ہے اور مجلس قرآن خوانی میں بھی کوئی شیعہ حقہ نہیں پیتا ہے وہاں سے بھی حقہ کو اُٹھا لیتے ہیں اور مجلس مرثیہ خوانی میں جو حقہ نہ پینے کی رسم ہوگئی ہے تو کچھ تعظیم مجلس کے واسطے نہیں ہے بلکہ اسواسطے حقہ اُٹھا دیتے ہیں کہ مرثیہ کے سُننے کی طرف متوجہ ہوں اور مرثیہ کو سنکر گریہ کریں اور اُسوقت اگر حقہ پئیں گے تو توجہ مرثیہ کی طرف بخوبی نہوگی یہ رسم ہندوستان میں ہے اور ایران میں تو منبر کے نیچے حقہ پیتے ہیں جسوقت کتاب خواں منبر پر کتاب پڑھتا ہے اور عظمت کلام اللہ کی تو شیعوں کے نزدیک ایسی ہے کہ سنیوں کے نزدیک بھی نہوگی **قال الشیخ الاشعری** باقی رہی کثرت تلاوت اُسکے کہنے کی کچھ حاجت نہیں یہ تو شیعوں کے اقرار سے بھی بفضلہ تعالیٰ نصیب اہل سنت ہی ہوا ہے القصہ اگر علماء شیعہ حق تلاوت کو معنی خشوع و خضوع رکھیں تو ہمیں تو کچھ انکار نہیں کیونکہ خشوع و خضوع بھی اگر ہے تو اہل سنت ہی میں ہے پر اسکو کیا کیجے کہ نظم و نسق کلام اللہ اسی طرف ہے کہ حق تلاوت سے کثرت تلاوت ہی مراد ہے کیونکہ اول تو حق تلاوت یتلونہ کا مفعول مطلق ہے اور مفعول مطلق سب جانتے ہیں کہ بمعنی فعل مذکور یا اُسکے اقسام میں سے ہوتا ہے سو کثرت تلاوت تو بیشک اقسام تلاوت میں سے ہے پر خشوع و خضوع داخل تلاوت نہیں بلکہ امور خارجیہ میں سے ہیں کون نہیں جانتا کہ تلاوت زبان کا کام ہے اور خضوع و خشوع دل کے احوال میں سے ہے اور یہ بھی نہ سہی اولئک الذین یؤمنون بہ کو الذین آتیناہم پر محمول کرنا اسبات کو مقتضی ہے کہ ایمان تلاوت موصوف پر متفرع ہو چنانچہ جو لوگ فنون بلاغت سے آشنا ہیں وہ اسبات سے بھی آشنا ہیں اور اسیواسطے یؤمنون بصیغۂ استقبال فرمایا آمنوا نفرمایا **اقول** اول تو یہ ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی ہے اور کتاب سے مراد اُنکی کتاب ہے اور حق تلاوتہ کے معنی میں اختلاف ہے بعضے علماء اہل سنت تو کہتے ہیں کہ یصفونہ حق صفتہ اور ضمیر کو رسول خدا صلعم کی طرف پھیرتے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ مراد اُس سے یعملون حق العمل بہ ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ معنی اُسکے یتبعونہ حق اتباعہ اور صاحب بیضاوی نے معنی اسکے یہ لکھے ہیں کہ یتلونہ حق تلاوتہ بمراعات اللفظ من التحریف و التدبر فی معناہ والعمل بمقتضاہ یعنی تلاوت کرتے ہیں اُسکو جو کہ حق تلاوت ہے کہ لفظ کو اُسکی تحریف سے نگاہ رکھتے ہیں اور اُسکے معنی میں تدبر کرتے ہیں اور موافق مقتضا اُسکے کی عمل کرتے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ معنی اسکے یہ ہیں کہ ترتیل سے اُسکے الفاظ کو ادا کرتے ہیں اور معانی کو اُسکے سمجھتے ہیں اور ہمارے یہاں حضرت صادقؑ سے روایت ہے کہ مراد اُس سے یہ ہے کہ ٹھیر جاتے ہیں وقت ذکر جنت اور نار کے اور جنت کا سوال کرتے ہیں اور دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں اور کثرت تلاوت اسکے معنی کسی نے نہیں لکھے اپنی رائے سے یہ شیخ جو کچھ چاہتا ہے لکھتا ہے جیسے کہ اسکے پیشوا اپنی رائے سے تفسیر قرآن کی بیان کرکے کہتے تھے کہ اگر اسمیں خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اگر ہم فرض کریں کہ مراد اس سے کثرت تلاوت ہے تو کیا بعضے ایسے نہیں ہوتے ہیں بچشم خود بعضے شیعہ کو دیکھا ہے کہ صبح سے شام تک سوائے تلاوتِ قرآن کے اُنکا کچھ اور شغل نہیں ہے اور جیسے کہ سب شیعہ ایسے نہیں ہوتے ہیں تو سب اہل سنت بھی ایسے نہیں ہوتے بعضے ہی ہوتے ہیں ہاں اہلِ سنت جو کثرت سے ہیں اور شیعہ قلیل ہیں تو ایسے آدمی اہل سنت کے شیعوں سے زیادہ ہیں اور شیعہ ہرگز یہ اقرار نہیں کرتے ہیں کہ کثرت تلاوت نصیب اہل سنت ہی ہے اور شیعہ اس سے محروم ہیں تو جھوٹ لکھتا ہے اور علماء شیعہ حق تلاوت کو بمعنی خضوع و خشوع ہرگز نہیں کہتے ہیں یہ بھی تو جھوٹ اپنی رائے سے ایجاد کرکے لکھتا ہے اور خضوع و خشوع سے شیعہ محروم بھی نہیں ہیں جو کہ اُن میں معانی قرآن کو سمجھتے ہیں البتہ وقت تلاوت کے خضوع و خشوع سے پڑھتے ہیں تخصیص اہل سنت کی نہیں ہے اور نظم و نسق کلام اللہ کو تو کیا جانے جو کہ ماہرین فن عربیت ہیں مثل صاحب کشاف اور صاحب بیضاوی وغیرہ کسی نے بھی معنی اسکے کثرت تلاوت کے نہیں لکھے کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ حق تلاوتہ مفعول مطلق واقع ہوا ہے جیسے کہ یہ شیخ حق تلاوتہ کے کثرت تلاوت نہیں ہیں ایسے ہی شیعوں کے نزدیک مراد اُس سے خضوع اور خشوع بھی نہیں ہے تو عبث کاغذ کو کیوں سیاہ کرتا ہے اور یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ تلاوت زبان کا کام ہے اور خضوع و خشوع دل سے تعلق رکھتا ہے اور اولئک یؤمنون بہ اگر الذین آتیناہم پر محمول ہو تو تیرا مطلب اس سے کیا ثابت ہوا کہ مراد حق تلاوت سے یہاں کثرت تلاوت نہیں ہے اور نہ ہم اسکو بمعنی خضوع و خشوع کہتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** طرفہ یہ ہے کہ درصورتیکہ حق تلاوت بمعنی خضوع و خشوع ہو معاملہ برعکس ہو جائیگا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایمان یا تو بمعنی مشہور مراد لیجے یا بمعنی کمال انقیاد و تسلیم جسے کامل ایمان کہتے ہیں کہئے یا تصدیق معانی مقصودہ جو مراد خداوندی ہے قرار دیجے سو بہرصورت معاملہ برعکس ہے ایمان بمعنی مشہور یعنی تصدیق

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا خشوع و خضوع سے پہلے ہونا تو کسی پر مخفی ہی نہیں سب جانتے ہیں کہ ایمان ہی کی بقدر ایمان خضوع و خشوع پیدا ہوتا ہی نہ کہ برعکس ہاں ایمان بمعنی
کمالِ انقیاد سو وہ بھی اسی طرح خضوع و خشوع تلاوت سے مقدم ہی کیونکہ یہ سبب ہے وہ مسبب تعہدآ آیت الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ بھی
اسی طرف مشیر ہی کہ ایمان کامل باعث کثرت ذکر اور موجب حصول اطمینان قلب جو عین توجہ الی اللہ اور حضور قلب سے ہوتا ہے کیونکہ اطمینان قلب کا حاصل ہونا بجز نفوس مطمئنہ کے
جو کامل الایمان ہوتے ہیں متصور نہیں چنانچہ بدیہی ہی باقی رہا ایمان بمعنی تصدیق و علم مراد خداوندی سو وہ بھی بشہادت آیہ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ
تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ حال خضوع جو آیہ میں تضمن ترى اعينهم تفيض من الدمع مذکور ہی مقدم ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ اس آیت کا حاصل یہ ہی کہ جب سنیں وہ لوگ
کہ جنکا اوپر سے ذکر ہی اس کلام کو جو رسول پر نازل کی گئی ہی تو دیکھے تو انکی آنکھوں کو کہ آنسوؤں سے بہ رہی ہی بسبب اسکے کہ جان لیا ہی انہوں نے حق بات کو انہوں سو اس سے یہ بات
صاف روشن ہی کہ انہوں نے کلام اللہ کو سنکر مضامین حق دریافت کئے اس سبب سے انکا یہ حال ہوگیا کہ آنسوؤں کا تار بندھ گیا ہی یعنی بسبب حق کے دریافت ہونے کے انکے دلوں میں
خشوع و خضوع پیدا ہوگیا نہ یہ کہ رونے اور خشوع و خضوع کے باعث انکو حق بات معلوم ہوگئی ہی غرض درصورتیکہ حق تلاوت بمعنی خشوع و خضوع ہو تو بہر طور ترتیب بالعکس ہو
جاتی ہی ہاں اگر حق تلاوت سے کثرت تلاوت مراد ہو تو تینوں صورتوں میں ترتیب بطور خود رہیگی کیونکہ بے ایمانوں اور ضعیف الایمانوں کو تو کثرت تلاوت موجب آگاہی حقائق و
دقائق کلام ربانی ہوتی ہی اور باعث ہدایت اور رفع شکوک و سبب حسن عقیدت جو عین ایمان ہے ہو جاتی ہی سو اگر ایمان سے ایمان بمعنی مشہور مراد ہو تو بایں طور کثرت تلاوت باعث
حصول ایمان ہی اور اگر کمال ایمان مراد ہی تب بھی یہی بات ہے کیونکہ کثرت تلاوت سے دم بدم غفلت زائل ہو جاتی ہی اور لمحہ بلکہ یادداشت اور حضور قلب ترقی پکڑتا ہی اور صفائے
آئینہ قلب کی زیادتی اور انوار تجلیات کے ہجوم کا باعث ہو جاتی ہی اسوجہ سے تصدیق قلبی محکم اور مستحکم ہو جائے اور کمال انقیاد پیدا ہوتا ہے باقی رہا ایمان بمعنی علم مراد خداوندی
سو اسکا کثرت تلاوت پر متفرع اور مترتب ہونا سب ہی پر ظاہر ہی کون نہیں جانتا کہ ایک کتاب کا کثرت سے مطالعہ کرنیوالا اسکے مطلب کو بہ نسبت ان لوگوں کے جو اسکی طرف متوجہ
نہیں ہوتے اکثر صحیح ہی سمجھتا ہی **اقول** ہم حق تلاوت کو بمعنی خشوع و خضوع نہیں کہتے ہیں تو اپنی طرف سے بمعنی خشوع و خضوع کہتا ہے اور پھر اسکا جواب دیتا ہی اور کثرت تلاوت
بھی نہیں بن سکتا اسواسطے کہ جبتک کہ پہلے ایمان نہو گا اسکے ساتھ تو وہ کیوں اسکی تلاوت کریگا یہ جا کہ کثرت تلاوت اور اُس کے ساتھ خشوع و خضوع اور باعث
حسن عقیدت یہ سب سو موقوف ہے کہ پہلے ایمان حاصل ہولے اور اگر کلام اللہ کو کسی سے سنکر ایمان لائیگا تو اسکے معنی میں عمل کرکے اور موافق اسکے مقتضا کے عمل کرکے خواہ
کلام اللہ کو خود دیکھے اگرچہ ایک دو مرتبہ ہی ہو یا کسی دوسرے سے سُنے اور محض تلاوت سے کیا ہوتا ہی خواہ کثرت سے ہو خواہ نہو اور اگر مراد یہ ہے کہ کافر اگر کثرت سے تلاوت کریگا تو اُس پر ایمان
لائیگا سو کثرت تلاوت سے کیا ہوتا ہے طوطے کی طرح ٹاں ٹاں کیا کرو بلکہ حق تلاوت سے مراد وہ ہے کہ جو مفسرین نے لکھا ہی کہ اسکے معانی میں تدبر کرے اور موافق اسکے مقتضا کے عمل
کرکے اگرچہ ایک مرتبہ ہی تلاوت موجب ایسا کریگا تو اسپر ایمان لائیگا اور کثرت تو نے کہاں سے نکالی اور یہی اسکے معانی میں مطابق تفاسیر اہل سنت کے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہی کہ جن لوگوں کو
ہم نے کتاب توراۃ دی ہی تو وہ اسکے معانی میں تدبر کرتے ہیں اور تحریف نہیں کرتے ہیں وہ ہی ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر نہ تحریف کرنیوالے اور جو کوئی کفر کرے اسکا کہ اسمیں یعنی
کرے وہ لوگ ٹوٹے میں ہیں اور کثرت تلاوت کے معانی تو درست ہی نہیں ہو سکتے اسواسطے کہ اسوقت اسکے یہ معنی ہونگے کہ جو کثرت سے تلاوت کرتے ہیں وہ اُسپر ایمان لاتے ہیں اور جو کہ
کثرت سے تلاوت نہیں کرتے وہ اُسپر ایمان نہیں لاتے اور حال یہ ہی کہ ایمان لانا تلاوت پر موقوف نہیں ہے اور اگر ایسا ہو تو کثرت سے تلاوت نکرنیوالے یا کبھی کبھی تلاوت کرنیوالے
کافر ٹھیریں سو ایسے اہل سنت دنیا میں لاکھوں ہیں اور پہلے تو یہ کہتا تھا کہ اہل سنت کثرت سے تلاوت کرنیوالے ہیں اور اب کہتا ہے کہ کفار کثرت تلاوت سے ایمان لائیں گے اور حال یہ ہے
کہ آیت نازل تو ہوئی ہی اہل کتاب کے حق میں جو کہ کتاب توراۃ کو پڑھکر ایمان لائے تھے اور یہ شیخ قرآن شریف کو کہتا ہے اور اگر کثرت تلاوت ہی باعث حصول ایمان ہو
جیسا کہ یہ شیخ کہتا ہی تو معلوم ہوا کہ اہل سنت جو کثرت سے تلاوت کرتے ہیں انکو اس تلاوت سے ایمان حاصل ہوا ہی اور پہلے وہ کافر تھے اور جو سُنی کہ کثرت سے تلاوت نہیں کرتے ہیں یا کبھی
کبھی تلاوت کرتے ہیں وہ کافر ہیں **قال الشیخ الاشعری** اب ایک شبہ باقی رہا وہ یہ ہے کہ آیت الذین آتینا ہم سے ایمان کا تلاوت موصوف پر متفرع ہونا ہر چند ظاہر ہی
چنانچہ مبتدا کو بقیدِ مذکور مقید کرنا اور اولٰئک یؤمنون بہ کا اُسپر محمول کرنا اور یؤمنون کہنا اور آمنوا نہ کہنا سب اسی طرف مشیر ہیں مگر احتمال یہ بھی تو ہی کہ تلاوت معلوم تلاوت کرنا
ایمان کی فقط علامت ہو اور ترتب و تفرع کا کچھ لحاظ نہو اور ظاہر ہے کہ بعضی اشیاء کے علامتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ اُن اشیاء ہی کے سبب پیدا ہوتی ہیں جیسے
دُھواں دور سے جہاں سے آگ نظر نہ آتی ہو آگ کے علامت ہے اور تسپر آگ ہی سے پیدا ہوتا ہے اور اسکا وجود آگ کے وجود کی فرع ہے آگ کا وجود اسکے وجود کی فرع نہیں سو ایسے
ہی اگر تلاوت موصوف ایمان کی علامت بھی ہو اور پھر ایمان ہی سے پیدا بھی ہوتی ہو اور بغرض بیان علامت ہی جناب باری نے یہ فرمایا ہو تو کیا حرج ہی اس شبہ کا جواب
یہ ہی کہ عمدہ توجیہ کو چھوڑ کر ایسے احتمال ضعیف کو لینا اول تو یہی دلیل کم فہمی ہی خصوصاً خدا کے کلام میں کہ اسمیں تو بالاتفاق اگر ہوگی تو عمدہ توجیہ مراد خداوندی ہوگی

دوسرے سلمنا لیکن اسکا کیا جواب کہ بیان علامت سے تو غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ شے جسکی یہ علامت ہے متمیز اور متبین ہو جائے سو جب تک علامت خود متمیز اور متبین نہو گی
تب تک بیان علامت بیکار ہے خدا کے کلام میں بیہودہ اور بیکار باتوں کا ہونا منجملہ محالات ہے اور چونکہ خشوع و خضوع امر مخفی ہے اسکو علامت ایمان مقرر کرنا تعریف
مجہول بالمجہول اور تشریح مخفی بالمخفی کی قسم میں سے ہے البتہ کثرت تلاوت ایک امر محسوس ہے اسکو اگر علامت کہئے تو زیبا ہے اور پھر قطع نظر اسکے مفید ترتیب کو بمعنے خشوع
خشوع کی طرف بھی اشارہ ہو گیا اور ترتیب اور تفریع بھی ہاتھ سے نگئی اور حق تلاوت کا مفعول مطلق ہونا بھی صحیح و درست رہا اور کسی طرح کی تکلف کی ضرورت نہ پڑے

اقول ۔ ہم اوپر بیان کر چکے کہ حق تلاوت کو بمعنی خشوع و خضوع ہم نہیں کہتے اور نہ حق تلاوت بمعنی کثرت تلاوت ہے اور شبہ مذکورہ اسمیں البتہ ہو سکتا ہے کہ حق تلاوت جو بمعنی
خضوع و خشوع ہے علامت ایمان کی ہے اور ایمان میں سے ہی پیدا ہوا ہے اور جواب اسکا مسکت خصم نہیں ہے، اور تیری توجیہ عمدہ کیونکر ہے اسکی عمدگی بیان کی ہوتی اور
شبہ کرنیوالا کہتا ہے کہ یہ احتمال تیری توجیہ سے قوی ہے اور خشوع و خضوع امر مخفی بھی نہیں ہے بلکہ یہ بھی امر محسوس ہے مثل کثرت تلاوت کے اسواسطے کہ یہ خضوع و خشوع اگرچہ دل سے تعلق
رکھتا ہے لیکن جسوقت کہ کوئی خشوع و خضوع سے پڑھتا ہے تو اسکا اثر پڑھنے والے کے چہرہ پر نمایاں ہو جاتا ہے اور پڑھنے والے کی صورت دیکھکر معلوم ہو جاتا ہے اور بخوبی
اُسکے چہرہ سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ آدمی خشوع و خضوع سے پڑھتا ہے **قال الشیخ الاشعری** جب اس شبہ کی تردید سے فراغت پائی تو ایک اور فائدہ گوش گزار اہل فہم ہے وہ
یہ ہے کہ قید آتینا ہم سے یوں خیال میں آتا ہے کہ جن لوگوں کو کتاب نہیں دیگئی یعنی اُسکو مانتے ہی نہیں چہ جائیکہ مانکر غلط سمجھ جانا اُن لوگوں میں سے اگر کوئی حافظ ہو جائے
تو مضائقہ نہیں یا یوں کہئے کہ اسکو ایسی تلاوت جسے تلاوت کا حق کہتے ہیں میسر آجائے تو آجائے پر اُن لوگوں میں سے جنہیں ملی ہے یعنی اسکو تسلیم کر لیا کثرت تلاوت وہاں
ہی ہو گی جہاں حق ہی ہو گا کچھ کجی نہو گی کیونکہ کثرت تلاوت جسے تلاوت کا حق کہتے ہیں علامت ایمان ہے، تو فقط اُنہیں کی نسبت ہے جو اسکو تسلیم بھی کرتے ہیں کہ بہر
کسی کے حق میں اس صورت میں جو مشہور ہے کہ برنس نصرانی کو کلام اللہ یاد تھا کیا عجب ہے کہ صحیح ہو و بہر حال بعلامت یتلونہ حق تلاوتہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بشارت اولئک
یؤمنون بہ فرقہ اہل سنت کیلئے ہے اور حضرات روافض منجملہ و من یکفر بہ فاولئک ہم الخاسرون میں جنکے یہ معنی ہیں اور جو کتاب اللہ سے پھر گئے سو وہی ٹوٹے میں ہیں **اقول**
یہ شبہ تجھ سے بخوبی رد نہیں ہو سکا اور یہ فائدہ بھی تیرا بیان بیفائدہ ہے، اسواسطے کہ برنس نصرانی تو اہل کتاب میں سے ہے اور اُن لوگوں ہی کا ذکر آیہ مذکورہ میں ہے نہ قرآن کا اور مسلمانو
کا اور وہ اپنی کتاب کو مانتے بھی ہیں اور اگر قرآن کو نہیں مانتے تو کیا ہوا قرآن کے دینے کا تو آیت مذکورہ میں ذکر ہی نہیں ہے، اور جن لوگوں نے کہ قرآن کو مانا اور پھر اسکے الفاظ میں
غلطی جانی وہ اہل سنت ہیں چنانچہ معلوم ہو گا اور جسے حق تلاوت کہتے ہیں یہ کیا ضرور ہے کہ جہاں حق ہو وہیں ہو بلکہ غیر حق میں بھی موافق تیرے اقرار کے ہو سکتی ہے اسواسطے
کہ تو لکھتا ہے کہ جن لوگوں کو کتاب نہیں دیگئی وہ حافظ ہو سکتے ہیں جیسے کہ برنس تھا اور جب حافظ ہوا تو کثرت تلاوت بھی کریگا ورنہ اسکو قرآن کیونکر یاد رہیگا اور کثرت تلاوت علامت
ایمان بھی نہوئی اسواسطے کہ اگر علامت ایمان تھی تو برنس نصرانی حافظ نہیں ہو سکتا تھا اور جو حق تلاوت ہے وہ اکثر اہل سنت میں بھی نہیں پایا جاتا الفاظ کو بقاعدہ قراءت
کے ادا کرتے ہیں اور اکثر سنی ہندوستان کے رہنے والے نہیں جانتے کہ قرآن کا کیا مطلب ہے طوطے کی طرح ٹاں ٹاں کر لیتے ہیں اور جو مراد ہے حق تلاوت سے کہ اُسکے معانی میں تدبر کرے
اور موافق اسکے مقتضا کی عمل کرے جیسے کہ بیضاوی میں لکھا ہے سو وہ جہلا اُس سے واقف ہی نہیں ہیں اور کثرت تلاوت ہرگز حق تلاوت نہیں ہے، اور نہ کسی نے لکھا ہے تو اپنی طرف
سے ٹاں ٹاں کرتا ہے اور اگر قرآن کو غلط تسلیم کیا جیسے کہ علمائے اہل سنت کہتے ہیں کہ قرآن غلطیوں کو شامل ہے تو اس صورت میں اہل سنت بھی مثل نصرانیوں کے ہوئے کہ انکا
اور انکا اعتقاد بہ نسبت قرآن شریف ایک ہے بہر حال بحکم آیہ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یوں معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ
زمرہ مومنین میں سے ہیں اور اہل سنت گروہ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ میں ہیں اسواسطے کہ شیعہ قرآن کو حق اور صحیح اعتقاد کرکے تلاوت کرتے ہیں کہ جو حق تلاوت ہے
اور کہتے ہیں کہ اسمیں کسی طرح کی غلطی نہیں ہے اور جس طرح سے کہ یہ ہے اسپر ہمارا ایمان ہے، اور اہل سنت کہتے ہیں کہ قرآن میں غلطیاں ہیں اور قرآن کے الفاظ تبدیل یا کرکچھ کے کچھ
ہو گئے ہیں اور کاتبوں نے قرآن کو غلط کر دیا ہے غلطیاں لکھکر بلکہ قرآن کی غلطی الفاظ پر عثمان اور عائشہ کا اقرار ہے چنانچہ بعد اسکے معلوم ہو گا اس صورت میں اہل سنت نے قرآن کا
کفر کیا کہ اسکو مثل یہود و نصاریٰ کے غلط قرار دیا اور سارے قرآن کے صحیح اور حق ہونے پر ایمان نہ لائے اس جہت سے یہ فرقہ آخرت میں ٹوٹے والوں میں سے ہو گا **قال الشیخ الاشعری**
اب التماس یہ ہے کہ سوا آیت مذکورہ آیات کثیرہ حقیت مذہب اہل سنت اور بطلان مذہب شیعہ پر دلالت کرتی ہیں اور کیونکر دلالت نکریں جسقدر عقائد مخصوصہ مذہب شیعہ اور فروع
خاصہ مذہب مذکور ہیں تمامہا مخالف کلام اللہ ہیں اور مذہب اہل سنت سراپا کلام اللہ پر مطابق اور وجہ اسکی یہی ہے کہ بسبب تلاوت کے حق ادا کرنیکے اہل سنت تو مغز سخن ربانی کو پہنچے
اور شیعہ بسبب اسکے کہ کثرت تلاوت بوجوہ مذکورہ انکو میسر نآئے وقائق کلام اللہ کو نہ سمجھے مگر چونکہ آیت مذکورہ کے ذکر کرنے سے یہ نکتہ معلوم ہو گیا تو اہل عقل بالاجمال سمجھ جائینگے کہ بیشک
آیات ربانی مخالف مذہب شیعہ ہونگی اور مذہب اہل سنت تمامہا موافق قرآن مجید تو قطع نظر اسکے کہ آیت مذکورہ حقیت مذہب اہل سنت و بطلان مذہب شیعہ پر جداگانہ بھی دلالت کرتی ہے

چنانچہ ملاحظہ تقریر بالا سے واضح ہو جائیگا اور آیات کے حوالہ سے بھی حقیت مذہب اہل سنت اور بطلان مذہب شیعہ پر دلالت کرتی ہیں چونکہ اس وجہ سے یہ آیت اور آیات کی بھی بنا ثابت کر دی
ہے تو اسکو کیا بیان کیا گویا سبھی کو بیان کر دیا اس وجہ سے اور آیات کے بیان سے مقصر ہوں معہذا اگر تمام آیات مخالف مذہب شیعہ کو لیجیے تو ایک دو تو نہیں جو سہل ہو بکثرت بلکہ اکثر آیات کلام اللہ
عقائد و احکام و اصول و فروع مذہب شیعہ کو رد کرتے ہیں اور مذہب اہل سنت کی حقیت اور حقانیت پر شاہد ہیں اس رسالہ مختصر میں سب کی گنجائش کہاں خصوصاً جبکہ بقدر فہم انکی
شرح بھی کیجیے اور انسے اہل سنت کی حقانیت اور انکے مذہب کی حقیت اور اہل تشیع کے مذہب کے بطلان پر استدلال بھی لائے **اقول** یہ شیخ آیت الذین آتیناہم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ سے جو اپنا مطلب
ثابت کرتا ہے اور حق تلاوت سے مراد کثرتِ تلاوت لیتا ہے اور کتاب سے مراد قرآن شریف لیتا ہے بالکل خلاف واقع ہے نہ تو حق تلاوت سے مراد کثرت تلاوت ہے اور نہ کتاب سے مراد قرآن ہے بلکہ جو کچھ بیضاوی
وغیرہ کتب تفاسیر میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ مراد کتاب سے توریت ہے اور جنکو کتاب دی ہے وہ یہودی ہیں نہ مسلمان اور حق تلاوت سے مراد اسکے معانی میں تدبر کرنا ہے نہ کثرت تلاوت اور کثرت تلاوت جو اہل سنت
میں منحصر کرتا ہے یہ بھی غلطی ہے بلکہ شیعوں میں بھی تلاوت بعضے آدمی کثرت سے کرتے ہیں کہ انکا شغل سوائے تلاوتِ قرآن کے دوسرا کوئی کام نہیں ہے، اور جب کہیں کو سفر کرتے ہیں تو ایک
حمائل اور صحیفہ کاملہ انکے پاس حرز جان ہوتا ہے اور کثرت تلاوت سے مراد اگر یہ ہے کہ اہل سنت میں بہت آدمی تلاوت کرتے ہیں اور شیعوں میں تھوڑے آدمی تو وجہ اسکی یہ ہے کہ
انکے فرقہ کے آدمیوں کی کثرت بھی تو ہے شیعہ بہ نسبت انکے عشر عشیر بھی نہیں ہیں اور جو کچھ اسنے اس قول میں لکھا ہے کہ سوا آیت مذکورہ آیات کثیرہ حقیت اہل سنت اور بطلان مذہب شیعہ پر
دلالت کرتی ہیں بالکل الٹا لکھا ہے بلکہ سوا آیت مذکورہ کثرت سے آیات قرآنیہ حقیت مذہب شیعہ اور بطلان مذہب اہل سنت پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ اپنے مقام پر معلوم ہو جائیگا اور
سوائے اسکے یہ ہے کہ انکا ایمان کل قرآن پر نہیں ہے بلکہ قرآن میں بہت سی غلطیاں ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کے الفاظ دوسرے الفاظ سے بدل گئے ہیں اور کاتبوں نے قرآن میں
غلط الفاظ لکھدیے ہیں چنانچہ عنقریب سب معلوم ہو جائیگا اور اب میں بھی جو کچھ حق ہے وہ کہتا ہوں کہ آیاتِ کثیرہ حقیت مذہب شیعہ اور بطلان مذہب اہل سنت پر دلالت کرتی
ہیں اور کیونکر دلالت نکریں کہ جسقدر عقائد مخصوصہ مذہب شیعہ اور فروع خاصہ مذہب مذکور ہیں تماماً مطابق کلام اللہ کے ہیں کہ انکے اصول و فروع ماخوذ وارثہ علوم ختم المرسلین
سے ہیں اور مذہب اہل سنت سراپا مخالف کلام اللہ کے ہے کہ وہ پیرو جہلاء کے ہیں کہ جو اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرتے تھے اور مسائل دین میں غلطیاں کرتے تھے اور جب مشکل پڑتی
تھی تو دوسروں کی طرف رجوع کرتے تھے اور بعد انکے اصول میں مقلد ابوالحسن اشعری اور ابوالمنصور ماتریدی کے ہیں اور فروع میں پیرو ابوحنیفہ اور شافعی اور مالک اور احمد حنبل
کے ہیں کہ وہ نہ صحابہ میں سے تھے اور نہ اہل بیت میں سے اور تلاوت قرآن تو شیعہ اور سنی دونو ہی کرتے ہیں لیکن شیعہ بسبب پیروی اہل بیت علیہم السلام کے اور کثرت حق تلاوت کے مغز
سخن ربانی کو پہنچے اور اہل سنت بسبب ایمان لانے صحت کل قرآن کے اور پیروی اہل بیت کے جو انکو میسر آئے تو دقائق کلام اللہ کو نہ سمجھے اور آیت مذکورہ کے ذکر کرنے سے اسکا دعوی
تو کچھ ثابت نہوا لیکن ہمارے بیان سے اہل عقل بالاجمال سمجھ جائینگے کہ بیشک آیات ربانی مخالف مذہب اہل سنت ہونگی اور مذہب شیعہ تمامہ موافق قرآن مجید تو قطع نظر اسکے
کہ آیت مذکورہ سے مطلب اہل سنت کا کچھ ثابت نہوا بلکہ مثل اور آیتوں کے یہ آیت بھی حقیت مذہب شیعہ اور بطلان مذہب اہل سنت ہی پر دلالت کرتی ہے تو ہماری تقریر بالا سے
واضح ہو جائیگا کہ جو کچھ ہم لکھتے ہیں سب حق ہے اور جو کچھ یہ لکھتا ہے وہ باطل ہے اور چونکہ اس وجہ سے کہ اس آیت سے اسکا مطلب ثابت نہوا تو اور آیتوں کو بیان نکر سکا کہ کسی آیت سے اسکا مطلب
ثابت ہی نہیں ہے بلکہ کل آیتیں حقیت مذہب شیعہ اور بطلان مذہب اہل سنت پر دلالت کرتی ہیں اور اگر یہ بیان کرتا تو ہم اسکی تقریر کو باطل کر کے اپنی حقیت ثابت کر دکھلاتے
معہذا اگر تمام آیات مخالفہ مذہب اہل سنت کو لیجیے تو ایک دو تو نہیں جو سہل ہو بلکہ اکثر آیات کلام اللہ عقائد و احکام و اصول و فروع مذہب اہل سنت کو رد کرتے ہیں اور شیعوں کی
حقیت اور حقانیت پر شاہد ہیں اس رسالہ میں سب کی گنجائش کہاں خصوصاً جبکہ بقدر فہم انکی شرح بھی کیجیے اور انسے شیعوں کی حقانیت اور انکے مذہب کی حقیت اور
اہل سنت کے مذہب کے بطلان پر استدلال بھی لائے اسواسطے ہمنے ان آیتوں کو بیان نہ کیا بلکہ ایک تقریر مجمل پر اکتفا کیا اہل فہم خود سمجھ جائینگے **قال الشیخ الاشعری** لہذا ایک ہی
آیت پر کہ وہ ایک ہی سب کے قائم مقام اور مفید خاص و عام ہے اکتفا کر کے اسقدر گزارش کرتا ہوں کہ شاید کسی شیعی المذہب کو اس آیت کی ہدایت سنکر بسبب کجی طبیعت اور ضلالت
طبعزاد اور تعصب نہاد یہ شبہ ہو کہ یہ آیت ہے تو کیا ہوا ایک جملہ قرآنی ہی سو قرآن کا نعوذ باللہ منہ کیا اعتبار ہمارے اعتقاد کے موافق کمی کی تو کچھ شمار ہی نہیں بیشی اور افزایش اور تبدیل
الفاظ بھی ظہور میں آئی ہے پھر عجب نہیں کہ یہ آیت بھی منجملہ الحاقات اہل سنت ہو سو اسکا جواب اول تو یہ ہے کہ مذہب محققین شیعہ اسبات میں یا تو یہ ہے کہ کلام اللہ میں کمی
ہوئی ہے نہ بیشی چنانچہ استاد علامہ کلینی حضرت صدوق اسی کے قائل ہیں یا یہ کہ کمی تو ہوئی ہے زیادتی نہیں ہوئی غرض زیادتی کا نہونا اجماعی ہے اور آیت مرقومہ سے انکار
نہیں ہو سکتا مگر چونکہ یہ دونو مذہب مخالف مرویات کلینی ہیں جو اصح الکتب شیعہ ہے اور نیز ذہن نشین اکثر شیعہ یہی ہے کہ کلام اللہ میں کمی زیادتی دونو ہوئی ہیں اور ہمارے
بعض مطالب مذکورہ بھی اسی پر مبنی ہیں اس جواب پر قناعت نہیں ہو سکتی اسلئے دوسرا جواب یہ ہے کہ شیعہ اور شیعوں کے مذہب کی بطلان کی دلیل ہے بحمداللہ باقرار شیعہ اتنا تو معلوم
ہوا کہ مذہب شیعہ کا اعتبار نہیں کیونکہ ماخذ احکام دین سب میں اول کلام اللہ ہی تھا جب اسکا اعتبار نہیں تو جو باتیں شیعی بزعم خود کلام اللہ سے ثابت کرتے ہیں اگر بفرض محال ثابت بھی

ہوجائیں تو بدرجۂ اولی قابل اعتبار نہونگی مع ہذا ثقلین جو متفق علیہ طرفین ہے اسبات پر شاہد ہے کہ کلام اللہ اور عترت دونو کے ساتھ تمسک رہیگا تو گمراہی پیش نہ آئیگی پھر
جب کلام اللہ سے جو موافق حدیث مذکور دونو میں اعظم ہے تمسک میسر نہیں تو بشہادت عقل سلیم ہدایت بھی نہیں سراپا گمراہی ہے غرض حضرات شیعہ یہ احتمال پیش کریں تو یہ تو اور الٹے
اپنے ہی پاؤں میں تیشہ مارنا ہے اور بر بالبداہتہ اور بالاجماع کسی فرقہ کے کوئی حدیث اس درجہ کو شائع ذائع نہیں ہوئی جس درجہ کو کلام اللہ شائع ذائع ہوا ہے اور نہ اس طرح کے
کسی حدیث کے سارے راوی اسکی روایت میں متفق اللفظ ہیں پھر جب کلام اللہ کا اعتبار نہیں اٹھ سکا کا ہیکو ہوگا پھر جس میں راویان احادیث شیعہ کے احوال کی اور ان احادیث
کے تعارض کو دیکھیئے تو بے اعتباری میں نہایت ہی کو پہنچ جائینگے بہر حال اگر یہ شبہ علماء شیعہ پیش کریں اور اکثر مواقع میں پیش کرتے ہیں تو ہمارے لئے بہت تخفیف تصدیع ہے
عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد مع ہذا شیعوں ہی کی اقراری ہماری وہ دعوی جو تقریر شرح آیت مسطورہ میں گزرا ہے خدا ساز ثابت ہو گیا کیونکہ جب قرآن میں اس درجہ کی کمی
بیشی ہے تو پھر جسے قرآن کہتے ہیں قرآن ہی نہوا اگر شیعے اسے یاد کریں اور تلاوت کا جیسا حق ہے ویسی طرح تلاوت کریں تب بھی فی الواقع تلاوت قرآن اور حفظ قرآن نہوگا

اقول۔ جو کچھ اس شیخ نے اس قول میں لکھا ہے سب غلط اور شیعوں پر افترا ہے شیعوں کا ہرگز یہ اعتقاد نہیں ہے جو کہ یہ شیخ لکھتا ہے اور نہ اس آیت سے کچھ اسکا مطلب
ثابت ہوتا ہے جیسا کہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور تمام قرآن پر اور اسکی صحت پر ہمارا ایمان ہے اور جو کچھ قرآن شریف میں ہے اسکو ہم حق جانتے ہیں لیکن یہ شیخ بسبب مثالب طبع اور
تعصب نہاد ہماری طرف ایسے امور منسوب کرتا ہے کہ جنکا ہمکو اعتقاد نہیں ہے اور ہم ایسے امور سے بیزار ہیں اور قرآن کا اعتبار جیسا کہ شیعونکو ہے کہ اسکی ہدایت کو حق اور
صحیح جانتے ہیں ویسا سنیوں کو نہیں ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن غلطیوں کو شامل ہے اور آیۂ مذکورہ شیعوں کے نزدیک الحاقات میں سے ہرگز نہیں ہے یہ شیخ ہمپر افترا کرتا ہے اور نزد
محققین شیعہ یہی ہے کہ کلام اللہ میں بیشی ہے نہ کمی ہے اگر اہل سنت کے نزدیک آیہ مذکورہ الحاقات میں سے ہو تو ہو سکتا ہے کہ انکے نزدیک کاتبوں نے قرآن میں غلطیاں داخل کردی
ہیں چنانچہ بعد اسکے اسکا ذکر آئیگا اور ایک شیخ صدوق علیہ الرحمۃ ہی نہیں بلکہ سب محققین شیعہ یہی کہتے ہیں چنانچہ معلوم ہوجائیگا اور شیخ صدوق کے استاد ہی محمد یعقوب کلینی علیہ الرحمۃ
کے نہتے کہ تجھکو خبر اسکی نہیں ہے اور جیسے کہ بیشی کا نہونا قرآن میں شیعوں کے نزدیک اجماعی ہے ایسے ہی کمی کا نہونا بھی اجماعی ہے اور محققین شیعوں کے نزدیک مرویات کلینی کا اعتبار نہیں ہے
اسواسطے کہ وہ از جملہ روایات احاد ہیں اور اہل سنت کی کتابوں میں تو ایسی روایتیں کثرت سے ہیں اور کمی و بیشی کا ہونا اکثر شیعوں کے جو کہ محققین ہیں ذہن نشین نہیں ہے اور جیسا کہ
قرآن شریف معتبر ہے شیعوں کے نزدیک ایسی کوئی کتاب انکی نزدیک معتبر نہیں ہے اور اگر غیر معتبر ہے تو سنیوں کے نزدیک ہے اور شیعوں کو قرآن کی نسبت کوئی شبہ نہیں ہے اور اگر
شبہ بھی ہے تو سنیونکو ہے کہ انکے نزدیک اسمیں غلطیاں اور تبدیل الفاظ ہے اور جو کچھ یہ شیخ شیعوں کی طرف منسوب کرتا ہے سب اسکی ہی کتابوں میں موجود ہے چنانچہ معلوم ہوگا اور
شیعوں کے سر دھرتا ہے اور حقیقت میں کمی اور بیشی اور غلطی قرآن میں اور تبدیل الفاظ انکی ہی کتابوں سے ثابت ہے اس جہت سے چاہیئے کہ موافق انکے مذہب کے قرآن کا ہرگز
اعتبار نہو اور جب قرآن کا اعتبار نہوا تو انکا مذہب بھی غیر معتبر ٹھیرا اور جب قرآن کا اعتبار نہیں تو اہل سنت بزعم خود جو باتیں کلام اللہ سے ثابت کرتے ہیں اگر بفرض محال
ثابت بھی ہوجائیں تو بدرجہ اولی قابل اعتبار نہونگی مع ہذا ثقلین جو متفق علیہ طرفین ہے اسبات پر شاہد ہے کہ کلام اللہ اور عترت دونو کے ساتھ تمسک رہیگا تو گمراہی پیش نہ آئیگی پھر
جب کلام اللہ اور عترت دونو سے تمسک نہیں تو بشہادت عقل سلیم ہدایت بھی نہیں اور کلام اللہ سے تمسک کا حال تو معلوم۔ کہ جب اسمیں غلطیاں داخل ہوئیں تو جو اس سے
ثابت کرینگے وہ بھی غلط ہوگا اور تمسک نہ اس سے مانند عدم تمسک کے ہوا اور عدم تمسک اہل بیت سے تو ظاہر ہے اور پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں اور اب کچھ اور زیادہ بیان کرتے ہیں کہ
اور وجہ سے اہل سنت کا دونو سے تمسک نکرنا واضح کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کلام اللہ اور اہل بیت میری جو کوئی
انکے ساتھ تمسک کریگا وہ گمراہ نہوگا اور یہ دونو آپسمیں سے جدا نہونگی یہانتک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کریں اور یہ جو فرمایا کہ آپس سے جدا نہونگی تو مراد اس سے یہ نہیں ہے کہ قرآن شریف
اہل بیت کے بدن سے چمٹا ہوا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جو کلام اللہ کا مضمون ہے وہ اہل بیت کے پاس ہے پس جس نے کہ پیروی کی اہل بیت کی اس نے قرآن کی بھی پیروی کی کہ اہل بیت
خلاف قرآن کے کچھ نہ کہیں گے اور جس نے کہ اہل بیت سے بالا بالا قرآن کی پیروی کا ارادہ کیا تو اسکو نہ تو قرآن کی پیروی حاصل ہوئی نہ اہل بیت کی اسواسطے کہ حاصل قرآن کا
تو اہل بیت کے پاس ہے بموجب حدیث مذکور کے جب انکی پیروی نکی تو قرآن شریف کی پیروی سے محروم رہیگا اور اہل سنت کو پیروی اہل بیت کی ہرگز نصیب نہیں ہے نہ اصول میں نہ فروع
میں بلکہ اصول میں تو تابع ابوالحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی کے ہیں اور فروع میں تابع ابو حنیفہ اور شافعی اور مالک اور احمد حنبل اور محمد اور ابو یوسف اور زفر وغیرہ کے ہیں اور انکی
کتابوں کو دیکھو ابتداء مسائل الہیہ سے آخر مسائل کلامیہ تک اور ایسی ہی ابتداء مسائل طہارت سے آخر مسائل فقہیہ تک مستند انکا سوا علماء مذکورین کے نہیں ہے اور اہل بیت میں سے کسیکا
ذکر نہیں ہے اور باوجود اسکے مقام گفتگو میں جب تنگ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تابع اہل بیت کے ہیں اور شیعوں نے تمسک نہیں کیا تو یہ بھی عجیب و غریب بات ہے لیکن علامۂ دہلوی جناب مرزا محمد صاحب
اعلی اللہ مقامہ نے بخوبی اسکا رد کردیا ہے اور لکھا ہے کہ علماء معتبرین انکے خود اقرار کرتے ہیں کہ تابع اور پیرو اہل بیت کے اماميہ ہیں اہل سنت چنانچہ جامع الاصول کہ جو جامع

صحاح ستہ اہل سنت کی ہے اُسمیں لکھا ہے تفسیر میں حدیث اِنَّ اللهَ سَيَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا کے کہ وَنَحْنُ نَذْكُرُ الْآنَ
الْمَذَاهِبَ الْمَشْهُوْرَةَ فِي الْإِسْلَامِ الَّتِيْ عَلَيْهَا مَدَارُ الْإِسْلَامِ فِيْ أَقْطَارِ الْأَرْضِ وَهِيَ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ وَأَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمَالِكٍ وَأَحْمَدَ وَمَذْهَبُ الْإِمَامِيَّةِ یعنی اور ہم ذکر کرتے ہیں اب مذاہب مشہورہ
کو اسلام میں جن پر کہ مدار اسلام کا ہے اطراف زمین میں اور وہ مذہب شافعی اور ابو حنیفہ اور مالک اور احمد اور مذہب امامیہ ہے اور صاحب جامع الاصول نے پہلی
صدی میں تو فقہاء امامیہ سے مجدد مذہب امامیہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام کو لکھا ہے اور دوسری صدی کے مقدمہ میں یہ عبارت لکھی ہے وَأَمَّا مَنْ كَانَ عَلٰى رَأْسِ الْمِائَةِ الثَّانِيَةِ
فَمِنْ أُولِي الْأَمْرِ الْمَأْمُوْنُ وَمِنَ الْفُقَهَاءِ الشَّافِعِيُّ وَالْحَسَنُ بْنُ زِيَادٍ اللُّؤْلُؤِيُّ مِنْ أَصْحَابِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَشْهَبُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ مِنْ أَصْحَابِ مَالِكٍ وَأَمَّا أَحْمَدُ فَلَمْ يَكُنْ
يَوْمَئِذٍ مَشْهُوْرًا فَإِنَّهُ مَاتَ سَنَةَ إِحْدٰى وَأَرْبَعِيْنَ وَمِائَتَيْنِ وَمِنَ الْإِمَامِيَّةِ عَلِيُّ بْنُ مُوْسَى الرِّضَا یعنی اور لیکن جو کہ تھا اوپر سر
صدی دوسری کے پس بادشاہوں میں سے تو مامون تھا اور فقہا میں سے شافعی اور حسن بن زیاد لولو اصحاب ابو حنیفہ میں سے اور اشہب بن عبد العزیز اصحاب مالک میں
سے اور لیکن احمد پس نتھا مشہور اُس روز اس واسطے کہ وہ مر گیا تھا سن اکتالیس دو سو ہجری میں اور فقہا امامیہ میں سے علی بن رضا علیہ السلام والتحیات تھے
اب دیکھنا چاہیئے اور انصاف کرنا چاہیئے کہ اس روایت سے تمسک شیعہ امامیہ کا اہل بیت سے ثابت ہوتا ہے یا اہل سنت کا علی بن موسی الرضا علیہ السلام کو کہ فقہاء امامیہ میں سے
لکھا ہے یا فقہای اہل سنت میں سے اور مولوی عبد العزیز صاحب کو جو جواب اس روایت کا نہ آیا تو اُسکے جواب میں فرمایا کہ مقصود صاحب جامع الاصول کا اس قول سے یہ ہے
کہ بزعم شیعہ علی بن موسی الرضا فقہای امامیہ سے تھے اور ایسی ہی حنفیوں اور شافعیوں اور مالکیوں کو لکھتا ہے کہ یہ اپنے زعم میں ابو حنیفہ اور شافعی اور مالک کے مذہب پر
تھے اور واقع اور حقیقت میں اُنکے مذہب پر نتھے تعجب ہے ایسے شخص نامی سے کہ کیسی بے انصافی کی بات بیان کرتا ہے اور عبارت ما تقدم اور ما تاخر سے اغماض کر کے
جو کچھ چاہتا ہے تحریر کرتا ہے اور اگر مراد صاحب جامع الاصول کی سب جگہ بزعم ہی ہو تو مذہب کسی کا صحیح اور واقعی نہوا اور ایسی پوچ بات کوئی جاہل ہی نہیں
کہسکتا ہے اور سوا اس روایت کے اور سننا چاہیئے کہ شیعہ اہل بیت علیہم السلام سے متمسک ہیں اور اہل سنت نہیں ہیں چنانچہ محقق جلال الدین دوانی شرح عقائد میں لکھتے
ہیں فَإِنَّهُمْ يَتَمَسَّكُوْنَ فِيْ عَقَائِدِهِمْ بِالْأَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ الْمَرْوِيَّةِ عَنْهُ وَعَنْ أَصْحَابِهِ وَلَا يَتَجَاوَزُوْنَ عَنْ ظَوَاهِرِهَا إِلَّا لِلضَّرُوْرَةِ وَلَا يَسْتَرْسِلُوْنَ مَعَ عُقُوْلِهِمْ
كَالْمُعْتَزِلَةِ وَمَنْ يَحْذُوْ حَذْوَهُمْ وَلَا مَعَ النَّقْلِ مِنْ غَيْرِهِمْ كَالشِّيْعَةِ الْمُتَتَبِّعِيْنَ لِمَا رُوِيَ عَنْ أَئِمَّتِهِمْ لِاعْتِقَادِهِمُ الْعِصْمَةَ فِيْهِمْ یعنی اسمیں تحقیق کہ وہ اہل سنت تمسک کرتے ہیں عقائد اپنے میں ساتھ احادیث صحیح
مرویہ کے اُن حضرت صلعم سے اور اصحاب اُن حضرت کے سے اور تجاوز نہیں کرتے ہیں ظواہر اُنکے سے مگر وقت ضرورت کے اور نہیں چھوڑتے ہیں ساتھ عقلوں اپنی کے مثل معتزلہ کے اور جو کہ
قایم مقام اُنکے ہیں اور نہیں اُنس پکڑتے ساتھ نقل کے غیر اُن صحابہ کے سے مانند شیعوں کے کہ تتبع کرنیوالے ہیں ساتھ اُس چیز کے کہ جو روایت کی گئی ہے اماموں اُنکے سے واسطے اعتقاد
کرنے اُنکی عصمت کے درمیان اُنکے انتہی اس روایت کو دیکھکر انصاف کرنا چاہیئے اور بیان کرنا چاہیئے کہ مذہب شیعہ مطابق مذہب اہل بیت کے ہے کہ شیعہ پیروی اہل بیت کی کرتے
ہیں یا مذہب اہل سنت کہ اہل سنت انکا پیروی سے اہل بیت علیہم السلام کی کرتے ہیں اور بیزار ہیں اُنکی پیروی سے اور محی الدین بغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں
لکھا ہے کہ اِنَّ الْمَسْحَ مَذْهَبُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ وَأَبُوْ ذَرٍّ وَعَمَّارٍ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَأَئِمَّةِ أَهْلِ الْبَيْتِ وَانْعَقَدَ عَلَيْهِ مَذْهَبُ شِيْعَتِهِمُ الْإِمَامِيَّةِ مِنَ
الْفُقَهَاءِ یعنی مسح پا وضو میں مذہب عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن مسعود اور سلمان فارسی اور ابو ذر اور عمار اور انس ابن مالک اور ائمہ اہل بیت کا ہے اور منعقد ہوا
اُسپر مذہب شیعوں اُنکے کا کہ امامیہ میں فقہا میں سے اب دیکھو کہ پیرو اہل بیت کا کون ہے شیعہ ہیں یا اہل سنت ہیں کہ اہل سنت عجیب و غریب ہیں کہ دعوی تو تمسک اہل بیت
کا کرتے ہیں اور کسی مقام میں اُنکے قول کو تسلیم نہیں کرتے اور کلام اللہ کو لکھتے ہیں کہ اُس میں غلطیاں اور تبدیل الفاظ ہو گئی ہے اور کثرت سے اُسمیں کمی وقوع
میں آئی ہے اور بعضی جگہہ زیادتی بھی ہے اس تواتر بطور بالاجماع کسی فرقہ کے کوئی حدیث اس درجہ کو شایع اور ذایع نہیں ہوئی جس درجہ کو کلام اللہ شایع و ذایع
ہوا ہے اور نہ اسطرح کے کسی حدیث کے سارے راوی اُسکی روایت میں متفق اللفظ ہیں پھر جب کلام اللہ کا اعتبار نہیں تو اُسکا کیسکو ہوگا پھر جسمیں لے وپاں احادیث اہل سنت
کو اور اُن احادیث کے تعارض کو دیکھیئے تو بے اعتباری میں نہایت ہی کو پہنچ جائینگے ایک جناب رسول خدا صلعم کی وفات کا روز ہے کہ اُسمیں اسقدر اختلاف ہے
کہ بارہ وفاتیں مقرر کر دی ہیں اور فروع کی احادیث کے تعارض کو دیکھئے کہ ابو حنیفہ تو کچھ کہتا ہے اور شافعی کچھ کہتا ہے اور احمد کچھ کہتا ہے اور مالک کچھ کا کچھ اور علماء شیعہ
ہرگز یہ شبہ پیش نہیں کرتے ہیں اور نہ شیعوں کا یہ اقرار ہے اور نہ شیعوں کا اعتقاد کمی زیادتی قرآن کا ہے اور اگر کمی کی روایتوں پر نظر ہے تو اہل سنت کی کتابوں میں
تو کثرت سے روایتیں کمی کی اور بعضی روایتیں بیشی کی اور تبدیل اور غلطی الفاظ کی موجود ہیں چنانچہ عنقریب معلوم ہو جائیگا جب قرآن میں اسدرجہ کی کمی بیشی اور
غلطی اور تبدیل الفاظ ہے تو پھر جسے قرآن کہتے ہیں وہ قرآن ہی نہوا بلکہ مثل توراۃ و انجیل کے محرف ہوا اگر اہل سنت یاد بھی کر لیں اور تلاوت کا جیسے حق ہے ویسے ہی

تلاوت کریں تب بھی فی الواقع تلاوت قرآن اور حفظ قرآن نہ ہوگا اور یہ جو لکھتا ہے کہ شیعوں کے نزدیک قرآن میں کمی بیشی ہوئی ہے یہ سب غلط ہے اور شیعوں کا ہرگز یہ
اعتقاد نہیں ہے بلکہ مذہب علمائے محققین شیعہ یہ ہے کہ قرآن منزل من اللہ یہی ہے کہ جو اب بین الدفتین اس زمانہ میں مسلمانوں کے پاس موجود ہے نہ اس سے کم ہے نہ اس سے زیادہ
ہے البتہ اسقدر فرق ہے کہ ترتیب اس قرآن کے مطابق ترتیب تنزیل کے نہیں ہے اور مکی سورت میں مدنی آیتیں داخل ہوگئی ہیں اور مدنی سورت میں مکی آیتیں داخل
ہوگئی ہیں اور حضرت علی نے جو قرآن جمع کیا تھا اُسکی ترتیب موافق تنزیل کے تھی اور کمی اور زیادتی کا فرق نہیں ہے اور ہمارے مذہب کا یہی قرآن موجود ہے جو کہ اب مسلمانوں
کے پاس ہے اور ائمہ معصومین علیہم السلام کا حکم بھی ہمکو اسی قرآن پر عمل کرنیکا ہے اور اسی قرآن پر ہماری تفسیریں ہیں پھر ہمارے نزدیک یہ قرآن معتبر کیونکر نہ ہوا اور
نقصان کلام اللہ کی جو بعضی روایتیں کافی یا اور کتاب ہماری میں لکھی ہیں وہ از جملہ احاد ہیں اُنکا اعتبار نہیں ہے ہمارے نزدیک اور اہل سنت کی کتابوں میں
نقصان کی روایتیں ہماری روایتوں سے بھی زیادہ ہیں اور وہ اُنکے نزدیک سب معتبر ہیں بلکہ زیادتی کی بھی روایتیں اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہیں یہ خوب
بات ہے کہ اپنی روایتوں کو تو نظر نہ کرنا اور دوسروں کی روایتوں پر اعتراض کرنا اور اب ہم ہر ایک دعوی کو بدلیل ثابت کرتے ہیں اور یہ جو ہم کہتے ہیں کہ علمائے محققین شیعہ کے
نزدیک قرآن منزل یہی ہے نہ اس سے کم ہے نہ زیادہ ہے اسواسطے کہ افضل المحدثین شیخ صدوق ابن بابویہ علیہ الرحمتہ رسالہ اعتقادیہ میں لکھتے ہیں کہ اعتقاد جمیع علمائے شیعہ کا یہی ہے
کہ نہ اسمیں کمی ہے نہ زیادتی ہے باوجودیکہ روایتیں نقصان کی وہ بھی تحریر فرماتے ہیں لیکن اعتقاد آدمی کا کچھ اور ہوتا ہے اور روایتوں کا بیان کسی سے سنکر کچھ اور ہوتا ہے
اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ یہ روایتیں جو کسی سے سنکر اسنے لکھی ہیں اعتقاد بھی اسکا ایسا ہی ہوگا اور ایسا ہی حال ملا محمد یعقوب کلینی علیہ الرحمتہ کا ہے کہ گو اُنہوں نے
روایات نقصان قرآن کافی میں لکھی ہیں لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ اعتقاد بھی اُنکا ایسا ہی ہوگا اور نہ ہماری نزدیک کافی اصح الکتب ہے بلکہ ہماری نزدیک سب کتب
احادیث برابر ہیں اور روایتیں اُنمیں سب طرح کی ہیں اور قرآن کی نسبت ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن منزل یہی ہے کہ جو مسلمانوں کے پاس ہے نہ اس سے کم ہے نہ زیادہ ہے چنانچہ
ابن بابویہ علیہ الرحمتہ رسالہ اعتقادیہ میں لکھتے ہیں اِعْتِقَادُنَا اَنَّ الْقُرْاٰنَ الَّذِیْ اَنْزَلَہٗ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ ھُوَ مَا بَیْنَ الدَّفَّتَیْنِ وَھُوَ فِیْ اَیْدِی النَّاسِ لَیْسَ اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ الخ
حاصل اسکا یہ ہے کہ جو قرآن کہ خدا تعالی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے وہ یہی ہے کہ جو دفتیوں میں آدمیوں کے ہاتھوں میں ہے اس سے زیادہ نہیں ہے اور بعد اسکے لکھتے ہیں
وَمَنْ نَسَبَ اِلَیْنَا اَنَّا نَقُوْلُ اِنَّہٗ اَکْثَرُ مِنْ ذٰلِکَ فَھُوَ کَاذِبٌ یعنی جو کوئی ہمکو یہ کہتا ہے کہ ہم اس سے زیادہ کہتے ہیں وہ جھوٹا ہے اور ہم اس سے زیادہ ہرگز نہیں کہتے ہیں اور سید مرتضی
علم الہدی علیہ الرحمتہ جواب مسائل طرابلسیات میں فرماتے ہیں کہ اَلْعِلْمُ بِصِحَّۃِ الْقُرْاٰنِ کَالْعِلْمِ بِالْبُلْدَانِ یعنی علم صحت قرآن کا مثل علم شہروں کی ہے اور اسکے بعد قرآن کی
حراست اور ضبط میں لکھتے ہیں کہ اسکی نقل میں اہتمام شدید اور خواہشیں بہت ہوئی ہیں اور وہ معجزہ نبوت اور ماخذ علوم شرعیہ اور احکام دینیہ ہے اور جب ایسا ہی ہے تو کَیْفَ
یَجُوْزُ اَنْ یَّکُوْنَ مُغَیَّرًا اَوْ مَنْقُوْصًا مَعَ الْعِنَایَۃِ الصَّادِقَۃِ وَالضَّبْطِ الشَّدِیْدِ یعنے پس کیونکر جائز ہو کہ متغیر اور ناقص ہو باوجود اس اہتمام صادق اور ضبط شدید کے
اور بعد اسکے ایک عبارت طولانی اسی مقدمہ میں لکھی ہے کہ قرآن میں کسیطرح کا تغیر نہیں ہوا ہے اور جسقدر کہ نازل ہوا تھا اُسیقدر لوگوں کے پاس موجود ہے۔
اور مولانا ابو علی طبرسی تفسیر مجمع البیان میں لکھتے ہیں فَاَمَّا الزِّیَادَۃُ فِیْہِ فَمُجْمَعٌ عَلٰی بُطْلَانِہٖ وَاَمَّا النُّقْصَانُ فَقَدْ رَوٰی قَوْمٌ مِّنْ اَصْحَابِنَا وَقَوْمٌ مِّنْ حَشْوِیَّۃِ الْعَامَّۃِ اَنَّ فِی الْقُرْاٰنِ تَغْیِیْرًا
وَنُقْصَانًا وَالصَّحِیْحُ مِنْ مَّذْھَبِ اَصْحَابِنَا خِلَافُہٗ یعنی زیادتی قرآن میں پس اجماع ہے اُسکے بطلان پر اور لیکن نقصان پس تحقیق روایت کیا ہے ایک قوم نے علمای ہمارے میں سے اور ایک قوم
نے علمائے عامہ میں سے کہ قرآن میں تغیر اور نقصان ہوا ہے اور صحیح مذہب علمای ہمارے میں یہی خلاف اسکے ہے کہ اسمیں تغیر اور نقصان نہیں ہوا ہے اور شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمتہ نے
تفسیر تبیان میں لکھا ہے کہ وَاَمَّا الْکَلَامُ فِیْ زِیَادَتِہٖ وَنُقْصَانِہٖ فَمِمَّا لَا یَلِیْقُ بِہٖ لِاَنَّ الزِّیَادَۃَ فِیْہِ مُجْمَعٌ عَلٰی بُطْلَانِہٖ وَالنُّقْصَانُ مِنْہُ فَالظَّاھِرُ اَیْضًا مِنْ مَّذْھَبِ الْمُسْلِمِیْنَ خِلَافُہٗ وَھُوَ الْاَلْیَقُ بِالصَّحِیْحِ مِنْ مَّذْھَبِنَا
حاصل یہ ہے کہ اور لیکن کلام زیادتی اور نقصان میں قرآن کے اُس قبیل سے ہے کہ لائق نہیں ہے اُسمیں کلام کرنا اسواسطے کہ اُسکی زیادتی کے بطلان پر تو اجماع اور اتفاق
ہے سبکا اور نقصان ہونیسے اُسکے بھی ظاہر مذہب مسلمانوں میں خلاف اُسکا ہے کہ نقصان اُسمیں سے نہیں ہوا ہے اور وہ ہی زیادہ لائق ہے صحیح ہونے مذہب ہماری میں
اور مولانا محمد محسن کاشانی علیہ الرحمتہ نے منہاج النجاۃ میں لکھا ہے کہ اِنَّہٗ بِعَیْنِہٖ مَا ھُوَ بَیْنَ الدَّفَّتَیْنِ فِیْ اَیْدِی النَّاسِ الْیَوْمَ وَلَیْسَ بِاَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ فَمَا فِی الْاَخْبَارِ عَنْ اَھْلِ الْبَیْتِ عَلَیْھِمُ
السَّلَامُ مِمَّا یَدُلُّ عَلٰی خِلَافِہٖ فَھُوَ مُؤَوَّلٌ حاصل یہ کہ تحقیق وہ قرآن بعینہ وہ ہے جو درمیان دو پٹھوں کے ہے آدمیوں کے ہاتھوں میں آجکے دن اور نہیں ہے اکثر اس سے
اور جو کچھ کہ احادیث اہلبیت علیہم السلام میں وہ امر ہے کہ جو دلالت کرتا ہے اُسکے خلاف پر وہ تاویل کیا گیا ہے اور سوای اسکے سب علمائے محققین ہمارے کا اتفاق اسی پر ہے کہ قرآن
منزل یہی ہے کہ جو فی زماننا لوگوں کے پاس موجود ہے نہ اسمیں کچھ زیادہ کیا گیا ہے اور نہ اسمیں سے کچھ کم کیا گیا ہے اور کیونکر زیادہ اور کم ہو کہ ہمکو ائمہ علیہم السلام کا حکم اسی
قرآن پر عمل کرنیکا ہے اور فرمایا ہے ہمکو کہ روایت کو کتاب خدا پر عرض کرو اور جو روایت کہ موافق کتاب خدا کے ہے اُسکو اختیار کرو اور جو کہ مخالف اُسکے ہے

اُسکو ترک کرو یہہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن میں زیادتی اور نقصان نہیں ہے اور حدیث ثقلین بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن صحیح اور مکمل ہر زمانہ میں پایا جائے تاکہ تمسک اُس سے ہو جب یہ حال ہے کہ کلام اللہ ہمارے نزدیک یہی ہے اور زیادہ اور کم اس سے نہیں ہے تو احتجاج اور استدلال کسواسطے انکا صلاحیت رکھنا ثابت ہوا اور جو لوگ کہ کہتے ہیں کہ سورتیں اور آیتیں اسمیں سے ساقط ہوئی ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں وہ منسوخ التلاوت ہیں اور روایتیں نقصان کی احاد ہیں اسواسطے قابل اعتبار نہیں ہیں یا ماول ہیں اور اہل سنت کی کتابوں میں تو قرآن کے ناقص ہونیکی روایتیں کثرت سے ہیں اور زیادہ ہونے اور تبدیل الفاظ ہونیکی بھی روایتیں موجود ہیں اس صورت میں قرآن شریف موافق انکے مذہب کے قابل اعتبار نرہا اور اُسکے حفظ کرنے سے بھی کچھہ فایدہ نہوا اور ہماری یہاں جو روایتیں نقصان کی آئی ہیں اُنکو ہم کہتے ہیں کہ وہ روایات منجملہ روایات احاد ہیں وہ قابل اعتبار کے نہیں ہیں یا ماول ہیں اور انکے یہاں اُن روایتوں کو سلامت رکھتے ہیں اور کچھہ عذر اُنمیں نہیں کرتے اس صورت میں قرآن انکے مذہب کے موافق قابل تمسک اور احتجاج کے باقی نرہا بلکہ اُسکا کچھہ اعتبار ہی نہیں ہے اسواسطے کہ لکھتے ہیں کہ قرآن میں بعضی سورتیں زیادہ داخل ہو گئی ہیں اور بہت سا قرآن بیچ سے جاتا رہا ہے اور ظن اور غلط اور سہو کاتب کا بھی قرآن میں واقع ہوا ہے بلکہ کہتے ہیں کہ ایک قرآن کہ جو خاص کرنیوالا اس قرآن کے عموم کا تھا رسول خدا صلعم کی خاطر سے وہ جاتا رہا اور اُسکو فراموش کر گئے چنانچہ شرح بزدوی میں لکھا ہے کہ قَالَ الْحَسَنُ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُوْتِیَ قُرْآنًا فَنَسِیَہُ یعنی کہا حسن نے کہ تحقیق پیغمبر خدا دئیے گئے تھے ایک قرآن پھر بھول گئے اُسکو پس نہیں باقی ہے کچھہ اُس میں سے اور اب میں قرآن کے نقصان کا حال بیان کرتا ہوں فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے حدیث ابن عمر سے کہ اِنَّہٗ کَانَ یَکْرَہُ اَنْ یَقُوْلَ الرَّجُلُ قَرَأْتُ الْقُرْآنَ کُلَّہٗ وَمِنْہُ قُرْآنٌ قَدْ رُفِعَ یعنی تحقیق ابن عمر مکروہ جانتا تھا اس امر کو کہ کہے کوئی مرد کہ پڑھا ہے میں نے قرآن سارا اور کہتا تھا کہ اُس قرآن میں سے ایک قرآن ہے کہ اُٹھا لیا گیا ہے اور مسلم اور حلیۃ الاولیا اور مستدرک حاکم میں لکھا ہے کہ ابو موسیٰ اشعری بصرہ کے قاریوں کے پاس بھیجا گیا اور تین سو قاری اُسکے پاس جمع ہوئے جنہوں نے قرارت قرآن کی کی تھی اُن سے کہا کہ ہم ایک سورہ کو پڑھتے تھے کہ وہ طول اور سختی میں مشابہ سورۂ براءت کے تھی پس بھول گئے ہم اُسکو مگر اسقدر اُس سورت میں سے یاد ہے لَوْ کَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِیَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰی وَادِیًا ثَالِثًا وَلَا یَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ اِلَّا التُّرَابُ اور ہم ایک سورۃ پڑھا کرتے تھے کہ وہ مشابہ ایک مسبحات کے تھی پس بھول گیا میں اُس سورۃ کو مگر اسقدر اُس میں سے یاد ہے یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ فَکُتِبَ شَہَادَۃً فِیْ اَعْنَاقِہِمْ اور جلال الدین سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے کہ سورۂ احزاب زمانہ رسول خدا میں دو سو آیتیں تھیں چنانچہ عائشہ سے روایت کی ہے قَالَتْ کَانَتْ سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ تُقْرَأُ فِیْ زَمَانِ النَّبِیِّ مِائَتَیْ آیَۃٍ فَلَمَّا کَتَبَ عُثْمَانُ الْمَصَاحِفَ لَمْ یَقْدِرْ مِنْہَا اِلَّا عَلٰی مَا ہُوَ الْآنَ یعنی کہا عائشہ نے کہ تھی سورۂ احزاب پڑھی جاتی تھی زمانہ پیغمبر صلعم میں دو سو آیتیں پس جس وقت لکھا عثمان نے قرآن کو تو نہ قادر ہوا مگر اُس پر کہ جو وہ اب قرآن میں ہے اور وہ تہتر آیتیں ہیں احزاب میں کہ جو قرآن میں اب موجود ہیں اور تفسیر درمنثور میں جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے اور عکرمہ سے روایت کی ہے کہ سورہ احزاب میں مثل سورہ بقر کے تھی یا زیادہ اُس سے چنانچہ لکھا ہے کہ قَالَ کَانَتْ سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مِثْلَ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ اَوْ اَطْوَلَ مِنْہَا وَکَانَتْ فِیْہَا اٰیَۃُ الرَّجْمِ یعنی کہا اُس عکرمہ نے کہ تھی سورہ احزاب مثل سورہ بقر کے یا زیادہ سورہ بقر سے اور تھی اُسمیں آیہ رجم اور سورہ بقر کے دو سو اور چھیاسی آیتیں ہیں اور سورہ احزاب کی تہتر آیتیں ہیں دو سو اور تیرہ آیتوں کا نقصان ہوا اور مستدرک میں روایت ہے کہ سورہ براءت مثل سورہ بقر کے تھی طول میں اور دوسری روایت مستدرک میں حذیفہ سے یہ ہے کہ سورہ براءت کا تم چہارم حصہ بھی نہیں پڑھتے ہو یعنی جسقدر کہ سورہ براءت تھی وہ اب قرآن میں چہارم حصہ سے بھی کم ہے اور تفسیر درمنثور میں بھی یہی روایت ہے اور صحیح بخاری اور موطاء مالک میں عمر سے روایت ہے کہ آیہ رجم قرآن میں تھی لیکن یہہ خوف ہے کہ آدمی کہنے لگیں کہ عمر نے قرآن میں زیادہ کر دیا ہے اسواسطے میں اس آیت کو قرآن میں ثابت نہیں کر سکتا ہوں اور ایسے ہی مسند احمد بن حنبل میں لکھا ہے پس خلیفہ صاحب نے قرآن کو ناقص کہا اور جس آیت کا یقین تھا کہ آیت قرآن کی ہے اُسکو قرآن میں داخل نکیا اور بعضی بعضی آیتیں ایسی قرآن میں سے نکال ڈالی ہیں کہ جو بعضی صحابہ دشمنان اہل بیت کے عیبوں پر دلالت کرتی تھیں چنانچہ تفسیر درمنثور میں سعید بن جبیر روایت ہے وہ کہتا ہے کہ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ قَالَ التَّوْبَۃُ بَلْ ہِیَ الْفَاضِحَۃُ مَا زَالَتْ تَنْزِلُ فِیْہِمْ وَمِنْہُمْ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ لَا یَبْقٰی مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا ذُکِرَ فِیْہَا یعنی کہا میں واسطے ابن عباس کے سورہ توبہ کو کہا کہ توبہ بلکہ وہ فضیحت کرنیوالی ہے کہ ہمیشہ نازل ہوتی تھی اُن لوگوں کے حق میں اور اُنمیں سے یہانتک کہ گمان کیا ہمنے کہ نہ باقی رہیگا ہم میں سے کوئی مگر کہ ذکر کیا جائیگا وہ اُس سورہ میں اور اُسی روایت میں ہے عکرمہ سے کہ قَالَ عُمَرُ مَا فَرَغَ مِنْ تَنْزِیْلِ بَرَاءَۃٍ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ لَمْ یَبْقَ مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا سَیَنْزِلُ فِیْہِ وَکَانَتْ تُسَمَّی الْفَاضِحَۃَ یعنی کہا عمر نے کہ نہیں فراغت ہوئے تھے نازل ہونے سورہ براءت سے یہانتک کہ گمان کیا ہمنے کہ تحقیق باقی رہیگا ہم میں سے کوئی مگر قریب ہے کہ نازل ہو اُسکے حق میں اور تھی وہ سورت کہ نام رکھی جاتی تھی فاضحہ بسبب اسکے کہ لوگوں کے عیب ظاہر کرکے اُنکو فضیحت کرنیوالی تھی اور یہی تفسیر میں لکھا ہے لیکن اب کہاں ہیں وہ آیتیں اس قرآن میں جو بعضے بعضے صحابہ کے عیبوں کو ظاہر کرکے اُنکو رسوا اور فضیحت کرتے تھیں اور وہ سورہ

سوای دشمنان اہل بیتؑ کے اور کون ہو سکتا تھا جسنے عیب خدا تعالیٰ ظاہر کرتا تھا جامع قرآن نے ازراہ اتحاد قلبی کہ جو آنکی نسبت رکھتے تھے وہ آیتیں انکی عیبوں کی قرآن میں سے نکال ڈالیں
اور اسیطرح جو آیتیں کہ حضرت علیؑ کی فضیلت پر دلالت کرتی تھیں اور اُن آیتوں میں حضرت علیؑ کا نام لکھا ہوا تھا اُن آیتوں میں سے حضرت علیؑ کا نام نکال ڈالا چنانچہ
جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اور ابن مسعود سے روایت کی ہے ابن مسعود کہتے ہیں کہ ہم آیۃ یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ کو زمانہ رسول خدا صلعم میں اس طرح سے پڑھا کرتے تھے
یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ اَنَّ عَلِیًّا مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اس آیۃ میں سے اَنَّ عَلِیًّا مَوْلَی
الْمُؤْمِنِیْنَ کو نکال ڈالا اور یہی مرزا محمد بن معتمد خاں بدخشی نے مفتاح النجا میں لکھا ہے اور تفسیر درمنثور اور معارج النبوت میں لکھا ہے اور ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ آیۃ کَفَی اللّٰهُ
الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ اس طرح سے تھا کہ کَفَی اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ بِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَکَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا اسمیں سے بعلی ابن ابیطالب کو نکال ڈالا کہ اسمیں بڑی فضیلت اور منقبت
علیؑ کی تھی اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابن مسعود کے مصحف میں آیہ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا اس طرح تھی اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ
عِمْرٰنَ وَاٰلَ مُحَمَّدٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ اس آیت میں سے آل محمد کو نکال ڈالا حاصل یہ ہے کہ جو الفاظ کہ اہل بیتؑ کی فضیلت پر دلالت کرتے تھے انکو جامع قرآن نے مصحف مجید میں سے
نکال ڈالا اور ایسی روایتیں بھی انکی کتابوں میں ہیں کہ جو دلالت کرتی ہیں دو سورتوں کے کلام اللہ میں سے نکلجانے پر ایک تو سورہ خلع اور دوسری حفد چنانچہ تفسیر اتقان میں لکھا ہے
اور بیہقی نے روایت عبداللہ بن زرین کی ہے انہی عبدالملک بن مروان نے کہا کہ مجھ کو علی ابن ابیطالب نے دو سورتیں سکھلائیں کہ جو رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ کو سکھلائی تھیں اور دوسری
روایت عبید بن عمیر سے ہے وہ کہتا ہے کہ عمر بن خطاب نے بعد رکوع کے قنوت میں ان دونوں سورتوں کو پڑھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ
وَنُثْنِیْ عَلَیْكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ یَّفْجُرُكَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰهُمَّ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْكَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ نَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰی عَذَابَكَ اِنَّ
عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ اور مصحف ابن عباس میں بھی ان دو سورتوں کا ہونا لکھا ہے اور تفسیر درمنثور میں لکھا ہے کہ یہ دونو سورتیں ابی بن کعب کے مصحف میں بھی تھیں اور اہل سنت انکو نماز
وتر کی قنوت میں پڑھتے ہیں۔ اور قرآن میں زیادہ الفاظ کے داخل ہوجانیکے بھی روایتیں اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہیں چنانچہ مسلم نے کئی طریقوں سے اپنی کتاب میں روایت
کی ہے علقمہ سے کہ رسول خدا صلعم کے زمانہ میں پڑھا کرتے تھے وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰی اور جو قرآن کہ اب موجود ہے اسمیں وماخلق کا لفظ زیادہ ہے اس واسطے
کہ اسمیں یہ ہے کہ وماخلق الذکر والانثی اور امام فخر رازی نے لکھا ہے کہ ابن مسعود انکار کرتے تھے سورہ فاتحہ اور معوذتین کے قرآن میں موجود ہونیکا چنانچہ لکھا ہے عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ اَنْكَرَ كَوْنَ
سُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ وَالْمُعَوَّذَتَیْنِ مِنَ الْقُرْاٰنِ اور احمد اور ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ انکو اپنے قرآن میں لکھتے بھی نہ تھے اور تفسیر معالم التنزیل اور درمنثور اور اتقان وغیرہ میں لکھا ہے کہ عثمان نے
کہا کہ قرآن میں لحن یعنی خطا پڑھنے میں واقع ہوئی ہے اور عبارت ابن قتیبہ کی اسکی کتاب المشکل میں یہ ہے کہ اَنَّ عُثْمَانَ قَالَ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی اِنْ هٰذَانِ لَسٰحِرٰنِ اَنَّ فِی الْقُرْاٰنِ لَحْنًا فَقَالَ رَجُلٌ صَحِّحْ
ذٰلِكَ الْغَلَطَ فَقَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّهٗ لَا یُحِلُّ حَرَامًا وَّلَا یُحَرِّمُ حَلَالًا یعنی تحقیق عثمان نے کہا قول حقتعالیٰ ان ہذان لساحران میں کہ تحقیق قرآن میں غلطی اور خطا پڑھنے میں ہے ایک مرد نے
کہا عثمان سے کہ صحیح کرو تو اس غلط کو کہا عثمان نے کہ چھوڑ دو اسکو اور پڑا رہنے دو کہ تحقیق نہیں حلال کرتا ہے یہ حرام کو اور نہیں حرام کرتا ہے حلال کو یعنی حلال و حرام سے اسکو کچھ تعلق
نہیں ہے پڑا رہنے دو اسکو قرآن میں اور بعضی روایت میں یہ ہے کہ عثمان نے کہا کہ اسکو پڑا رہنے دو عرب اپنی زبان میں اسکو درست کرلیں گے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے وَرُوِیَ
عَنْ عُثْمَانَ اَنَّهٗ نَظَرَ فِی الْمُصْحَفِ فَقَالَ اَرٰی فِیْهِ لَحْنًا وَّسَیُقِیْمُهُ الْعَرَبُ بِاَلْسِنَتِهَا یعنی روایت کی گئی عثمان سے کہ اُس نے نظر کی قرآن میں پس کہا کہ دیکھتا ہوں
میں قرآن میں غلطی پڑھنے میں اور قریب ہے کہ درست کرلیں اسکو عرب اپنی بانوں میں اور بغوی نے معالم التنزیل میں لکھا ہے قَالَ عُثْمَانُ اِنَّ فِی الْمُصْحَفِ لَحْنًا وَّسَتُقِیْمُهُ الْعَرَبُ بِاَلْسِنَتِهَا
اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ کاتبوں نے قرآن کو غلط لکھدیا ہے چنانچہ تفسیر اتقان میں لکھا ہے قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ لَحْنِ الْقُرْاٰنِ عَنْ قَوْلِهٖ اِنْ هٰذَانِ لَسٰحِرٰنِ وَعَنْ قَوْلِهٖ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ
وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَعَنْ قَوْلِهٖ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصَّابِئُوْنَ فَقَالَتْ یَا ابْنَ اُخْتِیْ هٰذَا عَمَلُ الْكُتَّابِ اَخْطَئُوْا فِی الْكِتَابِ هٰذَا اِسْنَادٌ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ
اور درمنثور میں بھی بہت خصوصیت سے اس طرح کی روایت ہے فَقَالَ سَاَلْتُ عَنْ لَحْنِ الْقُرْاٰنِ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصَّابِئُوْنَ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَ
الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَاِنَّ هٰذَانِ لَسٰحِرٰنِ فَقَالَتْ یَا ابْنَ اُخْتِیْ هٰذَا عَمَلُ الْكُتَّابِ اَخْطَئُوْا فِی الْكِتَابِ اور یہی راغب
اصفہانی نے محاضرات میں لکھا ہے اور حاصل ان دونوں روایتوں کا یہ ہے کہ راوی کہتا ہے میں نے عائشہ سے پوچھا غلطی قرآن سے ان ہذان لساحران سے اور المقیمین
الصلوۃ والموتون الزکوۃ سے اور ان الذین آمنوا والذین ہادوا والنصاری والصابئون سے کہا عائشہ نے کہ اے فرزند برادر من یہ عمل کاتبوں کا ہے کہ خطا کی ہے
اُنہوں نے لکھنے میں کہ غلط لکھدیا ہے یہ اسناد صحیح ہے اور بر شرط شیخین کی یعنی بخاری اور مسلم کے اور وجہ غلطی کی یہ ہے کہ ہذان کی جگہہ ہذین چاہیئے تھا اور مقیمین
کی جگہہ مقیمون چاہیئے تھا اور صابئون کی جگہہ صابئین چاہیئے تھا اور تفسیر معالم التنزیل میں آیہ والراسخون فی العلم کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اختلاف کیا ہے

انہوں نے وجہ منصوب ہونے مقیمین میں پس حکایت کی گئی ہے عائشہ سے اور ابان بن عثمان سے کہ تحقیق یہ غلطی کاتب کی ہے سزاوار ہے کہ درست کر دیا جائے اور لکھدیا جائے والمقیم الصلوٰۃ بمقام والمقیمین الصلوٰۃ کے لیکن یہ نہایت تعجب ہے کہ قرآن شریف میں دیدہ و دانستہ غلطی کو باقی رکھا اور یہ بھی ثابت ہے کہ اہل سنت کے روایتوں سے کہ قرآن کے الفاظ بدلگئے ہیں اور نفظوں سے جیسے کہ فامضوا کی جگہ فاسعوا لکھدیا ہے اور تستاذنوا کی جگہ تستانسوا لکھدیا ہے چنانچہ موطا میں مذکور ہے کہ سورہ جمعہ میں فامضوا کی جگہ فاسعوا لکھدیا اور مالک نے سوال کیا ہے قول حقتعالیٰ سے یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ابن شہاب نے کہا کہ کان عمر بن الخطاب یقرءھا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فامضوا الی ذکر اللہ اور ایسا ہی تفسیر درمنثور میں لکھا ہے اور صحیح ترمذی میں لکھا ہے کہ ابن مسعود نے کہا کہ رسول خدا صلعم نے ہمکو اِنِّی اَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ پڑھایا تھا اور اب قرآن میں اسکی جگہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ ہے اور ایسا ہی مسند احمد بن حنبل میں لکھا ہے اور تفسیر اتقان میں ابن عباس سے روایت ہے قول حقتعالیٰ میں حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا میں قال انما ھی خطاء من الکاتب حتی تستاذنوا و تسلموا یعنی کہا ابن عباس نے کہ سوای اسکے نہیں کہ یہ لفظ تستاذنوا و تسلموا کا خطا ہے کاتب سے اور صحیح حتی تستاذنوا و تسلموا ہے اور ایسے ہی درمنثور اور مستدرک حاکم میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور بر شرط شیخین کے اور افلم یتبین کی جگہ افلم ییاس لکھا گیا چنانچہ لکھتے ہیں کہ ابن عباس نے کہا افلم یتبین الذین امنوا ان لو یشاء اللہ لھدی الناس جمیعا صحیح ہے اور افلم ییاس الذین امنوا کاتب کی خطا سے لکھا گیا ہے اور سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے طریق عکرمہ سے ابن عباس سے کہ تحقیق اُسنے پڑھا ہے افلم یتبین الذین امنوا ان لو یشاء اللہ لھدی الناس جمیعا فقیل لہ انھا فی المصحف افلم ییاس الذین امنوا یعنی پس کہا گیا واسطے ابن عباس کے کہ قرآن میں افلم ییاس الذین آمنوا ہے قال اظن الکاتب کتبھا وھو ناعس کہا ابن عباس نے کہ گمان کرتا ہوں میں کاتب کو کہ لکھدیا ہے اُسنے اسکو جسوقت کہ وہ اونگھتا اور سوتا تھا اور ایسے ہی درمنثور میں لکھا ہے اور فتح الباری شرح صحیح بخاری میں بھی یہی لکھا ہے کہ ابن عباس افلم یتبین پڑھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کاتب نے سوتے اور اونگھتے ہوئے افلم ییاس اسکی جگہ لکھدیا تھا سو وہ غلطی قرآن میں ابتک موجود ہے اور ووصّی ربّک کا لفظ وقضیٰ ربّک سے بدلا گیا ہے چنانچہ تفسیر درمنثور اور اتقان میں لکھا ہے اور اسکے بدلجانے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ایک واو ووصّی کی وصّی کے صاد میں ملکر وقضیٰ بنگیا ہے اور یہ غلطی قرآن میں باقی رہی اسی طرح اکثر الفاظ قرآن کے بدلگئے ہیں یہ حال ہے انکی روایتوں کا اور اگر ہماری کتاب میں کوئی ایسی روایت ہو کہ دلالت کرتی ہو اس امر پر کہ جامع قرآن نے ائمہ کی جگہ امۃ لکھدیا ہے یا علی کا نام یا آل محمد کا لفظ آیت میں سے نکالڈالا ہے تو جیں بر جبیں ہوتے ہیں اور اسپر طرح طرح کی طعن کرتے ہیں اور اپنی روایتوں کی خبر نہیں لیتے کہ ان روایتوں پر نظر کیجیے تو اس قرآن موجود کا موافق اس شیخ کے مذہب کے کچھ اعتبار نہیں ہے کہ کثرت سے تو اسمیں نقصان ہوا ہے اور الفاظ زیادہ اسمیں داخل ہوگئے ہیں اور ایک لفظ دوسرے لفظ سے بدل ہوگیا ہے اور کاتبوں نے الفاظ غلط اسمیں درج کر دیے ہیں کہ ابتک وہ موجود ہیں کہ توریت اور انجیل کا بھی تحریف میں یہ حال نہیں جو کہ اہل سنت کے نزدیک قرآن کا حال ہے اور یہ میں نے تھوڑا سا حال لکھا ہے اور اگر مفصل خرافات و ہزلیات مذہب اہل سنت کا دیکھنا منظور ہو تو تحفہ اثنا عشریہ اور منتہی الکلام کے جوابوں کو دیکھنا چاہیے اور زیادہ تعجب یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ بعضے غلطیاں قرآن کی ایسی ہیں کہ وہ رسول خدا صلعم کو معلوم نہوئیں کہ بعضے الفاظ سقیم اور غیر صحیح قرآن کے جناب سرور کائنات نے اپنی امت کو پہنچا دیے اور حضرت جبرئیل اور جناب رسول خدا صلعم اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بھی کوئی اُن غلطیوں پر مطلع نہوا یہانتک کہ بعضے اولیا ہیں سے جو خدا تعالیٰ کی دیدار سے مشرف ہوئے تو اُسوقت اصل قرآن سے مقابلہ کیا اور ولی مذکور نے وہ امت مرحومہ کو پہنچایا چنانچہ شیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی شعرانی ذکر بزرگان اہل سنت میں سے ہے کتاب یواقیت جواہر میں لکھا ہے کہ کان حمزۃ الزیات یقول قرأت سورۃ یٰس علی الحق تعالیٰ حین رایتہ فلما قرأت تنزیل العزیز الرحیم فرد علی الحق تنزیل بفتح اللام وقال الی انزلتہ تنزیلا وقال الحمزۃ عرضت علیہ جل وعلا ایضا سورۃ طہ فلما بلغت الی قولہ تعالیٰ وانا اخترتک فقال تعالیٰ انا اخترناک یعنی تھا حمزۃ الزیات کہتا تھا کہ پڑھا میں نے سورہ یٰسین کو حقتعالیٰ پر جسوقت کہ دیکھا میں نے خدا تعالیٰ کو پس جسوقت پڑھا تنزیل العزیز الرحیم تو رد کیا مجھپر حقتعالیٰ نے تنزیل فتح لام کو اور کہا کہ تحقیق نازل کیا ہے میں نے اسکو تنزیلا اور کہا اُس حمزہ زیات نے کہ پڑھا میں نے حقتعالیٰ پر سورہ طہ کو بھی پس جسوقت پہنچا میں طرف قول حقتعالیٰ کے وانا اخترتک تو پس کہا خدا تعالیٰ نے کہ انا اخترناک یعنی ہم نے اخترتک نازل نہیں کیا ہے بلکہ اخترناک نازل کیا ہے یہ حال ہے انکے اعتقادات کا قرآن کی نسبت کہ ایک دیوانہ آدمی بھی ایسے ہذیانات اور رذل باتوں کو قبول نکرے ایسے عالم جلیل القدر نے اپنی کتاب میں درج کیا کہ جو کفر اور ضلالت پر دلالت کرتے ہیں اور کلام اللہ کے بزرگی اور منزلت کا کچھ لحاظ خیال جسکے مقدمہ میں ایسے بیہودہ مضامین درج کتاب کیے اور توقیر اور عزت قرآن کی اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ واسطے شفا کے پیشاب سے لکھنا قرآن کا جائز ہے چنانچہ فتاوی قاضی خاں میں لکھا ہے اور ہماری کتابوں میں نقصان کی روایتیں تو البتہ مندرج ہیں لیکن ایسے ہذیانات اور غلطیوں اور خطاؤں کی روایتیں نہیں آئیں یہ لوگ اپنی روایتوں پر تو نظر نہیں کرتے ہیں قرآن مقدس میں اور ہمپر طرح طرح کی طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انکے نزدیک کلام اللہ میں سے بہت سا گیا ہے اور قرآن قابل اعتبار نہیں ہے اور حال یہ ہے کہ اعتقاد ہمارا یہ ہے کہ وہ قرآن جو کہ اس زمانہ میں موجود ہے یہی قرآن منزل من اللہ ہے نہ اس سے کم ہے اور نہ اس سے زیادہ ہے اور جو روایتیں کہ قرآن کے ناقص ہوجانے کے مقدمہ میں آئی ہیں وہ از جملہ آحاد ہیں انکا یقین

نہیں ہو سکتا اور انکی تاویل بھی ہو سکتی ہے اور یہی مذہب ہمارے علماء محققین کا ہے اور جو کچھ اس شیخ نے دروغ اور بہتان لکھکر ہم پر طعن کیا تھا وہ باطل ہو گیا ہماری تحریر سے **قال الشیخ الاشعری** دوسرے تمام روایات امامیہ میں موجود ہے کہ تمام اہل بیت اسی قرآن کو پڑھتے تھے اور اسی کے عام خاص سے تمسک کرتے تھے اور بطور استدلال اسی قرآن کی آیات کو پیش کرتے تھے اور اسی کی آیات کی تفسیر کرتے تھے اور حضرت امام حسن عسکری کی طرف جو تفسیر منسوب ہے وہ اسی قرآن کی ہے لفظاً لفظاً اور اہل بیت اپنے لڑکوں اور باندیوں اور خادموں اور اہل و عیال کو بھی قرآن تعلیم فرماتے تھے اور اسی قرآن کے پڑھنے کا نمازوں میں حکم فرماتے تھے مصحف قرآن مجید کا موافق نزول کے لوگوں کو پہنچانا اور انکو سکھانا باجماع امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ فرض تھا اور یقیناً معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو کوئی مشرف باسلام ہوتا تھا اول کلام اللہ سیکھے تھا بعد ازاں لوگوں کے سکھانے میں مشغول ہوتا تھا یہانتک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی ہزاروں نے کلام اللہ سیکھ لیا تھا چنانچہ بعضے بعضے غزوات میں ستر ستر حافظ شہید ہوئے ہیں بعد ازاں آجتک تمام اطراف میں یہانتک کہ دیہات میں اہل اسلام کلام اللہ کی تلاوت کو سب عبادتوں میں بڑھکر سمجھتے ہیں اور رات دن نماز میں اور نماز سے باہر کلام اللہ کے پڑھنے میں مشغول رہتے ہیں اور ہر لڑکے کو اول جو کتب میں بٹھلاتے ہیں تو سب سے پہلے کلام اللہ ہی یاد کرانا شروع کرتے ہیں بالجملہ قرآن مجید مثل کلینی و تہذیب نہیں کہ براہ تقیہ کسی کونے میں صندوق میں مقفل بند رہے کبھی تنہائی میں ڈرتے ڈرتے کہ مبادا کوئی سنی نہ آجائے ایک دو صفحہ مطالعہ کر لیا اور تسپر ایسے کثیر الوجود کہ ہر شہر و ہر دیار میں سینکڑوں ہزاروں ہیں کلینی و تہذیب کو ہندوستان میں تلاش کیجے تو کہیں کہیں نکلیگی علی ہذا القیاس ایران میں سمجھی کیونکہ اول تو رعایا سلطانی میں اہل سنت بکثرت ہیں سنا تو یوں ہے کہ شیعوں سے زیادہ ہوں آئندہ خدا جانے اور شیعوں میں سے بھی کلینی و تہذیب ہر کسی کے کام کی نہیں ہر کوئی اسے سمجھے جو خواہ مخواہ اُسے بہم ہی پہنچائے باقی سوا انکے اور ممالک میں کلینی و تہذیب کا پتا تو کیا ملے نام بھی کوئی نہیں جانتا ہو باایں ہمہ ایک دو نسخہ کہیں مل بھی جائیں تو بیشتر غلط ملتی ہیں صحیح تو قسمت ہی سے ملتا ہے بخلاف کلام اللہ کے ہر دیار میں بکثرت موجود یہانتک کہ کوئی کتاب کسی مذہب کی ہو یا کسی علم عقلی کے ایسے کثیر الوجود نہیں پھر عام و خاص کو اسکی ضرورت ایک ایک گھر میں متعدد کلام اللہ لکھے ہوئے حفظ و تصحیح کا یہ اہتمام کہ ہزاروں حافظ حرف حرف گنا ہوا زیر زبر کی تعداد معلوم رسم خط میں بیسیوں کتابیں موجود **اقول** اگر تو جانتا ہے کہ روایات امامیہ میں موجود ہے کہ اہل بیت علیہم السلام اسی قرآن کو پڑھتے تھے اور اسی سے تمسک کرتے تھے اور اسی پر تفسیریں لکھتے تھے تو وہ کون ہے جو اسکا انکار کرتا ہے اور وہ کون ہے جو اس قرآن کو معتبر نہیں جانتا کہ جو تو اعتراض کرتا ہے ایک عالم کا تو نام لکھا ہوتا اور اگر تو نقصان کی کسی روایت کتب شیعہ کو دیکھکر کہتا ہے تو اسکا جواب ہم پہلے ہی لکھ چکے اور تیری کتابوں میں تو یہ لکھا ہے کہ قرآن شریف غلطیوں کو شامل ہے اور اُسکے الفاظ کی تبدیل غیر لفظوں سے ہو گئی ہے اور نقصان کی روایتیں تو سینکڑوں ہیں انکا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں ہے اور ہمارا اعتقاد تو کلام اللہ کی نسبت یہی ہے کہ جو کچھ تو نے لکھا ہے کہ کلام اللہ یہی ہے جو کہ اب موجود ہے اور اسی کو اہل بیت علیہم السلام پڑھتے اور سکھاتے تھے اور اسی پر ہمارے مذہب کی تفسیریں ہیں اور نمازوں میں اسی قرآن کے پڑھنے کا حکم ہے اور جناب رسول خدا صلعم نے اسی قرآن کو لوگوں تک پہنچایا تھا اور لڑکوں کو مکتب میں یہی کلام اللہ پڑھاتے ہیں کوئی اور کلام اللہ نہیں پڑھاتے اور قرآن مجید مثل بخاری و مسلم کے نہیں ہے کہ براہ خوف شیعہ کسی کونے میں صندوق میں بند رہے کبھی تنہائی میں ڈرتے ڈرتے مبادا کوئی شیعہ نہ آجائے کہ سر اعتراض جڑ دے ایک دو صفحہ مطالعہ کر لیا اور تسپر ایسے کثیر الوجود نہیں مثل قرآن کے کہ ہر شہر و دیار میں سینکڑوں ہزاروں ہیں بخاری اور مسلم کو تلاش کیجے تو کسی کسی کے پاس نکلیگی نہ مثل کلام اللہ کے کہ اکثر کے پاس موجود ہوتا ہے اور کلینی اور تہذیب اگر ہندوستان میں کم دستیاب ہوتی ہیں تو اس جہت سے کہ شیعہ اس ملک میں تھوڑے ہیں اور ایران میں جہاں کثرت شیعوں کی ہے تو وہاں کلینی اور تہذیب کثرت سے پائی جاتی ہیں اور چھپ بھی گئی ہیں اور اہل سنت ایران میں تو بہت کم ہیں کچھ تو جزیروں میں ہیں اور کچھ ضلع آذربائجان میں اور تمام ملک ایران و خراسان میں شیعہ ہی ہیں شہروں میں اور دیہوں میں اور صحراؤں میں سب جگہ یہانتک کہ ہر شیعہ کو ایرانی کہنے لگے اور کلینی اور تہذیب اگر ہوگی تو کسی ملا کے پاس ہوگی نہ ہر کسی کے پاس جیسے کہ بخاری اور مسلم کہ اگر ہوگی تو کسی ملا پاس ہوگی اور اگر کسی جاہل پاس ہوگی تو وہ مثل پتھر کے ہے کہ ہر کوئی اسکی روایات کو نہیں سمجھ سکتا اور سب ملکوں سے کلینی اور تہذیب کو کیا تعلق ہے جہاں شیعہ ہونگے وہاں ہوگی جیسے کہ بخاری اور مسلم جہاں اہل سنت ہونگے وہاں ہوگی نہ ہر ملک میں اور نسخے کلینی اور تہذیب کی بہت صحیح ہندوستان میں بھی کثرت سے موجود ہیں تجھ اجنبی کو کیا خبر ہے اور ایک دو نسخے جو تو نے یہاں دیکھے اور مضامین انکی تیری سمجھ میں نہ آئی تو تو نے انکے غلط ہونیکا گمان کیا اور مقصود کلام اللہ سے جو تلاوت اسکی ہے تو اسواسطے کہ وہ ہر دیار اور شہر میں پایا جاتا ہے اور مطلب جو تو اُسکے بھی ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا اور کلینی اور تہذیب اور بخاری اور مسلم کہ مقصود اُنسے سمجھنا انکے مضامین کا ہے نہ تلاوت انکی اسواسطے وہ کم پائی جاتی ہیں اور قرآن شریف کثرت سے ہر شہر و دیار میں پایا جاتا ہے اسواسطے کہ اُسکے تلاوت کرتی ہیں اور اُسکے سب امور مسلمانوں کے ضبط میں ہیں اور اُسکی سورتوں اور آیتوں کے عدد کو خوب جانتے ہیں اور اُسکے حروف اور زیر و زبر بھی شمار کئے گئی ہیں اور حفظ بھی وہ بہت آدمیوں کو ہے لیکن وہی کلام اللہ ہے کہ جسکو علماء اہل سنت اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ اسکے الفاظ کی تبدیل ہو گئی ہے اور کاتبوں کے غلط لکھنے سے غلطیاں اسمیں لگ گئی ہیں اور ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ اسمیں کسیطرح کی تحریف نہیں ہوئی ہے جسقدر کہ نازل ہوا تھا اسیقدر اب موجود ہے گو اسکی ترتیب نزول میں فرق ہو گیا ہے **قال الشیخ الاشعری** پھر باایں ہمہ کسی عاقل کی عقل میں آ سکتا ہے کہ تہذیب اور کلینی میں تو الحاق ہونے پائے اور شیعوں کے نزدیک من کل الوجوہ معتبر اور معتمد ہے اور

اصح الکتب کہلائی اور کلام اللہ میں الحاق ہو جائے اور اسکا کچھ اعتبار نہ رہے جس زمانہ میں فرض کیجئے کہ اسمیں فلانے شخص نے کلام اللہ میں سے کم کر دیا یا اسمیں کچھ بڑھایا جیسے شیعوں کو خلیفۂ ثالث کی طرف بدگمانی ہے تو ایک دو کلام اللہ میں بڑھایا یا گھٹایا ہوگا تمام ملک عرب اور ملک روم اور ملک ایران اور یمن کے مصاحف میں کہ انکے خلیفہ ہونے سے پہلے یہ تمام ممالک تحت تصرف اسلام آچکے تھے اور سوای ملک عرب کے کہ وہ سارا کا سارا مسلمان ہو چکا تھا اور ممالک کے باشندوں میں سے لکھو کھا آدمی مسلمان ہو چکے تھے اور قرآن کو فرمانِ خدا سمجھکر ہر کوئی حرز جان سمجھتا تھا اور مجموعۂ ایمان تصور کر کے اسکی یادگاری اور تلاوت میں مشغول تھا کمی بیشی ہرگز قرین عقل نہیں علاوہ بریں اس زمانہ میں حافظ کی نوبت لکھو کھا کو پہنچی تھی خلیفۂ ثالث نے انکے سینوں سے کیونکر نکال لیا ہوگا کہ تمام عالم میں قرآن محرف ہی مروج ہو گیا انہی وجوہ کے نظر کرنیکے بعد اہل عقل کا تو یہ کام نہیں کہ قرآن مجید کی نسبت اسبات کے قائل ہو کہ اسمیں کچھ کمی بیشی وقوع میں آئی ہو اور جب قرآن مجید اس درجہ کو صحیح اور معتبر ہو کہ کوئی کتاب اسکے ہمسنگ نہیں اور تفسیر امام حسن عسکری میں اول سے آخر تک تمام آیات بجنسہا موجود ہیں تو اول تو آیت الذین آتیناہم الکتاب الخ سے استدلال کرنا صحیح اور درست ہوا دوسرے کلام اللہ ہی کی آیات سے کلام اللہ کے بجنسہ محفوظ ہونے پر استدلال کریں دربصورتیکہ استدلال صحیح ہو واجب التسلیم ہوگا اسلئے کلام اللہ کو جو ہمنے تجسس کیا تو آیاتِ کثیرہ اسپر شاہد نکلیں کہ کلام اللہ تا ہنوز موافق نزول کے بجنسہ باقی ہے کسی قسم کا تغیر یا تبدل اسمیں وقوع میں نہیں آیا نہ کمی ہوئی نہ بیشی ہوئی نہ کسی لفظ کے عوض میں دوسرا لفظ مشہور و معروف ہو گیا سب کے لکھکر اس مضمون کو ثابت کیجئے اسکو تو گنجایش نہیں فقط ایک آیت کا لکھنا ضرور سمجھکر ایک ہی پر اکتفا کرتا ہوں سورۂ حجر میں ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ یعنی ہمنے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم اسکے نگہبان ہیں فقط اب جائے غور ہے کہ باوجود اس پختہ وعدہ کے کہ مؤکد بچند تاکید ہے چنانچہ واقفان علم معانی واقف ہیں پھر نہ جانے خلیفۂ ثالث نے کیا ستم کئے ہیں کہ قرآن اصلی کا بالکل نام و نشان مٹا دیا اللہ اللہ کیا کچھ قدرت و طاقت تھی کہ نعوذ باللہ خدا کی بھی نہ چلنے دی سورتیں کی سورتیں نکال ڈالیں اور آیتیں کی آیتیں ملا دیں یہ نصیب اہل سنت جنکی ایسے پیشوا ہوں باقی رہا یہ احتمال کہ خداوند ذوالجلال وعدہ کر کے پھر گئے ہوں سو یہ خیال خود محال ہے خداوند صادق القول ایسی تاکیدوں سے وعدہ محکم فرمائے اور پھر پھر جاوے اور حفاظت نکرے معہذا کلام اللہ ہی میں یہ بھی آیت ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ یعنی اللہ تعالی ہرگز خلاف وعدہ نہیں کرتا ہے مگر شاید کسی شیعہ مذہب کو یہ احتمال پیش آئے کہ خلیفۂ ثالث کے یا جسکو یوں کہئے کہ اسنے کلام اللہ میں کمی بیشی کی ہے اسکے زمانہ میں خداوند کریم بھول گیا یا اپنے وعدہ کو بھول گیا ہو سو اسکا جواب خداوند کریم نے اپنے آپ کلام اللہ میں فرما دیا ہے آیۃ الکرسی تو شیعوں کو بھی یاد ہوگی اسمیں یہ جملہ موجود ہے لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ یعنی نہ اسکو اونگھ خدا کو آتی ہے اور نہ نیند ہے ادہر سورۂ مریم میں فرماتے ہیں وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا یعنی تیرا رب بھولنے والا نہیں سورۂ طہ میں یوں ارشاد ہے لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى نہ بہکتا ہے میرا رب نہ بھولتا اس آیت نے اس احتمال کو بھی منقطع کر دیا کہ خداوند کریم نے نگہبانی قرآن کا قصد تو کیا ہو پر تدبیر میں غلطی ہوئی ہو یا بوجہ غلطی قرآن کے بدلے کسی اور چیز کی حفاظت کر بیٹھے ہوں +

اقول پہلے اس سے ہم بیان کر چکے کہ کلام اللہ میں ہمارے اعتقاد کے نزدیک الحاق نہیں ہوا ہے اور نہ تہذیب اور کلینی ہمارے نزدیک مثل کلام اللہ کے صحیح اور معتبر ہیں ورنہ کلینی اصح الکتب ہے بلکہ سب کتب احادیث ہمارے نزدیک برابر ہیں اور روایتیں انمیں سب طرح کی ہیں اور الحاق بھی کلام اللہ میں اہل سنت ہی کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے اور جسوقت انہوں نے کلام اللہ میں الحاق کر دیا جیسے کہ انکی کتابوں سے ثابت ہے اگر تہذیب اور کلینی میں بھی انہوں نے الحاق کر دیا ہو شیعوں پر اعتراض کرنیکو اپنی مذہب کی تائید کے واسطے تو کیا عجب ہے اور ہم تو الحاق کو کسی طرح سے قائل ہی نہیں ہیں تو بدروغ الحاق کو ہماری طرف منسوب کرتا ہے سنیوں کو قائل ہونا چاہئے کہ انکی کتابوں سے ثابت ہے اور سید باقر داماد علیہ الرحمۃ اسی آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ کو سند گردانتے ہیں عدم الحاق کی چنانچہ حاشیہ قبسات میں لکھتے ہیں وَالذِّكْرُ الْحَكِيمُ هُوَ الْقُرْآنُ الْكَرِيمُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ وَالْمُرَادُ حِفْظُهُ عَمَّا تَطَرَّقَ اِلَى الْكُتُبِ السَّمَاوِيَّةِ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ التَّحْرِيفِ وَالتَّبْدِيلِ بِاَنْ يُزَادَ فِي التَّنْزِيلِ مَا لَمْ يُنْزِلِ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَوْ يُبَدَّلَ اَوْ يُحَرَّفَ مِنْهُ شَيْءٌ اَوْ يُغَيَّرَ حاصل اسکا یہ ہے کہ ذکر حکیم وہ قرآن کریم ہے فرمایا خدا تعالی نے کہ ہم نے ہی ذکر کو یعنی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اسکے نگہبان ہیں اور مراد اسکے حفظ سے اس امر سے ہے کہ جو کتب سماویہ پہلے اس سے تحریف اور تبدیل ہوئی تھی اور ہم نگہبان ہیں قرآن کے اس امر سے کہ زیادہ کیا جائے تنزیل میں وہ کہ جسکو خدا تعالی نے نازل نہیں کیا ہے یا بدل دیا جائے یا تحریف کیا جائے کچھ اسمیں اسکے غیر کے ساتھ ہمارا تو یہ اعتقاد ہے قرآن سے اور تو اسکے خلاف کہاں سے کہتا ہے اور خدا تعالی بیشک صادق الوعدہ اور اپنے وعدہ سے پھرتا بھی نہیں ہے اور اسکو سہو و نسیان و بھول و رجوع بھی نہیں ہے اور نہ وہ سوتا اور اونگھتا ہے یہی اعتقاد ہمارا ہے لیکن واسطے مجادل کے گنجایش ہے کہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن کا غیر معتبر ہونا بھی سنیوں ہی کی کتابوں سے ثابت ہے اسواسطے کہ انکے نزدیک قرآن میں سب طرح کا الحاق ہوا ہے نقصان تو اسمیں کثرت سے ہے اور الفاظ زیادہ بھی اسمیں داخل ہوگئے ہیں اور الفاظ کی تبدیل بھی غیر لفظوں سے ہوگئی ہے اور کاتبوں نے الفاظ غلط بھی لکھکر اسمیں داخل کر دیے ہیں جیسا کہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور بعد رسول خدا صلعم کے وہ قرآن مرتب کونسا تھا کہ عرب اور روم اور ایران وغیرہ میں پھیلا ہوا تھا بلکہ لوگوں کو متفرقات کچھ کچھ یاد تھا اور پوستوں اور تختیوں پر کسی کسی پاس لکھا ہوا تھا کسی کے پاس کوئی آیت تھی اور کسی کے پاس کوئی آیت تھی چنانچہ روضۃ الاحباب وغیرہ میں لکھا ہے جب ابوبکر خلیفہ ہوئے تو عمر کے مشورہ سے بعد انکار کے زید بن ثابت سے جمع کروانا شروع کیا چنانچہ مشکوۃ میں زید سے روایت ہے لیکن وہ قرآن غیر مرتب تھا چنانچہ شیخ عبد الحق دہلوی نے مشکوۃ کی شرح میں لکھا ہے البتہ ابن مسعود اور ابی بن کعب نے

جو قرآن جمع کیا تھا اور رسول خدا صلعم نے اُن قرآنوں ہی پر عمل کرنیکا حکم دیا تھا وہ قرآن مرتب ہو گئی تھی اور عثمان کے جمع کئے ہوئے قرآن پر تو حضرت نے حکم ہی نہیں دیا تھا کہ اُسکا
اُس زمانہ میں موجود ہی نہ تھا چنانچہ استیعاب میں لکھا ہے اور عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت صلعم نے کہ قرآن کو تم چار شخصوں سے لو اور پہلے سب سے ابن مسعود کا نام لیا
اور بعد اُسکے معاذ بن جبل اور ابی بن کعب و سالم مولی ابی حذیفہ کا ذکر کیا اور ایسے ہی تحبیر فی علم التفسیر میں جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے سو یہ سب قرآن اور صحیفے جسقدر کہ تھے
عثمان نے سب کو جلوا دیا اور جس شہر میں کہ تھے وہاں جلانیکا حکم بھیجدیا اور اپنی جمع کی ہوئی قرآن کو باقی رکھا چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ کتب صحاح اہل سنت میں لکھا ہے کہ وَاَمَرَ بِمَا سِوَاہُ
مِنَ الْقُرْاٰنِ فِیْ کُلِّ صَحِیْفَةٍ اَوْ مُصْحَفٍ اَنْ یُّحْرَقَ یعنی اور حکم کیا ساتھ ماسوا قرآن اپنے کے قرآن کو جو کسی صحیفہ یا مصحف میں تھا یہ کہ جلا دیا جائے اور جس قرآنوں کو جلا دیا وہ
ایسے تھے کہ اُنپر ہی حکم عمل تھا اور وہ ہی نمازوں میں پڑھی جاتی تھے اور مشکوٰۃ سے صاحب طعن اللسان نے جواب میں شیعوں کے انس کی روایت لکھی ہے کہ شامیوں پر جب جہاد ہونے
لگا تو حذیفہ بن الیمان پاس جناب عثمان کے جاکر فریاد کرنے لگی کہ یا امیر المومنین لوگوں نے قرأت میں اختلاف ڈال رکھا ہے سو اس امت کو تھام رکھئے کہ یہ اسمیں اختلاف نہ کرنے پاویں
جیسا یہود اور نصاریٰ نے اپنی کتاب میں اختلاف کیا تب جناب عثمان نے اُن صحیفوں کو اُم المومنین حفصہ کے پاس سے منگا لیا اور زید بن ثابت اور عبداللہ بن زبیر اور سعید بن عاص اور
عبداللہ بن حارث کو فرمایا کہ ان صحیفوں کو مصاحف میں لکھو اور عند الاختلاف زبان قریش کو مقدم رکھو کہ قرآن اُنکی زبان پر اُترا ہے پھر جب اُن لوگوں نے اس طرح کیا تب حضرت حفصہ
کا صحیفہ واپس ہو گیا اور اُن مصحفوں میں سے ایک ایک مصحف ہر ایک ملک میں بھیجا اور ماسوا کو علی اختلاف الروایتین جلانے یا پھاڑنے کا حکم دیا انتہی اب میں کہتا ہوں کہ کلام اللہ
میں سے گھٹانا بڑھانا تو درکنار رہا کلام اللہ تو جسقدر کہ پہلے تھی اُن سب کو عثمان نے جلوا دیا اور خود جو کلام اللہ کو جس طرح سے کہ چاہا جمع کیا تھا اُسکو جاری کیا اور جس شہر میں اور جس ملک
پہلے کلام اللہ تھی اُنکو جلوا دیا اور حافظوں کے سینوں سے نکلوا دیا اور حکم کیا کہ وہ قرآن معتبر نہیں ہیں اس میرے قرآن کو یاد کرو اور پہلے قرآنوں میں سے جنکو حرز جان مسلمانوں نے سمجھا تھا اور
مجموعہ ایمان تصور کرکے اُسکی یادگاری اور تلاوت میں مشغول تھے اسمیں سے کوئی عرب میں باقی کہاں روم میں ایران میں بلکہ وہ سب جلوا دیے اور اُنکا نام و نشان باقی نہ رکھا اور خود جو
کلام اللہ کو جمع کرکے جاری کیا اُسمیں پہلے قرآنوں سے کمی و بیشی سب موجود ہی چنانچہ ہم لکھ چکے اور عیاں کو بیان کیا کیا دیکھ لے اپنی کتابوں کو کمی و بیشی لکھی ہے یا نہیں اور حضرت
امام حسن عسکری کی تفسیر جو اس قرآن پر ہے تو وہ اہل سنت کی کمی و بیشی کی روایتوں کو دفع نہیں کر سکتی ہے جو قرآن کہ لوگوں کے پاس موجود ہے اُسکی اُنہوں نے تفسیر کی گو بعضی آیتیں اُسمیں سے
نکلتی ہیں اور زیادتی کو وہ قائل نہیں ہیں اور کلام اللہ کی کوئی آیت اس امر پر دلالت نہیں کرتی ہے کہ کلام اللہ میں کچھ زیادہ اور کچھ کم ہونے پائے اور تبدیل الفاظ کی ہو صرف ایک آیت
انا نحن نزلنا القرآن الخ کو کہتے ہیں سو موافق روایات اہل سنت کے یہ آیت بھی اسپر دلالت نہیں کرتی ہے اگر مراد ذکر سے قرآن لو تو البتہ اسقدر تو درست ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُسکی زوال
کا حافظ ہے کہ اُسکو کوئی زائل اور باطل نہیں کر سکتا ہے اور اسپر یہ آیت دلالت نہیں کرتی ہے کہ کسی طرح کا اُسمیں تغیر نہو اول تو باجماع اہل اسلام اُسکی ترتیب نزول میں تغیر ہے اور سوائے
اُسکے کثرت سے روایتیں اہل سنت کی معتبر کتابوں کی اُسکی کمی و بیشی اور تبدیل الفاظ پر دلالت کرتی ہیں اس صورت میں اگر نحن نزلنا الذکر سے مراد قرآن لیویں تو معنی اُسکے درست نہیں
ہو سکتی بلکہ مراد ذکر سے جناب رسول خدا صلعم ہیں جیسے کہ سورہ طلاق کی آیۃ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ میں مراد ذکر
سے رسول خدا صلعم ہیں ایسے ہی اس آیت میں مراد ذکر سے رسول خدا صلعم ہیں کہ اُنکا خدا تعالیٰ حافظ ہے اور مشرکین و منافقین کے کید سے اُنکو محفوظ رکھتا ہے کہ حضرت کو کوئی آزار
پہنچانے پائے اور اگر ذکر سے مراد قرآن ہو تو عثمان کا مقدور نہ تھا کہ قرآن کو جلا سکتا وہ قرآن کہ جسپر عمل کرنیکا حکم رسول خدا صلعم نے دیا تھا اور فرمایا کہ تم قرآن کو ابن مسعود وغیرہ سے
لو اور وہ ہی قرآن نمازوں میں پڑھی جاتے تھے اور تلاوت کئے جاتے تھے اور خدا تعالیٰ نے جو بخیال وعدہ کیا ہے وہ جناب رسول خدا صلعم کی محافظت کا وعدہ کیا ہے سو حضرت کو
محفوظ رکھا اور دیکھو عثمان نے ابن مسعود اور ابی بن کعب کے قرآن کو جسپر رسول خدا صلعم نے عمل کرنیکا حکم دیا تھا اُسکا بالکل نام و نشان مٹا دیا اور جلا کر خاک کر دیا اور سورتیں کی سورتیں
اور آیتیں کی آیتیں نکال ڈالیں جیسا کہ ہم اہل سنت کی کتابوں سے پہلے اس سے لکھ چکے اور ایسا یہ شیوا قرآنوں کا جلانیوالا اہل سنت ہی کو مبارک ہو جس نے کلام خدا کی کچھ توقیر کی
اور اُسکی اہانت میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا اور ایک عذر نامعقول جو کرتے ہیں کہ اُنمیں آیتیں منسوخ التلاوت تھیں اسواسطے جلایا یہ بھی غلط ہے اسواسطے کہ اگر منسوخ التلاوت ہوتیں تو
اُنپر عمل کرنیکا جناب رسول خدا صلعم حکم کاہیکو دیتے اور منسوخ التلاوت تو کوئی چیز ہی نہیں ہے یہ اصطلاح ہی جدید ہے اور منسوخ التلاوت کہنا تو بالکل غلط ہی ہے اور منسوخ الحکم
اس قرآن مروج میں بھی موجود ہیں اگر یہی مراد ہے کہ منسوخ الحکم آیتیں تھیں سو اسطے جلایا تو ان آیتوں کو بھی جلایا ہوتا کہ جو اس قرآن میں اب منسوخ الحکم آیتیں موجود ہیں سو معلوم ہوا
کہ یہ عذر منسوخ الحکم ہونیکا بھی بیجا ہے اور کوئی بات عثمان کے بچانے کو بن نہیں پڑتی اور کبھی ایک مہمل بات اپنے جی سے ایجاد کرکے کہتے ہیں کہ تفسیر کی عبارتیں اُنمیں ملی ہوئی تھیں
یہ بھی غلط ہے اگر ایسی ہی بات ہوتی تو رسول خدا صلعم اُنپر عمل کرنیکا حکم کاہیکو دیتے اور جب عثمان نے قرآن کو جمع کروایا تو کتنی ہی آیتیں جو اُن قرآنوں میں تھیں وہ اس قرآن میں
[illegible] نہوئے [illegible] پہنتے تو ابن مسعود کے قرآن کی اُس آیت پر عمل کیا ہے کہ جو اس قرآن مروج میں نہیں ہے چنانچہ صیام کفارہ یمین میں جب قرآن ابن مسعود کی آیت

فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ سے تتابع صیام کو واجب جانا ہے حالانکہ اس قرآن مجید میں تتابع کا لفظ نہیں ہے چنانچہ تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے تَوْجِیْہُ الْاٰیَۃِ اَیَّامِ الثَّلٰثَۃِ مُشْتَرِفٌ طَعْنًا
اَبِیْ حَنِیْفَۃَ بِالتَّتَابُعِ تَمَسُّکًا بِقِرَاءَۃِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اس سے معلوم ہوا کہ مذہب ابو حنیفہ کا جو کہ مقتدا ہے ہند کے اہل سنت کا نقصان قرآن کا ہے اور شیعوں پر جو یہ شیخ طعن کرتا ہے طعن اسکا
بیجا ہے اور ہمارے نزدیک تو خدا تعالیٰ بیشک صادق القول ہے اور نہ اسکو سہو و نسیان ہے اور نہ وہ سوتا اور اونگھتا ہے اور سب قبل کلجواب ہم دے چکے کہ جناب رسول خدا صلعم کی حفاظت کا
خدا نے وعدہ کیا تھا سو اسکو پورا کیا اور تم جو ذکر سے مراد قرآن لیتے ہو تو اپنے علما ہی سے پوچھو کہ خدا تعالیٰ نے تو وعدہ قرآن کی حفاظت کا کیا تھا پھر کیا وجہ ہے کہ عثمان نے ان قرآنوں کو جلایا کہ جنکا
حافظ خدا تھا اور سورتیں کی سورتیں و آیتیں کی آیتیں اسمیں سے عثمان نے نکال ڈالیں اور الفاظ کی قرآن کی تبدیل کر دی کیا کچھ قدرت طاقت تھی کہ نعوذ باللہ خدا کی بھی چلنے دی ہاں یہ احتمال
کہ خداوند ذو الجلال وعدہ کر کے پھر گئی یہ بھی محال ہے کہ ایسی تاکیدوں سے وعدہ محکم فرمائے اور پھر پھر جائے اور حفاظت نہ کرے سوا کلام اللہ میں بھی موجود ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اور اگر
کسی سنی عالم کو یہ احتمال پیش آئے کہ جس زمانہ میں عثمان نے کمی بیشی کی ہے اس زمانہ میں خدا تعالیٰ سو گیا ہو اور اپنے وعدہ کو بھول گیا ہو اسکا جواب قرآن میں موجود ہے لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ
اور فرماتا ہے وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا اور فرماتا ہے لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی اس احتمال کو بھی مرتفع کر دیا کہ خداوند کریم نے قرآن کا قصد تو کیا ہو پر تدبیر میں غلطی ہوئی ہو یا بوجہ غلطی قرآن کے بدلے کسی اور
چیز کی حفاظت کر بیٹھے ہوں **قال الشیخ الاشعری** جب یہ سب احتمالات مرتفع ہو چکے تو اب اس غلام خاندان نبوی کہ علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام حضرات شیعہ کی خدمت میں یہ گزارش
ہے کہ بعد اس وعدۂ محکم اور عدم موانع کے جو خداوند کریم سے حفاظت نہو سکی تو بجز اسکے سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے نزدیک خلیفہ ثالث میں نعوذ باللہ من ہذہ الاقوال خدا سے بھی زیادہ
زور اور بل تھا کہ خدا کا ارادہ پیش نہ گیا درحالیکہ تم خلیفہ ثالث کے اسقدر معتقد ہو کہ خدا کو بھی اتنا نہیں سمجھتے تو خلیفہ ثالث ہی کے ساتھ کیوں نہیں ہو لیتے نعوذ باللہ نقل کفر کفر نباشد اگر یہی تمہارے
خیال ہیں تو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہو کے کیا لو گے جبکہ ابتدا تا قیامت کو خلیفہ ثالث تمہیں بھی خدا تعالیٰ کی حفاظت سے نکال کر کبھی کبھی کے بدلے لینے لگے اور خدا کو شیعیان علی سے شرمانا پڑی یا یوں
کہو کہ یہ ہمارا عقیدہ غلط ہے اور کلینی جو تمہارے نزدیک اصح الکتب ہے اسکی یہ روایت سراسر بہتان و دروغ ہے عَنْ ہِشَامِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ اِنَّ الْقُرْاٰنَ الَّذِیْ جَاءَ
بِہٖ جِبْرَئِیْلُ اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ سَبْعَۃَ عَشَرَ اَلْفَ آیَۃٍ یعنی ہشام بن سالم حضرت امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے کہ وہ قرآن جو حضرت جبرئیل رسول صلعم کے پاس لائے تھے اسمیں سترہ ہزار
آیتیں تھیں فقط دیکھئے کہ یہ کلام اللہ جو اب موجود ہے اسمیں قریب چھ ہزار آیتوں کے ہیں تو شیعوں کی اس روایت کے موافق کوئی دو تہائی کلام اللہ چوری گیا اس سے تو بہتر یہی تھا کہ خداوند کریم ذکر کی
حفاظت نہوتی اسکی حفاظت کے بدلے آیتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی بے فکر ہو بیٹھے لیکن بہت ہوتا تو اتنا ہی نقصان ہوتا جتنا تورات و انجیل میں ہوا تھا سو جو لوگ کہ تورات و انجیل
کی تحریف اثبات کیے بیٹھے ہوئے ہیں وہ بھی یوں نہیں کہتے کہ تورات و انجیل میں اتنا کچھ نقصان ہوا ہے بلکہ بعد تحقیق یوں معلوم ہوتا ہے کہ علما یہود و نصاریٰ نے قدر قلیل کمی بیشی کی ہے سو وہ
بھی جہاں کہیں کوئی بات مسلمانوں کے مفید مطلب دیکھی ہے یا کوئی ایسا حکم پایا ہے کہ اسکے مروج رہنے میں امرا کو دشواری ہوتی ہے ایسی جگہ امرا سے کچھ لے دیکر بدل دیا ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال
القصہ حسب قول غیبیہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس اہتمام اور اس انتظام کے کہ قرآن مجید کے خداوند کریم نے خود حفاظت کی قرآن مجید غیر محفوظ اور غیر معتبر ہونے میں تورات و انجیل سے
بڑھ گیا حالانکہ انکا حافظ و محافظ نہ خدا تھا نہ کوئی پیغمبر ہاں علماء دنیا پرست کہ آیات خداوندی کا بیچ دینا اور احکام کا بدل ڈالنا اور تحریف کا کرنا انکا کام ہی تھا اسلئے فقط یہی تھے پڑھانے
والے اور جاننے پہچاننے والے تھے حافظ و نگہبان ہونا کجا شاید اس فرقہ کے نزدیک کلام اللہ کی تورات و انجیل پر بڑھ کر یہی معنی ہیں کہ بے اعتباری میں انسے بڑھا ہوا ہے **اقول** احتمال کوئی
مرتفع نہیں ہوا بلکہ الٹی بلا اہل سنت کے گلے پڑی اور جو اعتراض وہ شیعوں پر کرتے تھے وہ انپر وارد ہو گیا اور شیعہ اس سے بری ہو گئے اور اس شیخ کو غلام خاندان نبی کہنا نہایت بیجا ہے
اسواسطے کہ غلام اپنے آقا کے طریقہ پر چلتا ہے اور یہ انکے طریقہ کو چھوڑ کر انکے دشمنوں کے طریقہ پر چلتے ہیں معاویہ و عمرو عاص کے انکا غلام کہنا چاہئے اور شیعوں کی خدمت میں گزارش
کیا کرتے ہو بلکہ بخاری اور مسلم اور ابن اثیر اور جلال الدین سیوطی و ابن حجر صاحب فتح الباری اور حاکم صاحب مستدرک وغیرہ کی خدمت میں گزارش کرو جو کہ قرآن کی کمی بیشی کی قائل
ہیں اور تبدیل الفاظ قرآن کی روایتیں لکھی ہیں کہ بعد اس وعدۂ محکم اور عدم موانع کے جو خداوند کریم سے حفاظت نہو سکی کہ عثمان نے قرآنوں کو جنکا حافظ خدا تھا جلوا دیا اور اپنی جمع
کئے قرآن میں کمی بیشی کی اور الفاظ کو اسکے بدلوا دیا تو بجز اسکے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے نزدیک خلیفہ ثالث میں نعوذ باللہ من ہذہ الاقوال خدا سے بھی زیادہ زور اور بل
تھا کہ خدا کا ارادہ پیش نہ گیا درحالیکہ تم خلیفہ ثالث کے اسقدر معتقد ہو کہ خدا کو بھی نہیں سمجھتے تو خلیفہ ثالث ہی کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا اور جہاں وہ جائیں گے وہیں تم بھی جاؤ گے
اور ہمارا اعتقاد جو قرآن کی نسبت ہے اسکو ہم بیان کر چکے کہ وہ بہت صحیح ہے اور خدا تعالیٰ کی ہمراہی میں ہمکو درجہ عالیہ حاصل ہونگے اور دائم اسکی حفاظت میں ہیں سو
اور عثمان اس روز ہمکو حفاظت خدا سے کیا نکالیں گے وہ خود ہی اپنی بلا میں گرفتار ہونگے باعث جلانے اور تحریف کرنے قرآن کے اور بدلا لینگے ان سے اصحاب رسول مقبول کے کہ جنکو دنیا
میں آزار پہنچائے ہیں اور خدا تعالیٰ شیعیان علی سے اس روز بہت خوش اور راضی ہوگا کہ وہ دین مستقیم پر قائم رہے ہیں اور عقیدہ تو اپنا ہم بیان کر چکے اور کلینی وغیرہ کی روایتوں کا
جواب یہ سمجھو کہ ایسی روایتیں منجملہ احاد ہیں قابل اعتبار کے نہیں یا ماؤل ہیں اور کلینی کی ایک روایت دروغ ہوگی تو اہل سنت کے محدثین کی سینکڑوں روایتیں دروغ ہو جاینگی اور

کلینی تھے تو نقصان کی روایت لکھی ہے اور جو کچھ باقی رہا ہے یہی ہم کو کافی ہے زیادتی اور بدل جانے الفاظ کی اور کاتبوں کے غلط کر دینے کو تو نہیں لکھا ہے کہ جس سے قرآن کا غلطیوں
شامل ہونا صادق آئے اور قرآن شریف غلط ٹھیر جائے جیسے کہ ہمارے علماء لکھتے ہیں اور صاحب کلینی نے سترہ ہزار آیتوں کا ذکر کیا ہے کا سقدر آیتیں قرآن کی تھیں اور قرآن حال
میں چھ ہزار آیتیں ہیں تو گیارہ ہزار آیتوں کا نقصان اس حساب سے قرآن میں ہوا اور اہل سنت کے علماء تو اس سے بڑھکر لکھتے ہیں چنانچہ تفسیر درمنثور میں جلال الدین سیوطی
لکھتے ہیں عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَا يَقُولَنَّ اَحَدُكُمْ قَدْ اَخَذْتُ الْقُرْاٰنَ كُلَّهٗ مَا يُدْرِيْهِ مَا كُلُّهٗ قَدْ ذَهَبَ مِنْهُ قُرْاٰنٌ كَثِيْرٌ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ قَدْ اَخَذْتُ مَا ظَهَرَ مِنْهُ حاصل یہ ہے کہ ابن عمر سے روایت
ہے کہتا ہے کہ نہ کہے کوئی تم میں سے کہ تحقیق لیا ہے میں نے کل قرآن کو کیا جانے وہ کہ کیا ہے کل تحقیق کہ گیا ہے اسمیں سے قرآن بہت اور لیکن کہے کہ تحقیق لیا ہے میں نے جو کچھ کہ ظاہر تھا اس
سے انتہٰی دیکھو کہ اس روایت میں لکھا ہے کہ قرآن کثیر جاتا رہا ہے اور اطلاق کثیر کا لاکھ آیتوں پر بھی ہو سکتا ہے اور اب موافق قول اس شیخ کے کہنا چاہیے کہ اہل سنت کی روایت کے
موافق اکثر قرآن تو چوری گیا اور جزوی باقی رہا ہے اس سے بہتر تو یہی تھا کہ خداوند کریم ذمہ کش حفاظت ہوتے اُسکی حفاظت کے بھروسے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بے فکر
ہو بیٹھے ورنہ بہت ہوا تو اتنا ہی نقصان ہوتا جتنا توریت و انجیل میں ہوا تھا سو جو لوگ کہ توریت و انجیل کی تحریف کے اثبات کے درپے ہوئے ہیں وہ بھی یوں نہیں کہتے کہ توریت و انجیل
میں اتنا کچھ نقصان ہوا ہے بلکہ بعد تحقیق یوں معلوم ہوتا ہے کہ علماء یہود و نصاریٰ نے قدر قلیل کمی بیشی کی ہے سو وہ بھی جہاں کہیں کوئی بات مسلمانوں کے مفید مطلب دیکھی ہے یا کوئی
ایسا حکم ہوا ہے کہ اُسکے مروج ہونے میں ان کو دشواری ہوئی ہے ایسی جگہ امر اسے کچھ لے دیکر بدل دیا ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال القصہ حسب مقولہ اہل سنت یوں معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس اہتمام
اور اس انتظام کے کہ قرآن مجید کی خداوند کریم نے خود حفاظت کی قرآن مجید غیر محفوظ اور غیر معتبر ہونے میں توریت و انجیل سے بڑھ گیا حالانکہ انکا محافظ خدا تھا نہ کوئی پیغمبر ہاں
علماء دنیا پرست کہ آیات خداوندی کا بیچ دینا اور احکام کا بدل ڈالنا اور تحریف کا کرنا انکا کام ہی تھا فقط پڑھنے پڑھانیوالے اور جاننے پہچاننے والے تھے حافظ و نگہبان ہونا کجا شاید
اس فرقہ اہل سنت کے نزدیک کلام اللہ کی توریت و انجیل سے بڑھکر یہی معنی ہیں کہ بے اعتباری میں اُنسے بڑھا ہوا ہے **قَالَ الشَّيْخُ الْاَشْعَرِي** یہاں علماء شیعہ دو احتمال پیش کریں
تو کریں ایک تو یہ کہ کلام اللہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے دوسرا یہ احتمال کہ غار سر من رای میں حضرت امام مہدی حافظ قرآن موجود ہیں سو اول احتمال کا پوچ ہونا تو ظاہر ہے اول تو یہی کہ
اگر بالفرض اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کا یہی مطلب ہے تو ہمیں کیا ہم سے اس وعدہ کرنے کیا معنے ہمارے مفید مطلب تو یہ بات تھی کہ اس قرآن کی حفاظت کرتے جو ہمارے پاس ہے تاکہ احکام خداوندی
کے معلوم ہونے میں کچھ شک و شبہ نہ رہتا دوسرے وہاں کی حفاظت کرنی کیا ضرورت تھی اگر لوح محفوظ تک کسی بیدین کی دسترس ہوتی تو البتہ حفاظت کا موقع بھی تھا تیسرے آیت
مذکورہ میں اول تنزیل کا ذکر فرمایا بعد اسکے حفاظت کا وعدہ کیا ہے اس ترتیب سے بلاغت شناسان قرآنی کو خود معلوم ہے کہ قرآن منزل کی حفاظت مد نظر ہے نہ کہ اُس قرآن کی
جو لوح محفوظ میں محفوظ ہے چوتھے اگر یہی مطلب ہے تو یہ فضیلت تو توریت و انجیل میں بھی موجود ہے قرآن ہی میں کیا فوقیت ہوئی معہذا یہاں حفاظت کا وعدہ کیا ہے وہاں بچیا
اسکا کیا ثمرہ نکلا پانچویں یہ ہے کہ اس آیت میں اسماء قرآنی میں سے ذکر کو ذکر کیا لفظ قرآن یا کتاب وغیرہ ذکر نہ فرمایا تو بھی اسی غرض سے ذکر فرمایا ہے کہ قرآن میں کمی بیشی تغییر و تبدیل کا کسیکو
احتمال باقی نہ رہے چونکہ یہ بات تمہید طلب ہے تو ہمیں لازم ہے کہ اسکی تمہید بیان کر کے اصل مطلب کو روشن کر دکھلائیں اسلئے یہ گزارش ہے کہ بسبب عبارات اور اوصاف مختلفہ اور حیثیات
متعددہ کی ایک ایک چیز کے متعدد نام ہوا کرتے ہیں اور پھر وہ نام اپنے اپنے موقع پر استعمال ہوتے ہیں ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرنا صحیح نہیں ہوتا مثلاً ایک شخص کسیکا باپ بھی
ہوتا ہے اور کسیکا بیٹا بھی اور علی ہذا القیاس کسیکا بھائی کسیکا بھتیجا کسیکا چچا کسیکا بھانجا کسیکا ماموں ہوتا ہے غرض ایک شخص ہے اور اُسکے القاب بہت ہیں پر وہ سب القاب
یکساں برابر نہیں بولے جاتے اپنے اپنے موقع میں مستعمل ہوتے ہیں بیٹا اپنے باپ کو بیٹا کہکے نہیں پکار سکتا گو وہ کسیکا بیٹا ہے اور اسی طرح باپ بیٹے کو باپ کہکر نہیں پکار سکتا اگرچہ وہ
اپنے بیٹے کا باپ ہے دوسری مثال یہ ہے کہ ایک حاکم کلکٹر بھی ہوتا ہے مجسٹریٹ بھی ہوتا ہے مگر چونکہ کام کلکٹری اور مجسٹریٹی کا مختلف اور جدا جدا ہے تو کلکٹری کے کاغذات میں
بلقب کلکٹر لکھتے ہیں اور مجسٹریٹی کے کام کے کاغذ میں بلقب مجسٹر اور برعکس نہیں کر سکتے اسی طرح قرآن شریف کے بھی بہت سے القاب اور اسماء ہیں اور ہر ایک لقب کا مدار ایک
جدے اعتبار اور نئے نئے اوصاف پر ہے قرآن تو بلحاظ مقروء ہونے کے کہتے ہیں یعنی قرآن کو قرآن اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ اُسکی قرأت کا اتفاق ہوتا ہے اور مصحف اور کتاب بایں لحاظ کہتے ہیں
کہ اسمیں صحف یعنی اوراق ہوتے ہیں اور ان اوراق میں اسکو لکھتے ہیں علی ہذا القیاس ذکر بایں وجہ کہتے ہیں کہ غافلوں اور جاہلوں کے لئے مذکر اور گنہگاروں کے واسطے پند ہے لہذا ہے
یعنی باعث یادگاری باری ہے اور پند خداوندی سو اس لقب کا استعمال جب ہی صحیح ہوگا کہ مقابل میں غافل اور جاہل اور گنہگار ہوں مگر سب جانتے ہیں کہ موصوف بوصف غفلت و جہل
و گناہ اگر ہے تو یہ انسان ہے ملائک ان عیوب سے مبرا ہیں تو جبتک کلام اللہ لوح محفوظ میں تھا اس لقب کا بولنا صحیح نہ تھا کیونکہ اس موقع میں کوئی غافل تھا نہ جاہل تھا نہ گنہگار تھا
وہاں تک اگر رسائی تھی تو فقط ملائک کی تھی سو انکو ان باتوں سے کچھ سروکار ہی نہیں ہاں جب نوبت تنزیل کی پہنچی اور معاملہ حضرت انسان سے پڑا تو البتہ اس لقب کا استعمال صحیح ہوا
کیونکہ غرض انزال و تنزیل سے یہی ہے کہ غافلان نوع بشر کے لیے مذکر اور واعظ ہو پھر جب اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ فرمایا تو ضمیر اسی لفظ کی طرف راجع فرمائی اسلئے لازم پڑا کہ حفاظت بھی اسی

موقع میں ظہور میں آئی کہ جہاں اس لقب کا استعمال صحیح ہو **اقول** شیعہ یہ احتمال ہرگز بیان نہیں کرتے ہیں تو اپنی طرف سے ایجاد کرکے کہتا ہے اور عبث فضول بک کر کاغذ کو سیاہ کرتا ہے اور غار سُر من رای کا جواب تو ہم بعد اسکے دینگے اور لوح محفوظ میں محفوظ رہنے کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ قرآن کثیر جاتا رہا ہے اور سورتیں اور آیتیں اسمیں سے نکلگئی ہیں اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم قرآن کی حفاظت کرنیوالے ہیں کہ اسمیں کسی طرح کی تغییر اور تحریف نہونے پائے اور جسوقت کہ اسقدر اسمیں تحریف ہوئی تو حفاظت اسکی کہاں باقی رہی ہے اور خدا تعالیٰ کا جو وعدہ حفاظت کا تھا وہ وقوع میں نہ آیا تو اس حفاظت کا جواب اہل سنت پیش کریں تو احتمال یہ ہے کہ اس طرح سے کریں کہ وہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے سو اس احتمال کا پوچ ہونا تو ظاہر ہے اول تو یہ کہ اگر بالفرض انا لہ لحافظون کا یہی مطلب ہے تو ہمیں کیا ہمسے اس وعدہ کرنیکے کیا معنی ہمارے مفید مطلب تو یہ بات تھی کہ اس قرآن کی حفاظت کرتے جو ہمارے پاس ہے تاکہ احکام خداوندی کے معلوم ہونے میں کچھ شک شبہ نہ رہتا دوسرے وہاں کی حفاظت کرنیکی کیا ضرورت تھی اگر لوح محفوظ تک کسی بیدین کی دسترس ہوتی تو البتہ حفاظت کا موقع بھی تھا تیسرے آیت مذکورہ میں الخ جو کچھ اس شیخ کا بیان آخر تک ہے وہ ہی ہمارا بیان بعینہٖ ہے مگر لکھنے کی احتیاج نہیں ہے: دریغا وہ عبارت کو اس شیخ نے خارج از مقصود طول دیا ہے قرآن شریف کے القاب بیان کرنے اور اسکی مثالیں لکھنے سے کیا فائدہ ہے اور ذکر مطلق یاد کرنیکو کہتے ہیں تو ضرور نہیں ہے کہ مقابل میں غافل اور گنہگار ہی کے ہو خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا ذُکِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِذَا ھُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ یہاں کونسا مقابلہ گنہگار اور غافل اور جاہل کا ہے اور جسوقت کہ ذکر بمعنی مطلق یاد کردن آیا ہو تو ملائکہ لوح محفوظ میں سے دیکھ کر کیا قرآن کا ذکر نہیں کر سکتے ہیں اور اسکو پڑھ نہیں سکتے ہیں آخر سوائے قرآن کے بہتیری تسبیحیں اور اذکار الٰہی کرتے ہیں یہ بھی سمجھی گناہ اور جہالت کی کیا خصوصیت ہے اور ذکر سے مراد اگر قرآن لیویں اور ضمیر لہ کی اُسکی طرف راجع کریں تو اسقدر معنی آیت کے تو صحیح ہو سکتی ہیں بنظر روایات کتب فریقین کہ خدا تعالیٰ حافظ ہے اسکے زوال اور بطلان کا کہ کوئی اُسکو زائل اور نابود نہیں کر سکتا ہے اور اگر یہ مطلب ہو کہ حافظ ہے اسکی کمی اور بیشی اور تبدیل الفاظ کا تو یہ معنی ہرگز صحیح نہیں تھی واسطے کہ کثرت روایات معتبرہ اہلسنت دلالت کرتی ہیں ان امور پر اور خلف وعدہ الٰہی لازم آتا ہے اور بلاتکلف معنی آیت کے صحیح اور درست اسوقت ہے کہ ذکر سے مراد رسول خدا صلعم ہوں جیسا کہ ہم پہلے اس بحث میں لکھ چکے ہیں کہ ایک آیت میں بھی خدا تعالیٰ نے اُن حضرت کو بلفظ ذکر یاد کیا ہے اور یا یہ کہ مراد ذکر سے تو قرآن ہو اور ضمیر لہ کی جناب رسول خدا صلعم کی طرف پھیری جیسا کہ بعضے لیتے ہیں اور بیضاوی میں بھی لکھا ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ ذکر سے مراد قرآن ہو اور ضمیر لہ کی ذکر کی طرف پھیری ورنہ معتبر روایتوں کو جھوٹا ٹھیراؤ اپنی خلاصی کے لئے **قال الشیخ الاشعری** باقی رہا دوسرا احتمال اُسکا یہ حال ہے کہ اول تو حضرت امام مہدی کا غار سُر من رای میں مخفی ہونا ہے ایک فسانہ غلط ہے جب کلام اللہ کا باوجود اسقدر تواتر کے اعتبار نہ ہو ایسی روایات بے سروپا کا جنکی راوی فقط دو چار شخص ہوں کیا اعتبار اور در صورتیکہ وہ بات بھی قریب قیاس ہو تب تو قابل قبول عقل کسی عاقل کے نزدیک بھی نہیں اور جن روایات سے حضرت امام مہدی کا یہ افسانہ مروی ہے وہ کچھ ایسے ہی ہیں بلکہ اس سے بھی کمتر با اینہمہ یہ بات ہرگز مقصود نہیں کہ حضرت امام مہدی کو کلام اللہ یاد ہو یہ کام تو اہل سنت جماعت کا ہے حضرت امام مہدی کو اپنا تشبیہ کا ہیکو گوارا ہوگا مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ ہاں انکے پاس کلام اللہ ہو اور حضرت امام اُس کلام اللہ کو لیکر اسی اندیشہ سے اس غار میں جا چھپے ہوں کہ مبادا انکے پاس کا کلام اللہ معتقدان خلیفہ ثالث کی نظر پڑ جائے تو البتہ ایک ٹھکانے کی بات ہے لیکن اہل فہم سے سوال یہ ہے کہ یہ احتمال پہلے احتمال سے اسبات میں کیا کم ہے کہ ہمارے حساب سے ویسا ہی لوح محفوظ میں ویسا ہی غار سر من رای میں نقل مشہور ہے ویسا ہی کنواں ویسا ہی کھائی بلکہ بلحاظ وجہ پنجم اُس کلام اللہ کی حفاظت کا وعدہ ہی نہیں جو بزعم شیعہ حضرت امام کے پاس ہو اہل فہم کے نزدیک اسکا ذکر کہنا ہی صحیح نہیں ذکر کہنا تو جب صحیح ہو کہ امتی اُسے پڑھیں پڑھائیں غار سر من رای میں کون جائے اور کون اُس سے فائدہ اٹھائے بلکہ وعدہ تو اسی کلام اللہ کی حفاظت کا ہے کیونکہ اسکا ذکر ہونا ظاہر ہے پھر حضرت امام کا کلام اللہ اگر اسی کلام اللہ کے موافق ہے تو خیر ہا ورنہ اس صورت میں حضرت امام ہی کا کلام اللہ غلط ہوگا بالجملہ ایسے لغویات کو خداوند کریم کی طرف نسبت کرکے سفت دین اسلام کو بٹا لگاتے ہیں سبحان اللہ عجب تماشا ہے کہ جناب باری نے وعدہ حفاظت تو اسلئے کیا تھا کہ امت محمدی کو کل کو دربارۂ علم احکام کچھ دقت پیش نہ آئے دین محمدی میں کوئی رخنہ نہ پڑے یہ دین قیامت تک برابر روشن رہے مگر افسوس کہ تا ہم وہی خرابی کی خرابی برسر ہے نعوذ باللہ غار سر من رای میں محفوظ ہو گئے یعنی ہوئی کہ خداوند کریم حفاظت کے وقت اتنا بھی نہ سمجھے کوئی اجنبی آدمی سنیگا تو کیا کہیگا ہماری صلاح یہ ہے کہ اسبات کو شیعہ کسی نصرانی یہودی کے سامنے تو زبان پر بھی نہ لائیں ہمارے سامنے کہیں تو شاید ہم بپاس اتحاد کلمہ گوئی یوں سمجھکر کہ شیعوں کی خفت فی الجملہ اپنی ہی خفت ہے سکوت بھی کر جائیں کیونکہ اول تو یہودیوں کو اس قسم کے خرافات سنکر اسبات کے کہنے کی گنجائش ملیگی کہ ہماری توریت بھی آخر لوح محفوظ میں محفوظ ہے

اقول حضرت امام مہدی علیہ السلام کا غار میں مخفی ہونا غلط نہیں ہے بلکہ بہت صحیح ہے اسواسطے کہ انکے موجود ہونے پر دلالت کرتی ہیں روایات فریقین چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور کچھ اور بھی بیان کرینگے اور کلام اللہ کو ہم تو نہایت معتبر جانتے ہیں اور اگر غیر معتبر ہے قرآن تو موافق روایات اہل سنت کے ہے کہ اسمیں کمی اور بیشی اور تبدیل الفاظ اور غلطی کا تبین ہوئی اور راوی امام مہدیؑ کے پیدا ہونے کے دو چار نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے معتبر علماء اہل سنت کے ہیں اور قیاس کو یہاں کچھ دخل نہیں ہے اور قیاس تیرا

باطل ہے کہ تو منکر قدرت خدا ہے اور قیاس تیرا ایسا ہے جیسے کہ کفار کہتے تھے قیامت کے مقدمہ میں کہ جسوقت مر کر خاک ہو جائینگے تو بھلا پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس
خاک کے ریزوں کو جمع کر کے خدا تعالیٰ پھر زندہ کرے ایسا ہی تیرا قیاس امام مہدیؑ کے مقدمہ میں ہے کہ تیرے قیاس میں نہیں آتا ہے کہ امام مہدیؑ پیدا ہو کر غار
میں مخفی ہوئے ہوں سو حضرت امام مہدیؑ بیشک پیدا ہوئے اور غار سر من رای میں جا کر آدمیوں کی نظروں سے غائب ہوئے اور اس غار میں سے نکلکر جس جگہ کہ انکو خدا تعالیٰ لیگیا
وہاں چلے گئے اور اب موجود ہیں اور بعض اولیا اہل سنت کو انکی ملاقات سے شرف بھی حاصل ہوا ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور دلالت کرتی ہے انکے وجود پر حدیث ثقلین
اور وہ حدیث کہ حضرت نے فرمایا تھا میری اہل بیت امان ہیں اہل ارض کی کہ عترت رسول خدا صلعم میں سے قیامت تک کوئی شخص موجود ہونا چاہیے اور شیخ محی الدین عربی
نے فتوحات مکیہ میں باب ۳۶۶ میں لکھا ہے کہ اِنَّ لِلّٰہِ خَلِیْفَۃً یَخْرُجُ مِنْ عِتْرَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلعم مِنْ وُلْدِ فَاطِمَۃَ اِسْمُہٗ اِسْمُ رَسُوْلِ اللّٰہِ جَدُّہُ الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ یعنی خدا کے
واسطے ایک خلیفہ ہے کہ خروج کریگا عترت رسول خدا صلعم میں سے اولاد فاطمہؑ سے کہ نام اسکا نام رسول خدا صلعم ہے دادا اسکا حسین بن علی بن ابیطالب ہے اور کتاب الیواقیت و
الجواہر میں امام مہدی علیہ السلام کے حال میں لکھا ہے کہ وہ اولاد امام حسن عسکری علیہ السلام سے ہے اور پیدائش اسکی نیمہ شعبان میں ہے ۲۵۵ ہجری میں اور وہ باقی ہے
یہانتک کہ جمع ہو عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ایسی ہی خبر دی ہے شیخ حسن عراقی نے اور حال خروج کا ان حضرت کے مفصل و مشرح تحریر کیا ہے اور لواقح الانوار میں بھی ایسا ہی
لکھا ہے اور شیخ عبد الحق نے رسالہ مناقب ائمہ اطہار میں حال امام مہدی اور ولادت اس جناب میں لکھا ہے کہ حکیمہ کہتی ہے کہ ابو محمد حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے پاس گئی میں
اور ایک مولود کو انکے پاس دیکھا میں نے زرد کپڑے میں لپٹا ہوا اور اسمیں ایک ایسا نور اور عظمت دیکھی میں نے کہ دل میرا اسمیں گرفتار ہو گیا میں نے کہا کہ اے آقا آپکو اس مولود مبارک
کے حال کا کچھ علم ہے کہ مجھ کو اس سے خبر دو فرمایا کہ اے عمہ یہ مولود وہ منتظر ہمارا ہے کہ ہمکو بشارت اسکی دیگئی تھی اور روضۃ الاحباب میں امام دوازدہم حضرت امام مہدیؑ کے
حال میں مذکور ہے کہ وہ امام ذوی الاحترام کنیت اور نام میں جناب رسول خدا علیہ و علی آلہ تحف الصلوۃ والسلام کے موافق ہے اور مہدی اور خلف صالح اور صاحب الزمان
اسکے القاب میں منتظم ہے اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ واہب العطایا نے مثل حضرت یحییٰ کی حالت طفولیت میں اسکو حکمت کرامت فرمائی اور یہ بھی لکھتے ہیں صاحب روضۃ الاحباب کے
سرداب سر من رای میں نظر سے آدمیوں کی غائب ہوا اور سبط ابن جوزی تذکرہ خواص الامۃ فی معرفۃ الائمہ میں امام مہدی کے حال میں لکھتے ہیں کہ ھُوَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ
عَلِیِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ مُوْسٰی بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَ کُنْیَتُہٗ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ وَ اَبُو الْقَاسِمِ وَ ھُوَ الْخَلَفُ الْحُجَّۃُ صَاحِبُ الزَّمَانِ الْقَائِمُ الْمُنْتَظَرُ الْبَاقِیْ وَ ھُوَ اٰخِرُ الْاَئِمَّۃِ
اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں اور عبد اللہ بن محمد بن یوسف شافعی نے کتاب البیان میں اور کمال الدین بن طلحہ شافعی نے کتاب مطالب السئول میں اور شیخ نور الدین
نے فصول مہمہ میں اور ملا جامی نے شواہد النبوۃ میں اور محمد پارسا نے فصل الخطاب میں اور سوا انکے اکثر علما اہل سنت نے حال امام مہدی میں کہ وہ موجود اور قائم ہیں لکھا ہے
اور متعصبین انکے مثل ابن حجر اور صاحب تحفہ اثنا عشریہ کے انکار کرتے ہیں اور اسقدر روایتیں اہل سنت کے علما کی حضرت امام مہدیؑ کے مقدمہ میں ہم نے بیان کیں کہ وہ
قائم اور موجود ہیں اب معلوم نہیں کہ یہ علما تیرے نزدیک مکار ہیں یا معتبر ہیں اور تو یہ جانتا ہے کہ جیسے کہ حضرت عمر کو کلام اللہ یاد نہوا اور بارہ برس کے عرصہ میں بدشواری تمام
ایک سورۂ بقر یاد ہوا ایسے ہی امام مہدیؑ کو بھی یاد نہو گا یہ بات نہیں ہے بلکہ قرآن تو امام مہدیؑ کے واسطے ہے اور امام مہدی قرآن کے واسطے کہ انکے دادا کے حق میں
رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ اور اسی طرح سب ائمہ کا حال ہے حضرت امام مہدیؑ تک کہ جو تفسیر قرآن کی ہے وہ انکے ہی پاس ہے پھر یہ کیونکر ہو سکتا
ہے جو کہ صاحب قرآن ہو اسکو قرآن یاد نہو اور قرآن کے حفظ کا حال ہم پہلے اس سے مفصل بیان کر چکے ہیں اور حافظ قرآن کے شیعہ بھی ہیں اور سنی بھی لیکن اہل سنت کے
اس ملک میں کثرت ہے اسواسطے حافظ بھی انمیں زیادہ ہیں اور یہ جو کہتا ہے کہ شیعوں میں کوئی حافظ نہیں ہوتا اور حفظ کرنا قرآن کا شعار اہل سنت کا ہے غلط کہتا ہے اور جھوٹ بولکر
لعنت خدا میں گرفتار ہوتا ہے اگر حفظ قرآن کا خاصہ اہل سنت کا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ سب سنی حافظ ہوتے اور انمیں بھی بعض بعض ہی حافظ ہیں اور لاکھوں سنی ایسے ہیں کہ
قرآن کو جانتے بھی نہیں اور ایسے ہی شیعہ ہیں کہ انمیں بعض بعض حافظ ہیں اور اکثر حافظ نہیں ہیں اور اگر اہل سنت نے طوطے کی طرح قرآن کے الفاظ کو یاد کر لیا تو ایسا ہے کہ جیسے
کسی نصرانی نے یاد کر لیا اور جسوقت کہ سفینۂ اہل بیت سے خارج ہوئے تو انکو قرآن کے الفاظ کی حفظ کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہے مثل نصرانیوں کے اور مشابہت تو حفظ قرآن میں
اہل سنت سے اسوقت ہو جسوقت کہ حفظ قرآن اہل سنت کے مذہب میں داخل ہو اور شیعوں کے مذہب میں داخل نہو اور سنیوں کے مذہب میں اسکے حفظ کا ثواب ہو اور شیعوں کے نزدیک
اسکا حفظ کرنا مذموم ہو اور حال یہ ہے کہ حفظ قرآن کی ثواب کی روایتیں شیعوں کی کتابوں میں کثرت سے موجود ہیں اور عین مذہب انکا ہے یہ تشبیہ کا ذکر کرنا ایسا ہے جیسے کہ کوئی کہے
کہ اہل سنت خدا تعالیٰ سے اور رسول خدا سے کاہیکو اعتقاد رکھیں گے کہ انکو تشبیہ شیعوں کے ساتھ ہو جائیگا اور وہ کلام اللہ بھی اگر امام مہدی کے پاس موجود ہو تو کیا اشکال ہے
اور اسی اندیشہ سے اس قرآن کو اگر ہمراہ اپنے لیگئے ہوں کہ معتقدان عثمان اسکو دیکھکر کچھ تکرار نکریں تو کیا تعجب ہے کہ جو قرآن کہ صحیح اور کامل تھا اور رسول خدا صلعم کے زمانہ میں جمع

جو ہوتے تھے اور جناب رسول خدا صلعم نے اُن پر عمل کرنیکا حکم دیا تھا اُنکو جلا کر خاک کر دیا اپنے جمع کئے ہوئے قرآن کے جاری کرنیکی غرض کے واسطے تو اس قرآن کو کون سلامت رکھتا اور جمع کرنا حضرت علیؑ کا قرآن کو موافق ترتیب نزول کے اہل سنت کی کتابوں سے ثابت ہے اور جن قرآنوں کو عثمان نے جلوایا ہے انمیں اُسکا ذکر نہیں ہے پھر وہ قرآن کہاں گیا اور قرآن کا جمع کرنا تو ثابت ہے لیکن یہ کسی نے نہیں لکھا ہے کہ اُسکو حضرت علیؑ نے دفن کر دیا یا دھو ڈالا یا مثل عثمان کے جلا دیا کتابوں میں اہل سنت کی اسیقدر ہے کہ اُسکو حضرت علیؑ نے جاری نہیں کیا بسبب اختلاف کے کہ اسلام میں دو قرآن مختلف ہوتے پھر وہ قرآن کہاں گیا اور ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے اُس قرآن کو لوگوں کے روبرو ظاہر کیا تو عمر نے کہا کہ ہمکو تیرے قرآن کی حاجت نہیں ہے فرمایا کہ پھر اس قرآن کو نہ دیکھوگے یہانتک کہ خروج کرے فرزند میرا مہدی علیہ السلام اور جمع کرنا حضرت علیؑ کا قرآن کو اہل سنت کی کتابوں سے ثابت ہے چنانچہ تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ لعن العلماء الرابعین فی الشیخین المشائخ بن والزہا للّٰہ کو کین الخطاب المعروف و احد من جمع القرآن و عرضہ علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ نے قرآن کو جمع کر کے رسول خدا صلعم کو بھی سنا دیا تھا اور شیخ عبدالحق دہلوی نے شرح مشکوۃ میں فضائل قرآن میں لکھا ہے کہ آوردہ اند کہ امیر المومنین علیؑ نیز جمع کرد قرآن را بر ترتیب نزول و گفتہ اند کہ اگر آں مصحف معمول شدے و مشہور گشتے علم کثیر ازاں حاصل شدے کہ معرفت ناسخ و منسوخ است و ماناکہ وی رضی اللّٰہ عنہ ترس اختلاف امر بر وے کار نیاورد و تابعہ عالم بر یک نہج باشند انتہے اور ایسے ہی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ مروی ہے جناب امیر سے کہ جمع کیا ہے اُس حضرت نے قرآن کو ترتیب نزول پر کہ اُس سے ناسخ و منسوخ معلوم ہوتا ہے اور اگر وہ قرآن معمول و مروج ہوتا تو تحقیق بہت علم اُس سے ظاہر ہوتا اور استیعاب میں لکھا ہے اور ابن سیرین سے روایت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے قرآن کو موافق نزول کے لکھا ہے اور اگر ہاتھ آتا وہ قرآن تو اُس سے علم کثیر حاصل ہوتا اور جلال الدین سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے فمنہم من رتبہا علی النزول و ہو مصحف علی کان اولہ اقرأ ثم المدثر ثم ن ثم المزمل الخ یعنی پس بعض اُنمیں سے وہ ہیں کہ مرتب کیا ہے اُنہوں نے قرآنوں کو نزول پر اور وہ مصحف علیؑ کا ہے کہ تھا اول اُسکے سورہ اقرأ پھر مدثر پھر نون پھر مزمل الخ اور سوا اسکے بہت کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے قرآن کو جمع کیا ہے اور تاریخ الخلفاء سیوطی میں ابو الطفیل سے روایت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ بخدا کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ میں خوب جانتا ہوں اُسکو کس چیز میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی اور کسکے حق میں نازل ہوئی تحقیق کہ میرے پروردگار نے مجھکو دل دانا اور زبان گویا دی ہے اور یہی صواعق محرقہ میں اور اتقان سیوطی میں ہے اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کے حال سے جیسے حضرت علیؑ واقف تھے دوسرا کوئی ایسا واقف نہ تھا پس جس وقت کہ ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ نے قرآن کو جمع کیا ہے کہ وہ موافق نزول کے تھا اور کامل اور بسبب خوف اختلاف امت کے اُسکو جاری نہ کیا تو وہ قرآن اُنکی اولاد طاہرین کے پاس رہا یہانتک کہ حضرت امام مہدیؑ کو پہنچا اور جس وقت کہ اُنکو حکومت و شوکت حاصل ہوگی تو وہ اُس قرآن کو جاری کرینگے اور تمام قرآن اُسکے مطابق کر دیے جائینگے نہ یہ کہ جلائے جائیں جیسے کہ عثمان نے اپنے جمع کئے ہوئے قرآن کے جاری کرنیکے واسطے سب قرآن جلوا دیے اور جس وقت کہ بخوف اختلاف امت اور عداوت و تعصب مطیعان عثمان وہ قرآن جاری نہونے پایا تو امام مہدیؑ کے خروج کرنے سے پہلے ہمکو اسی قرآن موجود پر عمل کرنیکا حکم ہے جو کہ اس زمانہ میں پایا جاتا ہے اور یہ جو کہتا ہے کہ جیسا امام غائب ہے ویسا ہی غار سرمن رای میں تو ہم کہتے ہیں کہ جس قرآن کی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا اور جناب رسول خدا صلعم نے اُس پر عمل کرنیکا حکم دیا تھا وہ قرآن تو ابن مسعود اور ابی ابن کعب کا تھا اور عثمان کے جمع کئے ہوئے قرآن کا حضرت کے زمانہ میں وجود بھی تھا اور نہ اسکی حفاظت کا وعدہ اور اُس پر عمل کرنیکا حکم تھا کہ بعد عمر دراز کے عثمان نے ناقص ہی جمع کر لیا ہے موافق روایات اہل سنت کے اب کہو کہ وہ قرآن کہاں ہیں جنکی حفاظت کا وعدہ اور جن پر عمل کرنیکا حکم تھا اُنکو تو جلا دیا سو جس قرآن کی حفاظت کا وعدہ تھا اُس سے تو سرمن رای ہی کی قرآن کو اولویت حاصل ہے کہ نفس الامر میں اُسکا وجود تو ہے اور جس قرآن کی حفاظت کا وعدہ تھا اُسکا تو وجود ہی باقی نہیں ہے اور نہ کوئی اُسکو پڑھتا ہے نہ پڑھاتا ہے کہ وہ تو جلا دیا گیا اور عثمان کا جمع کیا ہوا قرآن ہرگز موعود حفاظت نہیں ہو سکتا اسواسطے کہ یہ قرآن اُس وقت میں موجود نہ تھا اور اہل سنت کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عثمان نے اپنی خلافت میں بعد حذف اکثر آیات اس قرآن کو جمع کیا ہے یہ تو ایسا ہی کہ جیسے اب کوئی اس قرآن میں سے کچھ آیتیں نکالکر اور کچھ آیات متروکہ اُسمیں ملا کر ایک قرآن کو جمع کر لے اور اگر اس قرآن جمع کئے عثمان کی حفاظت کا وعدہ ہے کہ اس قرآن میں سے کوئی کسی آیت کو کم نہیں کر پاتا اور نہ اُسمیں زیادہ کر سکتا ہر چند کہ یہ بات نامعقول ہے لیکن اُسمیں تو کسیکو نزاع ہی نہیں ہے اور یہ کون کہتا ہے کہ عثمان کے جمع کئے ہوئے قرآن میں سے آیتیں نکال ڈالی ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ عثمان نے قرآن کو جو جمع کیا تو بہت سی آیتیں اُسمیں داخل نہیں کی ہیں اور قرآن کو جو جمع کیا تو بے ترتیب اور کمی اور زیادتی اور تبدیل الفاظ کے ساتھ جمع کیا ہے جسپر دلالت کرتی ہیں روایات کتب اہل سنت اور وجہ پنجم تو بالکل باطل ہے اور ایک نامعقول سی بات ہے اور اگر وعدہ حفاظت صحیح ہے تو اُسی قرآن کا ہے کہ جو حضرت صاحب الزمان کے پاس ہے کہ وہ قرآن کامل اور پورا ہے اور کسیکا دست تصرف اُس پر نہیں پہنچا اور تجھکو یہ کیا معلوم ہے کہ وہ قرآن پڑھنے میں نہیں آتا اور پڑھنے پڑھانے پر کچھ موقوف ہی نہیں ہے جو کہ پڑھے پڑھائے جاتے تھے اور جنکی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا وہ ہی جلائے گئے اب اُن قرآنوں کو کون پڑھتا ہے اور کون اُن سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور اب پڑھنے پڑھانیکے واسطے یہ قرآن موجود ہی کفایت کرتا ہے

اسکے پڑھنے سے بھی ثواب حاصل ہی مالایدرک کلہ لایترک کلہ اور جسقدر کہ باقی اور موجود ہی اسی پر ہمارا اعتقاد ہی اور ہماری ایمان ہی تو داخل ہی اور عثمان کے جمع کئی ہوئے
قرآن کی حفاظت کا وعدہ ہرگز نہیں ہی جیسا کہ ہم کہہ چکے کہ یہ قرآن اُسوقت جمع ہوکر وجود میں آیا تھا اور اگر اسکی ہی حفاظت مراد ہی کہ اب اس قرآن میں کوئی کم و
زیادہ نہیں کرسکتا تو اسمیں کسیکو بحث ہی نہیں ہے اور نہ ذکر تو ان قرآنوں کا بھی ہوا کرتا تھا جو کہ جلائے گئے ہیں اور تراویح میں وہ ہی پڑھے جاتے تھے پھر وہ محفوظ کیوں نہ ہی
اور یہ ہم پہلے ہی سے اہل سنت کی کتابوں سے لکھ چکے کہ قرآن امام علیہ السلام کا کامل موافق تنزیل کی تھا کہ جس سے کثرتِ علوم ظاہر ہوتی ہی اور قرآن جمع کیا ہوا عثمان کا ایسا نہیں ہے
لیکن اُسکو ہم غلط نہیں کہہ سکتے ہیں جیسا کہ تونے حضرت علیؑ کے جمع کئی ہوئے قرآن کو غلط لکھ دیا ہی اور ہمارا اعتقاد تو سب قرآنوں سے ہی اسی سے اور جو کہ جلائے گئی اُنسے سب
اور ہم سب کو منزل من اللہ جانتے ہیں اور جسوقت کہ تیری نزدیک قرآن کا جلادینا جائز ہی تو غلط کہنے میں اُسکے کیا پروا ہے اور مطابق نہونا اس قرآن کا امام علیہ السلام کے قرآن کی
ترتیب میں اور بعض بعض آیات کی کم و زیادہ ہونے میں تیری ہی علما لکھتے ہیں اور ایسے لغویات کو خداوند کریم کی طرف نسبت کرکے تیری علما اپنے دین کو بٹا لگاتے ہیں اور ہم اپنا اعتقاد
تو پہلے اس سے بیان کرچکے ہیں اس کلام اللہ کی نسبت کہ قرآن منزل من اللہ ہی ہی لیکن روایات اہل سنت کو دیکھکر اس شیخ کے اقوال کے رد میں ہم کہتے ہیں کہ: اللہ تعالی نے حفاظت
قرآن کا وعدہ ہی نہیں کیا ہی بلکہ جناب رسول خدا صلعم کی محافظت کا وعدہ کیا تھا سو حضرت کو محفوظ رکھا اسواسطے کہ مراد ذکر سے آیۃ انا نحن نزلنا میں رسول خدا صلعم ہیں اور
اگر ذکر سے مراد قرآن ہو تو ضمیر لہ کی رسول خدا صلعم کی طرف راجع ہوگی اور اگر اس صورت میں بھی ضمیر لہ کی قرآن کی طرف پھر گئی تو مراد اُس سے یہ ہوگی کہ خدا تعالی اسکے زوال
اور بطلان کا حافظ ہی کہ کوئی اسکو باطل نہیں کرسکتا اور اگر یہ مراد نہیں ہو سکتی ہی کہ اسمیں کسی طرح سے تغیر نہونے پائے اور اگر یہ مراد ہوتی تو اسقدر اُسمیں نقصان نہونے پاتا اور
روایات کتب اہل سنت کثرت سے اُسکے نقصان پر دلالت کرتی ہیں اور وہ روایتیں سب کی سب دروغ نہیں ہوسکتیں اور غار سر من رای میں محفوظ ہونے کی وجہ یہ ہے
کہ جو قرآن کامل تھی اور اُسمیں سب احکام تھے انکو تو عثمان نے جلادیا اور یہ ایک قرآن کامل جو باقی رہا تھا یہ قرآن بسبب جاری ہونے قرآن ناقص عثمان کے جاری نہونے پایا یا خوف اختلاف
سے کہ دو قرآن مختلف جاری ہونے سے تو صورت اختلاف کی پیدا ہوتی چنانچہ شیخ عبد الحق دہلوی نے لکھا ہی اور حضرت علیؑ کا جمع کرنا قرآن کو روایات اہل سنت سے ثابت ہے اور یہ نہیں ہوسکتا
تھا کہ قرآن کامل جو حضرت علیؑ نے جمع کیا تھا تو اسکو وہ ضائع کردیتے وہ اُنکی اولاد کے پاس ہے رہا یہ وجہ ہے قرآن کی محفوظ ہونے کی غار میں اور تا خروج امام زمان اس قرآن موجودہ پر
عمل کرنیکا حکم ہوا کہ گو اسکو عثمان نے جمع کیا ہی آخر کلام خدا ہی کلام عثمان نہیں ہے اور خرابی کی خرابی باقی ہی اور اگر عثمان اُن کامل قرآنوں میں سے کسیکو جاری کرتے تو کچھ دقت
نتھی اور اب جسقدر دقت پیش آئی ہی اور رخنہ پڑا ہے عثمان کی جہت سے ہی کہ اُس نے کامل قرآنوں کو جلا کر اپنا قرآن ناقص جاری کیا اور درصورت فرض اگر خدا تعالی نے
وعدہ قرآن کی حفاظت کا کیا ہی تو حفاظت اُسکی وقوع میں آئی جہاں کہیں کہ قرآن ہو اور یہودی اور نصرانی اور اجنبی آدمی اگر کچھ کہیں گے تو عثمان کو کہینگے کہ وہ کیسا
مسلمان تھا کہ جس نے قرآن جلا دیے اور خود جو قرآن جمع کیا تو وہ ناقص ہے اور ہم پر تو سنّی مسلمان تحریف کا اعتراض کرتے تھے اور اُنکے یہاں تحریف اور جلانا دونوں ثابت ہیں
سواس ماتہ کی نصرانی مسلمانوں پر تحریف کا تو اعتراض کرتے ہی ہیں اور اپنے رسالوں میں لکھتے ہیں اور سر من رای میں ہونیکا کوئی اعتراض نہیں کرتا ہی اور جسوقت کہ
عثمان نے قرآن جلا دیے اور تحریف کی تو نعوذ باللہ اسکے یہ معنی ہوی کہ خداوند کریم حفاظت کیے وقت اتنا بھی نہ سمجھے کہ کوئی اجنبی آدمی سنیگا تو کیا کہیگا کہ یہی وعدہ حفاظت کا تھا
ہماری صلاح یہ ہی کہ اہل سنت اپنی کتابوں میں سے اُن روایتوں کو نکالڈالیں اور کسی یہودی نصرانی کو نہ دکھلائیں اور اگر ہم دیکھیں تو شاید بپاس اتحاد کلمہ گوئی یوں سمجھکر
کہ سنیوں کی خفت فی الجملہ اپنی ہی خفت ہے سکوت بھی کر جائیں کیونکہ اول تو یہودی کو اس قسم کے خرافات سنکر ایسا بات کہنے کی گنجائش ملیگی کہ ہم پر تو صرف تحریف کا اعتراض
کرتے تھے اور انہوں نے تو تحریف بھی کی اور قرآنوں کو بھی جلادیا **قال الشیخ الاشعری** سواے اسکے سورۂ احقاف سے یوں معلوم ہوتا ہی کہ جنات کے پاس توراۃ بجنسہ موجود تھی اور
اُسمیں بنی آدم کی طرح اُنہوں نے کچھ تغیر و تبدیل نہ کی تھی ورنہ یوں نہ کہتے اِنَّا سَمِعْنَا کِتَابًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ یعنی بیشک ہمنے سنی ہی ایک کتاب
جو نازل کی گئی ہی موسی کے بعد تصدیق کرنیوالی ہی اُس کتاب کی جو اُس سے پہلی ہے یعنی توراۃ کی تصدیق کرتی ہی سو بات کا یقین کہ کلام اللہ توراۃ کی تصدیق کرتا
ہے جبھی ہوسکتا ہی کہ انکو توراۃ کے بجنسہ ہونیکا یقین ہو یا کلام اللہ توراۃ محرف کا مصدق ہو سو دوسرا احتمال تو شیعوں کے نزدیک بھی غلط ہی کیونکہ جنات نے جو کلام اللہ سنا تھا تو پیغمبر خدا صلعم
سے سنا تھا حضرت عثمان سے یا ایسے ہی کسی اور سے نہ سنا تھا اور اگر یہودیوں کی پرخاش کا کچھ اندیشہ نہو اور یہ سمجھکر کہ کچھ توراۃ بجنسہا باقی ہو اور فقط اُسمیں تحریف نہونیکا انکو ایسا
یقین ہو جیسے امامیہ کو الحمد اور قل ہو اللہ کے بجنسہ ہونیکا یقین ہے فخریہ یوں کہنے لگیں کہ ہمارا قرآن تو سر من رای میں محفوظ ہی تمہاری توراۃ بتلاؤ کہاں محفوظ ہی یا اتفاقات سے
وہ آیات سنی ہوں جو توراۃ کی اُن عبارات کے جواب تک صحیح سالم ہیں موافق اور مطابق ہیں اور فقط اسی توافق اور تطابق کی باعث اُنہوں نے کلام اللہ کو مصدق توراۃ سمجھا ہو
تو اس صورت میں ہوسکتی ہی کہ توراۃ محرف بھی ہو اور کلام اللہ غار سر من رای میں محفوظ ہو اور اسوجہ سے کلام اللہ کو توراۃ پر فوقیت ہو اور یہودی یہ شرمائیں لیکن قطع نظر اسکے کہ

یہ فوقیت کس درجہ کی ناکارہ فوقیت ہے مشکل ہی رہیگی یہودیوں سے یا لاجیت بھی گئی تو انگریزوں سے کس منہ سے بات کرینگے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حافظ انجیل باتفاق شیعہ وسنی
آسمان چہارم پر زندہ موجود ہیں غار سُر من رای میں تو حضرت امام کو اسبات کا بھی شاید اندیشہ ہو کہ مبادا کوئی معتقد خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ پھر تا پھرتا یہاں آنکلے اور انکی کلام اللہ کو چھپکر
جلا دے یا معاذ اللہ دشمنان امام کو شہید کریں اور جو مصلحت کہ اخفا اور اختفا ہی تھی ہاتھ سے نکل جائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بے کھٹکے ہیں جو تھے آسمان تک کسکا مقدور جو جا کر چھینے ہاں البتہ
ایک بات ہو سکتی ہے کہ اُسنے یوں کہا جائے حضرت عیسیٰ کا اول تو حافظ انجیل ہونا غیر مسلم مگر یہی بعینہٖ احتمال نسبت حضرت امام موجود ہے بلکہ بدرجہ اول کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر خود انجیل نازل ہوئی
انکا یاد نہونا نہایت مستبعد بخلاف حضرت امامؑ کے کہ قرآن اُنپر نازل نہیں ہوا ہے ہذا کلام اللہ کے یاد ہونے میں اہل سنت کی مشابہت لازم انجیل کے یاد ہونے میں کوئی خرابی نہیں دوسرے مانا
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل بھی ہونگے اور انکو انجیل بھی یاد ہو لیکن چونکہ انجیل منسوخ ہو چکی ہے تو بعد نزول حضرت عیسیٰ وہ یاد ہونا کچھ مفید نہو گا بخلاف حضرت امام کے کہ اُنکا کلام اللہ کا یاد رکھنا
بعد انکے خروج کے کام دیگا اور شیعیان علی کو جو مدت دراز سے بناچاری بیاض عثمانی پر عمل کرتے ہیں کلام اللہ اصلی ہاتھ آئیگا اور تمنای دیرینہ پوری ہوگی **اقول** اس قول
میں اول سے آخر تک جو کچھ لکھا ہے سب فضول ہے اور کوئی مطلب کی بات اور مفید نہیں ہے اسکا جواب کیا ہو کہ خیالات واہیہ اپنے دل سے جوڑکر کاغذ کو سیاہ کیا ہے اور تسلیم کیا ہمنے کہ یہودیوں
کے پاس توریت بجنسہا موجود ہوگی کہ جسمیں کسی نے تحریف نہ کی ہوگی اور کلام اللہ اُس توراتِ صحیحہ کی تصدیق بھی کرتا ہے نہ توراتِ محرفہ کی اور رسول خدا صلعم ہی سے جنہوں نے قرآن کو سُنا
تھا نہ عثمان سے پھر نتیجہ اسکا کیا ہوا اور یہودیوں کی یہ خواہش کا اندیشہ اگر ہے تو اہل سنت کو ہے کہ یہودی کہتے ہیں کہ تم ہمپر تحریف کا کیا اعتراض کرتے ہو دیکھو تمہاری کتابوں میں موجود ہے کہ عثمان
نے قرآن میں تحریف کی اور اپنی جمع کی ہوئے قرآن کے سوا سب قرآن جلا بھی دیئے اور ہمارے اعتقاد کے موافق تو قول ہو اللہ کیا بلکہ سب قرآن موجود ہے مگر اسکے اقوال کو جو ہم رد کرتے ہیں تو اسلیئے
یہ ہمپر دروغ باسے اعتراض کرتا ہے اور دروغ کو ہماری طرف منسوب کرتا ہے اور ہاں ہم فخریہ یہودیوں سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا قرآن امام مہدیؑ کے پاس موجود ہے اور تمہاری توریت کہیں محفوظ نہیں
ہے لیکن یہودی جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ اگر تم محرف نہیں کہتے تو اہل سنت کہ جو بڑا فرقہ مسلمانوں کا ہے وہ تو ہمارے شریک ہے اس تحریف میں کہ جیسے کہ توریت محرف ہے ایسے ہی عثمان پیشوائے
اہل سنت نے قرآن میں تحریف کی ہے اور ہم اور وہ دونو یکساں ہیں اس جرم میں اُنکا حشر ہمارے ہمراہ ہوگا اور رہا یا اور اُنکا حال یکساں ہوگا قیامت کے روز اور توریت کے محرف ہونے میں تو
کسی طرح کا شبہ نہیں ہے اور کلام اللہ کو توریت پر بہر نہج فوقیت بھی ہے خواہ غار سر من رای میں ہو خواہ کہیں اور ہو اور اگر انگریزوں سے یا لاجیت بھی گئے تو ہار گئے بھی نہیں کہ جیسے کہ حضرت عیسیٰ
کو انجیل صحیح یاد ہے ایسے ہی ہمارے امام کے پاس قرآن کامل موجود ہے اور امام علیہ السلام ایسے مقام میں نہیں ہیں کہ جہاں معتقد عثمان پہنچنے پائے اور خدا تعالیٰ اُنکا حافظ ہے اور کسی کے خوف سے وہ
پوشیدہ نہیں ہیں بلکہ انکے پوشیدہ رکھنے میں مصلحت خدا ہے اور عثمان کے معتقدین سے کچھ بعید نہیں ہے کہ اُس قرآن کو قابو پا کر جلا دیں اسواسطے کہ عثمان اُن قرآنوں کو جو کہ کامل تھے پہلے آگ سے
جلا ہی چکا ہے اور حضرت امام کا شہید کرنا بھی معتقدین عثمان سے بعید نہیں ہے کہ پہلے اس سے معتقدین عثمان نے اکثر اولاد رسول کو قتل کیا ہے اور امام موسیٰؑ کو زہر دلوایا ہے اور معاویہ جو کہ اہل سنت کا
خلیفہ حق اور امام صدق ہے اور عثمان کے اقارب میں سے تھا اور اسکے انتقام کے لئے حضرت علیؑ سے جنگ کرتا تھا اُسنے حضرت امام حسنؑ کو زہر دلوایا اور اسکے فرزند یزید نے حضرت امام حسینؑ کو قتل کروایا معتقدین
عثمان ایذا اور آزار پہنچانے اولاد رسول مقبول میں کیا کچھ کمی کرتے ہیں مگر قابو ہو نہیں یا تا اگر قابو ہو تو اولاد رسول خدا صلعم میں سے کسیکو باقی نرکھیں اور انجیل حضرت عیسیٰؑ کو حفظ ہونا ہو
اس سے کیا مطلب ہے لیکن قرآن شریف البتہ حضرت امام مہدیؑ کو حفظ ہوگا کہ جو مطلب قرآن کا ہے وہ انکے ہی پاس ہے اور کسیکے پاس نہیں ہے اور وہ ہی قرآن کے واسطے ہیں اور قرآن انکے واسطے ہے اور
حفظ قرآن کا سبب ارث ہے انکے باپ دادا کی شواہد النبوۃ مولوی جامی میں اور سوا اسکے شیخ عبدالحق وغیرہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ معجزہ حضرت علیؑ کا یہ تھا کہ گھوڑے کی اس کاب سے امن کا ایک
سوار ہوتے ہوئے تمام قرآن کی تلاوت کو تمام کرتے تھے اور قرآن کے حفظ کرنے میں مشابہت سنیوں سے نہیں ہے بلکہ امام کے حفظ کرنے میں خلفاء ثلاثہ کی سراپا مخالفت ہے کہ انکو قرآن یاد نہیں ہوتا
تھا حضرت عمر نے بدقت تمام بارہ برس کے عرصہ میں سورہ بقرہ کو یاد کیا تھا اور بسبب یاد نہونے قرآن کے احکام خدا میں غلطیاں کرتے تھے اور یہ عوام اہل سنت معتقدین خلفاء ثلاثہ جو الفاظ قرآن کو
غلط سلط یاد کر لیتے ہیں اور مطلب قرآن سے کچھ غرض نہیں ہوتی یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ یہود و نصاریٰ قرآن کو حفظ کریں اور امام علیہ السلام کا قرآن کا یاد رکھنا بعد انکے خروج کے شیعہ کیا سب لوگوں
کو فائدہ بخشیگا کہ انکے ہی قرآن کے موافق انشاء اللہ تعالیٰ عمل درآمد ہوگا سب قرآن انکے قرآن کے موافق کر دیئے جائینگے اور ایک مذہب حق جو کہ مذہب شیعہ اثنا عشریہ ہے تمام عالم میں پھیل جائیگا
اور خلفاء ثلاثہ اور بنی اُمیہ اور بنی عباس کی بدعتیں جو کچھ کہ دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں سب دور کر دی جائینگی اور عثمان کے جمع کئے ہوئے قرآن پر جو ہمارا عمل ہے یہ بھی موافق حکم کے ہے
کہ آخر یہ بھی تو کلام خدا ہے اگرچہ ناقص ہے موافق روایات اہل سنت کے اور کلام تو وہ خدا کا ہے اگر اس جہت سے اسکو بیاض عثمانی کہیں کہ اس قرآن کی سورتوں اور آیات کی ترتیب عثمان کی رائے
کے موافق ہے تو کچھ مضائقہ بھی نہیں ہے لیکن موافق روایات اہل سنت کے اسکو بیاض عمری کہنا مناسب ہے کہ یہ قرآن موافق رائے عمر کے اہل سنت کے نزدیک نازل ہوا تھا کہ جو کچھ حضرت
عمر تجویز کرتے تھے اور سوچتے تھے اُسی کے موافق قرآن کی آیت نازل ہوتی تھی اس جہت سے بیاض عمری اسکو کہنا موافق مذہب اہل سنت کے چاہئے اور بیاض عثمانی کہنا مناسب نہیں ہے
اور جس وقت کہ امام علیہ السلام خروج کرینگے تو بیشک تمنا شیعوں کی پوری اور دل انکے شاد اور آنکھیں اُنکی روشن ہونگی اور مخالفین حزن و ملال میں گرفتار ہونگے **قال الشیخ الاشعری** مگر یہ

تدبیر جب مفید ہی کہ شیعہ ہمارا کہنا سُن رہیں اور اس اعتقاد سے کہ اماموں کو تبدیل احکام حلت و حرمت وغیرہ کا اختیار ہے ہاتھ دست بردار ہوں اور نوادر کی اس روایت پر قلم پھیر دیں عن محمد بن سنان عن ابی جعفر قال کنت عندہ فاجریت اختلاف الشیعۃ فقال یا محمد ان اللہ تعالیٰ لم یزل متفردا بالوحدانیۃ ثم خلق محمدا و علیا و فاطمۃ و الحسن و الحسین فمکثوا الف دھر ثم خلق جمیع الاشیاء واشھدھم خلقھا و اجری طاعتھم علیھا و فوض امورھا الیھم فھم یحلون ما یشاؤن و یحرمون ما یشاؤن ولن یشاؤا الا ان یشاء اللہ حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ محمد بن سنان بیان کرتا ہے کہ میں حضرت امام ابوجعفر محمد باقر کا پاس تھا اتفاق سے میں نے شیعوں کے باہم مختلف ہونیکا ذکر چھیڑا یعنی یہ پوچھا کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ شیعیان علی دین میں باہم مختلف ہوگئے انہوں نے فرمایا کہ محمد بن سنان حق سبحانہ تعالے پہلے تو ہمیشہ سے اکیلا تھا دوسرا تھا ہی نہیں پھر پنجتن کو پیدا کیا پھر بعد ہزار دہر کے اور اشیا کو پیدا کیا اور پنجتن کے سامنے سب کو موجود کیا اور پنجتن کی طاعت انکے ذمہ پر رکھی اور انکے کاروبار سب پنجتن کے حوالے فرمائے سو وہ جو چاہیں حلال کردیں اور جو چاہیں حرام کردیں فقط الغرض روایت کے سیاق سے اختلاف شیعہ کی وجہ یہ نکلی کہ پنجتن میں ایک بات کسی نے حلال رکھی تو دوسرے نے حرام کردی سو کوئی انکا مقلد ہوگیا کوئی انکا دوسری روایت کلینی کی بھی اس روایت کے ہمزبان ہے اس سے بھی دست برداری لازم ہے عن محمد بن الحسن المیثمی عن ابی عبداللہ قال سمعتہ یقول ان اللہ ادب رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی قومہ علی ما اراد ثم فوض الیہ دینہ فقال ما اتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا فما فوض اللہ تعالیٰ الی رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد فوضہ الینا حاصل اسکا یہ ہے کہ محمد بن حسن میثمی امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتا ہے کہ میں نے انکو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کو ادب سکھلایا اور سیدھا جیسا اپنا جی چاہتا تھا بنایا پھر اپنا دین انکے سپرد کردیا اور کلام اللہ میں سورہ حشر میں سب کو حکم دیا کہ جو کچھ تمہیں رسول دیں یعنی جو کچھ فرمادے اُسے قبول کرو اور جس سے منع کرے اس سے ہٹ رہو سو جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا تھا وہی ہمارے سپرد کیا پہلی روایت سے فقط پنجتن ہی کا اختیار درباب تبدیل احکام معلوم ہوتا تھا اور اس روایت سے ثابت ہوا کہ وہ اختیار اور اماموں کو بھی حاصل ہے اسلیے کہ جو تفویض اول روایت میں تھی وہی اس روایت میں بھی ہے وہ ہی بلاشک مراد ہوگی **اقول** بنیاد اہل سنت کے مذہب کی جھوٹ پر ہے اور جھوٹ ہی سے انکے مذہب کی محافظت ہے اور اگر انکے علما جھوٹی باتیں شیعوں کی طرف منسوب کرکے اپنے عوام کو شیعوں کے مذہب سے نفرت نہ دلاتے تو ہزاروں سنی شیعہ ہوجاتے سو انکے بڑے بڑے مُلا تو ایسی باتیں ایجاد کرنیوالے ہیں مثل مولوی عبدالعزیز صاحب کے اور کچھ ملا جیسے شیخ نجدی انکے جھوٹے اقوال پر اعتماد کرکے اُسکو مشہور کرنیوالے ہیں اور ازانجملہ ایک بات یہ ہے کہ اس شیخ نے لکھا ہے کہ شیعوں کے اعتقاد میں یہ ہے کہ جناب رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام حلال کردیتے ہیں جو کچھ چاہتے ہیں اور حرام کردیتے ہیں جو کچھ چاہتے ہیں اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ ایسا اعتقاد شیعوں کا ہرگز نہیں ہے اور انکا اعتقاد تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے حلال کرتا ہے اور حرام کرتا ہے اور انبیا کو اُس سے مطلع کرتا ہے وہ اُن حکموں کو خدا کے اپنی امتوں کو پہنچا دیتے ہیں اور پیغمبر کا ہرگز مقدور نہیں کہ اپنی رای اور تجویز سے کسی چیز کو حلال یا حرام کرے چہ جائیکہ امام کہ وہ تو نائب پیغمبر کا ہوتا ہے جب پیغمبر ہی کو یہ منصب حاصل نہیں ہے تو اُسکے نائب کو کیونکر ہوگا اور جو کوئی اس عقیدہ کو شیعوں کی طرف منسوب کرتا ہے وہ بڑا مفتری اور مکار دغاباز ہے اسواسطے کہ شیعوں کا تو یہ مذہب ہے کہ جو چیز کہ حلال محمد ہے وہ حلال ہے اور جو چیز کہ حرام محمد ہے وہ حرام ہے قیامت تک چنانچہ کافی کلینی میں لکھا ہے اور زرارہ سے روایت کی ہے کہتا ہے کہ سألت اباعبداللہ علیہ السلام عن الحلال والحرام فقال حلال محمد حلال ابدا الی یوم القیمۃ وحرامہ حرام ابدا الی یوم القیمۃ یعنی پوچھا میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے حلال اور حرام کا حال ہے فرمایا کہ حلال محمد کا حلال ہے ہمیشہ قیامت تک اور حرام اسکا حرام ہے ہمیشہ قیامت تک اور محمد بن یعقوب کلینی نے کافی میں ایک باب لکھا ہے کہ عنوان اُس باب کا یہ ہے باب الرد الی الکتاب والسنۃ وانہ لیس شیء من الحلال والحرام وجمیع ما یحتاج الناس الیہ الا وقد جاء فیہ کتاب او سنۃ یعنی باب ذکر نیکا قرآن اور حدیث کی طرف اور کوئی شے حلال اور حرام میں سے نہیں ہے اور تمام اُس چیزیں میں سے کہ محتاج ہیں آدمی طرف اسکے مگر تحقیق کہ آیا ہے اُسمیں حکم قرآن اور حدیث کا اور اُس باب میں اس طرح کی حدیثیں بہت ہیں کہ حلال اور حرام موافق حکم کتاب و سنت کے ہے اور کوئی اپنی رائے سے حلال اور حرام نہیں کرسکتا ہے اور آدمی کے اعتقاد کو دیکھا کرتے ہیں کہ اسکا اعتقاد کیا ہے اور اگر کوئی روایت اسکے اعتقاد کے مخالف آگئی تو اُسکا اعتبار نہیں ہوتا ہے اہل سنت کی کتابوں میں سینکڑوں روایتیں ایسی ہیں اور بخاری اور مسلم میں لکھی ہیں کہ اہل سنت ایسی روایتوں سے کوسوں بھاگتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ بعد اسکے کسی موقع پر انکا ذکر آجائیگا اور اسنے جو یہ روایت شیعوں کی لکھی ہے اُسمیں بڑی خیانت کی ہے کہ مولوی عبدالعزیز صاحب کے پیروی سے کہ انہوں نے خیانت کی تھی اسنے بھی انکی کتاب کو دیکھکر ویسا ہی لکھا اور جو کہ مراد وہاں سے اُسکو سمجھا نہیں کہ اس تفویض سے کیا مراد ہے اور جو کہ یہ شیخ لکھتا ہے ہرگز ہرگز یہ اعتقاد شیعوں کا نہیں ہے چنانچہ کافی ہی میں روایت ہے سماعہ سے کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ رسول خدا صلعم وہ چیز لائے تھے کہ آدمیوں کو کافی ہوجاوے فرمایا کہ ہاں اور جس چیز کی کہ قیامت تک محتاج تھے وہ سب لائے میں نے پوچھا کہ اُسمیں سے کچھ ضائع ہوگیا ہے فرمایا کہ نہیں اور جو کہ اُسکے اہل ہیں انکے پاس وہ ہے پس جس صورت میں کہ جناب رسول خدا صلعم اسقدر احکام الٰہی لائے کہ قیامت تک آدمی جسکی محتاج تھا اور وہ احکام ائمہ علیہم السلام کے سپرد ہوئے بطور امانت کے اور حکم ہوا اُنکے جاری کرنیکا تو پھر شیعہ کیونکر قائل ہونگے اس امر کے کہ حضرت امام جو چاہیں حلال کردیں اور جو چاہیں حرام کردیں اور سوائے اسکے جناب رسول خدا صلعم تو خود وحی کے منتظر رہتے تھے اور اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے تھے اور ائمہ کہ نائب انکے ہیں انکے واسطے یہ امر کیونکر جائز ہوسکتا ہے منصب سے بڑھکر کہ جو چاہیں حلال کریں اور جو چاہیں حرام کریں اور اول روایت محمد بن سنان کی جو اس شیخ نے لکھی ہے امام ابوجعفر علیہ السلام سے

اسمیں بڑی خیانت کی ہے مولوی عبدالعزیز صاحب کی پیروی سے انہی لکھا ہے اُس روایت میں یُحِلُّوْنَ مَا یَشَآءُوْنَ وَیُحَرِّمُوْنَ مَا یَشَآءُوْنَ اور اُسکے بعد جو
وَلَنْ یَّشَآءُوْٓا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی ہے اُسکو ترک کر دیا ہے تاکہ اعتراض قایم ہو جاوے اور معنی دونوں فقروں کے یہ ہوئے کہ حلال کرتے ہیں جو
چاہتے ہیں اور حرام کرتے ہیں جو چاہتے ہیں اور ہرگز نہیں چاہتے ہیں مگر یہ کہ چاہے خدا پس اُن کا چاہنا خدا کے چاہنے پر
موقوف ہے اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ بے مرضی خدا کے وہ کچھ چاہیں اور دوسری روایت میں جو اسی طرح کی ہے اِس
سے زیادہ تر وضوح ہے چنانچہ ریاض الجنان میں لکھی ہے اور اُس روایت میں یہ ہے کہ یُحِلُّوْنَ مَا یَشَآءُوْنَ وَیُحَرِّمُوْنَ مَا یَشَآءُوْنَ وَلَا
یَفْعَلُوْنَ اِلَّا مَا یَشَآءُ یعنی حلال کرتے ہیں وہ اُس چیز کو جو چاہے خدا اور حرام کرتے ہیں جس چیز کو کہ چاہے خدا یعنی حلال کرنا اور حرام
کرنا اُن کا خدا کے چاہنے پر موقوف ہے کہ جس کو خدا نے چاہا کہ یہ حرام ہے اُس کو انہوں نے حرام جانا اور اُس کی حرمت کا انہوں
نے حکم دیا اور جس کو خدا نے چاہا کہ یہ حلال ہے اُس کو انہوں نے حلال جانا اور اُس کی حلت کا حکم دیا اور تفویض سے مراد
یہ ہے کہ حلال و حرام اپنا خدا تعالی نے اُنکو سپرد کیا کہ وہ جانتے ہیں کہ فلانی چیز حلال کی ہوئی خدا کی ہے اور فلانی چیز حرام کی ہوئی خدا کی اور جس طرح
واقع میں ہے اُسی طرح سے اُنکے پاس ہے اور اسی واسطے فرمایا ہے کہ جو کچھ پیغمبر تمکو دیویں لیلو اور جس چیز سے منع کرے اُس سے باز رہو اور ائمہ معصومین کو سید پیغمبر جیسے
کہ ہے ویسے ہی جناب رسول خدا صلعم سے پہنچا ہے تفویض سے مراد یہ نہیں ہے کہ بدون وحی اور الہام کے جو چاہو حرام کرو اور جو چاہو حلال کرو اسواسطے کہ بدون
خدا کے حلال و حرام کیئے تو کوئی چیز حلال و حرام نہیں ہو سکتی خواہ پیغمبر ہو حلال و حرام کرنیوالا خواہ امام ہو اور ہمارے علما رحمہم اللہ نے تفویض کے کئی وجہ
بیان کئے ہیں از انجملہ یہ ہے کہ خدا تعالی نے تفویض کی ائمہ علیہم السلام کو سیاست خلق کی اور تادیب و تعلیم اُنکی اور خلقت کو حکم کیا کہ جمیع امور میں اطاعت
اُنکی کرو خواہ خلقت اُنکی اطاعت کو دوست رکہے اور خواہ نہیں اور اسی تفویض میں ہے قول حقتعالی کا مَآ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا اور
اسطرح سے بھی بیان کیا ہے کہ حقتعالی نے اُنکو تفویض فرمایا کہ جسوقت مصلحت جانیں تو مطابق ظاہر شرع کے حکم کریں اور جسوقت چاہیں مطابق علم اپنے
کام کریں کہ خدا تعالی نے اُنکو الہام اُسکا فرمایا ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جسوقت کہ خدا تعالی نے رسول خدا صلعم کو بجمیع وجوہ کامل کیا ہو بایں حیثیت کہ
اختیار نہیں کرتے تھے کسی امر کو مگر یہہ کہ موافق حق و صواب کے ہوتا تھا اور جو چیز کہ مخالف مشیت خدا کی ہو وہ ہرگز حضرت کے خیال میں نہیں گزرتی تھی اور بعد
اُسکے واسطے مزید تاکید کے مطابق اُسکے وحی بھی نازل ہوتی تھی لیکن اہل سنت ایسے امور کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و ائمہ
ہدی کے حق میں بعید جانتے ہیں اور عمر بن خطاب کے حق میں تو ہی اور ثبوتی سمجھتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر جو رائے مارتے تھے اور تجویز کرتے تھے مطابق
اُسکے ہی وحی نازل ہوتی تھی اور بلکہ اہل سنت کے مذہب میں تفویض مطلق مسایل دین میں جائز ہے اور مجتہدین کو جائز ہے کہ حلال کا یا حرام کا جیسا چاہیں
حکم دیویں چنانچہ مسلم میں کہ جو اصول فقہ کی کتاب ہے اور درس طلبہ میں داخل ہے لکہا ہے هَلْ یَصِحُّ التَّفْوِیْضُ وَهُوَ اَنْ یُّقَالَ لِلْعَالِمِ اَوِ الْمُجْتَهِدِ اُحْکُمْ بِمَا شِئْتَ فَهُوَ صَوَابٌ فَقَدِ اخْتَارَ
عِنْدَ الشَّافِعِیَّةِ وَالْمَالِکِیَّةِ وَبَعْضٍ مِّنَّا الْجَوَازُ عَقْلًا یعنی آیا صحیح ہے تفویض اور وہ یہ ہے کہ کہا جائے واسطے عالم کے یا مجتہد کے کہ حکم کر تو جو چاہے تو کہ وہ نیک اور صواب ہے اور مختار
نزدیک شافعیوں کے اور مالکیوں کے اور بعضی ہمارے علما کے جائز ہونا ہے باعتبار عقل کے دیکھو کہ تجویز تفویض کے فرمائی ہے اپنے علما کے حق میں گو کہ وہ بانواع فسق و فجور
مبتلا ہوں اور جناب رسول خدا صلعم اور ائمہ ہدی کہ معصوم یا محفوظ ہیں اُنمیں تفویض کو یہہ لوگ نہایت بعید جانتے ہیں اور میاں ابو حنیفہ تو وہ ہیں کہ جنہوں نے
خلاف کلام اللہ کے حکم دیئے ہیں اور سیکڑوں احادیث کو اور قول صحابہ کو رد کیا ہے اور اپنی رائے اور قیاس سے جو کچھ چاہا حکم دیا ہے اور اکثر اہل سنت ہندوستان کے
اُسکی پیروی کرتے ہیں زمخشری نے ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ کہا یوسف اسباط نے کہ رد کیں ابو حنیفہ نے چار سو یا زیادہ حدیثیں پیغمبر خدا کی رسول خدا نے فرمایا کہ سوار کے
دو سہم ہیں مال غنیمت میں اور پیادہ کا ایک سہم ابو حنیفہ نے کہا کہ میں چارپائی کا سہم مسلمان سے زیادہ نہیں کرتا پیغمبر خدا نے اونٹ کی قربانی کی لوہان لگا
کیا ابو حنیفہ نے کہا کہ خون آلودہ کرنا کوہان کا عقوبت ہے رسول خدا نے فرمایا کہ بایع اور مشتری کو جب تک مجلس بیع میں بیٹھے ہیں اختیار ہے بیع کے فسخ کرنیکا ابو حنیفہ
نے کہا کہ اختیار نہیں ہے رسول خدا قرعہ ڈالتے تھے ازواج کے سفر میں لیجانیکا اور جسکا نام نکلتا تھا اُسکو ہمراہ اپنے لیجاتے تھے اور ابو حنیفہ نے کہا کہ قرعہ قمار ہے اور
ابن جوزی نے کتاب منتظم فی تاریخ الملوک والامم میں باسناد خود ابو اسحاق فزاری سے روایت کی ہے اُس نے کہا کہ میں ابو حنیفہ سے ایک مسئلہ پوچھا اور اُسنے

جواب دیا میں نے کہا کہ رسول اللہ نے تو ایسا فرمایا ہے ابو حنیفہ نے کہا کہ اسکو محو کر خون خوک سے اور بشیر بن مفضل سے روایت کی ہے کہ اُسنے کہا قتادہ سے بروایت انس
مروی ہے کہ ایک یہودی نے سر ایک دختر کا پتھر سے توڑا جناب رسول اللہ نے سر اُس یہودی کا دو پتھروں میں رکھکر توڑا ابو حنیفہ نے کہا یہ قبیل ہذیان سے ہے
سوا ہے اماموں کے تو احکام پر نظر نہیں ہے اور دوسروں پر اعتراض کرتے ہیں اور اسی جہت سے ابو حنیفہ جو خلاف قرآن اور احادیث کے حکم دیتا تھا بعضے علما
اہل سنت نے مثل امام غزالی کے منخول میں اور صاحب تاریخ بغداد کے اور سوا اُنکے اور علما نے ابو حنیفہ کو ضال اور گمراہ بلکہ کافر لکھا ہے اور لکھتے ہیں کہ اسنے
شرع محمدی کو بالکل منقلب کر دیا اور پلٹ دیا ہے ایسی اور خلقت شریر دنیا میں مثل ابو حنیفہ کے کوئی خلقت پیدا نہیں ہوئی ہے اور طرفہ یہ ہے کہ بعد اسکے یہ شیخ
نجدی ہی تبارک کے ذکر میں کہ جو بعد اسکے آئیگا لکھتا ہے کہ جسقدر احکام کہ کلام اللہ میں ہیں وہ سب ہی رسول اللہ صلعم کی طرف سے ہیں اور خدا کی طرف سے کوئی حکم نہیں
ہے بلکہ یہ قرآن جو ہے سب کا سب رسول اللہ صلعم کی طرف سے ہے نہ خدا کی طرف سے خدا نے تو رسول خدا صلعم کی طرف سے تصنیف کرکے بھیجدیا ہے اور خدا کیطرف سے یہ نہیں
ہے جیسے کہ کوئی عرضی کو کسی سے لکھوائے تو وہ عرضی اُس لکھوانے والے کی کہلائیگی نہ لکھنے والے کی ایسی ہی کلام اللہ ہے کہ خدا تعالیٰ اُسکا لکھنے والا ہے تو خدا تعالیٰ
کا نہ کہلائیگا بلکہ رسول خدا کا کہلائیگا کہ وہ حضرت اُسکے لکھوانیوالے ہیں اور یہ مضمون بلاغت مشحون شیخ جی کا بعد اسکے فدک کے ذکر میں انشاء اللہ تعالیٰ آئیگا
ہے **قال الشیخ الاشعری** مگر شاید کوئی شیعہ مذہب اسکی یہ توجیہ کرے کہ اس تفویض اور تحریم اور تحلیل کے یہ معنی ہیں کہ وہ اجتہاد کرکے لوگوں کو احکام بتلاویں
آخر اہل سنت ہی تو انبیا اور علماء کے اجتہاد کے حجت ہونیکے قائل ہیں شیعہ اگر چاردہ معصوم کے اجتہاد کے معتبر ہونیکے قائل ہوگئے تو کیا گناہ ہوا یا یہ توجیہ گھڑیں کہ
خداوند کریم نے اُنکو سبکی استعدادیں اور قابلیتیں دکھلا کر چنانچہ ظاہر عبارت روایت اول ہی ہے پنجتن کو حکم دیا ہو کہ انکی استعدادوں کے موافق جو کچھہ سمجھہ میں
آئے احکام مقرر کردو سو اگر یہ ہو تو کیا خرابی ہے لیکن اہل عقل پر پوشیدہ نہوگا کہ اجتہاد کی تاویل کرنی تو بعینہ ایسی ہی ہے جیسے کہا کرتے ہیں من چہ میگویم
و تنبورمن چہ میگوید چنانچہ استعداد والے سمجھتے ہیں کہ اس توجیہ کو عبارت روایت اول سے کچھہ علاقہ نہیں اور نیز مخالف مذہب شیعہ کہ وہ ائمہ کی نسبت
اجتہاد کے تہمت لگانی موجب نقصہ سمجھتے ہیں اُنکی فرمائی ہوئی باتیں منجملہ وحی آسمانی سمجھتے ہیں باقی رہا استعدادوں کو دکھلا کر خانہ دین کا سپرد کر دینا
اگر ہم تسلیم کریں تو شیعہ تو تسلیم نکرینگے اثنا عشریہ چھوڑ تمام امامیہ اس بات پر متفق ہیں کہ امام کو تمام احکام کی تبدیل کا اختیار ہے اگر استعداد ہی پر مدار کار
ہے تو تبدیل کے اختیار کے کیا معنے جیسے استعداد ہو ویسی ہی حکم ہونا چاہئیے بدلا کیوں جائے بہر حال کوئی توجیہ نہیں بن پڑتی اگر جواب مذکور سے سرخرو ہونا
منظور ہے تو اس روایت کو زیر قلم کریں اور ہرگز کچھہ اندیشہ نکریں کیونکہ جناب باری کا ہی اشارہ اسیطرف ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ کلام اللہ کی شان میں
کلام اللہ ہی میں یوں فرماتے ہیں تبیاناً لکل شئے مطلب یہ ہے کہ کلام اللہ میں ہر چیز کا بیورا ہے ہم نہیں سمجھتے تو کیا ہوا سمجھنے والے تو سمجھتے ہونگے خاص کر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر جب کلام اللہ ہی میں سب کچھہ آگیا تو تفویض کہاں رہی بلکہ اس صورت میں تو لازم ہے کہ جو کچھہ حضرت نے یا ائمہ نے فرمایا ہو وہ
شرح قرآن مجید ہوا اپنے اختیار سے کچھہ نفرمایا ہوا **اقول** اپنی طرف سے توجیہیں نکالتا ہے اور پھر اُنکا جواب دیتا ہے اور حال یہ ہے کہ شیعہ ان توجیہوں سے واقف
ہی نہیں ہیں اور اُنکو کیا احتیاج ہے توجیہوں کے کرنیکی وہ ایسی بات ہی نہیں کہتے جس میں توجیہ کرنی پڑے اور اس شیخ نے جو خیانت کرکے ایک روایت لکھی ہے
اُس غلط روایت پر بنا کرکے وہ توجیہیں پیدا کرتا ہے کہ شیعہ جنکو ہرگز پسند نہیں کرتے اور تفویض اور تحلیل اور تحریم کا حال تو ہم مفصل بیان کر چکے ہیں کہ جسمیں
اجتہاد کو کچھہ دخل نہیں ہے اور اجتہاد تو مذہب حق میں انبیا اور ائمہ علیہم السلام پر جائز ہی نہیں ہے اور اہل سنت انبیا علیہم السلام پر جو اجتہاد کو تجویز کرتے
ہیں بڑی غلطی پر ہیں چنانچہ اپنے محل میں مذکور ہوا ہے اور یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ اُنکو سب کی استعدادیں دکھلا کر خدا تعالیٰ نے فرمایا ہو کہ انکی استعداد
کے موافق جو کچھہ سمجھہ میں آئے وہ مقرر کردو بلکہ وہ تو وہ بات کہتے تھے کہ جو کچھہ اُنکے سینہ میں تھا اور رسول اللہ صلعم سے اُنکو پہنچا تھا اور رسول خدا صلعم کو اُنکے پروردگار
کی سرکار سے پہنچا تھا چنانچہ کافی میں قتیبہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے ایک مسئلہ پوچھا اُسکا اُنہوں نے جواب دیا اُس شخص نے
کہا کہ مجھکو خبر دو کہ اگر ایسا ایسا ہو تو اُسکا کیا جواب ہو فرمایا کہ خاموش ہو کہ جو کچھہ میں تجھکو جواب دیتا ہوں وہ رسول خدا صلعم کی طرف سے ہے اور ہم اپنی طرف
سے کچھہ نہیں کہہ سکتے ہیں پس اس روایت سے کیا ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام کو کچھہ بھی دخل ہے احکام میں اور جناب رسول اللہ صلعم کو تو حاصل ہی نہ تھا حضرت
ائمہ علیہم السلام کو اُن حضرت سے بڑھ کر کیونکر ہوتا اور اجتہاد انبیاء اور ائمہ معصومین علیہم السلام کا شیعوں کے نزدیک تو بالکل باطل ہے کہ جسکو وحی سے معلوم ہو سکتا ہے
اُسکو اجتہاد کی کیا احتیاج ہے اجتہاد کا تو ذکر ہی کرنا بیجا ہے اور روایت میں خیانت کرکے توجیہیں ہی توجیہیں نکالتا ہے ہم تو کچھہ نہیں کہتے اور جب ہمنے تجھکو

تیری خیانت پر مطلع کر دیا کل روایت کو بیان کرکے تو اب توجیہوں کے احتیاج ہی نرہی اور حلال اور حرام کرنے سے جو کہ مقصود ہی اسکو پہلے اس سے ہم بیان کر چکے اور ائمہ علیہم السلام کی طرف اجتہاد کو منسوب کرنا البتہ موجب اُنکی منفعت کا ہی اور اُنکو ہرگز اجتہاد کی احتیاج نہتی اسواسطے کہ ایسا حکم کوئی باقی نرہا تہا کہ جو رسول خدا صلعم کو درگاہ خدا سے نہ پہنچا ہو بلکہ بموجب آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے کل احکام رسول خدا صلعم کو پہنچے تہے اور رسول خدا سے ائمہ معصومین کو پہنچے تہے اور بعد اُسکے کوئی حکم ایسا نہ تہا کہ جسکو اجتہاد کرکے نکالتے یا اپنی رائی سے حلال یا حرام کرتے بلکہ اُنکے پاس جو کچھ کہ تہا وہ سب وحی آسمانی تہا کہ جناب رسول خدا کو وہ وحی کے ذریعہ سے پہنچا تہا اور رسول خدا صلعم سے ائمہ معصومین کو پہنچا تہا اور کارخانہ دین اُنکو اسی طرح سے سپرد ہوا تہا جیسے کہ میںنے لکہا ہی اور یہہ اعتقاد کسی شیعہ کا نہیں ہی کہ امام کو تمام احکام کے بانٹنے کا اختیار ہے تو جہوٹ بولتا ہی اور جہوٹ بولکر لعنت خدا میں گرفتار ہوتا ہی اور نہ کوئی شیعہ استعداد کا قائل ہی اور اہل سنت کی کتابوں سے تو یہہ ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھہ احکام کہ قرآن مجید میں ہیں نہ پیغمبر کیطرف سے ہیں نہ خدا کی طرف سے بلکہ حضرت عمر کی طرف سے ہیں کہ حضرت عمر جو رائے مارتے تہے اُسی کے موافق خدا تعالی حکم جاری کرتا تہا سو یہہ مرتبہ تو امام کیا بلکہ پیغمبر کو حاصل نتہا کہ جس حکم میں دشواری حضرت کو ہوتی تہی تو وحی کے منتظر ہوتے تہے اور حضرت عمر کو کچہہ دشواری نتہی کہ جو کچہہ وہ تجویز کرتے تہے تو اُسیکے موافق خدا تعالی حکم نازل کر دیتا تہا سو جو شرف کہ اہل سنت کے نزدیک حضرت عمر کو تہا نہ وہ شرف کسی پیغمبر کو تہا نہ کسی امام کو اور سب اہل سنت کا اسی پر اتفاق ہی اور ہم کسی توجیہ کے قائل نہیں ہیں اور دونو روایتوں کے معنی جس طرح سے کہ ہمارے علما بیان کرتے ہیں اور ہم لکہہ چکے ہیں اُسمیں کچہہ قباحت نہیں ہی اور قلم پہیرنے کے لایق مذہب اہل سنت کا ہی کہ جو کچہہ مسلم میں تفویض کے جواز میں لکہا ہی وہ ایسا ہی ہی اور بے شک کلام اللہ میں ہیر اہیر ہوا ہی لیکن موافق روایات اہل سنت کے ہر چیز کا ہیر اعثمان کی جمع کی ہوئی قرآن میں نہیں ہے کہ اُس میں سے بہت ناقص ہو گیا ہی جیسا کہ ہم پہلے اس سے لکہہ چکے ہیں اور ہیر اہیر چیز کا تو مصحف ابن مسعود اور اُبی ابن کعب میں تہا جن پر عمل کرنیکا رسول خدا صلعم نے حکم دیا تہا سو اُنکو تو عثمان نے جلوا دیا اگر وہ مصحف کہ جسکو حضرت علی نے جمع کیا تہا اور اُسمیں علم کثیر تہا موافق روایات اہل سنت کو وہ البتہ باقی ہی اور ہر ایک امام کے پاس وہ رہا ہی اور اُسی قرآن کو دیکہکر وہ جو چاہتے تہے حلال و حرام کرتے تہے اُسکے حکم کے مطابق سو وہ کلام اللہ ہی تبیاناً لکل شئی اور احکام کو بہی اُسمیں سے جناب رسول خدا اور ائمہ ہدی علیہم السلام ہی سمجہتے تہے نہ وہ جہلا کہ نسوان پردہ نشین سے الزام کہاتے تہے اور اگر تفویض باقی نہیں رہی ہی تو تیرا مذہب بہی باقی نرہا تہے بلکہ باطل ٹہیرا کہ تیرے مذہب کا مدار تو تفویض ہی پر ہی کہ جو کچہہ ابو حنیفہ وغیرہ نے اپنی رای سے کر دیا اُس پر عمل ہی گو خلاف قرآن اور حدیث کے ہو اور بے شک جو کچہہ جناب رسول خدا اور ائمہ معصومین علیہم السلام فرماتے تہے وہ شرح قرآن کی ہی اور اپنے اختیار سے اور اپنی رائے سے کچہہ نہیں فرماتے تہے کہ جو کچہہ چاہیں حلال کر دیں اور جو چاہیں حرام کر دیں بلکہ ہمارے مذہب میں تو یہہ ہی کہ اُنکے پاس جفر جامع تہا کہ اُس سے کوئی شے باہر نتہی جو کچہہ کہتے تہے اُسکے موافق کہتے تہے اپنی رای سے کوئی بات بیجا ذکر کرنے کی کیا احتیاج تہی **قال الشیخ الاشعری** القصہ ہماری صلاح یہ ہی کہ ان دونوں روایت پر قلم پہیر کر پہر جواب مذکور بالا سے انگریزوں وغیرہ اعدا دین کے مقابلہ میں اُمید ہے کہ یہہ دونوں رہیں نہیں تو اُنکے ہی منہ میں زبان ہی سینوں کہ تو وجہہ اتحاد ملت کے کچہہ لحاظ ہی ہوگا اُنہیں کیا لحاظ ہے ایسا ہو کہ وہ یوں کہنے لگیں کہ ہماری انجیل اگر کلام اللہ سے منسوخ ہو گئی ہی تو سارے احکام تو منسوخ نہیں ہوئے آخر اخلاق کی باتیں اور بہت سے احکام حلت و حرمت کے بدستور باقی ہیں اور عقائد میں تو مسلمانوں کے مقولہ کے موافق کچہہ فرق ہی نہیں حضرت آدم کے وقت سے لیکر اب تک وہی عقائد چلے آتے ہیں چنانچہ کلام اللہ میں سورہ مائدہ میں خود موجود ہے وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتَابِ یعنی نازل کی ہم نے اے محمد صلعم تیری طرف سچی کتاب کہ وہ پہلی کتابوں کی بہی تصدیق کرتی ہی سو تمہارے کلام اللہ کا بہی یہی حال ہی کہ امام نے مناسب وقت دیکہکر بہت سے احکام تبدیل و تغیر کر دیئے چنانچہ پہلی روایت سے یہ خوب طرح واضح ہوئی کیونکہ اختلاف شیعہ کی وجہہ حضرت امام باقر علیہ السلام نے یہی بیان کی ہی پہر حضرت امام مہدی کے پاس اگر وہ کلام اللہ محفوظ بہی ہو تو کیا حاصل وہ دین تو بدل ہی گیا کوئی اور ہی کلام اللہ بنا چاہئے نہیں تو یہ ایسا ہی قصہ ہو جیسا حضرت عیسی تمہارے موافق آخری زمانہ میں نازل ہوں گے مگر باوجودیکہ انجیل کے حافظ ہیں پہر بسبب اپنے دین کے منسوخ ہو جانے کی انجیل پر عمل نکرینگے بلکہ کلام اللہ پر عمل کرینگے **اقول** روایتوں کا تو جواب ہم دیچکے کہ تو نے روایتوں کے بیان کرنے میں خیانت کی ہی اور تفویض کے معنے ہم بیان کر چکے کہ جو اُس سے مقصود ہی اُسکو تو نہیں سمجہا اور انصاف ہمکو کچہہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے نزدیک امام علیہ السلام نے کوئی حکم تبدیل نہیں کیا جس طرح سے کہ خدا تعالی نے احکام نازل کئے ہیں اُسی طرح بدستور قیامت تک چلے جائیں گے چنانچہ ہم بیان کر چکے کہ حَلَالُ مُحَمَّدٍ حَلَالٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَحَرَامُہٗ حَرَامٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ کوئی حکم خدا کو بدل نہیں کر سکتا اور انصاف اگر

اعتراض کرینگے تو اہل سنت پر کرینگے اور کہیں گے کہ تمہارا کیسا مذہب ہے کہ تمہارے نزدیک تمہارے اولیاء احکام خدا کو پلٹ دیتے ہیں کہ خدا کے نزدیک تو کچھ حکم ہے اور اولیاء اُن حکموں کو اپنے واسطے منسوخ سمجھتے ہیں تلبیس ابلیس ابن جوزی کو اور شرح بزدوی کو دیکھنا چاہیئے کہ اُن اولیاء کی حال میں کیا کیا لکھا ہے جیسے انہیں سے کہتے ہیں کہ جسوقت بندہ نے خدا کو اپنا حبیب کیا اور محبت مخلوقات سے منقطع ہو تو تکلیف شرع اُس سے ساقط ہو جاتی ہے اور عبادت اُس سے مرتفع ہو جاتی ہے اور جو چیز کہ شرع میں حرام ہے وہ اُنپر حلال ہو جاتی ہے جیسے کہ زنا کرنا ماں سے اور بہن سے اور دختر سے اور شرب خمر اور اکل خنزیر اور قماربازی اور خیانت مال مردم اور سوائے اسکے اور والائیہ انہیں سے کہتے ہیں کہ بندہ جسوقت مرتبہ ولایت کو پہنچتا ہے تو خطاب امر و نہی کا اُس سے اُٹھ جاتا ہے اُسپر کوئی چیز حرام رہتی ہے اور نہ کوئی چیز واجب رہتی ہے جو چاہے سو کرے اور جو چاہے نکرے اور شمراخیہ انہیں سے کہتے ہیں کہ جسوقت معرفت خدا حاصل ہوتی ہے تو تکلیف شرعی اُس سے دور ہو جاتی ہے اور واصلیہ انہیں سے کہتے ہیں کہ ہم وصل ہوئے ہیں خدا تعالی میں اور تکلیف نماز اور روزہ کی ہم سے ساقط ہے اور سب چیز حلال ہے ہمارے واسطے یہانتک کہ شراب پینی اور اغلام کرنا اور زنا کرنا اور عقیدہ اُنکا یہ ہے کہ اس فرقہ کے لوگو نکو بنات اور اُمہات سے مجامعت کرنی جائز ہے اور اباحیہ انہیں سے کہتے ہیں کہ لوگوں کے مال و فروج اور عورتوں کی حلال ہے جسکا مال چاہو بے اجازت کھا جاؤ اور جس عورت سے چاہو مجامعت کرو بدون نکاح کی اور سوائے اسکے اور بہت فرقے اہل سنت کے اولیاء میں سے ہیں انہوں نے حرام کو حلال کر دیا ہے اور واجب کو حرام کر دیا ہے اسکو کہتے ہیں تغییر اور تبدیل کہ ایسی تغییر و تبدیل کہ جو کفر پر دلالت کرتی ہے اور امام ہمارے تو سراسر تہمت سے اور احکام کی تبدیل تغییر کی نسبت اگر ایسا مقدور نہ تھا کہ جو حکم خدا کو بدلتے یہ تو منصب اہل سنت ہی کے اولیاء کا ہے اور روایت پہلی میں خیانت کی ہے تونے مولوی عبدالعزیز صاحب نے یہ بھی ہے اور اگر اسکو ہم تسلیم بھی کریں تو اسمیں کچھ قباحت نہیں ہے جیسا کہ ہم پہلے اس سے بیان کر چکے لیکن تو اسکے معنی نہیں سمجھا ہے اسواسطے ہائے واویلا کرتا ہے اور اختلاف شیعہ کی بھی وجہ یہ ہے بیانات انکی تو انکا یہ مطلب ہے کہ ایک شخص کو جو ایک امر کی حلت کا حکم دیتے تھے وہ موافق ظاہر شرع کے ہوتا تھا اور دوسرے کو جو اُس امر کی حرمت کا حکم دیتے تھے وہ تقیہ کی راہ سے ہوتا تھا اور اگر تبدیل و تغییر احکام کی اپنے تئیں اور حلال کو حرام کرتے تھے اور حرام کو حلال کرتے تھے تو اس تہمت سے کرتے اور یہ حکم حلت اور حرمت کا سب موافق حکم خدا کے تھا اور اسلئے ... یہ سلام نے فرمایا کہ لَنْ تَشَاءُوْا اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ تبارک و تعالی اور اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ کی تفسیر لکھا ہے عمار یاسر رضی اللہ عنہ نے و مخالف اعتقاد کے ظاہر کیا تو وہ بھی ... اور انکی والدین نے مخالف اعتقاد کے بیان کیا تو وہ بھی ... اب کس حکم کو ان دونو حکموں میں سے خدا کا حکم کہو گے اور کسکو نہ کہو گے وہ کلام اللہ جو حضرت امام مہدی کے پاس محفوظ ہے اُسی کے موافق تو ہر ایک امام حلت اور حرمت کا حکم دیتا تھا اور جسکو چاہتے تھے کہ حلال کرتے تھے اور جس چیز کو چاہتے تب حرام کرتے تھے وہ اُس کلام اللہ ہی سے حکم دیا کرتے تھے اور اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتے تب اور اُسی قرآن کے موافق ہمارا دین جبتک بنا رہا تھا بدلا گیا ہے دین تمہارا کہ پہلے تو رسول خدا صلعم شیخین کے زمانہ میں تو تمہارا دین اُن صحفوں کے موافق تھا کہ جلا کر خاک کر دیے ہیں اور عثمان نے جو قرآن جمع کیا کہ جسپر تمہارا عمل ہے تو اُس قرآن کثیر جو اُس سے اسمیں داخل نہیں کیا ہے تو بہت احکام خدا کے جاتے رہے اور تبدیل الفاظ جو ہوئی تو مطلب ہی کچھ کا کچھ ہو گیا اور پہلے دین میں فرق آگیا اور ہمارے دین میں کسی طرح کا فرق نہیں ہے اور نیا کلام اللہ تو اہل سنت کو چاہیئے کہ اُنکے کلام اللہ میں سے بہت کچھ جاتا رہا ہے اور حضرت عیسی جو آخر زمانہ میں نازل ہونگے بعد خروج حضرت امام مہدی کے گو حافظ انجیل کے ہونگے لیکن اُنکی انجیل و دین اُنکا جو منسوخ ہے اُسپر عمل نہوگا بلکہ قرآن مجید پر عمل کرینگے اور ہمارا قرآن جو ہے تو یہ منسوخ نہیں ہے بلکہ ناسخ ہے اُسکا حال انجیل کا سا نہیں ہے اور تغییر اور تبدیل احکام کا جواب تم دیکھ چکے **قال الشیخ الاشعری** باقی رہا یہ احتمال کہ شاید حضرت امام مہدی اُنہیں احکام پر عمل کریں جو رسول اللہ صلعم کے مقرر کیئے ہوئے ہیں تو اُسکا جواب یہ ہے کہ محمد بن بابویہ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کرے ہے عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اٰخٰى بَيْنَ الْاَرْوَاحِ فِي الْاَزَلِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ الْاَجْسَامَ بِاَلْفَيْ عَامٍ فَلَوْ قَدْ قَامَ قَائِمُ اَهْلِ الْبَيْتِ وَرَّثَ الْاَخَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰخٰى بَيْنَهُمَا فِي الْاَزَلِ وَلَمْ يُوَرِّثِ الْاَخَ مِنَ الْوِلَادَةِ ۔ یعنی حضرت امام ابو عبد اللہ نے جو حضرت امام جعفر صادق کا لقب ہے یوں فرمایا کہ اللہ تعالی نے ازل میں روحوں کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے روحوں میں آپسمیں بھائی بندی کرا دی ہے جب امام مہدی علیہ السلام ازل کی بھائی بندی کے حساب پر وراثت جاری فرمائینگے اور جو نسل کی رو سے بھائی ہوگا اُسے وراثت دلائینگے اب دیکھیے کہ اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام مہدی کلام اللہ کے احکام کے موافق بالکل عمل نکرینگے اور یہ حکم جو نسبی بھائی کی وراثت ہونیکا ہے اُسے موقوف کرینگے اور اس روایت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جاننا ہوگا کہ وراثت کا حکم جو سورہ نساء میں یوصیکم اللہ کے رکوع میں ہے وہ کوئی خلیفہ ثالث کے نعوذ باللہ کچھ اپنی طرف سے نہیں بلکہ عین حکم الٰہی ہے ورنہ اُسکے موقوف ہونے کی حضرت امام مہدی کے وقت پر کیا تخصیص تھی **اقول** بیشک حضرت امام مہدی انہیں احکام پر عمل کرینگے جو کہ رسول خدا صلعم کے مقرر کئے ہوئے ہیں غیر اُنکے پر اور یہی اعتقاد ہمارا ہے اور جو روایت کہ ہمارے اعتقاد کے مخالف ہوگی وہ مطروح یا ماؤل ہوگی اور محمد بن بابویہ علیہ الرحمۃ سے جو روایت لکھی ہے یہ نہیں لکھا کہ فلانی کتاب میں یہ روایت ہے تاکہ صدق و کذب اس نقل کا دریافت کیا جاتا کہ واقع میں یہ روایت ہے یا نہیں اور اگر تسلیم کیا جائے کہ اس طرح کی روایت بھی آئی ہوگی لیکن مخالف اعتقاد کے جو یہ روایت ہے تو قابل اعتبار نہیں ہے اور اُنکے عقیدہ پر نظر کرنی چاہیئے کہ وہ کیسا ہے نہ روایت غیر معتبر پر اہل سنت کی کتب صحاح میں

ایسی روایتیں لکھ کر رہیں کہ جو متضمن ہیں خدا تعالیٰ کے مجسم ہونے کو چنانچہ لکھا ہی کہ نیمۂ شعبان کو خدا تعالیٰ آسمان دنیا پر یعنی اول آسمان پر آتا ہی اور بہت آدمیوں کو بخشتا ہی اور
لکھا ہی کہ خدا تعالیٰ پنڈلی اپنی کھولیگا قیامت کے روز اور سوائے اسکے بہت روایتیں صحاح ستہ میں ایسی ہیں کہ جو اہل سنت کے اعتقاد کے مخالف ہیں سو ایسی روایت کو
دیکھکر اعتراض کرنا بڑی حماقت ہے اور اس روایت میں ایک حکم کا ذکر ہی کہ برادر ازلی کو دلوائینگے اور برادر نسبی کو حصہ دلوائیں گے اور یہ شیخ نجدی اپنی طبیعت سے ایجاد کرکے
کہتا ہے کہ کلام اللہ میں جو احکام ہیں کے موافق بالکل عمل نکرینگے کیسا افتری اور دروغگو ہے یہ شیخ اور اس روایت پر اعتراض کرتا ہی اور اپنے اولیاء کے اعتقادات کی طرف نظر
نہیں کرتا ہی کہ وہ تمام احکام خدا کو منسوخ اور شرع محمدی کو باطل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مادر اور دختر اور خواہر سے زنا کرنا مباح ہو جاتا ہی اور نماز و روزہ وغیرہ ساقط
ہو جاتے ہیں اور شراب پینی حلال ہو جاتی ہی چنانچہ شرح بزدوی اور تلبیس ابلیس ابن جوزی میں لکھا ہی کیا یہ احکام خدا کے نہیں ہیں کہ جو منسوخ ہوئے اور اس روایت
ابن بابویہ علیہ الرحمۃ میں تو یہ ہی کہ حضرت امام مہدیؑ اپنے زمانہ میں ایسا کرینگے اب معلوم نہیں کہ کریں یا نکریں اور ابوحنیفہ نے تو کر ہی دکھلایا کہ سیکڑوں احادیث
منسوخ کر دیں اور باوجودیکہ امام غزالی وغیرہ علماء اہل سنت اور خطیب بغدادی نے اسکو گمراہ مقرر کر دیا لیکن ہندوستان کے اہل سنت پھر اسی کی پیروی کرتے ہیں اور شیعوں
کا اعتقاد امام مہدیؑ کی طرف یہ نہیں ہے کہ وہ احکام خدا کو منسوخ کرینگے اور اگر کرینگے تو موافق حکم خدا کے نہ اپنی رائے سے سو ہو سکتا ہی کہ انکے پاس جو جفر جامع اور مصحف فاطمہ
موجود ہے اسمیں یہ حکم بھی لکھا ہو اور جناب رسول خدا صلعم کے پاس تو سب احکام آچکے تھے اور ان حضرت سے سینہ بسینہ امام مہدیؑ تک سب ائمہ کو احکام خدا پہنچے ہیں تو ان احکام
میں یہ بھی ایک حکم ہوگا اور یا یہ کہ وہ کلام اللہ جو انکے پاس ہے اسمیں یہ حکم ہو اور عثمان نے اپنی قرآن میں اس حکم کو داخل نہ کیا ہو اور سورۂ نساء میں جو نسبی برادر کے حصہ
دینے کا ذکر ہی اسکو باقی رکھا ہو اور عثمان ہی کے سبب سے وہ پہلا حکم قرآن میں داخل نہوئے پایا ہو اور اب ہم سب مورد طعن کرکے کہتے ہیں کہ اسی طرح کی روایت اہل سنت کی کتابوں
میں بھی موجود ہی اور جس صورت میں کہ اپنی ہی کتابوں میں اس طرح کا حکم موجود ہو تو پھر دوسروں پر اعتراض کرنا بڑی مکاری اور دغابازی ہی چنانچہ مواہب لدنیہ میں لکھا ہی

فَاِنْ قُلْتَ قَدْ وَرَدَ فِیْ صَحِیْحِ مُسْلِمٍ فِیْ قَوْلِہٖ صلعم لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَنْزِلَ فِیْکُمْ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا مُقْسِطًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَ یَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَ یَضَعُ الْجِزْیَۃَ وَاِنَّ الصَّوَابَ فِیْ مَعْنَاہُ
اَنَّہٗ لَا یَقْبَلُ الْجِزْیَۃَ وَلَا یَقْبَلُ اِلَّا الْاِسْلَامَ اَوِ الْقَتْلَ وَ ھٰذَا خِلَافُ مَا حَکَمَ الشَّرْعُ الْیَوْمَ فَاِنَّ الْکِتَابِیَّ اِذَا بَذَلَ الْجِزْیَۃَ وَجَبَ قَبُوْلُھَا وَلَمْ یَجُزْ قَتْلُہٗ وَلَا اِکْرَاھُہٗ عَلَی الْاِسْلَامِ
وَاِذَا کَانَ کَذٰلِکَ فَکَیْفَ یَکُوْنُ عِیْسٰی حَاکِمًا لِشَرِیْعَۃِ نَبِیِّنَا وَالْجَوَابُ اَنَّہٗ لَا خِلَافَ فَاِنَّ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنَّمَا یَنْزِلُ حَاکِمًا بِھٰذِہِ الشَّرِیْعَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ وَلَا یَنْزِلُ نَبِیًّا بِرِسَالَۃٍ
مُسْتَقِلَّۃٍ وَشَرِیْعَۃٍ نَاسِخَۃٍ بَلْ ھُوَ حَاکِمٌ مِنْ حُکَّامِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَاَمَّا حُکْمُ الْجِزْیَۃِ وَمَا یَتَعَلَّقُ بِہٖ فَلَیْسَ حُکْمًا مُسْتَمِرًّا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ بَلْ ھُوَ مُقَیَّدٌ بِمَا قَبْلَ نُزُوْلِ عِیْسٰی وَقَدْ اَخْبَرَنَا
نَبِیُّنَا صلعم بِنَسْخِہٖ وَلَیْسَ عِیْسٰی ھُوَ النَّاسِخَ بَلْ نَبِیُّنَا ھُوَ الْمُبَیِّنُ لِلنَّسْخِ فَدَلَّ عَلٰی اَنَّ الْاِمْتِنَاعَ فِیْ ذٰلِکَ الْوَقْتِ مِنْ قَبُوْلِ الْجِزْیَۃِ ھُوَ شَرْعُ نَبِیِّنَا اَشَارَ اِلَیْہِ النَّوَوِیُّ فِیْ شَرْحِ مُسْلِمٍ

حاصل اسکا یہ ہی کہ پس اگر کہے تو کہ تحقیق وارد ہوا ہے صحیح مسلم میں قول میں ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ قریب ہے کہ نازل ہو تم میں ابن مریم حاکم عادل ہو کر پس توڑ دیگا
وہ چلیپا کو کہ وہ شکل صولج کی ہی اور قتل کریگا خوک کو اور وضع کریگا جزیہ کو اور صواب اسکے معنی میں یہ ہے کہ تحقیق وہ نہ قبول کریگا جزیہ کو اور نہ قبول کریگا سوائے اسلام اور
قتل کے اور یہ خلاف ہے حکم شرع کے کہ جو آجکے دن ہی اسواسطے کہ کتابی یعنی یہودی یا نصرانی جسوقت خرچ کرے اور دیوے جزیہ کو تو واجب ہے قبول کرنا اسکا اور قتل کرنا اسکا
جائز نہیں ہے اور نہ مسلمان ہونے پر زبردستی اسپر کرے کہ تو اسلام کو قبول کر اور جسوقت ایسا امر ہوا تو کیونکر ہو ویگا عیسے حاکم ہمارے پیغمبر کی شریعت کا اور جواب اسکا یہ ہی کہ
نہیں ہے خلاف اسمیں کہ حضرت عیسے علیہ السلام ضرور نازل ہونگے حاکم ہو کر اس شرع محمدی کے نہ نازل ہونگے وہ نبی ہو کر ساتھ رسالت مستقلہ اور شریعت
ناسخہ کے بلکہ وہ ایک حاکم ہونگے اس امت کے حاکموں میں سے اور لیکن حکم جزیہ کا اور جو کچھ کہ اسکے متعلق ہی یہ حکم ہمیشہ کا قیامت تک نہیں ہے بلکہ وہ مقید ما قبل نزول
عیسے کے ہی اور تحقیق خبر دی ہی ہمارے پیغمبر نے منسوخ ہونے اسکے کی اور نہیں ہے عیسے منسوخ کرنیوالا بلکہ ہمارے پیغمبر ہیں اور وہ عیسے بیان کرنیوالا نسخ کا ہیں پس دلالت
کی اس امر پر کہ امتناع اسوقت میں قبول جزیہ سے وہ شرع پیغمبر ہمارے کی ہی اشارہ کیا ہی طرف اسکے نووی نے شرح مسلم میں فقط پس ایسے ہی امام مہدیؑ مثل
حضرت عیسے کے حاکم ہونگے اس امت کے اور منسوخ کرنے احکام کا انکو اختیار ہوگا مطابق منسوخ کرنے رسول خدا صلعم کے کہ جس حکم کو کہ رسول خدا صلعم نے موافق حکم خدا کے
منسوخ کیا ہی اسکے نسخ کو امام مہدی ظاہر کرینگے سو وہ منسوخ کرنا انکا حقیقت میں منسوخ کرنا رسول خدا صلعم کا ہی اور روایت میں تصریح موجود ہی کہ حضرت عیسے وہ حکم
دینگے جو اس زمانہ کے حکم کے مخالف ہی اور وہ حکم انکا جاری ہوگا اور ایسی ہی امام مہدیؑ کا حال ہی قال الشیخ الاشعری الغرض جبتک اثنا عشریہ اس مذہب
سے کہ امام کو سب احکام کے منسوخ کر دینے کا اختیار ہی دست بردار ہونگے تب تک انگریزوں کے سامنے اپنے کلام اللہ کے محفوظ ہونے کے مقدمہ میں جو آیت نحن نزلنا الذکر
وانا لہ لحافظون سے مستفاد ہوتا ہی منہ نکر سکیں گے اور ہماری اس صلاح کے ماننے میں فقط انکا ہی فائدہ نہیں کہ نصاریٰ اور یہود سے جیت جائیں نہیں بلکہ

لفظ خاتم النبیین جو سورۂ احزاب میں ہے اُسپر بھی ایمان درست ہو جائیگا نہیں تو یہودیوں کی طرح یہ عتاب تمپر ہی رہیگا کہ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ کیا تم تھوڑی سی کتاب پر تو ایمان لاتے ہو اور تھوڑی پر نہیں لاتے وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ بات تو انبیاء میں سے بھی کسی کسیکو میسر آتی ہے کہ نئی شریعت لائے اور پہلے احکام بدل جائیں بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ کے بعد حضرت عیسیٰ تک جتنے نبی ہوئے سب توریت ہی پر عمل کرتے رہے اور پھر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو بھی گو یہ بات میسر نہیں آئی کہ خدا نے دین کا مقدمہ انہیں سپرد کر دیا ہو بلکہ جو کچھ اُنہوں نے احکام مقرر کئے سب حسب فرمان خداوندی مقرر کئے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ تو درکنار کلام اللہ سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ خود سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ اختیار نہ تھا کیونکہ سورۂ انعام میں یہ آیت موجود ہے قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا الآیۃ جسکا حاصل یہ ہے کہ کہدے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پاتا ہوں بیچ اس چیز کے جو میری طرف وحی کی گئی ہے کوئی چیز حرام کسی کھانیوالے پر مگر فلانی اور فلانی اس آیت کے مضمون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حرام کرنا اور حلال کرنے کا اختیار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کو نہ تھا حلت و حرمت کا مدار وحی پر تھا دوسرے کئی جگہ آیا ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ حاصل اسکا یہ ہے کہ سوائے خدا کے اور کوئی حاکم نہیں اور اگر بالفرض خدا نے اُمت کے احکام اُنکے سپرد کر دیئے ہوں تب بھی ہمارے امام کچھ اُنسے اسبات میں کم نہیں اور یہی احکام کی تبلیغ کے رسول اور نبی ہوا کرتے ہیں چنانچہ خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے یٰۤاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ یعنی اے رسول پہنچا دے جو تیری طرف نازل کیا گیا ہے الغرض اسی طریق سے یہود اور نصاریٰ کی پرخاش سے بھی نجات ہو جائیگی اور اپنا ایمان بھی درست ہو جائیگا **اقول** ہم پہلے اس سے لکھ چکے ہیں کہ امام کو بالاستقلال کسی حکم کے منسوخ کرنے کا اختیار نہیں ہے مگر جسکا کہ نسخ سینہ بسینہ رسول خدا صلعم سے چلا آیا ہے اور یا یہ کہ اُسکا نسخ جفر جامعہ میں مندرج ہے اُسکو امام منسوخ کر سکتا ہے بحکم خدا نہ اپنی رائے سے جیسے کہ ابو حنیفہ اپنی رائے سے احکام خدا کو منسوخ کیا کرتا تھا اور ہمارا کلام اللہ بیشک محفوظ ہے ابتک اور کسی طرح کا تغیر اُسمیں نہیں ہوا ہے اور وہ روایت ضعیفہ ایک حکم کے منسوخ ہونے کی زمانہ خروج امام علیہ السلام میں آئندہ کی خبر دیتی ہے کہ امام مہدی ایسا کرینگے قرآن کی حفاظت میں اس سے کیا خلل آیا قرآن کی آیت تو کوئی نکالی نہیں گئی ہے جسکے سبب سے کہا جائے کہ قرآن محفوظ نہ رہا حکم کا منسوخ ہونا اور امر ہے اور قرآن کا ناقص ہو جانا اور امر ہے ایسے پاگل نہیں ہیں انگریز تیری طرح کہ ایسی صورت میں حفاظت پر طعن کریں اور امام کا منسوخ کرنا ایسا ہو گا جیسا کہ حضرت عیسیٰ بعضے احکام کو منسوخ کرینگے چنانچہ صحیح مسلم میں لکھا ہے اور علماء اہل سنت نے اُسکا جواب دیا ہے اور آیہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ الخ قرآن کی حفاظت پر یقیناً دلالت نہیں کرتی ہے بلکہ ایک احتمالی بات ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں بلکہ بنظر روایات کتب اہل سنت کہ قرآن کے نقصان اور تبدیل الفاظ قرآن پر دلالت کرتی ہیں حفاظت قرآن آیت مذکورہ سے مراد لینی ہرگز صحیح و درست نہیں ہو سکتا بلکہ مراد حفاظت سے حفاظت رسول خدا صلعم ہے نہ حفاظتِ قرآن اور انگریزوں کے سامنے تو تم ہی منہ نہیں کر سکتے اسواسطے کہ تمہارا دعویٰ بھی تو یہی ہے کہ یہ ہمارا قرآن محفوظ ہے اور اسمیں کسی طرح کا تغیر نہیں ہوا ہے لیکن روایتیں تمہاری کتابوں کی کثرت سے دلالت کرتی ہیں قرآن کے نقصان ہونے پر اس صورت میں تم کلام اللہ کے محفوظ ہونے کے مقدمہ میں حجت آیت انا نحن نزلنا الذکر سے مستفاد ہوتا ہے منہ نہ کر سکو گے اور یہود و نصاریٰ سے ہم ہمیشہ ہی جیتتے رہے ہیں اور ہارے ہوئے اُنسے تم ہو اور خاتم النبیین پر بھی ہمارا ایمان صحیح اور کامل ہے اور تیرا ہی ایمان خاتم النبیین پر نہیں ہے کہ تونے چھ خاتم النبیین اور مقرر کئے ہیں اور تیری اس بے ایمانی پر اہل مکہ نے تیرے کفر اور ارتداد کا فتویٰ لکھا ہے اور بعضی کتاب پر بھی تمہارا ہی ایمان نہیں ہے کہ تمہارے پیشوا عثمان بن عفان نے بہت سے مصحف جلا دیئے کہ جنمیں وہ حکم بھی تھے کہ جو اس قرآن میں نہیں ہیں اب کہاں ہے تمہارا ایمان ۔ کل قرآن منزل پر اور نئی شریعت کا لانا کام پیغمبر کا ہے اور سوائے اُسکے اور کوئی شرع جدید نہیں لا سکتا ہے اور نہ کسی شیعہ کا یہ اعتقاد ہے اور اگر درصورت فرض کوئی روایت منسوخ کرنے حکم میراث برادر نسبی کے شیعوں کی کتابوں میں آئی ہے تو اس سے کیا ہوتا ہے شیعوں کا اعتقاد تو یہ نہیں ہے بلکہ تیری ہی کتابوں میں لکھا ہے کہ بعضے احکام کو حضرت عیسیٰ منسوخ کرینگے چنانچہ صحیح مسلم میں ہے اور ابن حجر نے اُسکا جواب لکھا ہے اور مسلم الثبوت اصول فقہ کی کتاب میں لکھا ہے کہ تفویض کرنا احکام کا علماء اور مجتہدین کو جائز ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اپنی کتابوں کی تو خبر نہیں لیتا ہے اور دوسروں پر اعتراض کرتا ہے اور نئی شریعت بھی ابو حنیفہ ہی لایا ہے جسکی تو پیروی کرتا ہے اور تیرا وہ امام ہے اور نئی شریعت کر دینی کی جہت سے امام غزالی وغیرہ علماء اہل سنت نے لکھا ہے کہ ابو حنیفہ نے شرع کو بالکل منقلب کر دیا اور الٹ دیا ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم مفصل بیان کر چکے ہیں تیری کتاب ہی سے ثابت ہوتا ہے منسوخ کرنا احکام کا اور سپرد کرنا دین کا اور تفویض کے معنی جو کچھ اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں وہ ہیں اور مراد تفویض سے یہ نہیں ہیں کہ جو چاہیں حلال کر دیں اور جو چاہیں حرام کریں اور منسوخ کرنیوالے حکم خدا کی تو میاں عمر تھے جنہوں نے علی الاعلان فرمایا تھا کہ رسول خدا صلعم کے زمانہ میں متعہ حج اور متعہ زنان حلال تھی اور میں حرام کرتا ہوں اسکو کہتے ہیں نسخ کہ حضرت عمر نے حکم خدا کو جو قرآن میں ہے منسوخ کر دیا اور امام مہدی کی منسوخ کرنے کی جو ایک روایت ضعیفہ اس شیخ نے لکھی ہے اُسمیں یہ تو نہیں ہے کہ امام مہدی نے کوئی حکم خدا کا منسوخ کر دیا ہو بلکہ ایک خبر ہے کہ یوں کرینگے اور اعتقاد ہمارا حلال اور حرام کے مقدمہ میں یہی ہے کہ حلال اور حرام کرنا سوائے خدا کے کسیکو اختیار نہیں ہے نہ پیغمبر کو نہ امام کو مگر ابو حنیفہ نے بہت سے احکام حلال و حرام کئے ہیں اپنی رائے سے اور یہود اور نصاریٰ کی پرخاش سے تمکو ہی نجات حاصل کرنی چاہئے اور ہمکو تو ہر طرح سے نجات حاصل ہے **قال الشیخ الاشعری** اور شاید کچھ یہی سچ

سمجھکر شیخ صدوق قمی ابن بابویہ نے کتاب الاعتقاد میں اس عقیدہ سے ہاتھ اٹھایا اور ہمارے نزدیک اس حساب سے صدوق اسم بامسمیٰ ہوگئے مگر سنیوں نے دامن چھڑانے کے لئے سب اہل
تشیع کی طرف سے نیابۃً یوں کہہ دیا مَنْ نَسَبَ اِلَيْنَا اَنَّا نَقُوْلُ اِنَّهٗ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ فَهُوَ كَاذِبٌ یعنی جو یوں کہے کہ شیعہ یوں کہتے ہیں کہ کلام اللہ اس سے زیادہ تھا جواب لوگوں کے پاس
ہے اور جسکی ایک موجودہ سورتیں ہیں وہ جھوٹا ہے انہوں نے چاہا تھا کہ سنیوں کو جھوٹا بتائیں پر خدا سچوں کو سچا ہی کرتا ہے خدا ساز علامۂ کلینی نے اس دروغ کا بار اپنے سر اٹھایا یا
یوں کہیے علامۂ صدوق کو جھوٹا بنایا چنانچہ انکی روایت کلام اللہ کی سترہ ہزار آیت ہونے کے باب میں اوپر مرقوم ہو چکی کسی نے سچ کہا ہے حق بر زبان جاری غود خبر کہاں تک
حضرات شیعہ کی ناانصافی اس باب میں بیان کیجے منصفوں کے لئے اسیقدر بہت ہے **اقول** پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہمارے علماء معتمدین کا مثل شیخ صدوق اور شیخ ابو جعفر
طوسی اور سید مرتضیٰ اور صاحب مجمع البیان اور میر باقر داماد اور ملا محسن کاشانی اور شیخ حر عاملی وغیرہ کے یہی اعتقاد ہے کہ قرآن منزل من اللہ ہو وہ یہی قرآن ہے کہ جو فی زماننا
سب کے پاس موجود ہے نہ اس سے کم ہے نہ اس سے زیادہ ہے کچھ شیخ صدوق تنہا ہی کی لکھنے پر موقوف نہیں ہے اور ہم اثبات بیشی اور کمی قرآن جو کرتے ہیں تو صرف اس شیخ نجدی کے
اقوال کی رد کرنیکو کرتے ہیں کہ یہ شخص جھوٹی باتوں کو ہماری طرف منسوب کرتا ہے اور اس پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ جو خود اسکی کتابوں میں موجود ہے اور اہل سنت دامن کیونکر بچا سکتے
تھے کہ اضعاف مضاعف روایات تنقیص قرآن انکی کتابوں میں موجود ہیں اور انکا کچھ عذر نہیں کرتے ہیں جیسے کہ ہم کہتے ہیں کہ وہ احاد ہیں اور انکا کچھ اعتبار نہیں ہے تو
اہل سنت کو اب چاہیے کہ کسی طرح اپنا دامن چھڑائیں سو مٹے کہ انکی کتابوں میں کثرت سے روایتیں نقصان اور زیادتی اور تبدیل الفاظ کی موجود ہیں اور شیخ صدوق کی راست گوئی
میں کیا شک ہے کہ وہ اہل بیت علیہم السلام کے مذہب کے علماء میں سے ہیں اور اسیواسطے صدوق انکا لقب مشہور ہوا ہے کہ وہ نہایت راست گو ہیں اور ہمارے تو کل علماء راست گو ہیں کہ
وہ مطیعان اور غلامان آل رسول میں سے ہیں اور دروغگو تمہارے علماء ہیں کہ سفینۂ نجات سے خارج ہیں علی الخصوص مولوی عبدالعزیز صاحب کے علماء میں انکے برابر کوئی دروغگو نہ ہوگا
اور دروغ انکا واضح ہوتا ہے انکی کتاب تحفہ سے اور اہل سنت جو کہتے ہیں کہ شیعوں کے نزدیک یہ قرآن مروج ناقص ہے جھوٹ کہتے ہیں اسواسطے کہ اعتقاد علماء معتمدین شیعہ کا یہی ہے کہ قرآن
میں نقصان نہیں ہوا ہے اور بعضی روایتیں جو اسکے نقصان پر دلالت کرتی ہیں وہ منجملہ احاد اور ضعاف ہیں کہ انکا اعتبار نہیں ہے اور علامۂ کلینی نے جو نقصان کی روایت
بیان کی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اعتقاد بھی انکا ایسا ہی ہوگا اسواسطے کہ وہ محدث تھے جیسی روایت انہوں نے سنی بیان کر دی انکے اعتقاد کے موافق ہو یا نہو دیکھو شیخ صدوق
علیہ الرحمۃ جو لکھتے ہیں کہ قرآن یہی ہے اور اس سے زیادہ نہیں ہے تو وہ بھی نقصان کی روایتیں لکھتے ہیں اور اعتقاد انکا ان روایتوں کے مطابق نہیں ہے سو صاحب کافی کلینی نے شیخ
صدوق علیہ الرحمۃ کو جھوٹا نہیں ٹھیرایا کہ اعتقاد اور چیز ہے بیان کر دینا روایت کا اور بات ہے اور بخاری اور مسلم میں سینکڑوں روایتیں ایسی ہیں کہ اسمعیل بخاری کا اعتقاد انکے
موافق نہیں ہے اور اگر روایتوں کے بیان کرنے ہی پر مدار ہے تو اہل سنت کی کتابوں میں سینکڑوں روایتیں نقصان قرآن کی موجود ہیں اور اگر صاحب کافی نے اس دروغ کو اپنے
سر پر اٹھایا ہے تو صاحب بخاری اور صاحب مسلم اور صاحب در منثور اور اتقان وغیرہ نقصان قرآن کی روایتیں لکھنے والے سب جھوٹے ہو جائیں گے اور یا یہ کہ اس زمانہ کے اہل سنت کو
جھوٹا بنائیں گے اور اگر اہل سنت کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن میں نقصان نہیں ہوا تو وہ بڑے جھوٹے ہیں اور انہوں نے چاہا تھا کہ ہم اس دعوی میں سچے ہوں پر خدا جھوٹوں کو جھوٹا ہی کرتا
ہے خدا ساز سینکڑوں روایتیں نقصان قرآن کی اہل سنت کی کتابوں میں موجود نکلیں اور بعضی روایتیں پہلے اس سے ہمنے بیان بھی کی ہیں سو ان روایتوں نے اہل سنت
کو جھوٹا ٹھیرایا کہ وہ ہمیشہ کے جھوٹے ہی ہیں اور سچ انکے پاس کو نہیں گیا اور اہل سنت بڑے ناانصاف ہیں کہ نقصان قرآن کا شیعوں پر طعن کرتے ہیں اور روایتیں
نقصان کی خود انکی کتابوں میں موجود ہیں اور اگر شیعوں کی کتاب میں کوئی روایت نقصان قرآن کی ہے تو وہ اسکا عذر کرتے ہیں اور قابل اعتبار اسکو نہیں جانتے ہیں
اور اہل سنت متغیر ہو جانے قرآن کی روایتوں کا کچھ عذر نہیں کرتے ہیں اور تماشا یہ ہے کہ طعن اسکا ہم پر کرتے ہیں چنانچہ مشہور ہے کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانڈے کہاں تک اہل سنت
کی ناانصافی اس باب میں بیان کیجے منصفوں کے لئے اسیقدر بھی بہت ہے **قال الشیخ الاشعری** ہمیں کوئی عاقل منصف ایسا نظر نہیں آتا جو اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ
اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ سے بجز اسکے کچھ اور معنی سمجھے کہ اسمیں ہرگز کوئی کمی بیشی نہیں کر سکتا خلیفہ ثالث ہو یا خلیفۂ اول و دوم بلکہ انصاف سے دیکھئے تو بشہادت معنی اس
آیت میں سنیوں کی بڑی فضیلت نکلتی ہے شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ جو کام کسی کے اہتمام اور انتظام اور حکم سے ہوا کرتا ہے اگرچہ حقیقت میں اسے اور ہی کوئی کرے پر عرف میں وہ
مہتمم ہی کی طرف اور منتظم اور حاکم ہی کی جانب منسوب ہوا کرتا ہے مثلاً کوئی بادشاہ کسی رسالہ یا پلٹن کو خزانہ کی حفاظت کے لیے مقرر کرے اور رسالدار اور صوبہ دار دس پانچ
سپاہیوں کو پہرہ پر مقرر کر دیتے ہیں اور پھر نوبت بنوبت اور نمبر بنمبر وار اس پہرہ کو بدلتے رہتے ہیں اور آپ آرام کرتے ہیں اور سپاہی پہرہ دار چوروں اور قزاقوں کو دفع کرتے رہتے ہیں
اب دیکھئے حقیقت میں محافظ سپاہی پہرہ دار کرتے ہیں پر چونکہ رسالداروں اور صوبہ داروں کے حکم سے آتے ہیں تو بڑی سرکاروں میں رسالداروں اور صوبہ داروں ہی کا
نام ہوتا ہے اور سپاہیوں کا کیا ہوا رسالداروں اور صوبہ داروں ہی کا کیا ہوا سمجھا جاتا ہے اسیواسطے اگر کہیں ایسے موقع پر کوئی معرکہ کا کام پڑ جاتا ہے تو گو سپاہیوں کو بھی قدر قلیل

انعام ملی پر رسالداروں اور صوبہ داروں کو بیش قرار انعام ملتا ہے اور عہدوں کی ترقی ہوتی ہے اسی طرح سنی بھی موافق حکم الٰہی کے اس خزانہ بیش بہا کی محافظت
کرتے ہیں اور چونکہ اوراق میں فقط خوب حفاظت نہو سکتی تھی تو اسواسطے اسکو اپنے سینوں میں گویا جان کے ساتھ رکھتے ہیں تاکہ بے دینوں اور شیاطین کو اسکے چرانے کی دسترس
نہو سو الٹے چور کو توال کو ڈانڈیں شیعہ سنیوں ہی کو چور بتانے لگے سو یہ ہی مثل ہے یکی برباد گنہ لازم اگر شیعوں سے سنی کچھ انعام اکرام اس خدمت کا مانگتے جب ہی یہ تہمت لگائی
ہوتی خدا کے دینے میں اتنا بخل کیوں ہے نیل جلے سرکار کا کلیجہ پھٹے مشعلچی کا ہم جو دنیا میں دیکھتے ہیں تو کلام اللہ کی محافظت سنی ہی کرتے ہیں ایک ایک بستی میں بعضی بعضی جا
بان پانسو حافظ موجود ہیں مگر چونکہ یہ انکی حفاظت موافق ارشاد خداوندی کی ہے تو یہ انکا کیا خدا ہی کا کیا سمجھنا چاہئے اور سنیونکو ملازم خاص و محکوم باختصاص سمجھی اسی لیے خداوند
کریم نے اس محافظت کو اپنی طرف منسوب کیا اور فرمایا وانالہ لحافظون یعنی ہمیں اسکے محافظ ہیں لیکن شیعوں کو محکومان نافرمان کی مانند چاہئے بلکہ بمنزلہ باغیوں یا چوروں کے
قرار دیجے کیونکہ یہ فرقہ محافظان کلام ربانی کے جو ایک خزانہ بے بہا ہے دشمن ہیں اور خزانوں کے محافظوں کے قزاق اور باغی اور چور ہی دشمن ہوتے ہیں غرضکہ آیت انا نحن
نزلنا الذکر وانالہ لحافظون بھی باواز بلند یہی کہتی ہے کہ مذہب اہل سنت حق ہے اور مذہب شیعہ باطل پر سننے کو کان شرط ہیں جن کانوں پر ختم اللہ علی قلوبھم و
علی سمعھم کی مہر لگی ہوئی ہو یعنی یہ مضمون نہ صادق آتا ہو کہ اللہ نے انکے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگائی ہے وہ کیا سنیں اور کس کی سنیں گر میں اپنی طرف سے سمجھانے میں قصور
نکرنا چاہئے **اقول** ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر ذکر سے مراد قرآن لیا جاے تو کمی بیشی اسمیں متصور نہیں ہوسکتی لیکن کمی بیشی تو اسمیں ضرور ہوئی ہے مع تبدیل الفاظ کے اسواسطے
کہ روایات کثیرہ صحیحہ کتب معتبرہ اہل سنت کی جن پر مدار اہل سنت کے مذہب کا ہے مثل بخاری اور مسلم اور جامع الاصول اور در منثور اور اتقان وغیرہ کے قرآن کے متغیر ہوجانے پر
دلالت کرتی ہیں سو وہ روایتیں تو دروغ نہیں ہوسکتی ہیں اگر وہ دروغ ہوجائیں تو مذہب ہی سنیوں کا دروغ ہوجائے اسواسطے کہ ایک دو روایت نہیں ہے کہ اسکی تاویل
کی جائے بلکہ اس طرح کی روایتیں کثرت سے ہیں اور وہ سب کے سب سینکڑوں ہیں دروغ یا ضعیف کیونکر ہوجائیں گی پس معلوم ہوا کہ مراد ذکر سے جناب رسول خدا صلعم ہیں نہ
قرآن اور دوسری جگہ بھی خدا تعالی نے ان حضرت کو بلفظ ذکر یاد فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے الذین امنوا قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا یتلوا علیکم ایات اللہ مبینات
اور رہا یہ کہ اگر ذکر سے مراد قرآن ہو تو لہ کی ضمیر ذکر کی طرف راجع نکرنی چاہئے بلکہ رسول خدا صلعم کیطرف پھیرنی چاہئے تاکہ آیت کے معنی بنظر روایات کثیرہ اہل سنت صحیح ہوں ورنہ معنی آیت
انا نحن نزلنا الذکر کے ہرگز صحیح نہیں ہوسکتے آدمی کو چاہئے کہ پہلے اپنی کتابوں کی روایتونکو دیکھ لے تب ارادہ گفتگو کا کسی سے کرے اور یہ خبر نہیں ہے کہ موافق روایات اہل سنت
ہی کے معنی آیت کے درست نہیں ہوسکتے اور شیعوں پر وہ اعتراض کرتا ہے جو اہل سنت پر اعتراض ہوتا ہے اور کمی بیشی قرآن کی کچھ محال نہیں ہے اگر کوئی شخص عم کا پارہ لکھے اور
اسمیں سے ایک سورہ والفجر کو اگر کم کر دے ورنہ لکھے یا اپنی طرف سے کچھ زیادہ کر دے تو کیا جبرئیل اسکا ہاتھ پکڑنے کو آئینگے کہ تو کسواسطے بیش و کم کرتا ہے نہیں یہ بات عقل میں بھی آتی ہے
یا شعر یلا شعور یہ کہ عقل کے دشمن ہیں اسقدر بھی نہیں سمجھتے اور اس حماقت کو انکی دیکھنا چاہئے کہ طرح طرح کی روایتیں سورتوں اور آیتوں کی ناقص ہوجانیکی اور بعضی آیتوں کے زیادہ ہوجانے
کی اور الفاظ کے بدل جانے کی اور مصحفوں کے جلا دینے کی کثرت سے اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ خدا تعالی قرآن کا حافظ ہے اور آیہ انا نحن نزلنا الذکر الخ قرآن ہی کی
شان میں نازل ہوئی ہے کیسے بیوقوف عقل کے دشمن ہیں اور یہ جو لکھتا ہے کہ بشہادت عرف اس آیت میں سنیوں کی بڑی فضیلت نکلتی ہے اس احمق مرید نقل سے کوئی پوچھے کہ وہ کونسی
بات فضیلت کی ہے اگر مراد تیری یہ ہے کہ اہل سنت قرآن کو حفظ کرتے ہیں اور شیعہ حفظ نہیں کرتے سر سے یہی غلط ہے کہ شیعہ کوئی حافظ نہیں ہوتا ہے اور جھوٹ بولکر تو لعنت خدا میں گرفتار ہو
اگر کسیکو تمنا شیعہ سے قرآن کی حفظ سننے کی ہو تو باقی بیت النبی بیت امروہہ میرٹھ تیوپور وغیرہ شہروں میں چلا آوے جہاں کہ حافظ ہیں اور جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ ہے اور اگر اہل سنت قرآن کو
حفظ کرتے ہیں تو اس قرآن ناقص کو حفظ کرتے ہیں جسکو عثمان نے جمع کیا ہے اور موافق روایات اہل سنت کے سورتیں اور آیتیں محذوف کر کے اور الفاظ کی تبدیل کر کے جمع کیا ہے اور جس
قرآن کی محافظت کا خدا تعالی نے وعدہ کیا ہے اس قرآن کو اہل سنت ہرگز حفظ نہیں کرتے ہیں بلکہ اسکے ٹکڑے کو کہ جو بعد حذف کے باقی رہا ہے اسکو حفظ کرتے ہیں اور جن آیتوں
کی محافظت کا خدا تعالی نے وعدہ کیا تھا انکو تو عثمان نے جلا دیا تھا اور اس قرآن کی حفاظت کا ارادہ ہرگز نہیں کیا تھا اسواسطے کہ یہ قرآن تو وقت نزول آیت
محافظت کے جمع ہی نہوا تھا اور اگر اہل سنت یا کسی شیعہ نے اس قرآن کو جو قرآن کل کا ایک ٹکڑا ہے حفظ یاد کر لیا تو اسمیں زیادہ فضیلت کیا ہوئی قرآن کے حفظ کرنیکا جو ثواب
ہے وہ ہی ہے کچھ اور فضیلت نہیں ہے اور اہل سنت کی اسمیں تخصیص نہیں ہے اور ایک مثال ایک بادشاہ اور رسالدار اور صوبہ دار کی جو لکھی ہے نہایت پوچ ہے
اور یہاں سے اسکو کیا تعلق ہے اور اہل سنت اس قرآن کی محافظت ہرگز نہیں کرتے ہیں جسکا کہ خدا تعالی نے وعدہ کیا تھا اور اگر اسکے ایک ٹکڑے کی
محافظت کرتے ہیں تو شیعہ بھی اسکی محافظت کرتے ہیں اہل سنت کی اسمیں تخصیص اور فضیلت کیا ہے اپنے منہ میاں مٹھو کہنے سے کچھ فضیلت نہیں ہوسکتی اور یہ کہو کہ
وہ کون تھے جنہوں نے قرآن کو چرایا تھا کیا تم انکو بے دین اور شیاطین کہتے ہو اور شیعہ اپنی طرف سے نہیں کہتے ہیں تم اپنی کتابوں کو دیکھو کہ اسمیں صاف لکھا ہے اور پہلے

اس سے ہم لکھ آئے ہیں اُن کتابوں کے حوالہ سے کہ عثمان نے قرآن جلوا دئے سوائے اپنے جمع کئے ہوئے قرآن کے جہاں کہیں کہتے اور لوگوں کے سینوں سے نکلوا ڈالے اور بعضی
سورتوں کو اور اکثر آیتوں کو قرآن میں داخل نکیا اور اہل سنت نے شیعوں سے زیادہ کونسی خدمت اور نیکی کی تھی جس کے سبب سے مستحق انعام کے ہوں اور تہمت جو رکھی
شیعوں کی لگائی ہوئی نہیں ہے بلکہ علماء اہل سنت کہ نہایت معتبر ہیں وہ اسکو لکھتے ہیں اور قرآن کی حفاظت کی تخصیص اہل سنت کیواسطے نہیں ہے تو دروغگو اور مفتری ہے
بلکہ شیعہ بھی قرآن کو حفظ کرتے ہیں اور اہل سنت جو ہندوستان میں زیادہ ہیں اور شیعہ کم ہیں تو حافظ بھی اہل سنت کے شیعوں کے حافظوں سے زیادہ ہیں مگر پانسو حافظ کسی
بستی میں نہیں ہیں اور شیعہ جو حفظ کرتے ہیں تو اُنکا کیا ہوا خدا ہی کا کیا ہو سمجھنا چاہیے کہ موافق ارشاد خدا کے کرتے ہیں اور ملازم خاص اور محکوم با اختصاص اُنکو سمجھنا چاہیے
اسلیئے کہ خداوند کریم نے محافظت کو اپنی طرف منسوب کیا اور یہہ فرمایا وانا له لحافظون یعنی ہمیں اسکے محافظ ہیں اور اہل سنت کو محکوم نافرمان کی مانند کہنا چاہیے بلکہ بمنزلہ
باغیوں کے یا چوٹوں کے قرار دیجیے کیونکہ بعضے انمیں سے اگرچہ قرآن کو حفظ کرتے ہیں لیکن سفینہ نجات سے جو خارج ہیں اور اہل بیت کی پیروی سے برگشتہ ہیں اور اہل بیت
کے دشمنوں کو اور باغیوں کو دوست رکھتے ہیں ثواب اور فضیلت حفظ سے محروم ہیں اور کلام ربانی جو ایک خزانہ بے بہا ہے اُس میں انکے بڑے عثمان نے مثل قزاقوں اور چوروں اور
باغیوں کے بڑی لوٹ ڈالی کہ کچھہ تو جلا دیئے اور کچھہ متغیر کر دیئے کمی اور بیشی کر کے اور یہ جو اُسکے پیرو ہیں تو یہ بھی ایسے ہی ہیں اور شیعہ ہی محافظ ہیں قرآن کے کہ جو قرآن کہ کامل ہے اور
کسی طرح سے اُسمیں نقصان نہیں ہوا ہے اور علم کثیر اُس میں ہے وہ قرآن اُنکے امام مہدی علیہ السلام کے پاس موجود ہے بحفاظت تمام اور اہل سنت سے اور اُنکے امام سے جو حفاظت
اُسکی نہو سکی تو اس جہت سے آیہ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ بھی باواز بلند یہی کہتی ہے کہ مذہب شیعہ حق ہے اور مذہب اہل سنت باطل پر سُننے کے کان شرط ہیں
جن کانوں پر خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ کی مہر لگی ہوئی ہو یعنی یہ مضمون اُنپر صادق آتا ہے کہ اللہ نے اُنکے دلوں پر اور اُنکے کانوں پر مہر لگائی ہو وہ کیا سنیں اور کسکی سنیں
مگر ہمیں اپنی طرف سے سمجھانے میں قصور نکرنا چاہیئے **قال الشیخ الاشعری** جیسے شیخ صدوق ایک بات مان اٹھے ہیں ایسی ہی شاید مولوی عمار علی صاحب یا کوئی اور عالم
یا جاہل اس بات کو بھی مان جائے مگر چونکہ متعصب کو حق بات کا ماننا ہر چند کتنی ہی صاف اور روشن کیوں نہو بہت دشوار ہوتا ہے **اقول** پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں
کہ شیخ صدوق علیہ الرحمتہ کیا بلکہ سب علماء متقدمین یہی کہتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ شیخ صدوق وغیرہ محدثین شیعہ نے تو مانا اور صاحب بخاری اور مسلم اور فتح الباری
اور جامع الاصول اور در منثور اور اتقان اور مستدرک وغیرہ نے نہ مانا کہ قرآن کی ناقص کر دینے کی روایتیں اپنی کتابوں میں درج کیں اور ابتدا میں ہم مفصل لکھہ چکے ہیں کہ
ہمارے نزدیک قرآن یہی ہے کہ جواب موجود ہے لیکن تو جو شیعوں پر تہمت کرتا ہے کہ یہہ قرآن کی تغیر کے معتقد ہیں سو واسطے تم یہ بڑے قول کے رد میں تغیر قرآن کا تیرے ہی کتابوں سے
ثابت کرتے ہیں اور وہ متعصب کہ جو حق کو باوجود صاف اور روشن ہونیکے نہیں مانتے ہیں وہ اہل سنت ہیں اور شیعہ ایسے نہیں ہیں **قال الشیخ الاشعری** اس تقریر کو سُنکر
شاید کوئی شیعہ مذہب یوں کہنے لگے ہمنے مانا کہ کلام اللہ سارا صحیح اور سنیوں کی روش کے حوالے ہے اس سے ہویدا پر یہہ تو کہیں نہیں کہ ابوبکر کو بھی ماننا چاہیئے اس لیئے
آیہ سیوم مع اپنے ماحصل کے لکھی جاتی ہے تیسری آیہ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا
یعنی تم لوگ اگر ہمارے پیغمبر کی مدد نکروگے تو کیا ہوگا اللہ اُسکا مددگار ہونیوالا ہے پہلے ہی اُسنے مدد کی ہے جب کہ کافروں نے اُسنے نکالدیا تھا جب کہ ایک وہ تھا اور ایک اُسکے
ساتھہ اور تھا جب وہ دونوں غار میں تھے کب جسوقت وہ اپنے ساتھہ دینے والے سے یوں کہے تھا کہ تو غمگین مت ہو ہمارے ساتھہ تو اللہ ہے اس آیت میں بنظر انصاف غور
کیجے اور سینہ زوری کو چھوڑ دیجئے دیکھئے یہ آیت کدہر کو لیئے جاتی ہے سُنیوں کی طرف کھینچتی ہے یا شیعوں کے گھر کا رستہ بتلاتی ہے ہمیں اسجگہ مرزا کاظم علی صاحب لکھنوی کا
مقولہ جو بڑے متبرک علماء شیعہ میں سے تھے اور قدوۃ الزمان مولوی دلدار علی صاحب مجتہد بھی اُنکے معتقد تھے یاد آتا ہے خلاصہ اُسکا یہ ہے کہ اور کسیکو تو جس کسیکا
جو کچھہ جی چاہے سو کہے پر خلیفہ اول کا بُرا کہنے والا تو ہمارے نزدیک بھی کافر ہے اہل محفل میں سے کسینے عرض کی کہ قبلہ آپ کیا فرماتے ہیں مذہب تو اسکے خلاف
ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ میں کیا کہوں ہوں خدا کہے ہے صحابی اور صاحب کے معنی میں کچھہ فرق نہیں سو خدا ہی خلیفہ اول کے صحابی ہونیکا گواہ ہے کیونکہ صاحب
کے لفظ سے جو اس آیت میں موجود ہے شیعوں سُنیوں کے اتفاق سے ابوبکر صدیق ہی مراد ہیں سبحان اللہ اہل انصاف ایسے ہوتے ہیں جیسے مرزا کاظم علی صاحب تھے
اور وہ کچھہ ایسے ویسے نتھے علم و زہد میں شیعوں کے نزدیک وہ بھی شہرہ آفاق تھے کونسا عالم شیعہ مذہب ہے جو اُنکو نہیں جانتا اور اُنکو ہی نہیں مانتا اور اُنکا
بھی اس آیت میں کچھہ قصور نہیں اس آیت کو جس پہلو سے پلٹ کر دیکھئے کہیں گنجایش گفت و شنود کی نہیں یا ہر طرف سے سُنیوں کا مطلب نکلتا ہے **اقول**
شیعہ یہ تو البتہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن سارا صحیح ہے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ سُنیوں کی روش کی خوبی اُس سے ہویدا ہے اسواسطے کہ یہ تو بالکل خلاف واقع ہے اور خلاف کو
کون مانتا ہے بلکہ قرآن سے تو اہل سنت کے مذہب کی کجی پیدا ہے جیسے کہ ہم لکھہ چکے اور آئندہ کو لکھیں گے اور ابوبکر کو کس امر میں مانیں جس نے حقوق اہل بیت غصب کئے

اور فاطمہ زہرا کا دروازہ توڑا اور اُس مظلومہ کا گھر جلانیکو آگ اور لکڑیاں بھی جنانچہ اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہی اور اسقاط محسن کیا چنانچہ ملل نحل میں ہی اور یہ آیہ غار جو لکھی ہی اس سے کوئی فضیلت ابوبکر کی نہیں پائی جاتی اور یہ اسطرحکی آیت ہی کہ کوئی آدمی خواہ کافر ہو خواہ مومن ہو کسی بزرگ کے ہمراہ ایسے مقام میں کہ جہاں خطرہ جان کا ہی اور وہ ہمراہی اپنی جان کا رنج کرے کہ دیکھئے بچتے ہیں یا نہیں اور وہ بزرگ شخص اُس کو کہے کہ تو رنج مت کر کہ خدا ہمارے ہمراہ ہی تو اب دیکھیے کہ اُس ہمراہی کی اسمیں کیا فضیلت ثابت ہی ایسے ہی جناب رسول خدا اور ابوبکر کی نقل ہی کہ جناب رسول خدا شب ہجرت دولتسرا سے نکلکر متوجہ غار ثور کے ہوئے اور رستہ میں جو ابوبکر کو کھڑا ہوا دیکھا تو اُنکو بھی ہمراہ اپنے لیلیا اور غار کے اندر جا کر دونوں صاحب پوشیدہ ہوئے اور کفار بھی جناب رسول خدا صلعم کو تلاش کرتے ہوئے غار پر جا پہنچے اور ابوبکر نے کفار کو دیکھا کہ آ پہنچے اور اگر خبر ہو جائیگی اُنکو تو ہمکو قتل کرینگے اس جہت سے ابوبکر کو اپنی جان کا رنج ہوا اور رسول خدا نے ابوبکر سے فرمایا کہ تو رنج مت کر کہ خدا ہمراہ ہمارے ہی اور خدا تعالی نے ابوبکر کو رسولخدا کا صاحب یعنی ہمراہی فرمایا کہ وہ اپنی ہمراہی سے کہتا تہا کہ تو رنج مت کر اب فرمائیے کہ اسمیں فضیلت ابوبکر کی کیا ظاہر ہوئی اور مرزا کاظم علی صاحب کے جو نقل لکھی ہی کہ اُنہوں نے ایسا فرمایا بالکل جھوٹ ہی اور غلط ہے اور تمام سُنیوں کا بھی تو اتفاق اسپر نہیں ہی کہ ابوبکر کے بُرا کہنے سے کوئی کافر ہو جائے چہ جائیکہ شیعہ یہہ دروغ مولوی حیدر علی کفش فروش کا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لکہنو میں رہتے تھے اور ایسی ایسی جعل سازیوں میں اُستاد تھے ایک جعل اُنکا یہ مشہور ہے کہ نور الدین مفروض کیطرف سے سبحان علی خاں صاحب مرحوم کو ایک عرصہ تک خطوط تحریر کئے اور جب اُنکو چھپوایا تو اُس میں جا بجا جعل سازی سے زیادہ کر دیا اور جو چاہا کم کر دیا اور ایسے ہی یہ تہمت مرزا کاظم علی صاحب پر کی ہی اور مرزا مرحوم جناب غفران مآب مولوی دلدار علی صاحب کے شاگردوں میں سے ایک دانا شاگرد تھے انکا اعتقاد اُن سے کیا ہوتا اور دوسرا اتہام اُن پر یہہ کیا کہ اُنہوں نے یہہ کہا کہ صاحب اور صحابی کے معنے میں کچھہ فرق نہیں ایسا مہمل کلمہ اُنہوں نے زبان سے ہرگز نہ نکالا ہوگا کہ ان دونوں میں کچھہ فرق نہیں اسواسطے کہ صاحب اُسکو کہتے ہیں کہ جو کسیکے ہمراہ کسیکی صحبت میں یا رکسیکا ہو خواہ مومن ہو خواہ کافر ہو یا کسیکی قوم میں ہو خواہ مومن ہو خواہ کافر ہو جیسے کہ قال لصاحبہ یہاں مومن کو صاحب کافر کا فرمایا اور یا صاحبی السجن یہاں کافروں کو صاحب حضرت یوسف کا فرمایا بیضاوی میں لکھا ہی کہ یا صاحبی السجن اصل میں یا صاحبیّ فی السجن ہے یعنی ای دو صاحب میری بیچ قید خانہ کے سو معلوم ہوا کہ خدا تعالی نے ہمراہ ہونیکی اور صحبت میں ہونیکی جہت سے صاحب فرمایا ہی اسمیں کیا فضیلت ہی کہ کافر کو بھی تو صاحب مومن کا کہتے ہیں اور صحابی میں شرط یہہ ہی کہ باوجود صحبت پیغمبر کے ایمان صحیح پر مرا ہو اور ابوبکر وہ ہیں کہ جنکو رسول خدا صلعم نے فرمایا تھا لا ادری ما تحدثون من بعدی چنانچہ جامع الاصول میں لکھا ہی یعنی نہیں جانتا میں کہ کیا احداث کروگے تم دین میں بعد میرے اور فرمایا انکم ستحرصون علی الامارۃ وتکون لکم ندامۃ یعنی حرص کروگے تم حکومت و امیری کے اور ہوویگی وہ واسطے تمہاری ندامت انجام کو اور مرزا کاظم علی صاحب البتہ اہل انصاف تھے اور مشہور و نامی بھی اُس زمانہ میں تھے لیکن یہ کلمہ کہ ابوبکر کا بُرا کہنا کفر ہے اور صاحب و صحابی میں کچھہ فرق نہیں ہرگز اُنکی زبان سے صادر نہوا ہوگا کہ یہہ مذہب ہی اُنکا نہ تھا اور اگر اُنکا ایسا اعتقاد ہوتا تو سنی ہو جاتے شیعہ کا ہیکو رہتے اور اسطرح سے تو شیعہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مولوی رفیع الدین صاحب برادر شاہ عبد العزیز صاحب فرماتے تھے کہ خدا تعالی نے اگرچہ ابوبکر صدیق کو صاحب رسول خدا صلعم کا فرمایا ہی لیکن اس سے کچھہ فضیلت خلیفہ صاحب کی ثابت نہیں ہوتی اسواسطے کہ کافر کو بھی مومن کا صاحب فرمایا ہے اور ایسے جھوٹے فقروں سے کوئی غالب نہیں ہو سکتا ہے اسواسطے کہ دروغ کو کچھہ فروغ نہیں ہی اور اس آیت سے اہل سنت کا مطلب ہرگز ثابت نہیں ہوتا ہی کیسی ہی تہہ پاؤں ماریں اہل سنت اور اپنا سر پھوڑیں بلکہ ابوبکر کی ضعف ایمانی ثابت ہوتی ہی چنانچہ معلوم ہوگا **قال الشیخ الاشعری** شرح اس معما کی یہہ ہی کہ اول تو لفظ صاحبہ جو لصاحبہ میں ہی وہ عربی زبان میں صحابی کے ہم معنی ہی دوسرے لفظ لاتحزن جسکا یہہ مطلب ہے غمگین مت ہو وہ اسی پر دلالت کرتا ہے کہ ابوبکر صدیق عاشق صادق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومن با اخلاص تھے ورنہ اُن کو غمگین ہونے کی کیا ضرورت تھی بلکہ محل خوشی تھا کہ اُنکی دشمن موافق عقیدہ شیعہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسوقت خوب قابو میں آئی ہوئے تھے کفار جو اُسوقت پاس آگئے تھے پکار کے بھی نہیں تو کسی قسم کی کھڑکی ہی سے اُنہیں مطلع کر دیتے تاکہ نعوذ باللہ منہا وہ اپنا کام کرتے اگر کہیں انصاف کی آنکھیں مول لیں تو ہم حضرات شیعہ کے لئے مول لیں اور اُنکو دیں تاکہ وہ کچھہ تو پاس رفاقت خلیفہ اول کریں جو پاس مہر و محبت یہاں کہیں ملتا تو مول لیتے ہم ایک اپنی مہربان کے لئے اور یہ بھی نہو تو یہی سمجھیں کہ اُنکو اُسوقت اپنی جان کا خوف نہوا بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہائی کا افسوس رہا اور غم ہوا تو اس بات کا کہ دیکھئے یہ دشمن حق یعنی کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھہ کیا کر بیٹھیں اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکی تسلی فرمائی اور فرمایا کہ غم کی کیا بات ہی اللہ تعالی ہمارے ساتھہ ہی تو غمگین مت ہو

اقول ہم پہلے اس سے لکھہ چکے کہ صاحب کا لفظ ہمراہی یار پر بولا جاتا ہے جو کہ اپنی صحبت میں ہو اور اپنی قوم میں ہو خواہ مومن ہو خواہ کافر ہو اور قرآن میں جس

آیت میں کہ صاحب کا لفظ آیا ہے وہاں بھی معنی مراد ہیں جیسے کہ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ اور يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ اور اسیواسطے خدا تعالی نے کفار کو رسول خدا صلعم کا صاحب فرمایا ہے جیسے کہ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى اور فرمایا کہ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ اور صاحب کا لفظ قرآن میں صحابی کے معنی میں کسی جگہہ نہیں آیا ہے اور اگر ہم صحابی ہی کے معنے میں صاحب کو لیویں تو بھی کچھہ فائدہ اہل سنت کو نہیں ہے جیسے کہ ہم اوپر کے قول میں لکھہ چکے اور لاتحزن جو حضرت نے ابوبکر کو فرمایا کہ مت غم کر تو تو اس سے بھی کچھہ ابوبکر کی فضیلت ثابت نہیں ہے اسواسطے کہ جب ابوبکر نے دیکھا کہ ہم گھر گئے اور اب یہاں سے کہیں نہیں جا سکتے کہ اگر باہر نکلے تو یہہ کفار ہمکو قتل کر ڈالیں گے اس لئے ابوبکر کو اپنی جان کا نہایت رنج ہوا کہ مفت مارے گئے رسول خدا صلعم نے علم نبوت سے دریافت کر کے فرمایا کہ تو رنج مت کر خدا تعالی کہ جو حافظ حقیقی ہے وہ ہمکو بچا لیگا کہ وہ ہمارے ہمراہ ہے اور اہل سنت کی تفسیروں میں لکھا ہے کہ غار کے دروازہ پر کبوتری نے انڈے دیئے تھے اور مکڑی نے جالا تنا تھا اور درخت خاردار پیدا ہو گیا تھا سو ہم کہتے ہیں کہ حقیقت میں ابوبکر کو خدا پر اعتماد نہ تھا کہ جانتے کہ خدا ہمارا حافظ ہے اور حزن سے باز رہتے بلکہ اس مقام میں بڑی غفلت ہے خلیفہ صاحب کی جو جائے فضیلت اسواسطے کہ خدا تعالی کی قدرت کی نشانیوں اور رسول خدا صلعم کے معجزہ کو کہ وہ انڈے دینے کبوتری کے اور جالا تنا مکڑی کا اور پیدا ہو جانا درخت خاردار کا دروازہ میں تھا یہہ سب سامان حفاظت کا ملاحظہ کرتے تھے اور پھر یقین انکو نہ تھا کہ ہم بچیں گے ورنہ رسول خدا صلعم کے فرمائیکا یقین تھا کہ حضرت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچیں گے اور ہمارا دین سب دینوں پر غالب ہوگا لیکن اپنی جان کا خوف تھا خلیفہ صاحب کو اسواسطے رنج کرتے تھے اور اگر وقت نکلنے کے مکہ سے معلوم ہوتا کہ ہم ایسی بلا میں گرفتار ہو جائیں گے تو ہرگز ہمراہ حضرت کے نہ آتے امر سہل سمجھکر ہمراہ ہو لئے تھے اور اب مشکل پڑی اسواسطے رنج کرتے تھے اور دعا مانگتے تھے خدا سے کہ اس بلا سے نکالے چنانچہ حافظ شیرازی لکھتے ہیں کہ ؎ الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا ٭ کہ عشق آساں نمود اول ولی افتاد مشکلہا ٭ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی کچھہ پروا نہ تھی ابوبکر کو اور نہ حضرت کی جان کا کچھہ رنج تھا اسواسطے کہ ایسا تو بعد اسکے بارہا وقوع میں آیا ہے کہ ہزاروں کافروں میں رسول خدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر جہاد میں سے بھاگ جاتے تھے اور اگر کوئی راہ بھاگنے کی یہاں بھی پاتے تو یہاں سے بھی بھاگ جاتے کیا اسیکو عشق اور محبت اور ایمانداری کہتے ہیں کہ اپنی جان کو رسول خدا صلعم کی جان پر مقدم جانکر حضرت کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ جانا اور غمگین جو ہوتے تھے تو اپنی جان کے واسطے ہوتے تھے نہ رسول خدا کے واسطے کہ دیکھئے آج بچتے ہیں یا نہیں کفار کے ہاتھہ سے اور یہ جو لکھتا ہے کہ بلکہ محل خوشی تھا کہ انکے دشمن موافق عقیدہ شیعہ قابو میں آئے ہوئے تھے یہہ بھی ایک تہمت ہے اس شیخ نجدی کے شیعوں پر اسواسطے کہ شیعہ ہرگز یہہ نہیں کہتے کہ رسول خدا صلعم ابوبکر کے دشمن تھے اور ابوبکر انکو اپنا دشمن جانتے تھے اس لئے کفار کو خبر کر دیتے بلکہ ابوبکر تو ہمیشہ مطیع اور تابع حضرت کے رہے ہیں اور رسول خدا صلعم سے جو سنا کرتے تھے کہ ہمارا غلبہ سب ہو جائیگا اور اخبار کو حضرت کے راست پاتے تھے تو امیدوار ریاست کے رہتے تھے کہ کسی طرح سے بعد حضرت کی ریاست ہمارے ہاتھہ آئے اسیلئے حضرت کے روبرو نہایت خلوص اپنا ظاہر کرتے تھے اور حضرت کے مارے جانے میں ابوبکر کا کیا فائدہ تھا فائدہ تو انکا حضرت کی حیات کے ذریعہ سے تھا کہ بعد حضرت کے کسی حیلہ سے ریاست کے مالک ہو جائیں اسواسطے ہمیشہ حضرت کی اطاعت میں رہتے تھے مگر بعد وفات رسول خدا صلعم کے انکی اہل بیت سے انہوں نے البتہ بے مروتی کی اور حقوق انکے غصب کر لئے اسواسطے ابوبکر کو ہم اچھا نہیں جانتے اور طعن انپر کرتے ہیں اور دشمنی کی جہت سے تو نہیں لیکن از راہ جہالت کثرت رنج سے ہائے اور وائے کر کے کفار کو اگر خبر کر دیتے تو کچھہ تعجب بھی نہ تھا اسواسطے کہ اگر خلیفہ صاحب حضرت کے دوست بھی تھے تو دوست نادان تھے اور آدمی نادان سے سانپ اور بچھو بہتر ہوتے ہیں اگر آدمی کے ہمراہ ہوں چنانچہ شیخ سعدی کے شعر میں اسی مقدمہ کی طرف اشارہ ہے ؎ ترا اژدہا گر بود یار غار ٭ ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار ٭ سو ابوبکر حضرت کے دوست نادان تھے اور اندھے انصاف کے شیعہ نہیں ہیں بلکہ اہل سنت اندھے ہیں کہ جب انکو جواب نہیں آتا ہے تو شیعوں پر تہمتیں کرتے ہیں اور دروغ اور بے اصل مقدمہ کو انکی طرف منسوب کرتے ہیں اور ثلثہ کے عیبوں کو ایسا چھپاتے ہیں کہ جیسے بلی اپنے گوہ کو چھپاتی ہے اور انصاف ہرگز نہیں کرتے ہیں اسواسطے اگر انکھیں انصاف کی بکتی ہوں تو اہل سنت کے واسطے خرید کرنی چاہئیں اور خلیفہ اول نے رفاقت کیا کی تھی جس کا پاس کیا جائے بلکہ باوجود ممانعت کے گھر سے اپنے باہر چلے آئے اور حضرت نے رستہ میں کھڑا ہوا دیکھہ کر ہمراہ اپنے لے لیا اور پہلے حضرت نے ابوبکر سے یہہ نہیں کہدیا تھا کہ تو ہمراہ میرے غار میں چلنا اگر کوئی اور شخص مسلمانوں میں سے ملتا تو اسکو ہمراہ اپنے لے لیتے کہ مصلحت انکے پوشیدہ رکھنے میں ہی تھی اور فائدہ حضرت کو ابوبکر کی رفاقت سے کیا ہوا بجز اسکے کہ کفار کے خوف سے باوجود ملاحظہ علامات حفاظت کے رنج کرنے لگے اور چاہتے تھے کہ اپنی نادانی کی جہت سے زیادہ رنج کر کے جزع اور فزع اور ہائے اور وائے واویلا کرنے لگیں جس سے کفار کو خبر ہو جائے اسواسطے حضرت نے منع کیا اور فرمایا کہ تو غم مت کر اور ابوبکر کو اسوقت بالکل اپنی جان کا خوف تھا کہ ہائے کیسے مفت مارے گئے اور رسول خدا صلعم کی تنہائی کا کچھہ افسوس اور غم نتھا اسواسطے کہ بعد اسکے کئی مرتبہ جناب رسول خدا صلعم کو

معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر اپنی جان کو سلامت لے گئے ہیں اور حضرت کو ہزاروں آدمیوں کے نرغہ میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں اگر رنج تھا ابوبکر کو تو اپنی جان کا تھا اور منع کیا حضرت نے رنج کرنے سے تو اسواسطے کہ ایسا نہو کہ کثرت رنج سے حالت بیخودی میں ہائے ہائے کر کے کفار کو خبر کر دے **قال الشیخ الاشعری** اس جگہ بعضے ناانصاف یوں کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق کو اسوقت اپنی جان کا ہراس نتھا کچھ پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا غور کرنے کی جگہ ہے اسبات کا یہ مطلب ہوا کہ خداوند کریم کو نعوذ باللہ عربی بولنی بھی نہیں آتی فصاحت و بلاغت تو درکنار اور یہ جو کلام اللہ کے اعجاز بلاغت کا شہرہ ہے یہ فقط یاروں کی گھڑی ہوئی بات ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ جو کچھ بھی عربی جانتے ہیں وہ بھی اتنی بات تو جانتے ہیں کہ عربی زبان میں حزن کا لفظ غم کی جگہ اور فراق محبوب یا تمنا کی فوت ہو جانیکے محل میں استعمال کرتے ہیں اور جہاں جان پر بنتی ہے اور وہ ڈر کا مقام ہوتا ہے خوف کا لفظ استعمال کرتے ہیں کلام اللہ سے زیادہ تو کوئی کتاب عربی زبان کی فصیح اور بلاغت میں نہیں دیکھی جب حضرت موسیٰ کوہ طور پر گئے اور خداوند کریم نے پوچھا کہ موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے انہوں نے عرض کی کہ یہ میری لاٹھی ہے چلتے پھرتے اسپر سہارا رکھتا ہوں اور بکریوں کے لئے اس سے پتے جھاڑتا ہوں اور اسمیں میرے اور بھی بہت سے فائدے ہیں ادھر سے حکم ہوا کہ اسے ڈالدو انہوں نے جو ڈالا تو وہ ایک اژدہا تھی یہ الٹے پاؤں ایسے بھاگے مڑ کے بھی نہ دیکھا اسوقت خداوند کریم نے فرمایا اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنِّی لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ یعنی ادھر آ اور ڈر مت میرے پاس رسول ڈرا نہیں کرتے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو اس اژدہا سے اپنے تئیں جان کا اندیشہ ہوا تب بھاگے اسلئے خدا نے تسلی فرمائی کہ ڈر مت یوں نفرمایا لاتحزن یعنی رنجیدہ نہو اور اسیطرح جب انہوں نے ایک قبطی کو مار ڈالا اور فرعون کے لوگوں نے انکے مار ڈالنے کا ارادہ کیا تو یہ وہاں سے ڈر کے بھاگے اس موقع میں فرماتا ہے فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا یعنی نکلے وہاں سے موسیٰ ڈرتے ہوئے اور سوا اسکے اور بیسیوں جگہ خوف کا لفظ کلام اللہ میں موجود ہے جہاں کہیں ہے یہی معنی ہیں اور جہاں غم کا مقام دیکھا ہے وہاں حزن کا لفظ استعمال کیا ہے سو سورہ یوسف میں جس موقع میں حضرت یعقوب غم فراق یوسف میں ہائے ہائے یوسف کہا کرتے تھے اور انہیں یاد کیا کرتے تھے اور حضرت یعقوب کے بیٹوں نے یوں کہا کہ تم یوسف کو یاد ہی کرتے کرتے مر جاؤ گے حضرت یعقوب کی طرف سے یہ جواب منقول ہے اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ یعنی میں اپنے رب سے اپنی پریشانی اور اپنا غم کہتا ہوں بلکہ بہت سی آیات سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ حزن کے اور معنی ہیں اور خوف کے اور معنی ہیں ایک دوسرے کی جگہ نہیں بولا جا سکتا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا یعنی جب کہ مسلمان مرنے لگتے ہیں تو فرشتے رحمت کے اُنپر اترتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نہ ڈرو تم اور نہ غمگین ہو اگر خوف اور حزن کے دونو کے ایک معنی ہوتے تو مکرر کہنے کی کیا ضرورت تھی صحیح یہی ہے کہ غم اور چیز ہے اور خوف اور چیز ہے خوف اسے کہتے ہیں کہ کچھ آگے کو اندیشہ ہو اور غم یہ ہے کہ بالفعل دل کی تمنا ہاتھ سے نکل جائے غم خوشی کے مقابلہ میں بولتے ہیں خوف اطمینان کے مقابلہ میں خوشی اور اطمینان اور غم اور خوف کے بیان کرنے میں مجھے یہ شرم آتی ہے کہ کوئی کیا کہیگا یہ کونسی مشکل باتیں ہیں جنہیں کوئی نہ سمجھتا ہو پر کیا کیجے ایسے ناانصافوں سے پالا پڑا ہے کہ شاید اب بھی انکی سمجھ میں آئے لہذا اتنا اور کہنا پڑا کہ جب کوئی کسیکا مر جاتا ہے تو اسپر جو حالت پیش آتی ہے اسے غم تو کہتے ہیں پر خوف اور ڈر کوئی نادان بھی نہیں کہتا ہاں مرنے سے پہلے جس موقع میں موت کا اندیشہ ہوتا ہے اس اندیشہ کو البتہ خوف کہتے ہیں پر رنج کوئی نہیں کہتا اگر کسیکا لڑکا کسی دیوار پر چڑھ جائے اور وہاں سے اندیشہ گر پڑنے کا ہو تو اس اندیشہ کو البتہ خوف کہتے ہیں لیکن کوئی نادان بھی اسے غم نہیں کہتا القصہ غم مصیبت کے وقت جو حالت ہوتی ہے اسے کہتے ہیں اور خوف مصیبت کی آمد آمد کی کیفیت کا نام ہے ایک کو دوسرے سے کچھ لگاؤ نہیں جو حضرات شیعہ ہٹ دھرمی کر کے لاتحزن کے معنے لاتخف کے کریں **اقول** آدمی پہلے دوسرے آدمی کے مطلب کو سمجھ لے تب اس سے ارادہ گفتگو کا کرے اور خوف اور حزن کی جو ایک تفصیل کو بیان کر کے طول دیا ہے اور خوف اور حزن میں فرق نکالتا چلا گیا ہے اس سے کیا فائدہ ہے بجز سیاہ کرنے کاغذ کے اور خوف اور حزن کو نہیں جانتا ہے اور وہ کونسا شیعہ ہے کہ جس نے حزن کو خوف کے معنی میں لکھا ہے اور یہ کہا ہے کہ حزن کے معنی ہراس اور ڈرنے کے ہیں تو کوئی بھی نہیں کہتا ہے تو اپنی طرف سے بنا کر لکھتا ہے مگر تفسیر لاتحزن کی لاتخف البتہ بعضوں نے کی ہے کہ مراد لاتحزن سے لاتخف ہے اسواسطے کہ باعث حزن کا تو وہی خوف کفار تھا اور سوائے خوف کفار کے اور کوئی سبب حزن کا نتھا سوا ابوبکر کا نہ تو اسوقت باپ مرا تھا اور نہ انکی مادر گرامی نے وفات پائی تھی کہ اسکا رنج کرتے یہاں تو وہی خوف کفار باعث حزن تھا اسواسطے تفسیر لاتحزن کی لاتخف کی ہے اور ان اللہ معنا کا جملہ اسی امر پر دلالت کرتا ہے کہ ابوبکر کو خوف کفار جو بہت تھا کہ ایسا نہو کہ ہماری انکو خبر ہو جائے اور ہمکو یہ قتل کر ڈالیں تو اس جہت سے اپنی جان کا رنج کرتے تھے حضرت نے فرمایا کہ تو مت رنج کر خوف کفار سے کہ خدا تعالی ہمارے ہمراہ ہے ہمکو انکے ظلم سے محفوظ رکھیگا کہ وہ ہمارا نگہبان ہے اور لاتحزن کا لفظ لاتخف کے قائم مقام نہ سہی بلکہ وہ رنج اور غم ہی کے معنی میں مستعمل ہو ہمارا مطلب تو اس سے بھی ثابت ہے جیسا کہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے لیکن خوف کو رنج لازم ہے اگر کسی شے سے خوف ہوگا تو اس سے رنج بھی عارض ہوگا کہ دیکھیے اس سے نجات ہوتی ہے یا نہیں اسواسطے خوف کی جگہ کہ جو سبب حزن کا ہے لفظ حزن کا کہ جو مسبب ہے مذکور ہو جاتا ہے اور اس طرح سے کلام عرب میں بہت آیا ہے اور اگر لاتخف کی جگہ لاتحزن کو نہ کہیں بلکہ حزن کو رنج اور غم ہی کے معنے میں استعمال کریں تو تمکو اس سے کیا فائدہ ہے اور وہ تمہارا کونسا مطلب ہے کہ جو لاتخف کہنے سے ثابت نہیں ہوتا ہے اور حزن و ملال اد

یعنے سے ثابت ہوتا ہی اور ہمارا جو کچھ مطلب تھا ہمنے تو لاتحزن کے لفظ سے رنج اور غم ہی مراد لیکر ثابت کر دیا ہی اور تو نے جو اسقدر طول دیا ہی خوف اور حزن کے بیان میں اور دونو کے معنی
میں فرق بیان کیا ہی اسکا کون منکر ہی اور شیعہ لاتحزن کو لاتخف کے معنی میں نہیں کہتے ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ لاتخف کی جگہ لاتحزن مذکور ہوا ہی کہ حزن مسبب اسکا ہی اور خوف
سبب اسکا ہی اور لاتخف و لاتحزن اور لاتخافوا و لاتحزنوا کے فرمانے سے یہ معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ خوف اور حزن دونوں بولے جاتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** مگر ایک طرح وہ
بھی سچے ہیں انکے یہاں تو قاعدہ کلیہ ہے کہ الٹے معنی سمجھتے ہیں مولوی عمار علی صاحب نے ناحق کے معنی حق سمجھے چنانچہ بیان اسکا گزر چکا اور تمام شیعوں نے محافظوں کا
نام جور رکھا علی ہذا القیاس اگر یہاں بھی وہ ایسا کریں تو سنیوں کو کیا شکایت ہے بلکہ خوش ہونیکی جگہ ہی کیونکہ اصل مطلب میں تو شریک ہے انکی لفظوں اور اصطلاح ہی کا فرق رہا تو
کیا بڑی بات ہے ہر یکے را اصطلاحے دادہ ایم حاصل تمہارے انکے اختلاف کا یہ نکلا حق کا نام انکی اصطلاح میں ناحق ہی اور محافظ کا نام انکی اصطلاح میں جور اور حزن کا
نام انکے نزدیک خوف ہے مگر جیسے کوئی انگریز یا بنیا مسلمانوں کی محفل میں کسیکو کسی کی نسبت بابا کہتے ہوئے سنتا ہی تو اپنی اصطلاح کے موافق اسوقت انگریز بیٹی کے معنی اور بنیا
دادا کے معنی سمجھتا ہی ایسے ہی حضرات شیعہ اس لاتحزن کو معنی لاتخف کے سمجھ گئے تو انکا کچھ قصور نہیں سنیونکو لازم ہی کہ انکی اصطلاح کے موافق انسے باتیں کریں آخر حدیث میں
بھی تو یہ مضمون ہی کلموا الناس علی قدر عقولہم یعنی لوگوں سے انکے فہم و عقل کے موافق گفتگو کیا کرو اور اگر بپاس خاطر شیعہ لاتحزن کو ہم معنی لاتخف ہی سمجھیں تب بھی ہمارا چندان
نقصان نہیں ہمارا ادھر بھی بیکھا ہی اسلئے کہ اس صورت میں یہ معنی ہونگے کہ اے ابوبکر مت ڈر سو ظاہر ہی کہ ابوبکر خوفناک ہونگے اور انکو اپنی جان کا کھٹکا ہوگا تو اسی سبب سے ہوگا
کہ کفار کو انکے ساتھ دشمنی ہوگی اور وہ دشمنی بھی بوجہ اسلام و ایمان ہوگی نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے کیا معنی **اقول** جس شخص نے کہ لاتحزن کی تفسیر میں
لاتخف لکھا ہی اور تو نے اسپر اعتراض کیا ہی اسکا جواب تو ہم پہلے اس سے دے چکے ہیں اور اب تیرے اس قول کا جواب دیا جاتا ہی کہ ہم تو ہرگز الٹے معنی نہیں سمجھتے ہیں اور حقیقت
میں اگر الٹے معنی سمجھتے ہو تو تم ہی سمجھتے ہو اور یہی قاعدہ کلیہ تمہارے مذہب کا ہی کہ تم الٹے سمجھتے ہو اسواسطے کہ خدا تعالی قرآن میں فرماتا ہے انما المشرکون نجس اور تمہارا
امام ابوحنیفہ کوفی کہتا ہی کہ مشرکین طاہر ہیں اور اسکی پیروی سے تم سبکا یہی مذہب ہے کہ مشرکین طاہر ہیں اور انکا جھوٹا بھی پاک ہے اور مومنین کہ جو طاہر ہیں انکے بدن کے ٹپکے
ہوئے پانی کو حالت وضو و غسل میں تمہارا امام نجس جانتا ہی اسکو کہتے ہیں الٹا قاعدہ کلیہ کہ ناپاک کو پاک جاننا اور پاک کو ناپاک جاننا اور مولوی صاحب ہمارے ناحق کے
معنی ہرگز حق نہیں سمجھتے ہیں یہ بھی تمہارے ہی بزرگوں کا کام ہی کہ حق کو ناحق سمجھتے ہیں اور ناحق کو حق سمجھتے ہیں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا
علی مع الحق والحق مع علی تمنے علی کو جو حق تھا اسکو ناحق سمجھا اور اسکی جگہ اس شخص کو کہ جو ناحق تھا باعتبار علم اور شجاعت اور سخاوت اور عبادت وغیرہ سب صفات
حمیدہ کے اسکو مقرر اور قائم کیا اور نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث قول ناحق ابوبکر کا جو ہی اسکو تم حق سمجھے جو کہ خلاف قرآن کے ہے اور محافظوں کو تو شیعہ ہرگز جور نہیں کہتے ہیں
البتہ جور ان لوگوں کو کہتے ہیں کہ جنہوں نے کلام اللہ جلوائے اور قرآن کو جمع کیا تو سورتیں اور آیتیں اسمیں سے نکال ڈالیں اور حق کا نام ناحق اہل سنت کی اصطلاح میں ہے
کہ اولاد رسول مقبول کو جو کہ حق تھی ناحق سمجھکر مروا ڈالا اور جور انکی ہی اصطلاح میں محافظ ہی اور نجاست کا نام انکے نزدیک طہارت ہے مگر جیسے کوئی انگریز یا بنیا مسلمانوں کی محفل
میں کسیکو کسی کی نسبت بابا کہتے ہوئے سنتا ہی تو اپنی اصطلاح کے موافق اسوقت انگریز بیٹی کے معنی اور بنیا دادا کے معنی سمجھتا ہی ایسے ہی حضرات اہل سنت اگر نجاست کے معنی
طہارت کے سمجھ گئے تو انکا کچھ قصور نہیں ہے شیعوں کو لازم ہی کہ انکی اصطلاح کے موافق انسے باتیں کریں آخر حدیث میں بھی تو یہ مضمون ہے کلموا الناس علی قدر عقولہم
یعنی لوگوں سے انکی عقل و فہم کے موافق گفتگو کیا کرو اور ہم یہ نہیں کہتے کہ لاتحزن کو تم لاتخف کے معنی میں کہو بلکہ جو معنی کہ لاتحزن کے باعتبار لغت کے ہیں اسمیں اسکا
استعمال رکھو لیکن فضیلت ابوبکر اس سے کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتی اور ابوبکر خوفناک تھے اور انکو اپنی جان کا کھٹکا تھا تو وہ البتہ اسی جہت سے تھا کہ کفار کو بوجہ اسلام
انسے دشمنی تھی لیکن یہ دشمنی انکی ابوبکر کو کچھ فائدہ نہیں بخشتی جسوقت کہ بعد اسکے ابوبکر سے افعال ناشایستہ صادر ہوئے ہوں اور دشمنی بوجہ اسلام تو کفار کو
سب مسلمانوں سے تھی کچھ خصوصیت ابوبکر کی نہیں ہے اور فائدہ اس دشمنی سے ابوبکر کو کیا ہے جسوقت اور افعال موجب ہلاکت ہوئے ہوں اگر ایسا ہی ہی کہ دشمنی کفار کی بوجہ
اسلام مسلمان کے ساتھ واسطے نجات کے کافی ہو جاے اور اس مسلمان کے اور افعال بد پر نظر نہو تو چاہئے کہ ابن ملجم اور یزید اور عمر سعد اور شمر کہ انسے بھی کفار بوجہ اسلام دشمنی رکھتی تھے
بھی ناجی ہو جائیں اور انکی نجات کے لئے یہ دشمنی انکی کافی ہو اور انکے افعال پر نظر نہو **قال الشیخ الاشعری** اور وہ بھی پھر اسقدر کہ خدا ہمارے ساتھ ہی خدا تو مسلمانوں کی مدد
اور حمایت کرتا ہی ان اللہ مع المومنین ان اللہ مع المتقین ان اللہ مع المحسنین اور اس قسم کے کلمات سے کلام اللہ بھرا ہوا ہی سبکا ماحصل یہی ہی کہ اللہ ایمانوں کے ساتھ ہے مومنوں
کے متقیوں کے اچھے کاموں کے کرنیوالوں کے ساتھ ہی کہیں اول سے آخر تک کلام اللہ میں یہ نہیں کہ اللہ کافروں کے مرتدوں کے منافقوں کے ساتھ ہی اور کوئی کہے کہ اللہ تو سب کے ساتھ ہی مومن ہو
یا کافر کلام اللہ میں موجود ہی ان اللہ بکل شیء محیط یعنی اللہ ہر چیز کو محیط ہی جب ہر چیز کو محیط ہوا تو ہر چیز کے ساتھ بھی ہوا تو اسکا جواب یہ ہے کہ ساتھ ہونا دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو

یہی کہ ایک مکان میں رہنا اسمیں فقط تن بدن کا ساتھ ہوتا ہے اگرچہ دلوں میں فرق ہو اس قسم کی ہمراہی تو طوطی اور زاغ کی سی ہے دوسرا دلوں سے ساتھ
رہنا جیسے کوئی بادشاہ کسی بیکس کو جسکے سب دشمن ہوں یوں کہے کہ تو اندیشہ نکر ہم تیرے ساتھ ہیں اسکے یہہ معنی ہوتے ہیں کہ ہمیں تیرا خیال ہے دل میں تیرا
دہیان رہے گا ہم تیری حمایت پر ہیں اس صورت میں کچھہ لازم نہیں کہ بادشاہ اور وہ ایک مکان میں ہوں تو وہ اُسکے ساتھ ہو نہیں تو نہیں ہاں البتہ
تا مقدور امداد اور اعانت چاہئے سو جہاں کہیں اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ یا اسی طرح اور کچھہ آیا ہے تو اُس سے دوسرے معنی مراد ہیں چنانچہ سب جانتے ہیں نہیں تو اسمیں
متقیوں ہی کی کیا تعریف نکلی اور اُنہیں کی کیا تسلی ہوگی سو خاص کر اس آیت میں تو محض تسلی ہی کے لئے یہہ کہا گیا ہے اور اوپر سے مددگاری ہی کا
بیان ہے باقی کوئی یہہ شبہ کرے کہ اوپر سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنیکا بیان ہے ابوبکر صدیق کے مدد تو نہیں سو اسکا جواب یہ ہے کہ اتنی بات تو بازاری
بلکہ جولاہی کی پونڈیاں بہی جانتے ہیں کہ غلام کی اہانت اور اُسکی رسوائی نہ میاں ہی کے رسوائی کہے جاتی ہے انگریزوں کی رعیت کو اور ملازموں کو
اگر اُنکے غنیم ستاتے ہیں تو اُنہیں کیوں ستا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فوج کشی کرتے ہیں اور ہزاروں آدمیوں کا خون کرتے ہیں معہذا ہمنے غدر کے ایام میں دیکھا ہے کہ
جس نے تحصیلدار یا پولس دار کو بچالیا تہا وہ خیرخواہ سرکار گنا جاتا تہا تو ابوبکر صدیق کی مددگاری بہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مددگاری ہے **اقول**
خدا تعالیٰ نے جو قرآن شریف میں فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا یہ معیتیں یکساں نہیں ہیں بلکہ ان معیتوں میں فرق ہے جس جگہ کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ
الْمُتَّقِیْنَ وہاں مراد یہ ہے کہ خدا اُنسے راضی ہے اور اُنکے افعال کو پسند کرتا ہے اور جس جگہہ کہ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ وہاں مراد یہہ ہے کہ واسطے نصرۃ کے ہمراہ مومنین
کے ہے چنانچہ جنگ بدر کے قصہ میں فرمایا ہے وَاَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ اور غار میں جو رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا وہاں حفاظت خدا مراد ہے جیسے کہ
قرینہ بہی خوف اور حزن کا اسی پر دلالت کرتا ہے اور حفاظت خدا جیسے کہ مومنین کے واسطے ہوتی ہے ایسی ہی کفار کے واسطے ہوتی ہے کہ اُنکے جہازوں کو دیکھا
کی آفتوں سے اور اُنکے قافلوں کو صحرا کے درندوں سے خدا تعالیٰ ہی محفوظ رکھتا ہے اسمیں کچھہ فضیلت نہیں ہے اور غار میں تو خدا تعالیٰ کو حفاظت رسول خدا صلعم کی منظور تھی
کہ کفار حضرت کے درپے تہے اور ارادہ حضرت کے قتل کا رکھتے تہے اور ابوبکر کے درپے کون تہا کہ حفاظت اُنکی منظور ہوتی مکہ میں جو مسلمان اُسوقت باقی رہگئے تہے کسی نے اُنکو کچھہ بہی نہ کہا نہ
مارا نہ قتل کیا اور اگر کفار کو خبر ہو جاتی کہ رسول خدا صلعم مع ابوبکر غار میں بیٹھے ہیں تو وہ لوگ جناب رسول خدا صلعم کو تو آزار پہنچاتے اور ابوبکر کو کوئی کچھہ نہ کہتا چنانچہ حضرت
علی رسول خدا صلعم کے بستر پر تمام شب رہے اور علی الصباح کفار حضرت کی تلاش میں حضرت کی دولتسرا میں درانہ چلے آئے تو حضرت علی تلوار لیکر اُنکے سامنے ہوگئے
اور کہا کہ تم کسواسطے آئے ہو اُنہوں نے کہا کہ تجھہ سے تو ہمکو کچھہ مطلب نہیں ہے اور رسول خدا کو اُنہوں نے پوچھا کہ محمد کہاں ہے تو حضرت علی نے فرمایا کہ جہاں اُسکا خدا
اُسکو لیگیا ہے وہاں ہے اور حضرت علی سے کچھہ تعرض نکیا کہ تو اُنکے بستر پر موجود ہے بتا کہ وہ کہاں گیا ہے ایسے ہی وہ ابوبکر کے خواہاں نہ تہے اور ابوبکر اُسوقت اپنی
نادانی اور عدم وقوف کی جہت سے جو اُنکے خوف سے رنج کرنے لگے تو حضرت نے اُنکی تسلی کے واسطے فرمایا کہ تو رنج مت کر اپنی جان کا اُنکو خوف ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے
کہ ہمارے حال کو خوب جانتا ہے وہ ہمکو اُنکے شر سے محفوظ رکہیگا اسواسطے حضرت نے ابوبکر کی تسلی کے واسطے معنا کا لفظ فرمایا ہے اور معی نفرمایا ورنہ خدا تعالیٰ کو
حفاظت رسول خدا صلعم ہی کی منظور تہی نہ ابوبکر کی اور رسول خدا صلعم کی حفاظت کے لئے فرمایا کہ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا اور حضرت کی حفاظت کے لیئے غار پر فرشتے
بہیجے اور اگر ابوبکر کی حفاظت ملحوظ ہوتی تو خدا تعالیٰ فرماتا وَاَیَّدَھُمَا بِجُنُوْدٍ الغرض یہاں خدا کی ہمراہ ہونے سے مراد حفاظت خدا کی ہے گو رسول خدا صلعم
کے واسطے اصالتہً ہے اور ابوبکر کے واسطے تبعاً لیکن حفاظت خدا کی علی العموم سب بندوں کے واسطے ہوتی ہے مومن کے واسطے ہی ہے اور کبہی ضمیر متکلم مع الغیر کے ایک
شخص کے واسطے بہی آتی ہے چنانچہ قرآن میں ہے کہ رسول خدا صلعم کو حکم ہوا کہ تو کفار سے کہہ کہ لَا حُجَّۃَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ اور اگر جناب
رسول خدا صلعم ضمیر بیننا و لنا میں مع سب مسلمانوں کے مراد ہیں تو ان اللہ معنا میں بہی مع کل مسلمانوں کی مراد ہونگی کہ سب مومنین کے ہمراہ خدا ہے اور خصوصیت
کسیکی باقی نرہے گی اور بعضی روایت میں آیا ہے کہ ابوبکر نے رسول خدا صلعم سے عرض کی کہ علی آپکے بستر پر تنہا ہے مجھکو اُسکی طرف سے بہت رنج ہے جناب رسول خدا
صلعم نے سنکر فرمایا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا یعنے مت رنج کر تو کہ تحقیق خدا ہمراہ ہمارے ہے یعنی ہمراہ میرے اور علی کے اور یہ معنی بہت درست ہیں اور یہ کہنا
کہ خدا اچہوں کے ہمراہ ہے اور بروں کے ہمراہ نہیں ہے یہ بالکل غلط ہے اور جو کوئی کہے کہ بروں کے ہمراہ خدا نہیں ہے وہ منکر قرآن ہے اسواسطے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ اور فرماتا ہے کہ وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ لیکن مراد معیت سے کسی جگہہ تو کچھہ ہوتی ہے اور کسی جگہہ کچھہ اور اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا میں
سوائے حفاظت کے اور کچھہ مناسب نہیں ہے اور حفاظت عام ہے کہ مومن اور کافر کے دونوں کے واسطے ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ نے گو قرآن میں یہ نہیں فرمایا ہے

کہ اللہ کافروں اور مرتدوں کے ہمراہ ہے لیکن عمومات قرائینہ سے اُسکا ہمراہ ہونا کفار اور مرتدین کے بھی ثابت ہے اور اہل سنت کا مذہب ہے کہ خیر اور شر دونو خدا کی طرف سے ہیں کہ خالق دونوکا وہی ہے اور حال یہ ہے کہ قرآن میں بِیَدِکَ الْخَیْرُ تو موجود ہے اور بِیَدِکَ الشَّرُّ کہیں نہیں ہے جو اسکا جواب ہے وہی اُسکا جواب ہے اور خدا تعالیٰ کی ہمراہی اس طرح کی نہیں ہوتی ہے جیسے کہ بیان کیا ہے اس شیخ نجدی نے کہ ایک تو مکان میں تن بدن ساتھ ہونا ہے اور دوسرے یہ کہ دلوں سے ساتھ رہنا بلکہ مراد اُس سے یہ ہے کہ اُسکا علم وقدرت ہر انسان محصورہ سے تعلق رکھتا ہے اور رسول خدا صلعم نے جو فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا تو مراد اُس سے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے احوال کا عالم ہے اپنی قدرت سے وہ ہمکو محفوظ رکھیگا سو خدا تعالیٰ نے دونو کو محفوظ رکھا حضرت کو اصالۃً اور ابوبکر کو تبعاً اگرچہ ابوبکر کے درپے کوئی نہ تھا اور خدا تعالیٰ نے ابوبکر کو یہ نہیں فرمایا ہے کہ تو اندیشہ نکر ہم تیرے ساتھ ہیں اور ہمیں تیرا خیال ہے بلکہ جناب رسول خدا صلعم کا قول نقل کر دیا ہے جو کہ ابوبکر کی تسلی کے لئے حضرت نے فرما لیا تھا کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اور خدا تعالیٰ نے ابوبکر کی تو کسی جگہ مدد اور اعانت نہیں کی ہے اور اگر خدا تعالیٰ ابوبکر کا معین اور ناصر ہوتا تو جنگ خیبر اور اُحد اور حنین میں کاہیکو بھاگتے اور اکثر جہادوں میں سے بھاگے ہیں اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر مؤمنین میں سے نہ تھے اور اگر مؤمنین میں سے ہوتے تو خدا اُنکے ہمراہ ہوتا اور اُنکی مدد کرتا کہ بھاگتے نہیں [illegible] زمین کوئی راہ بھاگنے کی نہیں ملی ورنہ وہاں سے بھی بھاگتے اور اگر ابوبکر کی حفاظت کے واسطے خدا ابوبکر کے ہمراہ ہوا تو اسمیں کیا بزرگی ہے کہ حفاظت تو خدا تعالیٰ کفار کی بھی کرتا ہے اور تسلی کا ذکر ہم اوپر کر چکے اور نصرت بیشک رسول خدا صلعم ہی کی ملحوظ ہے نہ ابوبکر کی اور اگر ابوبکر کی نصرت منظور ہوتی تو باوجود معیت خدا جہادوں میں سے بھاگتے نہیں پس معلوم ہوا کہ حضرت کے ہمراہ تو خدا تعالیٰ واسطے نصرت کے تھا اور ابوبکر کے ہمراہ ہونا خدا کا ایسا تھا جیسا کہ مؤمن اور کافر کے کل آدمیوں کے ہمراہ ہونا ہوتا ہے اور حضرت ہی کی نصرت چاہئے بھی تھی کہ کفار حضرت کی آزار رسانی کے درپے تھے اور ابوبکر کا تو کوئی بھی خواہاں نہ تھا کہ اُسکی نصرت پر نظر ہوتی جیسے کہ اور مسلمان مکہ میں تھے کہ اُنکا کوئی خواہاں نہ تھا ایسے ہی ابوبکر غار میں تھے کہ اُنکا کوئی خواہاں نہ تھا اور ابوبکر جو اُن کفار کو دیکھکر اُنکے خوف سے رنج کرنے لگے اپنی نادانی کی جہت سے تو اسواسطے رسول خدا صلعم نے اُنکی تسلی کی اور اُس رنج سے بند کرنیکے واسطے کہ ایسا نہو کہ کثرت رنج سے ہائے ہائے کرنے لگیں اور کفار کو خبر ہو جائے ابوبکر کی تسلی کے واسطے اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فرمایا اسمیں فضیلت ابوبکر کی کیا ہوئی اور ہم نے تسلیم کیا کہ غلام کی اہانت اور ضرب میں اُسکے آقا کی رسوائی شمار کی جاتی ہے اور انگریزوں کی رعیت کو جو کوئی غنیم ستاتا ہے تو انگریز اُسپر فوج کشی کرتے ہیں اور جسنے تحصیلدار ... پولیس افسر کو بچایا وہ خیر خواہ گنا جاتا تھا سب صحیح ہے لیکن یہاں تو وہ بات ہی نہیں ہے اور نہ کوئی غلام کی آزار کا خواہاں ہے اُسکو تو کوئی کچھ کہتا ہی نہیں ہے یہاں تو کفار آقا ہی کی تکلیف کے درپے ہیں نہ غلام کی تکلیف کے پھر نصرت غلام کی کیونکر متصور ہو اور ابوبکر کی نصرت کہیں واقع ہوئی تھی تا کہ اُسکی نصرت رسول خدا صلعم کی نصرت ٹھیری ابوبکر کی نصرت پر تو ابتداءً نظر ہی نہیں ہے کہ ابوبکر ایک شخص اجنبی محض اور بے تعلق تھا کہ ہمراہ رسول خدا صلعم کے ہو لیا تھا اور ابوبکر کی نصرت کا قرآن میں تخصیص کہیں ذکر نہیں ہے اور یہاں ابتداءً رسول خدا صلعم ہی کی نصرت کا ذکر چلا آتا ہے نہ ابوبکر کی نصرت کا کہ اُسکے آزار کا کون خواہاں تھا کہ اُسکی نصرت بھی ملحوظ ہوتی اور ابوبکر کی اہانت اور ضرب اگر رسول خدا صلعم کی رسوائی کا موجب ہوتی تو مکہ معظمہ میں جسوقت عتبہ بن ربیعہ نے ابوبکر کے منہ پر جوتیاں ماری تھیں اسقدر کہ ابوبکر کا منہ سوجکر ناک اُنکے رخساروں کے برابر ہو گئی تھی چنانچہ معارج النبوت وغیرہ میں لکھا ہے تو اُسوقت تو ابوبکر کی نصرت کا لحاظ ہوا ہی نہیں کہ اُسکی ضرب موجب رسوائی رسول خدا صلعم تھا اور یہاں تو ابوبکر سے کچھ واسطہ ہی نہیں ہے نصرت کرنیکا **قال الشیخ الاشعری** اسلئے ہمارے سناتے وقت یوں فرمایا فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اور مدد کے وقت دونو ہی کی مدد کی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق کو جو خدا کی مدد کی اطلاع کی تو یوں کی اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا یعنی خداوند کریم خبر رسانی میں اُس قصہ کے تو فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ذکر فرماتے ہیں اور یوں کہتے ہیں فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ یعنی اللہ نے اپنے پیغمبر کی فلانے وقت مدد کی اور جسوقت مدد کی تو دونو کی مدد کی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدد کی اطلاع کی تو یوں کی اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا یعنی اللہ تعالیٰ ہم دونو کے ساتھ ہے اور چونکہ ایک لفظ مَعَنَا سے دونو کی مددگاری کا بیان فرمایا اور دو لفظ نہ کہے یعنی معی و معک نہ فرمایا جسکے یہ معنی ہوتے کہ خدا میرے بھی ساتھ ہے اور تیرے بھی ساتھ ہے تو اس سے اور بھی واضح ہو گیا کہ جس طرح سے خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اُسی طرح حضرت صدیق اکبر کے ساتھ تھا تو اسمیں تو ہم جانتے ہیں شیعہ بھی بناچاری ہمارے شریک ہونگے کہ خداوند کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امداد اور عنایت اور محبت و رعایت سے تھا تو حضرت صدیق کے ساتھ بھی اسی انداز سے سمجھنا چاہئے بعد ازاں لفظ ثانی اثنین جسکا یہ مطلب ہے کہ پیغمبر خدا اُسوقت اکیلے نہ تھے بلکہ اُنکے ساتھ ایک اور بھی تھا یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ضمیر مفعول نَصَرَهُ سے حال واقع ہوا ہے اور اسی صورت میں یہ لفظ بھی باواز بلند یہی کہہ رہا ہے کہ حضرت صدیق بھی مددگاری خداوندی میں شریک ہیں اور اگر شیعہ یوں کہنے لگیں کہ یہ لفظ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ کے ساتھ مربوط ہے اور اُسکی ضمیر مفعول سے حال واقع ہوا ہے اور یہ مطلب ہے کہ جسوقت کفار نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے نکالا تھا اُسوقت وہ اکیلے نہ تھے اُنکے ساتھ ایک اُنکا رفیق بھی تھا اور اُسکو نصرت سے کچھ تعلق نہیں نصرت سے تعلق جب ہو کہ اس لفظ کو لفظ نَصَرَهُ اللّٰهُ سے علاقہ ہو تو اس تقدیر پر ہماری طرف سے یہی جواب ہے۔ تشکر بزبان تو چشم ما روشن دل ما شاد اگر

یہ مطلب ہو تو ہماری عین تمنا ہے کیونکہ اتنا تو شیعوں کو معلوم ہوا کہ کفار کو جیسے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے عداوت تھی ویسے ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عداوت تھی **اقول** ابوبکر کی خدا تعالیٰ نے ہرگز نصرت نہیں کی صرف رسول خدا صلعم کی نصرت کی تھی جیسے کہ دلالت کرتی ہے اسپر ضمیر مفعول کی کہ جو واخرجہ کی ضمیر نصرہ اللہ میں ہے اور ابوبکر کی نصرت کرنے کی وجہ کیا ہے نصرت تو اس شخص کی کی جاتی ہے کہ جسکے درپے کوئی ہو اسواسطے ایذا رسانی کے سو جناب رسول خدا صلعم کے قتل کی فکر میں کفار تھے اسواسطے خدا تعالیٰ نے انکی نصرت کی اور ابوبکر کے تو کوئی درپے آزار ہی نہ تھا تاکہ انکی نصرت کی جاتی اور ہم اوپر کے قول میں مفصل بیان کر چکے کہ خدا تعالیٰ نے کسی مقام میں ابوبکر کی نصرت نہیں کی ہے کہ وہ ہمیشہ جہادوں میں سے بھاگتے رہے ہیں باوجودیکہ خدا واسطے نصرت کے ہمراہ مومنین کے رہتا ہے چنانچہ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر مومنین میں سے نتھے اور ابوبکر کی خلافت میں جو فتح ہوتی تھی تو سبب اسکا یہ تھا کہ وہ مجاہدین کے ہمراہ نہوتے تھے اور اگر خود بھی ہوتے تو ہرگز فتح نصیب مسلمانوں کے نہوتی اور خدا تعالیٰ نے اس مقام میں کسی طرح سے ابوبکر کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ کوئی ضمیر ابوبکر کی طرف راجع ہے اور جملہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا جو قرآن میں ہے یہ قول رسول خدا صلعم کا ہے کہ جسکو خدا تعالیٰ نے نقل کر دیا ہے اور لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا جو رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے پہلے اس سے ہم بیان کر چکے ہیں کہ ابوبکر جو خوف کفار سے رنج کرتے تھے تو رسول خدا صلعم نے انکی تسلی کے واسطے اپنے میں شریک کرکے فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا یعنی خدا تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے حفاظت کیلیے وہ ہمکو انکی شر سے محفوظ رکھیگا اور درپے ابوبکر کے تو کوئی نتھا اور نہ انکی تلاش تھی کسیکو کہ خدا تعالیٰ انکی نصرت کرکے انکو بچا لیتا اور اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اسواسطے نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ نے مدد کی دونو کی بلکہ ابوبکر کی تسلی کی اور اُسکے دفع جزع فزع کے واسطے ہے کہ ایسا نہو کہ کثرت رنج سے بے خود ہو کر ہائے ہائے کرنے لگیں اور کفار کو ہماری اطلاع ہوجائے اور نصرت خدا کی دو جگہ مذکور ہے ایک تو فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ میں اور دوسری وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ میں اور اگر خدا تعالیٰ نے ابوبکر کی بھی نصرت کی ہوتی تو وایدہما فرماتا اور جسوقت کہ واحد ہی کی ضمیر آئی تو معلوم ہوا کہ رسول خدا صلعم ہی کی نصرت کی نہ ابوبکر کی اور آیت بھی تو اسی پر دلالت کرتی ہے کہ صرف اور تنہا رسول خدا ہی کی نصرت کی ہے اسواسطے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم میرے حبیب کی نصرت نکروگے تو خدا اُسکی نصرت کریگا جیسے کہ پہلے اسکی نصرت کی ہے جسوقت کفار نے اسکو نکالدیا تھا اور ابوبکر کی نصرت کی کوئی وجہ بھی تو نتھی کہ انکی تو کوئی درپے آزار ہی نتھا کیسے تکلف سے اہل سنت ابوبکر کے واسطے فضیلت ثابت کرتے ہیں کہ جسکا کوئی سر ہے نہ پاؤں ہے اور حضرت نے معنا فرمایا اور معی اور معک نفرمایا اسواسطے کہ حقیقت میں تو خدا رسول خدا صلعم کی حفاظت کے واسطے ہمراہ ہے اور ابوبکر کو شریک اپنے حضرت نے کر لیا۔ تو وہ انکی تسلی کے واسطے ورنہ انکو تو کسی طرح کا کھٹکا ہی نتھا اور معنا فرمانا مقام معی معک کے عین محاورہ عرب کا ہے اگر ابوبکر کی جگہ کوئی اور کافر مشرک ہوتا تو وہ حضرت ایسا ہی فرماتے اسمیں کوئی بزرگی کی بات نہیں ہے اور نہ ہمراہی خدا کی دونو کے ساتھ یکساں ہے چہ نسبت خاک را با عالم پاک ایسا ہی ابوبکر کو سمجھنا چاہئے اور معی معک جو فرماتا تو معلوم ہوتا کہ باعتبار حقیقت کے دونو کی حفاظت کے واسطے خدا ہے اور معک کے لفظ سے ابوبکر کے ہمراہ ہونا واسطے حفاظت کے بتصریح اور حقیقۃً معلوم ہوتا اور ایسا ہرگز نہیں ہے چنانچہ ہم بیان کر چکے اور خدا تعالیٰ کا ابوبکر کے ہمراہ ہونا مثل ہمراہ ہونے رسول خدا کے کیونکر ہو سکتا ہے کہ رسول خدا صلعم کی تو خدا تعالیٰ کو حفاظت ملحوظ تھی کہ کفار انکے قتل کے درپے تھے اور ابوبکر کا قتل کرنا کون چاہتا تھا اور ہم کہہ چکے کہ معنا جو حضرت نے ابوبکر سے فرمایا محض انکی تسلی کے لیے اور حفاظت کی احتیاج ابوبکر کو ہرگز نتھی اور شیعہ اس مقدمہ میں ہرگز شریک اہل سنت کے نہیں ہیں کہ اہل سنت تو ابوبکر کی فضیلت کے واسطے اسمیں تکلفات اور تاویلیں بیدا کرتے ہیں اور شیعہ جو امر کہ واقعی ہے اسکو بیان کرتے ہیں اور اعانت اور عیانت خدا کی اُسوقت جو کچھ کہ تھی اُسوقت رسول خدا صلعم کے واسطے تھی کہ لوگ انکی گرفتاری کی فکر میں تھے اور ابوبکر کا کون خواہاں تھا کہ خدا تعالیٰ کو انکی بھی اعانت ملحوظ ہوتی اور ثَانِیَ اثْنَیْنِ سیاق عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ میں جو ضمیر مفعول کی ہے اُس سے حال واقع ہوا ہے اور اگر تم بپاس خاطر ابوبکر قرآن میں تحریف کرو اور لَا تَنْصُرُوْہُ کی ضمیر مفعول سے حال ڈالو تو اختیار ہے اور اگر اس سے حال ڈالو تو بھی تمہارا مطلب ثابت نہیں ہوتا ہے اور نصرت صرف رسول خدا صلعم ہی کے واسطے ظاہر ہوتی ہے نہ ابوبکر کے واسطے بھی اسواسطے کہ ثانی اثنین وہ تھے ایک شخص رسول خدا صلعم ہیں ابوبکر اسمیں کہاں سے دبے گئے معلوم نہیں ابوبکر کے واسطے کہاں سے کہتا ہے کہ حضرت صدیق بھی مددگاری خداوندی میں شریک ہیں اور اگر فقد نصرہ اللہ کی ضمیر مفعول سے حال ڈالیں تب بھی وہ رسول خدا صلعم تنہا منصور ثابت ہوتے ہیں ابوبکر لیکن بظاہر اسکے بھی متعلق نہیں ہے بلکہ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کے تحت میں جو واقع ہوا ہے اُسی کی ضمیر مفعول سے حال واقع ہوگا اور بیوجہ اور بخلاف سیاق کلام کوئی لاتنصروہ یا فقد نصرہ اللہ کی ضمیر سے کوئی حال کہے جیسے وارحلکم کا عطف خلاف سیاق کلام وجوہکم پر کرتے ہیں تو کیا کسی کی زبان اور قلم پکڑی جاتی ہے اور اگر کفار کو ابوبکر سے ایسی عداوت ہو کہ جیسی رسول خدا صلعم سے عداوت تھی تو اس سے کیا فائدہ ہے یزید اور شمر سے بھی کفار کو ایسی ہی عداوت تھی جیسی کہ رسول خدا سے تھی لیکن وہ عداوت کفار کی یزید اور شمر کو کچھ فائدہ نہ بخشیگی ایسی ہی عداوت کفار کی ابوبکر کو کچھ فائدہ نہ بخشیگی اور کفار دشمنی تو سب مسلمانوں سے رکھتے تھے خصوصیت کسی کی نہ تھی لیکن درپے آزار کہ وہ قتل یا قید یا اخراج ہی کیسکے نہ تھے سوائے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ کے کہ انکی ہی جان کی خواہاں تھے **قال الشیخ الاشعری** باقی کوئی یوں کہے کہ ابوبکر صدیق کو تو کفار نے

نہیں نکالا تھا رسول خدا صلعم نے انہیں لے لیا تھا سو اسکا جواب شیعہ دیں کیونکہ یہ معنی تو ہمنے انہیں کی طرف سے بیان کئے ہیں ورنہ اگر ہمیں سے پوچھیں تو ہمیں سے سنئے جناب من انشاءاللہ
کلام کفار نے رسول اللہ صلعم کو بھی اسطرح نہیں نکالا کہ ہاتھ پکڑ کر باہر کر دیا ہو یا دھکے دینے کا اتفاق ہوا ہو مثلاً بلکہ صورت یہ ہوئی تھی کہ دار الندوہ میں جو ابو جہل کی بیٹھک کا نام تھا
اور وہ خانہ کعبہ کے پاس تھی جہاں اب حنفی مصلے بنا ہوا ہے اور اب وہ جگہ داخل حرم محترم ہو گئی ہے وہاں کفار مجتمع ہوئے اور اسبات کا مشورہ کیا کہ رسول اللہ صلعم کو قید کرنا چاہیئے
یا مار ڈالنا مناسب ہے یا انہیں کہیں نکال دیجے اس مشورہ کی اطلاع خداوند کریم نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دی آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رفیق دلی سمجھکر
ساتھ لیا اور غار ثور میں تشریف لیگئے بعد تین دن کے سواری اور راہ کا بندوبست کر کے دونو صاحب مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے چنانچہ اسبات کی طرف بطور اختصار سورۂ انفال
میں جناب خداوند کریم اشارہ فرماتے ہیں وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ یعنی وہ بھی یاد ہے
اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ کفار تیرے ساتھ مکر کرنا چاہتے تھے اور انکا یہ ارادہ تھا کہ تجھے قید کریں یا قتل کر دیں یا نکال دیں اور وہ یہ مکر کر رہے تھے اور خدا انکے ساتھ مکر کر رہا تھا یعنی
اطلاع کر دی پھر غار میں تیری حفاظت کی یہانتک کہ مدینہ منورہ خیریت سے پہنچا دیا اور کیوں نہو اللہ تو سب سے زیادہ مکر جانتا ہے اس قصہ کو غور کیجئے تو رسول اللہ صلعم کو بھی
ہاتھ پکڑ کے نہیں نکالا تھا اور اگر یوں کہئے کہ ایذا کے دینے سے ہونا نکالنا ہی ہے تو ابوبکر صدیق کے ہونیکی انہیں کونسی راحت تھی بلکہ اس سے پہلے ہی نہیں تو نکال دیا تھا ابن دغنہ انہیں
ہٹا کے لائے اور کفار سے انکے باب میں گفت و شنود کری نہ وہ شبہہ روایت سنیوں کی کتابوں میں تو موجود ہے پر عقل بھی یوں ہی کہتی ہے کہ یوں ہوا ہو تو کچھ عجب نہیں کیونکہ
خداوند کریم نے اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کے ضمن میں اسبات سے متنبہ کر دیا کہ ابوبکر صدیق سے بھی کفار دشمنی رکھتے تھے نہیں تو رسول اللہ صلعم انکی کیوں تسلی کرتے اور
خدا کیوں انکے ساتھ ہوتا **اقول** بیشک ابوبکر کو کسی نے نہیں نکالا تھا اور نہ کوئی ابوبکر کے درپے تھا بلکہ انکو رسول خدا صلعم نے راہ میں کھڑا ہوا دیکھکر ہمراہ اپنے لے لیا تھا اور شیعوں کو اسکے جواب کی کیا حاجت
ہے کہ شیعوں کا تو وہ دعویٰ ہی ہے اور رسول خدا صلعم کے قتل کا جو کفار نے ارادہ کیا تو یہ ہاتھ پکڑ کر نکالنے سے زیادہ ہے اور ابوبکر کی یا اور کسی مسلمان کی نسبت تو کوئی کچھ بھی نہیں کہتا تھا اور نہ کسیکو انپر
کسی طرح کا دعویٰ تھا جو کچھ تھا جناب رسول خدا صلعم سے تھا نہ ابوبکر سے اور خدا تعالیٰ نے کفار کے مشورہ کی حضرت کو اطلاع کی اور حضرت اپنی بستر پر حضرت علیؑ کو قائم کر کے پوشیدہ نظر اعداء
سے اپنی دولتسرا سے شب کو طرف غار ثور کی روانہ ہوئے رستہ میں ابوبکر کو کھڑا ہوا دیکھکر ہمراہ اپنے لے لیا کہ مصلحت راز کے پوشیدہ رکھنے میں تھی اور اُسوقت رفیق دلی سمجھنے کی کوئی وجہ نتھی بلکہ حضرت نے منع
کر دیا تھا اپنی یاروں کو کہ آجکی شب کوئی اپنی گھر سے باہر نہ نکلے لیکن باوجود ممانعت کے ابوبکر کو جو کھڑا ہوا دیکھا تو ہمراہ لیجانا ہی مناسب جانا اس اندیشہ سے کہ ابوبکر نے مجھکو دیکھ لیا ہے ایسا نہو کہ
یہ اور مسلمانوں کے روبرو ظاہر کر دے اور رفتہ رفتہ کفار کو خبر ہو جائے اور خدا تعالیٰ کا کام مکر کرنا نہیں ہے یہ بڑی بے ادبی ہے جو مکر کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا اور صحیح معنی یہ ہیں کہ
خدا تعالیٰ جزا مکر کی دینے والا ہے اور رسول خدا صلعم کا نکالنا ہاتھ پکڑ کر نکالنے سے زیادہ تھا کہ حضرت کے درپے تھے اور ابوبکر سے تو کفار کو کچھ واسطہ ہی نتھا اور نہ اور کسی مسلمان سے واسطہ تھا
اُنکے رنج کو راحت جانتے ہوں یا مصیبت اور ابوبکر کو کفار نے پہنچانے سے کب نکالا تھا یہ روایت پہلے نکالنے کی معتبر نہیں اور اگر تسلیم بھی کیجائے تو ہمکو اس سے کیا ضرر ہے اور ابوبکر ہی کیا بلکہ سب
مسلمانوں سے کفار دشمنی رکھتے تھے اسکا کون منکر ہے اور رسول خدا نے تسلی ابوبکر کی انکا جزع و فزع دیکھ کے بے محل باوجود ملاحظہ سامان اطمینان کے اپنی جان کی گرفتاری کا رنج کرتے تھے اور واسطے
حفاظت کے تو خدا تعالیٰ ہمراہ سب کے ہے مومن کے بھی اور کافر کے بھی اور ایسا ہی یہاں بھی ہمراہ ہونا ہے اسیواسطے حضرت نے فرمایا کہ وہ ہمکو محفوظ رکھیگا کفار کے شر سے **قال الشیخ الاشعری** اور یہ تو
اتنا بھی بہت ہے کہ خدا انکی ساتھ اسیطرح ہے جسطرح رسول اللہ صلعم کے ساتھ ہے اس تقریر کے سننے کے بعد یقین یوں ہے کہ شیعہ اس احتمال کو زبان پر بھی نہ لائیں کہ رسول اللہ صلعم نے ابوبکر کو اسلئے
ساتھ لے لیا تھا کہ وہ کہیں کفار کو اطلاع نکر دیں کیونکہ اس احتمال کی جڑ بنیاد تو اس آیت کے ہر ہر لفظ نے ایسی اکھاڑی ہے کہ شیعہ اپنے سر کو قیامت تک پیٹیں تو نہ جمیگی علاوہ جناب رسالتمآب
صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ کچھ ایسے کم فہم نہ تھے انکی عقل کا تو ایک عالم دیوانہ ہے کیا وہ اتنی بھی نہ سمجھی کہ اس اندیشہ کے موقعہ میں اگر ابوبکر صدیق کو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اسبات کی
اول سے اطلاع بھی نکرتے کہ میں غار ثور میں جا کر چھپونگا تو ابوبکر صدیق کچھ شیعوں کے امام تو نتھے کہ انکو علم ما کان و ما یکون یعنی ازل ابد کے سب وقائع کی خبر تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتلاتے
نہ بتلاتے انکو آپ اطلاع ہو جاتی ماسوا اسکے تقیہ تو ایسے وقت میں ضروری ہو جاتا ہے چنانچہ شیعوں کے نزدیک ایک تقیہ کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غار میں چھپ جانا بھی ہے
خیر یہ تقیہ تو تقیہ کی اصل جیسی ہے سو ہے انشاء اللہ تعالیٰ آگے معلوم ہو جائیگا پر شیعوں کے مذہب کے موافق تو ایسے وقت میں تقیہ فرض ہو جاتا ہے اور جھوٹ بولنا مباح بلکہ ضروری چنانچہ اماموں نے جو
اصحاب ثلاثہ یا اور اصحاب کی تعریف کی ہے اور وہ انکی کتابوں میں موجود ہے اسکو شیعہ یوں کہتے ہیں کہ اماموں نے بوجہ تقیہ جھوٹ کہدیا تھا نعوذ باللہ منہا القصہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے کچھ جھوٹ بولکر ابوبکر کے دل سے غار ثور کی طرف جانیکا احتمال نکالدیا ہوتا اسی کی کیا ضرورت تھی کہ انکو ساتھ لیا اور ایک جان کا وبال خریدا تنہا ہوتے تو
بے کھٹکے ہوتے انکے ساتھ وہ اندیشہ جس اندیشہ کے لئے انہیں ساتھ لیا تھا اور دو بالا ہو گیا اگر وہ کسی بہانہ سے وہاں نکل کر کفار کو اطلاع کر دیتے تو بظاہر کونسا
مانع تھا یا جسوقت کفار وہاں آ کھڑے ہوئے اُسوقت بول اٹھتے تو وہی شکل ہو جاتی کہ مینہ سے بھاگے اور پرنالے کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور دو ہوئے

سے بچے پر آگ میں گر پڑے **اقول** خداتعالی جناب رسولخدا صلعم کے ہمراہ واسطے محافظت کے تہا اسواسطے کہ ابوبکر کے اندوہ اور رنج کرنے پر کہ وہ کفار کے خوف سے
نہایت رنجیدہ اور بیقرار تہی حضرت نے فرمایا کہ تو کیوں رنج کرتا ہے کہ خداتعالی ہمارے ہمراہ ہے کہ وہ ہمکو انکے شر سے محفوظ رکہیگا اور سواے محافظت کے ایسے وقت
میں اور کیا مراد ہوسکتی ہے خدا کی ہمراہی سے ایسے ہی ابوبکر کے ہمراہ خداتعالی محافظت کے واسطے تہا اور محافظت اسکی ہر بندہ کے واسطے ہوتی ہے کہ آفات
اور بلاؤں سے بچاتا ہے یہانتک کہ جانوروں کی محافظت کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمٰنُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ اور شیعہ ہرگز ایسا نہیں کہتے ہیں کہ ابوبکر کو
حضرت نے اس لئے اپنے ساتہ لے لیا تہا کہ وہ کہیں کفار کو اطلاع نکردے شیعہ ہرگز ایسا نہیں کہتے ہیں اور یہ کام تو دشمن کا تہا ہی ضرر رسانی کا اور شیعہ رسولخدا صلعم کو دشمن ابوبکر کا اور نہ ابوبکر کو
دشمن رسولخدا صلعم کا بلکہ یہ جانتے ہیں کہ ابوبکر رسولخدا صلعم پر ایمان لائے اور قایل شہادتین کے ہوئے اور ہمیشہ مطیع اور فرمانبردار حضرت کے رہے لیکن حب ریاست اور
حکومت نے انکو راہ حق سے منحرف کردیا تہا اور اسلام میں ہی تو وہ اپنے بڑے فائدہ سمجہے ہوئے تہے اسواسطے کہ وہ حضرت کے اخبار آیندہ کو جو ریاست پاتے تہے اور یہ بہی
حضرت سے سنتے تہے کہ دین اسلام کو ترقی ہوگی تو ریاست کی انکو طمع اور امید ہوتی تہی کہ کسی طرح سے بعد رسول خدا صلعم کے حکومت اسلام کی ہمارے ہاتہ آجائے پہر وہ
حضرت سے دشمنی کسواسطے کرتے کیا اپنے فائدہ کو ضایع کرتے حضرت سے دشمنی کرکے اور قتل کرواکے اور ابوبکر کو جو ہمراہ اپنے لیلیا تہا غار کیطرف جاتے ہوئے اسواسطے نہیں
لیا تہا کہ اگر میں اسکو ہمراہ اپنے نہ لونگا تو یہ کفار کو خبر کردیگا بلکہ رستہ میں کہڑا ہوا جو دیکہا تو اس اندیشہ سے ہمراہ اپنے لیا کہ اگر یہ یہاں رہا تو میری خبر پوشیدہ نرہیگی
اور حکم خدا کا اسکے اخفا کا ہے اور مسلمانوں میں اسکا چرچا ہوتے ہوتے کفار کو خبر ہوجائیگی اور یا اسواسطے اپنے ہمراہ لے لیا کہ تنہائی میں مونس ہوگا اور ایک سے دو بہلے
جو کچہہ شیعوں کا عندیہ تہا اسکو میں لکہہ چکا اور یہہ جو لکہتا ہے یہ کہ اس آیت کے ہر ہر لفظ نے ایسی جڑ اکہاڑی ہے کہ شیعہ اپنے سر کو قیامت تک پیٹیں تو نہ جمیگی یہہ کہنا
اسکا غلط اور لغو ہے اسواسطے کہ یہ آیت اس احتمال کو دفع نہیں کرسکتی ہے اسواسطے کہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمراہ اپنے حضرت نے ابوبکر کو اسواسطے لیا ہو کہ ایسا نہو کہ اگر وہ
یہاں رہے تو کفار کو میری خبر کردے اور اس آیت میں اسیقدر ہے کہ ابوبکر خوف کفار سے رنج کرنے لگے تو جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ تو رنج مت کر کہ خداتعالی
ہمارے ہمراہ ہے کہ وہ ہمکو بچالیگا اور اصل مقصود اس کلام سے حفاظت اپنی تہی اور ابوبکر کی حفاظت کہ جو اسکے ضمن میں تہی وہ اسکے دفع وہم کے واسطے تہی
بہلا اس آیت نے اس احتمال کی جڑ کیونکر کاٹی اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اپنی ذات کے واسطے بہی جمع کا صیغہ لاتے ہیں جیسا کہ خداتعالی نے حضرت کو حکم دیا کہ تو کہہ ان
کفار سے کہ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ اور اگر لنا سے سب مسلمان مراد ہوں تو معنا سے بہی یہی ہوسکتے ہیں کہ حضرت نے جو فرمایا کہ ان اللہ معنا تو
مراد یہ ہے کہ ہم جو موحدین ہیں تو ہماری طرف خدا ہے وہ ہمکو محفوظ رکہیگا اور خصوصیت کسی ایک دو کی نہیں ہے بلکہ سب مسلمانوں کی طرف خدا ہے اور جناب
رسول خدا صلعم نے غار میں جانے سے پہلے کسیکو مطلع نکیا تہا کہ میں غار ثور کو جاؤنگا بلکہ ممانعت کی تہی اپنے اصحاب کو کہ آجکی شب کوئی گہر سے باہر نہ نکلے ابوبکر سے
یہ نہ رہا گیا آخر کو گہر سے نکلے اور رسول خدا صلعم نے انکو اپنے ہمراہ لے لیا اور ابوبکر کو غار ثور کے جانیکی کچہہ خبر نہ تہی بلکہ حضرت نے جو منع کیا تو یہہ نکر خواہ مخواہ باہر نکلے
اور حضرت کے ہمراہ ہولئے اور علم تو ابوبکر کو کسی طرح کا بہی نتہا جاہل بحت تہے بلکہ اور لوگوں کو ان سے زیادہ علم تہا اور علم ماکان اور مایکون ائمہ علیہم السلام کو جو تہا اس سے
یہ مراد نہیں ہے کہ انکو گزشتہ اور آیندہ کا حال سب حاضر تہا بلکہ متمکن ہر چیز کے علم پر تہے کہ جس چیز کا علم وہ چاہتے تہے تو خداتعالی انکو الہام کردیتا تہا اور کافی میں
ایک باب اسی متمکن ہونیکا ہے اور اہل سنت کی بعضی کتابوں میں لکہا ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کو علم ماکان اور علم مایکون تہا چنانچہ شواہد النبوت میں مولوی جامی نے لکہا ہے اور بعد
اسکے بہی یہ شیخ کئی جگہہ اسکا ذکر کریگا اور ہم اسکو رد کرینگے اور تقیہ قرآن اور حدیث اور روایات اہل سنت سے ثابت ہے چنانچہ بعد اسکے اس شیخ کے رد میں ہم مفصل لکہینگے اور غار میں
پوشیدہ ہونا اور چہپ کر بیٹہنا تقیہ نہیں تو اور کیا ہے اور اماموں نے جو خلفاء ثلثہ کے بظاہر تعریف کی ہے اول تو وہ تعریف ہی نہیں ہے اور اگر از راہ تقیہ کچہہ ہے تو ایسی تعریف تو تقیہ سے
اہل سنت کی کتابوں میں بہی لکہی ہوئی ہے چنانچہ تقیہ کے ذکر میں معلوم ہوگا اور اگر کسی امام نے جہوٹ بولا تو تقیہ سے بولا کہ جو قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور تمہاری احادیث صحاح میں
تو یہ ہے کہ حضرت ابرہیم بدون تقیہ تین جہوٹ بولے ایک روایت میں تو یہ ہے کہ قیامت کے روز جو وقت اہل محشر واسطے سفارش کی حضرت ابرہیم کے پاس جائینگے تو وہ فرمائینگے کہ میں تین
جہوٹ بولا ہوں اور خداتعالی آجکے دن غضب میں ہے تین بار نفسی نفسی کہکر فرمایا کہ تم کسی اور پاس شفاعت کے واسطے جاؤ اور ایک اور روایت میں ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ حضرت ابرہیم کبہی جہوٹ
نہیں بولے مگر تین جہوٹ اور انبیاء کا جہوٹ بولنا اہل سنت ہی کے مذہب میں ہے اور شیعوں کے مذہب میں نہیں ہے اور مشکوۃ میں عائشہ سے روایت ہے کہ اِنَّ رَجُلًا اِسْتَاْذَنَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ائْذَنُوْا لَهُ فَبِئْسَ اَخُو الْعَشِیْرَةِ فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ وَجْهِهٖ وَانْبَسَطَ اِلَیْهِ فَلَمَّا انْطَلَقَ الرَّجُلُ قَالَتْ عَائِشَةُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْتَ لَهٗ کَذَا
وَکَذَا ثُمَّ تَطَلَّقْتَ فِیْ وَجْهِهٖ وَانْبَسَطْتَ اِلَیْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَتٰی عَهِدْتِنِیْ فَحَّاشًا اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَنْ تَرَکَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ شَرِّهٖ وَفِیْ رِوَایَةٍ اتِّقَاءَ فُحْشِهٖ

حاصل یہہ کہ ایک مرد نے اذن چاہا رسول خدا صلعم کے پاس جانیکا حضرت نے فرمایا کہ اذن دیدو اُسکو کہ برا ہے یہ آدمی اپنی قوم میں اور جسوقت جاکر بیٹھا وہ رسول خدا صلعم کے پاس تو بشاشت ظاہر کی رسول خدا صلعم نے اُسکے روبرو اور خاطرداری سے پیش آئے اور جسوقت چلا گیا وہ شخص تو عایشہ نے کہا کہ یا رسول خدا آپنے پہلے تو اُسکو ایسا فرمایا تھا کہ وہ برا آدمی ہے اور جسوقت وہ آپکے پاس آیا تو اُسکے روبرو آپنے بشاشت ظاہر کی اور خوش ہو کر اُس سے ملاقات کی رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ کب دیکھا ہے تونے مجھکو فحش کہنے والا تحقیق کہ بدتر آدمیوں خدا کے نزدیک قیامت کے روز وہ شخص ہے کہ ترک کریں اُسکو آدمی اُسکے شر سے بچنے کے واسطے اور ایک روایت میں ہے کہ اُسکے فحش سے بچنے کے واسطے اور یہ روایت متفق علیہ بخاری اور مسلم کی ہے اب غور کرو کہ رسول خدا صلعم نے پیٹ پیچھے تو اُسکی مذمت کی اور اُسکے مونہہ پر بشاشت سے پیش آئے اور مہربانوں اور دوستوں کی سی باتیں کیں تو اس میں ایک امر واقع میں راست ہوگا اور دوسرا دروغ اور اُس برا آدمی کے سامنے بشاشت سے پیش آئے یہ حالت تقیہ میں دروغ اور بناوٹ نہیں تو کیا ہے اور اسیکو تقیہ کہتے ہیں کہ برا آدمی کی تعریف اُسکے مونہہ پر یا اُسکے دوست کے مونہہ پر کرے اور اسیطرح ائمہ معصومین خلفاء ثلثہ کے دوستوں کے اور مریدوں کے روبرو ثلثہ کی تعریف کرتے ہونگے اُنکے دوستوں کے شر سے بچنے کے واسطے پھر ہم پر طعن کرنے کی کیا وجہ ہے یہ تو تمہارے ہاں بھی موجود ہے اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر سے جھوٹ کیوں بیان کرتے کہ میں غار ثور کیطرف نہیں جاتا ہوں اور یہ محل تقیہ کا کون ہے کہ جو ابوبکر سے تقیہ کرتے اور ابوبکر کے ہمراہ لیجانیکی ضرورت یہ ہوئی کہ تاکہ میرا جانا کسی کافر پر ظاہر نہو جائے اور ابوبکر نے حضرت کو جاتے ہوئے دیکھ تو لیا ہی تھا اگر اُسکو ہمراہ اپنے نہ لیجاتے تو احتمال کے راز کے ظاہر ہو جانیکا تھا کہ ابوبکر کی زبان سے اصحاب میں سے کسیکے روبرو نکلتا اور رفتہ رفتہ کفار تک جا پہنچتا اور اس اندیشہ سے ابوبکر کو ہمراہ نہیں لیا تھا کہ اگر یہ یہاں رہیگا تو کفار سے میرے جانیکی خبر کردیگا اور نہ ہم اس واہی قول کے قائل ہیں اگر کسی نے از راہ تعصب ایسا کہا تو اُسکا کیا اعتبار ہے اور ہم تو یہہ کہتے ہیں کہ ابوبکر کو رسول خدا صلعم سے ہرگز دشمنی نہ تھی بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وہ تو ایمان لائے تھے اور حضرت کو پیغمبر خدا ہی جانتے تھے اور رسول خدا صلعم نے ابوبکر کو جو ہمراہ اپنے لیا تھا تو اپنا دوست ہی سمجھکر لیا تھا اور اگر دشمن جانتے تو ہرگز اپنے ہمراہ نہ لیتے ایسی باتوں کا ہماری طرف منسوب کرنا بالکل اتہام اور دروغ ہے اور ابوبکر کو جو ہم اچھا نہیں جانتے ہیں تو اس لئے کہ بعد اُسکے اُنہوں نے طمع ریاست اور حکومت کے لئے حقوق اہل بیت کو غصب کیا ہے **قال الشیخ الاشعری** القصہ اگر ابوبکر کے ساتھ لینے میں بھی مصلحت تھی تو یہ مصلحت بھی کوسوں دور ہے اسیواسطے ملا عبداللہ مشہدی نے اظہار الحق میں لاچار ہو کر انصاف کی راہ سے یہی کہا کہ نفس الامر یوں ہے کہ یہہ احتمال بہت بعید ہے مگر وہ نقل مشہور ہے کہ ستر برس کا رام جی میں بیٹھا ہوا نکلتے ہی نکلے ہے اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ حق بول اُٹھیں اور اپنے بیگانے کا کچھ لحاظ نکریں اب ہم سے سنئے کہ ملا عبداللہ مشہدی کا کہنا سب بجا اور درست اور اُسکے حق ہونے میں کچھ شک نہیں اور اس وجہ سے اگر اُنکی کتاب مذکور اظہار الحق کہیں تو بیجا نہ ہو اور ہمکو بھی اس بات کی تسلیم سے انکار نہیں اگرچہ ملا مذکور شیعہ مذہب ہیں ع متاع نیک ہر دکان کہ باشد ؛ مگر ستم تو یہہ ہے کہ شیعہ حتی کہ علماء بھی باوجودیکہ ملا عبداللہ مذکور کو اپنا مقتداء دین سمجھتے ہیں اس بات کی اُنکی بھی نہیں سنتے ہر چند ملا مذکور آخر کو یہی کہہ اُٹھے کہ عجب کیا ہے کہ جو خلیفہ اول کو جناب رسول خدا صلعم نے ہمرہی اور ہمدمی کے لئے اختیار کیا ہو کہ اُنہوں نے اپنی بیٹی کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کر دیا تھا اور اکثروں سے پہلے مسلمان ہوئے تھے اور اکثر ملازم خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رہتے تھے لیکن کیا امکان کہ جو حضرات شیعہ روبراہ ہوں بلکہ عجب نہیں کہ مجتہد الزمان کے یہاں سے اُنکے لئے بھی حکم تبرا صادر ہوا **قول** اس مصلحت کے واسطے ہم بیجا نا نہیں کہتے ہیں اور نہ ابوبکر کو ہم دشمن رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانتے ہیں اور جس مصلحت کے واسطے ابوبکر کو جناب رسول خدا صلعم ہمراہ اپنے لیگئے تھے اسکو ہم پہلے اس سے کئی مرتبہ بیان کر چکے اور ملا عبداللہ مشہدی شیعوں میں کوئی نامی و مشہور نہیں ہے اُنکو تو کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ کون ہیں اور مقتدائی دین ہونے سے کیا واسطہ مولوی عبدالعزیز صاحب نے جو تحفہ میں اظہار الحق عبداللہ مشہدی کا حوالہ دیا تو اس سے ہمنے بھی جانا کہ ملا مشہدی کوئی شیعوں میں ہے ایسے ایسے تو ہر مذہب میں بہت ہوتے ہیں لیکن قول اُنکا مستند نہیں ہوتا اور اگر اُنہوں نے لکھا ہے کہ یہ احتمال بہت بعید ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ یہہ احتمال درست نہیں ہے اور رام تو ثلثہ کے جی میں بیٹھا ہوا تھا کہ برسوں بت پرستی کیا کئے اور جب رام جی سے نکلا تو بعد اُسکے الٰہی کے رغبت کرکے پھر ویسے ہی ہوگئے اور حق بولنے میں ملا مشہدی نے کس بات کی کمی کی ہے اگر مراد حق سے یہ ہے کہ وہ یہ لکھتے ہیں کہ رسول خدا صلعم ابوبکر کو اپنا ہمدم اور مونس سمجھکر اپنے ہمراہ لیگئے تھے سو تو خود لکھتا ہے کہ اُنہوں نے اپنی کتاب اظہار الحق میں لکھا ہے کہ عجب کیا ہے کہ جو خلیفہ اول کو جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمرہی اور ہمدمی کے لئے اسلئے اختیار کیا ہو کہ اُنہوں نے اپنی بیٹی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کیا تھا اور اکثروں سے پہلے مسلمان ہوئے تھے اور اکثر ملازم خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رہتے تھے لیکن ہمکو معلوم نہیں کہ اُنہوں نے لکھا ہے یا نہیں اور ہمنے تسلیم کیا کہ اُنہوں نے لکھا ہوگا لیکن اُنہوں نے محتمل کرکے لکھا ہے اس طرح سے کہ عجب نہیں اگر اسواسطے ہمراہ لیگئے ہوں اُنکے

نزدیک بھی یہ بات احتمالی ہی اور معتبر اور یقینی اور منقول کسی امام علیہ السلام سے نہیں ہے اور ہمنے تسلیم کیا لکھنا ملا عبداللہ مشہدی کا ہرچند کہ وہ معتمد اشیعوں کے
علما ہے کے اور مشہور اور ملا نامی تو نہیں ہیں ہمارے نزدیک سب سُنت اور درست ہی کہ ابوبکر نے اپنی بیٹی کا حضرت کے ساتھہ نکاح کردیا تھا اور اکثروں سے پہلے مسلمان
بھی ہوئے تھے اور اکثر ملازم خدمت میں رہتے تھے اور بڑے یار اور مونس و ہمدم تھے حضرت کے اور اسیواسطے انکو اُنکے گھر سے بلا کر ہمراہ اپنے لیگئے تھے لیکن
جب تک اُسکا انجام بخیر نہو تو ان باتوں سی کیا فائدہ ہی اور ان لوگوں ہی کے حق میں تو خدا تعالی فرماتا ہی کہ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ
كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ اور بداعمالیاں خلیفہ صاحب کی ایسی ہیں کہ جن سے
اُنکے ایمان صحیح میں بالکل فرق آگیا ہے اور اہل سنت کی کتابوں میں وہ سب مسطور ہیں اور بجز عذر نامعقول کے اُسکے جواب میں اہل سنت سی کچھہ نہیں بن پڑتا ہی اس
صورت میں اگر ابوبکر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتدا میں مونس و ہمدم رہے اور بعد اُنکے اُنکی اہل بیت کے حقوق غصب کیئے اور اس جہت سی اُن کو
آزار پہنچائے تو وہ ہمدمی اور مونسی اُنکو کچھہ فائدہ نہ بخشیگی ابلیس نے عبادت خدا کی اسقدر کی تھی کہ معلم الملکوت مشہور ہوگیا تھا لیکن ایک نافرمانی میں کہ وہ
سجدہ نکرنا آدم علیہ السلام کا تھا ملعون دنیا و آخرت ہوگیا **قال الشیخ الاشعری** خیر کوئی مانے یا نمانے پر دل سب کا سنی ہوں یا شیعہ یہی گواہی دیتا ہی کہ
ابوبکر صدیق کا ہمراہ لیجانا فقط اس وجہ سی تھا کہ اُنکو کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وزیر و مشیر و معین و مددگار سمجھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا
محب خاص و ہمدم با اختصاص جانتے تھے اور کیوں نہ سمجھیں شیعہ سنی کون نہیں جانتا کہ اُنہوں نے ابتدا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت میں
کفار کے ہاتھہ سے کیا کیا ایذائیں سہیں اور کسقدر جفائیں اُٹھائیں اور کسقدر مال لٹایا اور کیا کیا کر دکھلایا بلال رضی اللہ عنہ کو مول لیا اور قید کفار سے چھڑا کر
آزاد کیا اور علی ہذا القیاس اللہ اور رسول کی خوشنودی کی اور سب اپنا خانمان برباد کیا پس درصورت اُنکے مکہ میں چھوڑ جانیکی ایک تو جناب سرور کائنات صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو یہ یقین کامل تھا کہ کفار اُنکو اور مجھے یکساں سمجھتے ہیں جو کفار نابکار نے میرے لئے تجویز کیا ہے اُنکے لئے پہلے ہی اُنہوں نے بیشتر کفار سے مقابلہ کیا ہی اور
اُنکو بارہا وعظ و پند کیا ہے کہ دین اسلام دین حق ہی بت پرستی چھوڑو اگر سعادت مدنظر ہے اتباع نبوی اختیار کرو اگر اُنکو یہاں ہی چھوڑ گیا تو کفار اُنکو ہرگز
زندہ نہ چھوڑینگے ہاں اگر عمر کو ساتھہ لیلوں تو کچھہ مضایقہ نہیں کہ اُنسے کفار کو چنداں پرخاش نہیں اور باانہمہ اُنکی طرح طرح کے لحاظ پاس ہیں منجملہ اُنکے یہ بھی ہے
کہ ابوجہل کے جو رئیس کفار ہے بھانجے ہیں باقی اور اصحاب کو کفار نگونسار کچھہ راس و رئیس دین و ایمان نہیں سمجھتے پھر تسپر اُنکی بچاؤ کے اور بہت وجوہ ہیں پر
ابوبکر کی رفاقت کفار کی آنکھوں میں خار ہے انکو دیکھہ دیکھہ لہو کے گھونٹ پیتے ہیں یہ اگر رہ گیئے تو طرار کن ایمان و اسلام ڈہ جائیگا اور ایسا رفیق شفیق اور
ایسا مخلص کہ اُسکا اخلاص و محبت دل میں اثر کرتا ہی ہاتھہ سی جاتا رہیگا باانہمہ ایسے سفر پرخطر میں بے رفیق کے نہیں گزرتی پھر رفیق بھی ایسا چاہئے کہ نہ جان سے
دریغ ہو نہ پاس آبرو ہو نہ زن و فرزند کی محبت ہو خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اُسکے دل پر غالب ہو اور تسپر گرم و سرد زمانہ دیکھتے ہوئے تجربہ کار سیر سفر مرد
ہوشیار یگانہ روزگار بلند ہمت عالی فطرت یار بے تکلف محب صمیم رازدار قدیم ہو جس سے دل کی بات کہکے دل خالی ہو غم و حیرانی سے وحشت و پریشانی اُسکی صحبت سے
دور ہو سو مجموعہ ان اوصاف کا سوا جناب صدیقی کے کسی اور میں نپایا اسی لئے عین دوپہر کے وقت آپ اُنکے گھر تشریف لائے اور حاضری پکواکر دونوں مخدوم عالم
اور خادم ہمدم رونق افروز غار ثور ہوئے اور عبداللہ بن ابی بکر لڑکہ فرزند ارجمند پسر کلاں حضرت صدیق کے تھے جاسوسی کے لئے مقرر کیا کہ مشورہ کفار سے جو کچھہ
وہ درباب طلب و تلاش حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریں سب آگاہ کرتے رہیں **اقول** پہلے اس سے ہم لکھہ چکے ہیں کہ جناب رسولخدا صلعم جو ابوبکر کو ہمراہ
اپنے لیگئے ہیں ابوبکر کو رستہ میں کھڑا ہوا دیکھہ کر لیگئے ہیں اور ابوبکر اُنکے گھر سے بلا کر نہیں لیگئے کہ حکم حضرت کو تنہا گھر سے نکلکر جانیکا تھا کہ کسیکو حضرت کے
روانہ ہونیکی اطلاع نہو تا کہ کفار حضرت کے جانے پر مطلع نہو جائیں اور شیعہ تو کاہیکو گواہی دینگے ابوبکر کو رسول خدا کے وزیر اور مددگار ہونے پر اور اہل سنت کی
کتابوں میں بھی ثابت ہی کہ ایک حیلہ اور چالاکی سے وزیر بن بیٹھے ہیں اور مدد حضرت کی کبھی نہیں کی ہی ہمیشہ حضرت کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑکر بھاگ جاتے
تھے اور مشورہ کا حکم حضرت کو موافق حکم وشاورہم کے سب اصحاب کے ساتھ تھا اور محب اور ہمدم بھی اپنا حضرت کو سمجھتے تھے کہ وہ لوگ حضرت پر ایمان لائے تھے اور اپنا
پیغمبر اُنکو جانتے تھے ابوبکر کی خصوصیت اسمیں کچھہ نہیں تھی کہ ان اوصاف کی جہت سے اُنکو ہمراہ اپنے لیجاتے اور ایذا ہی کفار کے ہاتھہ سے بدولت اسلام حضرت کی رفاقت
میں سب اصحاب نے پائی ہے مگر جوتیاں اپنی بیوقوفی سے سوائے ابوبکر کے کسی نے نہیں کھائیں اور لٹانا مال کا اور حضرت بلال کا قید سے چھڑانا مول لیکر ہمارے نزدیک
ثابت نہیں ہی یہ سب اہل سنت کا ساختہ اور پرداختہ ہے کہ واتقی وصدق کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں لیکن اتفاق اُنمیں بھی نہیں ہے بلکہ واحدی نے تو موافق

شیعوں ہی کی اپنی تفسیر میں لکھا ہے اور باسناد متصل عکرمہ سے اور اُس نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت ابو دحداح کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ اُس نے درختِ خرما
خرید کرکے راہ خدا میں دیا تھا اور ابوبکر نے اپنا خانمان خوشنودی خدا و رسول میں کسوقت برباد کیا تھا یہ بھی ایک بناوٹ اہل سنت کی ہے ابوبکر کی فضیلت میں کہ سر اسر دروغ
ہے اور کفار ابوبکر کو اور رسول خدا صلعم کو ہرگز یکساں نہیں جانتے بلکہ کفار تو رسول خدا صلعم کے درپے تھے اور ابوبکر سے تو اُنکو کچھ واسطہ ہی نتھا اور نہ ابوبکر کے خیال میں تھا کہ اُنکو
خاصکر آزار پہنچانا چاہئے اور اگر دشمنی تھی کفار کو تو سب مسلمانوں سے برابر تھی ابوبکر سے کچھ زیادہ دشمنی ہرگز نہ تھی اور نہ ابوبکر کے کوئی درپے تھا جھوٹی باتیں لکھکر کیوں کاغذ سیاہ
کرتا ہے اور ابوبکر رسول خدا صلعم کے برابر ایذا رسانی میں کیونکر ہو سکتا ہے رسولخدا صلعم کے واسطے تو کفار نے تجویز کیا تھا کہ انکو قتل کرنا چاہئے جسکا کلام اللہ گواہ ہے اور ابوبکر کے
واسطے کیا تجویز کیا تھا کہیں اُسکی ایذا رسانی کا بھی قرآن میں ذکر ہے فقط اسیقدر وقوع میں آیا تھا کہ رسول خدا صلعم ابوبکر کو راہ میں دیکھکر اپنے ہمراہ غار میں لیگئے تھے اور ابوبکر
غار میں کفار کے خوف سے رنج کرنے لگے تو رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ تو رنج مت کر کہ خدا ہمارے ہمراہ ہے جسکو خدا تعالی نے اپنی کتاب میں باین الفاظ نقل کیا کہ اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا
تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا سو اسمیں فضیلت کی کوئی بات نہیں پائی جاتی ہے لیکن اہل سنت نے اس مقدمہ میں ابوبکر کی فضیلت میں طومار لکھے ہیں کہ جسکا نہ کوئی سر ہے نہ پاؤں ہے اور
وعظ و پند کفار کو سبھی مسلمان کرتے تھے ابوبکر کی کچھ خصوصیت نہیں ہے اور اگر ابوبکر کو حضرت مدینہ میں چھوڑ جاتے تو جو حال اور مسلمانوں کا ہوا بعد حضرت کے وہ ہی ابوبکر کا ہوتا
ابوبکر کے واسطے کسی طرح کی مزیت نتھی اور یہ جو بے سند لکھتا ہے کہ حضرت نے یقین کیا کہ ابوبکر کو یہاں چھوڑ گیا تو کفار انکو زندہ نہ چھوڑینگے بالکل غلط ہے یہ سارا مضمون جھوٹا
اس شیخ نجدی کا اپنے دل سے جوڑا ہوا ہے اور اسکی کچھ اصل نہیں ہے اور کفار ابوبکر کو اور عمر کو دونوں کو یکساں سمجھتے تھے بلکہ عمر سے انکو زیادہ عداوت تھی کہ عمر بہ نسبت ابوبکر
کے بہت تند خو اور بد مزاج تھے اور یہ خیال عمر کے اس جہت سے ہمراہ نہ لیجانیکا بھی بالکل غلط ہے اور اسکی کچھ اصل نہیں ہے اور اس شیخ نجدی کی من جوڑی بات ہے اور نہ ابوبکر
کو کفار زیادہ رفیق حضرت کا سمجھتے تھے یہ بھی سب جھوٹ ہے اور ابوبکر کی رفاقت خاص تو کیا کفار کے خیال میں بھی نہ تھی اور معلوم نہیں کہ ابوبکر کو کون ایمان و اسلام اس شیخ
نجدی نے کسوجہ سے لکھا ہے یا تو اسواسطے کہ ابوبکر رسولخدا صلعم کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر سب سے پہلے بھاگ جاتے تھے اور یا اُنکی جہالت اور بے علمی کی سبب سے کہ مسائل دین میں غلطیاں
کرتے تھے اس جہت سے رکن ایمان ہوئے ہونگے وہ نہ ابوبکر میں کونسی خصلت مزیت کی اور وں سے تھی اور جیسے کہ ابوبکر رفیق شفیق اور مخلص حضرت کے تھے ایسے ہی سب مسلمان تھے خصوصیت ابوبکر
کی کچھ نہیں ہے اور سینکڑوں مسلمان جہادوں میں مارے گئے اگر ابوبکر بھی مارے جاتے تو کیا نقصان اسلام میں ہوتا بلکہ وہ مارے جاتے تو یہ گمراہی جو بدولت انکے لوگونکو حاصل ہوئی ہے
کاہیکو ہوتی اور جان کا دریغ کرنا ابوبکر کا تو جنگِ احد اور حنین و خیبر میں بخوبی معلوم ہو گیا تھا کہ جنگ حنین میں رسولخدا صلعم پکارتے تھے کہ کہاں بھاگے جاتے ہو میں رسولخدا
یہاں ہوں کوئی پھر کر نہ دیکھتا تھا تب حضرت عباس ٹیلے پر چڑھکر پکارے اے بیعت رضوان والو اے سورہ بقر والو کہاں بھاگے جاتے ہو یہاں آؤ تب مسلمان اُلٹے پھرے اور میاں
ابوبکر صاحب بھی اُن بھگوڑوں ہی میں تھے جنکو یہ شیخ نجدی لکھتا ہے کہ ایسا رفیق چاہئے کہ جان سے دریغ ہونہ پاس آبرو ہو اور سوائے نو آدمی بنی ہاشم کے اُسوقت حضرت کے پاس کوئی
باقی نہ رہا اپنے کنبہ ہی کے آدمی رفاقت میں رہے اور کھانے چاٹنے والے سب بھیجے ہوئے اور حضرت کی جان کا کچھ پاس نکیا اور پھر یہ دروغگو ابوبکر کو حضرت کا رفیق شفیق اور مخلص اور محب
اور جان کا دریغ نکرنیوالا لکھتا ہے برعکس نہند نام زنگی کافور۔ اور اگر محبت خدا اور رسول خدا زن و فرزند کی محبت سے زیادہ دل پر غالب ہوتی تو جہاد سے ہرگز نہ بھاگتے بلکہ اگر دوست
خالص خدا و رسول خدا کے ہوتے تو اُنکی اطاعت میں ہی جان دیدیتے اور بھاگتے نہیں لیکن وہ کچھ جان دینے کو تو کچھ مسلمان ہوئے ہی نتھے بلکہ اسواسطے ہوئے تھے کہ یہ ریاست مسلمانوں
کی بعد رسول خدا صلعم کے کسی طرح ہمارے ہاتھ آجائے جب اُنکی یہ ہی آرزو تھی تو وہ کیونکر مفت اپنی جان دیتے اور جہاد میں سے نہ بھاگتے اور سرد و گرم زمانہ کا البتہ دیکھے ہوئے تھے
اور تجربہ کار بھی تھے اور ہر چیز سے اور ہر پیچ سے دنیا کی خبردار تھے اور اپنے اِن تجربوں ہی سے تو پیچ کرکے خلافت کو کہ جو حق علیؑ کا تھا غصب کیا لیکن بلند ہمت اور عالی فطرت ہرگز
نتھے کہ اپنے ایسے محسن کی اہل بیت سے ایسی بدسلوکی کی کہ اُنکے حقوق غصب کئے اور ان امور کا ابوبکر میں مجتمع ہونا اگر تھا تو سب ظاہرداری اور دنیا سازی کے اعتبار سے تھا اور اگر
محب صمیم ہوتے تو جہاد میں جاکر اگر مارے نہ جاتے تو کوئی زخم تو کفار کے ہاتھ سے کھاتے لیکن تکبیر بھی اُنکی کسی جہاد میں جاری نہوئی اور یہ جو لکھتا ہے کہ عین دوپہر کے وقت غار
کی طرف روانہ ہوئے یہ بھی غلط ہے جسوقت کہ بے اطلاع کفار کے اور اُنسے پوشیدہ ہو کر جانا منظور تھا تو دوپہر کو روانہ ہونیکی کون صورت تھی بلکہ کفار نے تو حضرت کے قتل کا مشورہ
کیا تھا اور حضرت جبرئیل نے خدا تعالی کا حکم اُسیوقت اُن حضرت کو سنایا کہ تو اپنے فرش خواب پر علیؑ کو لٹا آج کی شب مدینہ کو روانہ ہو جا حضرت اسی شب روانہ ہو گئے اور ایسی
حالت میں دن کو روانہ ہونا کہیں عقل میں بھی آتا ہے اور ابوبکر کے گھر جاکر حاضری کا پکوانا اور دوپہر کو وہاں سے روانہ ہونا بالکل غلط ہے نہ تو حضرت ابوبکر کے گھر تشریف لیگئے اور
نہ اُنکے گھر جاکر حاضری پکوائی اور نہ دوپہر کو روانہ ہوئے اگر دوپہر کو روانہ ہوتے تو تمام مکہ میں شور و غل مچ جاتا اور اسقدر مہلت کہاں تھی کہ دوپہر کو باطمینان قلب تمام حاضری
پکوا کر اور اپنے ہمراہ لیکر جاتے کس طرح کا دروغگو اور کذاب ہے یہ شیخ کیسے کیسے مضمون اپنے دل سے تراشتے ہیں قال الشیخ الاشعری اگر خاندان صدیقی کو کچھ بھی عداوت

ہوتی تو یہ معاملے کہیں ہو سکتے او اگر بالفرض والتقدیر بفرض محال ایسے مشورے پیش بھی آتے تو اس سے بہتر کینہ کشی کا وقت آنکے پھر کونسا ہاتھ آتا انعام کفار جدا لیتے
اور اپنا کام جدا کرتے حضرات شیعہ ہی اپنی کتابوں کو دیکھ کر فرمائیں کہ ہم نے اِس قصّہ میں کیا جھوٹ ملا دیا ہے سر مو اگر فرق پائیں تو جو چاہیں سو کریں منصفوں کو تو بلا تکلف
کہے نہیں بن پڑتی کہ ایسے وقت کی ہمدمی اور ہمرہی اور اس اہتمام اور انتظام سے انکا ساتھ لینا ایسی بڑی فضیلت ہے کہ حضرت علیؑ کا اُس شب بستر پر سو رہنا اُسکے ہمسنگ
نہیں ہو سکتا غدر میں سب نے دیکھا ہوگا کہ تلاشی کے وقت اگر مجرم نہیں ملا تو حکام نے ان لوگوں سے کچھ پرخاش نہیں کی جو اُس مقام پہ ملے ہاں جسکو رفیق و مددگار مجرم دیکھا
اُسکو بھی مجرم ہی سمجھا ہائے افسوس کہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت حضرت صدیق کے حق میں مقبول نہو فقط اس شرم سے کہ مسلمان کہلاتے ہیں اگر
خدا کے کلام کو نہ مانیں گے تو جواب کیا دینگے اِس آیت کو جبراً قہراً اگر سر دھرتے ہیں تو ہزار طرح کی نامعقول تاویلیں گھڑتے ہیں پر چند مفتریان سیہ باطن تیرہ درون کے گھڑی
ہوئی باتوں کو ایسا دل و جان سے بے حیلہ و حجت قبول کرتے ہیں کہ اگر اُسکے قبول کرنے کو کلام اللہ کے قبول کرنے سے موازنہ کریں تو کلام اللہ کا تسلیم کرنا اُسکی پاسنگ بھی
نہیں ہوتا ہمیں اس میں شک بھی نہیں کہ حضرات شیعہ کے دل میں اس آیت سے اول وہلہ یہی معنی آتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کو اُسوقت اگر رنج تھا تو یہی تھا کہ جناب
سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اسوقت بے بس و بیکس ہیں میں ایک تن تنہا کیا کر سکتا ہوں مبادا دشمنان دین جو پاس پاس کو پھرتے ہیں اس طرف کو جھانک اٹھیں
اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو ہلاک کر جائیں اور ہماری حسرتیں اور تمنائیں سب دل کی دل میں رہجائیں مگر چونکہ کمال درجہ کی بے بسی اور بے سر و سامانی کو
امداد و اعانت لازم ہے چنانچہ کلام اللہ میں ہے حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا یعنے جبکہ نا امید ہو گئے رسول اور انہیں یہ وہم ہوا کہ
یہ وعدے جو درباب نصرت اور مددگاری کے ہمسے تھے مبادا خیال شیطانی ہوں ہم اپنی غلط فہمی سے اُسکو وعدہ خداوندی سمجھتے ہوں آئی اُنکو ہماری مدد اُس مایوسی میں
جو حضرت ابوبکر باعتبار رفاہیت کے پیش آئی تھی نزول امداد ہوا اور یہ بشارت ہوئی لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اے ابوبکر مایوس اور غمگین مت ہو تسلی رکھ ہمارے ساتھ خدا ہے **اقول**
شیعہ ہرگز یہ نہیں کہتے ہیں کہ ابوبکر کو رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت تھی بالکل تہمت ہے شیعوں پر بلکہ دوست رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانتے ہیں اور یہ جانتے ہیں
کہ ابوبکر اور عمر وغیرہ دنیادار طالب ریاست عاشق مال و دولت کے تھے کہ انہوں نے اسی دنیا کی اور حُبِ جاہ کے سبب سے حقوق اہل بیت علیہم السلام غصب کئے اور اُنکے باب میں جناب
رسول خدا صلعم کی بھی رعایت نہ کی اور اس قصّہ کو جو کچھ تو نے لکھا ہے اکثر اسمیں جھوٹ اپنی طرف سے ملایا ہے شیعہ کیا اہل سنت کی کتابوں میں بھی یہ طومار نہیں ہے اور اگر تو نے
لکھا تو تیرا کیا کر سکتے ہیں بہت سے مضامین تو نے اِس کتاب میں اپنی رائے سے ایجاد کر کے لکھے ہیں کہ وہ فریقین کے کتابوں میں نہیں ہیں ایک یہ مضمون بھی ہے اور یہ ہمدمی اور
ہمرہی ابوبکر کی کسی کام کی نہ تھی راہ میں کھڑا ہوا دیکھ کر ہمراہ اپنے لیگئے اس جہت سے اور یہ خیال کر کے کہ ابوبکر نے مجھ کو دیکھ لیا ہے اور اسکے یہاں رہنے میں احتمال ہے کہ کسی
وجہ سے کفار کو میری خبر ہو جاے اسواسطے اپنے ہمراہ لیا اور معلوم نہیں وہ اہتمام اور انتظام کونسا ہوا تھا ابوبکر کے لیجانے میں پوشیدہ ہو کر تو حضرت خود جاتے تھے ابوبکر کے
واسطے کیا اہتمام کرتے اور جب غار میں پہنچے ہیں تو اُس غار میں کسی طرح کا خوف اور کھٹکا نہ تھا کہ اُس غار کے دروازے میں کبوتری نے انڈے دیے تھے اور مکڑی نے جالا تنا تھا
اور درخت خاردار دروازہ میں اُسکے بقدرت خدا اُسیوقت پیدا ہو گیا تھا کہ اسکی جہت سے کفار کو وہم بھی اُس غار میں کسی آدمی کی ہونیکا نہ تھا اور ایسا سامان خدا تعالیٰ نے
حفاظت کا اپنے حبیب صلعم کے واسطے مہیا کر دیا تھا کہ وہ غار مثل حصن حصین کے ہو گیا تھا اور کسی طرح کا وہم بھی خوف کا اُس غار میں باقی نہ رہا تھا اور ابوبکر جو خوف کفار سے رنج و غم
کرتے تھے باوجود ملاحظہ اس قدرت خدا اور معجزہ رسول خدا کے کہ کیسا سامان حفاظت کا کر دیا تھا تو خدا تعالیٰ پر اُنکو اعتماد نہ تھا باوجود دیکھنے اس سامان حفاظت کے اور اپنی جان کا اُنکو
رنج تھا کہ ہائے کیسی بلا میں پھنسے اب یہاں سے کیونکر نکلنا ہوگا اور اگر خدا تعالیٰ پر اُنکو اعتماد ہوتا تو بدون ملاحظہ سامان حفاظت کے خدا پر توکل کر کے صبر کرتے اور رنج اور جزع اور
فزع نکرتے اور جسوقت سامان حفاظت کا دیکھا تو اُسوقت تو کوئی صورت ہی رنج کرنے کی نہ تھی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ابوبکر پر نہایت غلبہ اندوہ و رنج
کا ہے اپنی جان کے واسطے اور احتمال ہوتا ہے کہ کثرت رنج سے ہائے اور واویلا کرنے لگے جس سے کفار کو خبر ہو جائے اُسوقت اُسکی تسلی کے واسطے فرمایا کہ رنج مت کر کہ خدا تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے
ورنہ وہ غار ایک ایسا قلعہ محکم ہو گیا تھا کہ وہاں کسی طرح کی دہشت باقی نہ رہی تھی اور مقام خوف حضرت کی خوابگاہ تھی کہ جہاں حضرت علی ابن ابیطالب تھے کہ سیکڑوں کفار حضرت کی
دولتسرا میں درانہ داخل ہو گئے اور حضرت علیؑ تن تنہا تلوار لیکر اُنکے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے اور کسی طرح کا اندیشہ نکیا اگر حضرت ابوبکر اس مقام میں ہوتے تو یقین ہے کہ کفار
کے انبوہ کو دیکھ کر اپنے لنگ میں ہگ بھرتے مارے خوف کے اسی لئے رسول خدا صلعم نے حضرت علی کو اپنے فرش خواب پر مقرر کیا کہ یہ کفار کا خوف نکریگا اور حضرت علیؑ کی شان میں
تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ یعنی بعضے آدمی وہ ہیں کہ فروخت کرتے ہیں اپنے نفس کو واسطے طلب کرنے رضامندی
خدا کے اور ابوبکر کی شان میں کونسی آیت نازل ہوئی ہے بجز اسکے کہ خدا تعالیٰ نے قول رسول خدا صلعم کا جو ابوبکر کی محض تسلی کے واسطے تھا قرآن میں نقل کر دیا اس شیخ

بخوبی بے انصافی کو دیکھنا چاہئے کہ ابوبکر کی بے اعتمادی کو قدرتِ خدا پر اور اُسکی جزع اور فزع اور بزدلی کو فضیلت ابوبکر کی قرار دیتا ہے اور علی بن ابی طالب کی شجاعت اور بہادری پر کہ جو حضرت کے بستر پر سو رہے اور کچھ پروا انکی اور ہزاروں کفار کا تلوار لیکر مقابلہ کیا ابوبکر کی بزدلی کو ترجیح دیتا ہے اور اُسکی فضیلت مقرر کرتا ہے اِنَّ ھٰذَا الشَّیْءٌ عُجَابٌ اور زیادہ تعجب یہ ہے کہ حضرت علی کی شجاعت کو کہتا ہے کہ یہ ابوبکر کی اُس بزدلی کی ہمسنگ بھی نہیں اور غدر میں انگریزوں نے اگر کسی کو مددگار مجرم کا سمجھا ہے تو البتہ اسکو بھی مجرم سمجھا ہے اور ابوبکر نے تو رسول خدا صلعم کی کچھ بھی مدد نہیں کی بلکہ رنج اور جزع اور فزع کرکے زیادہ خوف دلانے لگے ایسے مقام میں تو تسلی کی اور دل کے بڑھانے کی باتیں چاہئیں تھیں نہ کہ رنج اور گھبرانے کی کہ جس سے مرد بھی نامرد ہو جاوے اور رفیق کو مجرم کے انگریزوں نے اگر بے قصور جانا ہے تو اُسکو کچھ نہیں کہا ہے اور ایسے ہی ابوبکر تھے کہ اُنکا کوئی خواہاں تھا اور نہ اُنکی تلاش کسی کو تھی اور معلوم نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی شہادت کونسی ہے ابوبکر کے حق میں جسکو شیعہ قبول نہیں کرتے خدا تعالیٰ نے صاحب کا لفظ قرآن میں نسبت فرمایا ہے کہ پیغمبر اپنی اُس ہمراہی سے کہتا تھا اور صاحب کا لفظ وہ ہے کہ مومن اور کافر پر دونوں پر بولا جاتا ہے اور رسول خدا صلعم نے یہ فرمایا تھا ابوبکر کو کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اس سے فقط یہ ثابت ہے کہ حضرت نے فرمایا تو ان کافروں کے خوف سے رنج مت کر خدا تعالیٰ ہمارا ہماری حفاظت کے واسطے ہمارے ہمراہ ہے کہ ہم کو انکے شر سے بچالیگا اور ایسے مقام میں اکثر ایسا کہا کرتے ہیں اور حفاظت خدا کی مومن اور کافر دونو کے واسطے ہوتی ہے کیا کفار کا بچانا آفات بحری اور بری سے سوائے خدا کے کوئی اور ہوتا ہے اور لصاحبہ کو اور ان اللہ معنا کو پہلے اس سے ہم مفصل بیان کرچکے ہیں لیکن وہ شہادت خدا کی اور رسول خدا کی معلوم نہیں کونسی ہے کہ جسکو شیعہ قبول نہیں کرتے ہیں اور جس طرح کی شہادت کہ ہے اُسکو قبول کرتے ہی ہیں کیوں نہیں قبول کرتے لیکن فضیلت ابوبکر کی اس سے ثابت نہیں ہوتی اور اس قرآن پر ہمارا ایمان ہے اور جو کچھ اُس میں ہے وہ سب حق ہے لیکن جو بات کہ تمہاری مرضی کے موافق قرآن سے ثابت نہو تو اُسکو ہم کیونکر تسلیم کریں اور خلاف کلام اللہ کے تمہاری مرضی کے موافق کیونکر کہدیں اور ہم وہ بات بیان کرتے ہیں جو قرآن کے ظاہر سے مفہوم ہوتی ہے اور واقعی ہے کہ جس میں تاویل کو کسی طرح کا تعلق نہیں اور ہم کسی طرح سے تاویل نہیں کرتے ہیں تو تاویل کرتا ہے کہ جو امر کہ قرآن سے ثابت نہیں ہے اُسکو اپنی طبیعت سے ایجاد کرکے لکھتا چلا جاتا ہے صفحہ کے صفحہ چار پانچ لفظوں کے معنی میں اپنی رائے ناقص سے پیدا کرکے عبث اور فضول طول دیتا ہے اور ہم کلام اللہ کے مضمون کو اُن لوگوں سے لیتے ہیں کہ جو وارثان علم نبی تھے اور تم اُن لوگوں سے لیتے ہو کہ جو اعداء آل رسول تھے اور تم پیروی کرتے ہو ابوحنیفہ کی جو کہ قرآن اور حدیث کے خلاف حکم دیتا تھا اور اہل سنت کی کتابوں میں مثل ربیع الابرار وغیرہ کے لکھا ہے کہ اس نے چار سو حدیثیں رد کی ہیں اسی واسطے خطیب بغدادی اور امام غزالی وغیرہ نے ابوحنیفہ کو گمراہ اور گمراہ کرنیوالا لکھا ہے اور لکھا ہے کہ ایسی خلقت بد مثل ابوحنیفہ کے دنیا میں کوئی پیدا نہیں ہوئی ہے اور اگر تیرا دل چاہتا ہے تو اب بھی دہلی میں جاکر سن لے کہ ایک شخص مولوی نذیر حسین صاحب کے معتقدین میں سے چاندنی چوک میں کھڑا ہو دو سو تین سو آدمیوں کے روبرو علانیہ اپنے وعظ میں کہتا ہے کہ ابوحنیفہ گمراہ تھا اور جو کوئی اُسکی پیروی کریگا وہ بھی گمراہ ہے سو تم اپنے دین کو ایسے گمراہوں سے لیتے ہو اور پیروی اُنکی کرتے ہو کہ جنکو خود علماء محققین اہل سنت گمراہ لکھتے بھی ہیں اور کہتے بھی ہیں اس صورت میں تمہارا دین اور نماز اور روزہ اور حج وغیرہ عبادات سب باطل ہیں تمہارے اقرار سے اور شیعوں کے دل میں اس آیت سے اول وہلہ میں ہرگز یہ مضمون سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ابوبکر کو اُسوقت رسول خدا کے لئے بے بس اور بیکس ہونے کا رنج تھا بلکہ ابوبکر کو اُسوقت اپنی جان کا رنج تھا کہ حضرت کی ہمراہی میں مفت مارے گئے اور اگر کوئی صورت غار سے باہر نکلنے کی نظر آتی تو ابوبکر بلا تامل اور بے تردد حضرت کو غار میں تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے جیسا کہ بعد اسکے حضرت کو تنہا چھوڑ کر جہاد میں سے بھاگ جاتے تھے اور رسول خدا صلعم کی طرف سے رنج کرنا تو ابوبکر سے کوسوں بعید تھا اگر حضرت کی تنہائی اور بیکسی کا رنج ہوتا تو بعد اسکے حضرت کو ہزاروں کفار میں تنہا چھوڑ کر کیوں بھاگتے اور غار کے باہر تو چند ہی کفار ہونگے ہزاروں آدمیوں کی بھیڑ نتھی اور غار بھی علامات قدرتِ خدا اور معجزات سرور دو سرا سے مثل حصن حصین اور قلعہ مستحکم کے ہو رہا تھا کہ وہاں کسی طرح کا خوف اور کھٹکا نتھا لیکن پھر بھی ابوبکر بسبب اسکے کہ انکو قدرت خدا پر اعتماد نہ تھا باوجود ملاحظہ سامان حفاظت کے اپنی جان کے واسطے رنج کرتے تھے اور رسول خدا صلعم کی جان کا رنج تو اُنکے وہم میں بھی نہوگا اور خدا تعالیٰ نے وعدہ نصرت اور امداد کا جو اپنے حبیب سے کیا تھا اُسکا ایفا کیا چنانچہ فرماتا ہے کہ فقد نصرہ اللہ اور ایدہ بجنود اور ابوبکر کی نصرت سے کیا تعلق ہے کہ اُسکے کوئی درپے آزار ہی نتھا اور اگر ان اللہ معنا میں سے ابوبکر کی بھی نصرت مفہوم ہوتی تو خدا تعالیٰ بعد اسکے فرماتا کہ وایدہما لیکن کسی جگہ ابوبکر کی نصرت کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں ہے اور کیونکر اُس کی نصرت کا ذکر ہو کہ وہ تو ایک اجنبی شخص تھا کہ اُسکے کوئی درپے تکلیف اور ایذا ہی نہ تھا صرف جانِ واحد جناب رسول خدا صلعم کے قتل اور آزار کے درپے تھے سو اُن حضرت ہی کی نصرت کی قرآن میں اُس کا ذکر کیا اور ابوبکر کی نصرت سے کیا تعلق ہے اور نہ خدائے تعالیٰ نے ابوبکر سے نصرت کا وعدہ کیا اور کیونکر وعدہ کرتا نصرت کا کہ ابوبکر کی تو کسی کو تلاش ہی نتھی آزار دینے کے واسطے اور لاتحزن ان اللہ معنا حضرت نے جو فرمایا اُس میں ابوبکر کی نصرت کی بشارت نہیں ہے بلکہ ابوبکر جو خوف کفار سے رنج کرتے تھے تو حضرت نے اُن کی

تسلی کے لئے ایسا فرمایا کہ خدا تعالے نے ہماری حفاظت کے لئے ہمارے ہمراہ ہے اور حفاظت بھی حقیقت میں رسول خدا صلعم ہی کی تھی کہ کفار انکے در پے آزار تھے اور حضرت کی حفاظت کے ضمن میں ابوبکر کی حفاظت بھی آگئی اور آیت جو اس نے لکھی ہے اور ناامیدی نصرت کی جو اس سے سمجھا ہے بالکل غلط ہے اسواسطے کہ رحمت خدا سے انبیار مایوس نہیں ہوتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جسوقت کہ مایوس ہو پیغمبران خدا ایمان لانے سے کفار کے اور اسنے اس آیت کو فدک کے مقدمہ میں بھی آیت وَ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا کے ذیل میں لکھا ہے اور ہمنے وہاں جواب معقول اسکو دیا ہے **قال الشیخ الاشعری** القصہ اُس وعدہ صادق نے ظہور فرمایا اور کفاروں نگونسار کے شر سے اُن دو نو بندگان خاص کو بچا کر بحفظ تمام مدینہ میں پہنچایا اور پھر دین کو یہ رونق دی کہ اظہر من الشمس ہے سو دعا دینی چاہئے ابوبکر صدیق کی جان کو کہ وہ اتنے غمگین ہوتے نہ اُسکا یہ ثمرہ مرتب ہوتا کہاں اُنکے صدقہ سے یہ نصرت ہو کہاں ملک ایران وغیرہ قبضہ کفار سے چھوٹیں اور شیعوں کو ٹھکانا ملے مگر اس نااہلی کو دیکھئے کہ شکرانہ کے بدلے کہتے ہیں کہ کوئی اپنی محو کیسے ساتھ نکرے ٭ مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں ٭ اس مقام میں بعضے متعصب لاچار ہو کر بہت پیچ و تاب کھا کر شاید کہیں تو یہ کہیں کہ واقعی اُس زمانہ تک تو ابوبکر ایسے ہی تھے جیسے خدا کے کلام سے سمجھا جاتا ہے مگر وہ بات پھر نہ رہی ہوگی یہ شبہ اس قابل نہیں کہ اُسکے جواب کی طرف متوجہ ہو بلکہ شیعوں کو لازم ہے کہ اسبات کو منہ پر نہ لائیں مبادا کوئی ہندو انگریز سنکر یوں کہنے لگے کہ ایسے خدا ہی کو سلام ہے جسے چار دن کی خبر نہو **اقول** البتہ وہ وعدہ کہ جو واسطے جناب رسولخدا صلعم کے تھا نہ واسطے ابوبکر کے اُس عدہ نے ظہور فرمایا اور جناب رسول خدا صلعم کو کفار نگونسار کے شر سے بچا کر مع ابوبکر کے بحفظ تمام مدینہ میں پہنچایا اور پھر خدا تعالے نے دین کو رونق بخشی ذوالفقار حیدری کے دبدبہ سے جسوقت کہ ابوبکر اور عمر اور عثمان وغیرہ جہاد کفار سے بھاگ جاتے تھے رسول خدا صلعم کو ہزاروں کفار میں تنہا چھوڑ کر ٭ گر نبودے دست حیدر ذوالفقار ٭ کے شدے اللہ اکبر آشکار ٭ سو دعا دینی چاہئے علی بن ابی طالب علیہ السلام کی جان کو کہ انہوں نے کفار کو نگونسار کر کے دین کو جاری کیا اور بطفیل ذوالفقار حیدر کرار مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تو اب جہاد کرنا بھی آسان ہوگیا مفت کی فوج بہم پہنچی اور بعد اسکے جو ابوبکر اور عمر نے اپنی ریاست کی ترقی کے واسطے جہاد کروائے ہیں اور ایران وغیرہ فتح کیا ہے اور اسی طرح معاویہ اور یزید اور عبدالملک وغیرہ نے فیقان اور قہستان اور سجستان اور دوان وغیرہ فتح کئے یہ سب بطفیل ذوالفقار علی بن ابیطالب علیہ السلام ہے کہ اسلام کی جڑ باندھ دی تھی اور مستحکم کر دی تھی کفار کو نگونسار کر کے اور ثلاثہ وغیرہ خود تو کسی جہاد میں گئے نہیں لیکن اپنی ریاست کی ترقی کے واسطے مسلمانوں کو واسطے جہاد کے بھیجدیتے تھے اور مسلمان ترقی اسلام او باُمید حصول مال غنیمت جہاد کرتے تھے اور انکی ریاست مفت گھر بیٹھے ہوئے ترقی پکڑتی تھی اور کوئی اس عقل کے دشمن سے پوچھے کہ ابوبکر کے غمگین ہونے سے کونسا فائدہ حاصل ہوا اور انکے غمگین ہونے سے نصرت کیونکر ہوئی اور غمگین ہونے سے انکے کیا ہو بلکہ وہ غمگین ہونا ابوبکر کا موافق مرضی خدا اور رسول خدا نہ تھا ورنہ غمگین ہونے سے کیوں منع کرتے انکو جناب رسول خدا صلعم اور اگر نصرت ہوئی تھی تو جناب رسول خدا صلعم کے واسطے ہوئی کہ کفار انکے در پے قتل اور ایذا رسانی تھے اور ابوبکر کے واسطے نصرت کی وجہ کیا تھی کہ ابوبکر کا تو کوئی خواہاں بھی نتھا اور رسول خدا صلعم ہی کی نصرت کا خدا تعالے نے ذکر کیا ہے نہ ابوبکر کی نصرت کا چنانچہ فرماتا ہے کہ فقد نصرہ اللہ اور فرمایا کہ وایدہ بجنود اور ابوبکر کے واسطے کہیں بھی کچھ نہیں فرمایا بلکہ جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ و آلہ کا قول نقل کر دیا ہے کہ وہ اپنے ہمراہی سے کہتا تھا کہ تو غمگین مت ہو خدا تعالے جو ہمارے ہمراہ ہے وہ ہم کو انکے شر سے محفوظ رکھیگا اور ابوبکر کا شکرانہ کس بات کا کریں اُس نے ہم پر کیا احسان کیا ہے اور اپنے زمانہ میں جو انہوں نے جہاد کروائے ہیں وہ اپنی ریاست کی ترقی کے واسطے نہ اسلام کی ترقی کے واسطے اور ابوبکر کے زمانہ میں تو ایران مسلمانوں کے قبضہ میں آیا بھی نہ تھا عمر کے زمانہ میں آیا تھا سو وہ بھی حضرت علیؑ کے مشورہ سے اور شیعوں کے واسطے ایران کی خصوصیت کیا ہے شیعہ تو سب جگہ موجود ہیں اور کثرت شیعوں کی البتہ ایران میں ہے اور وہ ہی حق پر ہیں موافق ارشاد رسول خدا صلعم کے چنانچہ بیضاوی اور معالم التنزیل میں لکھا ہے تفسیر میں آیت یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ کے جو کہ سورہ محمد میں ہے کہ لوگوں نے رسول خدا صلعم سے پوچھا زیادہ فرمانبردار کو کہ وہ کون ہیں حضرت نے دست مبارک اپنا حضرت سلمان کے شانہ پر مارا یا ران پر اور فرمایا کہ یہ اور قوم اسکی قسم ہے خدا کی اگر بالفرض ایمان دنیا سے اٹھ جاوے یہانتک کہ ثریا سے آمیختہ ہو جائے تو البتہ جماعت فارس کی اُس پر ہاتھ ماریں اور اسکو حاصل کریں اور آیت فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ کی تفسیر میں بھی یہی لکھا ہے کہ وہ لوگ کہ جنکو خدا دوست رکھیگا اور وہ خدا کو دوست رکھیں گے فارس کے آدمی ہیں اور یا یمن کے آدمی ہیں اور یمن میں بھی اکثر شیعہ ہی ہوتے تھے اور خدا تعالے کے کلام سے ابوبکر کی کوئی فضیلت نہیں سمجھی جاتی بجز اسکے کہ خدا تعالے نے ابوبکر کو صاحب رسولخدا صلعم کا فرمایا ہے اور صاحب اُسکو کہتے ہیں کہ جو اپنی صحبت میں ہمراہ اپنے ہو اور وہ عام ہے خواہ مومن ہو خواہ کافر ہو چنانچہ ہم مفصل پہلے اس سے کئی جگہ بیان کر چکے اور رہا یہ ہے کہ جسوقت ابوبکر خوف کفار سے رنج کرنے لگے تو رسول خدا صلعم نے واسطے تسلی کے ابوبکر سے فرمایا ہے کہ تو رنج مت کر خدا ہمارے ہمراہ ہے سو خدا تعالی ہمراہ تو ہر بندہ کے ہوتا ہے مومن کے اور کافر کے لیکن

حضرت کا فرمانا کہ خدا ہماری ہمراہ ہی تو مراد اُس سے یہ ہوئی کہ وہ جو ہمارے ہمراہ ہی وہ ہمکو محفوظ رکھیگا اُنکے شر سے اور سوائے اسکے یہاں اَور کچھ مراد نہیں ہے اور خدا تعالیٰ محفوظ بھی سب بندوں ہی کو رکھتا ہی اور حافظ کفار کا بھی ہر آفت اور بلا سے سوائے خدا کے اور کون ہے اگر کوئی اور ہو تو اُسکو بتا دو سو ابوبکر کی کوئی فضیلت اور تعریف اس آیت سے ثابت نہوئی پھر شیعہ کا ہیکو کہیں گے کہ ابوبکر اُس زمانہ تک تو ایسے ہی تھے جیسے خدا کے کلام سے سمجھا جاتا ہے مگر وہ بات پھر نرہی معلوم نہیں کہ جو پہلے ابوبکر میں ایک بات تھی اور شیعوں کے نزدیک وہ اب نرہی وہ کیا بات ہے شیعہ تو ابوبکر کو ابتداے قبول اسلام سے تا وفات رسولخدا ایک حالت پر جانتے ہیں اور بعد رسولخدا صلعم کے بھی کچھ مشرک نہیں ہوگئے تھے مگر خلافت کے غصب کرنے سے جو موجب ضلالت بندگان خدا ہوگئی تھی اسواسطے شیعہ اُنکو اچھا نہیں جانتے ہیں اور انجام اُنکا کفار کا سا سمجھتے ہیں اور شیعوں کو تو وہ شبہہ ہی نہیں ہوتا ہے کہ جسکا تم جواب دو اور جو بات کہ حق ہی اُسکو تو شیعہ اپنی زبان پر لاتے ہیں اور جو شبہہ کہ شیعوں کی طرف سے تو نے ایجاد کیا ہی شیعہ وہ شبہہ کرتے ہی نہیں ہیں اسواسطے کہ وہ اس آیت میں کوئی فضیلت یا تعریف ابوبکر کی پاتے ہی نہیں ہیں تا کہ ابوبکر کو کہیں کہ وہ اپنی پہلی حالت سے پھر گئے اور بندہ ور انکار کیا تیری طرح دیوانے اور پاگل ہیں کیا جن باتوں کو شیعہ نہ کہتے ہوں اُن باتوں کو شیعوں کی طرف منسوب کرکے اُنپر طعن کرین جیسے کہ تو جھوٹے مقدمات شیعوں کی طرف منسوب کرکے اُنپر طعن کرتا ہی اور وہ کوئی ایسی بات نہیں چار دن کی نہیں ہے کہ جسکو خدا نہ جانتا ہو بلکہ جو کچھ کہ ابوبکر سے بعد اسکے وقوع میں آیا سب جانتا ہی اور ابتدا میں کی کوئی ابوبکر کی ایسی مدح اور فضیلت بھی تحریر نہیں فرمائی ہی کہ جو مخالف ہو ابوبکر کے اطوار ما بعد کے **قال الشیخ الاشعری** اور اگر بفرض محال حسب گفتار شیعہ نقل کفر کفر نباشد خدا کو ابوبکر صدیق کے اُن اطواروں کی جو اُن سے بعد میں ظہور میں آئی خبر نہیں بھی تھی اور بھولے چوکے مُنہ سے یہ بات نکلگئی تھی تب لازم تھا کہ اپنی اس بات کی پچ کرتا اور جو تون ابوبکر کو راہ راست پر لاتا خدا تھا کچھ ناخدا تو نتھا کہ باد مخالف میں لاچار ہوکر بیٹھ رہے بندوں کو اپنی بات کی پچ ہوتی ہی خدا تو خدا ابوبکر صدیق کے حق کی تو یوں کہا کہ ہم اسکے ساتھ ہیں اور ادھر یوں سنادیا کہ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ یا مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ تو دونوں آیتوں کا یہی مطلب ہے کہ خدا کی بات بدلی نہیں جاتی اور پھر تسیر ابوبکر کا ساتھ چھوڑ دیا یہانتک کہ شیطان نے اُسے آدبایا یوں کہئے نعوذ باللہ خدا ساتھ تھا پر خدا سے شیطان سے مقابلہ میں کچھ نہوسکا تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا بجز شیعوں کے اور کسے یہ دلیری ہی کہ ایسی بات مُنہ پر لاسکے یہ نہیں سمجھتے کہ اول تو ان اللہ معنا یہ ایسا جملہ ہی کہ عربی کے محاورہ کے موافق اسمیں ہمیشگی کی بو آتی ہی جو لوگ عربی جانتے ہیں اور فن بلاغت کے قواعد سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں بلکہ اتنی بات تو یقین یوں ہی مولوی عمار علی صاحب بھی جانتے ہوں دوسرے ہمنے مانا اس جملہ سے کچھ ہمیشگی نہیں نکلتی پر اتنی بات تو شیعوں کو بھی تسلیم کرنی پڑیگی کہ اُسوقت غار میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق اس خدا کی ہمراہی اور ہمدمی میں شریک تھے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ رسولخدا صلعم سے خدا کبھی علیحدہ ہوگیا ہوں اور اُنکی ہمرہی اور طرفداری چھوڑ دی ہو سو ان اللہ معنا میں رسولخدا صلعم کا حصہ تو دائمی نکلا اس صورت میں ابوبکر صدیق کا حصہ بھی دائمی ہوگا کیونکہ دونو کے حصے لیے ملے ہوئے ہیں بٹے ہوئے نہیں ایک مع کا لفظ دونو کے واسطے ہی دو لفظ جدا جدا نہیں یعنی معی و معک نہیں فرمایا **اقول** خدا تعالی کو ابوبکر کے سب اطوار کی پہلے ہی سے خبر تھی کہ وہ گزشتہ اور آیندہ کے حال کو جانتا ہی اور سہو اور نسیان اُسکو ہرگز نہیں ہوتا ہی اور ابوبکر کے حق میں کوئی ایسی بات بھی نہیں فرمائی ہی کہ وہ آئندہ کو ابوبکر سے افعال ناشایستہ کے صادر ہونے کو مانع یا مخالف ہو اور کوئی بات ابوبکر کی فضیلت اور مدح کی خدا تعالی نے قرآن میں نہیں لکھی ہی کہ جسکو دیکھکر کہا جائے کہ ابوبکر نزدیک خدا کے ایسا تھا تو اُس سے ایسے افعال بد کیونکر وقوع میں آئے ہونگے اور خدا تعالی کا کام راہ راست کہانا ہی اور بھلے اور برے سے مطلع کر دینا ہی اور جبر کرنا اُسکا کام نہیں ہی اور راہ راست اُس نے سب کہادی اگر ابوبکر اپنی رائے ناقص سے راہ راست کو ترک کرکے واسطے حب جاہ کے راہ بد اختیار کری تو خدا کے ذمہ کچھ نہیں ہے اور خدا تعالی نے ابوبکر کے حق میں کوئی ایسی بات نہیں فرمائی ہی کہ جسکی پچ کے واسطے ابوبکر پر جبر کرتا اور خواہ مخواہ اُسکو پہلی بات کے مطابق رکھتا اسواسطے کہ خدا تعالی نے بندوں کو نیک و بد سے آگاہ کر دیا ہی اب بندہ اپنے اختیار سے چاہے راہ نیک اختیار کرے چاہے بد چنانچہ فرماتا ہی کہ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ اور خدا تعالی نے کسی جگہ یہ نہیں فرمایا ہی کہ ہم صرف ابوبکر کے ہمراہ ہیں خدا تعالی تو یہ فرماتا ہی کہ ہم ہر بندہ کے ہمراہ ہیں چنانچہ فرماتا ہی کہ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اور فرماتا ہی کہ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا جو فرمایا ہی تو وہ جناب رسولخدا صلعم کا قول کو نقل کیا ہی کہ وہ اپنی ہمراہی ایسا کہتے تھے سو وہ اپنی ذات کے واسطے کہتے تھے کہ ہمارے ہمراہ خدا ہی ہمکو محفوظ رکھیگا نہ ابوبکر کے واسطے البتہ بالتبع ابوبکر بھی ہی اور اگر ابوبکر کے واسطے فرماتے تو ان اللہ معک فرماتے غرض یہ ہی کہ ابوبکر کے ہمراہ ہونیکا کسیکو انکار نہیں ہی اگر اسکا انکار کیا جائے تو قرآن کا انکار کیا جائے لیکن اگر خدا ہمراہ ابوبکر کے ہی تو کیا فضیلت ہے سب بندوں کے ہمراہ ہی اور لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ بھی حق ہی اور خدا کی بات بدلی نہیں جاتی اور خدا نے ساتھ ابوبکر کا ہرگز نہیں چھوڑا اور وہ ہمیشہ ابوبکر کی بلکہ سب بندوں کے ساتھ ہی اور فرمادیا ہی کہ يَا بَنِیْٓ اٰدَمَ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ لیکن ابوبکر نے باوجود ہمراہ ہونے خدا کے شیطان کی فرمانبرداری کی اور خدا کی فرمانبرداری ترک کی اور ابوبکر کو شرم نہ آئی خدا سے اور یہ سمجھا کہ ہمراہ میرے تو خدا ہی میں اُسکے سامنے ایسے افعال عمل میں نہ لاؤں اور شیطان کو کیوں بدنام کرتے ہو ابوبکر نے تو خود اپنے آپ حب جاہ اور طمع ریاست کی جہت سے ایسے افعال اختیار کئے ہیں اور شیطان تو کل کو یہ کہیگا کہ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ نہیں ہے

شیطان کے مقابلہ میں خدا سے کچھ نہو سکا اور اگر یہی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلعم کے ہمراہ بھی تو خدا تھا اور جس وقت کفار نے حضرت کے قتل کا ارادہ کیا تو کفار سے حضرت کو خدا بچا نہ سکا اور کفار کی تعدی سے وطن کے چھوڑ دینے کا حکم دیا اب یوں کہئے کہ نعوذ باللہ خدا تو ساتھ تھا پر خدا سے کفار کے مقابلہ میں کچھ نہو سکا تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا اور حضرت زکریا اور یحییٰ کے ہمراہ خدا تھا اور انکو قتل کروا دیا اور کفار کے مقابلہ میں خدا سے کچھ نہو سکا کہ انکو بچاتا جو تم یہاں کہوگے وہی ہم وہاں کہینگے اور اگر شیطان کے اغوا سے یہ افعال ابو بکر کے تھے تو ابو بکر نے خود اپنی ذات سے شیطان کی پیروی کو باوجود منع کرنے خدا کے اختیار کیا چنانچہ فرمایا خلیفہ صاحب نے کہ اِنَّ لِيْ شَيْطَانًا يَعْتَرِيْنِيْ یعنی تحقیق کہ واسطے میرے شیطان ہے ہمراہ میرے کہ آدباتا ہے وہ مجھکو اور جب شیطان موافق ارشاد خلیفہ صاحب کے خلیفہ صاحب پر غالب ہوگیا اور خدا تعالے سے شیطان کے مقابلہ میں کچھ نہو سکا کہ ابو بکر پر شیطان کو غالب ہونے دیتا تو یہ بات سنیوں ہی کے مذہب میں بلکہ خلیفہ صاحب کے اعتقاد میں پائی گئی کہ خدا تعالی سے شیطان کے مقابلہ میں کچھ نہو سکا اور شیعہ تو ایسی باتوں سے بری ہیں اگر نعوذ باللہ یہ بات ہے تو اہل سنت ہی کے نزدیک ہے اور جملہ ان اللہ معنا کا بے شک ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے ہم بھی یہی کہتے ہیں لیکن معلوم نہیں اس سے مراد کیا ہے اگر یہ مراد ہے کہ خدا تعالی ہمیشہ ہمارے ہمراہ ہے تو ہم تو بے فرمانے حضرت کے بھی جانتے ہیں کہ ہمیشہ خدا تعالے ہمراہ ہے اگر یہ جملہ حضرت نفرماتے تو بھی ہم جانتے کہ خدا ہمیشہ ہمراہ ہے لیکن حضرت نے ابو بکر کی تسلی کے واسطے کہ وہ خوف کفار سے غمگین تھے اپنے زبان مبارک سے ایسا فرمایا ورنہ ہمراہ تو خدا پہلے ہی سے تھا کچھ اسوقت کے ہمراہ ہونیکی خصوصیت نہیں ہے اور جملہ اسمیہ کے ہمیشگی پر دلالت کرنیکو تو ہم خود کہتے ہیں فن بلاغت والوں کی طرف رجوع کرنے کی کیا احتیاج ہے اور خدا تعالی کو ہمیشہ ابو بکر کے ہمراہ ہونیکو بھی کہتے ہیں لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں ہے جیسا کہ ہم لکھ چکے اور جناب رسول خدا صلعم نے صرف حفاظت کے واسطے ان اللہ معنا فرمایا تھا سو خدا تعالی نے محفوظ رکھا اور سوائے اسکے اور کوئی مطلب نہیں ہے اور خدا تعالی کے ہمراہ ابو بکر کے کیا بلکہ ہمراہ کل بندوں کے ہمیشہ ہونیکا کوئی منکر نہیں ہے اور بے ثبات جملہ ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے اور اسوقت خاص میں کیا بلکہ جمیع اوقات میں جناب رسول خدا صلعم اور ابو بکر ہمراہی اور ہمدمی خدا میں شریک تھے اور خدا تعالی جیسے کہ رسول خدا صلعم سے علیحدہ نہیں ہے اور ایسے ہی سب کا طرفدار ہے علی الخصوص مومنین کا کہ وقت پڑے پر انکی مدد کرتا ہے اور آفات اور بلیات سے کفار کو بھی محفوظ رکھتا ہے اور یہاں حسب رسول خدا صلعم کا ان اللہ معنا میں باعتبار حفاظت کے بالذات ہے اور واسطے ابو بکر کے بالعرض جیسے کہ آدمی کوٹھے کے اوپر جاتا ہے تو اسکے ہمراہ اسکے بدن کے کپڑے بھی جاتے ہیں اسواسطے حضرت نے مع کا لفظ فرما کر اپنے میں ابو بکر کو شریک کر لیا اور اگر معی اور معک فرماتے تو اس سے یہ ثابت ہوتا کہ جیسے کہ حضرت کی حفاظت بالذات ملحوظ ہے ایسے ہی ابو بکر کی ہے اور ایسا ہی نہیں ہے اسواسطے کہ ابو بکر کے آزار کی تو کوئی درپے ہی نہ تھا کہ بالذات انکی حفاظت ملحوظ ہوتی اسواسطے معی اور معک نفرمایا اور معنا فرمایا **قال الشیخ الاشعری**۔ تیسرے ہم اس سے بھی درگزرے ہم یوں کہتے ہیں کہ شیطان کا مقولہ سورہ ص میں یوں منقول ہے فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ یعنی شیطان قسم کھا کے کہتا ہے کہ اے اللہ مجھے قسم ہے تیری عزت کی میں سبھی بنی آدم کو بہکاؤنگا مگر جو تیری چھنٹے ہوئے بندے ہیں تونے انہیں اپنے لئے چھانٹ لیا ہے کیونکہ وہ میری دست قدرت سے باہر ہیں تیری پناہ میں آگئے ہیں سو چونکہ تو انکے ساتھ ہے اور وہ تیری پناہ میں ہیں وہاں میرا کچھ قابو نہیں چل سکتا اور سورہ حجر میں اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ کے بعد بطور تصدیق کے شیطان کے مقولہ کے جواب میں خداوند کریم کی طرف سے یوں ارشاد ہے اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ یعنے شیطان کو کہا جاتا ہے کہ تو اس بات میں سچا ہے جو میری پناہ میں آگئے ہیں ان پر تیرا بس نہیں چل سکتا اب بعد اسکے غور فرمائیے کہ حضرت ابو بکر صدیق کا پناہ خداوندی میں آجانا تو اس آیت ہی سے ثابت ہے ان اللہ معنا سے صاف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ ایکدفعہ تو صدیق اکبر پناہ خداوندی میں آگئے اور خدا کے دربار میں اور سرحد میں گویا داخل ہوگئے پھر وہاں سے جو نکلے تو شیطان کے نکالے تو نکل ہی نہیں سکتے اور کس نے نکالا اور اگر یوں کہئے کہ خدا ہی نے اپنی پناہ سے نکالدیا تو یہ خیال خود غلط ہے کیونکہ خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ یعنی اللہ تعالی اپنی راہ و رسم کو کسی قوم کے ساتھ جب تک نہیں بدلتا جبتک کہ وہ اپنی طور انداز نہ بدلدیں اور خود حضرت ابو بکر صدیق نے اغوای شیطانی اور بے استدراج خداوندی اپنی روش بدل لیں یہ محالات میں سے ہے اسواسطے کہ یہ بدیہیات میں سے ہے بلکہ اظہر من الشمس ہے کہ ہر قسم کے کام کے لئے ایک استعداد ہے داد و دہش کے لئے سخاوت کی چاہیئے مارنے کے لئے شجاعت چاہیئے سو ایسی ہی برے کام اور گنہ کی باتوں کے لئے بھی ایک استعداد اور قابلیت چاہیئے سو وہ قابلیت اگر تھی تو خدا نے چھانٹا ہی تھا کس خوبی پر نعوذ باللہ خود کلام ربانی ہی میں موجود ہے اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ یعنی بری چیزیں بروں کے لئے اور برے بری چیزوں کے لئے اور اچھی چیزیں اچھوں کے لئے اور اچھے اچھی چیزوں کے لئے بلکہ اس موقع میں جو یوں ارشاد ہوا اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنے اللہ ہمارے ساتھ ہے اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ اللہ ان سے جدا نہوگا سو وجہ اسکی یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی اللہ مومنوں کے ساتھ ہے بعد لفظ تحزن کے فرمانے

تو یہ بھی گمان ہوتا کہ اللہ کی ہمراہی ایمان کے ساتھ مشروط تھی جب ایمان گیا ہمراہی بھی ساتھ گئی اور درصورتیکہ بے کسی شرط کے ہمراہی ہو تو وہ دائمی ہوگی اُس میں زوال کا احتمال نہیں قرابت کی وجہ سے جو ارتباط ہوتا ہے وہ قابل زوال نہیں ہوتا اور آپس کی دوستی میں جو بوجہ اخلاق اور احسانات باہمدگری کے ہوتے ہیں وہ جبھی تک رہتے ہیں کہ اخلاق اور احسان باقی رہیں اسیواسطے دوستی ٹوٹ جاتی ہے رشتہ نسبی نہیں ٹوٹتا القصہ نسب کے حقوق جان کے ساتھ ہوتے ہیں اور دوستی کے حقوق احسان کے ساتھ سو چونکہ ان اللہ معنا فرمایا ہے اور ان اللہ مع المومنین وغیرہ جو کسی صفت پر دلالت کرے نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ ابوبکر کے ساتھ خداتعالیٰ کی ہمراہی جان کے ساتھ ہے کسی وصف کے ساتھ نہیں پھر اگر خدا کی ہمراہی بدلجائے تو موافق آیت مذکورہ بالا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ الآية کے کسی وصف میں تغیر آنا ضرور ہے اور جب اوصاف کے تغیر اور تبدل پر معیت اور ہمراہی میں بھی تغیر آیا تو معلوم ہوا کہ وہ معیت اور ہمراہی اُن اوصاف ہی کے سبب تھی بوجہ تھی اس صورت میں لازم آویگا کہ خدا سے بڑی چوک ہوئی کہ آپ نے معنا کا نام لیا یا خداوند کریم بھولگیا اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ کی جگہہ مثلاً اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا نعوذ باللہ من سوء الفہم خداوند کریم اور چوک جاے یا بھول جائے خدا کی تو یہ شان ہے جیسے کلام اللہ میں آیا ہے لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسٰى یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرا رب چوکے نہ بھولے **اقول** یہ شیطان کا مقولہ جو سورہ ص میں ہے فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ اسکا کون منکر ہے اور جو کچھہ شیطان نے کہا کہ قسم ہے تیری عزت کی میں سبھی بنی آدم کو بہکاؤنگا مگر جو تیرے چھنٹے ہوئے بندے ہیں کہ تو نے انہیں اپنے لئے چھانٹ لیا ہے میں انکو نہ بہکا سکونگا کیونکہ وہ میری دست قدرت سے باہر ہیں وہ تیری پناہ میں آگئے ہیں سو چونکہ تو اُنکے ساتھ ہے اور وہ تیری پناہ میں ہیں وہاں میرا کچھہ قابو نہیں چل سکتا اور شیطان کے مقولہ کے جواب میں جو کچھہ خداتعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ یہ سب سچ ہے اور ابوبکر کا پناہ خدا میں ہونا ایک دفعہ کیا بلکہ ہمیشہ کو ثابت ہے کہ تمام بندے اُسکے کیا مومن کیا کافر سب اُسکی ہی پناہ میں ہیں اور وہ ہی سب کو ہر ایک بلا سے محفوظ رکھتا ہے ایک سفر دریا ہے کہ اُس میں طرح طرح کے خطرات ہیں اور لاکہہ من کے بار کو جہاز اپنی قدرت سے خداتعالیٰ لیے جاتا ہے اور منزل مقصود پر پہنچا دیتا ہے اب تبلاؤ کہ انکو آفات دریائی سے کون بچاتا ہے سوا خدا کے کوئی اور بھی ہے سو سب بندے خدا کی پناہ میں ہیں سو مومن ہیں اور کافر بھی اور ابوبکر کی پناہ خدا میں ہونے کی کچھہ خصوصیت نہیں ہے اور جناب رسول خدا نے جو فرمایا تھا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ابوبکر کی تسلی کے واسطے فرمایا اگر کوئی کافر حضرت کا دوست حضرت کے ہمراہ ہوتا اور کفار کے خوف سے رنج کرتا تو حضرت اُسکی تسلی کے واسطے بھی ان اللہ معنا فرماتے اور خالی معیت سے خدا کی کون ہے اور پناہ خداوندی میں ابوبکر ہمیشہ ہی سے ہیں جیسے کہ اور بندے ہیں اور پناہ خدا میں ہونیکو یہ لازم نہیں ہے کہ انسے افعال بد صادر نہوں اکثر بندوں سے افعال بد صادر ہوتے ہیں باوجودیکہ وہ پناہ خدا میں ہیں اور مقصود آیت اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ سے یہ ہے کہ جو کہ بندگان مخلص تیرے ہیں وہ میرے اغوا سے گمراہ نہونگے اور وہ میرا کہنا نہ مانینگے اور یہ مطلب اس آیت سے نہیں ہے کہ وہ تیری پناہ میں آگئے ہیں پناہ میں اُسکے تو سب بندے اُسکے ہیں ہمیشہ سے اور اگر سب بندے خدا کی پناہ میں نہوں تو قوم اجنہ ہی انکو ہلاک کر ڈالیں اور ابوبکر بندگان مخلصین میں نہ تھے کہ شیطان کے کہنے میں نہ آتے بلکہ وہ خود کہتے ہیں اِنَّ لِيْ شَيْطَانًا يَعْتَرِيْنِيْ یعنی تحقیق واسطے میرے شیطان ہے کہ آدباتا ہے وہ مجھکو اور جناب رسول خداصلعم نے جو فرمایا تھا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اُس سے مراد یہ تھی کہ ہمارے ہمراہ خدا ہے اور ہم اُسکی پناہ میں ہیں وہ ہمکو ان کفار کی شر سے محفوظ رکھے گا اور یہ فقرہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ خداتعالیٰ ہمراہ ہوتا ہے تو افعال بد صادر نہیں ہوتے اسکو اس کیا تعلق ہے اور خدا کی پناہ میں سے نکل جانیکو کوئی بھی نہیں کہتا ہے اور اگر ابوبکر افعال بد کریں تو کچھہ محال ہی نہیں ہے اور مثل سب بندوں غیر معصوم کے ایک وہ بھی تھے کہ جن سے افعال ناشایستہ صادر ہوتے تھے وہ بسبب حب جاہ و ریاست کے خود ابوبکر نے ایسا ہی کیا اور قابلیت ابوبکر میں امر استعداد ہر ایک فعل نیک و بد کی صادر ہونیکی تھی اس سے خالی نہ تھی مثل اور بندوں کے اور افعال نیک و بد دونو صادر ہوتے تھے اور خدا نے ابوبکر کو جیسا ظاہر ہرگز نہ تھا اور وہ بندگان مخلصین میں سے نہ تھے بلکہ ایسے بشر تھے کہ اُنسے نیکی و بدی دونو صادر ہوتی تھی اور ابوبکر طیبین میں سے ہرگز نہ تھے کہ بری باتیں اُنسے صادر نہوتیں اور ان اللہ معنا کا حکم کلمہ ہرگز ہرگز اسپر دلالت نہیں کرتا ہے کہ ابوبکر کے ہمراہ اگر خدا ہوا تو اُس سے کوئی بدی بھی صادر نہوا اور ہمراہ تو خداتعالیٰ سب کے ہے اور معیت سے اُسکی خالی کوئی بشر نہیں ہے مگر معیتوں میں فرق ہے جس جگہہ کہ فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اور وہ مقام خوف ہے تو وہاں مراد ہمراہی خدا سے حفاظت اُسکی ہے اور جس جگہہ قرآن میں فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ چنانچہ بدر کی لڑائی کے ذکر میں ہے تو وہاں ہمراہی خدا سے نصرت خدا کی ہے مومنین کے واسطے وعلی ہذا القیاس اور مراد اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ سے یہ مراد نہیں ہے کہ ایمان کی جہت سے خداتعالیٰ اُنکے ہمراہ ہے بلکہ ہمراہ تو وہ سب کے ہے ایمان رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اور ہمراہی بھی سب کے ساتھ دائمی ہے جیسا کہ ہم لکھہ چکے اور ہمراہی خدا کی کسی وصف کی جہت سے نہیں بلکہ مطلق ہے اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ تو قول خدا ہے اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا جناب رسول خداصلعم کے قول کی نقل ہے کہ واسطے تسلی ابوبکر کے حضرت نے فرمایا تھا جس وقت وہ مارے جانیکے خوف سے رنج کرتے تھے اور تسلیم کیا ہمنے کہ ہمراہی خدا کی ابوبکر کی جان کے ساتھ ہے کسی وصف کے ساتھ نہیں ہے لیکن سب کی ہمراہی جان کے ساتھ ہے مگر فرق یہ ہے کہ مومنین کی ہمراہی

نصرت کے واسطے ہوتی ہے اور جناب رسول خدا صلعم نے جو فرمایا تھا کہ ان اللہ معنا یہ ہمراہی واسطے حفاظت کے تھی سو خدا نے محفوظ رکھا اور حفاظت کے ذکر کی کچھ احتیاج
نہتی قرینہ اُسپر دلالت کرتا تھا اور معیت خدا کی اوصاف کی جہت سے نہیں ہے کہ اوصاف کے تغیر سے ہمراہی میں اُسکی تغیر آوے اور مقصود ان اللہ معنا اور ان اللہ
مع المومنین سے دونوں سے ایک ہے کہ وہ حفاظت اور نصرت مومنین کی ہے اور ابوبکر کی حفاظت یا نصرت ان اللہ معنا میں بالذات ملحوظ ہی نہیں سو واسطے کہ اُنکا تو
خواہاں ہے کوئی نتہا اور حفاظت ابوبکر کی جو ہوئی ہے وہ ہمراہی میں رسول خدا کی بالتبع ہوگئی ہے اور جو کہ اصل معیت خدا کی ہے اُس میں تو کسی طرح سے تغیر نہیں
ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ اپنے بندوں کے ہمراہ ہوتا ہے اس صورت میں تو خدا تعالی کی کوئی ہول اور چوک مفہوم نہیں ہوسکتی تو یہی وہ بات ایجاد کرتا ہے کہ جس سے خدا تعالی کے
کی ہول متصور ہو اور جو کچھہ تو بیان کرتا ہے اُسکا کوئی قائل ہی نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** انصاف اگر ہو تو اس لفظ معنا سے یوں سمجھہ میں آتا
ہے کہ ابوبکر صدیق کا رتبہ کچھہ الگ بہک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبہ کے ہے کہ جو ایک قسم کی معیت اُن دونوں کے واسطے خداوند کریم نے بیان فرمائی سو یہہ
بات بجز اسکے نہیں ہوسکتی کہ صدیق اکبر اُنکو کہا جاوے اور تمام اُمت محمدی اور سوا اسکے اور امتہای ماضیہ سے اُنکو افضل سمجہا جاوے جب کہیں رتبہ اور مقام کی
سرحد اعلے مقام نبوت کی سرحد اسفل سے متصل ہو اور یہ لیاقت بہم پہنچے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بات میں شریک ہوں سو یہ بات شیعہ سنی جانتے ہیں
کہ ایسا مقام جو مقام نبوت سے متصل ہو بجز صدیقیت اور کوئی نہیں کیونکہ کلام اللہ میں بعد انبیاء کے صدیقین ہی کو ذکر کرتے ہیں سو اس سے معلوم ہوا کہ ہر نبی
کی اُمت کے صدیق اکبر کا رتبہ اُس نبی کے رتبہ کے متصل ہی نیچے ہوتا ہے سو چونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تو اور نبیوں کی نبوت سے بالاتر ہے تو اِس
اُمت کے صدیق اکبر کا رتبہ اپنی اُمت کے صدیقوں کے مرتبہ سے تو بڑہ کر ہی ہے اور اُمتوں کی صدیقوں کے مرتبہ سے بھی بالاتر ہوگا اب بس کیجے کہ منصفوں کے لئے یہ بھی
بہت ہے اور متعصبوں کو خداوند کریم اگر سمجہائے تو شاید مانیں ہم جیسوں کی کاہیکو مانینگے مگر ہمیں بطور نصیحت اسقدر کہنا لازم ہے کہ خداوند کریم جسکے ساتھہ ہوتا ہے اُسکی
دشمنوں کی خیر نہیں ہوتی **اقول** کیا خوب وجہ معقول اس شیخ نے پیدا کی ہے ابوبکر کے مساوی رسول خدا صلعم کے ہونے کی مرتبہ میں مگر کچھہ ایسی کم کہ حضرت کے مرتبہ
کے قریب ہے مرتبہ ابوبکر کا سو یہ لوگ ڈرتے ڈرتے اسقدر رکھتے ہیں اگر انکو خلقت کی ملامت اور طعن کرنیکا اندیشہ نہو تو یہہ تو ابوبکر کو کیا بلکہ عمر اور عثمان اور معاویہ وغیرہ کو
سبکو خدا تعالی کے مرتبہ کے الگ بہک کہدیں چنانچہ بایزید بسطامی اور منصور حلاج کہ اہل سنت کی اولیاء کبار میں سے ہیں اپنی تئیں خدا کہتے ہی تھے چنانچہ بعد اُسکے ہم خط کے
جواب کے رد میں لکھینگے اور دلیل اُسکی معیت خدا بیان کی ہے اور خدا تعالی تو مومنین کے بھی ہمراہ ہے چنانچہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور رسول خدا بھی مومنین
میں داخل ہیں اور ایک ہی قسم کی معیت رسول خدا اور مومنین کے واسطے ہے تو اس صورت میں چاہئے کہ سب مومنین رسول خدا کے مرتبہ کے الگ بہک ہوں بلکہ چاہئے
کہ سب آدمی مومن اور کافر رسول خدا صلعم کے مرتبہ کے الگ بہک ہوں اسواسطے کہ خدا تعالی قرآن میں سب آدمیوں کے ساتھہ اپنی معیت کو بیان کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ
وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اور اس دلیل سے چاہئے کہ سب آدمی صدیق اکبر ہو جائیں ابوبکر کی خصوصیت کہاں سے نکالی اور قرآن سے تو یہ ثابت ہوتا ہے
کہ جو کوئی خدا پر اور پیغمبروں پر ایمان لایا وہ ہی صدیق ہے چنانچہ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ
یعنے اور جو لوگ کہ ایمان لائے خدا پر اور پیغمبروں پر وہ ہی لوگ صدیقین اور شہداء ہیں نزدیک پروردگار اپنے کے کہ صدیقین کا سا مرتبہ اُنکا ہے اور اُنکا سا ثواب
پاتے ہیں اور روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو کہ صدیقین میں وہ تین شخص ہیں خرقیل مومن آل فرعون اور حبیب نجار صاحب یسین اور علی ابن ابیطالب کہ یہ صدیق
اکبر ہیں چنانچہ اہل سنت کی ہی کتابوں میں لکھا ہے[1] کہ حضرت علی نے فرمایا کہ میں ہوں صدیق اکبر اور فاروق اعظم معلوم نہیں ابوبکر کیسے صدیق ہوگئے بلکہ آیت اِنَّ اللّٰهَ
مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ سے تو ابوبکر کا عدم ایمان ثابت ہوتا ہے اسواسطے کہ مراد مومنین کے ہمراہ ہونے سے نصرت مومنین کی ہے کہ خدا ناصر اور مددگار اُنکا ہوتا ہے چنانچہ جنگ بدر
کے قصہ میں فرمایا ہے اور خدا تعالی نے جہادوں میں نصرت ابوبکر کی نکی خیبر میں افسر بنکر گئے تھے اور وہاں سے بہاگ کر چلے آئے لیکن خدا تعالی نے نصرت اُنکی نکی
اگر مومن ہوتے تو نصرت اُنکی کرتا اور مرتبہ صدیق کا تو بہت اعلے ہوتا ہے کہ وہ زاہد ہوتے ہیں اور دنیا سے اور مال دنیا سے اُنکو محبت نہیں ہوتی بلکہ دنیا سے نفرت ہوتی
ہے اور ابوبکر ایک دنیادار آدمی طالب اور راغب دنیا تھے چنانچہ خدا تعالی اُنکے حق میں فرماتا ہے تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا یعنے چاہتے ہو تم مال دنیا کو اور وجہ ابوبکر کی
اور اُنکے ہمراہیوں کے حق میں اس آیت کے نازل ہونیکی یہ ہے کہ جنگ بدر میں کفار اسیر ہوکر آئے تو جناب رسول خدا صلعم نے مشورہ کیا کہ انکے حق میں کیا کرنا چاہئے کسینے تو
کچھہ کہا اور کسی نے کچھہ کہا اور عمر جو بڑے فظ غلیظ اور تند خو اور سنگدل تھے اُنہوں نے کہا کہ انکو قتل کرو اور ابوبکر نے مشورہ دیا کہ اُنسے فدیہ لیکر چھوڑ دو کہ مال فدیہ کا مومنین کے کام آئیگا
خدا تعالی کو یہ بات پسند نہ آئی اور ناراض ہوکر یہ آیت نازل کی سو کہاں تو مرتبہ صدیق ہونیکا اور کہاں ابوبکر طالب مال دنیا اور جس وقت ابوبکر صدیق نہ ٹھیرے تو کسی سے

[1] اور بہت سی اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے

افضل نہیں ہوسکتی نہ اُمت محمدی سے نہ اوروں سے اور کیونکر افضل ہو وہ شخص کہ جس نے سالہا سال تک بت پرستی کی ہو حالت کفر میں اُن لوگوں سے کہ جنہوں نے طرفۃ العین بت پرستی نکی ہو اور صدیقیت گو مقام نبوت کے متصل ہے لیکن ابو بکر کا صدیق ہونا ثابت کرو تب ایسا کلمہ زبان پر لاؤ اور معیت خدا کو صدیق ہونا لازم نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ سب مومنین کے بلکہ کل آدمیوں کے ہمراہ ہے اور صدیق اکبر ہونا تو ایک امر عظیم ہے پہلے ادنیٰ صدیق ہونا تو ثابت کرلو اور اہل سنت جو ابو بکر کو صدیق کہتے ہیں تو اس جہت سے کہتے ہیں کہ اُنہوں نے سب سے پہلے حضرت کے معراج کی تصدیق کی تہی سو یہ امر تو صدیق کہنے کو کچھ مناسبت بھی رکھتا ہے اگر وقوع میں آیا ہو لیکن یہ شیخ معلوم نہیں معیت کے سبب سے کس وجہ صدیق رکہتا ہے اور اُس میں تصدیق کس امر کی ہوئی تہی اور جو کچھ لکھا ہے انصاف سے نہایت بعید ہے کہ اپنی رائے ناقص سے غیر واقعی اُمور تجویز کئے ہیں اسکو کون پسند کریگا اور جو کوئی پسند کریگا وہ بہی ناانصاف ہے اور تیری بات تو اُسوقت تسلیم کی جائے کہ جسوقت تو انصاف کی بات کہے اور جسوقت تو بیراہ چلے تو کون پسند کرے اور خدا تعالیٰ ہمراہ تو سب کے ہے لیکن ہمراہی کے مقام کو دیکھنا چاہئے جس جگہہ کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ فرمایا ہے وہاں مراد یہ ہے کہ واسطے نصرت کے ہمراہ ہے اور جس جگہہ کہ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ فرمایا ہے اُس سے مراد یہ ہے کہ اُنسے راضی ہے اور اُنکے اعمال کو پسند کرتا ہے اور جناب رسول صلعم نے جو فرمایا لاتحزن ان اللہ معنا وہاں مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ واسطے حفاظت کے ہمراہ ہمارے ہے اور ہمراہ تو سب کے ہوتا ہے خصوصیت کسیکی نہیں ہے اور اگر تیرے نزدیک یہی ہے کہ جسکے ہمراہ خدا ہوتا ہے اُسکے دشمنوں کی خبر نہیں ہے سو خدا تو سب آدمیوں کے ہمراہ ہے اور دشمن اُنکا شیطان ہے اُسکی خیر نہوگی اور اگر ان اللہ معنا سے ہمراہی مراد ہے تو وہاں سے لحاظ ہمراہی مقصود تہی حضرت کی حفاظت کے واسطے اور ابو بکر کی ہمراہی بالتبع ہے نہ بالذات اور ابو بکر نے باوجود ہمراہ ہونے خدا کے ایسے افعال ناشایستہ کئے کہ دشمنی اُنکی واجب ہوگئی اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ خدا ابو بکر کے ہمراہ تہا اسواسطے کہ خدا سب کے ہمراہ ہوتا ہے لیکن وہ ہمراہی ابو بکر کی ہمراہ ایسی نہتی کہ جس سے کچھ فائدہ ہوا وہ غار میں جو محفوظ رہے تو رسول خدا صلعم کے طفیل سے کہ بالذات ہمراہی جناب رسول خدا صلعم کے واسطے تہی نہ ابو بکر کے واسطے ابو بکر کی حفاظت تو رسول خدا کی حفاظت کی تبعیت سے تہی **قال الشیخ الاشعری** اسکے بعد کوئی کہیگا تو یہی کہیگا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا حقیقت میں خدا کا مقولہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ ہے خداوند کریم ناقل اور راوی ہے کچھہ اپنی طرف سے نہیں فرماتے جو کچھہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اُسوقت صادر ہوا اُسے بعینہ نقل کردیا جیسے فرعون کا انا ربکم الاعلیٰ کہنا یعنی میں تمہارا بڑا رب ہوں یا ابلیس کا انا خیر منہ کہنا یعنی میں آدم سے بہتر ہوں بعینہ نقل کردیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرچند رسول ہیں لیکن پہر بہی انسان ہیں اور یہ مثل مشہور ہے الانسان مرکب من الخطاء والنسیان سو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھہ غلطی ہوگئی ہو تو کیا بعید ہے جواب اسکا یہ ہے کہ واقعی شیعوں کے لئے یہ بات بڑی بایہ افتخار لازم تو یوں ہے کہ عید با شجاع سے اسکی خوشی کم نہو اگرچہ کسی سنّی کی تبلائی سہی مطلب کے وقت تو گدہے کو بہی باپ بنالیا کرتے ہیں سنی تو اُنکے قدیمی اُستاد ہیں اُستاد ہی کون سے جن سے کلام اللہ سیکہا ہے جسکا رتبہ حقیقی باپ سے بہی بڑہ کر ہے یہ بات بہی اگر اُن سے سیکہ لے تو کیا مضائقہ ہے مگر اتنا کہنا میرا بہی ماننا چاہئے کہ سورۂ نجم کو ساری نہیں تو اتنے ہی کلمہ کو ساقط کردو وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى یعنی ہمارا پیغمبر جو کچھہ ہمارے حوالے سے کہے ہے وہ کچھہ اپنی جی سے نہیں کہتا بلکہ وہ نری وحی ہے اُس میں کسی طرح کا لگاؤ نہیں کچھہ دخل فصل ہے نہ وہم کا یا عقل کا کچھہ دخل ہے **اقول** کلمہ ان اللہ معنا اگرچہ قول رسول خدا کا ہے اور لیکن خدا تعالیٰ نے قرآن میں اپنی طرف سے بیان نہیں کیا ہے بلکہ یہ قول رسول خدا صلعم کا قرآن میں نقل کردیا ہے لیکن جو ارشاد رسول خدا صلعم کا ہے وہ سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے شیعوں کے نزدیک اور نہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے غلطی ہوتی ہے اور نہ ذات پاک حضرت کی مرکب خطا اور نسیان سے ہے اور جو یہ ہے وہ اہل سنت کے نزدیک ہے کہ حضرت سہو اور ہوس سے فرماتے بہی ہیں اور نہ قول حضرت کا قول خدا کا ہے مواقف میں اور شرح مواقف میں لکہا ہے کہ صدور کذب کا انبیا سے بر سبیل سہو و نسیان اختلافی ہے اور قاضی ابو بکر نے حکم جواز کا دیا ہے اور قاضی ابو بکر کے عقلمند علماء اہل سنت میں سے ہے اور اس صورت میں جائز ہے کہ جو کچھہ رسول خدا صلعم نے خبر دی ہو وہ سہو اور خطا سے خلاف واقع کے غلط فرمایا ہو اور بعد اسکے لکہا ہے کہ صدور کبائر کا سہواً یا خطا فی التاویل اکثر علماء نے اُسکو تجویز کیا ہے انبیا پر اور بعد اسکے لکہا ہے کہ صغائر خسیسہ کو جمہور علماء نے انبیا پر تجویز کیا ہے از روی عمد کی اور یہ تو ذکر حالت نبوت کا ہے اور قبل نبوت کو لکہتے ہیں کہ اکثر اصحاب ہمارے اور ایک جماعت معتزلہ صدور کبائر کو انبیا سے جائز رکہتے ہیں اور جواز صدور کبائر کو انبیا سے عمداً اور سہواً قبل نبوت امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اور شارح مقاصد اور قاضی بیضاوی اور سوای اُنکے بہت سے علماء لکہتے ہیں اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ اگر انبیاء نے قبل نبوت خوب شرابیں پی ہوں اور زنا اور محرمات کئے ہوں اور کذب اور دروغ کو اختیار کیا ہو تو کچھہ مضائقہ نہیں ہے لیکن ایسے بدکاروں کی رسالت کو لوگوں نے کیونکر قبول کیا ہوگا اور گناہ کبائر تو کیا امام غزالی نے منخول میں لکہا ہے کہ جائز ہے کہ خدا کافر کو پیغمبر کرکے بہیجے اور معجزات سے اُسکی تائید کرے سو یہ سب اہل سنت کے نزدیک ہے اور شیعہ ایسے عقیدہ باطلہ سے بری ہیں اور انبیاء کو قبل نبوت اور بعد نبوت کذب اور غلطی سے عمداً اور سہواً اور جمیع کبائر اور صغائر سے پاک اور معصوم جانتے ہیں اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکم کو شیعہ تو حکم خدا ہی سمجھتے ہیں لیکن اہل سنت حضرت کے حکم کو حکم خدا

نہیں جانتے چنانچہ رسول خدا صلعم نے مرض الموت میں فرمایا کہ مجھکو دوات و قلم اور کاغذ دو کہ میں تمکو ایک نوشتہ لکھکر دیدوں کہ بعد میرے تم گمراہ نہو اگر نوشتہ پر عمل کرو عمر نے اُسکے جواب میں کہا کہ یہہ مرد بیماری میں بکتا ہے ہمکو کتاب خدا کفایت کرتی ہے اور اسکی نوشتہ کی کچھہ احتیاج نہیں ہے اور حکم رسولخدا کو عمر نے حق تعالیٰ کا حکم نجانا اور آیت مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ الخ اسپر دلالت کرتی ہے کہ رسولخدا جو کچھہ حکم کرتے ہیں وہ وحی خدا سے ہے اسکو عمر نے رد کیا اور یہ لوگ عمر کی رعایت سے اُس آیت مذکورہ میں تاویلیں کرنے لگے چنانچہ ذکر اسکا بعد اسکے انشاء اللہ تعالیٰ مفصل آئیگا سو یہہ امر کہ جو حکم رسول خدا ہے وہ وحی ربانی ہے یہ شیعوں کے نزدیک ہے اور سنیوں کے نزدیک نہیں ہے اور اہل سنت ہی کے لئے یہ بات مایہ افتخار ہے لازم تو یوں ہے کہ روز عاشورا کی خوشی اسکی خوشی سے کم نہو اور عید بابا شجاع کی خوشی کو جو لکھا ہے تو شیعہ کیونکر خوش نہوں اُس روز کہ انکی پیغمبر کی اہل بیت کا دشمن اور انکے حقوق کا غصب کرنیوالا اور اُمت محمدی کو گمراہی میں ڈالنیوالا مارا گیا اور اہل سنت تو اُستاد شیعوں کے کاہیکو ہو سکتے ہیں اور شیعہ اُنکی پیروی کاہیکو کرینگے کہ اہل سنت تو بالکل گمراہ ہیں اور گمراہوں کی ہی پیروی کرتے ہیں اور ایسے گدہوں اور جاہلوں کو اپنا پیشوا اور مقتدا بنایا ہے اور باپ سے زیادہ اُنکی بزرگی کرتے ہیں کہ قیامت کے روز اپنے عقیدہ باطلہ کے طفیل بہت نادم اور پشیمان ہونگے اور سنیوں سے شیعوں نے کلام اللہ کیوں سیکھا تھا عثمان نے جو کلام اللہ کہ رائج تھی اپنی حکومت کے زور سے جلوا دیئے اور قرآن ناقص جمع کیا اور لوگوں کے سینوں سے آیات کو نکلوا ڈالا اور اپنا ہی قرآن باقی رکھا تو اب شیعہ کیا کرتے بجز اسکے کہ عثمان کے قرآن سے لیویں اور اگر اب کسی کافر کے پاس قرآن ہو اور اپنے پاس نہو تو کیا اُس کافر سے قرآن لیکر اُس پر عمل نکرینگے اور اس آیت وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ کا جو تو نے ترجمہ کیا ہے اُس میں اپنی طرف سے اُسکے معنے میں تحریف کی ہے اور اُس آیت میں یہ کہاں ہے کہ پیغمبر ہمارے حوالہ سے کہے اُسمیں تو یہ ہے کہ جو کچھہ پیغمبر گویا ہوتا ہے اور کہتا ہے وہ وحی کے سوا اور کچھہ نہیں ہے اور ہمارا حوالہ تو نے کہاں سے نکالا ہے قرآن کی آیت میں تو یہہ نہیں ہے اور رسول خدا صلعم نے جو لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فرمایا ہے وہ خدا کے حوالہ سے کہاں ہے کہ خدا نے ایسا فرمایا ہے وہ تو حضرت اپنی طرف سے کہتے ہیں کہ خدا ہماری ہمراہ ہے اس صورت میں تیرا دعوی جو خلاف عقیدہ اہل سنت کے یہ تھا کہ پیغمبر خدا جو کہتے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہے اس قول میں سو دعوی تیرا جیسے کہ تھا باطل ہوا سو اسلئے کہ پیغمبر خدا نے لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا کو خدا کے حوالہ سے نہیں فرمایا ہے **قال الشیخ الاشعری** خلیفہ ثالث نے امیر المومنین علی مرتضیٰ یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے کلمات اور آیات کیا سورتیں کی سورتیں جو خلافت پر دلالت کرتی تہیں کلام اللہ سے نکالڈالیں تم اُسکی پاداش میں ایک آیت جو فی الجملہ اثبات فضیلت خلیفہ اول میں کارآمد ہے اگر نکالڈالو تو از قبیل جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ہوگی بلکہ اُس سے بھی کم کیونکہ اس آیت کے معنے تو فقط اتنے ہی ہیں کہ بدی کا بدلہ ویسی ہی بدی ہے سو یہاں برابری کیا آدہوں آدہ کے بھی نسبت نہیں تقریباً گیارہ ہزار آیت کے بدلہ میں تو ایک آیت کو کون برابر کریگا اور بیہودہ بھی ایسے کہ اُسکے جاتے رہنے سے کوئی حق تلف نہیں ہوتا خلیفہ ثالث نے تو یہ کمال کیا کہ اتنی آیتیں بھی نکالدیں اور آیتوں کو نکالکر عوام کی آنکھوں میں حضرت علی کا حق بھی نرکھا خیر یہ بات تو دور جا پڑی حاصل یہہ ہے کہ وَمَا يَنطِقُ الخ صاف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہا خدا ہی کا کہا ہے خاصکر ایسی بات کہ جو منجملہ اخبار غیب ہے کیونکہ معیت تو کچھہ آنکھوں سے نظر نہیں آتے بلکہ اخبار غیب میں سے بھی اول قسم اس لئے کہ ان اللہ معنا ہمسنگ آیات متشابہات ہے اُن میں عقل کو کسیطرح دخل نہیں ہو سکتا جو کوئی یوں نہیں کہے کہ عقل کے وسیلہ سے بہت سی وقائع آیندہ کی اطلاع ہو جاتی ہے خسوف کسوف اکثر واقفان علم ہیئت کو معلوم ہو جاتے ہیں سو اگر ایک واقعہ بالفعل کے کچھہ اطلاع عقل کے وسیلہ سے ہوگئی ہو کیا عجب ہاں اگر کوئی حکم حلت حرمت کا ہوتا تو البتہ اُس میں اجتہاد کے گنجایش تھی احتمال ہو سکتا تہا کہ جیسے پچھلے اماموں نے اجتہاد کئے ہیں اگر کسی بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا ہو تو کیا عجب ہے چنانچہ سنی اجتہاد نبی کے قائل ہیں **اقول** حضرت علی کے فضائل کے آیتوں کے نکالڈالنے کو کچھہ شیعہ تنہا ہی نہیں کہتے ہیں بلکہ علماء اہل سنت اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں چنانچہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اور ابن مسعود سے روایت کی ہے ابن مسعود کہتے ہیں کہ آیہ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ کو زمانہ رسولخدا صلعم میں اسطرح پڑہا کرتے تہے يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ إِنَّ عَلِيًّا مَوْلَى الْمُؤْمِنِينَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اس آیت میں سے ان علیا مولی المومنین کو جو کہ حضرت علی کے خلافت اور فضیلت پر دلالت کرتا تھا نکالڈالا اور یہی مرزا محمد بن معتمد خاں بدخشی نے مفتاح النجا میں لکھا ہے اور تفسیر در منثور اور معارج النبوت میں لکھا ہے اور ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ آیت کفی اللہ المومنین القتال اس طرح سے تہا کہ كَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ بِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا اس میں سے بعلی بن ابی طالب کو نکالڈالا کہ اس میں بڑی فضیلت اور منقبت تھی علی کی اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابن مسعود کے مصحف میں آیت ان اللہ اصطفے آدم و نوحا اسطرح سے تھا کہ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ وَآلَ مُحَمَّدٍ عَلَى الْعَالَمِينَ اس آیت میں سے آل محمد کو نکالڈالا اسی طرح سے اکثر آیتیں نکالڈالیں اور نکالڈالنا آیتوں کا قرآن میں سے ہمارا کام نہیں ہے کہ اسکو ہم خلاف ایمانداری کے جانتے ہیں یہ فضیلت اہل سنت ہی کی

مبارک رہے اور ابوبکر کی فضیلت پر کوئی آیت دلالت نہیں کرتی ہے اور جسکو اہل سنت فضیلت مقرر کرتے ہیں وہ فضیلت ہی نہیں اور اگر کوئی آیت ابوبکر کی فضیلت پر
دلالت کرتی تو ہم اسکو نکالتے کیوں بلکہ اُسپر عمل کرتے لیکن ہماری نزدیک تو ابوبکر کی کوئی فضیلت ثابت ہی نہیں ہے اور نکالنا ان آیتوں کا اور قرآن کو ناقص کرنا
اہل سنت کے مقتداؤں کا کام ہے اور بدی کا بدلا بدی ہے شیعوں کا شعار نکاحی ہے اور ہمارا طریقہ یہ نہیں ہے اور یہ بڑی بھی بلکہ بے ایمانی تھی کہ تورع میں آئی تو قرآن کے ناقص کرنے میں اور اگر تم ایسی بے ایمانی
اختیار کرو تو کرو ہم کیوں اختیار کریں اور گیارہ ہزار آیتیں کیا اہل سنت کی کتابوں سے تو گیارہ ہزار سے زیادہ کا نکلجانا قرآن سے واضح ہوتا ہے اور لکھا ہے کہ قرآن
کثیر جاتا رہا ہے چنانچہ تفسیر درمنثور میں جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ قَدْ اَخَذْتُ الْقُرْاٰنَ کُلَّهٗ مَا یُدْرِیْهِ مَا کُلُّهٗ
قَدْ ذَهَبَ مِنْهُ قُرْاٰنٌ کَثِیْرٌ وَلٰکِنْ یَقُلْ قَدْ اَخَذْتُ مَا ظَهَرَ مِنْهُ حاصل یہ ہے کہ ابن عمر سے روایت ہے کہتا ہے کہ نہ کہے کوئی تم میں سے کہ تحقیق لیا ہے میں نے کل قرآن کو
کیا جانے وہ کہ کیا ہے کل تحقیق کہ گیا ہے اس میں سے قرآن بہت اور لیکن کہے کہ تحقیق لیا ہے میں نے جو کچھ کہ ظاہر تھا اس میں سے انتہی اس لفظ کثیر سے معلوم ہوتا ہے
کہ گیارہ ہزار آیتیں کیا اس سے بھی زیادہ گیا ہے اور اہل سنت کی بھی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آیتوں کو نکالکر حضرت علی کی حق تلفی کی اور جناب رسول خدا صلعم کا
کہا ہوا وہ خدا ہی کا کہا ہوا ہے اسکو ہم بھی مانتے ہیں اور آیت وما ینطق اسی پر دلالت کرے ہی لیکن یہ ہمارے لئے مفید ہے اور تمہارے لئے مفید نہیں ہے کہ تمہاری عمر
نے اس آیت پر عمل کیا اور نہ رسول خدا صلعم کے قول کو موافق اس آیت کے حکم کے خدا تعالی کا قول جانا بلکہ حضرت کے قول کو ہذیان کی طرف منسوب کیا اور خدا کی معیت کو بندوں
کے ساتھ سب جانتے ہیں اور قرآن اسی پر دلالت کرتا ہے اور اسی واسطے جناب رسول خدا صلعم نے ان اللہ معنا فرمایا تھا گو ہم خدا کی معیت کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے ہیں اور
عقل کو یہاں کچھ دخل نہیں ہے اور نہ کچھ علم ہیئت کو دخل ہے یہاں تو قرآن کو دخل ہے کہ جو اس میں ہے سب حق ہے اور نہ کچھ اجتہاد سے کام ہے اور رسول خدا صلعم ہرگز
اجتہاد نہیں کرتے تھے انکو کیا احتیاج تھی اجتہاد کی جسوقت کہ خدا تعالی بوسیلہ وحی حضرت کے مشکل کا حل کرنیوالا موجود ہو اور مذہب اہل سنت کا اسمقدمہ میں باطل
ہے **قال الشیخ الاشعری** مضمون ان اللہ معنا میں کوئی احتمال بجز اسکے نہیں کہ جو کچھ آپکی زبان پر جاری ہوا وہ سب القاء ربانی تھا کوئی احتمال مفید مطلب
شیعہ اس آیت کے پاس کو بھی نہیں پھٹکتا چہ جائیکہ تو چیز دیگر حق یہی ہے کہ اگر ابوبکر حسب اعتقاد شیعہ مقبولان بارگاہ الٰہی میں سے نہ ہوتے اور انجام انکا ارتداد اور کفر پر
ہوتا تو اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکی تسلی ہی نہ فرماتے کیا ضرورت پڑی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ بولتے اور تقیہ کوئی کہے تو اول تو تقیہ وہاں
ہوتا ہے جہاں اندیشہ کسی قسم کا ہو اور ابوبکر صدیق کچھ پہلوان نتھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ کمزور نتھے اُن میں تو ایک پہلوان کیا بہت سے پہلوانوں کا زور تھا تنہائی میں
ابوبکر کے مار ڈالنے کا بہت عمدہ موقع ہاتھ آگیا تھا وہاں کون پوچھتا تھا مار کر کہیں چلدیتے دوسرے تقیہ کرنا تھا تو تلطف اور اخلاق زبانی کفایت کرتے تھے سو وہ کچھ تسلی
اور تشفی ہی کے الفاظ میں منحصر نہیں ہم جیسے جنہیں گفتگو کا سلیقہ نہیں بہت سے تلطف کے الفاظ تراش سکتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو افصح العرب والعجم تھے
اور اگر تسلی ہی کے الفاظ ضرور تھے تو اور بہت سی صورتیں تھیں اس جھوٹ کی کیا ضرورت تھی اور نعوذ باللہ منہا یہ تسلی نہیں کہا جاتا اگر شیعوں کے کہنے کے موافق جھوٹ
ہی بولنا تھا تو کچھ توریہ کر لیتا تھا ان اللہ معنا کی جگہ ان اللہ مع المومنین فرمادیتے تو تسلی کی تسلی ہو جاتی بات کی بات بن جاتی اُنکی تسلی ہو جاتی آپ جھوٹ
سے بچ جاتے ابوبکر اگر نعوذ باللہ منہا منافق تھے تو یوں سمجھہ جاتے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومن اور اپنا رفیق سمجھتے ہیں اور اگر مومن تھے اور پھر مرتد ہو گئے تو اپنا
کلام سچے رہتے خدا کی طرف بھول چوک کا احتمال نہ ہوتا کیوں کہ جب تک وہ مومن تھے جب تک اللہ تعالی بھی اُنکے ساتھہ رہے جب اُنکے دل سے ایمان نکل گیا خدا نے بھی
اُنکی ہمرہی چھوڑ دی **اقول** جناب رسول خدا صلعم پہلے ہی جانتے تھے بموجب اطلاع خدا تعالی کہ ہماری ہمراہ خدا تعالی ہے اور خدا تعالی کے آگاہ کرنے سے یقین تھا
صحیح اور سلامت مدینہ منورہ میں پہنچنے کا اور کفار کے شر سے محفوظ رہنے کا اسواسطے حضرت نے فرمایا تھا کہ ہمارے ہمراہ خدا ہے وہ ہمکو نگاہ رکھیگا تو کسواسطے انکے خوف سے رنج کرتا ہے تجھکو
کیا خدا تعالی پر اعتماد نہیں ہے اور اُسکی قدرت کا کیا تو منکر ہے اور تجھکو یہ خبر نہیں ہے کہ میں خدا تعالی کا بھیجا ہوا یہاں آیا ہوں اُس نے کیا یہاں مجھے اسواسطے بھیجا ہے
کہ کفار کے دام میں گرفتار ہو جاؤں اُس نے جو مجھے یہاں بھیجا ہے تو وہ میرا حافظ ہے کہ وہ میرے ہمراہ ہے وہ مجھے نگاہ رکھیگا اسواسطے حضرت نے فرمایا کہ لا تحزن ان اللہ
معنا ورنہ ہمراہ تو خدا تعالی ہر بندہ کے ہے اور یہی ہے مقصود اس آیت سے اور پہلے سے جناب رسول خدا صلعم خدا تعالی کے ہمراہ ہونے سے بے خبر نتھے کہ اسیوقت خدا تعالی
نے حضرت کے دل میں القا کیا ہو اور شیعوں کا تو سوا اسکے کہ ابوبکر کو ہمراہ اپنے لیگئے اور ابوبکر خوف کفار سے غمگین ہونے لگے تو حضرت نے اُنکی تسلی کے واسطے فرمایا کہ
خدا تعالی ہمراہ ہمارے ہے ہمکو محفوظ رکھیگا اور کچھ مطلب نہیں ہے سوائے اسکے اور شیعہ کہتے ہیں البتہ اہل سنت کا اس آیت سے کچھ مطلب ثابت نہیں ہوتا کہ وہ تاویل کرکے اور
ڈھال ڈھول کے ابوبکر کی فضیلت میں لاتے ہیں اور ابوبکر شیعوں کے نزدیک کیا بلکہ واقع اور نفس الامر میں مقبولان بارگاہ الٰہی سے ہرگز نہیں ہیں اور جناب رسول خدا

صلعم کو ابو بکر کے انجام کی کیا خبر تھی کہ یہ کیسی ہونگے کچھ عالم الغیب تو حضرت تھی ہی نہیں اور جو لوگ کہ ہمیشہ حضرت کی صحبت میں رہتے تھے اور منافق تھے انکے نفاق سے تو حضرت کو خبر تھی ہی نہیں چنانچہ خدا تعالی فرماتا ہے لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ یعنی نہیں جانتا ہی تو انکو ہم جانتے ہیں انکو قریب ہے کہ عذاب کریں ہم انکو دو مرتبہ اور ابو بکر کے خاتمہ کے حضرت کو خبر کیونکر ہو جب تک کہ خدا تعالی حضرت کو خبر نکرے البتہ جس امر سے خدا تعالی حضرت کو مطلع کرتا تھا اسکو حضرت جانتے تھے اور جب اسکے حضرت ابو بکر کے انجام سے مطلع ہوئے تو فرمایا ابو بکر سے کہ مَا اَدْرِي مَا تُحْدِثُوْنَ مِنْ بَعْدِي یعنی نہیں جانتا میں کہ کیا احداث کروگے میرے بعد دین میں اور فرمایا کہ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْاِمَارَةِ وَتَكُوْنُ لَكُمْ نَدَامَةً یعنی قریب ہے کہ حرص کرو تم حکومت پر اور ہو وگی وہ واسطے تمہارے ندامت اور پشیمانی اور یہ مسلہ جامع الاصول میں لکھا ہوا ہے جو کہ جامع صحاح ستہ کے ہے اور ابو بکر کو جو حضرت نے اپنے ہمراہ لیا تھا تو مسلمان اور دوست جانکر ہمراہ لیا تھا اور تسلی تو حضرت انکی بہی فرماتے اگر ہمراہ حضرت کے ہوتا اور حضرت کے دوستوں میں سے ہوتا اور خوف کفار سے رنج کرتا اور ابو بکر کو تو حضرت مسلمان جانتے تھے اور جھوٹ حضرت نے ہرگز نہا اور لا تحزن ان اللہ معنا جو حضرت نے فرمایا تو یہ سب درست تھا کہ بے شک ہمراہ حضرت کے اور ابو بکر کے خدا تھا کہ کوئی بندہ ہمراہی سے خدا کی خالی نہیں ہے اور تقیہ کو یہ کیا دخل ہے اور کوئی بھی تقیہ کا اس مقام میں قائل نہیں ہے اپنی طبیعت سے جو کچھ تو چاہتا ہے ایک بات ایجاد کرتا ہے کہ جسکا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور پھر آپ ہی اسکا جواب دیتا ہے پس جو مضمون کہ تقیہ پر بنا کر کے لکھا ہے وہ سب باطل ہے اور یہاں پہلوانی کو کیا دخل ہے حضرت نے اور ابو بکر کو کس نما پر مار ڈالتے انکو تو مسلمان اور اپنا دوست سمجھکر اپنے ہمراہ لیا تھا اور جھوٹ حضرت ہرگز نہیں بولے ہیں اگر جھوٹ ہوگا تو تیری عقیدہ کے موافق ہوگا اور ہماری نزدیک تو حضرت کا فرمانا سب راست تھا اور درست لیکن تیری مفید مطلب کوئی بات نہیں ہے اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ کا ایک ہی حاصل ہے اس میں کچھ فرق نہیں ہے اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا سے کوئی فضیلت نہیں پائی جاتی کہ کئی مرتبہ اسکا ہم ذکر کر چکے ہیں اور رسول خدا صلعم نے کچھ جھوٹ نہیں فرمایا اور ابو بکر خواہ مومن تھے خواہ منافق اسوقت تو رسول خدا انکو مسلمان اور اپنا رفیق ہی جانتے تھے اور ابو بکر نے بھی ایسا ہی سمجھا تھا اور خدا کی بھول چوک کا احتمال بھی تیری ہی نزدیک ہوگا نہ ہماری نزدیک اور خدا تعالی ہمراہ ابو بکر کے ہمیشہ رہا ہے حالت اسلام میں بھی اور حالت کفر میں بھی اور اپنی ہمراہی کو کبھی چھوڑا نہیں ہے جب تک کہ ابو بکر زندہ رہے **قال الشیخ الاشعری** اس تقریر کے بعد ایک تنبیہ پر خاتمہ کرتا ہوں اتنا یاد رہے کہ شاید بعضی عقل کے دشمنوں کو یہاں یہ خلجان پیش آئے کہ کلام اللہ میں یوں ارشاد ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ یعنی نہیں بھیجا ہمنے کوئی رسول مگر اسکی زبان وہی تھی جو اسکی قوم کی زبان تھی سو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی موافق اس قاعدے کے عرب کے محاورہ میں گفتگو کرتے ہونگے اور چونکہ اس بات کی علت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تفہیم مطالب میں فرق نہو تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ کلام اللہ بھی عرب کے محاورہ میں ہوا اور یہ ظاہر ہے کہ صاحب عربی زبان میں لفظ بمعنی ہمراہی ہے اسکو صحابی کے ہم معنی سمجھنا ایک طرح کی نا انصافی ہے کیونکہ صحابی اصطلاح شرع میں اس شخص کو کہتے ہیں کہ ایمان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھوڑی دیر یا بہت دیر رہا ہو اور بعضے علماء کا یہ مذہب ہے کہ طول صحبت بھی شرط ہے بہر حال ایمان داخل مفہوم صحابی ہے سو لفظ صاحب اول تو اصطلاح میں معروف نہیں بلکہ اصطلاح شرع میں لفظ صحابی مستعمل ہوتا ہے دوسرے مسلمنا کہ صاحب بھی مستعمل ہو لیکن کلام اللہ تو عرب کے محاورہ موافق اترا ہے اصطلاح کے محاورہ موافق نہیں اترا تو یہ معنی ماننا کلام اللہ سے ابو بکر صدیق کا صحابی ہونا ہی ثابت ہو اور اس جہت لازم التزامی انکے ایمان کا بھی پتا لگا مگر کوئی یہ تو بتلائی کہ اس آیت سے تا دم مرگ انکا ایمان پر قایم رہنا کہاں سے نکلا جو شخص انکی ارتداد کا قائل ہو اس آیت سے اسکا الزام معلوم **اقول** یہ سوال بجا ہے لیکن صاحب صحابی کے معنے میں مستعمل نہیں ہوتا اور نہ کلام اللہ سے ابو بکر کا صحابی ہونا ثابت ہے **قال الشیخ الاشعری** جواب اس وہم کا یہ ہے انکا ایمان اور پھر ایمان پر قایم دائم رہنا تو بآیہ کلمات طیبات اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ اور اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اوپر مرقوم ہو چکا حاجت تکرار نہیں پھر جب ایمان تو یوں ثابت ہوا اور ہمدمی اور مصاحبت لفظ صاحب سے ثابت ہوئی تو صحابیت میں کیا کسر باقی رہ گئی جسکا انتظار ہے اس صورت میں اگر صاحب مرادف صحابی ہی نہیں تو نہو بعد الفظ صاحب کا غیر مشہور ہونا اور صحابی کا اصطلاح شرع مشہور ہونا تو باعتبار اس زمانہ کے ہے اور اگر اس زمانہ میں بھی یوں ہی تھا تو یہ ایسا قصہ ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام محمد مشہور تھے اور حضرت عیسی علیہ السلام نے جو آپکی بشارت دی تو احمد کے نام سے بشارت دی چنانچہ سورہ صف میں مذکور ہے القصہ جب دو لفظ مرادف اور ہم معنی ہوا کرتے ہیں گو ایک مشہور ہو مگر وہ بیگانہ اسکے جگہہ وہ لفظ بہی بولا کرتے ہیں **اقول** یہ سوال وہم نہیں ہے بلکہ بہت معقول ہے اور ابو بکر کا ہمیشہ ایمان پر قایم رہنا ان دونوں آیتوں سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا پہلے ابو بکر کا زمرہ مخلصین میں داخل ہونا ثابت کرو تب اس میں کلام کرو اور پہلے اس سے معیت خدا کو جو علت مخلص ہونیکی لکھا ہے وہ باطل ہے اور ہم اسکو رد کر آئے ہیں اسواسطے کہ خدا سب مومنین کے کیا بلکہ سب بندوں کے ہمراہ ہے جیسا کہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے اور سب بندے اسکی پناہ میں ہیں اور ہر ایک بندہ کو ہر آفت اور بلا

محفوظ کہتا ہے اس علت سے تو چاہئے کہ سب بندے مخلصین ہی ہو جائیں اور ابو بکر کی کیا خصوصیت اس میں ہے اور جب ابو بکر کا مخلصین میں سے ہونا ثابت نہوا تو
ان کا دائمی بھی انکا ثابت نہوا صرف ہمراہی رسول خدا صلعم کی باقی رہ گئی سو اس سے کیا ہوتا ہے بہت سے منافقین بھی شب و روز حضرت کی صحبت میں رہتے تھے اس
صورت میں تو ابو بکر کی صحابیت ثابت نہوئی کہ اس میں تا دم واپسین ایمان شرط ہے اور صاحب کا لفظ عام ہے کہ سانب مومن بھی ہوتا ہے اور کافر بھی ہوتا ہے اور بیشک
اصطلاح شرع میں صحابی مشہور ہے نہ صاحب۔ اور ہمیشہ سے اسیطرح سے یہی حال ہے زمانہ کی کچھ خصوصیت نہیں ہے اور صاحب۔ اور صحابی مثل دو نام حضرت کے ہیں کہ وہ محمد اور احمد ہی ہرگز نہیں ہو سکتا کہ
یہ دو نام ایک شخص کے ہیں گو ایک نام زیادہ مشہور ہے کہ یہ دونام ایک ہی شخص پر بولے جاتے ہیں بخلاف صاحب۔ اور صحابی کے کہ ان دونو لفظوں کا ایسا حال نہیں ہے بلکہ جس شخص پر اطلاق صحابی کا ہوتا ہے تو وہ
صاحب بھی ہو سکتا ہے اور ہر صاحب۔ صحابی نہیں ہو سکتا اور یہ دونو لفظ اپنے اپنے معنی میں مشہور ہیں یہ کہ ایک مشہور ہو اور دوسرا غیر مشہور جیسے یہ شیخ محمد اور احمد کو کہتا ہے کہ محمد تو مشہور ہے اور احمد
غیر مشہور ہے اور صاحب اور صحابی ہرگز مرادف نہیں ہیں اور نہ متحد المعنی ہیں کہ گاہ گاہ ایک کی جگہہ۔ دوسرے کو بولتے ہوں اور عرب تو گدہے کو بھی صاحب کہتا ہے مگر
صحابی نہیں کہتا **قال الشیخ الاشعری** باقی یہہ کہنا کہ کلام اللہ عربی محاورہ میں ہے اسکا کسی کو انکار ہے پر اسکے یہ معنی نہیں کہ جو لفظ کلام اللہ میں ہے اسکے وہی معنی
مراد ہیں جو عرب کی زبان میں اسکے معنے تھے صلوۃ زکوۃ روزہ صوم حج یہ جتنے اس قسم کے الفاظ ہیں سب کے سب اپنے معانی اصلی سے منقول ہیں اور اصطلاح شرعی مراد
ہیں سو ایسے ہی لفظ صاحب کو سمجھنا چاہئے اور قاعدہ کلیہ سکا یہ ہے کہ جب کوئی رسول آتا ہے تو وہ کچھ کچھ نئے احکام لاتا ہے اور ایک کارخانہ ہی نیا ہو جاتا ہے اور اکثر ایسے
نئے نئے مضمون پیش آتے ہیں کہ اسکو اور اسکی توابع کو انکی تفہیم کی ضرورت پڑتی ہے مگر چونکہ وہ احکام اور وہ مضامین پہلے سے معلوم نہیں ہوتے تو انکے مقابلہ میں
کوئی لفظ موضوع اس زبان میں نہیں ہوا کرتا ناچار اب وضع کرنا پڑتا ہے لیکن ہر زبان کا دستور ہے کہ جب اس زبان کے مشاقوں کو کسی نئے لفظ کی وضع کی ضرورت ہوتی ہے تو پہلے ہی
الفاظ مستعملہ میں سے کسی ایسے لفظ کو مقرر کر لیتے ہیں کہ اسکے معنے اول سے نئے معنے کو کچھہ مناسبت ہو چنانچہ واقفان فن عربیہ کو لفظ صوم صلوۃ کے دونوں معنی قدیم اور
جدید کے تصور سے یہ عقدہ اچھی طرح واضح ہو جائیگا سو ایسا ہی لفظ صاحب اور صحابی کو سمجھئے مگر چونکہ لفظ صاحب کے اصلی معنی کی تفہیم کی بھی اکثر ضرورت پڑتی ہے اور
علی ہذا القیاس اس لفظ کے معنی شرعی کے بھی اہل زبان کو اکثر ضرورت ہوتی ہے تو باین لحاظ فرق کے لئے صاحب کو اکثر پہلے معنوں میں بولتے ہیں اور صحابی کو اکثر دوسرے
معنی میں مگر باینہمہ صاحب دوسرے معنو میں بھی اطلاق کیا جاتا ہے لیکن اضافت کے وقت چونکہ توہم التباس نہیں رہتا تو لفظ صاحب ہی کو اصطلاح شرع میں استعمال
کرتے ہیں چنانچہ جو لوگ احادیث پر اور خطب ائمہ پر غور کرتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں **اقول** کلام اللہ اگر عربی کے محاورہ میں ہے اور اس سے انکار نہیں ہے تو جیسے کہ کلام اللہ میں
استعمال الفاظ عربیہ کا ہوا ہے اسکی موافق ہی کہنا چاہئے اور اسکے خلاف سے دست بردار ہونا چاہیئے سو کلام اللہ میں لفظ صاحب کا کسی جگہہ معنی اصطلاحی میں بجز معنے اصلی
کے نہیں آیا ہے چنانچہ معلوم ہوگا اور یہہ تو ہم نہیں کہتے ہیں کہ کلام اللہ میں جو لفظ ہے وہ اپنی معنی اصلی ہی میں مستعمل ہوتا ہے بلکہ کوئی لفظ تو معنی اصلی میں مستعمل ہے اور
کوئی لفظ معنی اصطلاحی میں اور صلوۃ زکوۃ روزہ صوم حج یہ جتنے الفاظ ہیں البتہ معنی اصطلاحی میں مستعمل ہیں اسکا کون انکار کرتا ہے اور صاحب کا لفظ قرآن میں بجز اصلی معنی کے اصطلاحی معنی
میں کسی جگہہ مستعمل نہیں ہے جیسے کہ یا صاحبی السجن اور قال لہ صاحبہ وھو یحاورہ اور وما صاحبکم بمجنون یہاں صاحب کا لفظ صحبت کنندہ یار کے معنی میں ہے اور سوا اسکے تبلاؤ کہ ان آیتوں
میں وہ کونسا لفظ صاحب کا ہے اور وہ کون صاحب ہے کہ جو اسنے ادراک صحبت نبی بھی حالت ایمان میں کیا ہو اور ایمان پر مرا بھی ہو اور ایسے ہی اذ یقول لصاحبہ ہے اور سب جگہہ تو صاحب کے
معنی ہم اہتے ہیں ایک جگہہ اذ یقول لصاحبہ میں معنی اصطلاحی کیونکر ہو جاوینگے بدون قرینہ کے اور یہہ جو تمنا کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب کوئی پیغمبر آتا ہے تو کچھہ کچھہ نئے احکام لاتا ہے اور بعضے
مضامین کے لئے وضع الفاظ کی احتیاج ہوتی ہے تو انہیں الفاظ مستعملہ کو ان مضامین جدید کے واسطے وضع کرتا ہے جیسے کہ لفظ صلوۃ اور صوم کا لیکن صاحب کے لفظ کو کسی
معنی جدید کے لئے وضع نہیں کیا ہے قرآن میں جس جگہہ کہ لفظ صلوۃ اور صوم کا ہے وہ معنی اصطلاحی میں موضوع ہے اور لفظ صاحب کا بجز معنے اصلی کے کسی مقام میں معنی اصطلاحی
میں موضوع نہیں ہے البتہ لفظ صحابی کا معنی اصطلاحی میں موضوع ہے اور صحابی اسکو کہتے ہیں کہ جس نے حالت ایمان میں ادراک صحبت نبی کیا ہو اور ایمان پر مرا ہو اور صاحب کے اصلی معنی
مشہور ہیں اسکی تفہیم میں کچھہ دقت نہیں ہے اور شرعی معنی اسکے واسطے کوئی نہیں ہے بجز معنے اصلی کے اور صاحب کو سب جگہہ اصلی معنی میں بولتے ہیں اور شرعی معنی اسکے واسطے کہیں
نہیں ہیں اور صحابی کے معنی بھی ایک ہی جو کہ مذکور ہوئے اور فرق ان دونوں لفظوں میں ظاہر ہے اور یہ بات نہیں ہے کہ صاحب کو انہیں معنے اصلی میں بولتے ہوں اور کم اصطلاحی معنی میں
بولتے ہوں بلکہ اصطلاحی معنی تو اسکے واسطے ہیں نہیں اور نہ اسمیں مستعمل ہے اور قرآن میں صاحب کا لفظ اضافت ہی کے ساتھہ آیا ہے اور بجز معنے اصلی کے اسکے واسطے اور کوئی معنی نہیں
اور احادیث اور خطب میں خلاف قرآن کے نہیں ہو سکتا اور بعضی جگہہ جو آیا ہے کہ یا صاحب رسول اللہ تو وہاں صحبت کا یار مراد ہے اور اصحاب بھی جو جمع صاحب کی ہے وہ
یاروں کے معنی میں ہے اور یہی لغت میں لکھا ہے لیکن جس جگہہ کہ تعریف اصحاب کی ہے اور درود و سلام آپ نے بھیجا ہے وہاں مومنین مراد ہیں بدلالت قرینہ

اور ایمان پر اُنکے عمر بھر کا یقین ہے اور اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا میں صاحب کی کوئی مدح نہیں ہے اور نہ اُسوقت ابوبکر کے ایمان پر عمر بھر کا یقین تھا **قال الشیخ الاشعری** الفصل اصطلاحات شرع سے کلام اللہ خالی نہیں بلکہ جو لفظ کہ شرع میں کسی معنی کے لئے مقرر ہے جب وہ کلام اللہ یا حدیث میں پایا جائیگا تو معنی شرعی ہی مراد ہوں گے احتمال معنی اصلی کا کرنا محض سفاہت ہے کہ صوم صلوٰۃ زکوٰۃ سے کلام اللہ میں معنی شرعی کے مقابل میں مستعمل ہوا ہے اور اس سے معنی لغوی مراد لینی دیانت سے بہت دور ہے اور مسلمنا کہ لفظ صاحب سے جو صاحب میں ہے معنی شرعی مراد نہوں تب عرفی معنی اس لفظ کے وقتیکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مضاف ہو معنی شرعی کے مطابق ہونگے کیونکہ کفار زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اہل زبان تھے جب اس لفظ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مضاف کرتے تھے اور اُس سے کسی طرف اشارہ کرنا مدنظر ہوتا تھا تو یہی معنی مراد لیتے تھے کہ فلانا شخص ہمارے بیچ سے نکل گیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گیا اور اُنکے زمرہ میں داخل ہو گیا ہمارے دین سے نکل بھاگا محمدی دین اختیار کر لیا اس مضمون کا ماحصل علماء شیعہ فرمائیں کہ کیا ہوتا ہے پھر جائے حیف ہے کہ کفار تک اس لفظ سے وقت اضافت یہی معنی سمجھتے ہوں حالانکہ اُنکی اصطلاح اصطلاح نہیں سمجھیں تو حضرت شیعہ سمجھیں مگر ہم جانیں برعم خود اچھا کرتے ہیں کفار سے مطابقت و موافقت تو آخر ممنوعات شرعی میں سے ہے اور یہ کیا اچھی تو نہ ہوگی در رفتہ رفتہ کفار سے یہ خلاف پیدا کرینگے کہ برخلاف اُنکے صوم و صلوٰۃ وغیرہ الفاظ سے بلکہ ساری کلام اللہ سے حتی المقدور کچھ اور ہی معنی سمجھا کرینگے

اقول ۔ البتہ اصطلاحات شرع کے الفاظ کلام اللہ میں بہت ہیں اور الفاظ مصطلحہ شرع جس جگہ پائے جائیں گے قرآن اور حدیث میں یا فقہ میں معنی شرعی مراد ہوں گے اسکا کون انکار کرتا ہے لیکن صاحب کا لفظ اصطلاحات شرعیہ میں سے نہیں ہے وہ جہاں پایا جائیگا اُسکے معنی لغوی ہی مراد ہوں گے اور صاحب کا لفظ جسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مضاف ہوگا تو اُسوقت معنی اُسکے صحبت کا یار مراد ہونگے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے اور معنی شرعی کے مطابق نہوں گے اور صحبت کا یار عام ہے خواہ مومن ہو خواہ کافر ہو اسواسطے کہ بہت سے اصحاب منافق بھی تھے اور لوگ آنحضرت کے اصحاب ہی جانتے تھے اور عرصہ دراز تک حضرت کو بھی خبر نہوئی تھی کہ یہ منافق ہیں چنانچہ خداتعالی فرماتا ہے لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ اور حضرت اُنکو مسلمان اور اپنے اصحاب میں سے جانتے تھے بعد عرصہ دراز کے خداتعالی نے مطلع کیا تو اُنکا حال معلوم ہوا اور کفار اگر اس لفظ کو رسول خدا صلعم کی طرف مضاف کر لیتے تھے اور اُس سے کسی کی طرف اشارہ کرنا مدنظر ہوتا تھا کہ فلانا شخص ہم میں سے نکل گیا اور پیغمبر کے ساتھ ہو گیا تو اسکو تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور ابوبکر کو بھی کہتے ہیں کہ وہ مشرکین میں سے نکلکر مسلمانوں کے زمرہ میں داخل ہو گئے تھے اور دین محمدی اختیار کر لیا تھا لیکن بعد رسول خدا صلعم کے محبت جاہ اور طلب ریاست کی جہت سے استقامت ایمان سے خارج ہو گئے تمکو چاہیئے کہ تادم واپسیں اُنکا ایمان صحیح پر باقی رہنا ثابت کرو اور ہمارے نزدیک تو ثابت نہیں ہے اور جو کچھ کہ آپکی تحریر کا ماحصل تھا وہ ہم بیان کر چکے اور ابوبکر کے مسلمان ہونیکا اور مسلمانوں کے زمرہ میں داخل ہونیکا اور صاحب رسول اللہ ہو جانا کہ جو معنی یار صحبت رسول خدا ہے اسکا ہم انکار نہیں کرتے اور جو کچھ اس لفظ سے وقت اضافت کفار سمجھتے تھے ہم بھی کہتے ہیں اس سے ہمکو کب انکار ہے لیکن فائدہ اس سے کچھ نہیں ہے جب تک کہ ابوبکر کا ایمان صحیح پر باقی رہنا آخر دم تک ثابت نہو اور خداتعالی ہمکو بھی توفیق دے کہ ہم کفار سے ہمیشہ مخالفت رکھیں اور وہ نماز اور روزہ نہیں رکھتے ہیں اور ہم نماز اور روزہ میں مشغول رہیں اور تمہارے واسطے بھی یہی دعا ہے کہ تمکو خدا ہدایت کرے اور شریک ہمارے ہو کر مخالفت کفار کی اختیار کرو اور اُنکی موافقت کو ترک کرو اور جو کچھ معانی صحیحہ قرآن سے ہم مراد لیتے ہیں تم بھی وہی لیا کرو اور معانی غیر صحیحہ پر حمل نکرو **قال الشیخ الاشعری** اور ہم اس سے بھی در گزرے صاحب کے لغوی ہی معنی ہیں اور کسیطرح معنے شرعی کے مراد لینے کی کوئی پیش نہیں ہے تب لفظ لَا تَحْزَنْ اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کو کہاں کہو دینگے صاحب کے لفظ سے نہیں تو ان دونوں سے ایمان ثابت ہو گیا چنانچہ اوپر مذکور ہو چکا بہرحال اُنکا صحابی ہونا بطور اصطلاح شرع کے اس آیت سے ثابت ہو گیا بلکہ ہمارے نزدیک اس صورت ثانی میں دونی فضیلت ہو جائیگی لفظ صاحب سے اصطلاح شرعی مراد ہوتی تو وہ بات ہرگز ہوتی شرح اسکی یہ ہے کہ اس صورت میں صاحب کے لفظ سے جو ہمراہی مراد ہوگی تو اُسی ہمراہی کیطرف اشارہ ہوگا جو اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ سے ثابت ہوتی ہے چنانچہ لفظ اذ جو اذ یقول میں ہے وہ پہلے اذ کا جو اذ ہما میں ہے بدل ہے مطلب یہ ہوا کہ یہہ ہماری نصرت اُسوقت ہوئی ہے جب وہ دونوں غار میں تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہمراہی سے یوں کہہ رہے تھے اور ظاہر ہے کہ ایسے وقت کی ہمراہی اُسیکا کام ہے کہ اُس سے زیادہ کوئی مخلص نہو اور سچ بھی تو ہے ابوبکر صدیق کی جانبازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خاص کر اُسوقت دشوار کی ہمراہی اور رفاقت ایسی نہیں کہ اُسکا انکار کیا جائے اگر خداوند کریم اُسکی طرف اشارہ نفرماتا تب کچھ حاجت نتھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ رفاقت اور اُنکا اخلاص ایسا شہرۂ آفاق ہو گیا ہے کہ ضرب المثل ہو گئی ہیں شیعہ زبان سے انکار کریں تو کیا ہوا دل میں اُنکے بھی یہی ہے کہ ابوبکر صدیق کی برابر دنیا میں کوئی کسیکا رفیق نہیں ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقوں میں کچھ اُنکا رتبہ بڑھکر نہیں دیکھتے نہیں کہ جنکی رفاقت اور اخلاص نہایت کو پہونچ جاتے ہیں تو عرف میں اُسے شیعہ سنی ہندو مسلمان یار غار کہتے ہیں رفاقت میں ایسا رتبہ کہ ضرب المثل ہو جائے بجز اسکے نہیں ہو سکتا

اگر ونکی رفاقت کو انکی رفاقت کے ساتھہ ایسی نسبت ہو جیسے نور چہرہ کو نور قمر یا نور خورشید کے ساتھہ نسبت ہی کون نہیں جانتا کہ کجا آفتاب کجا آدمی کا چہرہ آدمی کیسا ہی خوب صورت کیوں نہو آفتاب کے نور سے لاکھوں درجہ کم اسکا نور رہتا ہے اسکے شرف کے لیے یہی بہت ہی کہ اسکے ساتھہ تشبیہ دیتے ہیں ایسا ہی اور ونکی رفاقت اور دوستی کا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور دوستی سے بدرجہا کم سمجھنا چاہیئے انکو یہی شرف بہت ہی کہ انکے ساتھہ اوروں کو تشبیہ دیتے ہیں اور جسکی رفاقت اور دوستی کی تعریف کرتے ہیں تو اسکو یار غار کہتے ہیں **اقول** بے شک صاحب کا لفظ لغوی معنی میں ہی اور ان اللہ معنا کو برابر لکھتا چلا آتا ہے اور ہم اسکا جواب لکھتے چلے آتے ہیں کہ جیسے تو کہتا ہے وہ مراد یہاں نہیں انتہای کار یہہ ہے کہ اگر ہم ہی موافق تیرے کہنے کے تسلیم کریں تو اس سے یہہ ہی ثابت ہوگا کہ ابو بکر اسوقت مومن تھے اور یہی مقصود اس شیخ نجدی کا ہی لیکن یہہ بتاؤ کہ انکا صحابی ہونا بطور اصطلاح شرع کے اس آیت سے کیونکر ثابت ہوا اصطلاح شرع میں تو صحابی اسکو کہتے ہیں کہ جو ایمان صحیح پر مرے اور ابو بکر کا ایمان صحیح پر مرنا ثابت نہیں ہی اور ان سے وہ امور صادر ہوئے میں طمع ریاست اور حب جاہ میں کہ وہ ایمان سے خارج ہو گئے ہیں اور وہ کونسی فضیلت ہی کہ جو اصطلاح شرعی صاحب کے لفظ سے مراد لینی سے دونوں میں پائی جاتی ہی اس آیت سے تو ثابت نہیں ہی اور اذ ہما فی الغار سے بہی ہمیں کیا فضیلت ہے اگر غار میں رسول خدا صلعم کے ساتھہ ابو بکر مع ہوئے تو اس سے کونسی فضیلت ثابت ہوئی ابو بکر کے اکثر مومن اور کافر ایک مکان میں مجتمع ہوتے ہیں حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیبیاں حضرت نوح اور حضرت لوط کے ہمراہ ایک مکان میں ہوتی تہیں یہ ایک مکان میں ہونے سے انکی فضیلت [illegible] کہ وہ مومنہ نہتیں اور اگر دوسرا اذ یہاں آدمی بدل ہی تو تمہارا مطلب اس سے کیا ثابت ہوا ہمارا آتش در کاسہ اور اگر بصرت ہوتی تو رسول اللہ صلعم کی [illegible] ہے تھا اور ابو بکر کا کون طالب تھا ابو بکر تو حضرت کے ہمراہ ایسے تھے جیسے کہ کسیکے ہاتھہ میں رومال و چہڑی اور پاؤں میں جوتیاں ہوتی ہیں کہ جو [illegible] ہوتی ہیں وہ اس آدمی کے واسطے ہوتی نہ اسکی ہمراہی چیزوں کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے واسطے تو خدا تعالی نے فرمایا کہ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اور فرمایا اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ اور ابو بکر کی نصرت کے واسطے کیا فرمایا اور لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا جو حضرت نے فرمایا تو ابو بکر کی تسلی کے واسطے کہ وہ خوف کفار سے رنج کرتے تہے اور احتمال تھا کہ کثرت رنج سے [illegible] رونے لگیں سو واسطے انکے خاموش اور مطمئن ہونیکو ایسا فرمایا اور اسوقت کی ہمراہی کونسی بڑی ہمراہی تہی کہ وہاں تو کسی طرحکا خوف و کھٹکا نہ تھا سواے اسکے کہ مکڑی نے تو غار کے دروازہ پر جالا تنا تھا اور کبوتری نے انڈے دئے تہے اور درخت خاردار بقدرت خدا دروازہ میں مارے پیدا ہوگیا تھا کہ [illegible] اس غار میں کوئی آدمی گیا ہوگا وہ تو بمنزلہ حصن حصین کے ہوگیا تھا وہ کسی طرحکا خوف اس غار میں نتھا لیکن ابو بکر باوجودیکہ [illegible] کفار سے رنج کرتے تہے تو انکو خدا پر اعتماد نتھا اور وہ قیتی [illegible] اپنی نادانی سے جزع اور فزع کرکے ایسا حال بنایا [illegible] اور ذی نادان کی رفاقت سے سانپ و بچہو کی رفاقت بہتر ہے کہ سانپ و بچہو کی رفاقت میں خوف [illegible] اور آدمی نادان کی رفاقت میں خوف جان کا ہی اور [illegible] سعدی نے اسی رفاقت ابو بکر کی مقدمہ میں کہا ہے [illegible] اور کونسا بڑا کام ہوا ابو بکر سے وہاں بجز اسکے کہ جزع اور فزع کرکے رنجکو بڑہاتے تہے اور کونسی جانبازی کی ابو بکر نے بجز جزع اور فزع کے خوف کفار سے اور کس بلا و آفت سے حضرت کو بچایا تھا اور جانبازی تو وہ تھی کہ جو حضرت علی سے وقوع میں آئی کہ شب کو تو حضرت کے بستر پر سوئے [illegible] تنہا اپنے تلوار لیکر سیکڑوں کفار کا مقابلہ کیا اور جانبازی کا کام تو جہاد میں تھا سو وہاں ابو بکر حضرت کو تنہا چہوڑ کر [illegible] جاتے تہے کیا اسکو جانبازی کہتے ہیں اور یہی اخلاص حضرت کا تہا اور غار میں اگر حضرت کے ہمراہ رہے اور رفاقت کی حضرت کے ایسے مقام محفوظ میں کہ جہاں کچہہ کھٹکا نتہا بقدرت خدا تو کیا بڑا کام کیا اور ایسے بیفائدہ رفاقت کا انکار کون کرتا ہی اور یہہ کس کام کا اخلاص تھا کہ جس سے بجز پاس بیٹھے رہنے کے کچہہ بہی فائدہ حاصل نہو اور اہل سنت ہی نے اسکو ضرب المثل کر دیا ہی اور شیعوں کے دل میں کوئی بات بہی ابو بکر کی رفاقت کے نہیں ہی ایسی رفاقت کس کام کی کہ جس میں سوائے پاس بیٹھنے کے [illegible] اور کچہہ نتھا اس مقام پر تو رسول خدا صلعم کو پاس [illegible] جانتے ہی کہ کفار انکے آزار کے درپے تہے نہ یہہ کہ اپنی جان کا رنج کرنے لگا اور اس رفاقت بیفائدہ کا کچہہ رتبہ نہیں [illegible] رفاقت [illegible] سے اس رفاقت کی کونسی فضیلت ہی اور یہہ جو کہتے ہیں کہ فلانا فلانیکا یار غار ہی اول تو یہہ اہل سنت کا شہرہ کیا ہوا ہے اور دوسرے یہہ کہ [illegible] اور صحیح یار ہونے سے ہی اس میں کچہہ فضیلت نہیں ہی ہاں اگر ابو بکر نے حضرت کی رفاقت میں کسی آفت و بلا کو حضرت سے دفع کیا ہوتا یا کفار کے حملہ و غارت سے حضرت کو بچایا ہوتا تو یہہ رفاقت کام کی تہی اور محض ہمراہی کو ابو بکر کی اگر ضرب المثل ہی کر دیا تو اس میں کوئی فضیلت ابو بکر کی نہیں [illegible] ابو بکر کی بدانجامی کو کچہہ فائدہ نہیں بخشتی اور بڑی رفاقت ابو بکر کی کہ جو ضرب المثل ہوئی ہی اگر تہی تو یہہ تہی کہ رسول خدا صلعم کے پاس بیٹھے [illegible]

تنہا نہیں چھوڑا اور کفار کو حضرت کی خبر نہ کی اسمیں کونسی فضیلت ہوئی اور ہم مانا کہ ابو بکر نے بڑی رفاقت کی حضرت کے اخلاص کیساتھ ایسی رفاقت کہ جو ضرب المثل ہو گئی کہ جو کوئی کسیکا بڑا یار اور دوست ہوتا ہے تو اسکو کہتے ہیں کہ فلانا فلانے کا بڑا یار غار ہے اور شبہ بشبہ سے بہتر ہوتا ہے لیکن یہ رفاقت ابو بکر کی سب خاک میں ملگئی جس وقت بعد اسکے ترک کیا حضرت کی رفاقت کو جسکا کہ بجالانا واجب تھا اور ترک کرنا حرام تھا اور وہ رفاقت حضرت کے جہاد میں تھی کہ مقابلہ کفار سے تھا اور ہتیار چل رہا تھا اور وہاں حضرت کی رفاقت سے منہ موڑنا نہیں چاہئے تھا وہاں سے تو حضرت کو کفار کے بلوہ میں تنہا چھوڑ کر بہاگ جاتے تھے اور اپنی جان کو حضرت کی جان پر مقدم رکھتے تھے کیا اسیکو رفاقت کہتے ہیں کہ حضرت کو تنہا چھوڑ کر بہاگ جانا اپنی جان کی حفاظت کے واسطے اگر غار میں کہ جہاں کسی طرح کا خوف نتھا رفاقت کی تو کیا فائدہ ہوا اُس رفاقت سے کہ جو کہ محل رفاقت کا تہا وہاں تو رفاقت کی ہی نہیں اور ایسے محل میں رفاقت نکرنے سے باطل ہوئی رفاقت غار کی بہی اور انصاف سے دیکھو تو یہہ رفاقت قابل مدح کے نہیں ہے اسواسطے کہ یہہ رفاقت اگر پسندیدہ اور ممدوح ہوتی تو ابو بکر کی شان میں کوئی آیت نازل ہوتی جیسے کہ حضرت علی کی شان میں آیت نازل ہوئی ہے حضرت صلعم کے بستر پر سونے سے اور وہ آیت یہہ ہے وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ چنانچہ پہلے اس سے مذکور ہوئی ہے اور ابو بکر کا جو جزع اور فزع رسول خدا صلعم نے دیکھکر اوسکے واسطے تسلی اور خاموش کرنے ابو بکر کے لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فرمایا تھا اُسکو خدا تعالی نے قرآن میں نقل کر دیا ہے سو اُسکا بڑا اہتمام ہے انکے نزدیک اور طرح طرح سے اُس میں تاویلیں کر کے ابو بکر کے فضائل میں لیجاتے ہیں اور حال یہہ ہے کہ اُس سے کوئی فضیلت ابو بکر کی ثابت نہیں ہوتی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس شیخ نجدی کے جواب میں **قال الشیخ الاشعری** القصہ اس تقدیر پر وہ صحابہ میں ہی فرد اکمل ہوں گے اور کیوں نہو زبان خلق نقارہ خدا انکا یار غار ہونا اور صدیق ہونا سب علم و خاص پر روشن ہے دوست دشمن سب اُنکو اسی لقب سے پکارتے ہیں اب یہاں بس کیجے مگر شاید کسیکو یہاں یہ شبہ ہو کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اگر افضل ہی ہوئے تو کیا ہوا خلافت تو بظاہر علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا حق تھا کیونکہ وہ چچا کے بیٹے اور داماد تہے اور مشہور ہے کہ داماد بمنزلہ فرزند ہوتا ہے تو اس صورت میں خلافت بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگر پہنچتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچتی ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کون ہوتے تہے جو خلافت دبا بیٹھے اور اس سے ہی قطع نظر کیجے اپنے بعد ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کر دیا ہوتا وہ بہی نہوا وصیت کی تو خلیفہ ثانی کے لئے کی سو اس توہم کا جواب اول تو یہی ہے کہ خلافت کو سلطنت پر قیاس کیجے تو البتہ یہی توہم پیدا ہوتا ہے لیکن اہل فہم پر پوشیدہ نہوگا کہ خلافت نبوت ارکان دین میں سے ہے رکن عظیم اور سلطنت دنیا کے امور دنیا میں سے ہے نہایت درجہ کو پہنچے بحسب حقیقت دنیا اور دین ہی میں اتنا تفاوت ہو کہ اُس سے زیادہ اور کیا ہوگا تو اسکے اعلے درجہ اور اُسکے اعلے درجہ میں کچھہ لگاؤ ہی نہوگا جو ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جاے ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ہاں خلفاء انبیاء کو اگر خلفاء علماء اور خلفاء فقراء پر قیاس کیجے تو البتہ قیاس کا موقع بھی ہے علم اور فقر بھی امور دینی میں سے ہیں مگر یہ بھی جانتی ہیں کہ خلافت علم و خلافت فقر میں نجابت اور قرابت کی وجہ سے ترجیح نہیں ہوتی فضیلت اور کمالات کے باعث ہوتی ہے چنانچہ لفظ خلافت ہی خود بہی اس بات پر دلالت کرتا ہے اسلئے کہ خلافت بمعنی نیابت ہے اور نیابت کا استحقاق اسکے لئے ہوتا ہے جو منیب کا کام دیسکے اور اگر چند آدمی موصوف باین صفت ہوں تو انمیں وہ مقدم ہوگا جسمیں کمالات اور فضائل منیب وہ نسبے زیادہ تر ہو نگے **اقول** اس تقدیر نے کچھ فائدہ نہ بخشا چنانچہ ہم لکھہ چکے اور جس جہت سے لوگ انکو یار غار کہتے ہیں وہ جہت ہی ابو بکر نے باقی نرکہی کہ رسول خدا صلعم کی رفاقت کو ترک کر کے جہادوں میں بہاگتے رہے اور یار غار ہونا سب باطل ہو گیا اور نہ ابو بکر کو ہم صدیق جانتے ہیں تم جو چاہو سو کہو کہ تم تو معاویہ کے بہی فضائل بیان کرتے ہو اور صدیق ہمارے نزدیک علی بن ابیطالب ہیں کہ جو حضرت کے بستر خواب پر قائم رہے اور بعد اُسکے جہادوں میں بڑی جانبازی کی اور ابو بکر اگر حضرت کے ہمراہ ہی غار میں تو اُنہوں نے کونسا کام بنایا اور اگر غار میں حضرت کے پاس بیٹھے رہے اور اس پاس بیٹھنے کی جہت سے لوگ اُنکو یار غار کہتے ہیں اور اُنکی یار غار ہونیکے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور اُنکی یاری کو تو ابو بکر کے واسطے کیا فضیلت ہوئی بہت ہوگا تو یہہ ہوگا کہ ایسے یار ہیں کہ حضرت کے پاس سے ٹلے نہیں اور وہیں بیٹھے رہے حضرت کے پاس جبہی ہوئی اور حضرت کو تنہا چھوڑا لیکن ابو بکر کے پاس بیٹھنے سے حضرت کو کیا فائدہ ہوا اور کس ضرر کو حضرت کے ابو بکر نے دفع کیا اور ابو بکر جو ایک شخص جاہل تہے کہ جنکی جہالتیں اہل سنت کی کتابوں میں مندرج ہیں اور ہمیشہ جہادوں میں سے بہاگتے تہے کفار کے مقابلہ میں سے وہ کیونکر افضل ہو نگے علماء سے اور جم کر جہاد کرنیوالوں سے جو کہ زخم پر زخم کہاتے تہے اور میدان کو چھوڑتے نہیں تہے کہیں عقل میں بہی آتا ہے اور بدون دلیل کے جو چاہو سو کہدو تمہاری زبان کس نے پکڑی ہے اور بے شک خلافت حضرت علی کا حق تھا محض قرابت کی جہت سے نہیں بلکہ علم کی جہت سے چنانچہ خدا تعالی فرماتا ہے أَفَمَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ أَمَّن لَّا يَهِدِّي إِلَّا أَن يُهْدَىٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ یعنی پس جو شخص رہنمائی کرے طرف حق کے زیادہ سزاوار اور حقدار ہے کہ اُسکی پیروی اور متابعت کریں یا وہ شخص کہ نہیں رہنمائی کر سکتا ہے مگر یہہ کہ ہدایت کیا جاے اُسکو اور کوئی ہدایت کرے پس کیا ہے واسطے تمہارے کیونکر حکم کرتے ہو تم اور دوسری جگہہ خدا تعالی فرماتا ہے کہ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ یعنے جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہیں کہ جاننے والوں اور علماء کو فضیلت ہے نہ جاننے والوں اور جہلا

یہہ وجہ تھی علی کے حقدار ہونے خلافت کے کہ علم علی کا سب صحابہ سے زیادہ تھا اور ابن مردویہ اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں اور حاکم نے مستدرک میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اور احمد حنبل نے اپنی مسند میں لکھا ہی کہ جب آیت اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ اُتری تو رسول خدا صلعم نے اپنی سینہ پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ میں منذر ہوں یعنی ڈرانیوالا اور ای علی تو ہادی ہی کہ بعد میری تجھ سے ہدایت پائینگے ہدایت پانیوالی اب انصاف کرنا چاہئے کہ جو شخص کہ ہدایت کرے وہ سزاوار خلافت کا ہی یا جو شخص کہ محتاج ہدایت کا ہو کہ اُسکو کوئی اور ہدایت کرے اور تاریخ الخلفاء میں لکھا ہی اور سعید بن المسیب سے روایت ہے قَالَ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَتَعَوَّذُ بِاللّٰهِ مِنْ مُعْضِلَةٍ لَيْسَ لَهَا اَبُو الْحَسَنِ یعنی کہا کہ تھا عمر بن خطاب کہ پناہ مانگتا تھا ساتھ خدا کے اُس مشکل سے کہ نہوتا تھا واسطے حل کرنے اُسکے کے ابو الحسن یعنی علی بن ابیطالب پہلا ہوں کیونکر ہوسکتا ہی کہ جسکی طرف رجوع کریں مشکل دینی میں وہ تو مستحق خلافت نہو اور رجوع کرنیوالی اُسکی طرف مستحق ہو جائیں اور ابن عبد البر نے کتاب استیعاب میں لکھا ہے اور ابن عباس سے روایت کی کہ قَالَ قَالَ لِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِنِّي اُدْرِكُ تَقُوْلُ اِنَّ صَاحِبَكَ وَلِيُّ النَّاسِ بِهَا يَعْنِي عَلِيًّا قُلْتُ اَجَلْ وَاللّٰهِ اِنِّي لَاَقُوْلُ ذٰلِكَ فِي سَابِقَتِهِ وَعِلْمِهِ وَقَرَابَتِهِ قَالَ اِنَّهُ كَمَا ذَكَرْتَ وَلٰكِنَّهُ كَثِيْرُ الدُّعَابَةِ یعنی کہا ابن عباس نے کہ کہا مجھسے عمر بن خطاب نے کہ تحقیق میں پاتا ہوں تجھکو کہ کہتا ہی تو کہ صاحب تیرا اولے اور سزاوار تر لوگوں کا ہی ساتھ خلافت کے یعنی علی کہا میں نے کہ ہاں قسم ہے خدا کی تحقیق میں البتہ کہتا ہوں اس بات کو سابق ہونے میں اُسکے اسلام میں اور علم میں اور قرابت میں رسول خدا صلعم سے کہا عمر نے کہ تحقیق وہ امر ایسا ہی ہی جیسے کہ تو نے کہا ہے اور لیکن وہ یعنی علی کثیر المزاح ہی کہ اُسکی طبیعت میں خوش طبعی بہت ہے اب دیکھئے کہ علی کو حقدار خلافت کا جانتے تہے اور پھر اُنکو خلیفہ نکیا اور مزاح اور خوش طبعی مانع اس امر کی نہیں ہوسکتی اگر اُن میں خوش طبعی تھی اور اگر یہی عذر تھا تو بعد عثمان کے اُنکو خلیفہ کیوں کیا اور علم میں علی کے اور ابو بکر کے اسقدر فرق تھا کہ تاریخ الخلفاء میں جلال الدین سیوطی نے لکھا ہی کہ قَالَ وَاللّٰهِ مَا نَزَلَتْ اٰيَةٌ اِلَّا وَقَدْ عَلِمْتُ فِيْمَا نَزَلَتْ وَاَيْنَ نَزَلَتْ وَعَلٰى مَنْ نَزَلَتْ یعنی کہا علی نے قسم ہی خدا کی کہ نہیں نازل ہوئی ہی کوئی آیت مگر کہ تحقیق جانتا ہوں میں جس چیز میں نازل ہوئی ہی اور کہاں نازل ہوئی ہی اور جس پر کہ نازل ہوئی ہی اور یہ بھی تاریخ الخلفاء میں لکھا ہی کہ قَالَ عَلِيٌّ سَلُوْنِي عَنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَاِنَّهُ لَيْسَ مِنْ اٰيَةٍ اِلَّا وَقَدْ عَرَفْتُ بِلَيْلٍ نَزَلَتْ اَمْ بِنَهَارٍ اَمْ فِي سَهْلٍ اَمْ فِي جَبَلٍ یعنی کہا علی نے کہ سوال کرو تم کتاب خدا سے پس تحقیق کہ نہیں ہی کوئی آیت مگر کہ پہچانتا ہوں میں کہ رات کو نازل ہوئی ہی یا دن کو یا زمین نرم میں یا پہاڑ میں اور طبرانی نے لکھا ہی کہ رسول خدا صلعم نے حضرت فاطمہ کی طرف خطاب کرکے فرمایا کہ وَاللّٰهِ لَقَدْ اَنْكَحْتُكِ اَكْثَرَهُمْ عِلْمًا وَاَفْضَلَهُمْ حِلْمًا قسم ہی خدا کی البتہ تحقیق نکاح میں دیا میں نے تجھکو اُس شخص کے کہ علم اُسکا سب آدمیوں سے زیادہ ہی اور حلم اُسکا سب سے زیادہ بزرگ ہی اور یہی ابن جریر نے لکھا ہی اور جسوقت خدا تعالی نے ملائکہ سے خطاب کیا کہ اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً یعنی میں کرنیوالا ہوں زمین میں خلیفہ کہ وہ حضرت آدم تہے تو ملائکہ نے خدا تعالی کے جواب میں کہا کہ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا یعنی کیا کریگا تو اُس میں خلیفہ اُس شخص کو کہ فساد کرے اُس میں پس خدا تعالی نے حضرت آدم کو تعلیم اسماء کرکے ملائکہ پر حجت پکڑی اور علم کی حیثیت سے آدم کو خلیفہ کیا کہ پہر ملائکہ چون و چرا نکرسکے اور بنی اسرائیل نے طالوت کی خلیفہ ہونے میں بہت قیل و قال کی لیکن خدا تعالی نے اُنکا کہنا منظور نکیا اور طالوت کو علم اور شجاعت کی جہت سے خلیفہ کیا چنانچہ خدا تعالی فرماتا ہی وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ یعنی اور کہا واسطے بنی اسرائیل کے پیغمبر اُنکے نے کہ تحقیق برگزیدہ کیا ہی خدا نے اُس طالوت کو تمپر باعتبار علم اور جسم کے اور مراد فراخی جسم سے شجاعت ہی اور ابو بکر میں نہ جسکو علم تھا کہ مسائل میں غلطیاں کرتے تہے اور نہ شجاعت تھی کہ جہادوں میں سے بھاگا کرتے تھے وہ کیونکر حقدار اور سزاوار خلافت کیسے ہوں گے اور حقدار خلافت کا تو وہ ہی ہی کہ جسمیں یہ دو خصلتیں تھیں اور سوائے علی بن ابیطالب کے اور کوئی ایسا اُسوقت نتھا اور اب ابو بکر کا حال سنیئے کہ تاریخ الخلفاء میں جلال الدین سیوطی نے لکھا ہی اَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ وَغَيْرُهُ عَنْ اَبِي بَكْرٍ اَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْكَلَالَةِ فَقَالَ اِنِّي سَاَقُوْلُ فِيْهَا بِرَاْيِي فَاِنْ يَّكُنْ صَوَابًا فَمِنَ اللّٰهِ وَاِنْ يَّكُنْ خَطَاً فَمِنِّي وَمِنَ الشَّيْطٰنِ اُرَاهُ مَا خَلَا الْوَلَدَ وَالْوَالِدَ فَلَمَّا اسْتُخْلِفَ عُمَرُ قَالَ اِنِّي لَاَسْتَحْيِي اَنْ اَرُدَّ شَيْئًا قَالَهُ اَبُوْ بَكْرٍ یعنی سوال کیا گیا ابو بکر سے معنی کلالہ کے کہا تحقیق قریب ہے کہ کہوں میں بیچ اُسکے ساتھ رای اپنی کے اگر صواب ہے تو جانب خدا سے اور اگر خطا ہو تو جانب میری سے اور شیطان کی دیکھتا ہوں معنے کلالہ کو سوا پسر اور پدر کے پھر جب عمر خلیفہ ہوا اُسوقت معنی کلالہ کو بھی سمجھے تو کہا کہ تحقیق میں حیا کرتا ہوں اس سے کہ رد کروں میں اُس چیز کو کہ کہا ہوا اُسکو ابو بکر نے اور یہ بھی تاریخ الخلفاء میں لکھا ہی کہ ابو بکر سے قول حق تعالی کا معنی پوچھے وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا کے تو فَقَالَ اَيُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِيْ وَاَيُّ اَرْضٍ تُقِلُّنِيْ اِنْ قُلْتُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ مَا لَا اَعْلَمُ پس کہا کہ کونسا آسمان سایہ کریگا مجھکو اور کونسی زمین بہا کریگی مجھکو اگر کہوں میں کتاب خدا میں وہ بات کہ جو نہیں جانتا ہوں میں یہ حال تھا علی اور ابو بکر کے علم کا اور سوا اسکے بہت غلطیاں ابو بکر کی اہل سنت کی کتابوں میں لکھی ہیں اور کچھہ ہم پہلے اس سے بھی لکھ چکے ہیں پھر باوجود موجود ہونے ایسے عالم علی کے ایک شخص جاہل کیونکر سزاوار خلافت کا ہو جائیگا اور سوائے اسکے یہ بات ہی کہ مسند احمد حنبل میں ابن عباس سے روایت ہی کہ نہیں ذکر کیا ہی خدا نے قرآن میں یا ایہا الذین آمنوا مگر کہ علی اُس کا امیر و شریف اُسکا ہے اور سید و سردار اُسکا ہے عَاتَبَ اللّٰهُ اَصْحَابَ

محمد فی القرآن وما ذکر علیا الا بخیر یعنی اور تحقیق عتاب کیا ہی خدا نے اصحاب محمد کو قرآن میں اور نہیں ذکر کیا ہی علیؑ کو مگر بخیر یہ وجہ بھی استحقاق کی ہی سب سے بڑھ کر
اور حضرت علیؑ خود فرماتے ہیں کہ خلافت حق میرا تھا چنانچہ استیعاب میں کہ کتب معتبرین اہل سنت میں سے ہے ترجمہ میں رفاعہ بن رافع کے لکھا ہی عن جابر عن الشعبی
قال لما خرج طلحۃ والزبیر کتبت ام الفضل بنت الحارث بخروجہم فقال علی العجب لطلحۃ والزبیر ان اللہ عزوجل لما قبض رسولہ قلنا نحن اہلہ و اولیاءہ
فلا ینازعنا سلطانہ احد فابی علینا قومنا فولوا غیرنا و ایم اللہ لولا مخافۃ الفرقۃ وان یعود الکفر ویبوء الدین لغیرنا فصبرنا علی بعض الالم ثم
لم نر بحمد اللہ الا خیرا ثم وثب الناس علی عثمان فقتلوہ ثم بایعونی ولم استکرہ احدا و بایعنی طلحۃ والزبیر ولم یصبرا شہرا واحدا کاملا حتی خرجا الی العراق ناکثین اللہم فخذہما بفتنتہما للمسلمین
یعنی روایت ہی شعبی سے کہ کہا اُس نے کہ جسوقت خروج کیا واسطے علی کے طلحہ اور زبیر نے تو لکھا علی کو ام الفضل دختر حارث نے اور خبر کے ساتھہ خروج اُنکے کے پس کہا علی
نے تعجب ہے ساتھہ طلحہ اور زبیر کے تحقیق خدا عزوجل نے روح قبض کی پیغمبر اپنے کی تو کہا ہمنے کہ ہم ہیں اہل اُسکی اور اقارب اُسکے پس نزاع کریگا ہمسے سلطنت اُسکی میں کوئی
پس انکار کیا ہمپر قوم ہماری نے پس حاکم اور والی کردیا اُنہوں نے غیر ہمارے کو قسم ہی خدا کی کہ اگر نہوتا خوف مفارقت کا اور اسکا کہ پھر عود کرے کفر اور ہلاک اور فاسد ہووے تو البتہ تغیر
کردیتے ہم پس صبر کیا ہمنے بعض الم پر بعد اُسکے نہ دیکھا ہمنے بحمد و شکر خدا مگر خیر کو پھر کود پڑے آدمی عثمان پر پس قتل کیا اُسکو پھر بیعت کی مجھہ سے اور نہ جبر کیا تھا مینے کسی پر اور بیعت کی
مجھہ سے طلحہ اور زبیر نے اور نہ صبر کیا اُن دونوں نے ایک مہینے کامل یہانتک کہ نکلے وہ طرف عراق کے جسوقت کہ بیعت توڑنیوالے تھے میری ای خدا پس پکڑ تو اُنکو بسبب قتل
کرنے اُنکے کے مسلمانوں کو اور ایسے ہی عقیلی محدث اہل سنت نے ابو الطفیل عامر بن واثلہ سے روایت کی ہی اور خلاصہ اُسکا یہ ہی کہ بروز بیعت عثمان علی کہتے تھے کہ بعد رسول خدا
صلعم کے خلافت حق میرا تھا اور بعد ابوبکر کے بھی حق میرا تھا اور اب بھی حق میرا ہی ہی اور ہر وقت میں اطاعت کی مینے اس خوف سے کہ اگر میں کچھہ کہتا ہوں تو لوگ
کفر کی طرف پھر جائینگے اور مرتد ہو جائینگے اور بعض بعض کی گردن ماریگا اور عمر نے مجھ کو پانچ آدمیوں میں مقرر کیا ہی اور چھٹا اُنکا میں ہوں کہ کوئی نہیں جانتا ہی میری فضیلت
کو کہ گویا میں فضیلت ہی نہیں رکھتا ہوں اور سب کے برابر ہوں اور اگر میں گفتگو کروں تو کوئی میری خصلت اور فضیلت کو رد نہیں کرسکتا ہی اور یہ روایت لسان المیزان ابن حجر
اور کتب دارقطنی میں بطریق متعددہ لکھی ہوئی ہی سو حضرت علیؑ بموجب آیت واولوا الارحام بعضہم اولی ببعض قرابت کی جہت سے اور کثرت علم کی جہت سے کہ جسکا بیان ہوچکا اور
سابقۂ اسلام کی جہت سے حقدار خلافت کے تھے اور اسی سبب سے حضرت نے خم غدیر پر حضرت علی کو خلیفہ اور جانشین اپنا کیا تھا کہ بدلائل کثیرہ خلیفہ ہونا اُنکا ثابت ہے اور ابوبکر کو نہ قرابت
حضرت کی حاصل تھی نہ کچھ علم تھا اور اسواسطے اُسکو خلیفہ اپنا نہ کیا یہ کون کہتا ہی کہ اپنے بعد ہی علیؑ کو خلیفہ کردینا تھا وہ کون تھے خلیفہ کرنیلے کہ خود اُنکی ہی خلافت صحیح نہ تھی
اور عمر کے لئے وصیت اسواسطے کی کہ عمر نے اُنکو خلیفہ کیا تھا اور بعد رسولخدا کے دونو کا یہی مشورہ ہو گیا تھا کہ اب تو ابوبکر خلیفہ ہو اور بعد اپنے ابوبکر عمر کو خلیفہ کرے اور اگر عمر کی اعانت اور
کمک ابوبکر کی خلافت کے واسطے نہوتی تو خلافت ابوبکر کی ہرگز نہ جمتی یہ تو عمر ہی نے دھول دھپا کرکے اور فاطمہ زہرا کے گھر کے جلانے کا ارادہ کرکے اور بعضے بعضے اصحاب کو مثل سعد وغیرہ
کے ذلیل کرکے خلافت کو ابوبکر کی مستحکم کیا اس احسان کی عوض میں ابوبکر نے عمر کو خلیفہ کیا باوجودیکہ کوئی شخص عمر کی خلافت سے راضی نتھا چنانچہ ولی اللہ محدث پدر مولوی عبد العزیز صاحب نے
ازالۃ الخفاء میں ترمذی اور مستدرک سے روایت کی ہی کہ ان ابا بکر لما حضرہ الموت ارسل الی عمر یستخلفہ فقال الناس تستخلف علینا فظا غلیظا ولو قد ولینا کان
افظ و اغلظ فما تقول لربک اذا لقیتہ وقد استخلفت علینا عمر یعنی تحقیق ابوبکر کو جسوقت حاضر ہوئی موت کہ وقت مرنیکا قریب پہنچا تو کسیکو عمر کے پاس بھیجا تاکہ خلیفہ کرے اُسکو
اپنے پاس بلاکر پس کہا آدمیوں نے کہ کیا خلیفہ کرتا ہی تو ہمپر تندخو اور بدمزاج کو اور اگر خلیفہ کریگا تو ہمپر تو ہو جاویگا وہ زیادہ تندخو اور بدمزاج پس کیا کہیگا تو جواب میں پروردگار اپنے
کے جسوقت ملاقات کریگا تو اُس سے اور حال یہ ہی کہ تحقیق خلیفہ کیا ہی تونے ہمپر عمر کو اور ریاض النضرہ میں لکھا ہی کہ ان جماعۃ من الصحابۃ دخلوا علی ابی بکر لما عزم علی استخلاف عمر
فقال لہ القائل منہم ما انت قائل لربک اذا سالک عن استخلاف عمر علینا و تری غلظتہ یعنی تحقیق کہ ایک جماعت صحابہ کی داخل ہوئی ابوبکر پر یعنی ابوبکر کے پاس
جسوقت کہ قصد کیا ابوبکر نے اوپر خلیفہ کرنے عمر کے پس کہا ابوبکر سے ایک کہنے والے نے اُس جماعت صحابہ میں سے کہ کیا ہی تو کہنے والا اپنے پروردگار کو جسوقت پوچھیگا تجھ سے خلافت کرنے
عمر کے سے ہمپر اور حال یہ ہی کہ تحقیق دیکھتا ہی تو بدمزاجی اور سختی اُسکی اور تاریخ خمیس میں تو لکھا ہی کہ وہ کہنے والا جسنے ابوبکر کو کہا تھا کہ تو کیا کہیگا جواب میں پروردگار اپنے کو طلحہ اور زبیر تھے
اور کنز العمال میں لکھا ہی کہ وہ حضرت علی اور طلحہ تھے لیکن ابوبکر نے کہنا صحابہ کا نہ منظور کیا اور باوجود عدم رضا صحابہ کے عمر کو خلیفہ کیا موافق وعدہ کے کہ جو اُن دونوں میں قرار پایا تھا کہ تو مجھ
کو خلیفہ کریگا تو میں تجھ کو خلیفہ کرونگا اور استحقاق حضرت علیؑ کا محض قرابت کی جہت سے نہیں ہے بلکہ قرابت اور علم اور سابقیت اسلام اور شجاعت اور سخاوت وغیرہ جمیع فضائل کی جہت
سے ہی اور خلافت ابوبکر کی مثل سلاطین دنیا کی تھی اور موافق مذہب اہل سنت کے خلافت ارکان دین میں سے بھی نہیں اسواسطے کہ خدا تعالی فرماتا ہی کہ الیوم اکملت لکم دینکم یعنی آج
کے دن کامل کیا میں نے دین تمہارے کو سو اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر خلافت دین میں داخل ہی تو بتلاؤ کہ جناب رسولخدا صلعم نے کس کو خلیفہ کیا تھا بحکم خدا جس سے دین کامل ہوا اور اگر کسی کو خلیفہ

نہیں کیا تو دین ناقص رہا۔ کہ خلافت دین میں سے تھی اور ظہور میں آئی کہ کوئی خلیفہ ہو جاتا اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے اور خدا فرماتا ہے کہ ہمنے دین کو کامل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خلافت دین میں داخل نہیں ہے اور خلافت ابوبکر کی بھی ایسی ہی ہے کہ دین میں داخل نہیں ہے اور لوگوں کو متفق کر کے بادشاہ بنگئے جیسے کہ شاہان دنیا کا دستور ہے اور رسولخدا صلعم نے خلیفہ انکو نہیں کیا ہے کہ انکے خلیفہ ہونے لیکن موافق مذہب شیعوں کے خلافت دین میں داخل ہے کہ زندگی ہی میں جناب رسولخدا نے خلیفہ علی کو کیا تھا اور خلیفہ کرنے کی بعد ہی آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ نازل ہوئی اور خلفا علما اور خلفاء فقرا پر بھی قیاس حضرت علیؑ ہی کا ہو سکتا ہے نہ ابوبکر کا کہ ابوبکر کو علم اور فقر تھا اور علی ہی جامع جمیع فضائل اور کمالات کے تھے اور قرابت بھی حضرت سے رکھتے تھے اور خیبر کا کام حضرت علی ہی دے سکتے تھے نہ ابوبکر اسواسطے کہ کام خیبر کا ہدایت تھی اور وہ موقوف تھی علم اور شجاعت پر اور یہ دونو امر علی ہی میں تھے نہ ابوبکر میں کہ جسکو سب مسلمان جانتے ہیں بلکہ ابوبکر سے تو سوای علیؑ کے اور بہت صحابہ زیادہ علم اور شجاعت رکھتے تھے **قال الشیخ الاشعری** جب حضرت صدیق اکبر کی فضیلت مابعد انبیا کی سب پر ثابت ہو گئی تو پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق کے ہونے کی کیا معنی ہاں یہ مسلم کہ خلافت کی لیاقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رکھتے تھے لیکن افضل پھر افضل ہے باقی رہا دبا بیٹھنا کیا ہم پوچھتے ہیں کہ جب سب میں زیادہ استحقاق خلافت حضرت ابوبکر صدیق ہی میں ہوا تو خلافت کو اگر دبا ہی لیا تو کیا بیجا کیا اپنا حق تھا دوسروں کا حق چھینتے تو جای گرفت بھی تھی معہذا واقفان فن سیر جنکو حضرت صدیق اکبر کے خلیفہ ہونے کی قصہ کی خبر ہے خود جانتے ہیں کہ انہوں نے خلافت دبائی تھی یا بجبر واکراہ انکو سر دھرنی پڑی باقی رہا حضرت عمر کا خلیفہ کر دینا اسکا جواب بھی یہی ہے کہ خلافت میں قرابت کو مداخلت نہیں ورنہ حضرت فاطمہ زہرا اور حسنین رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مقدم تھے رہا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا عورت ہونا اور علی ہذا القیاس حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کا لڑکا ہونا موافق آئین سلطنت کچھ مانع جانشینی حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھا سلطنت میں بوقت ضرورت اکثر عورتوں اور لڑکوں کو قائم مقام کر دیتے ہیں گو اور ہی نگران حال رہے القصہ اگر حال نبوت مثل حال سلطنت بنا ہے اور قرابت باعث ترجیح ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر بھی مستحق نہ تھے نہ وقت وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکا حق تھا نہ اپنی خلافت کے وقت اسوقت حق تھا تو حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کا تھا اور اگر حال نبوت مثل حال سلطنت نہیں اور قرابت کو اسمیں کچھ دخل نہیں بلکہ افضلیت باعث تقدیم ہونی چاہئے تو پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کو خلیفہ کر دیا تو کیا بیجا کیا کسی اپنے کو کر دیتے یا حضرت عمر انکے نزدیک اوروں سے افضل نہوتے تو البتہ جای اعتراض تھی معہذا کلام اللہ سے بھی یہی نکلتا ہے کہ جو کچھ ہوا بجا ہوا اور یہی عین صواب تھا اگر یقین نہو تو یہ آیت چہارم موجود ہے **اقول** ابوبکر کی فضیلت کسی کے نزدیک ثابت نہیں ہے اور جناب رسولخدا صلعم ہمراہ غار میں ہونے کو جو تم نے فضیلت قرار دیا ہے اسکو ہم باطل کر آئے ہیں کہ وہ فضیلت نتھی بلکہ جو کچھ ابوبکر سے غار میں عمل میں آیا ہے وہ عقلا کے نزدیک عیب کی بات تھی اور حضرت علی مرتضیٰ کے حق کے ہونے کو ابھی ہم ثابت کر چکے ہیں اس سے پہلے قول میں جا دیکھئے کہ حق علی کا ثابت ہے یا نہیں اور افضل تو وہ ہے کہ جو خدا اور رسول خدا کے نزدیک افضل ہو اور قرآن اور حدیث سے افضلیت اسکی ثابت ہو۔ اگر کوئی کسی جاہل دبنگ بد دل کو تمام دنیا کے آدمیوں پر بوجہ معقول فضیلت دی تو اسکی زبان کس نے پکڑی ہے اور ابوبکر کی فضیلت کوئی ثابت نہیں ہے اور اولی تو اہل سنت کے نزدیک افضلیت شرط خلافت کی نہیں ہے اور اگر تیری نزدیک باعث خلافت افضلیت ہے تو چاہئے کہ جنکو ابن حجر خلیفہ حق و امام صدق صواعق محرقہ میں اور پیر دستگیر غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں وہ بھی افضل الناس ہونگے اور انہوں نے اپنے فرزند امجد یزید کو جو خلیفہ کیا ہے چاہئے کہ ابوبکر نے عمر کو تو وہ بھی خلیفہ حق اور امام صدق اور افضل الناس ہونگے اور اگر یزید کی خلافت حق نہو تو عمر کی خلافت بھی حق نہو کہ دونو خلافتیں یکساں ہیں اور امام فسق کے اختیار کرنے سے امامت سے معزول نہیں ہو سکتا ہے چنانچہ شرح عقائد نسفی میں ہے کہ ولا ینعزل الامام بالفسق اور امام غزالی اور ملا علی قاری نے یزید کو مومنین میں سے لکھا ہے اور حال یہ ہے کہ جناب رسولخدا صلعم نے ابوسفیان اور معاویہ اور یزید تینوں پر لعنت کی ہے چنانچہ زمخشری نے ربیع الابرار میں لکھا ہے انہ رای رسول اللہ صلعم اباسفیان مقبلا علی حمار و معاویۃ یقوده و یزید یسوقہ فقال صلعم لعن الراکب والقائد والسائق یعنی تحقیق دیکھا رسولخدا صلعم نے ابوسفیان کو آتے ہوا گدھے پر اور ہمراہ اسکے بیٹا اسکا معاویہ تھا کہ کھینچتا تھا اسکو اور یزید ہانکتا تھا اسکو پس کہا رسولخدا صلعم نے کہ لعنت کی ہے خدا نے سوار کو اور کھینچنے والے کو اور ہانکنے والے کو اور امام فخر الدین رازی نے کتاب محصول میں باب جرح اور تعدیل میں لکھا ہے کہ معاویہ نے حضرت امام حسن کو طلب کیا اپنی مجلس میں اور جسوقت وہ حضرت آئے تو ابوالعاص نے حضرت علی کا ذکر شروع کیا کہ علی ابوبکر کو گالیاں دیتا تھا اور جسوقت نوبت امام حسن کی پہنچی تو فرمایا کہ اے معاویہ تجھ کو یاد ہے کہ ایک روز باپ تیرا خچر پر سوار تھا اور تو اسکو کھینچتا تھا اور یزید اسکو ہانکتا تھا اور رسول خدا صلعم نے تم تینوں پر لعنت کی ہے پس جسوقت تمہارے نزدیک ملعونان خدا و رسول افضل اور خلیفہ حق اور امام صدق ٹھیرے تو ابوبکر بھی ہی اور ابوبکر میں اور انمیں کیا فرق ہے خلافت کے باب میں نہ کچھ معاویہ اور یزید کے واسطے استحقاق خلافت تھا نہ ابوبکر کے واسطے اپنی بانہہ بازو کے اور قہر کے وسیلہ سے خلیفہ بلکہ بادشاہ بن بیٹھے اور حقداروں کا حق غصب کیا اور ابوبکر میں استحقاق خلافت کا کسی جہت سے نہ تھا اور کوئی فضیلت ابوبکر میں خلیفہ ہونے کی نتھی نہ علم نہ شجاعت نہ قرابت اور پھر جو وہ عمر کی

کمک سے خلیفہ بن بیٹھے بدون استحقاق کے اور دوسروں کا حق چھین لیا تو اسواسطے کہتے ہیں کہ بلاوجہ خلافت کو دبا بیٹھے اور انکا حق کیونکر تھا کہ جو وہ حقدار ہوتے انکا حق تو کسی طرح
تھا اور کتب تواریخ سے بیشک یہی ثابت ہوتا ہے کہ خلافت انہوں نے خود دبائی اسواسطے کہ انہوں نے خلافت کے دبانے میں نہایت سعی کی کہ بڑا موقع پایا اور دیکھا کہ اسوقت جناب رسولخدا
صلعم نے وفات پائی ہے اور حضرت علی اور انکی اہل بیت اسوقت کمال رنج والم میں اور حضرت کے غسل وکفن میں مشغول ہیں ایسے وقت میں ابوبکر عمر وغیرہ اپنے پیغمبر کی لاش
کو بے غسل وکفن ڈالکر کہ اگر کوئی دشمن مرتا ہے تو پھر کچھ نہ کچھ درد اور افسوس ہوتا ہے لیکن ان لوگوں کو کچھ رنج پیغمبر کے مرنیکا نہوا بلکہ خلافت کے دبانے کی خوشی میں پیغمبر کی لاش کو
بے غسل ڈالکر چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎ چوں صحابہ جاہِ دنیا خواستند ٭ مصطفےٰ را بے کفن بگذاشتند ٭ سقیفہ بنی ساعدہ میں جا پہنچے اور ایک حدیث نامعقول الائمۃ من قریش پیدا کرکے
انصار پر غلبہ ڈھونڈا اور عمر کہ پہلے سے اُنسے ملی بھگت ہو رہی تھی اُنہوں نے پہلے سب سے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور ابوعبیدہ کہ وہ بھی انکا رازدار تھا اور بہت خلوص اُنسے رکھتا تھا
اُس سے بیعت کروائی اور پھر اپنے ہمجنسوں سے جو کہ دشمنانِ علیؑ تھے اُنسے بیعت کرائی اور جب قوت بہم پہنچی تو کسی سے ترغیب سے اور کسی سے ترہیب سے بیعت لی اور باقی عوام لوگ جو
کچھ نہیں سمجھتے ہیں اُنہوں نے جدھر کو کثرت دیکھی بیوجہ اُدھر کو ہوگئے اور تمام بنی ہاشم اور اصحاب خاص مثل سلمان ابوذر عمار وغیرہ کے یہ حضرت علیؑ کے ہمراہ خانۂ فاطمہ زہرا میں
مجتمع تھے اور خلافت ابوبکر سے کنارہ اور منکر تھے ابوبکر نے عمر کو حکم دیا وہ واسطے جلانے گھر فاطمہ کے مع ان آدمیوں کے جو اُس گھر میں تھے مثل علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنینؑ
اور عباسؓ وغیرہ کے آگ اور لکڑیاں لیکر گئے اور دروازہ فاطمہ زہرا کا توڑا اور لوگوں کی بےعزتی کی سعد عبادہ وغیرہ کی اور زبیر کی تلوار توڑی اور فاطمہ زہرا کے گھر میں سے
لوگوں کو پکڑ لائے اور زبردستی جبراً اور قہراً اُنسے بیعت لی اور یہ سب اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے اور پھر لکھتا ہے یہ شیخ نجدی کہ بجبر و قہر اُنکو سر دھرنی پڑی اور
جو کچھ کہ تعدی اور ظلم انکا اس روز بنسبت صحابہ کے ظہور میں آیا ہے انکی تواریخ میں موجود ہے جن تواریخ کے کہ علماء اہل سنت لکھنے والے ہیں یہ وجیزہ گنجائش تفصیل
رکھتا ہے ورنہ میں سب زیادتیاں اور تعدیاں انکی لکھتا اور عمر کو جو خلیفہ کیا تو ان مواثیق اور عہود کی رعایت سے کہ جو آپس میں ٹھیری تھی کہ تو مجھ کو خلیفہ کروائیگا تو میں بعد اپنے
تجھ کو خلیفہ کرونگا اور عمر میں فضیلت کونسی تھی جسکے سبب سے ابوبکر انکو خلیفہ کرتے صحابہ تو عمر کے خلیفہ کرنے سے بہت ناخوش اور ناراض تھے اور کہتے تھے ابوبکر سے کہ تو اپنے پروردگار کو
کیا جواب دیگا اگر عمر کو تو ہمپر خلیفہ کریگا چنانچہ پہلے اس سے ہم ابھی لکھ چکے ہیں اور اگر ان دونوں کی ملی بھگت نہوتی تو ابوبکر عمر کو کاہیکو خلیفہ کرتا اور اگر ملی بھگت نہوتی تو عمر کو
کیا غرض تھی کہ ابوبکر کے کہنے سے فاطمہ زہرا کا گھر جلانے کو جاتا آگ اور لکڑیاں لیکر اور کیوں جناب رسولخدا صلعم کو وصیت کے لکھنے سے مانع ہوتا اور قرابت محض کی جہت سے
ہم استحقاق حضرت علی کا نہیں کہتے ہیں بلکہ اُسکے ہمراہ اور وجوہ اور فضائل علیؑ میں تھے جنکی سبب سے ہم مستحق خلافت ہونا انکا بیان کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک تو ثابت ہے کہ جناب
رسولخدا صلعم اپنی زندگی میں علی کو خلیفہ کر گئے تھے اور استحقاق اُنکے ہی واسطے رسولخدا کی زندگی میں بھی اور بعد آن حضرت کے بھی کہ رسولخدا صلعم سے انکو علم پہنچا تھا
سینہ بسینہ جسکا ذکر اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہے اور اُنسے حسنینؑ کو ایک کے بعد دوسرے کو علیؑ کی ہوتی وہ کیونکر خلیفہ ہو سکتے تھے اور رسولخدا نے فرمایا ہے کہ وابوہما
افضل منہما اور عورت کا بادشاہ ہونا بعید نہیں لیکن فاطمہ زہرا کی شان کی مناسب تھا کہ وہ ایک گوشہ نشین صابرہ تارک الدنیا اور ایک صابر تارک الدنیا کی دختر تھی کہ
جسکے گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا البتہ حضرت عائشہ کو تمنا سلطنت کی تھی کہ حکم خدا پس پشت ڈالکر طلب سلطنت میں بصرہ کو روانہ ہوئیں اور چاہا کہ حضرت علیؑ سے جنگ کرکے
سلطنت کو چھین لوں اور انکی بد دعا الٰہی قدر نے تو حضرت علیؑ کو سر ہی سے خلیفہ نہیں ہونے دیا تھا اور خود انہوں نے چاہا کہ بنی بنائی خلافت کو علیؑ سے چھین کر ملکہ معظمہ بن
بیٹھوں اور اپنے باپ کا نام روشن کروں لیکن تقدیر نے یاری نہ کی اور ہم پہلے اس سے ذکر کر چکے کہ موافق حکم آیت وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ کے قرابت کو بھی
دخل ہے اور علم اور شجاعت وغیرہ سب اوصاف حمیدہ چاہئیں جن سے افضلیت ثابت ہو قرابت مجرد کو ہم نہیں کہتے اور افضلیت اگر تھی تو حضرت علی میں تھی کہ انمیں
سب فضائل موجود تھے اور ابوبکر میں ایک فضیلت بھی نہ تھی تقدیم کی اور ابوبکر نزدیک خدا کے اور رسولخدا کے خود تو خلیفہ تھے ہی نہیں انکے خلیفہ کرنے سے عمر کیسے خلیفہ
ہوجاتے اور خدا اور رسول خدا کی نزدیک ابوبکر خلیفہ اسواسطے نتھے کہ رسول خدا نے انکو خلیفہ نہیں کیا تھا لوگوں نے کیا تھا بلکہ عمر تنہا ہی نے کیا تھا کہ پہلے سب سے بیعت کرکے
کہا کہ ہم تو اسکو کرتے ہیں اور لوگوں کے خلیفہ کرنے سے پیغمبر خدا کا خلیفہ کیونکر ہو سکتا ہے اور اگر لوگوں ہی کے کرنے پر موقوف ہے تو ابھی چند آدمی متفق ہوکر خلیفہ کر دیں کسیکو
اور کہدیں کہ یہ خلیفہ پیغمبر کا ہے اور ابوبکر نے جو عمر کو خلیفہ کیا تو بہت بیجا کیا اسواسطے کہ اصحاب رسول مقبول انکی خلافت سے راضی نہ تھے چنانچہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے اور
کسی اپنے کو خلیفہ کیونکر کرتے کہ عمر سے تو ایک عرصہ سے پیمان ہو رہا تھا کہ اگر تو مجھے خلیفہ کریگا تو میں تجھ کو خلیفہ کرونگا اور عمر کی کونسی فضیلت کا ذکر کیا تھا ابوبکر نے جسکے سبب سے
خلیفہ کیا بڑی صفت انکی یہی کہ وہ فظ غلیظ تھے اور اسی جہت سے اصحاب رسولخدا انکا خلیفہ ہونا نہیں چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر اسکو تو خلیفہ کریگا تو یہ اور زیادہ بدمزاج
اور تندخو ہوجائیگا اور اگر تو اسکو خلیفہ کریگا تو اپنے پروردگار کو تو کیا جواب دیگا اور لوگوں کا کہنا ابوبکر نے کچھ نہ سنا اور عمر کو خلیفہ کردیا ان مواثیق اور عہود کی جہت سے اور فضیلت عمر

میں کونسی بُری تھی اور کلام اللہ میں ہرگز یہ نہیں ہے کہ جو کچھ ہوا اچھا ہوا اور عین صواب تھا اور آیت چہارم جو لکھی ہے بعد اسکے اُس سے ہرگز خلافت ثلاثہ کی ثابت نہیں ہے چنانچہ معلوم ہوگا **قال الشیخ الاشعری** چوتھی آیت وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون یعنی وعدہ دیا ہے اللہ نے بعضے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور اچھے اچھے عمل کئے اسبات کا کہ انکو زمین کا خلیفہ اور بادشاہ بنا دیگا جیسا اُنسے پہلوں کو اور اُنکے لئے اُس دین کو جو اُنکے لئے اللہ تعالے نے چھانٹ رکھا ہے اور پسند کر رکھا ہے خوب جما دیگا اور انکو بعد اسکے کہ اندیشہ اور خوف رہا کرتا تھا امن دیگا کہ وہ بے بہری ہی عبادت کیا کرینگے اور کسیکو ذرہ برابر عبادت میں شریک نکرینگے اور جو لوگ بعد اس نعمت کے کفران نعمت کریں اور ناشکری کریں وہی ہیں اصلی فاسق طاعت سے نکلے ہوئے اس آیت کا حاصل یہ ہوا جو کلام اللہ کو سمجھتے ہیں وہ تو سمجھتے ہیں اور جو نہیں سمجھتے وہ ترجموں سے مطابق کر دیکھیں آجکل سیکنوں ترجمے کے کلام اللہ ملتے ہیں کچھ کمی نہیں اب میری سنئے یہ وعدہ ہر کسی سے نہیں ہوا اُس زمانہ کے مومنوں بعضے صحابہ سے ہوا ہے کیونکہ الذین آمنوا کے بعد منکم بھی بڑھایا ہے اسکا حاصل یہی ہوا کہ یہ وعدہ اُنہیں سے ہے کہ جو تمہاری زمانہ میں مومن ہیں پہلوں کو اس لفظ کے ذکر کرنے سے اس وعدہ سے علیحدہ کر دیا ہے تو اب حضرت امام مہدیؑ کا تسلط روئے زمین پر اس وعدہ سے علیحدہ ہے اور پھر تسپر یہ وعدہ بھی اُس زمانہ کے تمام مومنوں سے نہیں ہوا بلکہ بعضے سے چنانچہ لفظ من جو منکم میں ہے اُسکا حاصل یہی ہے بلکہ لفظ من ضمیر کے اُوپر داخل ہوگا اُسکا یہی مطلب ہوگا یا ابتدا کے معنی ہونگے سو اس جگہ ابتدا کے معنی کسیکے نزدیک بن ہی نہیں سکتے تو بیشک بعضے ہی کے معنی ہونگے کیونکہ بیان کے لئے تو فصحا کے کلام میں ضمیر پر آتا ہی نہیں **اقول** یہ شیخ نجدی اس آیت کے معنی ہی نہیں سمجھا اور اگر سمجھتا تو بعضے اُن لوگوں میں سے منکم کا ترجمہ نکرتا اور خلافت مصطلحہ جو کہ نیابت پیغمبر ہے مراد نہ لیتا اور وعدہ تو سب مومنین صالحین سے ہے چاہئے کہ سبھی بادشاہ ہو جائیں خصوصیت کسی کی کیا ہے اور اگر کسی اور نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے تو بڑی غلطی کی ہے چنانچہ معلوم ہوگا اور معلوم نہیں یہ لفظ سیکنوں کس زبان کا ہے نہ ہندی نہ فارسی نہ ترکی ہے خاص گھڑت یہ مرد ترکی کا اور وعدہ میں تخصیص بھی اُن مومنین کی نہیں ہے جو کہ اس زمانہ میں موجود تھے اسواسطے کہ اکثر احکام ایسے ہیں کہ خطاب تو اُنہیں مومنین موجودین کی طرف ہے اور مراد جمیع مومنین ہیں قیامت تک اور اگر جمیع مومنین مراد نہوں تو وہ احکام اُن لوگوں ہی کے واسطے ہوں جو کہ اُس زمانہ میں موجود تھے اور جو مومنین کہ بعد انکے ہوئے ہیں وہ اُن احکام سے خارج ہوں اور صلوۃ وصوم وزکوۃ کچھ اُنپر واجب نہو اور خدا تعالے اُس زمانہ کے حاضرین کی طرف خطاب کر کے فرماتا ہے کہ وَمَن یَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِینِهِ فَیَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِیهَا خَالِدُونَ پس چاہئے کہ جو لوگ کہ بعد انکے ہونگے اگر وہ مرتد ہو جائیں تو وہ مومن کے مومن ہی رہیں اسواسطے کہ خطاب تو اُن لوگوں کی طرف ہے کہ جو وقت نزول آیت کے موجود تھے اور جو کہ بعد انکے ہونگے اُنکی طرف خطاب نہیں ہے اور یہ کہ حقیقت میں زمانہ رجعت کا ہے کہ اُسوقت ائمہ معصومین علیہم السلام کو تسلط فی الارض حاصل ہوگا اور جملہ مخاطبین میں سے جناب رسولخدا صلعم اور حضرت امیر اور حضرت حسنین علیہم السلام وقت نزول آیت کے موجود تھے اور یہی صورت خطاب کی ہے کہ بعضے مخاطبین موجود ہوں جیسا کہ اصول فقہ میں مقرر ہوا ہے اور یہی حال کل خطابات قرآنیہ کا ہے اور سوائے زمانہ امام مہدیؑ کے اس آیت کا مصداق پایا نہیں جاتا اور انکے زمانہ کے سوا اور کوئی زمانہ ہو ہی نہیں سکتا اسواسطے کہ اس آیت میں خطاب جمیع مومنین کی طرف ہے جو کہ اُس زمانہ میں تھے اور من کا لفظ منکم میں واسطے بیان کے ہے چنانچہ کشاف اور بیضاوی وغیرہ میں لکھا ہے پس غلبہ سے مراد اگر غلبہ فی الجملہ ہے کہ بعضے جگہ ہوا اور بعضی جگہ نہو تو وہ تو زمانہ رسولخدا صلعم میں بھی حاصل تھا اور صاحب بیضاوی آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت صلعم کے زمانہ میں غلبہ ہوگیا تھا پس ثلاثہ کا زمانہ خارج ہوا کہ انکا زمانہ اس سے مراد ہوگا اور ترقی تو روز بروز ہوتی ہی رہتی تھی معاویہ کے زمانہ میں اس سے زیادہ ترقی ہوگئی تھی اور عبدالملک کے زمانہ میں اور زیادہ ترقی تھی اور یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا کی کہنے سے رسولخدا صلعم کا زمانہ اور ثلاثہ کا زمانہ اور انکے بعد معاویہ وغیرہ کا زمانہ سب خارج ہوگئے اسواسطے کہ انکے زمانوں میں شرک موقوف نہیں ہوا تھا چنانچہ اب تک شرک چلا آتا ہے اور نہ خوف سب جگہ سے موقوف ہوا تھا اور بعضی جگہ کا خوف اور شرک مراد ہو تو یہ ہو نہیں سکتا اسواسطے کہ یہ سورہ مدنی ہے اور یہ آیت بھی مدنی ہے اور جسوقت یہ آیت نازل ہوئی تھی تو اُسوقت مدینہ میں شرک تھا اور نہ خوف تھا اور اگر کوئی مشرک اُسوقت تھا تو مغلوب و دبا ہوا تھا پھر وعدہ کرنے سے کیا حاصل ہے کہ بعضی جگہ تو اُسوقت بھی شرک اور خوف نہ تھا اور بعضی جگہ شرک ہوا اور بعضی جگہ نہوا تو آجتک موجود ہے کہ بالکل کبھی موقوف ہی نہیں ہوا پس معلوم ہوا کہ مراد دفع ہونے شرک ہی کل زمین سے شرک کے دفع کرنیکا وعدہ ہے۔ اور یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا کے کہنے سے ایک اور وجہ سے بھی زمانہ رسولخدا صلعم کا اور انکے بعد کا نکل گیا اسواسطے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب وعدہ کو تمام کرینگے تو اُسوقت وہ سوائے میری کسیکی عبادت نکرینگے اور عبادت میں تو مومنین قبل نزول اس آیت کے خدا ہی کی کرتے تھے کسی غیر کی نہ کرتے تھے اور نہ شرک کرتے تھے لیکن کل آدمی خدا کی عبادت نہ کرتے تھے اور نہ سب نے شرک کو چھوڑا تھا پس معلوم ہوا کہ مراد یہ ہے کہ کوئی آدمی اُسوقت سوائے خدا کے کسیکی عبادت نکریگا اور نہ کوئی شرک کریگا سو یہ حال تو امام مہدیؑ ہی کے زمانہ میں ہوگا کہ نہ کوئی آدمی شرک کریگا اُسوقت اور نہ سوائے خدا کے کسیکی عبادت کریگا اور یہ صورت جناب رسولخدا کے زمانہ سے آجتک ظہور میں نہیں آئی یقین ہے کہ امام مہدیؑ کے زمانہ میں ظہور میں آئے اور یہی مراد ہے اس آیت سے اور لفظ من جو منکم میں ہے تبعیضیہ نہیں ہے بلکہ بیانیہ ہے اور لفظ استخلاف سے مراد معنی اُس کے لغوی ہیں

نہ معنی اصطلاحی کہ جو نیابت پیغمبر ہے اور مراد مومنین سے جمیع مومنین ہیں چنانچہ بیضاوی اور کشاف اور مدارک وغیرہ تفاسیر میں اہل سنت کے لکھا ہے اور عبارت تفسیر بیضاوی کی یہہ ہے وعد الله الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت الخ خطاب للرسول وللامۃ او له ولمن معه ومن للبیان یعنی خطاب ہے واسطے پیغمبر کے اور واسطے اُمت کے یا واسطے پیغمبر کے اور واسطے اُس شخص کے کہ ہمراہ اُس حضرت کے ہے اور لفظ من واسطے بیان کے ہے اور زمخشری نے تفسیر کشاف میں لکھا ہے الخطاب للرسول الله ولمن معه ومنکم للبیان کالتی فی اخر سورۃ الفتح وعدهم الله ان ینصر الاسلام علی الکفر ویورثهم الارض ویجعلهم فیها خلفاء کما فعل ببنی اسرائیل حین اورثهم مصر والشام یعنی خطاب واسطے پیغمبر خدا صلعم کے ہے اور واسطے اُس شخص کے کہ ہمراہ اُس حضرت کے ہے اور منکم واسطے بیان کے ہے مثل اُس من کے کہ آخر سورہ فتح میں آیت وعد الله الذین امنوا منهم الخ میں ہے وعدہ کیا ہے اُن سے خدا نے یہہ کہ نصرت کرے اسلام کو کفر پر اور وارث کرے اُنکو زمین کا اور کردے اُنکو اُس میں جانشینان یعنی مالکان اور صاحب اختیار جیسے کہ کیا بنی اسرائیل کو جسوقت کہ وارث کیا اُنکو مصر اور شام کا بعد ہلاک کرنے قوم جبابرہ کے اور جسوقت کہ خطاب جمیع مومنین کیطرف ہوا اور لفظ من منکم میں واسطے بیان کے ہوا تو معنی استخلاف کے لغوی مراد ہوں گے نہ اصطلاحی اسواسطے کہ سب مومنین خلفاء رسول مقبول نہیں ہو سکتے اور استخلاف سے مراد یہ ہوگی کہ مومنین کو وارث اور مالک عرب کے زمین کا کردیگا جیسا کہ بنی اسرائیل کو مالک ملک مصر اور شام کا کردیا تھا اور ایسا ہی تفسیر مدارک وغیرہ میں ہے اور اسی سے جواب ہوگیا اس شیخ کی سب باتوں کا کہ من واسطے بیان کے ہوا نہ واسطے تبعیض کے اور خطاب طرف جمیع مومنین کے ہوا نہ طرف بعض مومنین کے اور اگر لفظ من کو جو کہ منکم میں ہے تبعیض کے واسطے کہیں تو معنی آیت کے موافق مطلوب کے حاصل نہیں ہوتے اسواسطے کہ اس صورت میں یہ معنی ہونگے کہ بعضے صحابہ مخاطبین مومن صالح ہیں اور بعضی نہیں ہیں اور یا یہہ معنی ہوں گے کہ مومنین صالحین کہ بعض مخاطبین ہیں کل وعدہ کیے گئے خلافت کے ہیں بعضے اُن میں سے وعدہ کیے گئے خلافت کا ہیں اور جس نے من کو تبعیض کے واسطے کہا ہے اُس نے بڑی غلطی کی ہے اور اسیواسطے جو لوگ کہ ماہر فن عربیت ہیں مثل صاحب کشاف اور بیضاوی کے اُنہوں نے من کو منکم میں تبعیض کے واسطے نہیں کہا ہے بلکہ بیان کے واسطے کہا ہے اور اگر تبعیض کیواسطے کہا جا تب بھی مطلب اس شیخ کا حاصل نہیں ہوتا ہے چنانچہ ہم کہہ چکے البتہ اگر لیستخلفهم کی جگہ لیستخلفن منکم یا منهم ہوتا تو موافق مطلوب اس شیخ کے ہوتا اور اب تو کسیطرح سے مطلب اُنکا ثابت نہیں ہے اور ابتدا کے واسطے تو کوئی بھی من کو یہاں نہیں کہتا ہے اور اگر تبعیض کے واسطے لو تو اُس سے مطلب حاصل نہیں ہوتا ہے جیسا کہ ہمنے ذکر کیا اور اس میں بھی اس شیخ نے بڑی غلطی کی ہے کہ جو مولوی عبد العزیز صاحب کی پیروی سے کہتا ہے کہ بیان کے لیے تو من فصحا کے کلام میں ضمیر پر آتا ہی نہیں اور حال یہہ ہے کہ دوسری جگہہ بھی قرآن میں موجود ہے کہ من ضمیر پر آیا ہے اور وہاں بجز معنے بیان کے اور معنے درست ہی نہیں ہو سکتے چنانچہ خدا تعالی فرماتا ہے وعد الله الذین امنوا وعملوا الصلحت منهم مغفرۃ واجرا عظیما اس آیت میں جو من منهم میں ضمیر پر آیا ہے بجز بیان کے معنے اسکے صحیح نہیں ہو سکتے اور زمخشری کہ اُنکا امام ہے فن عربیت میں اُس سے زیادہ کون فصیح ہوگا کہ وہ بیان کے واسطے کہتا ہے **قال الشیخ الاشعری** اور اگر بالفرض بفرض محال یوں ہی کہیں کہ من یہاں بیان کے لیئے ہے اور اسکا ہم ہرگز خیال نکریں کہ کلام الله خدا کی کلام ہے اور وہ بھی معجز نظام کسی ایسے گنوار ہندوستانی کی نہیں کہ ہدایت النحو وغیرہ رسالے عربی زبان کے پڑھ کر عربی کی ٹانگ توڑنے لگے تب بھی شیعوں کو مشکل ہی رہیگی اس صورت میں تمام صحابہ مراد ہونگی حتی کہ خلفاء ثلثہ بھی اس لیئے کہ جب تک تو وہ بھی مسلمان ہی تھے مرتد نہوئے تھے اور اگر وہ منافقین میں سے تھے اور کبھی مسلمان ہوئے ہی نتھے تب بھی وہ داخل ہی رہیں گے جو اُنکے عقیدہ کے موافق بعد وفات رسول الله صلی الله علیه وسلم مرتد ہوئے ہیں اور جو آیات مرتدین کے بیان میں آئی ہیں شیعوں کے نزدیک اُنکے حق میں وارد ہوئی ہیں اس صورت میں اول تو یہہ لازم آئیگا کہ جو مرتد ہوگئے اُن سے اس بات کا وعدہ تھا کہ اُنکے لئے دین پسندیدہ کو جما دینگے وعدہ کرکے خلاف وعدہ کیا کیونکہ اگر خدا دین کو جما دیتا پھر نفس اور شیطان سے کہیں اکھڑ سکتا جو وہ مرتد ہوگئے معہذا اُنکے حال میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ جب اُن سے یہہ وعدہ پورا ہوگا اُسوقت وہ میری ہی عبادت کرینگے یہانتک کہ ذرہ برابر کسیکو میری طاعت میں شریک نکرینگے یا یوں کہئے کہ یہہ بھی ایک وعدہ ہی ہے اخبار نہیں **اقول** یہ قول تو آپکا ایسا ہی کہ جیسے کوئی آسمان کو کہے کہ زمین ہے اور دن کو کہے رات ہے اسواسطے کہ جو کہ ماہر فن عربیت ہیں جیسے کہ زمخشری صاحب کشاف اور مصنف تفسیر بیضاوی کے وہ تو کہیں کہ لفظ من واسطے بیان کی ہے اور تو اُسکو محال بتلائی تیرا کہنا معتبر کیونکر ہو کہ تو ہدایت النحو وغیرہ پڑھ کر عربی میں دم مارنے لگا یا کہنا زمخشری کا معتبر ہو کہ امام فن عربیت ہے اور زبان بھی اُنکی عربی ہے اور یا کہنا مصنف بیضاوی کہ جو ماہر فن عربیت ہے اور دیکھنے کوئی گنوار ہندوستانی مثل تیری دو تین رسالہ نحو کے پڑھ کر یہہ بات نہیں کہتا بلکہ ماہران فن عربیت کہتے ہیں کہ من بیان کے واسطے ہے اور تو کہ فن عربیت سے بالکل اجنبیت رکھتا ہے اُنکے قول کے خلاف کہتا ہے وہ کون دیوانہ ہے کہ تیری کہنے کو پسند کریگا اور اگر من واسطے بیان کے ہو تو اُسکا تو ماحصل ہم پہلے اُس سے بیان کر چکے اور اس صورت میں بھی آیت البتہ جمیع مومنین کو صحابہ اور غیر صحابہ کو سب کو شامل ہوگی جو کہ تا دم واپسین ایمان صحیح پر قایم ہوں اور اگر ایمان پر قایم نہیں رہے ہیں تو اُنکے حق میں یہ آیت نہوگی گو وقت نزول آیت کے ایمان پر قایم ہوے ہوں اسواسطے کہ قرآن شریف میں اکثر آیتیں ایسی ہیں

کہ جن میں مومنین سے وعدہ مغفرت اور جنت کا ہے اور وہ مومنین مرتد ہی ہوگئے ہیں کہ جن کو اہل سنت اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں اور مولوی عبد العزیز صاحب نے کئی فرقوں کا
اور قوموں کا نام لکھا ہے کہ وہ بعد رسول خدا صلعم کے مرتد ہوگئے اور خدا تعالی فرماتا ہے کہ وعد اللہ الذین امنوا و عملوا الصلحت منہم مغفرۃ و اجرا عظیما اور اہل سنت
یہ بھی کہتے ہیں کہ بہت سے مومنین مرتد ہوگئے تھے اور ابو بکر نے ان پر جہاد کیا اب اس شیخ نجدی کے قول کے مطابق ہم بھی کہتے ہیں کہ خدا تعالی نے جو اس آیت مغفرت میں وعدہ بخشش
کا کیا ہے اور حال یہ ہے کہ جن سے وعدہ کیا تھا وہ مرتد ہوگئے اہل سنت کے نزدیک تو اس سے یہ لازم آئیگا کہ جو مرتد ہوگئے اُن سے اس بات کا وعدہ تھا کہ اُنکے واسطے مغفرت اور اجر عظیم
ہوگا وعدہ کر کے خدا نے خلاف وعدہ کیا کیونکہ اگر خدا کو مغفرت ہی منظور تھی تو پھر نفس اور شیطان کو کیا دخل تھا کہ ایمان سے اُبھار سکتے یا نفس و شیطان خدا سے ہی غالب ہے
اور وہ لوگ ایسے ہی تھے کہ خدا کی ہی عبادت کرتے تھے اور کسیکو شریک نہیں کرتے تھے اسواسطے کہ مومن صالح تو میری ہی عبادت کرینگے اور کسیکو میرا شریک نکرینگے اسکے معنی ہی
یہ نہیں سمجھا ہے اسواسطے کہ مراد اُس سے یہ ہے کہ کل آدمی میری ہی عبادت کرینگے اور شریک میرا کسیکو کوئی نکریگا کہ تمام روے زمین پر دین اسلام پھیل جائیگا موافق وعدہ لیظہرہ علی
الدین کلہ کے اور مومن صالح سوائے خدا کے اور کسکی عبادت کرتا ہے اور شریک خدا کا کسکو کرتا ہے وہ تو قبل نزول آیت ہی عبادت خدا ہی کی کرتے تھے کسی غیر کی عبادت
نہیں کرتے تھے پھر وعدہ کس چیز کا کرتا ہے کیا جو چیز کہ حاصل ہے اُسکا وعدہ کرتا ہے سو اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ خدا تعالی نے جو وعدہ کیا ہے دین حمایت کا اُن مومنین سے
کیا ہے کہ جو تا مرگ مومن ہی رہیں اور اگر وقت نزول آیت کے مومن تھے اور پھر مرتد ہوگئے اُن سے وعدہ نہیں اور جن مومنین سے خدا تعالی نے وعدہ کیا ہے اُنکی ہی طرف تو خدا تعالی
خطاب کر کے فرماتا ہے کہ یا ایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ اور دوسری جگہ فرماتا ہے و من یرتدد منکم عن دینہ فیمت و ھو کافر اور تم کہتے ہو کہ ابو بکر نے مرتدوں پر جہاد کیا اور ہمارے نزدیک ابو بکر
خود ہی ایمان صحیح نرکھتے تھے اور اہل سنت کی کتابوں سے ہم ثابت کرتے ہیں اور بعضی مومنین صحابہ کا مرتد ہوجانا خود رسول خدا صلعم نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے چنانچہ کتب
صحاح اہل سنت میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ قیامت کے روز کچھ آدمیوں کو حوض کوثر سے ملائکہ ہانکتے ہوئے دوزخ میں لیجائیں گے میں کہونگا کہ انکو کہاں لئے جاتے ہو
یہ تو میرے اصحاب ہیں اُسوقت ملائکہ میرے جواب میں کہیں گے کہ انک لا تدری ما احدثوا بعدک ولم یزالوا مرتدین علی اعقابہم منذ فارقتہم یعنی تحقیق تو نہیں جانتا ہے کہ جو کچھ احداث کیا ہے انہوں
دین میں بعد تیری اور ہمیشہ مرتد اور پھر جانیوالے رہے ہیں پاشنوں اپنی پر جب سے کہ مفارقت کی ہے تو نے اُنسے اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ ابو بکر کیطرف رسول خدا صلعم نے خطاب
کر کے فرمایا کہ ما ادری ما تحدثون بعدی یعنی نہیں جانتا میں کہ کیا احداث کروگے تم دین میں بعد میرے سو یہ وہی لوگ ہیں کہ جو وقت نزول آیت وعدہ کے ہمراہ رسول خدا صلعم
موجود تھے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تا دم واپسین چاہئے اور اگر بالفرض وقت نزول آیت کے مومن ہوئے تو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہے اگر بعد اُسکے مرتد ہوگئے اور اول تو ہمکو ثلثہ کے ایمان صحیح
میں کلام ہے تم تو یہ جانتے ہیں کہ اُنکا ایمان بھی خالص نتھا بلکہ دنیا کے واسطے تھا چنانچہ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے ستحرصون علی الامارۃ و تکون لکم ندامۃ یعنی قریب ہے کہ حرص
کروگے تم حکومت پر اور ہوگی وہ واسطے تمہاری ندامت انجام کو اور ابو بکر کے حق میں خدا تعالی فرماتا ہے کہ تریدون عرض الدنیا یعنی چاہتے ہو تم مال دنیا کو اور عمر تو ہمیشہ نبوت میں حضرت
کے شک ہی کیا کرتے تھے چنانچہ شیخ شمس الدین قیم کتاب زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں ذکر صلح حدیبیہ میں لکھتے ہیں کہ قال عمر بن الخطاب فو اللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ فاتیت
النبی فقلت یا رسول اللہ الست نبی اللہ حقا قال بلی الحدیث یعنی کہا عمر بن خطاب نے کہ قسم ہے خدا کی نہ شک کیا میں نے جس دن سے کہ اسلام قبول کیا ہے میں نے مگر اُس روز یعنے بروز صلح حدیبیہ کہ آیا
میں پیغمبر خدا کے پاس پس کہا میں نے کہ آپ رسول خدا کیا نہیں ہے تو پیغمبر خدا کا حق فرمایا کہ ہاں میں پیغمبر حق ہوں اور ایسا ہی مفتاح الفتوح میں جو کہ کافل تراجم رجال مصابیح بغوی کے
ہے مرقوم ہے کہ نبوت میں ایسا شک پہلے اُس سے ملنے نہیں کیا تھا جیسا کہ اُس روز کیا اس سے معلوم ہوا کہ شک تو ہمیشہ کرتے تھے لیکن اُس روز کا شک زیادہ تھا اور ابن حجر شرح صحیح
بخاری میں واقدی سے روایت کرتا ہے کہ عمر نے کہا کہ دخلنی امر عظیم یعنی داخل ہوا مجھ میں امر عظیم وہ شک تھا نبوت میں بروز صلح حدیبیہ اور خدا تعالی فرماتا ہے انما المؤمنون الذین امنوا باللہ
و رسولہ ثم لم یرتابوا یعنی سوائے اسکے نہیں کہ مومنین وہ لوگ ہیں کہ ایمان لائے وہ ساتھ خدا کے اور پیغمبر اُسکے کے پھر شک کیا انہوں نے اور عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے
کہ اگر کوئی سوال کرے کہ واقع ہونا اس قسم کے شک کا عمر کے عدم ایمان پر دلالت کرتا ہے تو اُسکے جواب میں ہم کہیں گے کہ احتمال رکھتا ہے کہ عمر اُسوقت مولفۃ القلوب سے ہوں بعد اسکے حسن اسلام
اور رسوخ ایمان کیساتھ متصف ہوں میں کہتا ہوں کہ یہ قصہ صلح حدیبیہ کا بعد ہجرت کے ہے اور نزول آیت استخلاف بھی قبل صلح حدیبیہ کے اور بیعت رضوان بھی صلح حدیبیہ پر مقدم ہے اس صورت میں حضرت
عمر شرف ہجرت سے اور بیعت رضوان سے خارج ہوئے اور آیت استخلاف کے خطاب میں داخل نہو کہ اُسوقت مولفۃ القلوب میں سے تھے اور مولفۃ القلوب
وہ کفار ہیں کہ جنکو مال غنیمت اور زکوۃ میں سے حصہ ملتا ہے اور وہ مسلمانوں کی طرف ہو کر کافروں پر جہاد کرتے ہیں اور یہ جو لکھا ہے کہ اُنکے حال میں یوں ہی بیان فرمایا
ہیں کہ جب آن سے یہ وعدہ پورا ہوگا اُسوقت وہ میری ہی عبادت کرینگے کہتا ہوں میں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ خلفاء ثلثہ وغیرہ ہم اُسوقت میں قبل نزول آیت استخلاف
کے خدا کے غیر کی عبادت کرتے تھے اور مشرک بھی تھے جب ایفاء وعدہ ہوگا تو اُسکو ترک کرینگے اور حال یہ ہے کہ قبل نزول آیت مذکورہ بھی وہ خدا ہی کی عبادت کرتے تھے

اور کسیکو شریک اُسکے نہیں کرتے ہے کیا خدا تعالیٰ اُن سے اس امر کے صادر ہونیکے وقت ایفاء وعدہ کے کہتا ہے کہ جو اُنکو پہلے سے حاصل تھا اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ حکیم مطلق سے یہ بات بہت ابعد ہے پس معلوم ہوا کہ آیت یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا سے مراد یہ ہے کہ کوئی آدمی اُسوقت سوائے میرے کسیکی عبادت نکریگا اور شرک کریگا اور جو کہ مومنین تھے وہ نزول آیت سے پہلے بھی اُسی کی عبادت کرتے تھے اور شرک بھی نہیں کرتے تھے پھر وعدہ کس امر کا ہے کہ وہ تو پہلے ہی سے حاصل تھا **قال الشیخ الاشعری** بہرحال اس صورت میں تم نے اُنکا کہ تا دم واپسیں وہ اسی حال پر تھے جسکے انعام میں یہ وعدہ ہوا تھا یعنی ایمان اور عمل صالح چنانچہ اہل فہم وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے یہی معنی سمجھتے ہیں کہ باعث اس وعدہ کا ایمان اور عمل صالح ہیں پھر معلوم کہ باوجود ان سببوں کے وہ کیونکر مرتد ہوگئے دو حال سے خالی نہیں یا یوں کہو کہ خدا نے خلاف وعدہ کیا یا خدا سے آیندہ کی خبر میں غلطی ہوئی **اقول** جواب اس قول کا پہلا اس سے مفصل بیان ہو چکا ہے اور اس وعدہ سے لازم نہیں آتا کہ وہ لوگ تا دم واپسیں اُسی حال پر رہیں اسواسطے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن میں اکثر آیتوں میں مومنین سے وعدہ مغفرت اور جنت کا کیا ہے لیکن اس سے یہ نہیں لازم آتا ہے کہ وہ ہمیشہ ایمان پر قایم رہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ اگر وہ تا دم واپسیں ایمان پر قایم رہینگے تو اُنکے واسطے یہ فائدہ ہے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ جَزَآؤُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اس آیت میں بھی خدا تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ جو کوئی ایمان لائیگا اور اعمال نیک بجالائیگا تو اُسکے واسطے بہشتیں ہیں اور خدا اُن سے راضی ہے تو اس وعدہ کرنے سے یہ نہیں لازم آتا ہے کہ اگر کوئی چند سال مومن صالح رہے اور بعد اُسکے مرتد ہو جائے تو اُسکے واسطے بھی یہی مرتبہ ہو اور ایسے ہی اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ہے کہ ہمیں کافروں کے واسطے وعدہ دوزخ میں ڈالنیکا ہے چاہیئے کہ کفر کرنیوالے ہمیشہ دوزخ میں رہیں اور کبھی ایمان کو قبول نکریں کہ خدا تعالیٰ نے وعدہ اُنکے دوزخ میں ڈالنے کا کیا ہے اور حال یہ ہے کہ وہی کفار جن سے وعدہ دوزخ میں ڈالنیکا تھا مسلمان ہو کر بہشت میں داخل ہوگئے ہیں سو مراد یہ ہے کہ جو کوئی دم واپسیں مومن رہے اُسکے واسطے وعدہ نجات ہے اور جو کوئی ہمیشہ کافر ہے اُسکے واسطے وعدہ عذاب ہے اور مرتد ہو جانا کچھ دشوار نہیں ہے بلکہ وقوع میں آنیوالا ہے اور اسیواسطے خدا تعالیٰ انہیں مومنین کی طرف جن سے وعدہ ہوا ہے اس آیت میں اور آیت استخلاف میں خطاب کرکے فرماتا ہے کہ وَمَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ اور اگر ان مومنین کا مرتد ہو جانا ممکن نہوتا تو خدا تعالیٰ ایسا کیوں فرماتا اور ہر چند ایمان اور عمل صالح کے انعام میں یہ وعدہ ہے لیکن اُس صورت میں کہ ایمان ہمیشہ کو سلامت رہے اور یہی مراد ہے آیت وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ سے اور مرتد ہوئی وہ اپنی شامت نفس سے اور آیت میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو مانع ہو اُنکے مرتد ہونیکو اور ہم پہلے قول میں مفصل بیان کر چکے ہیں جا دیکھ لے اور وعدہ میں خدا کے خلاف نہیں ہے وعدہ کو اُس نے وفا کیا اور ہم نے فرض کیا کہ خدا تعالیٰ نے مومنین صالحین سے وعدہ تمکین دین کیا تھا اور اُسکو وفا کیا رسولخدا صلعم کے ہی زمانہ میں جسوقت کہ ثلثہ بھی مومنین میں سے تھے لیکن بعد اُسکے ثلثہ ایمان صحیح پر باقی نرہے اور تمکین دین سے مراد اگر فی الجملہ ہے کہ بعض جگہہ ہوا اور بعض جگہہ ہو تو اس صورت میں مراد زمانہ رسولخدا صلعم ہی کا ہوگا نہ ثلثہ کا اسواسطے کہ رسولخدا کے ہی زمانہ میں اُس ملک میں تمکین کامل ہوگئی تھی جیسے کہ تفسیر بیضاوی میں آیہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی تفسیر میں لکھا ہے اور ثلثہ کا زمانہ مراد نہیں ہو سکتا اور اگر اُنکا بھی زمانہ مراد ہو تو معاویہ اور یزید اور عبدالملک وغیرہ کا بھی زمانہ مراد ہو اور خدا تعالیٰ سے غلطی ہرگز نہیں ہوئی ہے اور اُسکو اُسکے مابعد کے سب خبر تھی لیکن اُسکی باخبر ہونے سے ارتداد بعض مومنین کا ممنوع نہیں ہے ہر چند وہ جانتا تھا کہ بعضے ان میں ایسے ہیں کہ وہ مرتد ہو جائینگے لیکن ایمان کی جہت سے اُنسے وعدہ کیا ہے اور ایمان کی جہت سے وعدہ کرنیکو یہ لازم نہیں ہے کہ وہ مرتد نہوں اسواسطے کہ خدا تعالیٰ جن کو جانتا تھا اپنے علم سے کہ یہ مرتد ہو جائیں گے یہ لوگ بھی اُن لوگوں کے زمرہ میں داخل تھے کہ جن سے اکثر وعدہ مغفرت اور جنت کے کئے ہیں سو وعدہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ کبھی مرتد نہوں اور خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا بھی نہیں ہے کہ مرتد کبھی نہوگے **قال الشیخ الاشعری** اور یہ سب منہی الذین اٰمنوا منکم سے وہ چار پانچ صاحب ہی مراد ہیں جو بزعم شیعہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان رہے اور مثل دیگر صحابہ مرتد نہوئے اس صورت میں مِنْ اگر منکم میں بیان کے لئے ہوگا تو بے شک اُن سب کے ساتھ اس وعدہ کا پورا ہونا چاہیئے کیونکہ وہ سب صاحب اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے مسلمان ہوئے تھے حالانکہ اُنمیں سے یہ سب وعدہ سوائے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے اور کسی کے لئے پوری نہیں ہوئی حضرت ابوذر غفاری اور سلمان فارسی اور حضرت بلال بلکہ حسنین رضی اللہ عنہم تک یہ بات نصیب نہیں ہوئی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا حال تو ظاہر ہے اور حضرت امام ہمام سبط اکبر کا حال یہ ہے کہ چھ مہینے کے لئے تو وہ خلیفہ ہوگئے تھے پر چاہیئے اُنکو کسیطرح کی تمکین دین حاصل ہوئی ہو ہرگز ظہور میں نہیں آئی خاصکر شیعوں کے نزدیک کیونکہ امیر معاویہ جو اُنکے نزدیک بالاتفاق کفار اور منکرین امامت ائمہ میں سے ہیں تمام خلافت پر غالب اور مستولی تھے اور پھر امن تو ہرگز میسر ہی نہیں آیا نہیں تو خلافت ہی اُنکے حوالہ کیوں کرتے اور کیوں ساری عمر تقیہ میں گزار دیتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی سنیوں کے نزدیک خلافت اور تمکین کچھ حاصل تھی شیعوں کے نزدیک تو ہرگز حاصل نہیں کیونکہ دین شیعہ اُس زمانہ میں بھی مخفی ہی رہا اور حضرت کو تقیہ ہی کرکے نہی شیخین کی تعریف ہی کیا کئے یہ کبھی نہوا کہ کھل کھیلیں اور بے کھٹکے ہو کر خلوت جلوت میں برابر یکساں گزاریں چنانچہ اسکی سند آگے انشاء اللہ تعالیٰ معلوم

ہوجائیگی اور علی ہذا القیاس امن موعود کفار کے شر سے حضرت امیر کو بھی بطور شیعہ حاصل نہیں ہوا ہے امیر معاویہ ہمیشہ تنگ کرتے رہے اور انکے ہاتھ سے آنحضرت ...

اقول - شیعوں کے نزدیک چار پانچ جو کہ آپنے لکھے ہیں وہ مراد نہیں ہیں بلکہ وہ مومنین مراد ہیں کہ جو زمانہ میں حضرت مہدی علیہ السلام کے ہونگے اور بعضے ائمہ بیت حضرت علی اور حسنین کہ وقت رجعت کے موجود ہوں گے وقت نزول آیہ استخلاف کے بھی تھے اور یہہ ہم نہیں کہتے ہیں کہ بعد رسول خدا کے حضرت علی کے اور حسنین کے اور دیگر ائمہ کے خلافت کے حق میں یہہ آیت نازل ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں انمیں سے کسی کے واسطے بھی تمکین کامل نتھی ذکر انکا اسجگہ عبث کیا ہے اور انکی اولاد کے واسطے بھی مسلمانوں میں سے اجتک تمکین کامل حاصل نہیں ہوئی موافق آیت لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کے اور مراد آیت استخلاف میں مراد ملین سے تمکین کامل ہے کہ تمام روے زمین پر غلبہ اسلام کا ہو اور خوف مسلمانوں کو تمام دنیا میں باقی نرہے اور سوائے خدا کے کوئی کسیکی عبادت نکرے اور نہ کوئی دنیا میں شرک کرے اور وہ آجتک حاصل نہیں ہے اور لَیَسْتَخْلِفَنَّہُمْ فِی الْاَرْضِ سے مراد یہ ہے کہ تمام زمین کے مسلمان وارث ہوں اور بعضے زمین مراد نہیں ہے اسواسطے کہ بعضے زمین پر تو غلبہ مسلمانوں کا وقت نزول آیت استخلاف کے بھی تھا پھر وعدہ کس چیز کا کیا کہ بالکل تحصیل حاصل ہے اور موافق روایت کشاف و بیضاوی کے کہ وہ لفظ من کو جو کہ منکم میں ہے واسطے بیان کے کہتے ہیں اور استخلاف کو معنی لغوی وارث اور مالک ہونیکے معنی میں سوا انکے روایت کے موافق رسول خدا صلعم ہی کے زمانہ میں سب مسلمانوں کو کہ وہ ہزاروں آدمی تھے غلبہ حاصل ہوگیا تھا چنانچہ صاحب بیضاوی نے آیت الیوم اکملت لکم دینکم کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جناب رسول خدا کے زمانہ میں غلبہ حاصل ہوگیا تھا اور جن مومنین کو غلبہ حاصل ہوا تھا ان میں سے حضرت علی اور ابوذر اور سلمان وغیرہ ہزاروں اصحاب بعد بھی تھے جو تونے ابوذر وغیرہ کا اور حسنین کا ذکر کیا ہے کہ یہ انکو بات نصیب نہیں ہوئی اور امام حسن کو چھ مہینے خلافت رہی اور کسیطرح کی تمکین نتھی اور علی کو بھی تمکین حاصل نہیں ہوئی یہہ ذکر کرنا تیرا سب لغو ہے اسواسطے کہ کوئی کہتا ہی نہیں ہے تو استخلاف کے معنی اصطلاحی جو کہ نیابت پیغمبر ہے وہ مراد لیتا ہے اور یہاں اس آیت میں استخلاف لغوی معنی میں ہے نہ اصطلاحی معنی میں اور اہل بیت کے واسطے امن نہونا ابوبکر کے زمانہ سے آخر زمانہ سلاطین جور تک بھی بڑی دلیل ہے آیت استخلاف کی مصداق کے اسباب موجود نہونیکی اور یہ جو لکھتا ہے کہ شیعوں کے نزدیک بعد رسول خدا صلعم کے سب مرتد ہوگئے تھے بالکل غلط ہے اور ہم سوائے چند اشخاص کے سب کو بہت اچھا جانتے ہیں چنانچہ ابن بابویہ علیہ الرحمہ نے کتاب خصال میں لکھا ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے قَالَ کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا ثَمَانِیَۃُ اٰلَافٍ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ وَاَلْفَیْنِ مِنْ غَیْرِ الْمَدِیْنَۃِ وَاَلْفَیْنِ مِنَ الطُّلَقَاءِ لَمْ یُرَ فِیْہِمْ قَدَرِیٌّ وَلَا مُرْجِیٌّ وَلَا حَرُوْرِیٌّ وَلَا مُعْتَزِلِیٌّ وَلَا صَاحِبُ رَاْیٍ کَانُوْا یَبْکُوْنَ اللَّیْلَ وَالنَّہَارَ وَیَقُوْلُوْنَ اقْبِضْ اَرْوَاحَنَا قَبْلَ اَنْ نَاْکُلَ خُبْزَ الْخَمِیْرِ + اور اخوند مجلسی علیہ الرحمہ نے حیات القلوب میں اس روایت کا اسطرح ترجمہ کیا ہے کہ ابن بابویہ بسند معتبر از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوازدہ ہزار نفر بودند ہشت ہزار از مدینہ و دو ہزار نفر از اہل مکہ و دو ہزار نفر رہا کردہ شدہ یکے از ایشاں قدری نبودند کہ بجبر قائل باشند وہیچ مرجی نبودند کہ گویند ایماں ہمہ کس یک قسم است حروری نبودند کہ امیر المومنین صلوات اللہ علیہ وسلامہ علیہ را ناسزا گویند معتزلی نبودند کہ گویند خدا را در عمل بندہ ہیچ دخل نیست ودر دین خدا برای خود سخن نمیگفتند ودر شب وروز گریہ میکردند ومی گفتند خدایا روحہای ما را قبض کن پیش از آنکہ نان بخوریم اور قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ نے مجالس المومنین میں سو آدمیوں کے نام لکھے ہیں مشاہیر اور روسا صحابہ میں سے جو کہ شیعوں کے نزدیک ممدوح اور بہت اچھے ہیں اور سید الساجدین علیہ السلام نے واسطے اصحاب محمد کے دعا پڑھی ہے چنانچہ صحیفہ کاملہ میں لکھی ہے کہ اَللّٰہُمَّ وَاَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ اور یہہ معلوم نہیں ہے کہ اہل سنت ہمیشہ کسواسطے تہمت کرتے ہیں کہ شیعہ سب اصحاب کو برا جانتے ہیں بجز اسکے کہ علماء انکے عام لوگوں کو نفرت دلائیں شیعوں سے اور کوئی وجہ نہیں ہے اور روایت اِنَّ الصَّحَابَۃَ ارْتَدُّوْا بَعْدَ النَّبِیِّ کے یعنی صحابہ مرتد ہوگئے بعد پیغمبر کے سوائے چار یا پانچ آدمیوں کے یہ روایت اول تو صحیح نہیں ہے کہ اسکے مخالف بہت روایتیں ہیں اور یہہ شیعوں کا اعتقاد معلوم کرنا چاہئے کہ اعتقاد وہی انکا موافق اس روایت کے ہے یا نہیں مرجاتا کہ اعتقاد شیعوں کا ایسا ہو اور اہل سنت کی کتابوں میں بھی انکے اعتقاد کے مخالف ایسی روایتیں ہیں کہ اہل سنت ان کو ہزاروں ڈھونڈتے ہیں اور ایک روایت کو جو شیعوں کے اعتقاد کے مخالف انکی کتاب میں ہے اس جہت سے شیعوں پر طعن کرتے ہیں اور دوسری روایتوں پر نظر نہیں کرتے اور اگر صحت اس روایت کی کیجائے تو بھی کچھ قباحت نہیں ہے اسواسطے کہ فاضل توستری علیہ الرحمہ نے اس روایت کے حال میں عربی میں لکھا ہے کہ جسکا ترجمہ یہ ہے کہ مراد الشقی کے جس نے کہ یہہ روایت قیس بن ہلالی سے نقل کی ہے یہ ہے کہ مراد صحابہ سے اسجگہ سوائے قریشیوں کے ہیں اصحاب نبی میں سے اور سوائے ان مشاہیر صحابہ کے جو ہمنے ذکر کئے ہیں کہ خدمت ملازمت میں رسول خدا صلے اللہ علیہ واٰلہ کے رہتے تھے اور سننے والے نص جلی خلافت کی تھی شان میں امیر المومنین علیہ السلام کے نہیں ہے اصحاب چھوٹے اور بڑے اور اسیواسطے نہ ذکر کیا علی کا اور سبطین کا اور جو ان میں سے دوستی بنی ہاشم اور دوستی انکی باوجود اس بات کے ظاہر ہونے کی کہ تحقیق کثیر ان لوگوں کے مرتد ہوجانیکا معتقد نہ تھا پس باقی رہی ایک جماعت کثیرہ کہ جو نہ تھی مشاہیر صحابہ میں سے کہ جو سنتے نص کو وہ سلامت ہیں نسبت ارتداد سے اور اکثر پر امر خلافت مشتبہ تھا اس جہت سے کثرت کو دیکھا مرتدین کے تابعین میں سے

ہو گئی تھی انتہی اور یہ ذکر ارتداد کا اول وہلہ کا ہی بعد رسول خدا صلعم کے اور بعد اس خطا کے جب حال کھل گیا تو جماعت کثیرہ نے رجوع کی طرف حق کی اور حضرت علیؑ کی طرف ہو کر ناکثین اور مارقین و قاسطین سے لڑی کہ وہ عائشہ اور طلحہ اور زبیر مع ہمراہیوں کے اور خوارج اور معاویہ اور تابعین اسکے ہیں چنانچہ رجال امامیہ میں تصریح لکھا ہے کہ اکثر صحابہ کو اول مرتبہ بسبب عارض ہونے بعضے شبہات کے اہل بیت کی طرف سے خلوص اعتقاد میں کچھ سستی ہو گئی تھی اور بعد اسکے بمدد توفیق و عنایت الہی حق کی طرف رجوع کی اور ارتداد بعضے کا موجب ارتداد کلی کا نہیں ہو سکتا ہے اور ارتداد سے مراد معنی اعم اسکے ہیں ارتداد دین سے اور اعمال اور افعال صالحہ سے اور محصل روایت کا یہ ہے کہ بعضے صحابہ نے انکار ضروریات دین کا کر کے دین سے ارتداد حاصل کیا اور بعضوں نے اخلاق حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کو ترک کیا کہ خلوص محبت اہل بیت کہ بموجب آیت قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ اجر رسالت تھا اسکی کچھ رعایت کی اور نیکی اور احسان کرنے سے اہل بیت پر دست بردار ہو کر انکے حقوق کو غصب کیا اور رنجیدہ کرنا خاطر عاطر جناب سیدہ علیہا السلام کا صحاح ستہ سے ثابت ہے اور اس ارتداد کا انکار کرنا کہ جو بمعنی اعم ہے صریح مکابرہ ہے اسواسطے کہ ایسی معنی ارتداد کا واقع ہونا صحابہ سے کچھ امامیہ کی نزدیک نہیں ہے بلکہ ایسے ارتداد کی صحابہ سے واقع ہونے کے علماء اہل سنت بھی قائل ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ يَرِدُ عَلَيَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَهْطٌ مِنْ أَصْحَابِي عَلَى الْحَوْضِ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيَقُولُ إِنَّكَ لَا عِلْمَ لَكَ بِمَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ إِنَّهُمُ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَىٰ حاصل یہ ہے کہ ہانکی جائیگی مجھ سے ایک جماعت ان اصحاب میرے سے حوض کوثر پس کہونگا میں کہ اے پروردگار میرے اصحاب میرے ہیں پس کہیگا خدا تعالیٰ فرشتہ کے واسطے سے کہ تحقیق نہیں علم ہے تجھکو اور نہیں جانتا تو کہ جو کچھ احداث کیا ہے دین میں انہوں نے بعد تیرے کہ تحقیق پھر گئے وہ اپنی ایڑیوں پر اور مرتد ہو گئے اور اس طرح کی حدیثیں صحاح ستہ میں کثرت سے ہیں اور قاضی عیاض اس حدیث کی تاویل میں لکھتے ہیں کہ هُمْ صِنْفَانِ الْمُرْتَدُّونَ عَنِ الِاسْتِقَامَةِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ وَالْمُرْتَدُّونَ مِنَ الدِّينِ یعنی وہ مرتد دو قسم ہیں مرتد اور پھر جانے والے راستی اور درستی سے اور عمل نیک سے اور مرتد اور پھر جانیوالے دین سے اور فیض القدیر میں لکھا ہے کہ قِيلَ هُمْ أَهْلُ الْكَبَائِرِ وَالْبِدَعِ وَالظَّلَمَةُ وَالْمُسْرِفُونَ فِي الْجَوْرِ وَطَمْسِ الْحَقِّ یعنی کہا گیا ہے کہ وہ صاحبان گناہان کبیرہ اور صاحبان بدعت اور ظالم ہیں اور حد سے بڑھنے والے ظلم میں اور مٹانے حق میں سو یہی مراد ارتداد سے ہمارے یہاں ہے اب کیا فرق باقی رہا دونو فرقوں میں اور کفر معاویہ کا ہم اہل سنت کی کتابوں سے ثابت کر سکتے ہیں امام رازی نے کتاب محصول میں اور زمخشری نے ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے ابو سفیان پر اور معاویہ اور یزید تینوں پر لعنت کی ہے اور عبارتیں ان کتابوں کی پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں اور معاویہ جو حضرت علیؑ سے لڑتا تھا تو حضرت علیؑ کے اور علیؑ کے ہمراہیوں کے قتل کو جو کہ مومن تھے حلال جانتا تھا اور مومن کے قتل کا حلال جاننا کفر ہے اور حضرت علیؑ جو اسکی طرف والوں کو قتل کرتے تھے وہ موافق حکم خدا کے تھا اسواسطے کہ اہل سنت کے نزدیک معاویہ باغی تھا اور باغی سے مقابلہ کرنیکا حکم ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ اور رجوع اسنے کبھی کی نہیں ہے بلکہ جبتک وہ زندہ رہا حضرت علیؑ کو گالیاں دیتا رہا اور امام حسنؑ کو زہر دلوا کر مروا ڈالا اور حضرت علیؑ اور حسنینؑ کو تمکین کے حاصل نہ ہونے کا جواب تو پہلے اس سے ہم دے چکے اور اگر اہل سنت کے نزدیک علیؑ کو کچھ تمکین تھی تو ثلاثہ کو بھی کیا تمام روی زمین پر تمکین تھی انکو بھی کچھ ہی تمکین تھی سو وہ بھی تمکین دنیا تھی نہ تمکین دین چنانچہ ہم آیت الیوم اکملت لکم دینکم سے ثابت کر چکے ہیں اور تعریف ثلاثہ کی حضرت علیؑ سے کچھ ایسی نہیں کی ہے کہ جس سے فضیلت دینی انکی ثابت ہو اور حال حضرت علی کا ہمیشہ یکساں رہا نہج البلاغت کے خطبہ شقشقیہ کو دیکھنا چاہئے کہ کیسی مذمت خلفاء ثلاثہ کی اسمیں مندرج ہے اور بعد اسکے ہم اسمیں سے کچھ لکھیں گے بھی اور سوائے اسکے اور خطبوں میں بھی مذمت ہے اور یہ نہج البلاغت وہ ہے کہ جس کے خطبوں کے کلام جناب امیرؑ ہونیکا اقرار علماء اہل سنت نے کیا ہے اور بعد اسکے یہ شیخ نجدی جو کچھ اس مقدمہ میں لکھیگا ہم انکار کرینگے اور کفار کے شر سے تو آجتک مسلمانوں کو امن نہیں ہے حضرت علی کی کیا خصوصیت ہے بڑی بڑی سلطنتیں مسلمانوں میں روم اور توران کی تھیں سو روسیوں نے انکو مغلوب اور تنگ کر رکھا ہے اور معاویہ حضرت علی سے گو مقابلہ اور جنگ کرتا تھا بسبب عداوت قلبی کے لیکن غالب حضرت علی پر کبھی نہیں ہوا **قال الشیخ الاشعری** بہرحال اگر سبب عداوت ہو تو کلام بالکل لغو ہو جائیگا اور اگر من کے بیانیہ ہونے کے ساتھ استخلاف کو بھی بمعنی توطن لیجے جیسا کہ بعض علماء شیعہ نے تاویل کی ہے اور بمعنی تسلط نہ لیجے تو قطع نظر اسکے کہ من کا ضمیر پر بیانیہ ہونا خلاف استعمال عرب ہے اول تو یہ مشکل ہے کہ استخلاف کے ساتھ جب لفظ فی الارض ہوتا ہے تو تسلط ہی کی معنی مراد ہوتے ہیں دوسرے اس صورت میں قید وعملوا الصالحات محض بے معنی ہو جائیگی زمین میں توطن تو صالح اور فاسق کو برابر حاصل ہوتا ہے بلکہ فساق کو بوجہ احسن بلکہ آمنوا کی قید بھی بیکار ہی نظر آتی ہے کیونکہ کفار کی توطن میں کیا کمی ہے القصہ ان لغویات سے کلام اللہ کی تفسیر کی جاتی ہے یہ نہیں جانتے کہ لغو کلام کلام اللہ میں ہونا منجملہ محالات ہے اور بعضے علماء شیعہ بہت کوشش کر کے یہ بات نکالکر لائے ہیں کہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات سے حضرت امیر مراد ہیں اور جمع کا صیغہ تعظیم کے لیے ہے یا حضرت امیر اور انکی اولاد مراد ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ قطع نظر استبعاد کے کہ جمع سے واحد مراد لینا بے ضرورت بیجا ہے اور باوجود اسکے کہ جمع کے معنی بن سکیں واحد کے معنی مراد لینے اہل سخن کی نزدیک بالقطع مخلوع ہے شیعہ اسکا کیا جواب دینگے کہ تمکین دین اور زوال خوف تو کسیکو بھی میسر نہیں آیا اسلئے ضرور ہوا کہ منکم کے من کو

اقول سب سے وعدہ کرنے میں کلام تو نہیں ہے بلکہ بعض سے وعدہ کرنے میں کلام لغو ہوتا ہے اسواسطے کہ کشاف اور بیضاوی میں لکھا ہے کہ من بیان کے واسطے ہے اور خطاب ہے طرف رسول خدا صلعم کے اور امت کے یا ان سب لوگوں کی طرف ہے کہ جو حضرت کے ہمراہ تھے اور استخلاف کے معنی لغوی ہیں وارث اور مالک ہونے کے اور وعدہ سب مومنین سے یہ ہے کہ تمکو وارث اور مالک کریگا زمین کا جیسے کہ پہلے لوگوں کو یعنی بنی اسرائیل کو وارث ملک جبابرہ کا انکے ہلاک ہونے کے بعد سو رسول خدا صلعم کو اور مومنین کو حضرت ہی کے زمانہ میں ملک عرب کا مالک اور وارث کر دیا چنانچہ بیضاوی میں لکھا ہے کہ حضرت ہی کے زمانہ میں اسلام کا غلبہ ہو گیا تھا اور بعض شخص کا غلبہ یہاں مراد نہیں ہے کہ پہلے اس سے ہم مفصل لکھ آئے ہیں اور اگر من کو تبعیضیہ مقرر کیجے اور ابوبکر اور عمر کا زمانہ مراد لیجے خلاف تفسیر منقول کے اور صحیح نہونے معنی من تبعیضیہ کے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے تو معاویہ اور یزید اور عبد الملک وغیرہ کا بھی زمانہ مراد ہوگا اور معلوم نہیں استخلاف کو بمعنی توطن کس شیعہ نے لکھا ہے مولوی عبد العزیز صاحب کی پیروی سے اس بے تحقیق لکھ دیا ہے کہ بعضے علماء شیعہ نے تاویل کی ہے اور نام اسکا نہیں لکھا کہ وہ کون ہے اور شیعوں کے نزدیک تو غلبہ اور تسلط حضرت صاحب الزمان کے زمانہ کا مراد ہے وقت رجعت کے اور اگر کسی شیعہ نے استخلاف کو توطن کے معنے میں لکھا ہے تو جواب اسکا یہ ہے کہ یہ توطن مثل توطن بنی اسرائیل کے ہوگا چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے اور خدا تعالی نے وعدہ غلبہ وغیرہ کا مومنین کے واسطے فرمایا ہے گو اسکے ضمن میں بالعرض توطن مسلمانوں کے غیر کا متحقق ہو گیا ہو نہیں دیکھتا ہے تو کہ بموجب لولاک لما خلقت الافلاک مستفاد ہوتا ہے کہ خلق تمام عالم اور آسمان و زمین بطفیل رسول خدا صلعم ہے اور باوجود اسکے کفار دنیا میں بعیش تمام توطن کرتے ہیں حاصل یہ کہ واسطے تسکین مومنین کے وعدہ خدا کا امن وغیرہ بخشنے کا ہوا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ توطن کفار کا مطلقاً زمین میں حاصل نہوا اور اکثر شیعوں کے نزدیک تو استخلاف بمعنی تسلط ہے جیسا کہ ہم لکھ چکے اور اگر کسی شیعہ نے کہ جسکا قول مقابلہ میں اکثر کے معتبر نہیں ہے بمعنی توطن لکھا ہے تو اسکا جواب بھی ہم تجھ کو دے چکے نظام الدین نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ استخلاف کے معنے توطن کے ہیں یا یہ کہ مراد ان لوگوں سے علی اور اولاد انکی ہے یا علی تنہا مراد ہیں اور لفظ جمع کا تعظیم کے واسطے ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ یہ قول کسی شیعہ کا ہے اور من بیانیہ کا ضمیر پر آنا عین محاورہ عرب ہے جیسے کہ ائمہ فن عربیت مثل زمخشری اور صاحب بیضاوی اور صاحب مدارک لکھتے ہیں اور خدا تعالی فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا اور اگر یہاں من بیان کے واسطے نہو تو ثابت ہو کہ جمیع صحابہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ موعود بمغفرۃ و اجر عظیم نہوں اور اگر شیخ یہاں بھی اپنی قاعدہ اور اعتقاد کے موافق کہ لفظ من بیانیہ ضمیر پر نہیں آتا ہے لفظ من کو تبعیض کے واسطے کہدے تو بڑا احسان ہے اسکا کہ موافق ہمارے اعتقاد کی ہو جائے دل اصحاب موعود بمغفرت نہیں ہیں بلکہ بعض ہیں سوا غاصبان حقوق اہل بیت کے اور شیعہ تفسیر کلام اللہ کی بہت صحیح و درست کرتے ہیں اور لغو وہ ہے جو تو نے لکھا ہے خلاف تفسیر مفسرین کے اور الذین آمنوا وعملوا الصالحات سے جناب امیر کو اور انکی اولاد کو مراد لینا اگرچہ قائل اسکا معلوم نہیں ہے لیکن بہت صحیح اور درست ہے کہ وقت رجعت کے انکو غلبہ اور تسلط ہوگا اور واحد کے واسطے جمع کا لفظ قرآن میں بہت آیا ہے اکثر جگہ اور جسوقت کہ روایتوں سے ثابت ہو جائے کہ فلانا لفظ جمع کا ایک شخص خاص فلانے کے واسطے ہے تو وہ لے ضعوبت نہوگا بلکہ ضروری ہوگا اور تمکین دین اور زوال خوف انکو وقت رجعت کے ہوگا نہ پہلے اس سے کہ جسکی دعا شیعہ پڑھتے ہیں ماہ رمضان میں حضرت صاحب الزمان کے خروج کے واسطے اور مضمون آیت استخلاف کا اسمیں مندرج ہے اور پہلے اس سے تو خوف زوال کسیکو میسر ہوا ہی نہیں اور نہ آج تک میسر ہے اور اگر بعضی جگہ کا زوال خوف مراد ہے تو وہ تو رسول خدا صلعم ہی کے زمانہ میں حاصل ہو گیا تھا اسکے مابعد کی کچھ انتظاری نہ تھی بلکہ مابعد حضرت کے تو پھر خوف ہو گیا تھا علی الخصوص بہ نسبت اہل بیت علیہم السلام کے کہ انکے حقوق غصب ہوئے اور ارادہ انکے گھر کے جلانے کا کیا اور دروازہ انکا توڑا اور عثمان کو صحابہ نے متفق ہو کر اسکو ذلیل اور قتل کیا اور من کے تبعیضیہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس صورت میں معنی صحیح آیت سے نہیں نکل سکتے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے اور اگر من کے تبعیضیہ لینے سے یہ مراد ہے کہ بعد رسول خدا کو تو حاصل نہیں ہوا نہ تسلط نہ زوال خوف تو اس صورت میں معنی استخلاف کے اصطلاحی ہونگے یعنی نیابت رسول اور صاحب کشاف اور صاحب بیضاوی لغوی معنی لکھتے ہیں اور قرآن میں جہاں کہیں کہ صلہ استخلاف کا فی الارض آیا ہے وہاں معنی لغوی ہی مراد ہیں اور اگر معنی اصطلاحی فرض کئے جائیں اور بعضی زمین کا تسلط خلاف مقصود فرض کیا جائے تو خصوصیت تین کی نہوگی بلکہ معاویہ اور یزید اور عبد الملک وغیرہ بھی داخل ہونگے آیت استخلاف میں اور خلفا کی تعیین میں اہل سنت کے علماء میں اختلاف ہے اور چار جو مشہور ہو گئے ہیں یہ صحیح نہیں ہے صواعق محرقہ اور کنز العمال اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ خلفا کہ قوت اسلام اور عزت خلافت میں ہوئی ہیں بارہ آدمی ہیں ابوبکر عمر عثمان علی معاویہ یزید عبد الملک و چار پسر اسکے ولید اور سلیمان اور یزید اور ہشام اور بارہواں عمر بن عبد العزیز اور فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ جو کوئی اطاعت سے انکی پھرے تو اسکو قتل کرو اس سے معلوم ہوا کہ امام حسین نے جو اطاعت یزید کی نہ کی تو قتل کرنا انکا حلال بلکہ باعث اجر و ثواب تھا اور صاحب تاریخ الخلفاء نے اور ذہبی نے ابن عساکر سے ان بارہ کا نام یہ لکھے ہیں ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور ابن عفان ذو النورین اور معاویہ اور یزید اسکا کہ وہ نو باپ بیٹے مالک ارض مقدس کے تھے اور سفاح اور سلام اور منصور

اور جابر اور زہدی اور امین اور امیر عصبت کل کے کل صالح تھے اولاد میں کعب بن لوی کے کہ مثل انکی کوئی نہیں پایا گیا ہی اور علی بن ابیطالب کو ان لوگوں نے خلفا میں سے نہیں لکھا ہی اور صاحب صواعق محرقہ کے نزدیک اور غنیۃ الطالبین میں پیر دستگیر کے نزدیک ہی کہ خلفا پانچ ہیں ابوبکر عمر عثمان علی معاویہ اور مولوی عبد العزیز کے نزدیک ہی پانچ ہیں لیکن وہ طعن کو اہل سنت پر سے دفع ہونیکو پانچواں خلیفہ معاویہ کی جگہہ امام حسن کو کہتے ہیں اور تاریخ الخلفاء میں سفیان ثوری سے روایت ہی کہ خلفاء پنج ابوبکر عمر عثمان علی عمر بن العزیز ہیں اور لکھا ہی عمر بن عبد العزیز پانچواں خلفاء راشدین کا ہی اور تاریخ الخلفاء میں حبیب بن ہند اسلمی سے روایت ہی کہ خلفاء تین آدمی ہیں ابوبکر اور عمر بن خطاب اور عمر بن عبد العزیز اور ابن تیمیہ نے منہاج السنت میں شافعی سے نقل کی ہی کہ خلفاء یہ تین آدمی تھے ابوبکر عمر عثمان اور یہی مذہب ولی اللہ پدر مولوی عبد العزیز صاحب کا ہی اور ابن تیمیہ منہاج السنت میں لکھتا ہی کہ بہت سے علماء حدیث بصریین اور شامیین علی بن ابیطالب کو خلیفہ نہیں جانتے تھے اور کہتے تھے کہ زمانہ انکا فتنہ اور فرقت کا تھا اُسوقت میں امام جماعت اور خلیفہ کوئی آدمی نتھا اور یہی مذہب محدث ولی اللہ پدر مولوی عبد العزیز صاحب کا ہے اور لکھا ہی ولی اللہ محدث نے کہ رحمت خدا جو ثلثہ کے زمانہ میں جوق جوق نازل ہوتے تھے وہ علی کے زمانہ میں بند ہو گئے تھے اور احمد حنبل نے بھی اپنی مسند میں ان تین ہی کی روایت کی ہی عبد الرحمن بن ابی بکر سے کہ فرمایا رسول خدا صلعم نے کہ دیکھا میں نے کہ گویا ایک ترازو آسمان سے نزدیک ہوئی ہی اور میں اور ابوبکر جو اُسمیں تولے گئے ہیں تو میں ابوبکر سے زیادہ ہوا ہوں اور ابوبکر اور عمر جو تولے گئے ہیں تو ابوبکر عمر سے زیادہ ہوا ہے اور عمر اور عثمان جو تولے گئے ہیں تو عمر عثمان سے زیادہ ہوا ہے اور بعد اُسکے حضرت نے فرمایا کہ خلفاء نبوت یہی آدمی ہیں اور بعد اُسکے جسکو چاہی خدا ملک اپنا دیوی اور یہی اصلی مذہب اہل سنت کا ہی اور پھر ایک پوچ اور واہی بات نکالکر خلفاء کے دو قسم کیے ہیں راشدین اور غیر راشدین اور راشدین میں بھی اختلاف ہی بعضی روایت میں تو یہ ہی کہ خلفاء راشدین پانچ ہیں ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی اور اور عمر بن عبد العزیز اور بعضی روایت میں یہ ہی کہ چار ہیں جو کہ مشہور ہیں اور بعضے میں یہ ہے کہ تین ہیں ابوبکر اور عمر اور عمر بن عبد العزیز اور بعضی میں دو ہیں عمر بن خطاب اور عمر بن عبد العزیز لیکن اکثر روایتوں میں یہ ہے کہ خلفاء راشدین ابوبکر اور عمر اور عثمان تین آدمی تھے اور یہہ سب تاریخ الخلفاء وغیرہ میں لکھا ہی اور یہ اختلاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہہ سب روایتیں جھوٹی ہیں اپنی رائے سے جسکو چاہا خلیفہ مقرر کر دیا اور حقیقت میں خلیفہ رسول انمیں سے کوئی بھی نتھا کہ اوصاف خلیفہ کے ان میں تھے سب جاہل محض تھے مگر وہ روایت دوازدہ خلفاء کے راست اور درست ہے کہ فریقین میں ہے اور مراد اُس دروازہ سے دوازدہ امام علیہم السلام ہیں کہ سب وارثان علم نبی تھے گو اُنکے واسطے تسلط فی الارض حاصل نہیں ہوا مثل اکثر انبیاء سابقین کے اور آیت استخلاف حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانہ کی ہی اور اس زمانہ میں سب ائمہ کو تسلط حاصل ہوگا اور دوازدہ خلفاء وہ دوازدہ ظالم مراد نہیں ہو سکتی جن کو اہل سنت نے اپنی رائے سے تجویز کیا ہے اسواسطے کہ خدا فرماتا ہے لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ

قال الشیخ الاشعری ۔ القصہ ابتدا سے اس آیت کی اتنی بات نکلی کہ صحابہ سے خداوند کریم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ تم میں سے کم سے کم تین شخصوں کو کہ وہ ایمان اور عمل صالح رکھتے ہوں گے ہم خلیفہ بنا کر روی زمین کو اُنکے تسلط میں کر دینگے اور دین کو جو علم الٰہی میں اُس سے بہتر کوئی دین نہیں اور خدا نے ازل سے انہیں کے لئے چھانٹ کر رکھا ہے اُنکے واسطے جما دینگے کہ اُنکے جیتے جی اُس میں رخنہ نپڑیگا اور اُنکے خوف اور ہراس کو جو کہ کفار سے رکھتے تھے بالکل امن اور اطمینان سے بدل دینگے پھر بعد اسکے یا تو وعدہ میں داخل ہی یا فقط بطور اخبار بالغیب کے بیان کرتے ہیں کہ وہ باوجود ان خرخشوں کے جو ایسی خلافتوں کو لازم ہیں ہرگز عبادات میں سستی نکریں گے اور یہہ وہ عبادت بھی ایسی اخلاص کی ہوگی کہ ہرگز اُس میں بوی شرک اور ملاوٹ ریا کا نہوگا **اقول** ہرگز ہرگز خداوند کریم نے کم سے کم تین شخصوں کو جو کہ ایمان اور عمل صالح رکھتے ہونگے یہہ وعدہ نہیں کیا کہ ہم خلیفہ بنا کر روی زمین کو اُنکے تسلط میں کر دینگے تو بالکل جھوٹ لکھتا ہے نہ تو خدا نے خاص تین ہی شخصوں سے وعدہ کیا ہے اور نہ کسیکو خلیفہ بنایا ہی اور نہ ابھی کسیکو تمام روی زمین پر مسلط کیا ہے اور نہ ابتک امن کامل حاصل ہی بلکہ شیعوں کے نزدیک تو یہہ ہے کہ مصداق اس آیت کا زمانہ صاحب الزمان علیہ السلام کا ہی کہ اُسوقت مومنین تمام روی زمین کے مالک اور وارث ہونگے اور خوف بالکل جاتا رہیگا اور سب عبادت خدا ہی کی کرینگے کہ کسیکو کوئی شریک اُسکا نکریگا اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ خداوند کریم کہ جو ہر طرح سے قادر اور حکیم علی الاطلاق ہے وہ بعضی جگہہ سے خوف کے دور کرنیکا اور اسلام کو غالب کرنیکا وعدہ کرے اُسکی شان سے ایسی بات بہت بعید ہے اور حال یہ ہی کہ دوسری آیت میں لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۔ تمام روی زمین پر دین اسلام کے غالب کرنیکو فرماتا ہے شان خدا کو دیکھنا چاہئے کہ تھوڑی سی جگہہ میں تو ہم تمکو امن دیوینگے اور کل کے غلبہ سے اغماض کرنے خدا سے بھی کہیں ایسا ہو سکتا ہی اور اپنے اپنے گھر میں تو ہر ایک کو امن ہوتے ہی اور بعضے بعضے ملک تو اکثر رئیسوں کے قبضہ میں بھی ہیں اور اگر مثل اور لوگوں کے بلکہ اُن سے بھی کم کا وعدہ خدا تعالی نے مسلمانوں سے کیا تو فوقیت دین اسلام کو کیا ہوی اور دینوں پر بلکہ بنظر قدرت اور حکمت خدا ضرور ہی کہ کل زمین پر غلبہ کا اور

اور خوف کے اور شرک کے دور کرنیکا وعدہ ہو سو وہ اب تک وقوع میں نہیں آیا بلکہ ظہور موقوف ہے امام مہدی علیہ السلام کے خروج پر اور اہل سنت کے نزدیک موافق روایت کشاف (اور)
بیضاوی اور مدارک وغیرہ کی یہہ ہے کہ خطاب جمیع مومنین کیطرف ہے مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور من بیانیہ ہے اور معنی استخلاف کے لغوی ہیں وارث اور مالک
ہونیکی اور حاصل اسکا یہہ ہے کہ خدا تعالی فرماتا ہے کہ وعدہ کیا ہے خدا نے اُن لوگوں سے کہ ایمان لائے ہیں تم میں سے اور اعمال نیک کئے ہیں کہ وارث اور مالک کریگا
اُنکو زمین کا جیسے کہ وارث کیا تھا اُن لوگوں کو کہ پہلے تم سے تھے یعنی بنی اسرائیل کہ جبابرہ اور عمالقہ کے ملکوں کا اُنکو وارث کر دیا تھا اور تمکین کر دیگا اُنکے دین کو
کہ پسندیدہ کیا ہے واسطے اُنکے اور بعد خوف کے اُنکو امن بخشیگا کہ میری ہی عبادت کرینگے اور میرے غیر کو میری عبادت میں شریک نکرینگے سو یہہ وعدہ خدا تعالی
نے رسول خدا صلعم ہی کے زمانہ میں وفا کیا کہ تیغ علی بن ابی طالب سے کفار مغلوب ہو گئے جسوقت کہ ثلثہ بھاگ جاتے تھے جہاد میں سے اور جو مومنین کہ اُس زمانہ میں
تھے مالک اور وارث زمین عرب کے ہو گئے تین اور چار کے کیا خصوصیت ہے اور کسیکو خلیفہ بنانے سے کیا واسطہ ہے اور جو دین کہ سب دینوں سے بہتر ہے وہ دین جمیع مومنین
کے واسطے جما دیا نہ تین اور چار کے واسطے خاص کرکے اور خوف اور ہراس کفار ہی جمیع مومنین سے دور کرکے امن اور اطمینان بخشدیا اور یہہ کیا واہی قول لکھا ہے کہ اُنکی
جیتے جی اُس میں رخنہ نہ پڑیگا فائدہ امن کا کیا ہوا کہ اُنکے جیتے جی رخنہ نہ پڑے یہہ تو امن چند روز کا ہوا کیا چند روز ہی کے واسطے وعدہ خدا کا تھا ہاں
یہہ کہنا چاہیئے کہ مخاطب اس میں رسول خدا صلعم ہیں سو حضرت کے بعد البتہ اُنکی اہل بیت پر بڑی تعدی ہوئی کہ اُنکے امن میں فرق آگیا اور حقوق اُنکے
غصب کئے اور اُنکے گھر کے جلانیکو آگ اور لکڑیاں لیگئے اور حضرت کے اصحاب سعد وغیرہ کے بے عزتی کے اور عبادت میں ہی کوئی صحابی سستی نہیں کرتا تھا
بلکہ سب یاد خدا میں رہتے تھے خصوصیت کسیکی نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** اب اس کمترین کے التماس حضرات شیعہ کی خدمت میں یہہ ہے کہ وعدہ الٰہی
میں تو تخلف ہو ہی نہیں سکتا سو جن کے ساتھ اُس وعدہ کا ایفا ظہور میں آوے وہی مصداق ان اوصاف مذکورہ کے ہونگے اور وہ بیشک بشہادت
خداوندی ایمان کامل اور اعمال صالح رکھتے ہوں گے بلکہ سب اقران امثال میں ان دو باتوں میں بڑھے ہوئے ہونگے کیونکہ جب ایمان اور عمل صالح کے
انعام میں یہہ نعمتیں ملی ہیں تو اُنہیں کو ملی ہونگی جنکا دو کمالوں میں نمبر اول ہوگا ورنہ نعوذ باللہ خدا کے یہاں بھی بڑا اندھیر ہے کہ استحقاق کسیکا
ہو اور انعام کسیکو ملجائے سینوں کے طور پر تو خدا کو اختیار ہے کہ کسیکا حق کسیکو دیدے لیکن اُسکی حکمت کی شان یہی ہے کہ جس چیز کو کسیکے لائق دیکھے اُسی کو دے
اور یہی معنی ہیں اسکے کہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اس آیت کے معنی بھی محققین کے نزدیک یہی ہو سکتے ہیں اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی یعنی ہر چیز کو اُسی کے مناسب
طور پر پیدا کیا پھر آئیندہ مناسب مناسب ہی کاموں کی اُنہیں سوجھائی لیکن شیعوں کے نزدیک خدا کو اختیار نہیں کہ کسیکا حق کسیکو دیدے اس لیے کہ اُنکے نزدیک
خدا پر عدل واجب ہے اس صورت میں ممکن ہی نہیں کہ جنکو خدا نے خلیفہ بنایا وہ اوروں سے خلافت کے استحقاق میں کم ہوں بلکہ اُنکا فائق ہونا استحقاق خلافت
میں ضرور پڑا اور نیز اسی تقریر سے یہہ بھی نکل آیا کہ اُن میں سے جو ایمان میں اور عمل صالح میں دوسروں سے بڑھ کر ہوگا وہ اس انعام میں مقدم رکھا جائیگا کیونکہ
تقسیم انعام کی خوبی یہہ ہے کہ اول نمبر والے کو اول دیں **اقول** ۔ شیعوں کا اعتقاد تو پہلے اس سے کئی مرتبہ میں بیان کر چکا کہ اُنکے نزدیک تو مصداق اس آیت
کا زمان امام مہدی علیہ السلام کا ہے اور اہل سنت کے علماء کا بیان بھی میں لکھ چکا صاحب بیضاوی وغیرہ کا کہ مصداق اس آیت کا زمانہ رسول خدا صلعم کا ہے
اور خطاب اس آیت میں رسول خدا صلعم اور جمیع مومنین صالحین کی طرف ہے اور خدا تعالی نے وعدہ اپنا وفا کیا کہ جناب رسول خدا صلعم کو مع جمیع مومنین صالحین کے تمکین
دین بخشی اور خوف کو اُنکے مبدل بامن کیا سو وعدہ الٰہی میں تخلف کسیطرح کا نہیں ہوا اور جن کے ساتھ ایفا وعدہ کا ظہور میں آیا وہ رسول خدا اور کل مومنین صالحین تھے مفسرین اہل سنت کے نزدیک
اور وہی مصداق ان اوصاف مذکورہ کا تھے اور البتہ ایمان کامل و اعمال صالحہ بھی رکھتے تھے اور وہ امثال و اقران میں بڑھے ہوئے بھی تھے اور البتہ اُن دو کمالوں میں نمبر ان سب میں اُن لوگوں ہی کا نمبر اول
ہوگا اُن لوگوں پر کہ جنکا ایمان ملتبس بظلم اور شک ہے کا اور جنکا ایمان ملتبس بظلم اور شک ہے تا وہ ان مومنین صالحین کے مرتبہ کو نہیں پہنچے اور نہ وہ ہدایت پر ہیں اور ایمان اُنکا مثل ایمان کے ہی جنکو
خدا تعالی فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ یعنی جو لوگ کہ ایمان لائے اور نہ آمیزش کی اُنہوں نے ایمان اپنے کو ساتھ ظلم کے یہ وہ ہیں
کہ واسطے اُنکے امن ہے اور وہی ہدایت پانیوالے ہیں نہ وہ لوگ کہ جنہوں نے ظلم کئے ہیں اہل بیت رسول خدا پر حقوق اُنکے غصب کئے ہیں وہ اس شرف ایمان کامل و عمل صالح سے خارج ہو گئے اور خدا تعالی
فرماتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا یعنی سوائے اسکے نہیں کہ مومنین وہ لوگ ہیں کہ ایمان لائے ساتھ خدا کے اور پیغمبر اُسکے کے پھر شک نہ کیا اُنہوں نے نبوت میں شک کرنیوالوں
کا حال پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں لوگ مصداق اس آیت کا نہونگے اور خدا تعالی کی بنا میں مدینہ ہرگز نہیں ہے اور نہ اُنہوں نے کوئی کام کیا اس سے تو جو لوگ مستحق تھے انعام کے اُنکو ہی انعام دیا بلکہ
وہ جناب رسول خدا اور مومنین صالحین ہیں وہ لوگ کہ جنکا ایمان ملتبس بظلم تھا اور نبوت میں شک کرتے تھے اور خدا تعالی پر یہہ روا نہیں ہے کہ کسیکا حق کسی کو دیدیوے

کہ یہ انصاف سے بعید ہے ایسا اعتقاد اہل سنت ہی کو مبارک ہو اور اختیار امر دیگر ہے اختیار کا انکار کسیکو نہیں ہے اور لایق کسی چیز کے وہ ہی ہوتا ہے کہ جو مستحق اُس چیز کا ہوتا ہے اور جو کہ لایق نہیں ہے وہ مستحق بھی نہیں ہے سو کسیکا حق دوسرے کو دیدینا بلا قصور ظلم نہیں تو کیا ہے اور شیعوں کے نزدیک بے شک خدا کو اختیار ہے جو چاہے سو کر سکتا ہے لیکن جو کام ظلم کا ہے اسکو کرتا نہیں ہے کہ اُسکی شان کے مناسب نہیں ہے اور اگر خدا تعالی پر واجب نہیں ہے تو دار الجزا کسواسطے مقرر کیا ہے جب یہی بات تھی کہ جایز ہے خدا کی واسطے کہ محمد رسول اللہ صلعم کو دوزخ میں ڈالے اور ابوجہل کو جنت میں جیسا کہ اشاعرہ بے شعوروں کا مذہب ہے تو پھر روز قیامت واسطے حساب اور جزاء اعمال کے مقرر کرنا ضرور تھا جسکو چاہتا جنت میں مقام دیتا اور جسکو چاہتا دوزخ میں ڈالتا حساب و کتاب پر کیوں منحصر رکھا اور کرام کاتبین کو واسطے تحریر اعمال بندوں کے کیوں مقرر کیا یہ اشاعرہ کے موافق سب عبث معلوم ہوتا ہے اور یہ جو لکھا ہے کہ جسکو چاہے بہشت میں جگہہ دے اور جسکو چاہے دوزخ میں ڈالے سو مراد اس سے یہ ہے کہ اگر دوزخ میں ڈالے تو موجب عدالت کے اور اگر کسی گنہگار کو بہشت میں جگہہ دے تو اپنے فضل و کرم سے اور خدا تعالی نے تو کسیکو خلیفہ نہیں بنایا ہے سوائے علی بن ابیطالب کے کہ جو اپنے مقام پر ثابت ہو گیا ہے اور البتہ علی بن ابیطالب فائق ہی تھے سب اوصاف میں اور یہہ تمکین دین اور زوال خوف جو جناب رسول خدا اور مومنین صالحین کو حاصل ہوا ہے تو حیدر کرار غیر فرار کے تلوار کے طفیل سے ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎ گر نبودی دست حیدر و ذو الفقار ٭ کے شدی اللہ اکبر آشکار ٭ اور ایمان اور عمل صالح میں وہ ہی سب سے بڑھ کر ہے کہ جو جہاد کر کے دین اسلام کو قایم کرے نہ وہ لوگ کہ جو جہاد میں سب سے پہلے بہاگتے تھے اور واسطے لینے غنیمت کے پھر حاضر ہو جاتے تھے اور انعام تو خدا تعالی نے جیسا کہ سب مومنین صالحین کے واسطے مع جناب رسول خدا صلعم کے وعدہ کیا تھا سو سب کو دیا موافق تحریر مفسرین اہل سنت کے کہ تمکین دین اور زوال خوف جناب رسول خدا صلعم کو مع مومنین صالحین کے حاصل ہو گیا اور نمبر اول اور ثانی سے کچھہ مطلب نہیں ہے اور اگر نمبر اول ہی ایمان اور عمل صالح میں تو علی بن ابیطالب ہے نہ کوئی دوسرا **قال الشیخ الاشعری** مگر چونکہ یہ انعام خلفاء راشدین پر ہوا اور یہہ وعدہ خلفاء اربعہ کے ساتھہ بترتیب معلوم وفا میں آیا تو بشہادت خداوندی معلوم ہوا کہ یہ اصحاب اربعہ ایمان اور عمل صالح میں اوروں سے بڑھکر تھے اور وہ بھی اسقدر کہ انکے ہوتے قابلیت اس انعام خاص کی انکے سوا کسی میں نتھی اور باہم بترتیب خلافت ایک دوسرے سے ایمان اور عمل صالح میں مقدم تھا اول اول اور دویم دویم اور سویم سویم اور چہارم چہارم **اقول** اول تو تقسیم خلفاء کے راشدین اور غیر راشدین ہی لوچ اور واہی ہے کہ قرآن اور حدیث سے ثابت نہیں اور ایک روایت موضوعہ اہل سنت میں جو آیا ہے کہ حضرت نے فرمایا سُنَّتِی وَسُنَّۃُ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ سو حضرت نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ فلانا اور فلانا خلفاء راشدین میں سے ہیں اسیواسطے درمیان علماء اہل سنت کے تعیین میں خلفاء راشدین کے اختلاف ہے کسی روایت میں تو یہ ہے کہ وہ چار ہیں اور کسی روایت میں تین لکھے ہیں ابوبکر اور عمر اور عثمان اور کسی روایت میں ابوبکر اور عمر بن خطاب اور عمر بن عبد العزیز ہے اور کسی روایت میں دو ہی ہیں عمر بن خطاب اور عمر بن عبد العزیز چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں اور مولوی عبد العزیز صاحب نے پانچ شخص مقرر کئے ہیں چار اول خلفاء مشہورین اور امام حسن اور روایت سُنَّتِی وَسُنَّۃُ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ میں اگر دوازدہ ائمہ علیہم السلام مقصود ہیں تو مضایقہ نہیں ہے کہ علم انکا علم رسول خدا صلعم کا تھا اور اگر مراد اُس روایت میں خلفاء راشدین سے خلفاء ثلثہ ہی ہیں تو بے شک روایت موضوع ہے اسواسطے کہ جناب رسول خدا صلعم جہلاء کی پیروی کا حکم ہرگز نہ دیتے اور کیونکر حکم دیتے ان لوگوں کی پیروی کا کہ جو مسائل میں غلطیاں کرتے تھے یہانتک کہ زنان پردہ نشین سے الزام کھاتے تھے اور یہ کہنا کہ یہ انعام خاص خلفاء راشدین پر ہوا اور یہہ وعدہ خلفاء اربعہ کے ساتھہ بترتیب معلوم وفا میں آیا بالکل غلط اور تخصیص بلا مخصص ہے اسواسطے کہ پہلے اس سے ہم تفاسیر اہل سنت سے لکھہ چکے ہیں کہ اس آیت استخلاف میں خطاب جناب رسول خدا صلعم اور جمیع اُمت یا جمیع ہمراہیان آنحضرت کی طرف ہے اور لفظ من منکم میں بیان کے واسطے ہے اور معنی استخلاف کے لغوی ہیں مالک اور وارث ہونیکے سو اس صورت میں تو انعام رسول خدا اور جمیع صالحین کے واسطے ہوگا اور اُن سب کے ہی حق میں وعدہ وفا ہوا نہ تین کے یا چار کے حق میں کہ اسکی کوئی وجہ نہیں ہے اور اگر من تبعیضیہ کی جہت سے اور استخلاف کے معنے اصطلاحی کی جہت سے کہ وہ نیابت پیغمبر ہے تین چار آدمی مقرر کرتے ہیں تو من تبعیضیہ تو یہاں درست ہو ہی نہیں سکتا کہ معنی آیت استخلاف کے اس صورت میں موافق مطلوب کے باقی نہیں رہتے ہیں اسواسطے کہ اگر من کو تبعیضیہ کہیں گے تو یا تو اسکو متعلق آمنوا کے کرینگے کہ قریب ہے اور یا وعد کے اگرچہ اُسکے متعلق ہونا مرجوح ہے اگر آمنوا کے متعلق کرینگے تو یہہ معنی ہونگے کہ اصحاب رسول مقبول میں جنکی طرف خطاب ہے بعضے ایمان لائے ہیں اور بعضے ایمان نہیں لائے ہیں اور جو بعضے کہ ایمان لائے ہیں اُنسے وعدہ کیا ہے کہ کل کو خلیفہ کریں اور اگر لفظ من کو وعد کے متعلق کریں تو یہہ معنی ہونگے کہ بعضے مومنین سے وعدہ کیا ہے کہ کل کو خلیفہ کریں اور یہ دونوں معنی موافق مطلوب کے نہیں ہیں اور اسیواسطے ماہران فن عربیت نے مثل صاحب کشاف اور صاحب بیضاوی اور صاحب مدارک وغیرہ کے لفظ من کو بیانیہ لکھا ہے اور تبعیضیہ کا کسی طرح سے ذکر ہی نہیں کیا اور جس جگہہ کہ قرآن میں استخلاف کے متعلق فی الارض ہوا ہے وہاں استخلاف سے مراد معنی لغوی ہوتے ہیں اور اصطلاحی معنی مراد نہیں ہوا اُس صورت میں معلوم ہوا کہ بشہادت خداوندی ایمان اور عمل صالح میں تخصیص چار کی نہیں ہے کہ وہ چار ہی سب سے بڑھ کر ہوں اور اُن چار ہی میں قابلیت اس انعام خاص کی ہو

اور سوائے اُنکے اور کسی میں نہو اور باہم بترتیب خلافت ایک دوسرے سے ایمان اور عمل صالح میں مقدم ہو یہ سب لغو ہے اور آیت مذکورہ سے ہرگز ثابت نہیں ہے پہلے ایمان خالص ثلثہ
کا ثابت کرو تو اُسوقت کلام کرو ایمان تو اُنکا ملتبس بظلم تھا اور ابوبکر کو خدا تعالی طالب دنیا لکھتا ہے چنانچہ فرماتا ہے تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا اور عمر نبوت میں حضرت کے
شک کیا کرتے تھے چنانچہ پہلے اس سے ہم اہل سنت کی کتابوں سے لکھ چکے اور حضرت عثمان کے تو وہ افعال تھے کہ جن کے سبب سے حضرت عایشہ اُنکے حق میں فرمایا کرتی تھیں
اُقْتُلُوْا نَعْثَلاً لَعَنَ اللّٰہُ نَعْثَلاً اور کتاب مغنی میں قاضی نے عمار یاسر سے روایت کی ہے کہ قَتَلْنَاهُ کَافِراً اور یعنی قتل کیا ہے ہمنے اُس عثمان کو کافر اور جو کچھ صاحب تحفہ نے
باب ہفتم میں ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام اور مال عثمان کے متصرف ہوئے اور قاتلان عثمان کی حمایت کی دلیل صحت قول عمار یاسر کی ہے اور میرالوصول میں عثمان کے جہنم
میں داخل ہونیکی طرف اشارہ ہے اور ذہبی نے میزان میں لکھا ہے کہ دجال کی متابعت وہ کریگا جو کہ عثمان کو دوست رکھتا تھا اور باوجود اسکے عثمان کو امن بھی حاصل نہوا
یہانتک کہ لوگوں نے اُسکو قتل کر ڈالا اور اصحاب رسول خدا صلعم میں سے کسی نے اُسکی حمایت نکی اور سب نے اُسکو مخذول و منکوب کر دیا اور حضرت علی کو اور اُنکی اولاد کو پہلے ہی تو لکھ چکا ہے
کہ تمکین دین اور زوال خوف تو کسیکو بھی میسر نہیں آیا اس میں حضرت علی بھی آگئے کہ زوال خوف اُن سے بھی نہیں ہوا جب یہ ثابت ہوگیا تو معلوم ہوا کہ خاص چار آدمی مراد
نہیں ہیں **قال الشیخ الاشعری** اور بعد اسکے ہرچند حضرت سبط اکبر ہمام امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ خلفاء راشدین میں معدود ہیں مگر اُنکو جو خلافت پہونچی تو اس
وعدہ کے سبب نہیں پہونچی کیونکہ اُنکو قبل نزول اس آیت کے کسدن خوف ہوا تھا وہ زمانہ اُنکے لڑکپن کا تھا دشمنوں سے اندیشہ بڑونکو ہوتا ہے لڑکوں کو نہیں ہوتا بلکہ وصول اس
نعمۃ کا اُن تلک باندازہ قدر وعدہ تھا اس لئے اُنکی خلافت کے لئے تمکین اور رجاء لازم نہوا باقی رہے امیر معاویہ ہرچند اُنکو بظاہر تمکین میسر آئی لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین
تھے تمکین ملک سلطنت تھے چنانچہ واقفان فن سیر پر پوشیدہ نہیں کہ خلفاء اربعہ کے اطوار اور انداز اور امیر معاویہ کے اطوار و انداز میں زمین و آسمان کا فرق تھا
اُنکی گزران فقیرانہ اور زاہدانہ تھی اور امیر معاویہ کا طور ملوک کا سا تھا اس لئے اہل سنت اُنکو باوجودیکہ صحابی سمجھتے ہیں خلفاء میں نہیں گنتے ملوک میں شمار کرتے ہیں لیکن
ملوک ملوک میں بھی فرق ہے ایک نوشیرواں تھا ایک چنگیز خاں سو یہہ ہرچند ملوک میں سے تھے لیکن اسکے یہ معنی ہیں کہ خلفاء راشدین کے مقابلہ میں دنیادار معلوم ہوتے
تھے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور انبیاء کے مقابلہ میں دنیادار معلوم ہوتے ہیں نہ یہہ کہ ظلم و ستم کے روادار تھے غربا کے حق میں ستمگار تھے انکا حلم اور رعایا پروری اور
دلجوئی خلایق شہرہ آفاق ہے معہذا یہہ اُن لوگوں میں سے نہیں کہ جن کو قرار واقعی کفار سے کبھی خوف ہوا ہو یہہ بات فقط مہاجرین اولین کے حق میں صادق آتی ہے نہ
حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو یہہ بات پیش آئی نہ امیر معاویہ کو اور مہاجرین اولین میں سے بھی جیسا خوف خلفاء اربعہ کو بترتیب ہوا ہے اور کسیکو پیش نہیں آیا چنانچہ کتب تاریخ
سے خوب واضح ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ انعام مذکور خاص انہیں کو ملا اور وعدہ انہیں کے ساتھ ہوئیں آیا کیونکہ خوف اصل میں بوجہ ایمان اور عمل صالح تھا کفار کی دشمنی کی بناء
دیکھیئے تو انہیں دو باتوں پر تھی پھر جس میں ایمان اور عمل صالح زیادہ ہوگا دشمنی کفار سے بھی اُسکے ساتھ زیادہ ہوگی خوف کفار بھی اُسکو زیادہ ہوگا دوسرے محبت اور
اخلاص جو ایمان اور عمل کا خلاصہ ہے خوف ہی کے وقت معلوم ہوتے ہیں اور خوف ہی سے پرکھے جاتے ہیں تو جسکو اس قسم کا خوف زیادہ ہوگا اُسی میں ایمان اور عمل صالح بھی زیادہ ہوگا

اقول حضرت امام حسن علیہ السلام کو کوئی سُنی بھی خلفاء راشدین میں شمار نہیں کرتا ہے صرف مولوی عبدالعزیز صاحب نے اسلئے پورا کرنے تیس برس روایت
موضوعہ اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً کے اپنی طرف سے ایجاد کیا ہے اور امام حسن کو خاص کر کے خوف کون کہتا ہے اُس زمانہ میں اور ہم تو یہہ کہتے ہیں کہ اہل اسلام
کو جو خوف کفار سے ہے اور دنیا میں اُنکی کثرت سے علے الخصوص نصارا کہ اُنہوں نے مسلمانوں کو مغلوب کر رکھا ہے امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں جسقدر کفار ہیں مغلوب
ہوجائیں گے اور اسلام کو سب دینوں پر غلبہ ہوجائیگا چنانچہ خدا تعالی فرماتا ہے لِیُظْهِرَهُ عَلَى الدِّیْنِ کُلِّهِ اور موافق روایات تفاسیر اہل سنت کے یہ ہے کہ بالاجمال مسلمانوں کو جو کفار سے خوف تھا
کہ مکہ اور مدینہ اطراف میں کفار کثرت سے تھے انکا خوف مبدل بامن ہوجائیگا سو ایسا ہی ہوا آخر زمانہ رسول خدا میں وہ خوف اُس ملک سے جاتا رہا اور مسلمانوں کو غلبہ رہا اور جن لوگوں کو خوف تھا اُنمیں لڑکے بھی تھے اور اُنکی سرایت
لڑکوں کو بھی خوف تھا علے الخصوص حسنین کو وہ لڑکپن میں بھی ممیز دار تھے اور سب کچھ سمجھتے تھے اور حضرت امام حسن کیا خلافت کو تو ہم کسیکی تسلیم ہی نہیں کرتے اور نہ اس آیت سے
خلافت ثابت ہے کسیکی جیسا کہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے اور معاویہ کو تمکین خلفاء ثلثہ سے زیادہ تھی لیکن تمکین دین کسیکو حاصل نتھی نہ خلفاء ثلثہ کو نہ معاویہ کو اور ثلثہ میں
اور معاویہ میں کچھ فرق نہیں ہے جناب رسول خدا صلعم نے جو فرمایا تھا کہ سَیَکُوْنُ مِنْ بَعْدِیْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَةً کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ یعنی قریب ہے کہ ہوں میرے بارہ خلیفہ کہ کل
قریش میں ہونگے سو اہل سنت کے نزدیک اُن بارہ میں معاویہ کیا یزید پلید معاویہ اور عبدالملک و نچاروں بیٹے اُسکے اور عمر بن عبدالعزیز سب داخل ہیں
چنانچہ تاریخ الخلفاء اور صواعق محرقہ اور شرح جامع صغیر اور استیعاب اور فتح الباری اور شفائے قاضی عیاض وغیرہ میں لکھا ہے اور خلافت میں یہ سب برابر ہیں کہ حضرت
نے سبکا برابر ہے ذکر کیا ہے اور راشدین اور غیر راشدین کی تفصیل نہیں کی ہے اور صاحب فتح الباری شرح بخاری میں اور قاضی عیاض شفا میں لکھتے ہیں کہ یہہ

بارہ قوت اسلام اور عزت دین میں خلیفہ تھے اور دوسری روایت جو تاریخ الخلفاء میں ہے اور اُس میں حضرت علی کو خلفاء میں سے نہیں لکھا ہے اُس میں تو یہ لکھا ہے کہ انکی
برابر اولاد کعب بن لوی میں سے کوئی صالح نہیں ہوا ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے اور صواعق محرقہ میں معاویہ کو خَلِیفَۃٌ حَقٌّ وَاِمَامٌ صِدْقٌ لکھا ہے اور ایسا ہی غنیۃ الطالبین میں
پیر دستگیر لکھتے ہیں وہ پیر دستگیر کہ جنکو اہل سنت محبوب سبحانی اور غوث صمدانی کہتے ہیں اور تمام اہل سنت علی الخصوص ہندوستان کے سنی تو اُنکے سامنے خلفاء ثلثہ کے بھی
کچھ حقیقت شمار میں نہیں لاتے اور ہر مہینے اُنکی گیارہویں کرتے ہیں اور خلفاء ثلثہ کی سال بھر میں ایک مرتبہ بھی کوئی فاتحہ نہیں لاتا ہے بلکہ ہزاروں سنی خلفاء ثلثہ کو جانتے
بھی نہیں ہیں کہ وہ کون تھے اور پیر دستگیر کو سب جانتے ہیں اور بڑا پیر اُنکو کہتے ہیں ایسے شخص کا کہنا معتبر نہو تو اور کسکا کہنا معتبر ہو کیا پیر دستگیر کا علم تیرے علم کی برابر بھی
نتھا کہ وہ تو اُسکو خلیفہ حق و امام صدق کہیں اور تو اُنکے برخلاف کہے کہ معاویہ کو تمکین دین نتھی اور فن سیر سے ہرگز یہہ ثابت نہیں ہے کہ ثلثہ کے اور معاویہ کے اطوار اور انداز
میں زمین و آسمان کا سا فرق تھا اور ہمنے فرض کیا کہ ثلثہ کی گزران فقیرانہ تھی لیکن یہہ سب ریا اور دکھانیکی واسطے تھا کہ وہ زاہد خشک تھے جسوقت افعال آدمی کے اچھے
نہوں اور لوگوں پر ظلم کرے علی الخصوص اہل بیت رسول خدا صلعم پر تو وہ اُسکا زہد ظاہر داری کا اور فقیری اُسکے واسطے دام میں لانے لوگوں کے کس کام کی ہیں اور اہل سنت کی
کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباس نے عمر سے کہا کہ اے امیر المومنین تم تو بادشاہ اور سردار مسلمانوں کے ہو تمنے اپنا ایسا حال فقیروں کا سا کیوں بنا رکھا ہے اچھی پوشاک
زیب تن کرنی چاہئے یہ سنکر خلیفہ صاحب خاموش ہو رہے بعد اسکے باران رحمت کا نازل ہونا مسدود ہو گیا اور واسطے ادا کرنے نماز استسقا کے سب مسلمان ہمراہ عمر کے صحرا کو روانہ ہوے
اور کئی ہزار آدمی عمر کے پیچھے تھے اُسوقت ابن عباس کو نزدیک اپنے بلا کر کان میں کہا کہ تو نے جو مجھ سے پوچھا تھا کہ فقیروں کا سا حال کیوں رکھتا ہے دیکھ تو کہ اسواسطے رکھتا ہوں کہ ہزاروں
جوتیوں کی آواز میرے پیچھے سے کان میں پہنچتی ہے اگر میں ایسا نکروں تو متابعت میری کاہیکو کرینگے یہ تھا حال اُنکی ظاہر داری کی فقیری اور زہد کا اور خدا کے واسطے اُنکی فقیری
اور اُنکا زہد نتھا بلکہ دنیا کے دکھانیکے واسطے تھا اور یہ تو غلط اور جھوٹ لکھتا ہے کہ اہل سنت معاویہ کو خلفاء میں نہیں گنتے ابھی ہم سنیوں کے قولوں کو لکھ چکے ہیں کیا تیرے نزدیک
ابن حجر صاحب صواعق محرقہ اور پیر دستگیر سنیوں میں سے نتھے کہ جو اُنہوں نے معاویہ کو خلفاء میں سے لکھا ہے کیا تیرے نزدیک وہ ہنود یا یہودی یا نصرانی تھے اور نوشیرواں اور
جنگیز خاں تو مسلمان نتھے اہل سنت کے نزدیک معاویہ اُنکی برابر کیونکر ہو جائیگا اور نوشیرواں تو کافر تھا تم معاویہ کے بھی کفر کا اقرار کرو اور حضرت سلیمان میں اور سوا اُنکے اور
انبیاء میں کیا فرق ہے سوائے اُس مرتبہ کے کہ جو خدا نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور مال حضرت سلیمان کے پاس کیا تھا گو شہنشاہ عالم تھے مگر مال سے اُنکو کچھ واسطہ نتھا تمام روز
زنبیل خرما کے پٹھوں کے بنا کرتے تھے اور تمام روز روزہ سے ہوتے تھے اور شب کو اپنا منہ چھپا کر بازار میں جاتے تھے اور اُس زنبیل کو دو تین نان جو کی عوض میں فروخت کرتے تھے
اور شہر سے باہر نکلکر اگر کوئی فقیر ملتا تو ہمراہ اُسکے بیٹھ کر روزہ کو افطار کرتے تھے اور اُسکو بھی کھلاتے تھے اور تمام شب ہاتھ اپنی گردن سے باندھکر کھڑے ہوکے خوف خدا سے رویا کرتے تھے
یہ تھا حال اُنکی مالداری کا اور خوف کفار سے معاویہ کو کسطرح نتھا اہل سنت کے نزدیک زمرہ مومنین کے جن سے وعدہ ہوا تھا وہ بھی داخل تھا اور ہمسے پوچھئے تو خوف کفار تو اب تک
نہیں گیا ہے اور نہ جائیگا جب تک امام مہدی خروج نکرینگے اور جیسے کہ اور مسلمانوں کو کفار سے خوف تھا ایسے ہی اُنکی ضمن میں معاویہ کو بھی تھا اور خوف مہاجرین کو اور انصار کو جبتک
تھا کہ جبتک مکہ فتح نہیں ہوا تھا موافق روایات اہل سنت کے اور مہاجرین اولین کے کچھ خصوصیت نہیں ہے اور پہلی ہجرت وہ ہے کہ جو حبشہ کی طرف ہوئی تھی ثلثہ اُس ہجرت سے
خارج ہیں اور مدینہ کی ہجرت اگر مراد لو تو پھر سب مہاجرین مراد ہوں گے ثلثہ کی کیا خصوصیت ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ خلفاء اربعہ کو اوروں سے زیادہ خوف ہوا ہے بلکہ سب کو خوف
برابر تھا ہاں اسطرح سے تو اُنکو زیادہ خوف کہہ سکتے ہیں کہ وہ بد دل اور جبن بہت تھے کہ سب سے پہلے جہاد میں سے بھاگا کرتے تھے اور تواریخ کا حوالہ دینا اُنکے خوف کے زیادہ ہونیکو بالکل
غلط ہے یہ کسی تاریخ میں نہیں لکھا ہے کہ خلفاء اربعہ کو سب سے زیادہ خوف تھا اور موافق روایات اہل سنت کے یہ وعدہ سب مومنین صالحین سے تھا اور اُنکو ہی یہ انعام ملا اور کفار
ایمان کامل اور عمل صالح کی جہت سے اکثر مسلمانوں سے دشمنی رکھتی تھی اور کچھ خصوصیت خلفاء اربعہ کی نتھی اور اگر زیادہ دشمنی تھی تو علی سے تھی کہ اُنکو قتل کرتے تھے لوگ ثلاثہ سے دشمنی کیوں کرتے بھگوڑوں سے ثلاثہ کی تو کفار کچھ حقیقت
ہی نہیں سمجھتے تھے پھر دشمنی کیا کرتے اور ہم پہلے اس سے لکھ چکے کہ ایمان اُنکا صحیح اور کامل نتھا اور نہ سب اعمال اُنکی نیک تھے اور اگر خوف کچھ اُنکو کفار سے تھا تو بزدلی اور نامردی کی جہت سے تھا کہ ہمیشہ جہاد
میں سے بھاگا کرتے تھے نہ ایمان کی جہت سے اور اگر ایمان اُنکا صحیح اور کامل ہوتا تو راہ خدا میں اپنی جانوں کا کچھ لحاظ نکرتے بلکہ خوب ڈٹکر لڑتے اور جناب رسول خدا صلعم کو معرکہ جہاد
میں دشمنوں کے پنجہ میں ڈالکر اور اپنی جانوں کو رسول خدا کے جان سے بہتر جانکر کفار کے مقابلہ میں سے بھاگتے نہیں **قال الشیخ الاشعری** القصہ خوف کفار مہاجرین
اولین کو ہوا ہے حضرت امام ہمام امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کفار سے کیا اندیشہ تھا حضرت امام ہمام رضی اللہ عنہ اُس زمانہ تک لڑکے تھے
امیر معاویہ جب تک مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے اس آیت کے مضامین میں غور کیجئے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ باعث اس وعدہ کا فقط یہہ ہوا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم
نے خصوصا مہاجرین اولین نے باوجود بے سروسامانی اور ذلت اور خواری کے جو ابتداء اسلام میں تھے ایک جم غفیر اور گروہ اعظم کفار کے مخالفت محض برضامندی خدا سے

اور دین کی ترویج کے لئے اختیار کرکے اپنی جانیں جلائیں اور انکو اپنا دشمن بناکر طرح طرح کی ایذائیں انکے ہاتھ سے اٹھائیں سالہا سال خوف و خطر میں یہانتک کہ رفتہ
رفتہ نوبت اسکی آئی کہ گھر سے بے گھر ہوئے زن و فرزند سب کو چھوڑ کر جلا وطن ہوئے پھر اسپر بھی چین نہ ملا نوبت قتل و قتال کی پہنچی مدتہا دراز تک کفار نگونسار سے جنگ کشتی
کرتے رہے اور جو چڑھ کر نہیں آئے تو مسلمانوں کے ملک سے بھی خالی ہی نہیں ہے اسمیں بہت سے مہاجرین میں سے اور نیز انکی ہمرہی میں بہت سے انصار شہید ہوئے جب خداوند کریم عالم الغیب
والشہادت کو انکا کامل امتحان ہوگیا تو رحمت الٰہی کو انکی اس جانکاہی اور جانگدازی پر جوش آیا لازم پڑا کہ انکی اس جاں نثاری اور جانبازی کے مکافات اس
دنیا میں بھی کی جائے اس لئے جس قسم کی کلفتیں انہیں پیش آئیں تھیں اسکے مقابل کی نعمتیں انکو میسر اور اسکی مکافات کی راحتیں انکو عطا ہوئیں تسلط کفار
جو انکے حق میں باعث تمام آزار اور سبب ہمہ تکلیفات تھا استخلاف سے مبدل ہوا کفار کے تسلط کے باعث جو نماز و روزہ ادا نہیں کر سکتے تھے اور ذکر خداوندی سے ممنوع
تھے اور اس سبب سے حسرتہا گوناگوں دل میں رکھتے تھے بلکہ باعث جلا وطنی کا بھی حقیقت میں یہی تھا اسکی عوض میں تمکین دین ملی اور خوف کی عوض میں امن عطا ہوا

اقول ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مہاجرین اولین وہ ہیں کہ جنہوں نے حبشہ کو ہجرت کی تھی پہلی ہجرت وہ ہی ہے اور خوف کفار تو مہاجرین اور انصار کو دونوں کا
تھا لیکن مہاجرین کا خوف پہلے سے تھا اور زیادہ تھا اور امام حسن علیہ السلام کو نہ تو ہم یہہ کہتے ہیں کہ انکو مدینہ میں قبل نزول اس آیت کے خوف تھا اور نہ ہم یہہ
کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن جو بعد حضرت علی کے چھہ مہینے کو خلیفہ ہوئے تھے وہ خلافت انکی مصداق اس آیت کا ہے تو اپنی طرف سے جو چاہتا ہے ایک بات بنا کر کہتا ہے
اور لڑکپن موجب عدم خوف کا نہیں ہو سکتا جیسے کہ ہم لکھ چکے اور معاویہ صاحب کو خوف کیوں نہیں تھا منجملہ مہاجرین و انصار وہ بھی تھے اور اس آیت کے نازل ہونے
سے پہلے مسلمان بھی ہوگئے تھے اور انکے مسلمان ہو جانیکی تاریخ ہمکو تحقیق نہیں ہے اور اگر بعد نزول آیت کے مسلمان ہوا تو بھی موعود اس آیت کا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے خوف کفار زائل
نہوا تھا اور اگر یہ بھی نہیں تو آیت کی عموم کی جہت سے وہ داخل ہے اسواسطے کہ خطاب تو موجودین کیطرف ہوتا ہے اور شریک اس میں مابعد کے مومنین بھی ہوتے ہیں اور
اور اگر استخلاف کے معنی اصطلاحی لئے جائیں گے اور مراد اس سے نیابت پیغمبر ہوگی تو بیشک معاویہ کیا اسکا فرزند یزید اور عبد الملک اور اسکے چاروں بیٹے سب مراد ہوں گے کہ
علماء اہل سنت انکو لکھ چکے کہ یہہ خلفاء قوت دین اور عزت اسلام میں تھے اور جو کوئی انکی اطاعت سے منحرف ہوا اسکا قتل واجب ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں اور
فسق و فجور انکا مانع امامت نہیں ہے اور فسق و فجور کرنے سے معزول امامت سے نہیں ہوتا ہے چنانچہ شرح عقاید وغیرہ میں لکھا ہے کہ ولا ینعزل الامام بالفسق اور
البتہ موافق تحریر علماء اہل سنت کے مثل صاحب کشاف اور صاحب بیضاوی کے یہی ثابت ہے کہ باعث اس وعدہ کا یہہ ہوا ہے کہ اصحاب رسول خدا صلعم خصوصاً مہاجرین
نے کفار سے بہت تکلیفیں پائی ہیں اور ہمیشہ انکی جانب سے خوف میں رہتے تھے یہانتک کہ انکے خوف سے اپنی وطن اصلی کو چھوڑ کر مدینہ میں پہنچے اور وہاں انصار
بھی انکے شریک حال ہوئے اور نوبت قتل و قتال کے پہنچی اور خداتعالیٰ نے وعدہ اپنا وفا کیا اور بضرب ذوالفقار حیدر کرار کفار کو پست کیا اور مسلمان غالب ہوگئے اور خوف
سابق کا جاتا رہا سو یہہ امر سب مہاجرین اور انصار کو حاصل ہوا اور تو جو ثلثہ یا اربعہ کے خلافت کے ثابت کرنیکی درپے تھا وہ اس سے کہاں ثابت ہے اگر ایفاء وعدہ ہے تو سب سے
ہے کہ سبھوں ہی کو آزار پہنچی تھی کفار سے اور سب کو ہی خوف تھا اور استخلاف کے معنی یہی ہیں کہ وہ مالک و وارث اس ملک کے ہوئے تین چار کی کچھہ خصوصیت
نہیں ہے اور جانکاہی اور جانگدازی ثلثہ نے تو کبھی کچھہ نہیں کی ہے مقام جانکاہی اور جانگدازی کا جہاد تھا سو اس میں سے بھاگ جاتے تھے اپنی جانوں کو
بچا کر نہ کبھی کوئی زخم کھایا نہ کسی کافر کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور ہجرت بھی انکی بغرض تھی علی الخصوص شیخین کے کہ جناب رسول خدا صلعم کی زبانی جو آیندہ کی خبریں سنتے
تھے اور وہ راست ہو جاتی تھی تو یقین تھا انکو کہ جو کچھہ حضرت فرماتے ہیں وہ ہونیوالا ہے اور یہ بھی حضرت فرماتے تھے کہ دین اسلام کا غلبہ ہو جائیگا یہ بات سنکر طمع ریاست میں
ہجرت کی تھی اور سب کی ہجرت خالص بھی واسطے خدا کے نہ تھی چنانچہ بخاری میں قول عمر بن خطاب کا ہے کہ خود ہی فرماتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے سوائے اسکے نہیں کہ سب اعمال
نیتوں کے ساتھ ہیں سوائے اسکے نہیں کہ واسطے ہر مرد کے وہ چیز ہے کہ نیت کی ہے پس جو شخص کہ ہوئی ہجرت اسکی طرف دنیا کے تو پہونچیگا وہ اسکو اور طرف عورت کے ہوکے
تو نکاح کریگا اس سے اور خداتعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ یعنی اور جو شخص کہ چاہے کہ کھیتی دنیا کی
تو دیوینگے ہم اسکو اسمیں سے اور نہیں ہے واسطے اسکے آخرت میں کوئی حصہ سو انہوں نے دنیا کو چاہا تھا ہجرت کے ذریعہ سے اسکو بخوبی پایا ایذائیں اور سختیاں اٹھا کر اور جلاوطنی
اختیار کرکے اور تمکین دنیا انکو حاصل ہوئی اور تمکین دین انکو کیا واسطہ تھا اور امن ملا تو سب کو ملا رسول خدا ہی کے زمانہ میں اور سب کا امن آیت میں مراد ہے تین اور
چار کی خصوصیت نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چند شرف گوناگوں رکھتے تھے لیکن فقط اس
شرف کو استحقاق خلافت میں دخل نہیں ہے اس جانکاہی اور جانگدازی کا ثمرہ ہے جسکا مذکور ہوا اور خلافت کے مخصوص ہونیکی وجہ یہی ہے بہ نسبت قریش کے

معلوم ہوگئی یعنی یہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ خلافت حق قریش ہے انصار کو اس میں کچھ دخل نہیں وجہ اسکی یہی ہے کہ خلافت حقیقت میں انعام اور مکافات
میں مہاجرین کے جانفشانیوں کی ملی ہے چونکہ مہاجرین قریش میں سے ہیں اس لئے انہیں میں منحصر رہنی چاہئے ہاں جو کہ انصار اور اعوان خلفاء ہوا کرتے ہیں
جیسے قاضی وغیرہ وہ البتہ نصرت کے صلہ میں انصار میں سے ہونے چاہئیں اور یہہ بھی مکرر روشن ہوگیا کہ حضرت امام حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو جو
خلافت ملی ہے تو وہ خلافت ہی نہیں تھی جو وعدہ کے سبب ملی ہے **اقول** - جو کچھ تو نے پوچ اور واہی لکھا تھا اُس سے تیرے مطلب کے موافق کچھ بھی ثابت نہیں
ہوتا کہ ہمنے تیرے اقوال و دعاوی بے دلائل کو باطل کردیا اس طرح سے کہ تجھکو مجال دم مارنیکی ان مقدمات میں نہیں رہی ہے اور اہل بیت علیہم السلام کو تو
سب طرح سے شرف حاصل ہے اور آیت مذکورہ سے خلافت کسیکی ثابت نہیں ہے بلکہ شیعوں کے نزدیک تو یہہ ہے کہ مصداق اس آیت کا زمانہ حضرت صاحب الزمان
علیہ السلام کا ہے اور اہل سنت کے علماء کے نزدیک یہ ہے کہ خدا تعالی نے اس آیت میں وعدہ وارث اور مالک ہونے زمین کا اور تمکین دین اور زوال خوف کا سب
نیک مسلمانوں سے کیا تھا سو وہ رسول خدا صلعم ہی کے زمانہ میں وفا ہوگیا اُسکے مابعد سے کچھ تعلق نہیں ہے اور اُسکے مابعد ترقی دین کی تو سیکڑوں برس تک ہوتی رہی ہے
اور اگر انصاف سے دیکھو تو خلافت کا استحقاق سوائے حضرت علیؑ کے کسیکو نہیں ہے جو اوصاف کہ خلافت کے ہیں وہ اُنہیں ہی پائے جاتے تھے نہ انکے غیر میں اور یہ آیت ہرگز
خلافت کے مقدمہ میں نہیں ہے اور مستحق خلافت ہونا حضرت علیؑ کا اور اس آیت کا خلافت کے باب میں نہونا پہلے اس سے ہم بخوبی ثابت کر آئے ہیں جاں کاہی اور
جاں گدازی بھی حضرت علیؑ سے ظہور میں آئی ہے کہ بڑے بڑے دلوں میں فوجوں کے گھس جاتے تھے اور زخمی ہوتے تھے اور بڑے بڑے نامی کافروں کو جیسے
کہ عمر بن عبدود و قتل کرتے تھے اور خلفاء ثلثہ کفار کے مقابلہ میں سے ہمیشہ بہاگتے رہتے تھے کبھی جم کر نہیں لڑے زخم کہانا اور کافر کا قتل کرنا تو اُنکے نزدیک محال تھا انکی تو
ناک میں سے نکسیر بھی کبھی جاری نہیں ہوئی پھر کہتا ہے کہ اُنہوں نے جاں کاہی اور جاں گدازی کے کسطرح کا دعویٰ اور کاذب کا مثل ہے اور علیؑ کے حق میں تو رسول خدا
صلعم نے فرمایا کہ لضربة علی یوم الخندق افضل من عبادة الثقلین اور فرمایا کہ لاعطین الرایة غدا رجلا کرارا غیر فرار یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ اور ثلثہ کے حق
میں بھی کوئی بات جاں کاہی اور جاں گدازی پر دلالت کرنیوالی فرمائی ہے اور اگر ثمرہ جاں کاہی کا ہو تو علیؑ کے واسطے ہو نہ بھگوڑوں اور اپنی جانوں کو بچانیوالوں
کے واسطے سو انشاء اللہ تعالی علیؑ کو تو وہ رجعت میں حاصل ہوگا اور ثلثہ اُس سے محروم رہیں گے بلکہ اپنی اپنی سزاؤں کو پہنچیں گے اور ثلثہ کو جو اُس زمانہ میں سزا ہوگی
تو اسیواسطے اہل سنت رجعت کا انکار کرتے ہیں اور اس مقدمہ میں شیعوں پر طعن کرتے ہیں اور یہہ جو ابوبکر نے کہا تھا کہ الائمة من قریش انصار کے ساکت کرنیکو تو رسول خدا
صلعم نے ایسا نہیں فرمایا ہے بلکہ استنباط کیا ہے اُس حدیث میں سے کہ جو حضرت نے فرمایا تھا کہ سیکون من بعدی اثنا عشر خلیفة کلھم من قریش سو ہمارے نزدیک تو
یہ حضرت نے دوازدہ امام علیہم السلام کے حق میں فرمایا ہے اور اہل سنت کے علماء کے نزدیک وہ اور خلفاء ہیں کہ جن میں معاویہ اور یزید پسر معاویہ اور عبد الملک اور چاروں
اُسکے فرزند اور عمر بن عبد العزیز ہیں اور خلافت انعام میں جانفشانیوں کے ہرگز نہیں ملی ہے تو جھوٹ لکھتا جاتا ہے اور ہم تیرے قول کو باطل کرتے جاتے ہیں اور اگر جانفشانی
کی بھی تھی تو سوائے ثلثہ کے اور لوگوں نے کی تھی اور ثلثہ نے ہرگز جانفشانی نہیں کی ہے اور انصار نے کیا جانفشانی نہیں کی ہے کہ تو اُسکو مہاجرین اولین میں منحصر
کرتا ہے بے انصافی کی بات کیوں لکھتا ہے اور انصار نے تو وہ بڑا کام کیا ہے کہ اگر انصار اپنے گھروں میں جگہ نہ دیتے تو مہاجرین کو کہیں ٹھکانا نہ تھا اور اگر وجہ مذکور کی
جہت سے خلافت ہوگی کہ خلافت قریش میں سے ہو جانی چاہئے تو بیشک معاویہ اور یزید اور عبد الملک اور اُسکے فرزند بھی خلفاء حقہ میں سے ہونگے کہ مصداق اُس روایت کا
علماء اہل سنت نے اُن بارہ کو لکھا ہے کہ جسمیں معاویہ اور یزید اور عبد الملک اور چاروں اُسکے فرزند اور عمر بن عبد العزیز ہیں اور دوسری روایت کے جو تاریخ الخلفاء میں اور
ذہبی میں ابن عساکر سے ہے اُسمیں حضرت علیؑ کو تو خلفاء دوازدگانہ میں سے نہیں لکھا ہے اور معاویہ اور یزید دونو کو لکھا ہے بعد خلفاء ثلاثہ کے اور اُنکے حق میں لکھا
ہے کہ یہ کل صالح تھے اولاد کعب بن لوی میں سے کہ مثل انکے پایا نہیں گیا ہے اور یہ جو لکھا ہے کہ انصار اور اعوان خلفاء انصار ہی میں سے ہوا کرتے ہیں یہ کہیں بھی ثابت
نہیں ہے اپنے دل سے جو چاہتا ہے ایجاد کرکے لکھتا ہے اور یہ انصار جو انصار مشہور ہوئے ہیں تو اسواسطے کہ انہوں نے جناب رسول خدا صلعم کی نصرت کی ہے اور حضرت امام
حسنؑ اور معاویہ کی خلافت کا جواب ہم کئی مرتبہ دے چکے کہ یہ خلافت جو حضرت امام حسنؑ کو حاصل ہوئی تھی حضرت علیؑ کی بعد ہم اُسکو خود ہی خلافت موعود من اللہ نہیں
جانتے ہیں اور سوا اُسکے اور کسیکی خلافت کو بھی جو کہ بعد رسول خدا صلعم کے خلیفہ ہوئے ہیں موعود من اللہ نہیں جانتے ہیں اور خلافتوں کے دعووں کو ہم باطل کر آئے ہیں
اور اگر استخلاف سے خلافت مصطلحہ مراد لیجائیگی برخلاف تحریر مفسرین اہل سنت کے تو بیشک معاویہ اور یزید موافق روایات اہل سنت کے خلفاء میں داخل ہونگے **قال الشیخ الاشعری**
اور نیز یہ بھی اہل فہم اور انصاف پر صاف روشن ہوگیا کہ اُنکے زمانہ میں اُنکے ہاتھوں سے جو کچھ دین کے مقدمہ میں ظہور میں آیا اور اُس نے رواج پایا جیسے حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک نہ دینا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا متعہ کا منع کرنا اور تراویح کی تاکید اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمعہ میں ایک اذان کا بڑھانا وہ سب منجملہ دین پسندیدہ اور مصداق مضمون ارتضی لہم ہی علی ہذا القیاس جس مسئلہ پر انکے زمانہ میں انکی وجہ سے اجماع اور اتفاق ہوگیا وہ لاریب حق وصواب ہے اور اس سے جو منحرف ہے وہ دین پسندیدہ خداوندی سے منحرف ہے اور جو اسکا منکر ہے وہ حق کا منکر ہے **اقول** خلیفہ تو وہ خلفا ناحق ہو سکتے ہی نہیں انکی رواج دی ہوئی بدعتیں کیونکر حق ہو جائیں گو دین کے مقدمہ میں تو خلاف شرع کے رواج دیکر لوگونکو گمراہ کیا ہی اور ابتدا سے ہم انکی خلافت کو باطل کرتے چلے آئے ہیں اہل سنت کی تفسیروں سے کہ یہ آیت خلافت کے مقدمہ میں نہیں ہی اور اس آیت سے خلافت کسیکی ثابت نہیں ہی جب وہ خلیفہ نہوئے تو جو انکے احکام خلاف حکم خدا اور رسول کے ہیں وہ سب بدعتیں ہیں اور اسیواسطے جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا تھا حذیفہ سے کہ تکون بعدی ائمة لا یهتدون بهدای ولا یستنون بسنتی چنانچہ صحیح مسلم میں لکھا ہے یعنی فرمایا حضرت نے کہ ہونگے بعد میرے امام کہ نہ ہدایت پائی ہونگے وہ ساتھ ہدایت میری کے اور نہ سنتی ہونگے وہ ساتھ سنت میری کے سو جو احکام کہ خاص انکے زمانہ میں رواج پاتے تھے وہ بدعتیں تھیں اور بدعتوں کو عمل میں لانیوالا دوزخ میں جائیگا اور اسکا کہیں ٹھکانا نہیں ہے پس جو شخص کہ انکے احکام تراشے ہوئے پر چلیگا اسکے واسطے دوزخ تیار ہی اور فدک حضرت فاطمہ کا غصب کرنا اور اس مظلومہ کو آزار پہنچانا اور رنجیدہ کرنا تو اسفل السافلین میں لیجائیگا اور متعہ کا منع کرنیوالا خدا کے حکم کا رد کرنیوالا ہے جو وعید کہ خدا کے حکم کے رد کرنیکا ہی وہ اسکے واسطے موجود ہی اور عثمان کو بدعتوں کے کرنیکی جہت سے سوائے خدا آنحضرت کے اصحاب رسول مقبول نے اسکو مخذول کردیا اور اسکے قتل میں قاتلوں کی اسکے اعانت کی اور جو شخص کہ خلاف حکم خدا کے اور پیغمبر کے حکم کرے ہرگز اسکی نجات نہیں ہے چنانچہ شیخ سعدی بھی کہتے ہیں ؎ خلاف پیمبر کسے رہ گزید * کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید * اور خلاف حکم خدا اور رسول کی حکم کرنا ہرگز دین پسندیدہ میں سے نہیں ہے اور اگر یہ حکم دین پسندیدہ میں سے ہو تو خدا اور رسولخدا کا ارشاد دین پسندیدہ میں سے نہوگا اور بے علموں اور جاہلوں کا اجماع اور اتفاق بھی باطل ہی اور دستور ہی کہ بموجب الناس علی دین ملوکهم کے لوگونکو بجز پیروی سلاطین کے چارہ نہیں تو ہی جب انکے احکام کو تسلیم کرلیا تو رواج پاکر اور استعمال کرتے کرتے دلوں میں انکی ان احکام کا رسوخ ہوجاتا ہی اور پھر اسکے خلاف کو اچھا نہیں جانتے اور اسکی انکو بسبب جہالت کے خبر نہیں ہوتی کہ یہ احکام انکے مطابق حکم خدا اور رسولخدا کے ہیں یا نہیں ہیں اور جو لوگ کہ انکے احکام کو پسند نہیں کرتے انسے جبراً اور قہراً ایسا عمل کراتے ہیں سو ایسے حکموں کا اتفاق حق اور صواب نہیں ہو سکتا اور جو شخص کہ باوجود اطلاع اس امر کے کہ خلفاء نے احکام ثلاثہ کے برخلاف خدا کے ہیں پہ عمل کریگا اور بسبب حسن ظن کے انکے حکموں میں جو کہ خلاف شرع ہیں تاویل کرکے انکو درست کریگا وہ دین پسندیدہ خداوندی سے منحرف ہے اور جو انکے ایسے حکموں کا منکر ہوگا وہ حق کا منکر نہیں اور احکام ثلاثہ کے ہرگز دین پسندیدہ میں داخل نہیں ہیں اور نہ انکا دین پسندیدہ ہی جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے اور آیت استخلاف سے تو خلافت کسیکی ثابت نہیں ہے جیسا کہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں اور روایتوں سے اہل سنت کی اگر خلافت ثلاثہ ثابت ہے تو روایتوں سے انکی منافقت صحابہ کی بھی ثابت ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے علی الخصوص جسوقت کہ جناب پیر دستگیر فرمائیں اسکو کہ خلیفہ حق و امام صدق سوائے اس کے روشن ہوئے کہ مراد [illegible] اہل سنت کے اہل انصاف پر کہ معاویہ کے زمانہ میں اسکے ہاتھوں سے جو کچھ اہل سنت کے دین کے مقدمہ میں ظہور میں آیا اور اس نے رواج پایا جیسے کہ حضرت علی کو گالیاں دینا [illegible] یہ امر رائج رہا تھا یہانتک کہ عمر بن عبدالعزیز نے اسکو موقوف کیا یہ بھی منجملہ دین پسندیدہ اور مصداق مضمون ارتضی لہم ہے علی ہذا القیاس جس مسئلہ پر انکے زمانہ میں اسکی وجہ سے اجماع اور اتفاق ہوگیا وہ لاریب حق وصواب ہے اس سے جو منحرف ہے وہ دین پسندیدہ خداوندی سے منحرف ہے اور جو اسکا منکر ہے وہ حق کا منکر ہی موافق مذہب اہل سنت کے **قال الشیخ الاشعری** اور نیز قطع نظر اسکے کہ جملہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ خلافت خلفاء ثلاثہ پر بوجہ احسن دلالت کرتا ہے اور شیعوں کے اس توہم کو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایام مرض وفات میں کاغذ قلم دوات منگایا تھا اور حضرت عمر نے نہ آنے دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلافت کے فرمان ہی لکھنے کو منگا تھا بیخ و بنیاد سے اکھاڑتا ہے جملہ ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم سے بھی اہل فہم کے نزدیک تو یہ توہم زائل ہو گیا کیونکہ خلافت خلفاء ثلاثہ جب خلافت موجودہ ہوئی تو انکی خلافت کی تمکین بھی منجملہ تمکین دین پسندیدہ ہوگئی ہاں اگر خلافت امور دینی میں سے نہوتی تو البتہ اس استدلال کی گنجائش تھی سو شیعہ اسکا انکار نہیں کرسکتے ورنہ حضرت امیر اور انکی اولاد رضوان اللہ علیہم اجمعین کو طالب دنیا کا کہنا پڑیگا نعوذ باللہ منہا غرض یہ طعن ورنہ بہت سے مطاعن جو شیعہ اور خارجی بسبب اپنی تیرہ درونی کے حضرات خلفاء راشدین پر کرتے ہیں مندفع ہوگئے اگرچہ یہ طعن اور سوا اسکے اور مطاعن بنظر غور اہل بصیرت کے نزدیک معترضوں کی تیرہ درونی ہی سے پیدا ہوتے ہیں چنانچہ دوبارہ مدرک تو اوراق مابعد سے انشاء اللہ یہ حال واضح ہو جائیگا تفصیل اس اجمال کی بہ نسبت جملہ مطاعن کے اسجا پر اگر بموقع اور بیجا نہوتی تو بقدر گنجائش وقت درج اوراق کرتا مگر چونکہ کاغذ دوات قلم کے نہ آنے دینے کا طعنہ بھی بزعم شیعہ کلاں ترین مطاعن خلفاء راشدین ہی تو بنظر تسکین خاطر بعض بنی نوع اگرچہ اس بحث میں بے موقع ہی مختصر مختصر عرض کرتا ہوں تاکہ اس بڑی طعن کا اندفاع موجب اندفاع

دیگر مطاعن صغیرہ ہو جائیں۔ **اقول** آیت وعداللہ الذین آمنوا منکم الخ ہرگز ہرگز خلافت ثلاثہ پر دلالت نہیں کرتی ہے چنانچہ ہم پہلے اس سے کئی مرتبہ لکھ چکے اور اسکے
مزعوم کو باطل کر چکے اور بیشک رسولخدا صلعم نے حضرت علیؑ کی خلافت کے لکھنے کو دوات و قلم طلب کیا تھا اور عمر اسکا مانع ہوا یہانتک کہ اس منع کرنے میں رسولخدا
صلعم کی عظمت اور فضیلت کا پاس نہ کیا اور اس طرح سے حضرت کو منع کیا اور کہا کہ یہ مرد بیماری میں بکتا اور بکتا ہے یعنی اسوقت کے اسکے قول کا اعتبار نہیں ہے
کتاب خدا ہمکو کفایت کرتی ہے اور خاص حضرت علیؑ کے واسطے لکھنا بھی ثابت ہے چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغت میں لکھا ہے کہ عمر نے ابن عباس سے
کہا کہ میں سمجھ گیا تھا کہ جناب رسولخدا صلعم حضرت علیؑ کے واسطے لکھتے ہیں اسواسطے میں مانع ہوا اور دوسری جگہ ابن ابی الحدید لکھتا ہے کہ عمر نے ابن عباس سے کہا کہ میں ہمیشہ
علیؑ کو اپنے اوپر غضبناک دیکھتا ہوں سبب کیا ہے ابن عباس نے کہا کہ تو خود جانتا ہے عمر نے کہا کہ گمان مجھکو یہ ہے کہ غضب اُسکا خلافت کے فوت ہونے سے ہے ابن عباس نے کہا کہ
سبب یہی ہے اور وہ ایسا جانتا ہے کہ رسولخدا نے خلافت کو میرے واسطے مقرر کیا ہے عمر نے کہا کہ جسوقت خدا نے چاہا کہ یہ امر علیؑ کو پہنچے تو رسولخدا کی چاہنے نے کیا فائدہ دیا رسولخدا نے چاہا کہ
ابوطالب چچا اُسکا اسلام کو قبول کرے خدا جو نہیں چاہتا تھا تو وہ مسلمان نہوا اور بعد اُسکے ابن ابی الحدید نے لکھا کہ دوسری روایت میں ایسا ہے کہ عمر کہتا تھا رسولخدا
صلعم نے مرض الموت میں چاہا کہ واسطے خلافت علی کی ذکر کریں میں مانع ہوا خوف فتنہ سے اور اس ڈر سے کہ امر پراگندہ ہو جاوے اور ابن ابی الحدید اگرچہ معتزلی ہے لیکن حقیت خلافت
ثلاثہ کا قائل ہے اور بیخ و بنیاد سے تو جب اُکھاڑے ہے کہ جسوقت حقیت خلافت ثلاثہ کی ثابت ہوا اور جب کہ وہ کسیطرح سے ثابت نہیں ہے تو اعتراض شیعوں کا ہرگز دفع نہو گا
اور اس اعتراض کو جڑ سے تو کوئی کیا اُکھاڑیگا ہر چند طرح طرح سے اسکے جواب میں تاویلیں کرتے ہیں پر کچھ نہیں بن پڑتا اور خلافت ثلاثہ کی کسیطرح سے نہیں جمتی ہے اور کوئی
صورت اُسکی حقیت کی نہیں ہے اور پھر کہتا ہے کہ جب خلافت موعودہ ہوئی اور یہ جو لکھتا ہے کہ جب خلافت ثلاثہ خلافت موعودہ ہوئی کیا خلافت کو پہلے اس سے موعود من اللہ
ہونا ثابت کر آیا ہے کہ جو ایسا کہتا ہے اور خلاف تفسیر قرآن کی تو ہر کوئی جو چاہے ثابت کر سکتا ہے اور جو کچھ کہ مزعوم اسکا تھا وہ ہم نے سب بیان کر دیا اور ثلاثہ کی خلافت کی تمکین
ہرگز تمکین دین نہیں ہے اور خلافت اُنکی امور دینی میں سے نہیں ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور اہل انصاف کی یاددہی کے واسطے کچھ ہم پھر لکھتے ہیں کہ خدا تعالی فرماتا ہے الیوم
اکملت لکم دینکم یعنی آج کے دن کامل کیا میں نے دین تمہارے کو اب میں پوچھتا ہوں کہ اگر خلافت دین میں سے ہے تو رسولخدا صلعم نے اپنی زندگی میں بحکم خدا کسکو خلیفہ کیا
تھا جسکے بعد دین کامل ہوا اور اگر حضرت نے کسیکو خلیفہ نہیں کیا تو دین کامل نہوا بلکہ ناقص رہا اور خدا فرماتا ہے کہ ہمنے دین کو کامل کر دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خلافت دین میں سے
نہیں ہے اگر دین میں سے ہوتی تو کوئی قبل نزول اس آیت کے خلیفہ ہو گیا ہوتا جس سے خدا کا کہنا کہ ہمنے آج کے دن دین کو کامل کیا صحیح ہوتا لیکن جنکے نزدیک یہ ہے کہ جناب رسولخدا
صلعم نے اپنی زندگی ہی میں حضرت علیؑ کو بحکم خدا خلیفہ کیا تھا اُنکے مذہب کے موافق البتہ خلافت دین میں سے ہے اور اس آیت کے معنی بھی صحیح رہتے ہیں اب اس شیخ کے استدلال کو کچھ
گنجائش باقی نہ رہی اور شیعوں کو ثلاثہ کی خلافت کا امور دین میں سے ہونیکا بالکل انکار ہے کہ ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ خلافت اُنکی امور دین میں سے نہ تھی بلکہ امور دنیا میں سے تھی جیسی کہ اور
سلاطین دنیا کی خلافت ہوتی ہے اور یہ بھی ہم ثابت کر چکے ہیں کہ خلافت حضرت علیؑ کی ہمارے نزدیک امور دین میں سے ہے اس صورت میں حضرت علیؑ و دونوں اولاد طاہرین طالب دنیا
کے نہ ٹھہرینگے بلکہ طالب دین کے ہونگے اور طعن خوارج کی تو حضرت علیؑ پر بیجا ہے اور نہایت پوچ ہے اسیواسطے اُنمیں کوئی گفتگو نہیں کرتا ہے اور اُنکو لوگ جانتے بھی نہیں ہیں مگر مولوی
عبدالعزیز صاحب نے چند مطاعن تحفہ میں لکھے ہیں سو معلوم نہیں کہ حقیقت میں وہ طعن خوارج کے ہیں یا مولوی عبدالعزیز صاحب نے اپنی طرف سے ایجاد کر کے اُنکی طرف منسوب کر دیے ہیں اور
اعتراضات شیعہ جو ثلاثہ پر ہیں وہ واقعی ہیں اور اہل سنت کی کتابوں میں دیکھکر اُن پر طعن کرتے ہیں کہ اُنکی کتابوں میں ثلاثہ کی حق سے تجاوز کر جانیکی باتیں لکھی ہیں لیکن اہل سنت
اپنی تیرہ درونی کی جہت سے اُن غاصبان حقوق اہل بیت کے عیبوں میں تاویلیں کر کے اُنکے ظلموں کو عدل اور انصاف اُنکا ظاہر کرتے ہیں اور شیعوں کے اعتراض ایسے نہیں ہیں
جو دفع ہو جائیں اور یہاں تو کونسی بات ایسی بیان کی ہے جس سے اعتراض شیعوں کا مندفع ہوا ہو تو خواہ مخواہ آیت میں قرآن کی تاویل کر کے برخلاف تحریر مفسرین کے پوچ اور واہیات
بکا ہے اور ایسا ہی تو نے فدک کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ سراپا دیوانوں اور پاگلوں کی سی گفتگو کی ہے کہ قرآن کو تو لکھتا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے اُسکے بندوں پر نہیں ہے بلکہ پیغمبر
کی طرف سے ہے اور خدا نے تو پیغمبر کے واسطے لکھدیا ہے جیسے کوئی جاہل کسی منشی سے عرضی لکھواتا ہے تو وہ لکھوانیوالے کی کہلائیگی اور لکھنے والے کی نہ کہلائیگی ایسے ہی قرآن ہے کہ وہ خدا
کا نہ کہلائیگا بلکہ پیغمبر خدا کا کہلائیگا اور کہیں تو لکھتا ہے کہ پیغمبر خدا کا کوئی وارث اسواسطے نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور گوشۂ قبر میں زندہ بیٹھے ہیں زندہ کا کوئی وارث نہیں ہو سکتا
اور کہیں تو لکھتا ہے کہ پیغمبر خدا کی دنیا میں کوئی چیز ملک میں نہ تھی اور سوا اسکے ایسی ایسی دیوانوں کی سی گفتگو تیری فدک کے مقدمہ کے جواب میں بہت ہے کہ جسکو سنکر اہل سنت بھی تعجب کریں اور
پسند نہ کریں اور ہم اُن سب کو انشاء اللہ تعالی مثل غبار کے پراگندہ کر دینگے اور تفصیل اس اجمال کی تو کیا لکھتا ہے مولوی عبدالعزیز صاحب کے تحفہ میں سے لیکر تو نقل کر دیتا ہے اور یہ خبر تجکو نہیں ہے کہ
اسمیں کچھ دفع بھی ہے اور کسی نے اُنکے قولوں کو رد بھی کیا ہے یا نہیں بلا تحقیق جو چاہتا ہے لکھتا ہے اور طعن دوات اور قلم کے طلب کرنے کا بزعم شیعہ کیا بلکہ علماء

اہل سنت کے نزدیک یہ بڑی بھاری طعن ہے کہ بہتیرا شرکتی ہیں اور بدیہیات کا انکار کرتے ہیں اسکے جواب میں مگر کچھہ نہیں بن پڑتا اور اسنے جو کچھہ تھوڑا سا لکھا ہے اسکے جواب میں اور اسکو بہت آسان سمجھا ہے جھوٹ بولکر اور بدیہی بات کا انکار کرکے تو اسکے نزدیک یہی بہت خوب جواب ہے اور حالانکہ وہ کچھہ بھی نہیں ہے چنانچہ معلوم معلوم ہوگا اور جیسا کہ یہہ جواب دیگا ایسے ہی سب اعتراضوں کا اسکے جواب ہے اسپر ہی قیاس کرلینا چاہئے **قال الشیخ الاشعری** حضرت من اول تو کسی روایت میں یہ نہیں کہ کاغذ قلم دوات کے آنیکی مانع اول حضرت عمر ہی تہے البتہ جب سرور کائنات علیہ وعلےٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات نے کاغذ دوات قلم منگانیکو فرمایا تو حضرت عمر بھی اس محفل میں موجود تھے حاضرین مجلس کی رائے اُسوقت مختلف ہوئی کسی نے کہا کہ امتثال امر ہی کیجے کوئی بولا کہ اس شدت مرض میں یہ تکلیف نہ دیجے اس ردوکد میں ایک شور برپا ہوگیا **اقول** یہ شیخ مولوی عبدالعزیز صاحب کی پیروی میں جھوٹ بولکر بالکل اپنا ایمان کو خراب کرتا ہے اور زمرہ میں کاذبوں کے داخل ہوتا ہے اور یہ جو لکھتا ہے کہ کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ کاغذ دوات قلم کے آنیکے مانع اول حضرت عمر ہی تہے یہ لکھنا بالکل غلط ہے کہ صحیحین کی روایتوں کا انکار کرتا ہے اسواسطے کہ مثبتِ اول مانع دوات قلم کاغذ کے آنیکے حضرت عمر ہی ہوئے ہیں چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ کتب صحاح اہل سنت میں لکھا ہے اور اختلاف کرنا اہل محفل کا عمر کے منع کے بعد ہی نہ پہلے اس سے اور یہ روایت عمر کے منع کرنیکی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں کئی جگہہ لکھی ہے لیکن میں بعضی روایتوں کو اُن میں سے تحریر کرتا ہوں اول تو بخاری کی کتاب العلم میں ابن عباس سے روایت ہے قال لما اشتد بالنبی وجعہ قال ائتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ قال عمر ان النبی غلبہ الوجع وعندنا کتاب اللّٰہ حسبنا فاختلفوا وکثر اللغط قال قوموا عنی ولا ینبغی عندی التنازع فخرج ابن عباس یقول ان الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللّٰہ صلعم وبین کتابہ اور کتاب المرض میں بخاری کے باب قول مریض میں لکھا ہے عن ابن عباس قال لما حضر رسول اللّٰہ وفی البیت رجال فیہم عمر بن الخطاب قال النبی صلعم ھلم اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ فقال عمر ان النبی قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبنا کتاب اللّٰہ اور کتاب الخمس میں باب اخراج الیہود میں سلیمان بن ابی مسلم سے روایت ہے کہ سنا اُسنے سعید ابن جبیر سے اور اُس نے ابن عباس سے کہ یقول یوم الخمیس ما یوم الخمیس ثم بکی حتی بل دمعہ الحصی قلت لابن عباس وما یوم الخمیس قال اشتد برسول اللّٰہ صلعم وجعہ فقال ائتونی بکتف اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ ابدا فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ما لہ اھجر استفہموہ اور صحیح مسلم میں لکھا ہے عن ابن عباس قال لما حضر رسول اللّٰہ وفی البیت رجال فیہم عمر بن الخطاب فقال النبی ھلم اکتب لکم کتابا لا تضلون بعدہ فقال عمر ان رسول اللّٰہ قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبنا اور اس سے پہلی روایت میں مسلم میں اس طرح سے ہے کہ ابن عباس روز پنجشنبہ کو یاد کرکے بہت روئے اور بعد اسکے کہا کہ قال رسول اللّٰہ صلعم ائتونی بالکتف والدواۃ او اللوح والدواۃ اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ ابدا فقالوا ان رسول اللّٰہ یہجر اور مشکوۃ میں ہے عن ابن عباس قال لما حضر رسول اللّٰہ صلعم وفی البیت رجال فیہم عمر بن الخطاب قال النبی صلعم ھلموا اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ فقال عمر قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبکم کتاب اللّٰہ فاختلف اھل البیت واختصموا منہم من یقول قربوا یکتب لکم رسول اللّٰہ ومنہم من یقول ما قال عمر فلما اکثروا اللغط والاختلاف قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قوموا عنی اور بعد اسکے جو مشکوۃ میں روایت ہے سلیمان بن ابی مسلم سے کہ ابن عباس یاد کرکے روز پنجشنبہ کو جس روز کہ جناب رسولخدا صلعم پر شدت بیماری کی ہوئی تو بہت روئے اُنسے پوچھا کہ ما یوم الخمیس تو کہا کہ اشتد برسول اللّٰہ وجعہ فقال ائتونی بکتف اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ ابدا فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ما شانہ اھجر استفہموہ اور حاصل ان سب روایتوں کا یہ ہے کہ ابن عباس نے بیان کیا کہ جسوقت رسولخدا صلعم کا مرض سخت اور زیادہ ہوا تو رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ لاؤ تم دوات اور قلم اور کاغذ کہ لکھوں میں واسطے تمہارے ایک نوشتہ کہ نہ گمراہ ہو تم بعد اسکے اس پر عمل کرنے میں کبھی عمر بن خطاب نے یہ سنکر کہا کہ تحقیق پیغمبر خدا پر درد غالب ہوا ہے یعنی درد کی جہت سے ایسا کلام کرتے ہیں جیسے کہ بیمار شدت مرض میں بکا کرتا ہے اور ہمارے پاس کتاب خدا کی ہے کہ وہ ہمکو کفایت کرتی ہے یعنی رسول خدا کے قول پر عمل کرنیکی ہمکو احتیاج نہیں ہے اور اُن لوگوں نے جو کہ وہاں تہے کہا کہ رسول خدا صلعم کو ہذیان ہوگیا ہے بیماری میں بہکتے ہیں انکے قول کا اعتبار نہیں ہے اور بعد اسکے اہل محفل میں آپس میں اختلاف ہوا کسی نے تو کہا کہ دوات قلم کاغذ دیدو تاکہ حضرت ہمکو لکھدیں اور کسی نے کہا کہ قول قول عمر ہے کہ جیسے عمر نے کہا ہے کہ نہ دو دینا نہیں چاہئے جب بہت تکرار آپس میں ہوا اور شور و غل بہت ہوا تو حضرت نے خفا ہوکر فرمایا کہ اٹھہ کہڑے ہو میرے پاس سے کہ پیغمبر کے روبرو جھگڑا کرنا نچاہئے بعد اسکے لوگوں نے کہا کیا ہے حال رسول خدا کا کہ ہذیان ہوگیا ہے دریافت کرو اور سمجھا چاہو تم اسکو اور ابن عباس اس حکایت کو بیان کرتے تہے تو روز پنجشنبہ کو یاد کرکے کہ جس روز یہ معرکہ ہوا تھا اسقدر روتے تہے کہ سنگریزے جو زمین پر پڑے تھے انکے اشکوں سے تر ہوجاتے تہے اور کہتے تہے کہ بڑی مصیبت پیش آئی کہ رسولخدا صلعم کو وصیت نہ لکھنے دی اب دیکھو کہ بخاری اور مسلم اور مشکوۃ میں تینوں کتابوں میں لکھا ہے کہ اول سب سے حضرت عمر مانع ہوئے دوات و قلم و کاغذ کے نہ دینے سے اور یہ شیخ لکھتا ہے پہلے وہ ہی مانع نہیں ہوئے اور ان روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جن روایتوں میں نام عمر کا نہیں ہے اور یہ لکھا ہے کہ حضرت کے فرمانے کو بعد آپس میں سب نے اختلاف اور جھگڑا کیا کسی نے کہا کہ دو اور کسی نے کہا کہ نہ دو تو وہاں بھی سب سے پہلے منع کرنیوالے عمر ہیں کہ انکی متابعت سے بعضوں نے کہا کہ نہ دو اسواسطے کہ مانعین میں پہلے منع کرنیوالا کوئی ایک ہی ہوگا

جسکی متابعت سے اوروں نے بھی منع کیا سو وہ حضرت عمر تھے چنانچہ ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جن میں خاصکر انکا نام ہے اور ہذیان کی نسبت کرنا طرف حضرت صلعم کے بہر حال کہ اُس روایت میں جمع کے لفظ سے آیا ہے کہ کہا اُنہوں نے کہ حضرت کو ہذیان ہوگیا ہے لیکن پہلے سب سے ہذیان کی نسبت کرنیوالی عمر ہی تھے اور پہلے سب سے اُنہوں نے کہا تھا کہ رسول خدا صلعم پر درد غالب ہوگیا ہے اور یہ کلام درد کی جہت سے کرتے ہیں اور اسکو ہذیان کہتے ہیں اور سوائے اُسکے اور روایتوں میں تصریح عمر کے نام کی ہے چنانچہ معلوم ہوگا اور عینی شرح بخاری میں لکھا ہے کہ کشمیہنی کی روایت میں ہجر ہجر بتکرار لفظ آیا ہے یعنی بہکتا ہے بہکتا ہے اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں اور طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ قائل اس قول کا عمر ہے اور گمان اسکی طرف ایسا نہیں ہوسکتا اور مسند احمد بن حنبل میں لکھا ہے کہ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعَیٰ عِنْدَ مَوْتِہٖ بِالصَّحِیْفَۃِ لِیَکْتُبَ فِیْھَا کِتَاباً لَا یَضِلُّوْنَ بَعْدَہٗ فَلَقَفَھَا عُمَرُ فَقَالَ اِنَّ النَّبِیَّ لَیَھْجُرُ یعنی تحقیق رسولخدا صلعم نے طلب کیا قریب موت اپنی کے صحیفہ کو کہ لکھے اُس میں ایسا لکھنا کہ نہ گمراہ ہوں بعد اُسکے پس مخالفت کی رسول خدا صلعم کی عمر نے اور کہا کہ پیغمبر بیماری میں بہکتا ہے اور ابن اثیر نے نہایہ لغت میں لکھا ہے حدیث مرض النبی میں کہ ہذیان کا کہنے والا عمر تھا اور شرح مسلم نووی میں بھی یہی لکھا ہے اور نسیم الریاض شرح قاضی عیاض میں اختلاف کے ذکر میں لکھا ہے کہ وَرَدَ فِی الْاَحَادِیْثِ الصَّحِیْحَۃِ مِنْ اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ فِیْ مَرَضِہٖ اِئْتُوْنِیْ بِدَوَاۃٍ اَکْتُبُ لَکُمْ کِتَاباً لَا تَضِلُّوْنَ بَعْدِیْ فَقَالَ عُمَرُ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَھْجُرُ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ یعنی احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے کہ رسول صلعم نے دوات و قلم کو طلب کیا تو عمر نے رسولخدا صلعم کو کہا کہ یہ مرد بیماری میں بہکتا ہے اور ہمکو کتاب خدا کی کفایت کرتی ہے اور حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں لکھا ہے حدیث طول میں کہ فقال عمر ان الرجل لیھجر یعنے کہا عمر نے کہ تحقیق یہ مرد بیماری میں بہکتا ہے اور کسی روایت میں ہجر ہجر مکرر آیا ہے اور کسی روایت میں اہجر ماضی کا صیغہ باب افعال سے آیا ہے افحش کے معنی میں اور ابن حجر نے بھی شرح بخاری میں یہی لکھا ہے اور وہ ہذیان ہے کہ حالت بیماری میں صادر ہوتا ہے اور معصوم سے وہ بعید ہے انتہی اور یہ ہمزہ لوگوں نے برعایت عمر ہجر کے لفظ پر زیادہ کر کے اُسکو ہمزہ استفہام قرار دیا ہے لیکن اُن حضرت کی شان میں ایسا بھی نچاہیئے اسواسطے کہ تجویز بھی ہذیان کی جناب رسولخدا صلعم پر موجب کفر و نفاق ہے اور قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ علماء نے اس مقام میں بہت کلام کیا ہے لیکن فائدہ کسی کی تقریر نے نہیں بخشا اور جو کچھ کہ مناسب ہے اس مقام میں خواہ ہمزہ ثابت ہو خواہ محذوف ہو یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ کہا حضرت کو وہ قریب العہد اسلام اور تازہ مسلمان تھے اور یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ قول پیغمبر کے لائق نہیں ہے اور ایسا گمان کرتے تھے کہ بمقتضائے طبیعت بشریہ اُنکو بھی لاحق ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اُنکا ایمان نبوت رسولخدا صلعم پر کامل نہوا تھا اور اسیواسطے حضرت کی نبوت میں شک کیا کرتے تھے اور حضرت کے مرتبہ کو جیسا کہ ہے ویسا نہ جانتے تھے اور یہ شیخ جو لکھتا ہے کہ کوئی بولا کہ شدت مرض میں حضرت کو تکلیف نہ دینی چاہئے سو یہ کسی روایت میں نہیں ہے بلکہ یہ کہا تھا کہ رسولخدا صلعم بیماری میں بہکتے ہیں انکے قول کا اعتبار نہیں ہے ہمکو کتاب خدا کفایت کرتی ہے اور جب شور و غل برپا ہوا تو حضرت کو بہت ناگوار معلوم ہوا اور خفا ہو کر سب کو اپنے پاس سے اُٹھا دیا **قال الشیخ الاشعری** حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے میں آیا کہ یہ ارشاد مربیانہ اور مشفقانہ ہے بطور ایجاب نہیں جسکی تعمیل واجب ہو کیونکہ خداوند کریم اس سے پہلے فرما چکا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ یعنی حجۃ الوداع کے دن خداوند کریم کی طرف سے یہ بشارت آئی کہ آج کے دن میں نے اپنے دین کو تمہارے لئے پورا کر دیا اور تمام کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت پھر جب خداوند کریم دین کو کامل کر چکا ہو تو اب پھر کسی نئے امر دینی کے لکھوانے کے لئے تو نہیں ہے، ہو نہو اُسی کی تفصیل ہوگی سو یہ بات چنداں ضرور نہیں جو اس امر کی تعمیل واجب ہو بلکہ بوجہ شفقت کاملہ آپ یوں ارشاد فرماتے ہیں سو باوجود شدت مرض کے آپ نے ہماری لئے تکلیف گوارا فرمائی تو اسکی مکافات کیا یہی ہے کہ ہم بھی آپکے لئے اس تکلیف کو گوارا کریں بلکہ مقتضی ادب یہی ہے کہ آپکے فرمانے کا کچھ خیال نکیجے اور اس قصہ کو جانے دیجے اور سچ بھی تو ہے اگر کسی کا باپ بھوک کی شدت میں آپ تو نکھائے اور بیٹے کو بوجہ شفقت اپنا حصہ کھانیکو فرمائے تو کیا مناسب ہے کہ فرزند عاقل دیدہ و دانستہ پدر مہربان کو بھوکا چھوڑ کر سب نگل جائے بلکہ ایسے وقت میں مقتضی ادب یہی ہے کہ والد مہربان کا کہنا نہ مانے اور اسی نافرمانی ہی کو اپنی سعادت جانے غرض حضرت عمر نے بوجہ مذکور اور نیز بایں غرض کہ شور موقوف ہو حسبنا کتاب اللہ کہا یعنی کافی ہے ہمکو قرآن شریف پھر اس تکلیف کے دینے کی کیا ضرورت

اقول ارے کیوں بہوٹے فقرے لکھتا ہے اور عمر کی اصلاح حال میں خلاف واقع بیان کر کے اپنے ایمان کو کیوں خراب کرتا ہے وہ تو جو کچھ ہونیوالا تھا ہو گیا بھلا تو جو یہ جھوٹ لکھتا ہے کہ حضرت عمر کے رائے میں آیا یہ انکی رائے میں کب آیا تھا اور کس روایت میں لکھا ہے اور اگر اُنکی رائے میں یہ آتا کہ یہ ارشاد حضرت کا مربیانہ اور مشفقانہ ہے تو اسکو قبول کرتے یہ کیوں کہتے کہ اس مرد کو جو درد عارض ہے تو بیماری میں بہکتا ہے اور اسکو ہذیان ہو گیا ہے اسکی قول کا کچھ اعتبار نہیں ہے ہمکو کتاب خدا کفایت کرتی ہے اور جو کچھ رسولخدا صلعم لکھنا چاہتے تھے وہ امر حضرت عمر کو نہایت ناگوار تھا اور سمجھ گئے تھے کہ علیؑ کے واسطے لکھنا چاہتے ہیں چنانچہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغت میں تاریخ بغدادی سے کہ وہ ایک سنی کی تصنیف ہے نقل کیا ہے ورنہ اس سختی سے جناب رسولخدا صلعم کے ارشاد کو رد کرنا اور کہنا کہ بیماری میں مرد بہکتا ہے اور کیا معنی ہیں اور حضرت کا فرمانا واسطے ایجاب کے نہیں تو اور کاہیکے واسطے ہے کہ نفی ضلالت کو اُسپر معلق کیا ہے اور اگر وجوب کے واسطے ارشاد حضرت کا نہوتا تو خفا ہو کر لوگوں کو اس طرح سے نہ کہتے کہ کھڑے ہو جاؤ میرے پاس سے

پاس ہے اور اگر وجوب کے واسطے نہوتا تو ابن عباس رو رو کر کیوں کہتے کہ الرزیۃ کل الرزیۃ ما حال بین رسول اللہ و بین ان یکتب کتابہ اور اصل میں امر وجوب ہی کیلئے
آتا ہے جبتک کہ کوئی قرینہ صارفہ نہو اور یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے سو اس مقام میں امر کے واجب ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور آیت اکملت لکم دینکم کے نازل ہونے سے
کیا پیغمبر خدا صلعم نبوت سے معزول ہوگئے تھے کہ اُنکے قول کا اعتبار بعد نزول اس آیت کے باقی نرہا کیا خوب تحریف کرتا ہے معانی قرآن میں بخیال عمر اور جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ و آلہ
وسلم کو نبوت سے معزول کرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ مراد اس آیت میں نصرت اور غلبہ اور اکمال اصول دین اور معظم امور اسلام ہے نہ جمیع جزئیات چنانچہ بیضاوی میں لکھا ہے
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ بِالنَّصْرِ وَالْاِظْهَارِ عَلَی الْاَدْیَانِ کُلِّهَا اَوْ بِالتَّنْصِیْصِ عَلٰی قَوَاعِدِ الْعَقَائِدِ وَالتَّوْقِیْفِ عَلٰی قَوَاعِدِ الشَّرْعِ وَ قَوَانِیْنِ الْاِجْتِهَادِ
یعنی آج کے دن کامل کیا واسطے تمہارے دین تمہارے کو ساتھ نصرت کرنے اور غالب کرنے کے کل دینوں پر یا ساتھ نص کرنے کے قاعدوں عقیدوں پر اور اطلاع کرنے قاعدوں
شرع پر اور قاعدوں اجتہاد پر اور جو کہ حق ہے کہ یہ آیت بعد خلیفہ کرنے علی بن ابیطالب کی نازل ہوئی ہے نہ انکے قلم سے نکلتا ہے نہ زبان سے اور کتابوں میں انکی موجود ہے جلال الدین
سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اور حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ جس وقت رسولخدا صلعم نے علی کو بروز خم غدیر منصوب کیا اور صدا بلند کی
اُسکی ولایت کی تو جبرئیل یہ آیت لیکر نازل ہوئے الیوم اکملت لکم دینکم اور امام احمد حنبل نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو رسولخدا صلعم
نے فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی اِکْمَالِ الدِّیْنِ وَاِتْمَامِ النِّعْمَةِ وَرِضَاءِ رَبِّیْ بِرِسَالَتِیْ وَوِلَایَةِ عَلِیٍّ مِّنْۢ بَعْدِیْ یعنی شکر ہے واسطے خدا کے اوپر کامل کرنے دین کے اور تمام کرنے نعمت کے اور
راضی ہونے اُسکے کی ساتھ پیغمبری میری کی اور خلافت علی کی بعد میرے اور ابن مردویہ نے بھی کتاب مناقب میں یہی روایت لکھی ہے ابو القاسم حسکانی سے لیکن الحمد للہ
کی جگہ اُس نے اللہ اکبر لکھا ہے اور خدا تعالیٰ نے بیشک دین کو کامل کیا علیؑ کی خلافت سے کہ وہ نہایت اہم مقاصد تھا اور اسی کی تاکید کے واسطے حضرت لکھنا چاہتے تھے
کہ حضرت بعلم نبوت جان گئے تھے کہ میں ہر چند علیؑ کی خلافت کے مقدمہ میں ہمیشہ کہتا رہا ہوں اور خم غدیر پر اُسکو منصوب بخلافت کردیا ہے لیکن یہ لوگ میرے کئے ہوئے پر
عمل نکرینگے اسواسطے اُسی کی تاکید کرنی چاہتے تھے کہ عمر خطاب اسکو سمجھ گئے اور رسولخدا صلعم کے قول کو رد کیا اور عمل کرنا اُسپر ضرور تھا کہ اُسپر عمل کرنے سے گمراہی اور ضلالت سے بچنے تھے
اور ضلالت سے بچنا واجب ہے اور یہ آخری وصیت تھی حضرت کی اُس مقدمہ میں جسکی تاکید ہمیشہ کرتے رہتے تھے اور اگر بوجہ شفقت ہی فرمایا تو بڑی ہی یہ شفقت تھی امت پر کہ ضلالت سے
اُنکو باز رکھتے تھے اور اس سے زیادہ اور کیا شفقت ہوگی کہ لوگونکو گمراہی سے بچاتے تھے اور تکلیفیں تو حضرت نے اس سے زیادہ گوارا کی ہیں اور اسمیں اسقدر تکلیف ہی نتھی تھوڑے سے
کلمہ کا لکھنا تھا اور حضرت خود کیوں لکھتے کہ حضرت کا تو خود لکھنے کا دستور ہی نتھا کسی دوسرے سے فرماتے وہ لکھدیتا کہ بادشاہوں اور امیروں کا دستور ہوتا ہے کہ کہتے تو ہیں اسطرح کہ
ہم لکھیں گے اور لکھتا ہے منشی اُنکا اور اگر حضرت کے حال پر عمر کو بہت رحم آتا تھا اور تکلیف حضرت کی منظور نتھی تو عرض کی ہوتی کہ یا حضرت بہت خوب آپکو تو لکھنے میں تکلیف
ہوگی کسی دوسرے آدمی کو حکم ہو وہ موافق ارشاد حضور کے تحریر کردیگا یوں کہتے میاں عمر کہ انکو تو درد سینہ ہو رہا ہے اسمیں بہکتے ہیں اور ہذیان کہتے ہیں عمر کو تو حضرت کے قول کا رد کرنا
منظور تھا اپنے مقصود کے مخالف سمجھکر جسکا مشورہ مدت سے ابوبکر سے ہو رہا تھا اور آپنے باوجود شدت مرض کے یہ تکلیف گوارا کی یہ حضرت کی بڑی شفقت تھی امت پر کہ گمراہی سے بچاتے تھے اور تم
اس صورت میں اگر حضرت کی تکلیف بھی گوارا کرتے تو عین خوشنودی خدا اور رسول خدا تھی کہ امت حضرت کی گمراہی سے نجات پاتی تھی اور حضرت کے واسطے تو کوئی تکلیف
ہی نتھی جیسا کہ ہم لکھ چکے کہ کوئی دوسرا آدمی لکھدیتا اگر سب کو یہ منظور ہوتا تم تکلیف کو حضرت کے گوارا کیوں کرتے اور ایسی صورت میں حضرت کے ارشاد پر عمل نکرنا
جہنم کو اختیار کرنا ہے اور یہ مثال باپ بھوکے کی اور بیٹے کے سبب کھانا نگل جانے کی جو یہاں بیان کی ہے اسکو اس قصہ سے کیا مناسبت ہے اور احکام خدا اور رسول کو عوام
الناس کے افعال پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور اسمیں بھی ہم کہتے ہیں کہ اگر باپ کہے کہ میں بھوکا ہوں لیکن میرا فرزند اس کھانے کی کھانے سے گمراہی اور ضلالت
محفوظ رہتا ہے تو اس صورت میں اس فرزند کو کھانا ہی مناسب ہے گو باپ بھوکا ہے اور باپ اسکا اُس سے بہت راضی ہوگا کہ میرے فرزند نے اطاعت بھی میری کی اور اپنے نفس کو
آتش جہنم سے بچایا اور اگر میرا کہنا نہ مانتا تو مجھکو بھی ناخوش کرتا اور خود گمراہی میں پڑتا اور ایسی صورت میں باپ کے کہنے پر عمل نکرنا بمقتضائے ادب نہیں ہے بلکہ بالکل بے ادبی ہے
اور ایسے ہی مقام میں کہتے ہیں کہ الامر فوق الادب اور عمر نے جو حسبنا کتاب اللہ کہا تھا شور و غل سے پیچھے نہیں کہا تھا بلکہ شور و غل سے پہلے ہی کہہ چکے تھے اور شور و غل تو
اُسکے بعد ہوا ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم وغیرہ کی روایتوں میں ہے آپ کہاں سے کہتے ہیں کہ شور و غل کی بعد حسبنا کتاب اللہ کہا اور حسبنا کے کہنے سے جہل و تخطیہ عمر نے رسولخدا
صلے اللہ علیہ و آلہ کا ثابت کیا اسواسطے کہ اگر حضرت نہیں جانتے تھے کہ کتاب خدا کافی ہے تو جہل حضرت کا لازم آیا اور اگر جانتے تھے اور پھر وصیت کرنی چاہی تو فعل لغو کیا اور خطا
کی سبحان اللہ جو کہ کلام اللہ کو خدا کے یہاں سے لاوے تو جاہل ہو اور جو شخص کہ ہمیشہ غلطیاں کرتا ہو احکام خدا میں اور زنان پردہ نشین سے الزام کھاتا ہو اور لولا علی لہلک عمر
کہتا رہتا ہو وہ کتاب خدا سے خوب واقف ہو اور اگر کتاب خدا کی ہی کافی ہوتی تو رسولخدا صلعم اُسکو اہلبیت کے ساتھ کیوں مقرون کرتے اور کیوں فرماتے کہ انی تارک فیکم الثقلین

پس معلوم ہوا کہ قرآن بدون امام کے کہ مفسر اسکا ہو کافی نہ تھا اور اسیواسطے حضرت علی نے فرمایا تھا کہ انا کلام اللہ الناطق اور اگر عمر کو کتاب خدا کافی ہوتی تو لولا
علی لہلک عمر کیوں کہتے پھرتے **قال الشیخ الاشعری** اور اگر کسی کتاب نادرالوجود کی کوئی ایسی روایت جو حضرت عمر کے مانع اول ہونے پر اسطرح دلالت کرے
کہ اسمیں گفت وشنود کی گنجائش باقی نرہے شیعہ پیش بھی کرے تو قطع نظر اسکے کہ وہ روایت واقعی صحیح ہو کوئی جعلسازی نہیں تب بوجہ مذکور کوئی گرفت کی بات
نہیں بہرحال منشا اس اعتراض کا قلت فہم وفراست اور نقصان عقل ودرایت ہے اور انجام کو دیکھا تو حضرت عمر کی رائے ٹھیک تھی آخر جب یہ شور رہا تو خود
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تمام مجمع کی نسبت یہ ارشاد فرمایا کہ یہاں سے کھڑے ہوجاؤ اور اگر کاغذ دوات قلم کے منگانے کا ارشاد ہوتا اور ضروری اور واجب ہی
ہوتا تو مکرر آپ بتاکید فرماتے **اقول** ۔ دیکھ لے بخاری اور مسلم اور مشکوۃ وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے کہ نہیں کہ مانع اول حضرت عمر ہی تھے کیا تیرے نزدیک یہ کتابیں
بھی نادرالوجود ہیں جب یہ کتابیں ہی نادرالوجود ٹھیریں اہل سنت کے مذہب میں تو وہ کثیرالوجود کونسی کتاب ہے کل کو اپنے اثبات مذہب کے واسطے قرآن کو نادرالوجود کہدیجو
اور جعلسازی کام اہل سنت کا ہے کہ شیعوں کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں اور شیعوں کے مقابلہ میں اپنی جھوٹی روایتوں کو پیش کرتے ہیں اور شیعہ جو سند کسی مقدمہ
کی پیش کرتے ہیں تو وہ اہل سنت کی معتبر روایتوں کو پیش کرتے ہیں اپنی کتابوں کی روایت کو پیش نہیں کرتے اور پیغمبر معصوم کے حکم کو ہذیان کہنا کہ جو کفر ہے بدیہی
کیا یہ تیرے ہی نزدیک گرفت کی بات نہیں جسکی جواب میں علماء اہل سنت سر پٹکتے اور تاویلیں کرتے چلے آئے ہیں اور پھر کچھ بن نہیں پڑا کفار حضرت کے ارشاد کو
سحر اور جنون پر محمول کرتے تھے اور انہوں نے ہذیان کہا کفار میں اور انمیں کیا فرق ہوا اور پھر کہتا ہے کہ گرفت کی کوئی بات ہی نہیں ہے اور یہ اعتراض قلت فہم اور نقصان
عقل سے نہیں ہے بلکہ یہ واعتراض یہ ہے کہ مومن کے نزدیک اسکا جواب ممکن ہی نہیں ہے اور اگر قلت فہم سے ہوتا تو اسقدر اسمیں گفتگو ئیں کیوں ہوتیں اور علماء اہلسنت
کو مشکل کیوں پڑتی اور تو ۔۔۔ البتہ بعض عنایت عمر ایسا کہتا ہے اور حق کو الٹا کرتا ہے تیرے نزدیک کیا یہ اعتراض لااصل نہیں ہے اور عمر کی رائے کے ٹھیک ہونے کی کوئی
وجہ نہیں ہے کہ خلاف حکم رسولخدا کے اور موجب رنج ان حضرت کے ہے اور مجمع کو حضرت نے خفا ہو کر اٹھایا جسوقت کہا کہ میرا کہنا کوئی نہیں مانتا اور آپسمیں جھگڑتے ہیں اور ہماری
سامنے اختلاف اور نزاع کی عمر تہے کہ انہوں نے اول جناب رسولخدا صلعم کے ارشاد کو رد کر کے یہانتک نوبت پہنچائی اور مکرر حضرت کو ارشاد کرنے کی احتیاج نہ تھی تبلیغ حکم خدا
کرچکے تھے اور جسوقت لوگوں کا انکار اس مقدمہ میں دیکھا تو اندیشہ ہوا کہ نوبت قتل وقتال کی پہنچی اور تاکید زیادہ میں لوگ مرتد ہو جائیں اور تبلیغ حکم کی ایجبار ہوتی ہے جاہیے کوئی مانے
یا نہ مانے جب ایک دفعہ حکم کو پہنچادیا تو وجوب اسکا ادا ہوگیا اور عمر وغیرہ کے انکار سے حضرت کو معلوم ہوگیا کہ یہ ماننے والے نہیں ہیں اور اسوقت تو انہوں نے ہذیان ہی کی تہمت
کی ہے مگر لکھنے میں معلوم نہیں کیا فساد برپا کرتے اسواسطے حضرت نے سکوت فرمایا اور جسکی طرف سے کھٹکا تھا انکا امتحان ہوگیا اگر سوبار حضرت فرماتے تو عمر اور تابعین عمر ہرگز تسلیم
نکرتے اور معلوم نہیں کیا کیا سانگ لاتے البتہ اگر ادب ورزمی سے انکار کرتے اور کہتے کہ آپکو لکھنے میں تکلیف ہوگی تو چونکہ یہ امر ضروری تھا لہذا ضرور اسکی تاکید کرتے لیکن جب ایسی گستاخی
اور بیادبی کو سنا تو اندیشہ اسکا ہوا کہ اسدفعہ نبوت کا انکار کرنے لگیں گے جیساکہ پہلے اس سے شک ثبوت نبوت میں کیا کرتے تھے اسلئے مکرر نفرمایا **قال الشیخ الاشعری** اور
علی ہذا القیاس اگر یہ شور جیسا حضرت عمر نے سمجھا موجب آزار خاطر حضرت سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم نہوتا تو کھڑے ہوجانے کو نفرماتے بلکہ یوں کہیے کہ جیسے اور بہت مواقع
میں باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفت کے حضرت عمر کی رای خدا کی مرضی کی موافق نکلی ہے اور اسیوجہ سے ان مواقع میں انکی رای کے موافق وحی آئی اگر وحی آتی تو بوجہ
مخالفت رای نبوی اہل اسلام کے نزدیک عمر سے برا کوئی نتھا یہاں بھی حضرت عمر کی رائے خداوند کریم علیم حکیم کی مرضی کے موافق تھی ورنہ جیسے کفار کی تکذیب کے وقت وحی آسمانی
شاہد صدق رسول ربانی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی تھی یہاں بھی وحی آتی اور آپکی رای کی تصدیق ہوجاتی ہاں اتنی کمی رہگئی کہ بعد اس واقعہ کے حضرت عمر کی تصدیق کیلئے وحی نازل نہوئی
غالباً بندرہ سولہ واقعہ کی تصدیق کو کافی سمجھکر ایک اس واقعہ میں بغرض تصدیق عمری وحی نازل نہوئی **اقول** عمر نے جو کچھ سمجھا وہ خلاف مرضی خدا اور رسولخدا صلعم کے سمجھا اور لوگوں کے
کھڑے ہونے کو جو حضرت نے فرمایا تو بہت آزردہ و ناخوش ہو کر حضرت کے کہنے کو نہ مانا اور پھر حضرت کے حضور میں شور وغل کہ جو بموجب آیت لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی
ممنوع ہے برپا کیا خصوصاً عمر وغیرہ نے کہ جو بالغین تھے اور دیگر نے اولی حضرت کے حکم کے تھے اور عمر کی کوئی رائے کہ جو مخالف رای رسولخدا صلعم کے تھی ہرگز موافق مرضی خدا کے نہتی بلکہ ایسا سمجھنا
کہ رسولخدا صلعم کی رای رد ہوئی اور عمر کی رائے خدا تعالی نے پسند کی بالکل غلط ہے بلکہ قریب کفر کے ہے اور اگر عمر کی اس رای کے موافق جو برخلاف رای رسولخدا صلعم کی ہو بحسب اتفاق وحی
نازل ہوئی تو مضائقہ نہیں ہے اور حضرت صلعم کی رای کے مخالف رایے کو مقبول خدا سمجھنا ضلالت اور کفر کی بات ہے کہ عمر کا مرتبہ رسولخدا سے بھی زیادہ سمجھتی ہو اس صورت میں تو عمر ہی پیغمبر ٹھیرے
بلکہ پیغمبر سے بڑھکر کہ پیغمبر کی رای تو خدا کو پسند نہوا اور عمر کی رای پسند ہوا اور اسکی رای کے موافق وحی نازل ہو اس صورت میں تو خدا تعالی سے بڑی بھول اور چوک ہوئی کہ جو شخص کہ
سزاوار نبوت کے تھا اسکو پیغمبر نکیا اور جو لائق نبوت کے نتھا اسکو پیغمبر کیا لیکن رتبہ نبوت کا عمر کیواسطے پھر بھی قائم رکھا گو بعکس ترتیب رسولخدا صلعم کے بعد رہا چنانچہ فرمایا حضرت نے موافق روایت

اہل سنت کے کہ لو کان نبی بعدی لکان عمر یعنی اگر ہوتا پیغمبر بعد میرے تو البتہ پیغمبر بعد میرے عمر ہوتا اور یہ انکار عمر کا اور حضرت کو منسوب بہذیان کرنا ہرگز موافق مرضی
خدا کے نہیں ہے تو جھوٹ لکھتا ہے اور یہہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا تعالی بھی حضرت کے ارشاد کو ہذیان سمجھے اور خود ہی حضرت کے حق میں فرماتا ہے کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى اس سے معلوم ہوا کہ نعوذ باللہ وحی بھی خدا کی ہذیان ہی ہے خدا کے فرشتے کا بھی موافق اعتقاد اہل سنت کے اعتبار نہ رہا کہ وحی بھی اُسکی ہذیان ہی ہو گئی
اور کلام اللہ کا بھی اس سے ہذیان ہونا لازم آتا ہے اسواسطے کہ وہ بھی وحی خدا ہے اور پیغمبر خدا ہی کی زبان سے اُسکو سنا ہے اس صورت میں اُس میں بھی احتمال ہذیان کا ہے یہہ
بات تو جب صحیح اور درست ہوتی ہے کہ کوئی ارشاد جناب رسول خدا صلعم کا ہذیان نہو اور اس مقدمہ میں تو وحی پہلے ہی آ چکی تھی اور اب جو فرماتے تھے حضرت تو تاکیداً فرماتے تھے اور
ہر مرتبہ حضرت کا ارشاد محتاج وحی کا نتھا جو اسکی تصدیق کے لئے دوبارہ وحی آتی وہ تو جو فرماتے تھے موافق وحی کے ہی تھا اور عمر کو جو حضرت کے ارشاد کا اعتبار نتھا اور مثل
کفار کے وہ بھی تصدیق اسکی وحی سے چاہتا تھا تو وحی کے سنانیوالے رسول خدا ہی تھے جب پہلے ارشاد کا حضرت کے اعتبار نکیا تو اُسکا کیونکر اعتبار کرتا اور وحی اُسکو کیونکر سمجھتا
اُسکو بھی رد کرتا اور اسکی تصدیق کے لئے بھی ایک اور احتیاج ہوتی اُسکا بھی یہی حال ہوتا اسیطرح تسلسل ہوتا اور جو حضرت کے کسی ارشاد کا اعتبار نکرتا کہ یہ ارادہ حضرت
کا تو اُسکی مرضی کے موافق کسی طرح سے نتھا اور اگر حضرت کا ارشاد اُسکے مرضی کے مخالف نہوتا تو اول مرتبہ ہی اُسکو تسلیم کر لیتا اور تحریر سے اس شیخ کی معلوم ہوا کہ عمر رسول خدا صلعم
کو راستگو نہ جانتا تھا بلکہ مثل کفار کے دروغگو جانتا تھا کہ حضرت کی تصدیق کیواسطے دوسری وحی چاہتا تھا اور عمر کی تصدیق کے واسطے وحی کیسی نازل ہوتی کہ وہ تو وحی
خدا کو ہذیان کہہ چکا تھا کیا دوسرے مرتبہ خدا تعالی اپنی وحی کو ہذیان مقرر کراتا کہ جیسے کہ رسول خدا صلعم کا اعتبار گیا تھا عمر وغیرہ کے نزدیک تو کیا خدا تعالی لوگوں کے نزدیک
اپنا اعتبار بھی کہوتا **قال الشیخ الاشعری** غالباً بندر سول واقعہ کے تصدیق کو کافی سمجھکر ایک اس واقعہ میں بغرض تصدیق عمر کی وحی نازل نفرمائی اور نیز
واقعہ بدلالت آیت مذکورہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ جو بعد اس سفر کے تھا چنانچہ مذکور ہوا اور باایہمہ آخر زمانہ حیات نبی میں جو وقت کمال توجہ الی اللہ اور استغراق تام کا ہے کیا
مناسب تھا کہ ایسے امور غیر ضروریہ کی طرف اپنے ذہن کو متوجہ فرمایا جاتا یہی وجہ غالباً اس واقعہ میں وحی ربانی جو مصدق عمر اور ارشاد قول خلیفہ دوم ہو جاتی نہ آئی ورنہ یہ تو بات
خود مندفع ہو جاتی بالجملہ یہہ حضرت عمر کا بولنا تو عقل سلیم کے نزدیک قابل تعریف ہے اور اس پر بھی بوجہ تیرہ درونی اور بغض ذاتی کے اگر کوئی بُرا کہے جائے تو اُسکا جواب بجز
اس شعر کے اور کچھ نہیں ؎ چشم بد اندیش کہ برکندہ باد * عیب نماید ہنرش در نظر * **اقول** رسول خدا صلعم کی رائے کی مخالفت میں عمر کی رائے کی تصدیق کبھی نہیں ہوئی
ہے تو جھوٹ لکھتا ہے اور رسول خدا صلعم پر عمر کو فوقیت دیتا ہے کہ جس سے کفر اور نفاق نکلتا ہے اور اس واقعہ میں عمر کی تصدیق کے واسطے پھر وحی کیونکر نازل ہوتی مگر کیا خدا تعالی
دوسرے مرتبہ بھی اپنی وحی کو ہذیان کہلاتا اور آیت اکملت لکم دینکم کا نزول ہو چکنے کے بعد جناب رسول خدا صلعم نبوت سے معزول نہیں ہو گئے تھے کہ انکے کسی قول کا اعتبار نہو اور اگر
کچھ فرمائیں تو وہ ہذیان پر محمول ہو گیا رسول خدا یہ بات نہیں سمجھتے تھے کہ خدا تعالی نے تو شرع کو موقوف کر دیا ہے اور مجھکو حکم کرنے سے منع کر دیا ہے پھر میں اُنکو کسی مقدمہ میں
کیونکر کہوں اور آیت مذکورہ کے تو معنی ہی نہیں سمجھا ہے اور جواب اُسکا مفصل پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں کہ اس آیت نے حضرت کو حکم کرنے سے معزول نہیں کیا ہے اور کلام اللہ کی
آیات سے ثابت ہے کہ اطاعت رسول خدا صلعم کی واجب ہے اور ہم پہلے اس سے لکھ چکے ہیں کہ رسول خدا صلعم کے امر کی تعمیل واجب ہے اور کم سے کم استحباب سے تو خالی ہی نہیں ہے
لیکن رد کرنا بطریق انکار کے تو مستحب کا بھی جائز نہیں ہے اور اگر آخر زمانہ حیات نبوی کا اہال توجہ الی اللہ تھا تو یہ ارشاد حضرت کا اس سے بھی زیادہ تھا کہ جس میں اُمت
حضرت کی ضلالت سے محفوظ رہتے تھے اور ایسا ہی ضروری تھا یہہ امر کہ جبکہ ایسی حالت میں اپنی اوپر تکلیف کو گوارا کر کے لکھواتے تھے اور عمر نے کچھ سن تو لیا ہوتا کہ کیا
فرماتے ہیں ابھی سنا ہی نہیں ہے اپنے مقصود کے مخالف سمجھکر پہلے ہی سے اُسکو رد کر دیا اور کہدیا کہ بیماری میں حضرت بہکتے ہیں اور اُسکے ضروری اور غیر ضروری ہونیکی کیا واسطہ تھا
وصیت تھی حضرت کی اور وصیت کے رد کرنیکا حکم نہیں ہے بلکہ تاکید اُسکی ہے اور اگر عمر کو یہہ منظور تھا کہ ایسے وقت میں حضرت کو لکھنے کیطرف مصروف کرنا مناسب نہیں تو اتنا تو
کہا ہوتا کہ یا حضرت لکھنے میں تو آپکو تکلیف ہو گی زبان مبارک سے جو کچھ منظور ہو ارشاد فرما دیجئے ہم اُسپر عمل کرینگے لیکن دل میں جو وہی علی بن ابیطالب کی خلافت
کھٹکتی تھی اُسکو سمجھکر حضرت کے قول کو کہا کہ بیماری میں بہکتا ہے ارے واہ رے شیخ کیا وجہ معقول بیان کی ہے کہ ایسے امر غیر ضروریہ میں اپنے نبی کو کیا مناسب تھا کہ مصروف
کرتے عمر کو تو یہ بات سوجھی ہی نتھی لیکن تو نے اُنکی اصلاح حال میں اپنے ایمان کو کھویا اور برباد کیا اور ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ عمر کے اس قول لغو کی تصدیق خدا تعالی
کیونکر کرتا کہ اُسکے قول کا اعتبار نہ رہتا کہ اپنی وحی کو ہذیان مقرر کرتا ہے اور جو امور کہ واقعی ہیں عمر کی خاطر سے اُنکو تو ثابت ٹھیراتا ہے اور یہ حضرت عمر کا بولنا عقل کے
نزدیک قابل تعریف ہرگز نہیں ہے بلکہ قابل نفرین ہے اور وہ کونسا عقل کا اندھا ہے کہ پیغمبر کے ارشاد کو منسوب بہذیان کرے اور اُنکو قابل تعریف کے سمجھیگا یہ تو تمہارا ہی کام
ہے کہ عمر کے مقابلہ میں رسول خدا صلعم کی حقیقت کو کچھ نہیں سمجھتے اور اپنی تیرہ درونی کی جہت سے عمر کی محبت میں رسول خدا صلعم پر عیب لگانیکو قابل تعریف کے جانتے ہو

اور عمر کے عیب کو ہنر سمجھتا ہو اور جو مومن ہوگا اپنے پیغمبر پر عیب لگانیوالے کو البتہ برا کہیگا اور عیب لگانیوالے سے اسکو بغض ذاتی بھی ہو جائیگا اور جو کہ ایمان سے کچھ بہرہ نہیں رکھتا ہے وہ البتہ مثل کفار کے پیغمبر خدا کے عیب لگانیوالے کو اچھا جانیگا اور یہ بھی عجب بات ہے کہ عیب کو ہنر قرار دیتے ہیں ایسا کون باولا ہے کہ جو اس قول کو پسند کریگا

قال الشیخ الاشعری اور اگر ارشاد نبوی کو دربارہ طلب کاغذ و دوات قلم شفقت پر محمول کرنا کسی متعصب کو المرء یقیس علی نفسہ کے تعصب نظر آئے اور باوجود اس توضیح کے اس ارشاد کو ارشاد وجوبی ہی کہے جائیے تو یہ اعتراض حضرت عمر ہی پر نہوگا بلکہ اسکے یہ معنی ہوئے کہ تمام اہل بیت اور تمام صحابہ اس جرم میں حضرت عمر کے شریک نکلے اور وہ قصہ ہوگیا مرگ انبوہ جشنے دارد بلکہ اہل بیت اس تقصیر میں اول درجہ کے تقصیر وار ہوئے کیونکہ اول تو مریض کی امر و نہی کے مخاطب اسکے گھر والے ہی ہوا کرتے ہیں دوسرے حضرت عمر تو غیر تھے عیادت کے لئے ساعت دو ساعت کے لئے آگئے تھے۔ **اقول** ان عذروں سے تیرے کچھ فائدہ نہیں ہے جو کچھ ہونا تھا وہ ہو لیا اور عمر کی کسی طرح سے نجات نہیں ہے اور دوات قلم کے طلب کرنیکو ہم بھی شفقت پر محمول کر سکتے ہیں تعصب سے نہیں کہتے ہیں اس واسطے کہ وصیت لکھدینے میں بڑی شفقت حضرت کے تھی امت پر کہ امت کو ضلالت اور گمراہی سے بچاتے تھے اگر اسپر عمل کرتے اور سوائے اسکے اور کس جہت سے حضرت کی شفقت تھی حضرت تو مدام اسی فکر میں رہتے تھے کہ امت کو میری نجات ہو اور دوات قلم کا طلب کرنا اسیکا سامان تھا لیکن عمر نے اور انکے ہمدموں نے نجات کو نچاہا اور امت کو حضرت کی گمراہی میں کہا اور حضرت کے ارشاد کو ارشاد وجوب کیونکر نکہیں کہ مشتمل ہے عدم ضلالت پر چنانچہ فرماتے ہیں حضرت کہ ائتونی اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ اور تو حضرت کے قول کو ارشاد کسواسطے لکھتا ہے بلکہ عمر کی متابعت سے تجہلہ ہذیان کہنا چاہئے اور کہنا چاہئے کہ اس ہذیان کو ارشاد وجوبی کیسے جانے اور تمام اہل بیت و صحابہ اس جرم میں عمر کے کیونکر شریک ہو سکتے ہیں سب اہل کب موجود تھے بلکہ چند اذن شدہ اور اہل بیت کا وہاں موجود ہونا کسی روایت سے ثابت نہیں ہے نہ صراحتہ نہ کنایتہ صحیح بخاری میں تو روایت پنجم اور ششم اور ہفتم میں یہ لکھا ہے کہ وفی البیت رجال فیہم عمر بن الخطاب یعنی اور گھر میں کہ چند مرد تھے کہ ان میں عمر بن خطاب بھی تھے اور شرح بخاری میں ابن حجر قسطلانی نے بعد فاختلف اہل البیت کے لکھا ہے کہ الذین کانوا فیہ من الصحابۃ لا اہل بیتہ علیہ السلام یعنی جو لوگ کہ تھے اس گھر میں اصحاب میں سے نہ اہل بیت رسول خدا صلعم کی اور شرح حدیث چہارم میں لکھا ہے کہ قولہ فی الروایۃ الثانیۃ واختلف اہل البیت ای من کان فی البیت من الصحابۃ ولم یرد اہل بیت النبی ص یعنی قول اس صاحب بخاری کا روایت ثانی میں واختلف اہل البیت جو ہے تو مراد اس سے یہ ہے کہ جو شخص کہ تھا گھر میں صحابہ میں سے اور نہیں ارادہ کیا ہے اس سے صاحب بخاری نے اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ کا سو روایتوں میں تو اس طرح لکھا ہے تو اہل بیت علیہم السلام کو کہاں سے کہتا ہے کہ وہ بھی موجود تھے اور گھر والے تو اسوقت بی بی عائشہ تھیں کہ انکے گھر میں حضرت تھے اور امر و نہی کی مخاطب وہ ہی تھیں وہ ہی اول درجہ کی تقصیر وار ہونگی اور ہمراہ اپنے چچا کے منکرین و ہذیان کہنے والوں میں شریک ہونگی اور عمر اگرچہ غیر تھے اور ایک ساعت کے واسطے عیادت کو آئے تھے مگر جسوقت وہ موجود تھے اسیوقت انکا مافی الضمیر ظاہر کرنے کو حضرت نے سب حاضرین کی طرف خطاب کرکے دوات و قلم و کاغذ کو طلب کیا اور سب سے پہلے عمر نے دینے سے انکار کیا اور حضرت کو کہا کہ یہ بیماری میں بہکتا ہے

قال الشیخ الاشعری اگر انکی نشست کے وقت کچھ اندیشہ تھا جب وہ اٹھ کھڑی ہوئی پھر کون تھا آخر اس قصے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی روز زندہ رہے بلکہ غور سے دیکھئے تو درصورتیکہ اس ارشاد کو ارشاد ایجابی اور امر وجوبی کہئے جیسے شیعوں کا جی چاہتا ہے تو پھر جناب سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم بھی نعوذ باللہ جرم کے شریک ہوئے کیونکہ جسقدر ہم پر اطاعت خدا و رسول واجب ہے اس سے زیادہ نبی پر تبلیغ احکام واجب ہے چنانچہ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ اسپر دلالت کرتی ہے اسلئے کہ حاصل آیت مذکور یہ ہے کہ اے رسول پہنچا دے جو کچھ تیری طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر یہ کام نکروگے تو تمنے کوئی پیغام بھی کا نہ پہنچایا انتہی اور اوپر سن چکا ہوگا کہ نزدیکاں رابیش بود حیرانی چنانچہ اشارات کلام اللہ اور حدیث بھی اسپر شاہد ہیں تو اب لاجرم یہ کہنا پڑیگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تبلیغ احکام اس سے زیادہ واجب ہے کہ ہم پر تعمیل احکام اور ادھر یہ بھی ظاہر ہے کہ تبلیغ جبھی کہہ سکتے ہیں کہ احکام کو بیان بھی کیا جائے اتنی بات کو کاغذ دوات قلم لاؤ میں تمہیں وہ باتیں لکھدوں کہ انپر عمل کرو تو گمراہ نہو تبلیغ حکم کہنا اسیکا نام ہے جو برے نام ہے انسان ہے اور عقل سے محروم اور دانش سے ناکام ہے الغرض اس صورت میں حضرت عمر سے اگر تقصیر ہوئی بھی تو اتباع نبوی پھر بھی ہاتھ سے نہ گیا اگر حضرات شیعہ جناب سرور کائنات علیہ و علی آلہ افضل الصلوت والتسلیمات اور اہل بیت کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نسبت اس تقصیر کو نعوذ باللہ منہ تجویز کر سکیں تو ہمیں بھی حضرت عمر کی اسقدر گنہگاری کا چنداں رنج نہیں اول تو مرگ انبوہ جشنے دارد۔ دوسرے شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

اقول انکی نشست کے اندیشہ سے کچھ مطلب نہیں ہے یہاں تو منکرین کے خبث باطن کا ظاہر کرنا منظور تھا اور اسیواسطے موجودگی میں عمر کی حضرت نے دوات و قلم کاغذ کو طلب کیا اور محض لکھنا ہی منظور ہوتا اس امر کا کہ جسکو پہلے اس سے بتاکید فرما چکے تھے تو انکی غیبت میں لکھ سکتے تھے لیکن اسوقت انکا حال اطاعت اور عدم اطاعت و حسن اعتقاد انکا امت پر ظاہر کرنا ملحوظ تھا سو انہوں نے حضرت کے ارشاد کو اس طرح سے رد کیا کہ یہ شخص بیماری میں بہکتا ہے اسکے قول کا اعتبار نہیں ہے اور ہمکو کلام اللہ

کفایت کرتا ہی اور جناب رسول خدا صلعم اس جرم میں ہرگز شریک نہیں ہیں اسواسطے کہ ہرچند حضرت پر تبلیغ احکام خدا واجب ہے مگر یہاں حضرت نے حکم خدا کو باقی نہیں رکھا ہی آنکو
بھی پہنچا دیا ہی اسلئے کہ جناب رسول خدا صلعم ائتونی بقرطاس و دوات وغیرہ کے کہنے کی مامور تھے اور غرض اس سے اظہار مخالفت عمر اور تابعین انکی کی تھی سو حضرت نے وہ پہنچا دیا
اور جسوقت کہ غرض اس سے ظہور مخالفت عمر وغیرہ ہو تو بعد ظہور غرض غایت کے حاجت لکھنے کتاب کی نہیں ہی اور اگر وہ حضرت کچھ لکھتے تو لکھنا آپکا بیفائدہ تھا کہ وہی اش کاسہ میں تھا
کہ منکرین معلوم نہیں کیا بات بناتے اگر نبوت کا انکار کرجاتے نفسانیت کی جہت سے تو بعید تھا اور اگر لکھ کر اپنی اہل بیت میں سے کسیکے سپرد کرتے تو وہ اہل بیت کی جعلسازی مقرر کرتے
اور یہ کہتے کہ پیغمبر خدا اپنے ہاتھ سے تو کچھ لکھتے ہی نتھے اور اسوقت درد سینہ بھی تھا انہوں نے ہرگز نہیں لکھا ہی انہوں نے خود لکھ لیا ہی اسواسطے کہ حبیب المشافہ زبانی کہنے کو انہوں نے نہ مانا تو نوشتہ
کو کون مانتا ہی کہ اسمیں تو طرح طرح کے احتمال پیدا ہوتے ہیں اور اگر اپنی اہل بیت کو لکھکر دیا ہی ہو تو کیا عجب ہے اور جعلسازی کی تہمت کے خوف سے اسکو نہ کھایا ہو اور ہمارے مذہب میں
کو ثابت ہے چنانچہ جلاء العیون میں لکھا ہی اور ہمارے نزدیک عدم تبلیغ حضرت کی کسیطرح ثابت نہیں ہے اور یہ آیت جو بیان کی ہی یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الخ
یہ بھی حضرت علیؑ کی خلافت کے حکم میں نازل ہوئی ہی کہ خم غدیر میں بعد نزول اس آیت کے رسول خدا صلعم نے حضرت علی کی حق میں فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ چنانچہ تفسیر در منثور
اور تفسیر نیشاپوری اور تفسیر اسباب نزول و تفسیر کبیر میں لکھا ہی کہ آیت یا ایھا الرسول الخ نازل ہوئی تو رسول خدا صلعم نے علی کی فضیلت میں فرمایا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ
اور حقیقت میں یہ آیت حضرت علی کی خلافت کے مقدمہ میں نازل ہوئی ہی چنانچہ اپنے مقام میں ثابت ہے لیکن علماء اہل سنت نے یہ تو لکھا کہ بعد نازل ہونے اس آیت کے رسول خدا صلعم نے
علیؑ کی فضیلت میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا اور بسبب تعصب کے یہ انکی زبان سے نہ نکلا کہ علیؑ کی خلافت کے مقدمہ میں ایسا فرمایا ہی خلافت کی جگہ فضیلت کو لکھا اور خلافت
کو نہ لکھا مگر مراد اس فضیلت سے بھی خلافت ہی ہی اسواسطے کہ علماء اہل سنت میں سے ابو القاسم حسکانی نے تفسیر شواہد التنزیل میں اور ابن مردویہ نے کتاب مناقب میں ابن عباس و زید بن
ارقم سے روایت کی ہی کہ جسوقت مامور ہوئے رسول خدا صلعم خدا کی جانب سے کہ پہنچا دیں تو علیؑ کے فضائل میں لوگونکو جسطرح سے کہ تجھ کو حکم ہی اسوقت رسول خدا صلعم نے عرض کی کہ خداوندا
یہ لوگ تازہ مسلمان ہیں یعنی میں ڈرتا ہوں کہ میری کہنے کو یہ قبول نہ کریں علی کی مقدمہ میں اور حجۃ آخری حج کرکے مکہ معظمہ سے مدینہ کو مراجعت فرمائی تو راہ میں یہ آیت یا ایھا الرسول
بلغ ما انزل الیک من ربک الخ نازل ہوئی اب میں کہتا ہوں کہ رسول خدا صلعم کو حضرت علیؑ کی فضیلت کے پہنچانے میں سوائے فضیلت خلافت کے کیا خوف تھا اس سے
زیادہ فضیلتیں علیؑ کی جناب رسول خدا صلعم نے بیان کی ہیں کہ حضرت نے جو فرمایا کہ قبول نکرینگے یہ تازہ مسلمان ہیں مراد اس سے خلافت علی کی ہی کہ جو بعضے لوگونکو پسند نتھی اور جب
رسول خدا صلعم نے چاہا کہ مرض الموت میں یہ لکھدیں تو ان لوگوں ہی نے انکار کیا اور نزدیک ان کے جب کسیطرح کا تعلق نہو تو انکو کیا حیرانی ہی اور رسول خدا صلعم پر اگرچہ سب سے زیادہ
اطاعت خدا کی واجب ہے لیکن جبکہ مرض میں حضرت مامور تھے کسی تبلیغ کے جیسا کہ ہمنے پہلے بیان کیا ہی اور سب طرح سے حکم تھا اسیطرح حضرت نے بیان بھی کردیا اور حضرت نے جو فرمایا
کہ دوات و قلم لاؤ اسی کی کہنے کے مامور تھے سو وہ کہدیا یہ اور بات ہے کہ عمر نے اتباع نبی نہ کیا بلکہ حضرت کے ارشاد کو ہذیان مقرر کرکے رد دیا اور حسبنا کتاب اللہ جو
کہا تو اس سے یہی مقصود ہی کہ کتاب خدا کو ہم مانتے ہیں اور پیغمبر کے قول کو ہم نہیں مانتے اور اہل بیت علیہم السلام تو اس مقدمہ میں کچھ تعلق ہی نہیں ہے جیسے کہ ہم پہلے اسکو لکھ چکے اور یہ تقصیر
کو رسول خدا صلعم اور اہل بیت علیہم السلام کی اگر تجویز کریں تو اہل سنت ہی کرتے ہیں چنانچہ یہ جگہ تجویز کی بھی ہی اور شیعوں کا نعوذ باللہ یہ عقیدہ اور اعتقاد نہیں ہی اور تقصیر حقیقت
میں عمر ہی نے کی ہی اور عمر کی پیروی سے عمر کے یاروں نے کی ہی اہل سنت کو اسکا رنج ہوا ہوا اپنے بھی اس تقصیر میں اگر ہی تو عمر کا اور انکے یاران منکرین حکم رسول خدا صلعم کا ہی نہ لوگ
شیعہ کا وہ ہی سب کے سب خود ہونگے اور اس عمل کی مکافات کو پہنچینگے نہ اور کوئی اور اس شعر کا یہاں ذکر کرنا بہت بیجا ہی **وقال الشیخ الاشعری** معہذا دوات قلم کاغذ کے
منگانے سے یہ کہاں لازم آگیا کہ فرمان خلافت حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ظاہر عبارت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو اسکو تقاضا کرتا ہی کہ دین اسلام کی باتوں کا
خلاصہ جو تمام ارکان کی جڑ ہو تحریر فرماتے یا احکام دین میں سے وہ احکام کہ انکی تعمیل کر تمام احکام کی تعمیل لازم ہو لکھوتے چنانچہ آپکا فرمانا کہ انپر عمل کروگے تو گمراہ نہوگے اس بات پر
گواہ ہی سو کسی ایک کی خلافت معین کرنے میں یہ بات ظاہر ہی کہ حاصل نہیں ہوتی تاویلیں گھڑنے کو ہر کسی کے منہ میں زبان ہی اور اگر بتکلف اس مضمون کو حضرت علی
کی خلافت کو لازم ہی سمجھی تو پھر کب تک پھر کچھ نہیں حالانکہ روایت کے الفاظ اسبات پر دلالت کرتے ہیں کہ پھر گمراہی بھی پیش آئیگی **اقول** دوات قلم کاغذ اسواسطے منگواتے
تھے رسول خدا صلعم کہ حضرت علی کی خلافت کے مقدمہ میں کچھ لکھیں دلالت کرتا ہی اسپر عمر کا اس سختی سے حضرت کے قول کو رد کرنا کہ حضرت کے قول کو محمول بہذیان کرنا اور کیا وجہ
ہے کوئی پیغمبر معصوم کو جو حکم کرتا ہی وحی سے کرتا ہی ہذیان کی طرف بھی منسوب کرتا ہی اور روایات اہل سنت سے ثابت ہوتا ہی چنانچہ بعد اسکے معلوم ہوگا کہ رسول خدا صلعم خلیفہ ہی کی
تعیین میں لکھنا چاہتے تھے کہ بعد میرے اختلاف نہو اور میں کہتا ہوں کہ سوائے علی بن ابیطالب کے اور کسیکی تعیین ہو ہی نہیں سکتی اور اسی کو وہ حضرت لکھنا چاہتے تھے اسواسطے کہ
جو اوصاف خلافت مثل علم و شجاعت کے کہ علی میں تھے وہ اور کسی میں نہ تھے اور حضرت صلعم نے اپنی زندگی میں بارہا حضرت علی کی طرف اشارہ کیا ہی اور پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں

کہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغت میں تاریخ بغداد کے حوالہ سے جسکا مؤلف اہل سنت میں سے ہے لکھا ہے کہ عمر نے ابن عباس سے کہا کہ رسولخدا صلعم نے چاہا کہ اپنی مرض
موت میں خلافت کے واسطے اسکا یعنی علی کا ذکر کریں مَیں مانع ہوا فتنہ کے ڈر سے اور اس امر کے خوف سے کہ اسلام پراگندہ ہو جائے رسولخدا صلعم سمجھ گئے جو کچھ کہ میرے دل میں
تھا اور نہ کہا اور خدا نے جو کچھ مقدر کیا تھا وہ ہوا اور ایک اور روایت لکھی ہے کہ اسکے آخر میں یہ ہے کہ اور کبھی محبت کی جہت سے کہ اسکے ساتھ رکھتے تھے رسولخدا چاہتے تھے
کہ حق سے طرف باطل کی میل کریں اور مرض الموت میں چاہا کہ اسکے یعنی علی کے نام کی تصریح کریں میں نے انکو منع کیا اس امر سے واسطے شفقت کے امت پر اور واسطے
محبت اہل اسلام کے قسم ہے پروردگار خانہ کعبہ کی کہ قریش ہرگز اسپر اتفاق نکرینگے اگر وہ خلافت کو لیوے تو قریش اسپر اطراف زمین میں شورش کریں پس حضرت رسولخدا
صلعم نے جانا کہ میں نے پایا جو کچھ وہ خاطر میں رکھتا ہے اور خاموش ہو رہے اور بعد اسکے ابن ابی الحدید نے لکھا ہے ذکر ہذا الخبر احمد بن ابی طاہر صاحب تاریخ بغداد
اور ابن ابی الحدید اگرچہ معتزلی ہے لیکن حقیت خلافت ثلاثہ کا معتقد ہے اور سنی کی کتاب سے یہ روایت اُس نے لکھی ہے اور اگر علی کے واسطے نہیں لکھتے تھے اور علی کو پہلے اس سے
خلیفہ نہیں کر چکے تھے سو رسولخدا تو علی دعوی خلافت کا اتنے ہوئے کیوں بیٹھ رہتے تھے اور مانع بھی اس خلافت کا کہ علی کو نہ پہنچی سب جگہ عمر ہی تھا رسولخدا صلعم کی زندگی میں بھی اور بعد
حضرت کے بھی چنانچہ شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ وفی ارسال ابی بکر عمر و ابا عبیدة الی علی رسالة لطیفة رواہا الثقات باسناد صحیحة تشتمل علی کلام
کثیر من الجانبین وقلیل غلظة من عمر وعلی ان علیا جاء الیہما ودخل معہما دخلت فیہ الجماعة وقال حین قام عن المجلس بارک اللہ فیما ساءنی وسرکم
یعنی اور بھیجنے میں ابوبکر کے عمر اور ابو عبیدہ کو طرف علی کی بھیجنا نامہ لطیف ہے کہ روایت کیا ہے اسکو معتمدین نے باسناد صحیحہ کہ شامل ہے کلام کثیر پر دونو جانب سے اور تھوڑی سی سختی
جانب عمر اور علی سے اور علی آئے ان دونوں پر یعنی آئے ان دونوں کے پاس اور داخل ہوئے جس جگہہ کہ داخل ہوئی جماعت اور کہا علی نے جسوقت کہ کھڑے ہوئے مجلس سے
برکت دیوے خدا تمکو اُس چیز میں کہ اندوہگین کیا مجھکو اور خوش کیا تمکو انتہی اس سختی کو دو جانب کی دیکھئے اگر خلافت علی کا حق نہیں تھا اور رسول خدا انکی ہی خلافت
کے واسطے نہیں لکھتے تھے تو پھر علی کو اتنی ملال میں کیوں تھی اور باوجودیکہ خلافت تو ابوبکر کی تھی اور عمر صاحب ہی سب جگہہ حضرت علی کے خلافت کے مانع تھے
باوجودیکہ ابوبکر اور عمر میں کوئی قرابت بھی نتھی وہ تیمی تھے اور یہ بنی عدی اگر انکا آپس میں خلافت کے غصب کرنیکا مشورہ نہیں تھا تو اور کیا تھا اور ہر مقام
میں جو عمر سختی کرتا تھا چنانچہ روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ جسوقت ابوبکر نے حضرت علی کو واسطے بیعت کے مجمع مہاجرین و انصار میں طلب کیا تو بعد گفتگو کے عمر نے
حضرت علی کو کہا کہ ترا نگذاریم تا بیعت نکنی اب فرمایئے کہ یہ بار بار کا مانع خلافت علی ہونا اور علی کی خلافت کا اسقدر ناگوار معلوم ہونا دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ جناب
رسولخدا کے لکھنے کو خلافت علی کے واسطے سمجھا اس سختی سے منع کیا تھا یا نہیں اور سوائے خلافت علی کے اور کونسا امر تھا وہ کہ جسکے واسطے رسولخدا صلعم کے ارشاد کو ہذیان
مقرر کیا اگر انصاف کچھ دل میں ہے تو سمجھ جاؤ کہ ہر مقام میں جو حضرت عمر علی کی خلافت کے درپے ہوا اور چاہتے تھے کہ خلافت علی کے واسطے نہو اور فاطمہ زہرا علیہا السلام
کا گھر جلانیکو آگ اور لکڑیاں لیگئے تو رسولخدا صلعم کو علی کی خلافت ہی کے لکھنے کو سمجھ کر لکھنے سے منع کیا تھا اور سوائے اسکے اور کوئی امر نتھا کہ عمر کو لکھنا اسکا ناگوار معلوم
ہوتا اور رسولخدا صلعم اپنی زندگی میں حضرت علی کو خلیفہ کر چکے تھے اور مرض الموت میں بطور وصیت اُسکی تاکید کرتے تھے اور روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت امیر
دعوی خلافت از ابوبکر رائے خود نمود چون ابوبکر مشاہدہ کرد کہ کلمات علی جملہ استوار و محکم و ہر یکے ازیں مقابل صد ہزار راست از رفق در آمد کہ بیعت تو مرا اجباری نیست جب یہ
حال تھا حضرت علی کا دعوی میں خلافت کے اور انکے کلام کا جواب تھا تو حق علی کا نتھا تو اور حق کسکا تھا اور سوائے اسکے رسولخدا صلعم اور کس مقدمہ میں لکھتے تھے کہ حضرت عمر
اسقدر ترش ہوئے اور سوائے اسکے اور بہت ایسے امور ہیں کہ جو دلالت کرتے ہیں اس امر پر کہ جناب رسولخدا صلعم حضرت علی کی خلافت کی ہی مقدمہ میں لکھتے تھے کہ عمر صاحب ہمیشہ جو رسولخدا
کو دیکھتے تھے کہ صراحۃً اور کنایۃً علی کی خلافت کی تاکید کرتے ہیں تو مرض الموت کی لکھنے کو بھی یہی سمجھے اسواسطے منع کیا اور اہل سنت ہی کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہوا ہے اور
وہاں ظاہر عبارت رسولخدا صلعم اسی کا تقاضا کرتا تھا کہ دین اسلام کی باتوں کا خلاصہ جو تمام ارکان کی جڑ ہو تحریر فرماتے سو وہ خلافت حضرت علی کی تھی کہ جس میں خیر
دنیا اور آخرت کی تھی اور دین اسلام کی باتوں کا خلاصہ اور تمام ارکان کی جڑ وہی تھی کہ حضرت علی ماہر تھے علوم شرع سے مثل رسولخدا صلعم کے نائب کا علم مثل منیب کے چاہئے
تاکہ ہدایت کرے خلقت کو اور جہلاء اس منصب کے قابل نہیں ہو سکتے کہ جسوقت شرع کی کوئی مشکل پیش آئی تو دوسرونکی طرف رجوع کریں اور بیشک حضرت علی کی خلافت
اصل تھی جمیع امور شرع کی اور وہ ہی ایسے تھے کہ اُسکے نہ ماننے میں گمراہی متصور تھی اور اہل سنت کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم خلیفہ ہی کو معین
کرنا چاہتے تھے جسکو عمر نے رد کیا ہے اور علی ہی کی تعیین سمجھا کیا ہے اور اگر ابوبکر کو یا اپنی ذات کو یا عثمان کو یا معاویہ کو سمجھتے تو کاہیکو رد کرتے کہ یہ تو سب ایک تھے اور خلیفہ کی تعیین
کرنیکے مقدمہ میں بہت کتابوں میں اہل سنت کی لکھا ہے از انجملہ شیخ عبد الحق دہلوی نے شرح مشکوۃ میں لکھا ہے کہ قیل کان النبی اراد ان یکتب تعیین واحد من الصحابة للخلافة لئلا

بقیہ بعدا تنازعہم وکان بکاء ابن عباس لما فات معتقدا من ذلک الخیر یعنی کہا گیا ہی کہ تحقیق پیغمبر خدا کا ارادہ کیا یہہ کہ لکہی تعیین ایک کی صحابہ میں سے واسطے خلافت کے تاکہ نہ واقع ہو نزاع بعد اُس حضرت کے اُن میں سے اور تہا رونا ابن عباس کا واسطے فوت ہونے اعتقاد اُسکے کے اس خیر سے اور کرمانی نے شرح صحیح بخاری میں خطابی سے نقل کی ہی کہ اُس نے کہا کہ ہذا یتاول علی وجہین احدہما انہ اراد ان یکتب اسم الخلیفۃ بعدہ لئلا یختلف الناس ولا یتنازعوا فیؤدیہم ذالک الی الاختلال یعنی یہ تاویل کیا گیا ہی دو وجہ پر ایک اُن دونوں میں کا تو یہہ ہی کہ تحقیق اُس حضرت نے ارادہ کیا یہہ کہ لکہے نام خلیفہ کا بعد اپنے تاکہ نہ اختلاف کریں آدمی اور نہ نزاع کریں آپس میں پس پہنچا دے اُنکو وہ نزاع طرف خلل کے اور فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اکتب لکم کتابا کی شرح میں لکہا ہی ہو تعیین الخلیفۃ بعدہ وسیاتی شیٔ من ذلک فی کتاب الاحکام فی باب الاستخلاف منہ یعنی وہ معین کرنا خلیفہ کا ہے بعد اپنے اور قریب ہے کہ آوی کچہہ اس میں سے کتاب الاحکام میں جو باب الاستخلاف میں اُس میں سے ہی اس سے معلوم ہوا کہ وہ حضرت خلیفہ کا نام لکہنا چاہتے تہے اور وہ سوائے علی بن ابیطالب کے دوسرا کوئی آدمی نہیں ہوسکتا ہی اور ان لوگوں نے اگرچہ یہہ تو لکہا کہ وہ حضرت خلیفہ کا نام لکہنا چاہتے تہی لیکن اپنی مذہب کی رعایت سے کہ خلافت ثلثہ کی باطل ہوتی اور عمر مورد طعن ہوتی تہی حضرت علی کا نام نہ لکہا جو کہ حق تہا اور حضرت علی کی خلافت کو پہلے اس سے ہم ثابت کر آئی ہیں اور حضرت علی کا خلیفہ ہونا ثابت ہوگیا تو بعد اُنکے اولاد طیبین اُنکی خلفاء حقہ ہیں بموجب حدیث سیکون من بعدی اثنا عشر خلیفۃ کلہم من قریش کے اور جو بارہ خلفاء کہ اہل سنت نے تجویز کئے ہیں ابوبکر عمر عثمان معاویہ یزید عبدالملک وغیرہ یہہ خلفاء حقہ نہیں ہوسکتے کہ جہلاء تہے اور دوازدہ ائمہ علیہم السلام کی خلافت کے حق میں عماد الدین شفروہ حنفی اور اخطب خوارزم نے روایت کی ہی کہ فرمایا رسول خدا صلعم نے کہ جسوقت مجہکو آسمانوں پر لیگئے تو ندا آئی مجہکو جانب پروردگار سے کہ ای محمد پیدا کیا میں تجہکو اور پیدا کیا میں علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین کو اور آٹھ کو اُسکی اولاد میں سے اپنے نور سے اور عرض کیا میں ولایت تمہاری کو آسمان والوں پر اور زمین والوں پر پس جسنے کہ قبول کیا اُسکو تو ہوئیگا وہ میرے نزدیک مومنین میں سے اور جسنے انکار کیا وہ کافروں میں سے ہوگا اور ای محمد صلعم اگر بندہ عبادت کرے میری یہانتک کہ منقطع ہوجائے یا نہو جائے ریاضت عبادت سے مثل پوست در ہم کشیدہ کے پس آئے نزدیک میرے انکار کرنیوالا ہوکر تمہاری ولایت کا تو نہ بخشونگا میں اُسکو ای محمد تو چاہتا ہی کہ دیکھے اُنکو میں نے کہا کہ ہاں ای پروردگار میرے فرمایا کہ متوجہ ہو جانب راست عرش کے فاذا بعلی وفاطمۃ والحسن والحسین وعلی بن الحسین ومحمد بن علی وجعفر بن محمد وموسی بن جعفر وعلی بن موسی ومحمد بن علی وعلی بن محمد والحسن بن علی والمہدی فی ضحضاح من نور قیام یصلون وہو فی وسطہم کانہ کوکب دری فقال یا محمد ہؤلاء الحجج وہو الثائر من عترتک وعزتی وجلالہ انہ الحجۃ الواجبۃ لاولیائی والمنتقم من اعدائی حاصل یہہ کہ دیکہا میں نے ان بارہ امام کو اور مہدی اب تنک میں نور کے کہڑے ہوئے نماز پڑہتے ہیں کہ مہدی درمیان اُنکے مثل ستارہ درخشندہ کی ہی پس کہا ای محمد یہہ ہیں حجتیں میری اور وہ مہدی قتل کرنیوالا ہی عترت تیری کی جانب سے ہو لڑان ظلموں کی عوض میں کہ بہ نسبت اہلبیت تیری کی پہونچی ہیں قسم ہی عزت میری کی اور جلال میری کی کہ وہ ہی حجت لازم واسطے دوستوں میرے کے اور انتقام لینے والا دشمنوں میرے سے اور ایسا ہی محی الدین عربی نے فتوحات میں لکہا ہے قریب اسکے اور اخطب خوارزم کو جو صاحب تحفہ نے لکہا ہی کہ وہ زیدیہ طریقہ رکہتا تہا بالکل غلط ہی اسواسطے کہ فرقہ زیدیہ زید شہید تک قائل امامت کے ہیں اور بعد کی باقی ائمہ کو تسلیم نہیں کرتے ہیں چہ جائیکہ امامت اُنکی اگر فرقہ اثنا عشریہ میں سے اُسکو کہتے تو ہوسکتا تہا لیکن دیدہ و دانستہ جہوٹ لکہتے ہیں چنانچہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں لکہا ہی اخطب خوارزم کے حال میں کہ کنیت اُسکی ابوبکر ہے اور اس کنیت سے مشہور ہے اور اپنے دیار میں وہ اخطب الخطباء تہا اور اُسکی کنیت سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ اہل خوارزم سنی ہے نہ شیعان سبزوار اور قم اور کاشان سے اور تاریخ بلد الامین اور تاریخ صفدی اور عقد الثمین میں تعریف اُسکی لکہی ہوئی موجود ہی اور جلال الدین سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ فی طبقات النحاۃ میں مدح اُسکی بہت سی بیان کی ہی پہر وہ زیدی کیونکر ہوجائیگا اور ہمنے فرض کیا کہ وہ زیدی تہا لیکن شیخین کی خلافت کا قائل تہا اور خود صاحب تحفہ نے تحفہ کے باب اول میں فرقہ زیدیہ کو اہل سنت میں سے شمار کیا ہی اور یہ جو لکہا ہی کہ روایت کی الفاظ اسبات پر دلالت کرتے ہیں کہ گمراہی میری نہ آئیگی یہہ کہنا بالکل غلط ہے اسواسطے کہ روایت کی الفاظ اسی پر دلالت کرتے ہیں اور رسول خدا صلعم کو اس امر کا علم تہا کہ بعد میرے یہہ گمراہ ہوجائیں گے اور علم نبوت سے حضرت کو یہ حال معلوم ہوگیا تہا تو حضرت نے ایسا فرمایا تہا اور نہ اسکے فرمانیکی کیا ضرورت تہی پیغمبر کا کلام عبث اور بے فائدہ نہیں ہوتا اور آخر وقوع میں آیا کیا تیرے نزدیک سب فرقہ اہل اسلام کے حق ہیں اور کوئی فرقہ گمراہ نہیں ہے اور سوائے اسکے نصرانیوں کا بڑا اعتراض ہی مسلمانوں پر اور کہتے ہیں مسلمانوں کو کہ تم بموجب قول اپنے پیغمبر کے گمراہ ہوا اسواسطے کہ تمہارے پیغمبر نے فرمایا تہا کہ کاغذ و دوات و قلم مجہکو دو کہ تمہارے واسطے میں کچہہ لکہدوں کہ تم بعد میرے گمراہ نہو سو عمر وغیرہ نے وصیت نہ لکہنے دی اور اُمت اُنکی گمراہ رہی **قال الشیخ الاشعری** اور یہ بہی سہی بپاس خاطر شیعہ ہمنے اس پر بہی خاک ڈالی اور اسیکو تسلیم کیا کہ فرمان خلافت کی تحریر ہی مدنظر تہی لیکن پہر کہاں سے نکل آیا کہ حضرت علی ہی کی خلافت کی تصریح کے لئے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اضطراب تہا بلکہ بدلیل عقلی و نقلی فرمان خلافت حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہ خاطر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھا نقل کی بات پوچھیئے تو صحاح اہل سنت میں کچھ ایسا موجود ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا
نہ یہ کہ چاہتی تھی کہ ابوبکر کے لئے لکھدوں تاکہ کسی تمنا والے کو پھر تمنا باقی نہ رہے مگر نہ خدا کو سوا ابوبکر کے کسی کی خوشی ہے نہ مومنین اُنکے سوا کسی اور کے روادار انتہےٰ غرض
اُس روایت کا حاصل تو یہ دلالت کرتا ہے کہ اگر لکھنے کا ارادہ تھا تو ابوبکر صدیق کے لئے تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے نتھا اور عقل سے پوچھئے ہو تو سنئے کہ دستور کے موافق
آپ کو غالبا یہ اندیشہ ہوگا کہ حضرت علی کو بوجہ قرابت شاید خیال جانشینی ہوا اور اُنکے احباب و اقارب اسباب میں ساعی ہوں تو اس صورت میں حق حقدار یعنی ابوبکر کو نہ پہونچیگا
اور اس قسم کا خیال یہ نسبت ابوبکر اہل عقل کے نزدیک متصور نہیں قرابت تھی نہ وراثت تھی ہو تو حضرت علی ہی کی نسبت ہو بالجملہ اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو یہ پیچ و تاب تھا اور اسقدر اسکی مدافعت میں اضطراب تھا سو بحمد اللہ بزعم شیعہ آپکا یہ خیال بہی راست ہوا حضرت علیؑ خواستگار خلافت کے رہے پھر اُس پر آپکی پیشین گوئی
بہی نتیجہ ہوئی خدا تعالیٰ کو اور مومنوں کو سوا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اور کوئی پسند نہ آیا **اقول** پہلے اس سے اہل سنت کی کتابوں سے کرمانی اور فتح الباری وغیرہ سے ہم
لکھ چکے ہیں کہ وہ حضرت صلعم خلیفہ ہی کی تعیین میں لکھتے تہے اور باقی رہا یہ امر کہ علیؑ کے حق میں لکھنا کہاں سے ثابت ہوا سو اُس مقدمہ کی بہی روایتیں ہم شرح ابن ابی الحدید
سے لکھ چکے ہیں کہ اُسنے تاریخ بغداد سے لکھا ہے کہ عمر بن خطاب نے ابن عباس سے کہا کہ رسول اللہ صلعم علیؑ کے واسطے لکھتے تہے میں اُسکا مانع ہوا اور سوا اسکے یہ بات ہے کہ اگر ابوبکر کے
واسطے حضرت لکھتے تو یہ لوگ اسکے مانع نہوتے کہ بانی مبانی خلافت ابوبکر تو عمر ہی تھی کہ پہلے سب سے ابوبکر کے ہاتھ پہ بیعت کی اور ابوبکر ہی کی خلافت کے واسطے فاطمہ زہرا
علیہا السلام کا گھر جلا نیکو آگ اور لکڑیاں لیگئے اور زبیر اور سعد وغیرہ اصحاب رسول کی بے عزتی کی سو ابوبکر کی خلافت کو وہ ہرگز منع نکرتے اور یہی سمجھکر کہ حضرت صلعم ابوبکر
کے واسطے تو نہیں لکھتے بلکہ علیؑ کے واسطے لکھتے ہیں اسواسطے حضرت کو لکھنے سے مانع ہوا اس سختی سے کہ حضرت کے ارشاد کو ہذیان ٹھیرایا اور کیا وجہ تہی اس سختی اور بے ادبی سے
حضرت کو منع کرنیکی اور اضطراب حضرت صلعم کو حضرت علیؑ کی خلافت کیواسطے ہمیشہ سے رہا ہے اور ہمیشہ تاکید اُسکی کرتے رہے ہیں چنانچہ اہل سنت ہی کی کتابوں سے ثابت ہے
مسند احمد بن حنبل میں لکھا ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اگر تم علیؑ کو خلیفہ کروگے تو وہ تمکو طرف راہ راست کے لیجائیگا لیکن نہیں دیکھتا ہوں میں تمکو کہ تم اُسکو خلیفہ کرو سو حضرت
تو چاہتے تہے کہ بعد اپنے علیؑ خلیفہ ہوں اور یہ بہی جانتے تھے کہ یہ لوگ اُسکو خلیفہ نکرینگے لیکن واسطے اتمام حجت کے آخر وقت میں لکھنا چاہتے تہے اور نہایت رغبت جو تہی علی کے
خلیفہ کرنے کی تو اسیواسطے حضرت کو اضطراب تھا اُسوقت کہ یہ لوگ اس مقدمہ میں کہنا نمانیں گے چنانچہ یہی ہوا اور وہ حضرت یہی حسرت اپنے دل میں لئے ہوئے چلے گئے اور
جیسے کہ اُن حضرت کو رغبت تہی حضرت علیؑ کے خلیفہ کرنے کی تو اس خلافت ہی کی سند کے واسطے جنگ تبوک کو تشریف لیگئے تو حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ کر گئے تاکہ لوگونکو
بعد اپنے سند ہو علیؑ کے خلافت کی اور پہلے سورہ برات ابوبکر کو دیکر واسطے سنانے مشرکین کے روانہ کیا اور بعد اُسکے جبرئیل حکم لائے کہ یا تو اسکو تو سنا یا جو کوئی کہ تجھہ سے ہو
اُن حضرت نے حضرت علیؑ کو روانہ کیا کہ تو سورہ برات کو ابوبکر سے لے اور مشرکین کو سنا اور ابوبکر کو اس منصب سے معزول کیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ رسول خدا صلعم کی نیابت کے
لیاقت سب صحابہ میں علی ہی رکھتا ہے اور ابوبکر کسی وجہ سے لیاقت نہیں رکھتا اور ابوبکر کو حضرت نے کبھی تو عمرو عاص کا محکوم بنایا اور کبھی اسامہ بن زید کا اور فرمایا کہ لَعَنَ اللّٰہُ
مَنْ تَخَلَّفَ عَنْ جَیْشِ اُسَامَةَ چنانچہ ملل و نحل اور شرح مقاصد وغیرہ میں لکھا ہے اور ابوبکر اور عمر جیش اسامہ سے تخلف کر کے لعنت خدا میں گرفتار ہوئے اور حضرت علی کو کبھی کسی شخص
کا محکوم نہیں کیا بلکہ جتنے جہادوں میں سب کا سردار کر کے بھیجا ہے چنانچہ ریاض النضرة وغیرہ میں لکھا ہے اور خیبر میں پہلے ابوبکر کو پھر عمر کو سردار کر کے یہودیوں سے لڑنے کو
بھیجا اور وہ شکست کہا کر اور بہاگ کر چلے آئے تو حضرت صلعم نے اُنکی بہاگ کر آنیکو دیکھکر فرمایا کہ لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلًا کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ
چنانچہ کتب صحاح اہل سنت میں لکھا ہے اور یہ اسواسطے کیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس منصب نیابت رسول اللہ کی لیاقت علیؑ رکھتا ہے اور ابوبکر اور عمر لیاقت نہیں رکھتے اور معنی اس حدیث
کے یہ ہوئے کہ البتہ دونگا میں نشان اپنا کل کو ایسے مرد کو کہ حملہ کرنیوالا ہو نہ بہاگنیوالا ہو کہ دوست رکھتا ہو خدا کو اور رسول اُسکے کو اور دوست رکھتا ہو اُسکو خدا اور رسول اُسکا
انتہی جسوقت ابوبکر اور عمر بہاگ کر آئے تو حضرت نے فرمایا کہ اب میں ایسے شخص کو نشان دونگا کہ وہ ایسے اوصاف رکھتا ہوگا اور وہ حضرت علیؑ تھے کہ اُنکو اپنا نشان دیا اور
علیؑ نے خیبر کو فتح کیا جب حضرت نے اُس شخص کے یہ اوصاف بیان کئے تو معلوم ہوا کہ ابوبکر اور عمر میں یہ اوصاف نتھے اور رسول خدا نے حضرت علیؑ کو فرمایا کہ وہ بہاگنیوالا نہوگا بلکہ حملہ
کرنیوالا اور مکرر جانیوالا ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر اور عمر ایسے نتہے اور فرمایا حضرت نے کہ وہ خدا کو اور رسول اُسکے کو دوست رکھتا ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر اور عمر
خدا کو اور اُسکے رسول کو دوست نرکھتے تہے اور فرمایا حضرت نے کہ خدا اور رسول اُسکا اُسکو دوست رکھتے ہونگے اس سے معلوم ہوا کہ خدا اور رسول اُسکا ابوبکر اور عمر کو دوست نرکھتے تھے
سو اسطرح کے اسناد بہت ہیں جس سے معلوم ہوا کہ قابل خلافت کے علیؑ ہیں اور ابوبکر کو کسی طرح سے لیاقت خلافت کے نہیں ہے اور ایسے ایسے سامان خلافت علیؑ حضرت نے
اپنی ہی زندگی میں کر دیئے اور اہل سنت ہی کی کتابوں سے خم غدیر میں حضرت علیؑ کا خلیفہ کر دینا ثابت ہے اور علمائے اہل سنت اُس میں ہر چند تاویلیں کرتے ہیں

جیسا کہ تحفہ میں لکھا ہے لیکن کوئی بات درست نہیں ہوتی اور علماء شیعہ نے اُنکے اقوال کو کہ وہ سب پوچ اور واہی تھی باطل و منسوخ کر دیا اور علی ہی کی خلافت کے واسطے حضرت نے چاہا تھا کہ میری مرنیکی وقت غاصبان خلافت موجود نہوں و مسند آدمی اس شہر سے خارج ہوجائیں و اسامہ کو سردار بنا کر ابوبکر اور عمر وغیرہ کو اُسکا تابع کیا اور فرمایا کہ اسامہ کے ہمراہ چلے جاؤ اور فرمایا کہ جہزوا جیش اسامۃ لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامۃ سو شیخین نے لعنت خدا تو گوارا کی اور اسامہ کی ہمراہی سے پھیر کر چلے آئے جب حضرت نے یہ حال دیکھا تو چاہا کہ اپنی وفات کے قریب علیؑ کے حق میں تحریر فرمائیں تو لوگوں نے ہذیان کی تہمت کر کے حضرت کے ارشاد کو رد کیا اور حضرت علی کے واسطے لکھنے نہ دیا اور کیا بیغیرتی کی اور بیحیائی کی بات ہے کہ جو آدمی اپنے مذہب کی کتاب کا حوالہ دیوے اسطرح سے تو ہندو بھی کہتے ہیں کہ ہماری پوتھی میں فلانی بات یوں لکھی ہے لیکن اُنکا کہنا مسلمانوں کے نزدیک کب معتبر ہوسکتا ہے اسیطرح شیعوں کے نزدیک صحاح اہل سنت کا اعتبار نہیں ہے کہ روایتیں اُنکی موضوع ہیں اور معاویہ نے اپنے زمانہ میں حضرت علیؑ کی عداوت کی جہت سے بہت روایتیں بنوائی ہیں علی الخصوص مدح ثلاثہ میں چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغت میں لکھا ہے اور یہ روایت تو کسی خارجی کی تراشی ہوئی ہے کہ کتب صحاح اہل سنت کے خصوصاً بخاری کے راوی خوارج بھی ہیں اور جامع الاصول میں لکھا ہے کہ نہ شیعہ صادق ہیں نص کے نقل کرنے میں امامت علیؑ پر اور نہ بکریہ صادق ہیں نص کے نقل کرنے میں امامت ابی بکر پر شیعوں کو جھوٹا کہنا تو تعصب کی راہ سے ہے اسکا اعتبار کب ہوسکتا ہے مگر اپنے مذہب کی جھوٹی روایتوں کا اقرار کرنا ہے البتہ وہ معتبر ہے اور شرح نہج البلاغت میں لکھا ہے کہ انہوں نے بدروات کے مقابلہ میں بکریوں نے واسطے ابوبکر کے روایت وضع کی ہے اور ابن ابی الحدید گو معتزلی ہے لیکن حقیقت خلافت ثلاثہ کا معتقد ہے اور خطبہ شقشقیہ میں جو حضرت علیؑ نے خلفاء ثلاثہ کی مذمت لکھی ہے تو ابن ابی الحدید نے برعایت ثلاثہ حضرت علیؑ کے اُس خطبہ کی تاویل کی ہے اور جو احادیث کتب صحاح وغیرہ اہل سنت کے نزدیک معتبر ہیں اور مدار مذہب کا اُن پر ہے وہی معتزلیوں کے نزدیک معتبر ہیں سو روایتوں میں دونوں فرقوں میں کچھ فرق نہیں ہے اور اہل سنت اور معتزلی جو دونوں فرقہ معتقد حقیقت خلافت ثلاثہ کے ہیں تو ہمارا مقابلہ ان دونوں ہی فرقوں سے ہے اور اگر ابوبکر کے واسطے لکھنا حضرت نے فرمایا تھا تو وقت قائم کرنے خلافت ابوبکر اُس روایت کا ذکر کیوں نکیا اور الائمۃ من قریش کے ہی کہنے پر اکتفا کیا تاکہ ایک سند ہوتی ابوبکر کے واسطے اور منا امیر و منکم امیر بھی نکہتے اور خود مولوی عبد العزیز صاحب تحفہ میں لکھتے ہیں کہ خلفاء ثلاثہ نزد اہل سنت نہ معصوم اند و نہ منصوص علیہ اور تو کہاں اُس جھوٹی روایت کے بہروسے ابوبکر کے حق میں نص بیان کرتا ہے کہ ابوبکر کے واسطے حضرت لکھتے تھے اور بعد اسکے ہی جب جواب دینے سے عاجز ہوا ہے تو شیعوں کے مقابلہ میں اپنی جھوٹی روایتوں کو پیش کیا ہے اور اُس روایت موضوعہ کا ماحصل اگرچہ یہی ہے لیکن وہ روایت جھوٹی ہے کہ فرقہ بکریہ نے وضع کی ہے اور ارادہ حضرت کا حضرت علی کے واسطے لکھنے کا پہلے اس سے ہم مفصل بیان کر چکے اور دلیل عقلی جو لکھی ہے وہ نقلی سے بھی زیادہ پوچ ہے اسواسطے کہ پہلے ابوبکر کا حقدار ہونا ثابت کرے تو بعد اُسکے ایسا کہے کہ حضرت کو یہ اندیشہ ہوگا اور ہم پہلے اس سے ثابت کر آئے ہیں کہ حقدار خلافت کے حضرت علی ہی تھے اور ابوبکر کسی وجہ حقدار نہیں ہو سکتے اور یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایک جاہل آدمی جو کہ مسائل دین میں غلطیاں کرتا ہو اور مسئلہ کے جواب دینے میں عاجز ہو وہ حقدار خلافت ہو جاوے اگر ابوبکر کی جہالت دریافت کرنی منظور ہے تو تشئید المطاعن عنقی صاحب اور ذخیرہ سبحان علی خاں صاحب کو دیکھ کر اہل سنت کی کتابوں سے کسقدر غلطیاں ابوبکر کی اور جہالت اُنکی لکھی ہے اور حضرت علی میں قطع نظر قرابت کی سب اوصاف خلافت موجود تھے اور ابوبکر میں ایک بھی وصف نتھا اور حضرت علیؑ کو خیال جانشینی کیا بلکہ اُنکو تو جانشین اپنا رسول اکرم ہی چلے تھے اور خلافت کیواسطے صرف قرابت ہی کافی نہیں ہوسکتی بلکہ اوصاف خلافت بھی چاہئیں اور ابوبکر میں اگر قرابت رسول اللہ تھی تو کوئی صفت خلافت نتھا اور حضرت علیؑ میں دونوں امر تھے اگر اُنکی طرف خیال ہوتا تو واسطے اسکے تھا کہ وہ مستحق تھے اور حضرت رسول اللہ صلعم کو جو خیال ہوگا تو اس کا ہوگا کہ علی کو میں منصوص بخلافت تو کر چکا ہوں لیکن دیکھئے یہ لوگ اسپر عمل کرتے ہیں یا نہیں اسواسطے اضطرار حضرت کو تھا اور اسیواسطے حضرت علیؑ کے واسطے تاکید آ وصیت لکھنی چاہتے تھے اور ابوبکر کے واسطے تو کوئی وجہ ہی لکھنے کی نتھی اور اگر ابوبکر کے واسطے یہ لکھا ہوتا تو عمر حضرت کے قول کو کاہیکو رد کرتے اور رد بھی عمر نے ابوبکر ہی کی جہت سے کیا ہے کہ بانی مبانی خلافت ابوبکر یہ عمر ہی تھے اور حضرت علی خواستگار خلافت اسواسطے ہے کہ رسول خدا اُنکو خلیفہ کر چکے تھے اور خود حضرت عمر بھی یہی جانتے تھے کہ خلافت حق علیؑ کا ہے چنانچہ ہم اس سے پہلے استیعاب سے لکھ چکے ہیں اور راغب اصفہانی نے بھی محاضرات میں لکھا ہے لیکن دانستہ دیدہ و خلافت کو علیؑ سے غصب کیا اور خدا تعالی کو اور مومنین کو جو کہ بنی ایمان پر قائم ہیں خلافت ابوبکر کی سرگرم پسند نہیں اور زبردستی کسیکے حق کو غصب کرنے سے یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ خدا کے اور مومنین کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اگر یہی امر ہے تو جسقدر کہ ناسب دنیا میں ہو چکے ہیں اُنکے افعال خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوں اور معاویہ اور یزید کی خلافت بھی خدا کے نزدیک پسندیدہ ہو کہ ان میں اور ثلاثہ میں کسیطرحکا فرق نہیں ہے

قال الشیخ الاشعری

القصہ اگر لکھنے کا ارادہ تھا تو حضرت ابوبکر کے لیے تھا حضرت عمر کی شکایت کریں تو صدیقی کریں شیعیان حضرت علی کو کیا کام یا وہ نقل ہے کہ بوسے کو دو اور دو چار روٹیاں ہی ہم بہ میں آتی ہیں اور بلی کے خواب میں چھچھڑے

نظر پڑتے ہیں کوئی بات کیوں نہو حضرات شیعہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور اماموں کی امامت ہی نظر آتی ہے **اقول** یہ روایت تو بالکل جھوٹی ہے کہ علماء اہل سنت بھی اُسکے موضوع ہونیکا اقرار کرتے ہیں شیعوں کے جواب میں ایسی روایت پیش کرنی بڑی بیحیائی کی بات ہے اور عمر کی شکایت اگر کرینگے تو دوستان رسول خدا اور محبان علی مرتضی ہی کرینگے کہ عمر نے اُنکے پیغمبر کو عیب ہذیان لگا کر قول کو اُن حضرت کے رد کیا اور اُنکے امام کے واسطے جو وصیت خلافت لکھی جاتی تھی اُسکے مانع ہوئے اور اگر فرقہ بکریہ عمر کی شکایت کریں تو بڑی محسن کشی ہے اسواسطے کہ عمر ہی نے تو خلافت ابوبکر بڑی سعی اور جانکاہی سے قایم کی ہے کہ ابوبکر کی ہی خلافت کے جمانیکے واسطے جناب رسول خدا صلعم کو متہم بہذیان کیکے اُن حضرت کے قول کو رد کیا اور ابوبکر کے ہی خلافت کے واسطے صحابہ کبار کی بیعزتی کی اور فاطمہ زہرا علیہا السلام کا گھر جلانیکو مع اُن آدمیوں کے جو اُس گھر میں تھے علی اور حسنین وغیرہ آگ اور لکڑیاں لیگئے اور اُس مظلومہ سے کہا کہ تیرا گھر جلاؤنگا مع اُن نفوس کے جو تیری گھر میں ہیں چنانچہ کتب معتبرہ اہل سنت میں مثل استیعاب و جمع الجوامع اور کنز العمال وغیرہ کے لکھا ہے اور اگر عمر کا قدم درمیان میں نہوتا تو خلافت ابوبکر کی ہرگز نہ جمتی اور بلی کے خواب میں چھیچھڑے نظر آتے حال اہل سنت کا ہے کہ بے سند اور بے دلیل ابوبکر کے خلافت کو حق کہتے ہیں اور خواہ مخواہ اُسکے اثبات کے درپے ہیں اور جھوٹی روایتیں بناتے ہیں ایک مرد جاہل کی خلافت کے جمانیکو اور اگر شیعوں کا ایسا حال ہے تو اُنکی جانب حق ہے اور کہنا اُنکا حق ہے کہ وہ حضرت علی کی خلافت کو اور اُنکی اولاد کے امامت کو اہل سنت کی کتابوں سے ثابت کرتے ہیں اور شیعوں کو اُنکی خلافت اور امامت کیوں نہ نظر آئی کہ جنکو جناب رسول خدا صلعم نے بحکم خدا خلیفہ کیا ہے لوگوں کی مقرر کی ہوئی اُنکی خلافت نہیں ہے کہ چار آدمی جسکو چاہیں اُسکے ہاتھ پر بیعت کر کے کہدیں کہ یہہ خلیفہ پیغمبر کا ہے بھلا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جسکا وہ خلیفہ ہے اُسنے تو اُسکو خلیفہ کیا نہیں ہے اور چار آدمی ملکر کہدیں کہ یہہ اُسکا خلیفہ ہے تو وہ خلیفہ ہو جائے اور پہلی اُمتوں میں بھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ چار آدمیوں نے ملکر کسیکو خلیفہ کر دیا ہو بلکہ خلیفہ وہ ہوا ہے کہ جسکو خدا تعالی نے خلیفہ کیا ہے جیسے کہ حضرت ہارون خلیفہ حضرت موسی کے اور طالوت خلیفہ حضرت اشموئیل کے اور اُمت کے خلیفہ کرنے سے کوئی خلیفہ نہیں ہوا ہے **قال الشیخ الاشعری** خیر اسجگہ یہہ بات اتفاقی تھی مطلب اصلی یہ تھا کہ جملہ ولیمکنن سے بالاجمال تمام مطاعن خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کا جواب نکلتا ہے اب یہاں بس کیجے کہ خلافت خلفاء ثلثہ بوجہ احسن اس آیت سے ثابت ہو گئی اور اُنکا فضل و کمال اور اُنکی بزرگی کما ینبغی اس آیت سے ظاہر ہو گئی ادہر سنیوں کے مذہب کی حقیقت اور اُنکی حقانیت اور شیعوں کے خیال و گمان کا بطلان اور اُنکے طریقہ کی مذمت بخوبی روشن ہو گئی **اقول** اگر یہہ قصہ قرطاس اتفاقاً لکھا گیا تھا تو کیا مضایقہ ہے لیکن وہ بھی مثل اور مقدمات کے جیسا کہ تھا کہ اُسکا اعتراض عمر پر تھا بدستور باقی رہا اور جو کچھ کہ آپنے موافق اپنے زعم کے اُسکے جواب میں بڑی سعی کر کے لکھا تھا وہ سب رد ہو گیا اور جو کہ تمہارا مطلب اصلی جملہ ولیمکنن سے تھا وہ اس سے پہلے ہی رد ہو گیا ہے بار بار اُسکی طرف اشارہ کرنے سے کچھہ فایدہ نہیں ہے اور خلفاء ثلثہ کی مطاعن میں سے کسی طعن کا جواب تم سے نہیں بن پڑا اور جو کچھ تمنے اپنے زعم کے موافق لکھا تھا وہ سب باطل ہو گیا اور خلافت خلفاء ثلاثہ کی ہرگز ثابت نہو سکی بلکہ اُنکی ایمان اور عمل صالح میں کلام ہے پہلے اُنکا ایمان صحیح اور سب اعمال صالح ثابت کرو تب گفتگو اُنکی خلافت میں کرو اور اس آیت سے اُنکا فضل و کمال ہرگز ثابت نہیں ہے جیسا کہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے اور اہل سنت کے مذہب کا بطلان اور شیعوں کے مذہب کے حقیت اور حقانیت بدستور باقی رہی **قال الشیخ الاشعری** مگر تنبیہ کیلیے اسقدر گزارش ہے کہ اس آیت میں اول کلمہ لہم سراسر دلالت کرتا ہے کہ اصل حقیقت میں دین پسندیدہ اُنہیں اشخاص کے لئے جمایا جائیگا جو خلیفہ بنائے جاویں گے اور یہ نعمت عظمی اولاً و بالذات اُنہیں کو عطا ہوگی جو خلیفہ ہوں گے مقصود اصلی وہی محبوب ہوں گے اوروں کو اگر وہ دولت ملیگی تو اُنہیں کے تصدق سے ملیگی مگر استخلاف و تبدیل خوف میں اُنکا اصل الاصول ہونا عام فہم سمجھ کر الفاظ موجودہ پر اکتفا فرمایا پر دین کا ایک کے لئے اصلی ہونا اور باقیوں کے لئے اسکا تصدق ہونا چونکہ ایسا عام فہم نہ تھا کہ شیعہ بھی مان جائیں تو لیمکنن کے بعد لفظ لہم بھی بڑہایا غرض اُس عہد میں اور بھی اگر اُس دین پر ہوں گے تو وہ اُنہیں کے جوتیوں کا صدقہ ہوگا اس سے ثابت ہوا کہ تسلط اہل اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالہ خوف اور تبدیل امن جو کچھہ تھا سب کا سب اصل میں اُنہیں چار یار کے لئے تھا لیکن جیسے کسی امیر کی کوئی دعوت کرتا ہے تو اُس امیر کی اقربا اور اُسکے حشم خدم کی دعوت بھی اُس امیر کے طفیل میں کر دیتا ہے پھر جو امیر مذکور کہلاتے پلاتے ہیں اُسکے اقربا حشم خدم کو بھی وہی کہلاتے ہیں فرق ہوتا ہے تو اصالت اور تبعیت کا اور اعزاز و اکرام کا ہوتا ہے ایسے ہی یہ نعمت عظمی اور دولت جلیلہ خلافت وغیرہ بھی ہر چند اصل میں اُنہیں چار یار کے لئے ہیں لیکن اُنکے طفیل میں اس نعمت عظمی سے تمام اصحاب بہرہ ور ہوے جو صحابہ کہ کبھی غربا عرب و فقرا صحابہ میں معدود تھے وہ بھی مناصب حکومت پر مامور ہوتے تھے اور کفار پر تحکم اور حکمرانی تو ہر کسیکو حاصل تھی ادنی ادنی صحابی کا ناز اعدا اہل کتاب کو اُٹھانا پڑا **اقول** جس امر کی آپ تنبیہ کرتے ہیں وہ پہلے ہی ہم لکھ چکے ہیں اور جواب اُسکا پا چکے ہو اور خلیفہ تو کوئی بھی موافق مرضی خدا اور رسول کے نہیں بنایا گیا اور جن کو کہ لوگوں نے بنایا ہے وہ ان لوگوں کے ہی خلیفہ ہیں نہ خلیفہ رسول مقبول کہ رسول خدا صلعم نے اُنکو خلیفہ اپنا نہیں بنایا ہے اور اہل سنت کے

نزدیک خلیفۂ حق ہوا اور امام صدق معاویہ ہی تھا اور اُس خلیفۂ حق نے یزید کو بھی خلیفہ بنایا تھا وہ بھی ہوا اور تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ مروان کو مدینہ میں معاویہ نے لکھا کہ
یزید کے واسطے لوگوں سے بیعت لے اُس نے منبر پر چڑھ کر کہا کہ امیر المومنین چاہتا ہے کہ اپنے فرزند کیواسطے بیعت لیوے کہ سنت ابوبکر اور عمر کی ہے اور ابو شکور نے حاشیۂ شرح عقائد نسفی
میں لکھا ہے کہ امام حسین پر اطاعت یزید کی واجب تھی کہ اُسکو معاویہ نے خلیفہ کیا تھا جسکی اطاعت جمیع صحابہ نے اختیار کی تھی سو خلیفۂ حق ہوا اور دین پسندیدہ جو کہ
اہل سنت کے نزدیک ہے وہ اُنکو بھی حاصل تھا اور دین پیغمبر اُنکو ہرگز نہ تھا اور وہ ہی مذہب جو کہ ثلثہ کو اور معاویہ کو حاصل تھا وہ ہی مذہب اہل سنت کا ہے اور وہ ہی مذہب
اُنکے نزدیک پسندیدہ ہے اور ہمارا مذہب وہ ہے کہ جو رسول خدا صلعم کا مذہب ہے اور تمکین جو اس آیت میں آئی ہے وہ یا تو تمکین کامل ہے کہ جو تمام روی زمین پر جس سے غلبہ ہوا اور یا تمکین فی الجملہ
مراد ہے سو تمکین کامل تو اب تک حاصل نہیں ہوئی ہے وہ تو حضرت امام مہدی کے زمانہ میں حاصل ہوگی اور تمکین فی الجملہ موافق تحریر صاحب کشاف اور صاحب بیضاوی اور
صاحب مدارک وغیرہ علماء اہل سنت کے رسول خدا صلعم ہی کے زمانہ میں حاصل ہوگئی تھی سو وہ بھی بضرب ذوالفقار حیدر کرار جو وقت کہ ثلثہ مع فوج کفار سے بہاگتے پھرتے تھے اور رسول خدا صلعم
کے بعد کے حکام کی تمکین مراد نہیں ہے اور جب حیدر کرار نے دین کو قوی کر دیا بعد رسول خدا صلعم کے روز بروز ترقی ہوتی ہی جاتی تھی یہانتک کہ جیسے کہ معاویہ اور یزید اور عبد الملک
وغیرہ کے زمانہ میں تمکین حاصل ہوگئی تھی وہ ثلثہ کے زمانہ میں بھی نہ تھی اور لیستخلفنہم میں جو استخلاف ہے اُسکے معنی لغوی مراد ہیں یا لک و وارث ہونیکی اور لفظ من کا منکم میں واسطے بیان
کے ہی موافق تحریر مفسرین مذکورین کے سب مومنین صالحین مالک و وارث ملک عرب کے ہوگئے رسول خدا صلعم ہی کے زمانہ میں اور وعدہ خدا اُسی زمانہ میں وفا ہوگیا اور استخلاف سے
مراد معنی اصطلاحی کہ وہ نیابت رسول خدا ہی نہیں ہے اور اگر یہ مراد ہو تو چاہیے کہ سب مومنین خلفاء رسول خدا ہو جائیں کہ من واسطے بیان کے ہے اور من تبعیضیہ ہو نہیں سکتا کہ اس
صورت میں معنی آیت کے صحیح موافق مطلوب کے نہیں ہو سکتی جیسے کہ ہم پہلے اس سے کئی مرتبہ لکھ چکے اور اسیواسطے صاحب کشاف و بیضاوی وغیرہ علماء ماہرین عربی میں انہوں نے من کو
تبعیضیہ نہیں لکھا ہے اور انکی سوا جس کسی نے کہ من کو تبعیضیہ لکھا ہے اُس نے بڑی غلطی کی ہے اور ہمارے نزدیک تو مصداق اس آیت کا حضرت مہدی کے زمانہ میں ہے کہ اس آیت کا مقصود سوائے اُس کے کسی زمانہ میں
ہم پاتے ہی نہیں ہیں کہ نہ تو تمکین دین اب تک حاصل ہوئی ہے اور نہ بالکل خوف اہل اسلام کا دنیا سے گیا ہے اور نہ بالکل شرک دنیا سے گیا ہے اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ حکیم علی الاطلاق
کہ جو ہر امر پر قادر ہے تمکین ناقص اور امن ناقص اور انہدام ناقص کا وعدہ کرے سو اب ہم موافق تحریر مفسرین مذکورین کے کہتے ہیں کہ اصل حقیقت میں دین پسندیدہ جناب رسولخدا صلعم
اور مومنین صالحین کے واسطے ہے جو کہ حضرت کے زمانہ میں تھے اور مقصود اصلی وہی خوب ہیں اور جن کو لوگوں نے اپنی رائے سے رئیس بنایا ہے اُنکے واسطے خاص کرکے دین پسندیدہ نہیں
ہے کہ اُنکی تو دین پسندیدہ ہی میں کلام ہے اور یہ نعمت عظمیٰ ہی جناب رسولخدا اور جمیع مومنین صالحین کے واسطے بالذات ہے جو کہ حضرت کے زمانہ میں تھے کہ مقصود اصلی وہی ہیں نہ
خلفاء ثلثہ کہ وہ بسبب نقص ایمان اور نہ ہونے عمل صالح کے اُن سے مستثنیٰ ہیں اور اگر اوروں کو یہ دولت ملیگی تو یہ کہنا چاہیے کہ حضرت علی کے تصدق سے ملیگی کہ جس نے بضرب ذوالفقار
دین کو قائم اور قوی کیا جو وقت کہ ثلثہ بہاگتے پھرتے تھے اور استخلاف یعنی وارث ہونا ملک عرب کا اور امن اور تبدیل خوف بھی علی کے ہی طفیل سے ہوا ہے کہ وہ ہی اصل الاصول تھے
اور ثلثہ بھگوڑے ہی تھے۔ اور دین کا اصلی ہونا واسطے رسول خدا صلعم کے ہے اور باقی کے مومنین کے واسطے بتصدق اُن حضرت کے ہے اور بھگوڑوں کے واسطے دین ہی حقیقت
میں نہیں ہوتا کہ جو رسولخدا کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر بہاگ جائیں چہ جائیکہ دین کا اصلی ہونا اور تمکین کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوا کہ سب مومنین صالحین کو رسول خدا
صلعم کے زمانہ میں تمکین حاصل ہوگی موافق تحریر مفسرین اہل سنت کے اور اس عہد میں دین پر ہونا صدقہ رسولخدا صلعم کا تھا اور کسیکا اور اگر حقیقت میں دیکھی تو حضرت
علی کی جوتیوں کا صدقہ تھا کہ جس نے دین کو قائم کیا نہ بھگوڑوں کی جوتیوں کا صدقہ اور اگر علی نہ ہوتے تو مدینہ میں سے مسلمان بہاگ جاتے کفار کے خوف سے اور اس سے یہ ثابت
ہوا کہ اصل تسلط اہل اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالہ خوف اور تبدیل امن جو کچھ تھا سب کا سب اصل میں علی بن ابیطالب کے واسطے سے تھا کہ جس نے دین خدا کو قائم
کیا نہ بھگوڑوں کے واسطے اور یہ میر کے مثال بھی اگر یہ نعمت جناب رسولخدا صلعم کے واسطے ہے یا علی بن ابیطالب کے واسطے نہ بھگوڑوں ناقص الایمان والعمل کیواسطے اور یہ نعمت عظمیٰ جناب
رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ہے اور بطفیل حضرت کے سب مومنین صالحین کے واسطے نہ تین اور چار کے واسطے اور خلافت مصطلحہ اس آیت سے کسی کیواسطے ثابت نہیں اگر ثابت ہے تو
ملکیت اور وراثت ہے اور وہ سب مومنین کے واسطے ہے نہ تین اور چار کے واسطے اور صحابہ جو بہرہ ور ہوئے تو علی بن ابیطالب کی ذوالفقار کے طفیل سے اور حکومت بھی اُنکو حاصل ہوگئی
جب کہ حضرت علی نے وقت فرار اصحاب ثلثہ کے جمکر جہاد کیا اور کفار کو پسپا کیا اور جب حضرت علی کے طفیل سے دین خدا کو غلبہ ہوگیا تو مسلمان معزز اور مکرم ہوگئے اور
حکمرانی کرنے لگے اور خلافت کو تو چار یار میں کہاں سے منحصر کرتا ہے بے سند مولوی عبد العزیز صاحب تو لکھتے ہیں کہ خلفاء پانچ تھے پانچواں وہ امام حسن کو کہتے ہیں اور صاحب صواعق
محرقہ اور پیر دستگیر لکھتے ہیں کہ پانچواں خلیفہ معاویہ ہے اور ولی اللہ پدر مولوی عبد العزیز صاحب کہتے ہیں کہ خلفاء نبوت تین ہی تھے اور حضرت علی کو خلفاء نبوت میں شمار نہیں کرتے
ہیں اور تاریخ الخلفاء میں روایت ہے کہ خلفاء ثلثہ یہ تھے ابوبکر اور عمر بن خطاب اور عمر بن عبد العزیز اور جناب رسولخدا صلعم سے جو روایت دوازدہ خلفاء کی ہے اُسمیں اہل سنت کے

نزدیک بعد حضرت علی کے معاویہ اور یزید اور عبد الملک اور اُسکے چاروں فرزند بھی داخل ہیں تو کہاں تک کہتا ہے کہ اصل میں انہیں چار یار کے لئے ہیں اور تو جو فرق نکالا ہے راشدین اور غیر راشدین کا یہ بالکل باطل ہے کہ روایت میں یہ بات نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** القصہ نعمت خلافت ہر چند بالاصالت چار یار ہی کے لئے تھی مگر سبھی اُس میں شریک تھے اور ساری نعمتوں سے جو اس آیت میں مندرج ہیں صحابہ اور غیر صحابہ بطفیل خلفاء اربعہ حسب لیاقت بہرہ ور ہوئے اسمیں صحابہ کو بمنزلہ اقربا سمجھئے اور انہیں میں سے اُنکو جو وقت نزول آیت کے مشرف باسلام و ایمان ہوئے تھے زیادہ تر قریب سمجھئے یعنی مہاجرین اولین کو سب سے اقرب بلکہ بمنزلہ حقیقی بھائیوں کے مقرر کیجئے اور تابعین کو بجائے اتباع اور خدام کے تصور کیجئے اس صورت میں یہ نعمت گو سب میں مشترک ہوگی لیکن اعزاز اور اکرام میں درجہ بدرجہ فرق ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خویش و اقارب اگر بطفیل امیر کسی نعمت سے کامیاب ہوتے ہیں تو امیر کے بھائی سے خواستگار شکر گزاری یا طالب خدمتگاری نہیں ہوتا ہاں غلام اور خدام اور ذلہ برداروں کی طرف البتہ یہ نظر رہتی ہے سو اُن میں سے جو قدر شناس اور عاقل اور سلیم الطبع ہوتے ہیں وہ خدمتگزاری اور شکر گذاری سے پیش آتے ہیں اور جو بد اصل اور ناقدر ہوتے ہیں وہ شکر گزاری تو در کنار اُلٹے اپنے آقا نعمت اور وسیلہ رحمت کے جڑ کاٹنے کے درپے ہوتے ہیں سو اس نعمت عظمیٰ خلافت کا حال بھی یہی ہوا کہ ہر چند خلفاء اربعہ کے صدقہ سے اس زمانہ تک کے اہل اسلام کامیاب ہیں جسقدر دین کو وسعت اور شوکت ہوئی یا اب ہے درحقیقت میں سب انہیں کی خلافت کا پھول پھل ہے لیکن صحابہ کے زمانہ سے لیکر آجتک جیسے اس نعمت کے شکر گزار ہیں ویسے ہی اُس زمانہ سے لیکر آجتک کافر نعمت بھی برابر چلے آتے ہیں مگر چونکہ علم الٰہی تو وقائع گزشتہ اور وقائع آئندہ کو برابر محیط ہے تو بطور اخبار بالغیب کے اُن کافران نعمت کی طرف بھی اشارہ کرنا ضرور پڑا تا کہ خلفاء اربعہ کی بزرگی اور اُنکے اعداء کی برائی قرار واقعی ثابت ہو جائے اور اُنکا اور اُنکے اعداء کے مرتبہ کا حال سب کو بخوبی واضح ہو جائے اسیواسطے بعد اتمام وعدہ اور بیان حال خلفاء اور صحابہ کے جو آگے ہونیوالے تھے اتنا اور ارشاد فرمایا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ یعنی جو کہ طفیلی اور تابع خلفاء کے اس نعمت میں ہوں اور پھر حق نعمت نہ پہنچائیں اور خدمتگاری اور اطاعت فرمان تو در کنار زبان سے شکر گزار تک نہوں بلکہ اُلٹی بدی سے پیش آئیں تو وہ اصل میں فاسق ہیں کہ کوئی فاسق اُنکی برابر نہیں اور یہ تو خود ظاہر ہے کہ اس آخر آیت کے مصداق بجز شیعہ اور نواصب اور خوارج اور قاتل خلیفہ ثانی اور قاتل خلیفہ ثالث اور قاتل حضرت امیر رضی اللہ عنہم کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتا مگر چونکہ شیعے اُنکے دشمن ہیں جو اس نعمت کے حق میں اصل اصول ہیں تو اس فسق میں جو اس ناشکری کا ثمرہ ہے سب میں بیشتر ہونگے اگر چہ کسی اور وجہ سے اور وہ دو فرقے اُن سے بڑھ جائیں۔ **اقول** آیت مذکورہ سے تو خلافت کسیکی ثابت نہیں ہے موافق تحریر مفسرین اہل سنت کے اور یہ خلافت جو ثلثہ کو حاصل تھی یہ ایسی تھی جیسے کہ معاویہ اور یزید اور عبد الملک کو اور اُسکے بیٹوں کو حاصل تھی انکی اور انکی خلافت میں کچھ فرق نہیں ہے اور خلفاء ثلثہ کی شکر گزاری کے مقدمہ میں جو لکھا ہے رسولخدا صلعم کی شکر گزاری کے مقام میں کہ شکر گذاری تو چاہئے تھی رسولخدا صلعم کی اور لکھا انکی شکر گذاری کے واسطے کہ جنکی شکر گزاری کی کوئی وجہ نہیں ہے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کام بنایا تھا ثلثہ نے اور کونسا امر اُن سے ظہور میں آیا تھا کہ جنکی شکر گذاری کرنی چاہئے جناب رسولخدا صلعم کے زمانہ میں تو اُنکا یہ حال تھا کہ رسولخدا صلعم کو بلوار کفار میں تنہا چھوڑ کر جہاد میں سے اپنی جان بچا کر بھاگ جاتے تھے اور جب خلافت مغصوبہ پر قایم ہوئے تو یہ حال تھا کہ اپنے زمانہ حکومت میں بھی واسطے جہاد کے گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے مسلمانوں کو جہاد کرنیکا حکم دیتے تھے کہ اگر انکو جہاد کا حکم ہوگا تو یہ کہیں گے کہ یہ کیسا خلیفہ ہے کہ جہاد نہیں کرتا ہے اور اس سبب سے ایسا نہو کہ یہ ہمکو محض امیر دنیا سمجھکر خلافت سے معزول کر دیں سو خود تو جہاد میں جاتے نہ تھے اور مسلمانوں کو جہاد کے واسطے بھیجتے تھے اور مسلمان بعضے تو ترقی اسلام سمجھکر اور بعضے طمع مال غنیمت میں جہاد کرتے تھے اور انکی ریاست مفت میں ترقی پکڑتے تھے اور خود اُنہوں نے کیا کام راہ خدا میں کیا تھا ابتداء سے جو طمع ریاست ہی خصوصاً شیخین کو اُسکی ترقی اور انتظام کے فکر میں رہی لیکن یہ ترقی پیرایہ میں اسلام کے تھی کہ مسلمانوں کو اسلام کی ترقی کے بہانہ سے بھیجکر لڑواتے تھے اور خالصۃً للہ بے آمیزش دنیا کے کوئی امر نتھا اور جڑ دین کی تو قایم ہوئی ہے رسولخدا صلعم ہی کے زمانہ میں بضرب ذوالفقار اور جب جڑ دین کی قایم ہوگئی اور مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تو اُن حضرت ہی کی جڑ قایم کی ہوئی سے بدولت اپنی ریاستوں کی ترقی کرتے تھے اور روز بروز ترقی ہوتی تھی اور معاویہ اور یزید اور عبد الملک کے زمانہ میں تو ترقی اسلام بہت ہی ہوگئی تھی لیکن یہ صدقہ رسولخدا اور علی مرتضیٰ علیہما السلام کا ہے اور ثلثہ کی خلافت کا کوئی پھل اور پھول نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی ذات سے کوئی کام دین کا نہیں بنایا ہے اور اگر مسلمانوں کو اپنی ریاست کی ترقی کے واسطے بھیجتے تھے تو وہ کام مسلمانوں کا تھا اسکا اجر انکو ہے اور ثلثہ نے اپنی ذات سے کوئی کام خالص اسطے خدا کے نہیں کیا ہے اور پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں حوالہ سے تفاسیر اہل سنت کے کہ خدا تعالیٰ نے جمیع مومنین صالحین سے وعدہ زمین کے مالک اور وارث ہونیکا اور زوال خوف کا کیا تھا نہ کسیکی خلافت کا سو خدا تعالیٰ نے رسولخدا صلعم ہی کے زمانہ میں اپنی وعدہ کو وفا کیا جناب رسولخدا صلعم کی سعی سے کہ حضرت نے ترقی اسلام میں اور دفع کفار میں بڑی کوشش کی کہ بنفس نفیس خود جہادوں میں رونق افروز ہو کر بڑی تکلیفیں اُٹھائیں یہانتک کہ جنگ احد میں دندان مبارک پتھر لگنے کے صدمہ سے

شہید ہو گئے اور بجز صبر اور شکر زبان نہ ہلائی اور اگر ہمراہی بہاگ جاتے تہے تو حضرت خود وہیں ڈٹے رہتے تہے ایسی ایسی جانکاہیوں سے اسلام کو بڑہایا اور گمراہوں کو راہ راست پر لائے حضرت کی ان شفقتوں کا اور کوششوں کا اور حضرت کے احسانات کا کس سے شکر ہو سکتا ہے سو یہ نعمت عظمی ایمان کے جو سب مومنین کو حاصل ہوئی ہے اور ترقی اسلام کی اور زوال خوف وقوع میں آیا ہے تو جناب رسولخدا صلعم کے صدقہ سے حاصل ہوا ہے اور جن لوگوں نے ہمراہ حضرت کے ہو کر راہ خدا میں جہاد کئے ہیں اور جہادوں میں سے بہاگے نہیں ہیں خواہ مہاجرین ہوں خواہ انصار۔ ہوں اُن لوگوں کا تو بڑا درجہ ہے کہ اُنہوں نے ترقی اسلام میں سعی کی ہے اور اُن لوگوں کا بہی مسلمانوں پر بڑا احسان ہے کہ انکا جو کچھ شکر کریں بہت تہوڑا ہے علی الخصوص حیدر کرار کہ جسکی تیغ سے کفار کو لرزہ ہوتا تہا اور اصل اصول ترقی اسلام جناب رسولخدا صلعم ہیں کہ انکی ذات بابرکات کا شکر سب مسلمانوں پر واجب ہے سو اُنمیں جو قدر شناس ہیں اور عاقل سلیم الطبع ہوتے ہیں وہ خدمتگذاری اور شکر گذاری سے پیش آتے ہیں اور جو بد اصل اور ناقدر اور طالب دنیا ہوتے ہیں وہ شکر گزاری تو درکنار اُلٹے اپنے آقا و نعمت اور وسیلہ راحت کے جڑ کاٹنے کے درپے ہوئے ہیں سو اس نعمت عظمی نبوت کا حال بہی یہی ہوا کہ ہرچند جناب رسولخدا صلعم کی سعی کے صدقہ میں اور ضرب ذو الفقار حیدر کرار کے طفیل سے اس زمانہ تک کے اہل اسلام کامیاب ہیں جسقدر دین کو وسعت اور شوکت ہوئی یا اب ہے حقیقت میں سب جناب رسول خدا صلعم کی جانکاہی اور حیدر کرار کی اور مومنین مخلصین کے جہاد کا بہول بہیل ہے جو کہ کفار کو قتل کرتے تہے اور جہاد میں سے بہاگتے تہے لیکن صحابہ کے زمانہ سے لیکر آجتک جیسی اس نعمت کے شکر گزار ہیں ویسی ہی اُس زمانہ سے بلکہ حضرت کے مرض الموت سے لیکر آجتک کافر نعمت بہی برابر چلی آتی ہیں مگر چونکہ علم الہی تو وقائع گزشتہ اور وقائع آیندہ کو برابر محیط ہے تو بطور اخبار بالغیب کے اُن کافران نعمت کی طرف بہی اشارہ کرنا ضرور پڑا تا کہ رسولخدا صلعم کے اور مجاہدین کی بزرگی اور انکے ناشکروں کی برائی قرار واقعی ثابت ہوجائے اور انکا اور اُنکی ناشکری کا مرتبہ کا حال بخوبی واضح ہوجائے اسیواسطے بعد اتمام وعدہ ارشاد فرمایا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ یعنی اور جو کہ ناشکری کریں بعد حاصل ہونے اُس غلبہ اسلام اور بدل دینے خوف کے امن سے اور بہ حق نعمت کو نہ پہنچائیں اور خدمتگاری اور اطاعت قرآن تو درکنار زبان سے شکر گزار تک نہوں بلکہ اُلٹی بدی سے پیش آئیں تو وہ اصل میں فاسق ہیں کہ کوئی فاسق اُنکی برابر نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس آیت کے مصداق بجز خلفاء ثلثہ اور نواصب اور خوارج اور قاتل حضرت امیر علیہ السلام اور کوئی معلوم نہیں ہوتا مگر چونکہ ابتداء ناشکری کی ابوبکر اور عمر سے ہوئی کہ عمر نے تو بدلے شکر نعمت ایمان کے جناب رسولخدا صلعم کے ارشاد کو منسوب بہذیان کہکے رد کیا وہ ارشاد کہ جس میں ضلالت اور گمراہی سے نجات تہی اور اُس ارشاد کے رفع کرنیمیں باعث گمراہی بندگان خدا ہوئے اور ابوبکر نے عمر کو واسطے جلانے خانہ دختر نیک اختر رسولخدا صلعم کے آمادہ کیا اور عمر آگ اور لکڑیاں ہمراہ لیکر واسطے جلانے اُس خانہ جنت آشیانہ کے مع اُن آدمیوں کے کہ جو اُس گہر میں حضرت علی اور حسنین اور بنی ہاشم اور دیگر صحابہ کبار تہے جنہوں نے جہاد کر کے دین اسلام کو بڑہایا تہا اور غالب کیا تہا روانہ ہوئے اور ابوبکر نے دروازہ فاطمہ زہرا کا توڑا جسکے سبب سے وقت مرنیکے افسوس کرتے تہے اور کہتے تہے کہ کاش میں دروازہ فاطمہ زہرا کا نہ کہولتا چنانچہ کنز العمال میں لکھا ہے سو اس فسق میں جو اس ناشکری کا ثمرہ ہے یہ لوگ سب میں مشہور ہوں گے اور بعد انکے معاویہ اور یزید وغیرہ بنی امیہ اور بنی عباس دشمنان آل رسول جو گذرے ہیں اُنہوں نے انکی ہی پیروی میں آل رسول کو آزار پہنچایا ہے اور جسقدر کہ اہل سنت ہیں انہوں نے انکی پیروی اور محبت میں جناب رسولخدا صلعم کی ناشکری یہ کی کہ جس شخص کے صدقے سے اور جسکی سعی سے ایمان حاصل ہوا اور ترقی دین اسلام ہوئی اُسکے مخالف سے تو چشم پوشی کی اور جو لائق شکر گذاری کے تہے اور کہ جو کام اُنہوں نے شکر گزاری کا کیا تہا اُنکی شکر گزاری کو ضرور جانا اور اُن ناشکروں کی ناشکری کو بُرا سمجہا اور اول میں جو اس نے لکہا ہے کہ خلافت چار یار کی کسکئے تہی سو خلافت ثلثہ کی تو خلافت دنیا تہی چنانکہ خالد اور بلال کو عمال کی سی عہدا کی اور رسولخدا صلعم کی بحبشی ہوئی تہی کہ اُنہوں نے اُنکو خلیفہ نکیا تہا بلکہ لوگوں نے خلیفہ کیا تہا اور ثلثہ کے طفیل سے کوئی بہرہ ور نہیں ہوا ہے بلکہ اُنہوں نے خود جہاد کئے ہیں اور اپنے جہادوں سے بہرہ ور ہوئے ہیں اور مہاجرین تنہا قریب نہیں ہیں بلکہ اقرب مہاجرین اور انصار دونوں میں جنہوں نے راہ خدا میں جہاد کئے ہیں نہ بہاگ جانیوالے جہاد میں سے

قال الشیخ الاشعری اور امیر معاویہ اور بعضے اور صحابہ گو مخالف حضرت کے رضی اللہ عنہ رہے لیکن اُنکا بگڑنا ایسا تہا جیسا بہائیوں کا بگڑنا کیونکہ وہ اور چار یار اس نعمت خلافت میں بمنزلہ امیر اور غریب بہائیوں کے ہیں کہ باوجود یکہ غریب امیر بہائی کے طفیلی ہوتے ہیں پہر اُس سے بگڑتے رہتے ہیں غرض شکر نکرنا برادرانہ کو ہرچند ایک دوسرے کا طفیلی ہو کفر نعمت نہیں سمجہا جاتا اُسکو عرف میں نا شکری نہیں کہتے ہیں اسیواسطے اگر ایک بہائی کو دنیا میں ثروت ہوجاتی ہے اور اُسکے اور بہائیوں کو اُسکے طفیل سے ہمچشموں میں عزت اور گونہ ثروت حاصل ہوجائے تو خوبی سب کہتے ہیں کہ وہ بہائی جسکے سب طفیلی ہوتے ہیں اپنے اور بہائیوں سے محبت اور حسن سلوک پیش آیا کرے نہ غرور اور تکبر کیا کرے بلکہ اُسکے بہائی اگر اُسے تحکم کریں تو سب سے بہی درمدارات ہی پیش آئے اور نہ مکافات کے درپے ہو اور نہ اُن سے انتقام لے بلکہ اگر کوئی شخص اسکے متوسلوں میں سے اُن سے کسی قسم کی پرخاش کرے تو یہ سمجہاوے کہ میرے بہائی ہرچند مجہ سے منحرف ہیں پہر بہائی ہیں اور تم ہرچند دوست ہو پہر غیر ہو

اقول امیر معاویہ کا بگڑنا بہائیوں کا سا نتہا بلکہ وہ بگڑنا عداوت قلبی کی جہت سے تہا کہ معاویہ نے جگر گوشہ رسول زمن حضرت امام حسن کو زہر دلوایا انکی زوجہ جعدہ کو اغوا کرکے

چنانچہ استیعاب میں لکھا ہے اور قتادہ اور ابوبکر سے روایت کی ہے اور تذکرہ خواص الامۃ میں بھی یہی لکھا ہے اور شعبی سے روایت کی ہے اور نہ ہزار درہم وعدہ پر دلوایا کہ ایک لاکھ
درہم تمہکو دونگا اور یزید سے تیرا نکاح کرونگا اور جب زہر دلوا کر حضرت امام حسن کو شہید کروا چکا تو درہم تو دیئے اور نکاح یزید سے نکیا اور ایسے ہی تہذیب الکمال اور مرات الجنان
وغیرہ میں لکھا ہے اور تاریخ خمیس اور حیوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ معاویہ نے حضرت امام حسن کے مرنے کی خبر سنی تو تکبیر کہی اور اسکی متابعت سے سب اہل شام نے تکبیریں کہیں
اور معاویہ کو حضرت علی سے اسقدر عداوت تھی کہ ہمیشہ انکو گالیاں دیا کرتا تھا اور عمر بن عبد العزیز کے زمانہ تک یہہ طریقہ بنی امیہ کا معاویہ کی پیروی سے جاری رہا یہانتک
کہ عمر بن عبد العزیز نے اسکو موقوف کیا اور ابن ماجہ نے اپنے سنن میں جو کہ صحاح ستہ میں داخل ہے روایت کی ہے کہ معاویہ حج کرنیکو آیا اور سعد اسکے پاس گیا اور ذکر حضرت
علی کا ہوا تو معاویہ نے حضرت علی کو بدشنام یاد کیا اور سعد اسوقت غضب میں ہوئے اور صحیح مسلم میں لکھا ہے اور عامر بن سعد سے روایت ہے کہ حکم کیا معاویہ نے سعد کو اور کہا کہ
کونسی چیز مانع ہے تمہکو ابو تراب کی گالیاں دینے سے اور کتاب عقد ابن ربہ میں اور تذکرہ خواص الامت میں اور ریاض النضرۃ وغیرہ میں گالیاں دینا معاویہ کا علی کو اور
بغض رکھنا اُس جناب سے لکھا ہے اور بعد اسکے ہم انشاء اللہ تعالیٰ عثمان کے قتل ہونیکے ذکر میں مفصل لکھینگے یہ حال تھا معاویہ کا اور پھر لکھا ہے یہ شیخ کہ معاویہ کا بگڑنا بھائیوں کا
ساتھ کیا بھائی ایسے ہی ہوتے ہیں اور ایسا ہی کرتے ہیں جیسا کہ معاویہ کرتا تھا اور ابن حجر نے صواعق محرقہ میں ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ
من سبّ علیاً فقد سبّنی یعنے جس نے علی کو گالی دی اُس نے مجھکو گالی دی یہ گالیاں دینی حضرت علی کو اور انکی اولاد کو قتل کروانا شکر رنجی باہمی اور ناز ہے اہل سنت کے
نزدیک اگر یہی ناز ہے اور شکر رنجی برادرانہ ہی ہے تو شیعہ تو کچھہ گالیاں نہیں دیتے ہیں اور نہ کسیکو قتل کرتے ہیں اگر خلفاء ثلثہ پر لعنت کرتے ہیں تو کچھہ مضایقہ نہیں ہے اور طفیلی کیسا
کون ہے البتہ ابوبکر طفیلی حضرت عمر کے ہیں کہ انہوں نے بڑی سعی سے ابوبکر کو خلیفہ کیا اور مطعون خدا اور خلق خدا ہوئے اور بھائی ہونا کچھہ کام نہیں آتا ہے جبتک کہ ایمان صحیح
نرکھتا ہو اور خدا تعالیٰ نے قرآن میں حضرت ہود اور حضرت شعیب کو بھی تو بھائی کافروں کا کہا ہے اس سے کیا ہوتا ہے اور معاویہ کے کفر میں کچھہ شبہ نہیں ہے کہ رسول خدا صلعم
نے اُسپر لعنت کی ہے چنانچہ تاریخ ابو الفدا اور تالیفات بیہقی اور ربیع الابرار زمخشری میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلعم نے دیکھا کہ ابوسفیان گدہے پر سوار ہوا آتا ہے
اور معاویہ اُس گدہے کو کھینچتا ہے اور یزید اُسکو ہانکتا ہے حضرت نے یہ دیکھکر فرمایا کہ لعنت کی ہے خدا نے سوار کو اور باگ کھینچنے والیکو اور گدہے کے ہانکنے والیکو
تینوں کو اور امام رازی نے کتاب محصول میں لکھا ہے باب جرح اور تعدیل میں کہ معاویہ نے حضرت امام حسن کو اپنی مجلس میں طلب کیا وہ حاضر ہوئے تو ابو العاص نے
حضرت علی کا ذکر شروع کیا کہ علی ابوبکر کو گالیاں دیا کرتا تھا اور جسوقت امام حسن کیطرف نوبت پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ اے معاویہ تجھکو یاد ہے کہ ایک روز باپ تیرا اونٹ پر
سوار ہوا جاتا تھا اور تو اُسکو کھینچتا تھا اور یزید اُسکو ہانکتا تھا رسول خدا صلعم نے تم تینوں پر لعنت کی اور ابن عباس نے بھی معاویہ پر لعنت کی ہے چنانچہ سنن بیہقی
میں مذکور ہے کہ ابن عباس ایام حج میں عرفات میں تھے سعید سے پوچھا کہ لوگ تلبیہ کیوں نہیں پڑھتے ہیں کہا کہ معاویہ کے خوف سے ابن عباس اپنے خیمہ سے باہر نکلے اور تلبیہ کہنا
شروع کیا اور کہا کہ خدا لعنت کرے اُسپر کہ جنہوں نے سنت کو علی کی بغض کی جہت سے ترک کیا اور ایسے ہی کنز العمال میں لکھا ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ خدا لعنت کرے
اُسکو کہ جسنے تلبیہ کو ترک کیا اور جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ اگر معاویہ کو میری منبر پر دیکھو تو قتل کرو اُسکو اور شہروں میں بھی یہ حکم کیا جاوے اور منبروں پر
اُسپر لعنت کیجاوے چنانچہ تاریخ ابو الفدا میں لکھا ہے سو ایسے بھائی اور جو کچھہ کہ بھائیوں کے مقدمہ میں لکھا ہے وہ ثلثہ کے بھائی ہیں نہ علی کے اور علی تو معاویہ کے ایسے بھائی
تھے جیسے کہ کفار کے حضرت ہود اور شعیب بھائی تھے اور حضرت علی تو اُسکو لعنت کیا کرتے تھے چنانچہ بعد اسکے معلوم ہوگا **قال الشیخ الاشعری** القصہ حق شناسوں کا
دستور یہی ہے کہ باہم کی شکر رنجیوں کی وجہ سے یہہ گوارا نہیں ہوتا کہ غیر خاصکر اپنے غلام انکو ایذا پہنچائیں بلکہ خدا اگر کچھہ لیاقت دین یا دنیا کی دیتا ہے تو اسکی جفا اُٹھاتے
ہیں اور زبان پر نہیں لاتے ہیں بلکہ اُلٹے احسان کیا کرتے ہیں ہاں اگر اپنا نوکر یا غلام اُنکی اہانت یا ایذا کے درپے ہوتا ہے تو اسکو البتہ سزا دیا کرتے ہیں یہی وجہ معلوم ہوتی
ہے کہ جب حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا کہ اصحاب امیر معاویہ پر لعن طعن کرتے ہیں تو آپنے اپنے لشکریوں کو اُنکی لعن کرنے سے منع فرمایا چنانچہ شیعوں کی معتبر کتابوں
میں موجود ہے افسوس کہ شیعوں نے امیر معاویہ کی تقلید اختیار کی اور تبرا اپنا شیوہ بنایا حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا اتباع نکیا کہ کسیکو برا نکہیں مگر اُنکی کہاں نصیب جو
حضرت امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا اتباع اختیار کریں اس نعمت کے لائق سنی ہی تھے ؎ شہپر زاغ و زغن زیبائے صید و قید نیست ؎ ایں کرامت ہمرہ
شہباز و شاہین کردہ اند **اقول** ۔ بڑے قدر شناس اہل سنت کے نزدیک حضرت عمر تھے کہ جنہوں نے رسول خدا صلعم کی قدر شناسی کی کہ حضرت کے افعال پر اعتراض
کرتے تھے اور نبوت میں حضرت کے شک کیا کرتے تھے اور مرض الموت میں حضرت کے ارشاد کو منسوب بہذیان کیا اور طرفین کے عداوت اور لعن طعن اور ارادہ قتل ایک کا دوسرے کے
شکر رنجی پر محمول کرنا یہہ بھی کام اس شیخ ہی کا ہے کون عقل کا اندھا اسکو شکر رنجی کہیگا اور اپنے آقا کے دشمن کو ہے کہ اُسکے قتل پر فوج کشی کرے اور اولاد کو اُسکے

قتل کروائی اور ہمیشہ اُس پر لعنت کرتا ہے لوگوں کو اُس پر لعنت کرنے کا حکم کرے اگر غلام اصلی ایذا نہ پہونچے میں اور ہمیشہ اسپر لعنت نہ کرتے رہیں تو وہ غلام بڑی بیوفا اور
نمک حرام ہیں اور جفا اٹھاتے اور جفا کی جوش میں احسان کرنا دشمنوں کے واسطے ہوتا ہے نہ ان دشمنوں کے واسطے کہ جو خون کے پیاسے ہوں اور نہ ان کو مومنین کا خون
کروائیں اور خود ایمان سے بہرہ نہ لیتے ہوں اور اگر ایسی دشمنوں کو آرام آقا کی حمایت میں بیٹھے ہیں تو انعام اور انعام کے ہرگز لائق نہ ہونگے تو پایا جاتا ہے کہ آل رسول کے
دشمنوں کو اور اُنکے حقوق کے غاصبوں کو پاک و صاف کریں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا وہ تو اپنی سزا کو پہنچ چکے ہونگے تب بچا نہیں سکتے وہ نجات نہیں پاسکتے اور حضرت علی نے
اپنے لشکریوں کو معاویہ وغیرہ کی لعن کرنے سے ہرگز منع نہیں کیا ہے تو جھوٹ لکھتا ہے مولوی عبدالعزیز صاحب کی پیروی کر بلکہ دشنام دینے سے منع کیا ہے چنانچہ حضرت علی کا
قول نہج البلاغت میں ہے. وقد سمع قوما من اصحابه يسبون اهل الشام ايام حربهم بصفين انی اکره لکم ان تکونوا سبابين یعنی تحقیق سنا حضرت
علی نے ایک قوم کو اپنی ہمراہیوں میں سے کہ گالیاں دیتے تھے اہل شام کو ایام جنگ صفین میں تو حضرت علی نے فرمایا کہ خبردار ہو کہ تحقیق میں مکروہ جانتا ہوں واسطے تمہارے
کہ تم گالیاں دینے والے ہو جاؤ اور ابن ابی الحدید نے اس قول کی شرح میں لکھا ہے کہ السب الشتم والذی کرهه منهم انهم کانوا يشتمون اهل الشام ولم يكره
منهم لعنهم اياهم والبراءة منهم یعنی سب بمعنی دشنام ہے اور وہ چیز کہ مکروہ جانی تھی ان سے یہ ہے کہ تحقیق وہ گالیاں دیتے تھے اہل شام کو اور مکروہ نہیں جانا حضرت علی نے لعنت
کرنے انکے کو اہل شام پر اور نہ بیزاری کو ان سے مکروہ جانا اور بعد اسکے تھوڑے فاصلہ سے لکھا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ کیا سبب ہوا سب کی جبکہ امیرالمومنین نے منع کیا تو اسکے
جواب میں ہم کہینگے کہ کانوا يشتمونهم بالآباء والامهات یعنی تھے گالیاں دیتے وہ ساتھ باپوں کے اور ماؤں کے اس سبب سے منع کیا تھا لعنت کرنے سے اور نہ اس جہت
سے کہ وہ مستحق لعن کے نہیں ہیں بلکہ اس جہت سے منع کیا ہو جیسے کہ خدا تعالی کے قول میں ہے چنانچہ فرماتا ہے ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا
الله عدوا بغير علم اور یہ قول دلیل عدم استحقاق لعن کی نہیں ہوسکتا اور لعنت سے حضرت علی نے کب منع کیا کہ خود انہوں نے ان پر لعنت کی ہے چنانچہ ابن ابی الحدید نے
شرح نہج البلاغت میں نقل کیا ہے کہ نصر کان علی اذا صلی الغداة او المغرب وفرغ من الصلوة وسلم قال اللهم العن معوية وعمروا وابا
موسی وحبیب بن مسلمة وعبدالرحمن بن خالد والضحاک بن قیس والولید بن عقبة یعنی ابن عقبہ سے روایت ہے کہ حضرت علی جس وقت نماز پڑھتے صبح اور مغرب کی اور
فارغ ہوتے نماز سے اور سلام پھیرتے تو کہتے کہ اے خدا لعنت کر تو معاویہ پر اور عمرو عاص پر اور ابو موسی اشعری پر اور حبیب بن مسلمہ پر اور عبدالرحمن بن خالد پر اور ضحاک بن قیس پر
اور ولید بن عقبہ پر. مقصد اول میں لکھا ہے کہ بعد قصہ واقعہ تحکیم کے امیرالمومنین علی نے فرمایا خطبہ میں اور لعنت کی معاویہ اور عمرو عاص اور ابو الاعور اسلمی اور حبیب بن مسلمہ
قرشی اور ضحاک بن قیس اور عبدالرحمن بن خالد اور ولید بن عقبہ پر اور جس وقت معاویہ کو خبر پہنچی تو وہ حضرت علی اور حسنین اور ابن عباس اور مالک اشتر کو نام لیکے
لعنت کرنے لگا یہ حال تھا انکا اور یہ لعنت کرنی شکایت نفسانی پر دلالت کرتی ہے یا عداوت قلبی پر اور شیعہ لعنت کرنے میں کسی
کی تقلید نہیں کرتے ہیں بلکہ خدا تعالی کی اور رسول خدا اور علی مرتضی کی تقلید کرتے ہیں کہ خدا تعالی نے تو قرآن میں فرمایا ہے کہ اولئک يلعنهم الله ويلعنهم اللاعنون اور ابلیس کے حق میں
فرمایا ہے ان عليك لعنتي الى يوم الدين اور منافقین اور کافروں پر لعنت کی ہے اور اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مسطح بدریین میں سے تھا اور حسان بن ثابت وغیرہ نے عائشہ کو
تہمت زنا کی لگائی تھی اور تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ ان الذين يرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا في الدنيا والآخرة یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے
خدا تعالی نے ان پر لعنت کی ہے کہ وہ سب مومنین ہیں اور صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ جناب رسول خدا صلعم دعائے قنوت میں بعضی مشرکین کا نام لیکر لعنت کرتے تھے اللهم العن فلان وفلان اور معاویہ پر لعنت
کرنا حضرت کا ربیع الابرار اور محصول امام رازی اور تاریخ ابوالفدا اور تالیفات بیہقی سے لکھ چکے ہیں اور حضرت علی کا معاویہ پر لعنت کرنا ابھی گزرا ہے سو شیعہ خدا کا حکم کرکے اور رسول خدا اور علی مرتضی
کی تقلید سے لعنت کرتے ہیں اور اہلسنت جو لعنت نہیں کرتے ہیں انکو تقلید رسول خدا اور علی مرتضی کی منظور نہیں ہے. **قال الشیخ الاشعری** سبحان اللہ کیا کلام معجز نظام ہے کہ کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا اصحاب
سے وعدہ کیا اور انکے فضائل اشارۃً وصراحۃً بیان کرکے منکران صحابہ کی جڑ ہی جڑ کاٹ دی ہے وہی کچھ اسطرح کہ دشمنان صحابہ پر سچے لیکر یاؤں تک برابر مطابق آئی ہاں اگر یعبدوننی لایشرکون بی شیئا ہوتا یا ومن کفر
بعد ذلک فاولئک هم الفاسقون نہوتا تو البتہ تاویل کرنیکی گنجایش رہتی کہہ سکتے کہ صحابہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارے عقیدہ کے موافق مرتد ہوگئے تھے ومن کفر سے وہی مراد ہیں اور کفر سے
کفر حقیقی مقصود ہے کفران نعمت مراد نہیں مگر خدا سے کہیں کوئی بات رہ سکے ہے اہل فہم تو پہلے ہی سمجھے تھے کہ ایسا ایمان اور عمل صالح جو خداوند کریم کے امتحان میں عمدہ نکلے
یہانتک کہ اس پر انعام وعدے بے بدل بلکہ نہیں ہوسکتا ایسا ایمان اور عمل صالح بجز ان لوگوں کے میسر نہیں ہے جنکے حق میں شیطان نے یوں کہا ہے
الا عبادك منهم المخلصين یعنی اے خدا میں سبکو گمراہ کرونگا سوا تیرے چنے بندوں کے اور خداوند کریم کا یوں ارشاد ہے ان عبادي ليس لك عليهم سلطان یعنی اے
ابلیس مگر جو کامل اور چنے بندے ہیں ان پر تیرا قابو نہیں بلکہ کلام اللہ سے تو یوں ثابت ہوتا ہے کہ مخلصین یعنی چنے ہوئے مومنوں کا گناہوں سے محفوظ ہونا یا معصوم ہونا

لازم ہے کیونکہ آیت لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے گناہوں سے بچا دینے اور بچے رہنے کی وجہ یہی فرمائی کہ وہ مخلصین میں سے تھے پھر جب خلفاء اربعہ جنکا مخلصین میں سے ہونا ہی عدم ثابت ہوا محفوظ یا معصوم ہوئے تو پھر مصداق مَن کفر کیونکر ہو سکیں گے **اقول** بے شک کلام خدا کا کلام معجز نظام ہے کہ کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا کیونکہ اپنے علم ازلی سے جو جانتا تھا کہ بعضے آدمی ان لوگوں میں سے کہ جن سے ہمنے وعدہ کیا ہے بعد ایفاء وعدہ کے اپنے ایمان صحیح سے پھر جائیں گے اسواسطے آخر میں اس آیت کے اسقدر اور زیادہ کیا کہ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی اور جو لوگ کہ کفر کریں بعد اس نعمت ایفاء وعدہ کے کہ وہ تمکین دین اور زوال خوف ہے تو پس وہ لوگ ہی بدکار حکم خدا سے باہر ہو جانیوالے ہیں اور ایسا ہی ہوا بعد رسولخدا صلعم کے بعضے صحابہ مرتد ہو گئے چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ کتب اہل سنت میں لکھا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ قیامت کے روز ملائکہ کچھ آدمیوں کو حوض کوثر پر سے ہانکتے ہوئے دوزخ میں لیجائیں گے تو میں کہونگا کہ انکو کہاں لئے جاتے ہو یہ تو میرے اصحاب ہیں اسوقت ملائکہ میرے جواب میں کہیں گے کہ انك لا تدری ما احدثوا بعدك ولن یزالوا مرتدين على اعقابهم منذ فارقتهم یعنی نہیں جانتا ہے تو کہ جو کچھ احداث کیا ہے انہوں نے دین میں بعد تیرے اور ہمیشہ رہے ہیں پھر جانیوالے اوپر پاشنوں اپنی کے اور مرتد ہو گئے ہیں جب سے کہ مفارقت کی ہے تو نے ان سے اور جامع الاصول وغیرہ میں لکھا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم نے شہداء احد کے مقدمہ میں فرمایا کہ انکا انجام بہت اچھا ہوا تو ابو بکر نے کہا کہ یا رسول خدا کیا ہم انکے بھائی نہیں ہیں کہ مثل انکے ایمان لائے اور جہاد کیا حضرت نے فرمایا کہ ما ادری ما تحدثون بعدی یعنی نہیں جانتا میں کیا احداث دین میں کرو گے تم بعد میرے ابو بکر یہہ سنکر روئے اور کہا کہ بعد تیرے ہم البتہ ایسے ہی ہونیوالے ہیں یا رسولخدا اور ہمارے نزدیک تو یہ آیت جناب رسولخدا اور انکی اہل بیت کی شان میں ہے کہ خدا تعالی انکو تمکین کامل عطا کریگا کہ تمام روی زمین پر انکا تسلط ہو جائیگا اور کسی طرح کا خوف باقی نہ رہیگا اور سوای خدا کے کوئی کسیکی عبادت نکریگا اور نہ کوئی شرک کریگا اور مصداق اسکا امام مہدی علیہ السلام کا زمانہ ہے اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالی کہ جو ہر امر پر قادر ہے تہوڑیسی زمین کی تمکین اور زوال خوف کا وعدہ کرے تہوڑیسی زمین پر تو اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے بھی تمکین اور زوال خوف تھا لیکن بعد اسکے کچھہ اور تمکین بڑہ گئی مگر ناقص ہی رہی اور ابتک ناقص ہے اور اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کیا عبادت خدا کی مسلمان نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے اس سے بھی عبادت خدا ہی کی کرتے تھے اور شرک بھی نہیں کرتے تھے اس وعدہ کا کیا فائدہ ہوا کہ جو امر پہلے سے حاصل تھا اسکا وعدہ خدا کرتا ہے سو موافق مذہب اہل سنت کے معنی اس آیت کے درست ہو ہی نہیں سکتے اور اگر موافق اہل سنت کے کہیں تب بھی ہمارا مطلب ثابت ہے کہ صحابہ سے وعدہ تمکین دین اور زوال خوف کیا تو رسولخدا ہی کے زمانہ میں اسکا ایفا کیا اور فضیلت صحابہ کی کوئی بیان نہیں کی ہے اور نہ منکران صحابہ کے حق میں کچھہ بیان کیا ہے اور وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ جو بعد اسکے ہے وہ ان لوگوں ہی کے حق میں ہے کہ جن سے وعدہ کر کے ایفاء وعدہ کیا اور دشمنان صحابہ کا تو اس آیت میں ذکر ہی نہیں ہے نہ صراحۃً نہ کنایۃً اور جسوقت کہ سب کے بعد وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ آیا تو يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا کا حاصل ہی اس نے ڈھا دیا اسواسطے کہ گو وہ لوگ عبادت خدا کی کرینگے اور شرک نہ کرینگے لیکن جسوقت مرتد ہو جائیں گے یا کفران نعمت کرینگے تو وہی فاسق اور بدکار ہیں اور ان لوگوں ہی کیطرف خدا تعالی خطاب کر کے فرماتا ہے کہ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اور دوسری آیت میں فرماتا ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ الخ سو خدا تعالی کا فرمانا عبث تو ہے ہی نہیں اپنے علم سے جانتا تھا کہ ان میں سے مرتد بھی ہو جائیں گے اسواسطے فرمایا اور تاویل یہ ہمنے کسی طرح سے نہیں کی ہے اس آیت کے ظاہر معنی ہی سے ہمارا مطلب ثابت ہے اور تاویل تو کرتا ہے کہ باوجودیکہ اشارہ ذلک کا ایفای وعدہ یعنی تمکین دین اور زوال خوف کی طرف ہے اور کفر کرنیوالا عام ہے جو کوئی کہ ہو اور تو تاویل کر کے منکران صحابہ کیطرف لیجاتا ہے اور مرتد ہو جانا بعضے صحابہ کا فریقین کی کتابوں سے ثابت ہے اور من کفر سے مراد بیشک وہی مومنین صالحین ہیں اگر بعد اسکے مرتد ہو جائیں یا کفران نعمت کریں اور بے شک خدا سے کوئی بات نہیں رہی ہے انہیں سے بعضوں کے مرتد ہو جانیکی طرف بھی اشارہ کر دیا اور ایمان اور عمل صالح بیشک خدا کو پسند ہے اگر ہمیشہ باقی رہے لیکن خدا تعالی نے یہہ نہیں فرمایا ہے کہ تمکین دین کی دینگے تو تمہارا ایمان بھی ہم قائم اور باقی رکھینگے بلکہ یہہ فرمایا ہے کہ اگر تم بعد اسکے مرتد ہو جاؤ گے تو تمہاری برابر کوئی فاسق نہیں ہے اور جو لوگ کہ مرتد ہو گئے ہیں انکا ایمان جسوقت کہ وہ مومن تھے تو البتہ خدا کو پسند تھا اور جب مرتد ہو گئے تو پھر کاہیکو پسند ہوگا اور نہ امتحان میں وہ لوگ عمدہ نکلے کہ جہادوں میں سے بھاگتے تھے اور نبوت میں پیغمبر کے شک کرتے رہتے تھے اور انعام حقیقت میں ان لوگوں کو ملا ہے کہ جنہوں نے ڈٹ کر جہاد کئے ہیں اور کفار کو قتل کر کے اسلام کو غالب کیا ہے اور بھگوڑوں کو یہہ انعام انکے طفیل سے ملا ہے کہ جب شیر شکار کرتا ہے تو اسکا بچا ہوا گیدڑ اور لومڑی کے بھی حصہ میں آ جاتا ہے سو انکو یہ انعام بالعرض تھا ایسے آدمیوں کا ایمان مبدل بکفر ہو جائے تو بعید نہیں ہے اور مخلصین میں سے کبھی وہی آدمی تھے کہ اپنی جان کا لحاظ راہ خدا میں نکر کے کفار کے دلوں میں گھس جاتے تھے اور خوب تلوار کرتے تھے اور جو لوگ کہ

کہ جان کو اپنی چراتے تھے جہاد کرنے سے اور کفار کے خوف سے بھاگتے پھرتے تھے وہ مخلصین میں سے کیسے ہو جائیں گے تیرے کہنے سے کیا ہوتا ہے تو بے دلیل اگر ثلثہ کا مرتبہ پیغمبر خدا سے زیادہ کہدے تو تیرے کہنے سے کیا ہوتا ہے اور ثلثہ ہرگز چھٹے ہوئے بندوں میں سے نہ تھے بلکہ مثل اور مومنین کے ایمان بھی انکا صحیح تھا چنانچہ ہم لکھ چکے ہیں چہ جائیکہ مومنین مخلصین میں سے ہونا اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے رتبہ کو پہنچانا اور مخلصین کو گناہوں سے محفوظ یا معصوم ہونا البتہ لازم ہے اور قرآن سے بھی ثابت ہے لیکن ثلثہ مخلصین کیا بلکہ ایسے فاسقین میں سے تھے کہ نجات انکی دشوار ہے اور جب کہ وہ مخلصین میں سے نہ ہو تو بیشک مصداق ومن کفر بعد ذلک کے ہونگے

قال الشیخ الاشعری اسکے بعد جو لوگ کچھ قلیل یہ فہم رکھتے ہیں انکے لئے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ بڑھایا تا صحابہ کی نسبت اپنی زبان و دل کو آلودہ گستاخی نکریں اور انکی لعنت کی سزا میں ہماری لعنت کے مستحق نہوں لیکن اغبیا اور جہال کے سمجھانیکے لیے بھی کوئی بات ضرور چاہیئے تھی جملہ يَعْبُدُونَنِي کا لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا زیادہ فرمایا کہ احتمال ارتداد بھی باقی نرہی اور بسبب اپنی تیرہ درونی اور کم فہمی کے اپنی ہجو کو جو ومن کفر سے شروع ہی صحابہ کے اوپر مطابق نکرنے لگیں واقعی يَعْبُدُونَنِي کا لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا نے احتمال ارتداد کو جو بفرض محال پیش آتا بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیا کیونکہ اس میں انکی آخر حال تک خبر دیدی سو جو کچھ خداوند کریم نے ارشاد فرمایا وہ سب خلفاء اربعہ میں بوجہ اتم ظہور میں آیا یہانتک کہ شیعہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ خلفاء ثلثہ خصوصاً حضرت عمر ظاہر شریعت کی پاسداری اور ترویج دین اور زہد و تقوی کی رعایت بہت کرتے تھے چنانچہ شریف مرتضی نے تنزیہ الانبیاء و الائمہ میں بلکہ اور علماء نے بھی اسبات کو واضح لکھا ہے اگرچہ اپنی بدی سے باز نہیں آئے اور موافق مثل مشہور المریقیس علی نفسہ کی وجہ اسکی یہ تراشی ہی کہ یہ سب لوگوں کے دکھانیکو تھا لیکن جملہ یعبدونی اور نیز اس جملہ کا ماقبل جب انکے اخلاص پر دلالت کرے تو پھر موافق مثل مشہور الرافضی فوارہ لعنت از وی خیزد و بروی ریزد یہ برائی اور بدگوئی انہیں کے سر رہے گی معہذا لفظ ذلک نے امامیہ کا منہہ بالکل سی دیا کیونکہ اگر بالفرض بفرض محال خلفاء ثلاثہ بعد وفات رسول اللہ صلعم مرتد بھی ہوتے تو نعوذ باللہ خدا نے اتنا بھی نہ سمجھا جیسے شیعہ سمجھے چاہئے تھا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ وَفَاتِ النَّبِيِّ صلعم کہتا اور کہدیا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ جس سے دروغگوئی کی تہمت اپنے ذمہ لگی اور اگر ومن کفر بعد ذلک بجاے خود بھی تو شیعوں کے مفید مطلب نہیں بلکہ مضر ہے کیونکہ اگر ومن کفر سے اصحاب ثلثہ ہی مثلاً مراد ہیں تو انکا کفر بعد اتمام نعمت موعودہ ہونا چاہیئے تو اس صورت میں انکار امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو شیعوں کے نزدیک بمجرد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ خصوصاً خلفاء ثلثہ سے ظہور میں آیا کفر لازم نہ آوے سو اول تو یہ شیخ چلی کا گھر بنا بنایا ڈہ جائیگا کہ انکار امامت اور انکار رسالت دونوں سے آدمی کافر ہوجاتا ہے دوسرے خلفاء ثلثہ کے استحقاق خلافت کے انکار سے جو اس آیت سے ثابت ہے تا خود کافر بننا پڑیگا خیر اس صورت میں ہمیں بھی شکایت نہیں ہے شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی ٭ گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد ٭ **اقول** مراد خدا تعالی کی بموجب تحریر مفسرین اہل سنت وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الخ سے یہ ہی کہ دین کل مومنین صالحین کا کہ جو دین اسلام ہے اسکو تمکین ہم بخشیں گے سو خدا تعالی نے جناب رسول خدا صلعم کے ہی زمانہ میں بشجاعت اصحاب بر علی الخصوص بضرب ذوالفقار حیدر کرار سے تمکین دین بخشی لیکن بعد اسکے جو بعضے ایمان صحیح پر قائم نرہی اُنپر موجب حکم خدا لعنت ہوتی ہے اور ایمان سے پھر جانیوالوں پر زبان مومنین کے لعنت کرنے سے کیونکہ بندہ ہو کہ موجب حکم خدا ہے اور تمکین دین کو یہ لازم نہیں ہی کہ انمیں پھر کوئی اپنے ایمان کو تباہ نکرے آخر انکو خدا ہی خطاب کر کے فرماتا ہے کہ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ اور جو کوئی کہ ایمان سے پھر جانیوالوں پر لعنت کرتا ہے وہ اپنے دین کو برباد نہیں کرتا ہے بلکہ ثواب حاصل کرتا ہے اور جملہ يَعْبُدُونَنِي وَلَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا اگر بڑھایا تو بعد اسکے واسطے سمجھانے اغبیاء اور جہال کے جملہ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ بھی زیادہ فرمایا تاکہ احتمال ارتداد کا باقی رہے اور وہ جہال بسبب اپنی تیرہ درونی اور کم فہمی کے خلفاء ثلثہ کے ہجو کو جو ومن کفر سے شروع ہے اُنپر مطابق ہونے سے انکار نکرنے لگیں واقعی يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا کے بعد جو وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ آیا تو اس نے احتمال ارتداد کو کہ جو ہونیوالا تھا قایم اور استوار کر دیا کیونکہ انکے آخر حال تک کی خبر دیدی سو جو کچھ خداوند کریم نے ارشاد فرمایا وہ سب خلفاء ثلثہ کے حال میں بوجہ اتم ظہور میں آیا کہ وہ بعد اسکے ایمان صحیح پر قایم نرہی اور خلفاء ثلثہ شیعوں کے نزدیک ظاہر شریعت پر بھی قائم نہیں رہی کہ جہلا تھے اور بالفرض لوگوں کے سہارے سے کچھ شریعت پر چلتے بھی تھے سوا عثمان کے اور اپنی ترقی ریاست کے لئے ترویج دین بھی کرتے تھے تو اس سے کیا ہوتا ہے کہ اہل بیت رسول کے گلے پر تو چھری پہلے ہی پھیر چکے تھے اور یہ ترویج دین تو انکی سب ترقی ریاست کے لئے تھی کہ مسلمان تو جہاد کر کے دین کو بڑھاتے تھے اور انکی ریاست مفت میں ترقی پکڑتے تھے اور یہ زہد اور تقوی انکا محض واسطے ریا اور دام میں لانے مسلمانوں کے تھا اگر ایسا نکرتے تو انکی اطاعت کون کرتا علی الخصوص حضرت عمر کا انکا حال ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور یہی بانی مبانی کل مفاسد بھی تھے اور ہمارے علماء نے جو کچھ تحریر فرمایا ہی وہ واقعی ہے اور درست ہے اور بدی شعار علماء اہل سنت کا ہی کہ اہل بیت رسول مقبول کے غاصبان حقوق کے اصلاح میں بے سر و پا بکتے ہیں اور دوستان اہل بیت سے بدی پیش آتے ہیں اور خود جو بد ہیں تو اچھے

بھی اُنکو موجب المرتقیس علی نفسہ بدیہی دکھلائی دیتے ہیں لیکن آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ میں سب کے بعد جو وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ آیا تو سب کے اخلاص کا یقین جاتا رہا اور
بعضوں میں احتمال ارتداد کا بھی پایا گیا اور بعد اسکے ایمان صحیح جیسا ثلثہ کا ثابت ہوا تو الثلثۃ فوارہ لعنت از ایشاں می خیزد و بر ایشاں می ریزد یہ لعنت اُنھیں پر
رہتی اور لفظ بعد ذلک نے تو امامیہ کا موجب کہہ دیا اور اہل سنت کا منہ سی دیا کہ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا کے بعد جو یہ لفظ آیا تو اہل سنت کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں
کچھ دم نہیں مار سکتے کہ اس میں سے احتمال بعضی صحابہ کے مرتد ہو جانیکا پایا گیا اور یہ امر محال نہیں ہے لیکن تو واقعی اور ممکن کو بھی محال کہتا ہے اور خدا تعالی خوب سمجھا ہوا
ہے اور شیعہ بھی موافق مراد خدا تعالی ہی کے کہتے ہیں ورنہ خدا تعالی لو من کفر بعد وفات النبی صلعم کے کہنے کی کیا احتیاج تھی اُس نے تو بعد ذلک کہہ یا یعنی بعد تمکین
دین اور زوال خوف کے جو کوئی کہ کفر کرے اور تمکین دین رسول خدا صلعم کی زمانہ میں ہو چکی تھی سو اُسکے بعد جناب رسول خدا صلعم کی مرض الموت ہی سے ارتداد شروع ہوا
کہ حضرت کے ارشاد کو لوگوں نے ہذیان قرار دیا اور بعد وفات حضرت کے تو جو کچھ ظلم اہل بیت علیہم السلام پر ہوا وہ فریقین کی کتابوں میں لکھے ہیں اور بعد تمکین دین
ہی کے یہ سب کچھ ہوا ہے جسکی طرف اشارہ بعد ذلک میں ہے اور ندرہ ملوی کا اس میں کچھ بھی نہیں ہے لیکن تجھ جنبی ہی کی سمجھ میں نہ آئی تو کوئی کیا کرے یا دیدہ و دانستہ
تو حق کو پوشیدہ کرتا ہے اور وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ کیجائی خود ہی او شیعوں کو اس سے کچھ ضرر نہیں بلکہ پورا فائدہ تو شیعوں کا اسی کے مذکور ہونے سے ہے اور مراد اس سے خلفاء ثلثہ
اسواسطے ہیں کہ ارتداد انکا بعد اتمام نعمت و غیرہ ہی کی تھا اس لئے کہ وہ نعمت رسول خدا صلعم ہی کے زمانہ میں تمام ہوگئی تھی کہ خدا تعالی نے وعدہ اپنا حضرت ہی کے زمانہ
میں پورا کر دیا تھا اور اسلام کا غلبہ ہو گیا تھا اور خدا تعالی اس نعمت کے وفا ہونے سے خبر دیتا ہے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں
بیضاوی میں لکھا ہے کہ غلبہ اسلام کا اس سے مراد ہے سو وہ نعمت تو حضرت ہی کے زمانہ میں تمام ہوگئی تھی اور بعد اُسکے پھر روز بروز ترقی ہوتی ہی تھی یہاں تک کہ معاویہ اور
یزید کے زمانہ میں تو سب سے زیادہ ترقی ہوئی اور جب رسول خدا صلعم ہی کے زمانہ میں تمکین دین حاصل ہوگئی واقع تحریر مفسرین اہل سنت کے تو بعد اُسکے انکار امامت علی ابن
ابیطالب علیہ السلام البتہ موجب ضلالت و ارتداد ہے اور انکار خلافت ثلثہ میں کوئی قباحت نہیں لازم آتی ۔ اور کئی مرتبہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں ۔ خلافت ثلثہ پر
کسیکی اس آیت سے ثابت نہیں ہے کہ اگر استخلاف سے مراد خلافت رسول خدا صلعم مراد ہو تو چاہئے کہ سب مومنین صالحین خلفاء ہو جاتیں ۔ سوا اسکے لفظ منکم میں اسطرح بیان
ہے جیسے کہ صاحب کشاف و بیضاوی اور مدارک لکھتے ہیں اور من تبعیضیہ میں معنی آیت کے موافق مطلوب کے حاصل نہیں ہو سکتے چنانچہ پہلے اس سے کئی مرتبہ ہم لکھ چکے اور اچھی
جعل سازیوں کو باطل کر چکے ہیں تو رقیب کہا کر جعل سازی کیتا ہے بڑے ہی ... تو اُسے یہ پہاڑا ہے **قال الشیخ الاشعری** بالجملہ یہ بھی ہم اور صحیح کیوں نہو
سیاق ہی کہتا ہے کہ مصداق وَمَنْ كَفَرَ اعدائے خلفاء ہیں خلفاء نہیں ہو سکتے اور اضمرے کفران نعمت مراد ہے کفر حقیقی نہیں ہے اگر تکلف ہو سکے لیکن خدا سو وقت یہ ہو جائیگا
کہ جو شخص ایسی ایسی امدادیں خدا کی طرف سے بہ نسبت دین محمدی کے دیکھے اور پھر بھی کفر ہی اختیار کرے تو وہ اصلی فاسق ہے بیان نعمت کے مقام میں کفران نعمت ہی
مراد ہوا کرتا ہے کفر حقیقی کا موقع نہیں ہوتا غرض صحیح یہی ہے کہ من کفر کے مصداق اعدائے خلفاء ہیں لیکن ہمنے عنایت کی تھی کہ کفران نعمت مراد رکھا وہ اس کم سے
ناخوش ہیں تو اس کمائی کو پورا کر لیں اور اپنی آنکو کافر حقیقی ہی سمجھیں رضائی ما ہم آنست کان رضائی شماست **اقول** جو کچھ لکھا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں ہے
اور کسی مفسر نے یہ لکھا ہے اور اعدائے خلفاء کو اس سے کیا تعلق ہے اول تو کسی کی خلافت ہی اس سے ثابت نہیں اور دوسرے یہ کہ خدا تعالی تو یہ فرماتا ہے کہ باوجود دینے اس ایفائی
وعدہ کے کہ وہ غلبہ اسلام اور تمکین دین اور زوال خوف ہے پھر کافر ہو جاتی تو وہ بڑا فاسق ہے سو وہ اشارہ اُن لوگوں ہی کیطرف ہے کہ جن سے وعدہ کرکے ایفائے وعدہ کیا اور
یہ نعمت اُنکو عطا کی اور کم سے کم یہ ہوگا کہ علی العموم سب مومنین مراد ہوں گے پہلے بیان ہو چکی ہے اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ زمانہ رسول خدا صلعم کے مومنین اس سے خارج
ہو جائیں کہ انکی تو کوئی وجہ ہی نہیں ہے اور کفر سے مراد کفران نعمت ہی سہی تم اسکو تسلیم کرو کہ ہمارا تو پھر بھی کہیں نہیں گیا اور ثلثہ کی کفران نعمت کے قائل ہو جاؤ
کہ انہوں نے ایسی نعمت کی ناشکری کرکے ارتداد کو اختیار کیا اور معنی صحیح اور واضح آیت کے یہی ہیں کہ من کفر سے اشارہ طرف اُن لوگوں کے ہے کہ اول جنکو وہ نعمت
خدا تعالی نے عطا کی ہے اور خواہ تم کفر حقیقی مراد لو خواہ کفران نعمت ثلثہ وغیرہ ہی کیطرف راجع ہوگا اور اعداء خلفاء کو تو یہاں کچھ علاقہ ہی نہیں ہے اور اگر تم خلفاء
ثلثہ کے حق میں کفر حقیقی کو تسلیم نہیں کرتے ہو بلکہ کفران نعمت کو کہہ سکتے ہو تو ہم اس میں بھی راضی ہیں ۔ رضائی ما ہم آنست کان رضائی شماست **قال الشیخ
الاشعری** ۔ یہاں پہونچکر شاید بعضی شیعہ مذہب والے حجت کریں کہ ہمنے مانا اصحاب ثلثہ خلیفہ برحق اور اپنے اپنے زمانہ میں افضل الناس تھے لیکن بعد اُنکے
جب حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا وقت آیا تو اُسوقت موافق اشارات آیت وعد اللہ الخ کے وہ افضل الناس اور خلیفہ برحق ہوں چنانچہ سادات کے سنی بھی معتقد
ہیں تو اس صورت میں ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اُنکے ... یہ ہمیشہ مقبولان بارگاہ الٰہی ہوں حالانکہ اہل سنت سب صحابہ کی خواہ اُنہوں نے حضرت امیر رضی اللہ عنہ

مخالفت کی یا نہ کی معتقد ہیں خصوصاً طلحہ او زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ کو مبشر فی الجنۃ ہی جانتے ہیں لازم ہے کہ کلام اللہ کی شہادت ان بزرگوں کے لیئے ادا کیجائے اور منشاء غلطی حضرات شیعہ کا بیان کیا جائے **اقول** شیعوں میں سے ایسی حجت بیہودہ کوئی نہیں کرتا ہے اور نہ کوئی ثلاثہ کو خلفاء برحق جانتا ہے اور نہ کوئی ایسے جاہلوں کو افضل الناس سمجھتا ہے اور نہ شیعہ حضرت علیؑ کو موافق اشارات آیت وعد اللہ الخ کے افضل الناس اور خلیفہ جانتے ہیں بلکہ انکو تو شیعہ بموجب حکم آیہ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الخ کے خلیفہ جانتے ہیں کہ اس تاکید سے جو رسول خدا صلعم کو حضرت علیؑ کی خلیفہ کرنیکا حکم آیا تو حضرت نے علیؑ کو خم غدیر پر خلیفہ کیا اور مخالفین حضرت علیؑ کے مقبولان بارگاہ الٰہی اسواسطے نہیں ہو سکتے کہ وہ حضرت علیؑ سے عداوت رکھتے تھے اور کتب صحاح اہل سنت میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ یا علی لا یبغضک الا منافق یعنی اے علی نہیں دشمنی رکھتا ہے تجھ سے مگر منافق اور بی بی عائشہ حضرت علیؑ سے عداوت رکھتی تھیں اور علیؑ کے قتل کرنے کو فوج بہم پہنچائی تھی اور طلحہ او زبیر نے حضرت علیؑ کی بیعت توڑ کر انکے مقابلہ میں قتل کرنے کو انکے لوگ جمع کئے اور عائشہ کا حال سنئے کہ اسقدر عائشہ کو عداوت تھی علیؑ سے کہ علی کا نام زبان پر نہیں جاری کرتی تھی مسند احمد بن حنبل میں لکھا ہے کہ عائشہ سے روایت ہے اور وہ کہتی ہے کہ رسول خدا صلعم میمونہ کے گھر میں بیمار ہوا اور میں سب بیبیوں سے حضرت کی اجازت لیکر حضرت کو اپنی گھر میں لیگئی اسوقت ایک ہاتھ حضرت کا حضرت عباس کے شانہ پر تھا اور دوسرا ہاتھ ایک مرد کے شانہ پر تھا اور ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس نے اُس شخص سے کہ جس نے انکو اسکی خبر دی تھی پوچھا کہ تو نے جانا کہ وہ دوسرا جسکو عائشہ نے مرد کہا اور نام اسکا نہ لیا وہ کون تھا وہ علی بن ابیطالب تھا عائشہ کو خوش نہیں معلوم ہوتا تھا علیؑ کا نام لینا اور فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے اور اسمعیل سے روایت ہے کہ ان عائشۃ لا تطیب لہ نفساً ان تذکرہ بخیر یعنی عائشہ کو خوش نہیں معلوم ہوتا تھا علیؑ کا ذکر خیر کے ساتھ کرنا اور استیعاب میں ترجمۂ رفاعہ بن رافع میں لکھا ہے کہ طلحہ او زبیر جو نکلے طرف جنگ جمل کے تو ام الفضل بنت حارث نے حضرت علیؑ کو لکھا اور خبر کی انکے نکلنے سے پہلے تو حضرت علیؑ نے یہ سنکر بیان کیا کہ بعد رسول خدا صلعم کے خلافت کا حق میرا تھا اور بعد اسکے طلحہ او زبیر کے حق میں بددعا کی کہ انہوں نے مسلمانوں کو قتل کروایا ہے اور کتاب عقد ابن عبد ربہ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے جنگ جمل میں طلحہ پر لعنت کی ہے اس سبب سے بمتابعت علی ہم انکو اچھا نہیں جانتے ہیں اور اہل سنت تو سب خونریزان و قاتلان آل نبی کو اچھا اور مومن کامل جانتے ہیں چنانچہ امام غزالی اور ملا علی قاری نے یزید وغیرہ کے باب میں لکھا ہے اور ابو شکور نے حاشیہ شرح عقائد نسفی میں تو یہ لکھا ہے کہ حسین بن علیؑ پر اطاعت یزید کی واجب تھی کہ جسکو اُس شخص نے یعنی معاویہ نے خلیفہ کیا تھا کہ جسکے مطیع سب صحابہ رسول خدا صلعم تھے اور یزید قابل رحم ہے اسکے واسطے استغفار کرنا چاہئے اور اسپر درود بھیجنا چاہئے سو یہ اہل سنت ہی کو زیبا ہے کہ وہ دشمنان آل رسول کو دوست ہیں اور کلام اللہ میں کہیں شہادت ان لوگوں کی بزرگی کی نہیں ہے جنکی تو بزرگی کلام اللہ سے ثابت کرتا ہے اور شیعہ ہرگز غلطی پر نہیں ہیں اور جو کچھ تو بیان کریگا وہ سب غلط ہے **قال الشیخ الاشعری** سورہ فتح میں خداوند کریم رسول اللہ صلعم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باب میں یوں ارشاد فرماتا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں ساحر کاہن نہیں ہیں اور انکے ہمراہی کافروں پر تو بڑے سخت و تند اور ایک دوسرے کے ساتھ نرم اور ایک دوسرے کا دوست تو انہیں دیکھے تو رکوع میں جھکے ہوئے سجدے میں پڑے ہوئے اللہ کے فضل اور اسکی رضامندی سے غرض ہے انکے چہروں میں علامتیں موجود ہیں سجدہ کے اثر سے یہانتک آیت کے معنوں کا بیان تھا **اقول** ہم نے بھی تسلیم کیا کہ اس آیت کے یہی معانی ہیں **قال الشیخ الاشعری** اب اس نتیجہ ان کی سنیئے کہ اول جناب باری تعالیٰ نے جناب پیغمبر خدا صلعم کی تعریف فرمائی بعد میں صحابہ کی تو قرینہ عقلیہ سے معلوم ہوا کہ بعد رسول اللہ صلعم کے اس امت میں اصحاب کا رتبہ ہے علی ہذا القیاس جو وصف کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ہوگا اُسکے بعد اُس صفت کا رتبہ ہوگا جو صحابہ کی مدح میں بیان ہو **اقول** اس آیت میں خدا تعالیٰ نے مجملاً تعریف حضرت کے ہمراہیوں کی کی ہے اور نام کسیکا ہمیں نہیں لکھا ہے اور جیسے کہ خدا تعالیٰ نے کئی آیتوں میں تعریف صحابہ کی مجملاً کی ہے ایسے ہی کئی آیتوں میں مجملاً مذمت بھی صحابہ کی کی ہے اور اجمال سے عقدہ کشائی نہیں ہو سکتی مگر روایات سے تفصیل انکی واضح ہو جاتی ہے اور اس آیت میں البتہ خدا تعالیٰ نے اول تو تعریف جناب رسول خدا صلعم کی بیان کی ہے اور بعد اسکے صحابہ مومنین کی نہ کل ہمراہیوں کی اسواسطے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے والذین معہ اور ہمراہ حضرت کے تو منافقین اور ضعیف الایمان بھی تھے چاہیئے کہ انکی بھی تعریف ہو جائے اور حال یہ ہے کہ انکی تعریف یہ نہیں ہے معلوم ہوا کہ یہ تعریف ان ہمراہیوں کی ہے کہ جو مومنین تھے اور مومنین کے اوصاف یہ ہیں کہ ایمان انکا ملتبس بظلم نہو چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ اور نبوت میں بھی شک نکیا ہو چنانچہ فرماتا ہے خدا تعالیٰ کہ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا اور بعد ایمان لانے کے ایمان پر قائم بھی رہے ہوں چنانچہ فرماتا ہے خدا تعالیٰ کہ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا اور ہم بیان کر چکے ہیں اور آیندہ بھی بیان کرینگے ظلم ثلاثہ کا اور شک کرنا عمر کا نبوت میں حضرت کے اور بھاگنا

ثلاثہ کا جہاد میں سے اور ایمان پر قائم رہنا اور طلحہ او زبیر کا اور عائشہ کا ذکر تو ابھی گزرا ہے اور معاویہ امام صدیق اہل سنت کا ذکر پہلے اس سے ہو لیا ہے اور پھر بھی ہوگا یہ لوگ اور
سوائے انکے اور لوگ جو کہ دشمن علیؑ تھے اور عائشہ اور معاویہ کی طرف ہوکر علیؑ سے جنگ کی اور ہزاروں مومنین کو قتل کیا اور قتل کروایا وہ اس سے خارج ہونگے اور
جنمیں کہ اوصاف ایمان کے تھے وہ باقی رہ گئے کہ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ جو کہ ہمراہ رسول اللہ کے ہیں وہ سب مومنین ہیں اور ہمراہی سے مراد بھی مطلق ہمراہی نہیں ہے اسواسطے
کہ اکثر منافقین بھی ہمراہ حضرت کے ہوتے تھے بلکہ ہمراہی سے مراد یہ ہے کہ جو مقام کہ رسولخدا صلعم کے ہمراہ ہونیکا ہے وہاں ہمراہ حضرت کے رہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے مومنین کے
اوصاف میں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْہَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ یعنی سوا اسکے
نہیں کہ مومنین وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ساتھ خدا اور پیغمبر اسکے کے اور جسوقت ہوتے ہیں وہ ہمراہ اُسکے امر جامع پر مثل جہاد اور جماعت نماز اور وعظ کے تو نہیں چلی جاتی ہیں یہانتک
کہ اذن چاہیں وہ تجہ سے وہی ہیں کہ جو ایمان لاتے ہیں ساتھ خدا اور پیغمبر اسکے کے سو ہمراہیوں سے مراد یہ لوگ ہیں کہ جنکے یہ اوصاف ہیں کہ جہاد اور جماعت نماز میں سے بے اذن حضرت
کے کہیں نہیں جاتے تھے اور جو لوگ کہ رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑکر بے اذن حضرت کے جہاد میں سے بھاگ جاتے تھے جیسے کہ ابوبکر اور عمر اور عثمان اور طلحہ اور زبیر اور ابوعبیدہ
وغیرہ وہ لوگ مراد نہونگے اور ایسے ہی جو لوگ کہ جماعت نماز میں سے رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑکر واسطے تماشے لہو و لعب کے چلے جاتے تھے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ
لَھْوًا انْفَضُّوْٓا اِلَیْہَا وَتَرَکُوْکَ قَآئِمًا وہ بھی حضرت کے ہمراہیوں سے مراد نہونگے اور ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اور جسوقت دیکھتے ہیں وہ تجارت کو یا کھیل اور بازی کو تو متفرق ہوکر چلے جاتے
ہیں طرف اُسکے اور چھوڑ دیتے ہیں وہ تجھکو اکیلا کھڑا ہوا سو جو کہ حضرت کو جہاد میں تنہا چھوڑکر بے اذن اُن حضرت کے بھاگ جاتے تھے اور جماعت نماز میں سے حضرت کو اکیلا
چھوڑکر واسطے خرید فروخت کی اور تماشے باجوں کے سننے کو چلے جاتے تھے وہ لوگ مقصود نہونگے اور ایک وجہ سب صحابہ سے مراد نہونے کی یہ ہے کہ بعضے اُنمیں سے کفار سے دوستی رکھتے تھے اور
خدا تعالیٰ انکو دوستی کفار سے منع کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْہِمْ بِالْمَوَدَّۃِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ الخ اور ابوبکر کو تو کمال
مہربانی اور رحم تھا کفار پر چنانچہ جنگ بدر میں قریش قید ہوکر جو آئے تو ابوبکر کو اُنپر رحم آیا اور کہا کہ یا رسولخدا یہ تیری قوم کے آدمی ہیں انسے فدیہ لیکر انکو چھوڑ دیجئے اس امر پر
خدا تعالیٰ کا عتاب ہوا اور فرمایا کہ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا اور حضرت عمر کی تو عادت ہی سختی کی تھی کفار تو کیا وہ تو مومنین پر بھی سختی کرتے تھے اور مومنین انکی سختی کی سبب
انکی خلافت سے راضی نہ تھے جسوقت ابوبکر اپنی جگہ عمر کو خلیفہ کرنے لگے تو لوگوں نے کہا کہ اگر تو ایسے بدمزاج کو ہمپر خلیفہ کریگا تو اپنے پروردگار کو کیا جواب دیگا چنانچہ صحیح ترمذی وغیرہ
میں لکھا ہے لیکن مومنین کا کہنا نہ مانا اور ملی بھگت سے ہی عمر کو بعد اپنے خلیفہ کردیا اور عثمان نے تو مومنین پر ایسے ظلم کئے ہیں کہ اپنے کیفر کردار میں صحابہ کی تعدی اور بے مروتی
سے مقتول ہوگئے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ اور وہ بالعکس مومنین پر سختی کرتے تھے اور کفار پر تو سختی وہ لوگ کرتے تھے کہ جو جہاد میں کفار کو قتل کرتے تھے اپنے
ہاتھ سے واسطے رضامندی خدا کے اور طلحہ و زبیر وغیرہ اور خلفاء ثلاثہ نے ایک کافر کو بھی قتل نہیں کیا سختی اُنکی کافروں پر کیا ہوئی وہ تو جہادوں میں سے بھاگتے رہتے تھے مثل
احد اور حنین اور خیبر وغیرہ کے اور جو کوئی جہاد میں سے بھاگیگا کفار کی خوف سے وہ کفار پر سختی کیا کریگا بخلاف علیؑ کے کہ قطع نظر احد اور خیبر سے ایک جنگ خندق میں ایسی قوی اور
زبردست عمر بن عبدود کو قتل کیا کہ جسکے قتل کرنے سے لڑائی فتح ہوگئی اور جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا لضربۃ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین یعنی ضرب علیؑ
کی بروز جنگ خندق زیادہ بزرگ ہے عبادت دونو گروہ کل جن و انسان سے چنانچہ اہل سنت کی کتابوں میں یوں لکھا ہے اور فرماتا ہے خدا تعالیٰ کہ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ یعنی مہربان
اور نرم دل ہیں آپسمیں سو حال مہربانی کا سنئے کہ قبل نزول آیت تو معلوم نہیں وہ کیسے تھے اور بعد نزول اس آیت کے حال انکی مہربانی کا یہ تھا کہ بعد وفات رسولخدا صلعم کے
اول اُنہوں نے رسولخدا صلعم ہی پر مہربانی کی کہ انکی دختر فاطمہ زہرا کا گھر جلانے کو آگ اور لکڑیاں لیگئے اُن لوگوں کے جلانے کو کہ جو اس گھر میں تھے علی اور فاطمہ اور حسنین اور
دیگر بنی ہاشم اور اصحاب کبار اور دروازہ اُس مظلومہ کے گھر کا توڑا چنانچہ اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے اور ہم پہلے اس سے حوالہ کتابوں کا لکھ چکے ہیں اور حقوق
اُنکے غصب کئے استیعاب میں لکھا ہے کہ علی اور عباس فاطمہ کے گھر میں بیٹھے تھے ابوبکر کی بیعت سے انکار کرکے اور عمر گھر فاطمہ کا جلانے کو گئے تو حضرت فاطمہ نے کہا کہ اے پسر خطاب کیا میرا
گھر جلائیگا کہا کہ ہاں اور تاریخ عقد ابن عبد ربہ میں لکھا ہے کہ ابوبکر نے عمر سے کہا کہ اگر علی اور عباس میری بیعت سے انکار کریں تو اُن دونو سے مقابلہ کر اور عثمان کا
یہ رحم تھا کہ ابوذر کو تو جلاوطن کیا اور عمار یاسر کو اسقدر مارا کہ اُسکو فتق کی بیماری ہوگئی اور ابن مسعود تو اُسکی زدوکوب سے مرہی گیا اور ملل و نحل میں عبدالکریم شہرستانی
نے لکھا ہے کہ کہتے ہیں کہ کینہ اور دشمنی اُنکی امیرالمومنین علیؑ کے ساتھ اسقدر تھی کہ سعد بن وقاص اور ابن عمر اور اسامہ بن زید اور رافع خدیج انصاری اور محمد بن مسلمہ اور
زید بن ثابت انصاری اور ابوہریرہ اور ابودردا اور ایک جماعت نے سوائے انکے علیؑ کی ہاتھ پر بیعت نہ کی جسوقت وہ خلیفہ ہوئے اور بعد اسکے معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور
یزید کے ہاتھ پر بیعت کی جس نے کہ اپنی زندگی میں اُسکو پایا اور سوائے اسکے جنگ جمل میں دونو طرف مہاجرین اور انصار تھے اور جنگ صفین میں معاویہ کے ہمراہ ہزاروں آدمی

مہاجرین اور انصار میں سے تھی اور حضرت علی کی عداوت کی جہت سے عائشہ اور معاویہ کی طرف ہو کر مومنین کو قتل کرتے تھے اسکو کون دیوانہ اور عقل کا دشمن مہربانی اور نرم دلی کہدیگا بلکہ معاملہ بالعکس ہے کہ سختی کے مقام میں نرمی ہوا اور نرمی کے مقام میں سختی ہے اور ایسی ہی حال آیت اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ کا ہے پس معلوم ہوا کہ مراد اس آیت میں نہیں ہیں مگر امیرالمومنین علی سے کہ کبھی جہاد میں سے بھاگے نہیں اور جناب رسولخدا صلعم کی خدمت سے بدون اذن کے کہیں گئے نہیں اور زیادہ لوگ تھے کہ جو رسولخدا صلعم کے زمانہ میں مرگئے یا شہید ہوگئے ہیں اور یا چند صحابہ سکین کہ جو حضرت علی کے دوستوں میں سے تھے اور بدون اذن رسولخدا صلعم کے کہیں جاتے نہ تھے اور اگر اوصاف اس آیت کے کل صحابہ میں فرض کئے جائیں تو وقت نزول اس آیت کے یہ اوصاف ان میں ہونگے اور بعد رسولخدا صلعم کے جو نزاعیں اور عداوتیں اور مخالفتیں اور قتل اور قمع آپسمیں واقع ہوئی ہیں سب متواترات سے ہیں اس صورت میں اطلاق رحماء بینہم کا انپر کیونکر ہوسکتا ہے اور تراہم رکعا سجدا الخ بعد اسکے ان مومنین ہی کے اوصاف میں سے جنکو کہ مصداق اس آیت کا ہمنے بیان کیا ہے یعنی عبادت و زہد اور طلب فضل اور رضامندی خدا یہ بھی انکو ہی واسطے تھا جو کہ واسطے خوشنودی خدا کے ڈٹ کر جہاد کرتے تھے اور تلواریں کھاتے تھے اور انسے ہی خدا راضی ہے اور انکو ہی دوست رکھتا ہے چنانچہ فرماتا ہے خدا کہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ اور بے اسکے خدا راضی نہیں ہے ہر چند اسکے رضوان کو طلب کریں اور جو ضعیف الایمان کہ طالب دنیا تھے اور وہ اپنی جانوں کو بچا کر جہاد میں سے بھاگ جاتے تھے اور آل رسول کو آزار پہنچاتے تھے اور مومنین کو قتل کرتے تھے وہ طالب فضل اور رضای خدا نہونگے اور نہ اپنی جانوں کو عبادت خدا کی تکلیف میں ڈالینگے انکا مقصود تو دنیا تھی اور جو کہ حق عبادت سے وہ حضرت علی کے ساتھ خاص تھا چنانچہ تاریخ الخلفاء میں حضرت علی کے حال میں لکھا ہے احد العلماء الربانیین والشجعان المشہورین والزہاد المذکورین جیسا کہ زہد انکا تھا اور کسیکا ایسا نہ تھا اور نہ کسیکا نام لکھا ہے صحابہ میں سے اور بعد اسکے جو مومنین کی مثال زراعت سے دی ہے کہ پہلے تو وہ بہت سست اور کمزور ہوتے ہیں اور بعد اسکے وہ رفتہ رفتہ زور پکڑ کے قوی اور مضبوط ہو جاتے ہیں ایسے ہی مومنین کا حال ہے کہ وہ ابتدا میں تو تھوڑے اور کمزور تھے اور آخر کو وہ رفتہ رفتہ بڑھکر کثیر اور قوی اور زورمند ہوگئے اور انکی قوت کو دیکھکر تعجب کرنے لگے سو وہ بھی جہاد کرنیوالوں کی سعی اور عرقریزی سے ہے کہ کفار سے خوب جم کر لڑتے تھے اور زخم کھاتے تھے اور کفار کو قتل کرتے تھے یہانتک کہ انکے طفیل سے اسلام نے قوت پکڑی اور جو لوگ کہ کفار کے خوف سے اپنی جانیں بچا کر جہاد میں سے بھاگ جاتے تھے وہ اس سے خارج ہیں اور جنکے اوصاف خدا تعالی نے اس آیت میں بیان فرمائے انکا ذکر ہم کر چکے اور انکی ہی شان میں خدا تعالی فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا اور خدا تعالی نے اس آیت میں ان لوگوں کی تخصیص بھی کردی ہے کہ رسولخدا صلعم کے ہمراہیوں میں سے جنکے واسطے وعدہ ہے انمیں سے مغفرت و اجر عظیم ان لوگوں کے واسطے ہے کہ جو مومنین صالحین ہیں مطلق ہمراہی کہ ہمراہ تو منافقین اور ضعیف الایمان بھی تھے اور بدون اعمال صالح کے مومنین بھی مراد نہیں ہیں بلکہ مومنین صالحین مراد ہیں کہ جنکا ایمان ملتبس بظلم نہ تھا اور ادامر جامع میں سے مثل جہاد اور جماعت نماز کے بدون اذن رسولخدا صلعم کے بھاگ جاتے تھے اور اس شیخ نے پہلے اس سے آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے ذیل میں لکھا ہے کہ من بیانیہ ضمیر پر نہیں آتا ہے بلکہ تبعیضیہ آتا ہے اس کہنے سے ہمارا مقصود زیادہ تر مستحکم ہوگیا کہ خصوصیت بعض مومنین کے واسطے ہے کہ وہ حضرت علی اور احباب انکے ہیں نہ انکے مخالفین اور اعداء کے واسطے قَالَ الشَّيْخُ الْاَشْعَرِيُّ تا ہمنے جو دیکھا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں رسول اللہ کا لفظ ہے اور اصحاب کی مدح میں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تو اس لف و نشر سے معلوم ہوا کہ بعد رسالت کے رتبہ بغض فی اللہ اور حب فی اللہ کا ہے کیونکہ بغض فی اللہ یعنی خدا کے سبب کسی سے عداوت کرنی یہ بعینہ وہی شدت علی الکفار ہے اور حب فی اللہ بعینہ رحماء بینہم کا ترجمہ ہے اس اشارہ سے زیادہ تر تصدیق اس حدیث کی ہوگئی جو سنیوں کی کتابوں میں پائی جاتی ہے اور اسکا حاصل یہ ہے کہ جس نے خدا واسطے دیا اور خدا واسطے کسی سے ہاتھ کھینچ لیا اور خدا واسطے کسی سے محبت اور خدا واسطے کسی سے بغض رکھا تو بیشک اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا واقعی سنیوں کی حدیثیں سب کلام اللہ کے مطابق آتی ہیں پر شیعوں کی حدیثوں کا حال یہ ہے کہ کلام اللہ کچھ کہے ہے اور انکی حدیثیں کچھ ایک دو حدیثیں جو بیان کی گئیں انکا حال ناظرین رسالہ ہذا پر پوشیدہ نہ رہیگا **اقول** لف و نشر اسمیں کہاں ہے کیا خوب سمجھے ہو ہیں لف و نشر کو البتہ اگر اسطرح ہوتا کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ الخ تو لف و نشر ہوسکتا تھا خواہ صحیح ہو خواہ غلط ہوا اور بغض فی اللہ اور حب فی اللہ رسالت میں کیا داخل نہیں ہے کہ جو بعد رسالت کے لکھا ہے اور اس آیت میں بغض فی اللہ اور حب فی اللہ کہاں ہے اپنے دل سے ہی تراشتا ہے اسمیں تو یہ ہے کہ کافروں پر پیغمبر صلعم اور ہمراہی انکے سختی کرنیوالے ہیں اور آپسمیں مہربان ہیں البتہ سختی کرنے کو بغض لازم ہے اور بڑی سختی کافروں پر یہ ہے کہ انکو قتل کرنا چاہئے سو وہ تیرے ثلاثہ کو نصیب ہی نہیں ہوا وہ تو ہمیشہ جہاد میں سے بھاگتے رہتے تھے اور مومنین کو آزار پہنچاتے تھے اور یہ حدیث حب فی اللہ اور بغض فی اللہ شیعوں کی کتابوں میں کیا موجود نہیں ہے کہ جو تخصیص سنیوں کی کتابوں کی کرتا ہے اور بیشک مومن کے واسطے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ چاہئے اور سنیوں کی حدیثیں ہرگز کلام اللہ کے مطابق نہیں ہیں کہ خوارج اور نواصب کے وضع کی ہوئی ہیں اور پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں شرح نہج البلاغت ابن ابی الحدید سے کہ معاویہ نے بہت سے حدیثیں خلفاء کی مدح میں بنوائی ہیں علی کی عداوت سے اور بعد اسکے ہم صحاح ستہ کی بعضی روایتوں کے موضوع ہونیکا حال لکھینگے جسکا علماء اہل سنت بھی اقرار کرتے ہیں

اور شیعوں کی حدیثیں ایسی نہیں ہیں تیری اعتقاد کہ جو مخالف ہیں بعضی حدیثیں شیعوں کی اسواسطے تو کہتا ہے کہ کلام اللہ کچھ کہے ہے اور وہ حدیثیں کچھ اور ایک دو حدیثیں شیعوں کی جو تو نے لکھی ہیں مطابق اُسکے ہم نے سنیوں کی کتابوں سے بھی بیان کر دی ہیں لیکن تجھ کو اپنی مذہب ہی کی خبر نہیں ہے اسواسطے تو ایسا لکھتا ہے **قال الشیخ الاشعری**- پر یہاں ایک لطیفہ قابل بیان ہے وہ یہ ہے کہ حدیث میں جہاں کہیں حب فی اللہ بغض فی اللہ کا بیان آیا ہے تو حب فی اللہ کو مقدم کیا ہے اور کلام اللہ میں بغض فی اللہ پر جو لفظ دلالت کرتا ہے یعنی اشداء علی الکفار اُسے مقدم بیان کیا حکمت اسمیں کیا ہے اس کم فہم کی فہم میں یوں آتا ہے کہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ دونو آثار کمال محبت خداوندی میں سے ہیں یعنی جب کسیکو خداوند کریم سے محبت کمال درجہ کی ہوگی تو وہ محبت چاروں طرف پھیلے گی جہاں جہاں خدا کے ساتھ کسی چیز کو کچھ خصوصیت ہوگی تو اُس خصوصیت ہی کے موافق اُس چیز سے محبت ہوگی مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی آدم میں سے خدا کے ساتھ زیادہ علاقہ اور اختصاص ہے تو جس شخص کو خدا کے ساتھ محبت کامل ہوگی اور اس علاقہ کو سمجھیگا تو بیشک اُسکو بعد خدا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے محبت ہوگی علی ہذا القیاس جسکو بعد رسول اللہ صلعم کے خدا سے زیادہ اختصاص ہوگا تو محب خداوندی کو بھی اُس سے اُسیقدر محبت ہوگی علی ہذا القیاس مکانات میں مثلاً خانہ کعبہ کو زیادہ تر اختصاص ہے تو محب خداوندی کو بیشک سب مکانات سے زیادہ خانہ کعبہ سے محبت ہوگی پھر اُسکے بعد رسول اللہ صلعم کی مسجد کا رتبہ ہے اُسکے بعد بیت المقدس کا تو اس شخص کو بھی علی ہذا المراتب محبت ہوگی اسیطرح اعمال اور اخلاق اور عادات میں خیال کر لو القصہ جتنا کسی چیز کو جناب باری سے قرب ہوگا اُتنا ہی محبان خداوندی کو اُس چیز سے علاقہ ہوگا مثل ظاہر ہے کہ محبت میں ظاہر ہے جب کسی کسیکو محبت ہو جاتی ہے تو اُسکے اقربا اور خیر خواہوں بلکہ کوچہ کے رہنے والوں کے ساتھ بھی محبت ہو جاتی ہے سو جیسے روشندانوں میں کو دھوپ بمقدار روشندان کے آتی ہے ایسے ہی محبت بھی بمقدار علاقہ محبوب متعلقان محبوب سے پیدا ہو جاتی ہے مگر جیسے جو دھوپ باہر ہوتی ہے اُسیکا ٹکڑا اندر ہوتا ہے اور جو نور خارج از دیوار ہے اُسی نور کا شعبہ اندر ہے ایسے ہی متعلقوں کی محبت بھی محبوب ہی کی محبت کا شعبہ ہوتا ہے اور اُسیکا ٹکڑا اُسکو سمجھنا چاہیئے بخلاف بدخواہاں محبوب کی عداوت کی کہ وہ محبوب کی محبت کو لازم ہوتی ہے اُسکا ٹکڑا اور اُسکا شعبہ نہیں ہوتا یعنی جو لوگ کہ محبوب کے بدخواہ ہوتے ہیں اُنسے بتقاضاء محبت محبوب عداوت ہونی لازم ہے مگر یہہ عداوت محبوب کی محبت کا ٹکڑا اور اُسکا شعبہ بلکہ ہمجنس تک نہیں ہاں اُسکو لازم ہے جیسے دھوپ کو بشرطیکہ دیوار وغیرہ کوئی چیز نور کی روکنے والی حائل ہو سایہ لازم ہے حالانکہ اُسکے ہمجنس تک نہیں اس قیاس پہ جو لوگ اعداء خدا ہونگے محبان خداوندی کو اُنسے عداوت لازم ہوگی لیکن بہرحال یہ عداوت غیر محبت ہے اگرچہ اُسکو لازم ہے ہاں اولیاء خدا اور مقربان الٰہی کی محبت وہ حقیقت میں خدا ہی کی محبت کا ٹکڑا ہے کوئی غیر شے نہیں اس لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی مدح اور ثنا بیان فرمائی ہے وہاں تو مقدم کو مقدم رکھا موخر کو موخر اور خداوند کریم حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی تعریف نہیں فرماتے بلکہ اُن لوگوں کی تعریف کرتے ہیں جن میں وصف پائے جاتے ہیں **اقول** اس طویل لاطائل کا اس مقام میں بجز فضول اور کوئی ثمرہ نہیں ہے اور یہہ جو لکھتا ہے کہ جسکو بعد رسول اللہ صلعم کے خدا سے زیادہ اختصاص ہوگا تو محب خداوندی کو بھی اُس سے اُسیقدر محبت ہوگی یہ لکھنا اُسکا بالکل غلط ہے اسواسطے کہ بعد رسول اللہ صلعم کے علی اور فاطمہ اور حسنین کے سوا اور کسکو خدا سے زیادہ اختصاص تھا کہ جو قرب بارگاہ خداوندی سے انکو تھا وہ اور کسکو تھا اور دلالت کرتے ہیں زیادتی اختصاص اور قرب خداوندی پر روایات کتب اہل سنت سو اُنکے ساتھہ جیسے کہ لوگوں نے محبت کی ہے ظاہر ہے کہ اُنکا گھر جلانیکو مع اُن بزرگوں کے جو اُس گھر میں تھے آگ اور لکڑیاں لیگئے اور حقوق اُنکے غصب کیئے اور کسیکو تو تلوار سے قتل کیا اور کسیکو زہر سے شہید کیا اور جنگ جمل اور صفین میں تو ہزاروں دوستان خدا کو قتل کروایا یہہ لوگ ہرگز دوستان خدا میں سے نہیں ہیں اور پھر اُنکے حق میں جھوٹی روایتیں بیان کرتے ہیں کہ یہہ جنتی ہیں اور کلام اللہ کی شہادت ایسی دشمنان دوستان خدا کی شان میں وارد ہے کہ جن کے لیئے کلام اللہ سے کچھہ بھی مس نہیں ہے اور مسجد نبوی کا تو یہہ حال کیا اہل سنت کے مرشدزادوں نے کہ گھوڑوں سے لیدیں کروائی اُس مکان مقدس میں اور اہل مدینہ کو قتل کروایا اُن مرشدزادوں نے کہ جنکی شان میں امام غزالی لکھتے ہیں کہ وہ مومن پاک تھے اُنکے واسطے استغفار کرنا چاہیئے اور اُنپر درود بھیجنا چاہیئے اور وہ حضرت یزید بن معاویہ ہیں اور جناب رسولخدا صلعم نے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے جو مدح فرمائی وہ حقیقت میں راجع اُن لوگوں ہی کیطرف ہے کہ جن میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں اور خدا تعالی نے جو بغض فی اللہ کو مقدم کیا ہے حب فی اللہ پر تو اُسکی وجہ یہ ہے کہ پہلے اعداء خدا سے بیزاری اختیار کر لے تب خدا تعالی کی محبت میں دم مارے اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ اُسکے دشمنوں سے دوستی رکھے اور پھر محبت کا اُسکی دعوی کرے جیسے کہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ میں پہلے نفی اور انکار اُسکے شرکا سے ہے اور بعد اُسکے اقرار اُسکے وحدانیت کا ہے اور ایسے ہی محبت اہل بیت علیہم السلام کی ہے کہ جب تک اُنکے دشمنوں سے بیزاری نہ چاہیگا اُنکا دوست نہ کہلائیگا اور ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ اُنکے دشمنوں سے دوستی رکھے اور پھر اُنکی دوستی کا بھی دعوی کرے یہ دعوی اسکا باطل ہے چنانچہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہماری دوستی اور ہمارے دشمنوں کی دوستی ایک دل میں نہیں سما سکتی **قال الشیخ الاشعری** اور دستور یوں ہے کہ کسی صاحب کمال یا موصوف باوصاف مختلفہ کے اگر تعریف کیا کرتے ہیں تو اُسکے کمالات میں سے کمتر کو پہلے لیا کرتے ہیں

بعد میں اُس سے زیادہ کو پھر بعد میں اُس سے زیادہ کو تا ہر وصف کی قدر اور عزت ہو ورنہ اگر ترتیب کو بالعکس کر دیجئے تو بعد عمدہ اوصاف کے سننے کے کمتر اوصاف کے
کیا قدر رہجائیگی جو محل تعریف میں بیان کیا جائے غرض یہ بات یاد رکہنی چاہئے کہ اوصاف کی خوبی اور برائی تو اصلی ہے اور اوصاف والوں کی بہلائی برائی اوصاف کے
سبب سے ہی درصورتیکہ اوصاف کی بہلائی کا بیان کیجائے تو اول کو اول بیان کیا جائے اور دوم کو دوم اور درصورتیکہ اوصاف والا کی بہلائی ۔۔ برائی مدنظر ہو
اور ایک شخص کے اوصاف بترتیب ذکر کئے جائیں تو ترتیب مذکور کو منعکس کر دینا چاہئے ہاں جہاں دو چیز کا فرق مراتب باعتبار مجموعہ اوصاف کے دریافت کیا جائے یعنے کس میں
زیادہ اوصاف ہیں اور کس میں کم اور کس میں عمدہ تر ہیں اور کس میں نہیں تو یہہ حقیقت میں اوصاف ہی کی تعریف ہے اسلیئے اُنکی ترتیب وہی ہوگی جو اوصاف کی ترتیب
ہے اس لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کیا بعد میں صحابہ کا مذکور شروع کیا **اقول** یہہ بہی سب فضول ہے اور اس مقام میں اس طویل کا کیا فائدہ ہے اور
یہہ کیا ضرور ہے کہ جو کسیکے اوصاف بیان کریں تو پہلے کمتر ہی کو بیان کریں بلکہ ایسا ہی ہوسکتا ہے کہ پہلے وصف اعلے ہی کو بیان کرتے ہیں تاکہ سننے والے کے اول
ہی دل میں اُسکی خوبی سے رسوخ ہوجائے اور جو اوصاف کہ اُس سے کمتر ہیں وہ اُس اعلے وصف کی تاکید کے لیئے ہوں جیسے کہ قل ہو اللہ احد اللہ الصمد میں صفت احدیت
جو توحید خدا ہے اُسی کا خدا تعالی نے پہلے ذکر کیا اور بعد اسکے اور اوصاف کو ذکر کیا اور اگر پہلے کمتر وصف کو ذکر کرتے تو سننے والیکے دل میں پہلے ہی اصلی طرف توجہ جگہ
نہوگی کہ اُس وصف کی قدر نہ سمجہے گا یہاں تک کہ اوصاف اعلے کی بہی سننے کی طرف اُسکو رغبت نہوگی اور توجہ اور وصفوں کے سننے کی طرف نکریگا اور رسول اسلام کا ہم
پہلے ذکر کیا ہے صحابہ سے اسواسطے کہ وہ حضرت مرتبہ میں مقدم ہیں صحابہ سے **قال الشیخ الاشعری** القصہ صحابہ کی تعریف میں اول جو وصف جو بیان کیا گیا ہے تو اشداء
علے الکفار ہے یعنی وہ کافروں پر بڑے ہی تیز اور تند ہیں اور چونکہ محبت کرنی آسان ہے کیونکہ طبعی بات انسان کی یہہ ہے کہ جب کوئی اُس سے محبت کرے تو یہہ بہی اُسکی
طرف مائل ہو تو اُس صورت میں خدا واسطے کی محبت سے ایمان خوب نہیں پرکہا جاتا ہاں عداوت کرنی البتہ دشوار ہے کہ عداوت کے ضمن میں ہو سراہی عداوت ہی پیش
پیش آئیگا محبت تو کرنی معلوم تو اگر کسیکو خدا واسطے سے بغض ہو تو یہہ نشان کمال ایمان ہی سمجہا جائیگا خاص کر خدا واسطے کی عداوت ہی اقربا سے کہ یہہ دشوار دشوار
ہے سو درصورتیکہ مطلق عداوت نشان کمال ہو تو اقربا کی عداوت تو نشان اکملیت سمجہنا چاہئیے اور ہم بو قرینہ مقام کو لحاظ کرتے ہیں تو محل اقربا ہی کے عداوت کا
معلوم ہوتا ہے کیونکہ ماسبق کی آیت یعنی لقد صدق اللہ رسولہ صحابہ کرام کی تسلی اور تسکین خاطر کے لئے نازل ہوئی ہے سو جس غم کے سبب تسلی کیجاتی ہے وہ غم یہ تھا کہ غزوہ
حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ معظمہ سے صلح کر کے مراجعت فرمائی اور صحابہ کی آرزوئیں خاص کر مہاجرین کے جو دربارہ جہاد کفار سینوں میں لہرتی تہیں
دلوں کی دلوں میں رہ گئیں اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اثناء میں اس سفر کے یہ خواب دیکہی تہی کہ ہم مع جماعت امن چین مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور
اس خواب کے باعث بایں خیال کہ اسی سال میں ہم مکہ میں داخل ہونگے صحابہ کے دل میں یہ سرور ہے ہوئے تھے کہ کچہہ کہا نہیں جاتا وہ سب کا سب حسرت و غم سے بدل گیا انہوت
صحابہ کا یہ حال تہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہوتی تو اب تیغ صحابہ کفار مکہ کو خرقاب فنا کر دیتی پاس قرابت کسیکا اور شفقت نسبی کا رہی مہاجرین تو ملا
والوں میں سے کسیکے بہائی کسیکے بہتیجے تہے فقط جوش محبت خداوندی اور نیازمندی رسول میں اُنہیں اپنے اقربا کے خون کے پیاسے نظر آتے تھے اور آیت ماسبق درآیت
محمد رسول اللہ الخ سب باہم جسپیدگی میں دست و گریبان ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کیوں تو یہ کافر دشمن خدا و رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ غیظ و غضب آتا تہا لیکن
اس آیت میں زیادہ تر اُسے غیظ و غضب کی طرف اشارہ ہے جو اُنکو کفار مکہ پر اس قصہ میں پیش آیا سو اُنمیں سے مہاجرین اُنہیں کفار کی اقربا میں سے تھے تو اُنکے حق میں لفظ
اشداء علی الکفار نشان اکملیت ایمان کا سمجہنا چاہئے اور درصورتیکہ اُنکے وصف اُنکا اثبات پر گواہی دیتا ہے کہ اُنکا ایمان کامل تو کیا اکمل ہے تو لا اوصاف تو اعلے اور جو نیچے
مومنان کامل الایمان گنے چنے ہوئے ہوتے ہیں کچہہ ایسی سہل بات نہیں کہ دخل دمعقولات کیطرح ہر کوئی کمال ایمان حاصل کرلے ۔ **اقول** اشداء علی الکفار جو صحابہ کی
تعریف میں بیان کیا ہے یہ ادنے وصف نہیں ہے بلکہ وصف اعلی ہے کہ یہ جزو ایمان ہے اور بعد اسکے جو اوصاف بیان کئے ہیں وہ اس سے مرتبہ میں کم ہیں کہ فروعات میں سے ہیں اور
کفار سے عداوت رکہنی اور اُنپر غضب ہونا یہ ایمان میں داخل ہے کہ جبتک اُنسے بیزاری نہوگی تو توحید کا اعتقاد خالص نہوگا اور محبت آسان نہیں ہے بلکہ عداوت کرنی آسان ہے
کہ تہوڑی سی کشیدگی میں ثابت ہوجاتی ہے اور محبت بہت مشکل ہے یہانتک کہ مشہور ہوگیا ہے کہ زمانہ میں کوئی دوست نہیں پایا جاتا ہے اور اگر کوئی کسی سے دوستی کرتا ہے تو دنیا
کی غرض سے اور یہ ضرور نہیں ہے کہ کوئی کسی کی طرف مائل ہو تو دوسرا بہی اُسکی طرف مائل ہوجائیگا بلکہ یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی کسی سے عداوت کرے تو وہ دوسرا بہی بمجرد اطلاع عداوت کے
اُس سے عداوت کرنے لگیگا اور البتہ خدا واسطے کسی سے بغض ہونا کمال ایمان کی علامت ہے علی الخصوص اقربا سے عداوت کرنی اور خدا تعالی نے جو فرمایا ہے تو اُس سے مراد عداوت مطلق ہے
خواہ اقربا کی خواہ اپنی غیر کی لیکن سب صحابہ میں یہ بات نہ تہی بلکہ اپنے اقارب کیا غیروں ہی کو جو کہ کافر تھے بعضے صحابہ دوست رکہتے تھے چنانچہ خدا تعالی اس

دوستی سے انکو منع کرتا ہے قولہٖ تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ اور صحابہ کے دلوں میں جو آرزو بڑی جہاد کے کرنے کی تھیں صلح حدیبیہ سے پہلے تو وہ بھی بعضے ہی صحابہ بھی نہ کل صحابہ اور جو لوگ کہ جہادوں میں سے بھاگ جاتے تھے وہ کیا جہاد کی آرزو کرینگے بلکہ صلح کرنے سے وہ بہت خوش ہوے ہونگے البتہ طواف کی خوشی انکے دلوں میں ہوگی سو آرزو طواف کی صلح کر لینے سے دل ہی میں رہگئی اور آب تیغ سے فنا بھی کفاروں کو وہ ہی صحابہ کرتے جو کہ جہادوں میں کفار کو قتل کرتے تھے اور زخم کھاتے تھے نہ بھگوڑے جو کہ جان بچا کر جہاد میں سے بھاگ جاتے تھے اور حضرت عمر نے جو بڑا شک نبوت میں حضرت صلعم کی کیا تھا باعث اسکا صلح حدیبیہ ہی تھی کہ حضرت صلعم کے ارشاد کو جھوٹا سمجھ کر نبوت میں حضرت کی شک کیا اور جوش محبت خداوندی اور نیازمندی رسول تو اُحد اور حنین اور خیبر ہی میں معلوم ہو گئی تھی کہ رسول خدا صلعم کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے اور اکملیت ایمان کی بھی انہیں صحابہ کے واسطے ثابت ہے کہ جو راہ خدا میں جانیں لڑاتے تھے اور وہ ہی کامل الایمان گنے چنے ہوئے تھے نہ بھگوڑوں کے واسطے کہ وہ ضعیف الایمان تھے اور ایسی سہل بات نہیں ہے کہ دخل در معقولات ہر کوئی بے مشقت اور بدون تکالیف اٹھانیکے راہِ خدا میں کمال ایمان حاصل کرلے اور جہاد کرنے سے زیادہ کوئی تکلیف نہیں ہے کہ جسمیں جان کی جاتے رہنے کا احتمال ہے **قال الشیخ الاشعری** معہذا قرینہ اسبات کا کہ اول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا پھر صحابہ کا اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس امت میں اول نمبر ہے اور صحابہ کا دوم تو ہم بالیقین سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرام اول قسم کی مخلصین میں سے تھے کہ شیطان بھی انکے اغوا سے کانوں پر ہاتھ دھرتا تھا بلکہ بایں نظر کہ شیطان راس ورئیس کفار ہے اور صحابہ اشداء علی الکفار ہیں تو شیطان پر اور بھی اشد ہونگے علی ہذا القیاس نفس اعداء دین میں سے بلکہ سب میں بڑھکر شیطان بھی کیونکہ سہارے اپنا کام کرتا ہے وہ اگر نہ ملتے تو شیطان کیا کر سکتا بہرحال شیطان سے انکی عداوت اور بھی زیادہ ہوگی اور ان دونو پر وہ اور بھی اشد ہونگے کیونکہ بغض فی اللہ یعنی خدا کے دشمنوں سے عداوت بقدر دشمنی ہوتی ہے جتنی دشمنوں کی دشمنی زیادہ اُتنا ہی بغض فی اللہ زیادہ سو اور مخلصین پر شیطان کا فقط بس نہ چلتا تھا مگر کچھ اندیشہ بھی نہ تھا صحابہ سے انکی کو بھی دبتی تھی عجب نہیں کہ اسنے بھاگتا پھرتا ہو سو یہی وجہ ہوگی کہ حضرت عمر کے سایہ سے بھی شیطان بھاگتا تھا کیونکہ وہ سب صحابہ میں کافروں کے باب میں سرقاتل تھے انکے حق میں اشد علی الکفار ہونا سب میں زیادہ صادق آتا تھا بھلا شیطان جنسے خود بھاگے انہیں کیا گمراہ کریگا شیطان کو ایسی جگہ اپنی ہی پڑجاتی ہے اور نفس جنسے دبے وہ کس سے دبینگے آدمی اوروں سے جو دبتا ہے تو اس نفس ہی کی بدولت دبتا ہے اسیواسطے یہ لازم پڑا کہ ایسے لوگوں کی عبادات میں کچھ فرق نہ پڑے اور انمیں کسی قسم کا ریا اور یا غیرہ کا نہو کیونکہ ان سب بیماریوں کی جڑ بھی دو آسیب تھے جب یہی قابو میں آگئے پھر کیا کسر باقی رہگئی ایسے وقت اگر برا کام ہوتا ہے تو فقط بسبب غلط فہمی کے ہوتا ہے اسلئے انمیں بھی ثواب ملنا چاہئے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے جو سر کے بال غصہ میں پکڑ کر کھینچے حالانکہ حضرت ہارون کی کچھ تقصیر نہ تھی ہرگز عقل سلیم کے نزدیک داخل جرائم نہیں یہ نہیں کہ اسپر کسی قسم کا مواخذہ ہو بلکہ امید ثواب ہے کیونکہ باعث اسکا فقط خدا کی محبت اور بغض فی اللہ ہوا اور چونکہ یہ دونو اوصاف محمودہ میں سے ہیں بلکہ اعلیٰ اقسام میں سے اور ادہر اعمال کا مدار نیت ہے فقط صورت پر نہیں ورنہ سب کی نمازوں کا ثواب برابر ہی ہوتا تو ہمکو یقین کامل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اسپر ثواب ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ بعد اطلاع غلطی کے بوجہ غلطی ندامت ہوتی ضرور ہے سو اس ندامت سے یہ نہیں لازم کہ وہ کام ایسا برا ہو کہ انکو اسپر عذاب ہو بلکہ وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ کام تو حقیقت میں برا ہوتا ہے بلکہ نیت کے غلبہ سے اچھا ہو جاتا ہے جیسے دھول دھپہ اصل سے برا ہوتا ہے لیکن یاران غمگسار کا دھول دھپہ بھی بسبب اسکے کہ از راہ محبت ہوتا ہے موجب نشاط خاطر محزون ہوا **اقول** رسولخدا صلعم کا نمبر اول اس امت میں کیا بلکہ تمام امتوں میں ہے اور نمبر دوم جیسا کہ ہم لکھ چکے کل صحابہ کا نہیں ہے بلکہ ان صحابہ کا تھا جو کہ راہ خدا میں جانفشانیاں کرتے تھے نہ ان لوگوں کا کہ جو اپنی جانوں کو چراتے تھے اور اول قسم کے وہ ہی صحابہ مخلصین تھے جو راہ خدا میں قتل کرتے تھے کفار کو یا انکے ہاتھوں سے مقتول ہوتے تھے نہ جہادوں میں سے بھاگنے والے رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر اور شیطان بھی ان صحابہ مخلصین ہی کی اغوا سے کانوں پر ہاتھ دھرتا تھا جنکو کہ ہم مخلصین میں سے لکھ چکے ہیں نہ وہ لوگ کہ جو خود اقرار کرتے تھے اپنی زبان سے آدمیوں کے سامنے کہ میرے ہمراہ شیطان ہے کہ بہکاتا ہے وہ مجھکو جیسے کہ ابوبکر لوگوں سے کہتے تھے کہ اِنَّ لِیْ شَیْطٰنًا یَّعْتَرِیْنِیْ اگر کسی دعا میں خدا کے سامنے کہتے تو عجز و انکسار پر دلالت کرسکتا تھا لیکن ابوبکر تو آدمیوں کے سامنے کہتے تھے اور جیسے شیطان کے مطیع تھے ایسے ہی اپنے نفسوں کے مطیع تھے بعضے اصحاب ورحسد اور عداوت اور طلب ریاست اور میل طرف لذات اور شہوات کے صحابہ کا شرح مقاصد میں ملا سعد الدین تفتازانی نے جو لکھا ہے اور لکھا ہے بعد اسکے کہ اذ لیس کل صحابی معصوما ولا کل من لقی النبی بالخیر موسوما یعنی اسواسطے کہ نہیں ہے ہر صحابی معصوم اور نہ وہ ہر شخص کہ ملاقات کی ہے اسنے پیغمبر خدا سے نام رکھا گیا ساتھ خیر اور نیکی کے یہ اطاعت نفس کی نہیں تو کیا ہے اور اسکے عذر میں ملا مذکور لکھتے ہیں کہ علماء اہل سنت بسبب حسن ظن اصحاب رسولخدا صلعم کے تاویل کرتے ہیں اور سب صحابہ سے تو شیطان کی کور کا ہیکو دبتی تھی جو کہ اسکے مطیع تھے انکی دبتی تھی اور جنسے

کو اُسکی دہتی تھی اُن مخلصین کو ہم لکھ چکے اور روایت شیطان کی عمر سے بھاگنے کی بالکل موضوع ہے اسواسطے کہ مشکوٰۃ میں عمر کے فضائل میں جو لکھا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم اپنی زوجہ بی بی عائشہ کو حبشی مردوں کا ناچ دکھانے کو لیگئے اور حضرت کے شانہ پر سر منہ رکھکر وہ تماشہ ان مردوں کے ناچنے کا دیکھتی تھیں اتنے میں عمر آگئے تو وہ حبشی سب بھاگ گئے حضرت نے فرمایا کہ عمر کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے سو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ رسولخدا صلعم تو شیطانی کام میں مشغول ہوں اور شیطان اُنکے پاس سے نہ بھاگے اور عمر کو دیکھکر بھاگ جاوے اور اگر عمر سے شیطان بھاگتا تھا اور رسولخدا صلعم سے نہیں بھاگتا تھا تو معلوم ہوا کہ عمر شیطان سے بھی بڑھے ہوئے تھے اور اگر کافروں کے حق میں حضرت عمر زہر قاتل تھے تو مسلمانوں کے حق میں بھی شہد شیر میں نہ تھے عادت ہی ایسی کج خلقی کی تھی کہ سب سے اُنکا بچپاڑ رکھتے تھے اور ایسے بدمزاج تھے کہ اُنکی خلافت سے کوئی مسلمان راضی نہ تھا ابوبکر نے بموجب وعدہ سابق کے کہ اگر تو مجھکو خلیفہ کروائیگا تو میں تجھکو بعد اپنے خلیفہ کرونگا بدون رضامندی مسلمانوں کے عمر کو خلیفہ کردیا چنانچہ ازالۃ الخفا میں شاہ ولی اللہ پدر مولوی عبدالعزیز صاحب نے ترمذی اور مستدرک سے لکھا ہے کہ ان ابابکر اذا حضرہ الموت ارسل الی عمر لیستخلفہ فقال الناس استخلف علینا فظاً غلیظاً ولو قد ولینا کان افظ و اغلظ فما تقول لربک اذا لقیتہ وقد استخلفت علینا عمر اور ریاض النضرۃ میں لکھا ہے کہ ان جماعۃ من الصحابۃ دخلوا علی ابی بکر لما عزم علی استخلاف عمر فقال لہ القائل منہم ما انت قائل لربک اذا سالک عن استخلاف عمر علینا وقد تری غلظتہ اور حاصل دونوں روایتوں کا یہ ہے کہ جسوقت ابوبکر عمر کو خلیفہ کرنے لگے تو لوگوں نے کہا کہ تو ہم پر ایسے بدمزاج تند خو کو خلیفہ کرتا ہے اگر اسکو تو خلیفہ کریگا تو یہ زیادہ بدمزاج ہو جائیگا اور جسوقت تو اپنے پروردگار سے ملاقات کریگا تو کیا جواب دیگا تو عمر کے خلیفہ کرنے کا کہ ایسے بدمزاج کو ہم پر خلیفہ کرتا ہے سو اُنکی عادت سب ہی سے ایسی تھی اور کافروں کے واسطے زہر قاتل کیا ہوتے جہاد میں سے تو کافروں کے مقابلہ سے بھاگ جاتے تھے کیا کسی کافر کو کبھی قتل کیا تھا جو کفار کے حق میں زہر قاتل تھے سوائے بھاگ جانے کے شعار ہی اُنکا نہ تھا اگر ڈٹ کر لڑتے تو کسیکو تو قتل کرتے سو یہ بات نصیب ہی نہیں ہوئی اس صورت میں اُنکے حق میں سب سے زیادہ اشد علی المومنین صادق آتا تھا نہ اشد علی الکفار اور سچ ہے شیطان اُنکو کیا گمراہ کرتا تحصیل حاصل تھی شیطان تو اُسکو گمراہ کرتا ہے کہ جو کوئی اُس سے پناہ مانگتا ہے اور شیطان تو خود اُس سے ہی پناہ مانگتا تھا اور بھاگتا پھرتا تھا جیسا کہ ہم لکھ چکے اور عبادت اُنکی جیسی کہ بے ریا تھی اُسکو ہم پہلے اس سے لکھ چکے اور یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ بُرا کام غلط فہمی ہی کی جہت سے ہو اکثر آدمی عمداً جان بوجھکر بُرے کام واسطے طمع دنیا اور حب ریاست و ریاہ اور خواہش نفسانی کی جہت سے کرتے ہیں کہ ثواب اُسمیں سر مو نہیں ہوتا بلکہ انجام کو وبال جان ہوتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنے بھائی کے بال پکڑکر کھینچا تو اُنسے ہرگز غلط فہمی نہیں ہوئی تو عمر کی خاطر سے غلط فہم اُنکو مقرر کرتا ہے بلکہ اُنہوں نے عمداً مصلحت سمجھکر اُنکے بال پکڑکر کھینچے اپنی قوم کے دکھانے کو جنہوں نے کہ گوسالہ پرستی کی تھی تاکہ وہ جانیں کہ گوسالہ پرستی بڑا سخت گناہ ہے کہ جسکے سبب سے اپنے بھائی کو بال پکڑکر کھینچا تاکہ وہ توبہ کریں اور آیندہ سے ایسی حرکت نہ کریں اور بعضے صحابہ سے جو کچھ افعال سرزد ہوئے ہیں اُسمیں نیت ہی اُنکی خراب تھی اُس نیت ہی پر اُنسے مواخذہ ہوگا اور وہ بھول و شبہ کے سبب سے اُنکے افعال نہ تھے بلکہ ایسے تھے کہ جو بروز حشر باعث اُنکی زیانکاری کا ہونگے **قال الشیخ الاشعری** الغرض صحابہ کرام کے سامنے جب نفس اور شیطان مغلوب ہوئے تو اُسوقت اگر کوئی کار بیموقع اُنسے صادر ہوا تو بوجہ غلط فہمی صادر ہوا ہوگا اس صورت میں گو وہ کام بُرا تھا لیکن چونکہ بُری طرح سے نہیں ہوا اور شیطان و نفس کو جو بُرے کاموں کی اصل اور بنیاد دینے والی ہیں اُسمیں دخل نہیں ملا بلکہ قوت ایمانی ہی باعث اُسکا ہوئی ہے تو اب تو غلبہ نیت اور قوت ایمانی اِن کاموں کی بُرائی ایسی مغلوب ہوئی ہے جیسے ماشہ دو ماشہ برابر نمک کا اثر کوئے یا دریا میں سو جیسے حضرت موسیٰ کو حضرت ہارون پر غصہ ہوا اور اُنکے بال پکڑکر کھینچنے کا باعث فقط بغض فی اللہ تھا ایسے ہی مشاجرات صحابہ بھی بغض فی اللہ پر مبنی ہوں لیکن جیسے حضرت موسیٰ سے غلطی ہوئی کہ اُس بغض فی اللہ کو بیموقع صرف کیا ایسے ہی صحابہ سے بھی یہ غلطی ہوئی ہو کہ جوش بغض فی اللہ میں مثلاً چوک گئے اور بگار بیٹھے اور حقیقت الامر کو نہ سمجھے تو اس صورت میں اُنپر مواخذہ نہوگا بلکہ ماجور ہونگے ہاں اگر بغض فی اللہ یا کوئی اور صفت محمودہ باعث اُس فعل کا نہیں ہوا بلکہ کوئی امر مباح ہے کہ یہ ثواب نہیں بلکہ فقط اُن کے افعال مباح ہوتے ہیں تو البتہ ثواب تو مترتب نہوگا لیکن بسبب غلط فہمی کے ماخوذ بھی نہونگے اور احتمال یہ بھی ہے کہ گاہ و بیگاہ اقل قلیل بمقتضاء بشریت حرکت ناشائستہ صادر ہوئے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ ہر چند شیطان کو مخلصین پر قابو نہیں ملتا اور نفس بھی مغلوب و مقہور ہو کر اُنکا اس طرح مطیع فرمان ہو لیتا ہے جیسے ہاتھی باوجود اس عداوت کے کہ اُسکو آدمیوں سے ہے مغلوب و مقہور ہو کر آدمیوں کی ہر طرح سے اطاعت کرتا ہے لیکن جیسے ہاتھی پھر ہاتھی ہے آدمیوں کے غلبہ سے آدمی نہیں بنگیا کبھی نہ کبھی اپنی عادات اصلی پر آجاتا ہے ایسے ہی نفس کو غلبہ ایمان اور صولت محبت الٰہی کے باعث مقہور اور مغلوب ہو گیا ہے لیکن پھر نفس ہے وہ طبعزاد بُرائی اور گناہوں کی رغبت کہاں جاتی

اقول اول تو سب صحابہ سے شیطان اور نفس کا مغلوب ہونا ثابت نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ بوجہ غلطی کوئی گناہ اُنسے صادر نہیں ہوا ہے بلکہ جو کچھ اُنہوں نے کیا ہے عمداً اور حب جاہ اور خواہش نفس اور عداوت فیما بین کی جہت سے کیا ہے اور بری طرح ہی سے ہر ایک امر بد اُنسے صادر ہوا ہے اور خواہش نفس ہی کا اُسمیں دخل ہوا ہے اور جو کچھ بعضے

صحابہ نے کیا ہے وہ بے ایمانی ہی کی راہ سے کیا ہے اور قوت ایمانی سے اُسکو کچھ لگاؤ نہیں ہے اور نیت ہی انکی ابتدا سے بے ایمانی پر آمادہ تھی تطمیع دنیا چنانچہ سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ اما ما وقع بین الصحابۃ من المحاربات والمشاجرات علی الوجہ المسطور فی کتب التواریخ والمذکور علی السنۃ الثقات یدل علی ظاہرہ ان بعضہم قد حاد عن طریق الحق وبلغ حد الظلم والفسق وکان الباعث لہ الحقد والعناد والحسد واللداد وطلب الملک والریاسۃ والمیل الی اللذات والشہوات اذ لیس کل صحابی معصوما ولا کل من لقی النبی بالخیر موسوما اور حاصل اسکا یہ ہے کہ جو کچھ واقع ہوا ہے درمیان صحابہ کے جنگ جدال اور نزاع اور تکرار جس طرح سے کہ کتب تواریخ میں لکھا ہے اور معتمد آدمیوں کی زبانوں پر مذکور ہے وہ دلالت کرتا ہے باعتبار ظاہر کے اس امر پر کہ بعضی صحابہ راہ حق سے تجاوز کر گئے ہیں اور حد ظلم اور فسق کو پہنچ گئے اور باعث اسکا کینہ اور عناد اور خصومت سخت ہے اور طلب ملک و ریاست اور رغبت طرف لذتوں اور خواہش نفس کے تھا اسواسطے کہ نہیں ہے ہر صحابی معصوم اور نہ ہر وہ شخص کہ جس نے پیغمبر خدا سے ملاقات کی ہے نام رکھا گیا بخیر ہے اور بعد اسکے لکھا ہے کہ علما انکے افعال قبیحہ میں تاویل کرتے ہیں بسبب حسن ظن کے جو صحابہ کی نسبت ہے اس قول سے سب مقدمات اسکے باطل ہو گئے کہ جو کچھ انسے وقوع میں آیا ہے سب عمداً کینہ اور عداوت اور طلب ریاست اور رغبت لذات اور خواہش نفس سے وقوع میں آیا ہے اور غلط فہمی کو کچھ دخل نہیں ہے اور اسیواسطے امام غزالی نے لکھا ہے کہ صحابہ کے نزاعوں کا ذکر کرنا حرام ہے ورنہ صحابہ سے سننے والوں کو بغض ہو جائیگا چنانچہ صواعق محرقہ میں قول امام غزالی کا منقول ہے کہ ویحرم علی الواعظ وغیرہ ذکر مقتل الحسن والحسین وما جری بین الصحابۃ من المشاجرات والمنازعات لانہ یجر الی بغض الصحابۃ یعنی اور حرام ہے وعظ کہنے والے پر اور اسکے غیر پر ذکر کرنا حسن اور حسین علیہما السلام کے قتل ہونیکا اور حرام ہے ذکر کرنا صحابہ کے جھگڑوں اور مخالفتوں اور لڑائیوں کا اسواسطے کہ یہ ذکر کرنا کھینچتا ہے طرف بغض صحابہ کے کہ ان قصوں کو لوگ سنینگے تو صحابہ سے دشمنی ہو جائیگی پس جسوقت کہ ایسے افعال تھے صحابہ کے کہ اُسکو سنکر اُنسے دشمنی ہو جاے تو وہ کونسا اندھا عقل کا ہے کہ اُسکو یہ سمجھیگا کہ قوت ایمانی اسکا باعث ہوئی اور پیغمبر خدا کے ارشاد کو نہ یاد کرنے کو اور انکی اہلبیت کے گھر کے جلانے کا ارادہ کرنے کو اور دروازہ توڑنے کو اور اُنکے حقوق کے غصب کرنے کو اور صحابہ کبار کے بے عزت اور زدوکوب اور ہزاروں مومنین بیگناہ کے قتل کرنیکو کون غلط فہمی کہدیگا اور ان ظلموں کو ناشدنی و ناشنیدنی کون کہدیگا اور حضرت موسیٰ سے ہرگز غلطی نہیں ہوئی اُس سے پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ قوم کے دکھانے کو اپنی طرف حضرت ہارون کو کھینچتا تھا تاکہ لوگ پھر ایسی حرکت نکریں اور فلا تشمت بی الاعداء حضرت ہارون نے اسواسطے کہا کہ انکو مافی الضمیر حضرت موسیٰ کا علم نتھا کہ وہ اسواسطے کھینچتے ہیں سو ہوسکتا ہے کہ غصہ میں حال دریافت کرنیکو اپنی طرف کھینچا ہو جب حضرت ہارون نے عذر کیا اور کہا کہ یا ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی تو برات حضرت ہارون کی ثابت ہوئی اور استغفار واسطے انقطاع کی طرف خدا کے اور تقرب کے طرف اُسکے کیا ہو اور جسوقت کہ انبیا معصوم ٹھیرے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ انکو غلط فہمی ہوئی اور موسیٰ سا پیغمبر ہو کر طرف حضرت ہارون کے کہ وہ بھی معصوم تھے گمان بد کرے کہ اس امر میں اُس نے قصور کیا ایسا نہیں ہو سکتا ورنہ انبیاء کو معصوم نکہو اور اگر معصوم کہتے ہو تو غلط فہمی کے کیا معنی اور اگر غلط فہمی انکے حق میں جایز ہوئی تو معلوم ہوا کہ بعضے احکام خدا کو بھی غلطی کر کے غیر مرضی خدا کے موافق لوگونکو پہنچاتے ہونگے پیغمبری ہی باطل ہوئی کہ تعلم تو کچھ تھا اور پہنچایا کچھ اور یہ بھی خوب بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام جو کہ معصوم ہیں اُنکی گناہونکو تو ظاہر کرتے ہیں اور غیر معصوموں کے گناہوں میں تاویل کرتے ہیں اور دونوں کے گناہوں کو برابر رکھتے ہیں اور غیر معصوموں کے گناہونکو جو منجر بکفر ہیں انکو معصوموں کے ترک اولی سے مساوی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں جیسے انبیاء سے غلط فہمی ہوئی ہے ایسے ہی صحابہ سے غلط فہمی ہوئی ہے اور یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ غیر معصوم کے فعل میں تاویل ہو ہی نہیں سکتی اور اگر ہر ایک کے قول اور فعل میں گنجایش تاویل کی ہو تو کلمات کفر جو بعضوں سے صادر ہوتے ہیں تاویل کر کے درست کر لیے جائیں اور بعضی صحابہ نے بغض فی اللہ کو جو بیموقع صرف کیا اسیواسطے اُنسے مواخذہ ہوگا کہ بغض فی اللہ تو چاہیئے کفار سے اور اُنہوں نے خدا کے دوستوں سے بغض کیا اور حقیقۃ الامر کو خوب سمجھکر کیا بدون سمجھے نہیں کیا کہ وہ تیری طرح احمق اور دیوانے نہ تھے بلکہ قصداً کیا چنانچہ شرح مقاصد کی عبارت ابھی گزری ہے اور اجر کیسا بلکہ بڑے سخت عذاب میں گرفتار ہونگے جسوقت کہ مظلوم اُنکے ظلم کی درگاہ خدا میں فریاد کرینگے اور بغض فی اللہ تو کوئی امر ہی نتھا بلکہ جو کچھ کیا حب جاہ اور کینہ اور عداوت کی جہت سے کیا اسیواسطے جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا تھا کہ بعضے مردوں کو ملائکہ حوض کوثر پر سے دوزخ میں لیجائینگے تو میں کہونگا کہ انکو کہاں لیے جاتے ہو یہ تو میرے اصحاب ہیں وہ کہینگے کہ جسوقت سے کہ تونے اُنسے مفارقت کی ہے اُسیوقت سے یہ مرتد ہو گئے تھے چنانچہ صحاح اہل سنت میں لکھا ہے اور مرتد ہو جانا بعضے صحابہ کا اُسوقت کا ظاہر ہے گو اہل سنت انکار اسکا کریں اور اقل قلیل نہیں اور نہ بمقتضای بشریت بلکہ قصداً بعضے صحابہ سے ایسے افعال بد صادر ہوے ہیں کہ نجات اُنکی دشوار بلکہ مشکل ہے اور وہ لوگ مخلصین میں سے نہ تھے بلکہ دنیادار اور طالب دنیا تھے اور اس طلب دنیا نے انکو آخرت سے بالکل اندھا کر دیا تھا اور شیطان اُنکا ہمدم تھا اور اگر وہ لوگ ارادہ کرتے کہ نفس کو مقہور کریں اور اپنا مطیع بنائیں جیسا کہ چاہتی آدمی کا مطیع ہو جاتا ہے تو ہو سکتا تھا لیکن اُنہوں نے ارادہ ہی اسکا نہیں کیا اور جو کچھ کیا جان بوجھکر کیا ہے اور اگر محبت الٰہی انکو ہوتی تو البتہ اسکا ہیکو کرتے اور نفس کو اپنے اُنہوں نے مقہور اور مغلوب کیا ہی نہیں ہے نفس اُنکا تو ہمیشہ غالب ہی رہا ہے اسیواسطے طبع اُنکی برائی اُنکی ظاہر ہوتی تھی اور گناہونکی طرف رغبت کرتے تھے قال الشیخ الاشعری تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جیسے بدن میں چار رس قسم کی کیفیات یعنی حرارت برودت یبوست رطوبت کے پائے جانے سے یہ دریافت ہوا ہے کہ بیشک بدن ان چار بدن کیفیات کے اصلوں سے یعنی آگ ہوا پانی خاک سے مرکب ہے ایسے ہی بلحاظ اسبات کے کہ آدمی کی کبھی ملیں نیکی کی طرف رغبت ہوتی ہے کبھی بدی کی جانب

یوں معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی حقیقت ان دونوں کی اصلوں سے مرکب ہے لیکن جیسے اربعہ عناصر میں سے ہر ایک میں ایک کیفیت خاص ہے کہ اسکے مخالف اسمیں نہیں پائی جاتی اور اگر پائی بھی جائے تو
عارضی ہوتی ہے جیسے پانی کا گرم ہوجانا ایسے ہی نیکی اور بدی کی اصل میں بھی ان دونوں میں سے ایک ایک ہونی چاہئے اور دوسری آجائے تو وہ عارضی ہے جب بات
مسلم ہوچکی تو ہم کہتے ہیں کہ نیکی کے اصل کا نام ہم روح کہتے ہیں اور بدی کے اصل کا نام نفس اور روح میں کیفیت اصلی نیکی ہوگی اور مغلوب ہوکر اگر بدی اس سے صادر ہو
تو وہ عارضی ہے اور نفس کی اصلی خاصیت بدی ہوگی اور مغلوب ہوکر نیکی کرنے لگے تو وہ عارضی سمجھی جائیگی اس جگہہ ہم یوں قیاس کرتے ہیں کہ جیسی حرارت غریزی
کے وسیلہ سے ہم یوں دریافت کرتے ہیں کہ آدمی کے بدن میں ایک جزء ناری بھی ہے اور پھر اسکو یوں کہتے ہیں کہ اسکی اصل کرہ نار ہے خدا نے اپنی اور قدرت سے اسے
یہاں لاکر قید کردیا ہے ایسے ہی نیکی کے ارادہ کے وسیلہ سے اول تو ہم یوں دریافت کرتے ہیں کہ آدمی میں کوئی چیز ایسی بھی ہے کہ اسکی اصلی خاصیت نیکی ہے اور دوبارہ یوں
سمجھتے ہیں کہ اسکی اصل طبقہ ملائکہ ہے جنکی شان میں خداوند کریم یوں ارشاد فرماتا ہے لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ یعنی خدا کی نافرمانی کرتے ہی
نہیں جو حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہیں سو اسکا حاصل یہی ہے کہ انکی اصلی خاصیت نیکی ہے ایسے ہی انسان کے دل میں بدی کے ارادہ اور خواہش کے وسیلے سے اول تو ہم سمجھتے
ہیں کہ اس میں کوئی جزء ایسا ہے کہ اسکی اصلی خاصیت بدی ہے اور پھر یوں خیال میں آتا ہے کہ اسکی اصل طبقہ شیاطین ہے جنکے حق میں جناب باریتعالی یوں ارشاد فرماتے ہیں
وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا حاصل یہہ کہ شیاطین اپنے رب کی قدیمی نافرمان ہیں سو اسکا حاصل یہی ہے کہ انکی اصلی خاصیت بدی اور نافرمانی ہے القصہ روح عالم ملکوت کی
ایک چیز ہے اور نفس طبقہ شیاطین میں سے ہے خداوند کریم نے اپنی زور و قدرت سے انکو ایک جگہہ ایسا جمع کردیا ہے جیسا طوطی اور زاغ کو ایک قفس میں بند کردیں پھر جیسے
بدن کے اربعہ عناصر میں ہر ایک کو اسکے ہمجنس سے تقویت ہوتی ہے ایسے ہی روح اور نفس کو بھی اپنے اپنے ہمجنس سے یعنی ملائکہ اور شیاطین سے تقویت ہوتی ہے چنانچہ بعض
احادیث بھی اسپر شاہد ہیں اور بزور عقل بھی ہم یوں ہی یقین کرتے ہیں کہ اوقات مختلفہ میں یہ نیکی اور بدی کے خیال کا غلبہ بوجہ ملائکہ یا بوجہ شیاطین ہو تو ہو ورنہ جو
انداز طبع زاد تھا وہ ہی رہتا غرض طبعی کیفیت جاتی ہے تو کسی خارجی شے کے غلبہ سے جاتی ہے سو نیکی کے خیال کا غلبہ بظاہر سامان بجز اعانت ملائکہ متصور نہیں علی ہذا القیاس
بدی کیجانب توجہ کی زیادتی بجز تاثیر شیاطین معقول نہیں سو اگر کسی وقت نیکی کا خیال غالب ہو اور اس سبب سے اعمال صالحہ صادر ہوں اور اس ترکیب سے روح کی تاثیر نفس کو
اسی طرح عارض ہوجاوے جیسے برتن کے نیچے آگ جلانے کی ترکیب سے آگ کی تاثیر پانی پر عارض ہوجاتی ہے اور اسکے تاثیر اصلی کو ڈھونڈ ہی دبالیتی ہے تو اس صورت میں نفس
بھی روح کے کام ایسے ہی دینے لگے گا جیسے بہت گرم پانی آگ کا کام دے یعنے بدن کو جلا دے علی ہذا القیاس اگر نفس روح پر غالب آجائیگا تو روح نفس کی تبعیت میں نفس
کے کام دینے لگے گی کیونکہ ترکیب میں یہی ہوتا ہے کہ یا یہہ غالب ہو یا وہ چنانچہ اجسام میں یہی حال رہتا ہے کبھی کسی خلط کا غلبہ کبھی کسی خلط کا بہر حال اگر روح غالب ہوگی تو اسی وقت میں روح کو
بہ نسبت نفس کے اشداء علی الکفار میں سے سمجھنا چاہئے اور اسوقت میں شیطان کا بالکل خیمہ اٹھ جاتا ہے اور وہ تسلط اور حکومت جو پہلے تھی باقی نہیں رہتی لیکن جیسے کسی
شخص میں ایسا اختیار تو نہو جیسے نوکر یا غلام پر ہوتا ہے مگر تاہم اپنی طرف سے اپنی جی کی بات سمجھایا کرتے ہیں وہ مانے یا نمانے ایسے ہی شیطان بھی اپنی حسب مرضی کہنے د
یعنے وسوسہ ڈالنے سے باز نہیں آتا **اقول** جسقدر اس نے اس مقام میں لکھا ہے اسکو اس سے کچھ فائدہ نہیں ورنہ یہ رسالہ ایسے مولی تحریر کیا ہے اس نے جو نیکی او
بدی کو قیاس کیا ہے حرارت اور برودت اور یبوست اور رطوبت پر صحیح نہیں ہو سکتا ہے سو سطح کہ یہ چاروں کیفیتیں تو بدن انسان میں موجود ہیں اور نیکی اور بدی کیونکہ
انسان کے بدن میں کوئی وجود نہیں ہے فعل انسان کا اگر نزدیک عقل کے پسندیدہ ہوا تو اسکو نیک کہنے لگو اور اگر عقل کے نزدیک پسندیدہ نہوا تو اسکو بد کہنے لگے یعنی ان فعلوں کا
نام نیک اور بد رکھدیا ہے اور وہ سب افعال ہیں انسان کے جنکا نام نیک اور بد رکہا ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جسوقت حسن و قبح عقلی ہو اور جسقدر اس نے لکھا
ہے وہ حسن اور قبح عقلی ہی میں درست ہو سکتا ہے نہ حسن و قبح شرعی میں اور مذہب اشاعرہ کا حسن قبح شرعی کا ہے سو سطح کہ بعض افعال حسن شرع ایک مذہب کا وہ دوسرے
مذہب کی شرح میں قبیح ہے اس صورت میں نیکی اور بدی ہی میں اختلاف ہوگا اور جب انمیں اختلاف ہوا تو چاہئے کہ انکی اصلوں میں بھی اختلاف ہو کہ ایک مذہب میں
اگر نیکی کی اصل روح ہو تو دوسرے مذہب میں وہ بدی کے اصل ہو اور نیکی کے اصل کا نام نفس تب بھی ایک اصطلاح تبدیل ہے اور قرآن میں تو خداتعالی فائدہ اور نہ افعال کا
دونو کا نفس ہی کے واسطے بیان کرتا ہے اور آدمی کے بدن میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جسکی اصلی خاصیت نیکی ہو اور نہ ایسا ہی کوئی جزء ایسا ہے کہ جسکے اصلی خاصیت
بدی ہو بلکہ ارادہ سے اپنی جانب نیکی کرے چاہے بدی کرے لیکن قوتیں خداتعالی نے انسان کے بدن میں پیدا کی ہیں جو کچھ کرتا ہے ان قوتوں کے وسیلہ سے کرتا ہے مگر حکم یہ کیا ہے کہ ان
قوتوں کو افعال نیک میں صرف کرو اور جو کچھ اس قول میں اول سے آخر تک مرقوم ہوا ہے سب اپنی اندر ست ... اگر بعض صحیح ہے تو بعض قابل اعتراض بھی ہے لیکن
اسکے تعارض میں کچھہ ہمکو فائدہ نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** بہر حال جسکا نفس مقہور و مغلوب ہوجاتا ہے وہ روح کی تبعیت میں اسی کا کام کرنے لگتا ہے لیکن یہ نفس

نفس ہی ہے جیسے پانی کتنا ہی گرم کیوں نہو آخر پھر وہ پانی ہے اول تو آگ کے بجھانے میں ویسا ہی ہے جیسا ٹھنڈا پانی دوسرے یہہ حرارت عارضی ہے اور عارضی چیز کا
کیا اعتبار ابھی آگ جلانی چھوڑ دو یا چولہے پر سے اُتار کر ذرا دیر دو پھر وہی ٹھنڈا کا ٹھنڈا ہے اسیطرح جہاں نفس کی خبرداری سے ذرا غفلت ہوئی پھر وہی اپنیوں پر
آجاتا ہے اور ہر وقت ایک حال رہنا محالات عادی میں سے ہے خصوصاً جسکی شان میں جناب باریتعالی یوں ارشاد فرماتے ہیں وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا یعنی حضرت آدم کو ہمنے ۱۱
میں یوں ارشاد ہے کہ آدم بھول گئے اور ہمنے اُنمیں پختگی نپائی کیونکہ جو جو اوصاف حضرت آدم علیہ السلام میں تھے تھوڑے بہت سب بنی آدم میں ہونے چاہئیں با
اسکی یہ ہے کہ توالد اور تناسل میں تو نوعیت باقی رہتی ہے اسیواسطے آدمی کے آدمی اور گھوڑی کے گھوڑا اور گدھی کے گدھا پیدا ہوتا ہے اور جب نوعیت باقی رہی تو جو نوعیت کے باقی رہتے میں نظر
آتی ہے یعنی توالد تناسل وہی بعینہ اور اوصاف کے حق میں بھی سمجھنی چاہئے بالجملہ سب اوصاف آدم علیہ السلام نسلاً بعد نسل اکثر و بیش سب آدمیوں میں ہوئی تو پھر
ایک حال پر رہنا محال اس صورت میں لازم پڑا کہ ہمیشہ نفس کی محافظت یکساں نہو بلکہ کبھی کبھی اُسکی نگاہداشت میں فرق پڑے اور نفس اپنی خاصیت کیطرف مائل ہو
اور کوئی نکوئی قصور سرزد ہو باقی رہی یہ بات کہ کوئی نفس کی حقیقت کو بدلکر روح بنالے یہہ خود محالات میں سے ہے خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے لا تبدیل لخلق اللہ یعنی خدا
کے پیدا کئے کو کوئی نہیں بدل سکتا الغرض کوئی صورت ایسی نہیں کہ انسان خطا اور قصور سے بے اندیشہ ہو جاے لیکن اس حال کا قصور اُس قصور کی برابر نہیں کہ نفس اپنی
خاصیت اصلی پر ہو اور سبب روح کا ذرہ برابر اثر نہو بلکہ اُلٹا اُسکا روح پر اثر ہو کیونکہ پہلی صورت میں آدمی کا کچھ قصور نہیں اسکا کام اتنا ہی تھا کہ روح کو غالب کر دے اور
نفس کو مغلوب روح کی خاصیت نفس کی خاصیت کو دبا بیٹھے یہ اسکے اختیار میں نہیں کہ نفس کو بالکل روح بنا دے اسکے اختیار میں نہیں کہ مدام یکساں رہے پھر جب سکے اختیار میں یہ دو باتیں نہوئیں اور جسقدر اسکا
اختیار تھا اُسقدر کر گزرا تو پھر لائق اسکے ہے کہ معاف کیا جاے چنانچہ خداوند کریم خود فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یعنی اللہ کسیکو اُسکی طاقت اور وسعت سے
زیادہ تکلیف نہیں دیتا اسلئے ہمیں یقین کامل ہے کہ اسوقت کی خطائیں ہر چند خطائیں ہیں لیکن بسبب عموم رحمت اور وعدہ مذکور کے معاف کیجائیں **اقول** اس قول میں
اہل جہہ کے تھا ہے ... بعضی امور قابل تعرض کے ہیں لیکن اُنکے ذکر میں ہمکو کچھ فائدہ نہیں ہے اسواسطے ترک کیا **قال الشیخ الاشعری** اب سنئے کہ انبیا سے
جو لغزشیں ہوتی ہیں تو شاید اس قسم کی ہوں جن پر عتاب ہوا ہے اور احتمال ہے کہ اُنکی بسبب علو رتبہ کے موافق مشہور نیکاں را بیش بود حیرانی اُنکی زلات سب از قسم غلط
فہمی ہوں اور اوروں کو گو اُس پر ثواب ملے پر اُنکو اُسپہ عتاب ہو لیکن صحیح اول ہے بات معلوم ہوتی ہے بہر حال ہر چہ بادا باد انبیا کے سار کو خدا جانے یا انبیا پر یہاں تو فقط
اتنی بات سے غرض ہے کہ یہ وصف کہ جو اشداء علی الکفار رحماء بینہم کا خدا نے معرض تعریف میں بیان کیا اور پھر تعریف بھی ایسے وصف کے ساتھ کہ بعد رسالت اُسیکا رتبہ
پھر اسیہ وصف ایسا نہیں کہ صدور گناہ یا صدور خطا اُسکے ساتھ محال ہو محال البتہ جب ہوتا کہ اس وصف والوں کو حقیقت نفسی کی تبدیل کا اختیار ہوتا سو یہہ تو معلوم
یہ بھی اس وصف والوں کو میسر نہیں آسکتا کہ ایک حال پر قرار رہے اور کیونکر رہ سکیں وہ چیزیں مخالف ایک دوسرے کی دشمن اُنکو پالا پڑا ایک شی ہو تو ایک حال پر رہے اُنکو واسطے
بھی بہت ہے کہ شیطان کا اُنپر تسلط نہیں ہوسکتا خداوند کریم اُنسے برائیوں کو ہٹاتا رہتا ہے چنانچہ حضرت یوسف سے برائی اور فحش کے ہٹانے کی وجہ یہی بیان فرمائی
ہے کہ وہ چنے ہوؤں میں سے ہیں فرمایا ہے کہ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ یعنی یوں ہی ہوا اسواسطے کہ ہٹاویں اُس سے برائی اور ن
البتہ وہ بھی ہماری چنی ہوئی بندوں میں سے ہیں القصہ یہہ لازم نہیں کہ جو اشداء علی الکفار رحماء بینہم ہو اُن سے لغزش کا ہونا محالات میں سے ہو ہاں البتہ " باداات
میں فتور نہو اُنکے کام میں ریا کو دخل نہو طالب اگر ہوں تو رضاے خداوندی کے ہوں نظر ہو تو اُسکے الطاف پر ہو سو اسی لئے بعد ان دونوں وصفوں کے بطور علامات کے
اور دلائل کے یوں بیان فرمایا تراہم رکعا الخ **اقول** غلط فہمی تو انبیاء علیہم السلام میں ہرگز نہتی جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور گناہ کے صادر کرنے میں احتیاج حقیقت
نفسی کے تبدیل کرنے کی نہیں ہے انسان کو خدا تعالی نے اختیار بخشا ہے چاہے اپنے ارادہ سے فعل نیک صادر کرے یا فعل بد شیطان کا اُنپر مسلط ہونا بھی کچھ محال نہیں ہے
سب جائز الخطا تھے اور ہمراہ حضرت کے تو سب طرح کے آدمی تھے منافق بھی اور ضعیف الایمان بھی اور مولفۃ القلوب بھی اور مومنین بھی اور یہ اوصاف مومنین صالحین کے
ہیں جنکو ابتدا میں ہم بیان کر آئے ہیں نہ ہمراہیوں کی اور آیت كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ حضرت یوسف کے مقدمہ میں ہے کہ وہ پیغمبر تھے اور خدا تعالی کے
بندگان مخلصین میں سے تھے اور جو لوگ کہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے وہ سب کے سب مخلصین میں سے نہ تھے اگر تھے تو بعضے تھے چنانچہ پہلے اس سے ہم بیان کر چکے
اور یہ بھی لازم نہیں ہے کہ اُن سب کی عبادات میں فتور نہو اور اُنکے کام میں ریا کو دخل نہو اور اگر طالب ہوں تو رضاے خداوندی کے ہوں بلکہ اُنمیں طالب دنیا اور
طالب جاہ دنیا بھی موجود تھے اور وہ مہاجرین اور انصار میں سے بھی تھے چنانچہ پہلے اس سے شرح مقاصد کی عبارت میں گزرا ہے اور تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا بھی اُن مومنین
صالحین کی علامات میں سے ہے نہ سب ہمراہیوں کی علامات میں سے **قال الشیخ الاشعری** جب یہ بات مقرر ہو چکی تو اب ہماری عرض علماء شیعہ کی خدمت میں یہ ہے کہ

اول تو بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ بڑے بڑے کسی غلطی کے سبب سے بھلی بات کو بُری سمجھ جاتے ہیں حضرت خضر کی کشتی توڑنے کو حضرت موسیٰؑ جیسے اولو العزم نے بُرا سمجھا اور خلاف شریعت سمجھکر یوں فرمایا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا حاصل یہ ہے کہ تو نے بُرا کام کیا حالانکہ اُنہوں نے بُرا نہیں کیا تھا بلکہ بھلا کیا تھا اگر نہ توڑتے وہ کشتی پکڑی جاتی سو اسیطرح حضرات شیعہ بلکہ حضرات ائمہ بعض اصحاب کے افعال کو مثلاً فدک کے نہ دینے کو اور سوا اسکے اور افعال کو سر دست اگر بُرا سمجھ گئے ہوں اور حقیقت میں وہ بُرے نہوں تو حضرات شیعہ ہی نقل کی رو سے فرمائیں کیا محال ہے اور یہ نہیں شاید کہ کسیکو یہ گمان ہو کہ حضرت خضرؑ اہل مکاشفہ میں تھے اُنکی بات اگر سمجھ میں آئی تو بجا ہے ابوبکر کو ہم اہل مکاشفہ میں سے نہیں سمجھتے اسلئے یہ التماس ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو باہم جو شکر رنجی ہو گئی اور منشا اُسکا یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حقیقت الامر کو نہ سمجھے اور اس سبب سے دست و گریبان ہو گئے اور ایسے ہی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا حقیقت الامر کو سر دست نہ سمجھی ہوں تو کیا حرج ہے حالانکہ یہاں کوئی مکاشفہ کی بات بھی نہ تھی اسلئے کہ حضرت ہارون نے تو کچھ خطا کی ہی نہ تھی اگر معصوم ہونے کی ہیبت ہے اگر بات کو مستبعد سمجھتے ہو تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا تو فقط شیعوں ہی کے نزدیک معصوم تھیں حضرت موسیٰ تو بالاتفاق معصوم ہیں وسلمنا یہ بھی نہیں تو یہ ناکارہ ابھی عرض کر کے آیا ہے کہ اولیا مخلصین سے چوک ہو ہی جاتی ہے اور خطا ہونا اُنسے کچھ محال نہیں جو اس وجہ سے اُنکی بزرگی کی منکر ہو جئے بزرگی اور چیز اور صدور گناہ اور چیز وہ گناہ جو مخالف ولایت ہے وہ یہ ہے کہ نفس اپنی خاصیت اصلی پر باقی ہو اور روح اُسکی مغلوب ہو جائے نہ یہ کہ بمقتضائے بشریت بھی نہو ورنہ ہم تو نہیں کہہ سکتے حضرت آدم کی شان میں جو یہ آیا ہے وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ یا حضرت یونس کی طرف تعریض ہو کہ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ یا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا جاتا ہے مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ اس کے کیا معنے ہونگے حالانکہ یہ سب مقامات کلام اللہ میں مذکور ہیں گنجایش انکار ہی نہیں و صحابہ کی زلات اگر زلات بھی ہوں اور از قبیل غلط فہمی نہوں تب وہ کچھ کلام اللہ میں مذکور نہیں کسی حدیث متواتر میں نہیں ممکن ہے کہ غلط ہو اور نہ سہی ہم کہتے ہیں کہ غلط نہیں لیکن جو تم جواب انبیا کی طرف سے دو گے وہ ہی صحابہ کی طرف سے سمجھ لو بلکہ اُنکی طرف سے یہی عذر بہت ہے کہ وہ معصوم نہ تھے اگر خطا ہو گئی تو بلا سے جب باایں ہمہ خدا نے اُنکی تعریف کر دی تو پھر کیا حاجت جواب ورعذر کی کیا ضرورت ؎ ہر عیب کہ سلطان بپسندد ہنر است ۔ **اقول** اگر کسی آدمی غیر معصوم سے غلطی ہو جائے تو کچھ عجب نہیں ہے لیکن حضرت موسیٰ سے کشتی کے توڑنے میں ہرگز غلطی نہیں ہوئی بلکہ کشتی کے توڑنے پر اُنکا اعتراض کرنا بہت صحیح اور درست تھا ظاہر کے اعتبار سے کہ کشتی کے توڑنے میں احتمال آدمیوں کے غرق ہونیکا تھا اور اُسکے توڑنے کے فائدہ کا علم نہ تھا نہ یہ کہ غلطی اُنسے ہوئی ہو اور وہ ایک خبر غیب کی تھی کہ خدا تعالیٰ نے حضرت خضر کو اوس سے آگاہ کر دیا تھا اور حضرت موسیٰ سے اسکو پوشیدہ رکھا تھا ایک مصلحت کے واسطے اور اگر حضرت موسیٰ کشتی کے توڑنے کی بھلائی کو نہیں سمجھے تو یہ کوئی مسئلہ فقہیہ اور حکم حلال اور حرام یا جائز اور غیر جائز نہ تھا کہ سب بندوں کو جسکا جاننا چاہئے تھا بلکہ ایک امر غیب کا تھا کہ جسکو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا ہے یا وہ شخص کہ جسکو خدا تعالیٰ مطلع کرے اصحاب کہف کا حال جناب رسول خدا صلعم سے کفار نے پوچھا تو بتلا نہ سکے اور وعدہ بتلانے کا کیا اور قصہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا مختصر یہ ہے کہ بعد ہلاک ہونے قبطیوں کے جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے یہ ہے کہ ایک دن حضرت موسیٰ نے خطبہ بہت فصاحت اور بلاغت سے پڑھا تو ایک شخص نے اُنسے پوچھا کہ یا نبی اللہ کوئی آدمی تم سے بھی زیادہ عالم ہے فرمایا کہ نہیں خدا تعالیٰ کو یہ دعوی حضرت موسیٰ کا پسند نہ ہوا اور چاہا کہ حضرت موسیٰ کو دکھلائے کہ بعضے بندے اسکے ایسے ہیں کہ بعضی چیزوں کا علم اُنکو موسیٰ سے زیادہ ہے اسلئے حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ تو فلانی جگہ جا اور ایک بندہ ہمارا وہاں ملیگا اُس سے ملاقات کر کے علم سیکھ سو وہ علم چند باتوں کا تھا نہ جو علم کہ حضرت موسیٰ کو تھا اُسقدر علم حضرت خضر کو نہ تھا حضرت موسیٰ وہاں پہنچے اور اُس بندہ صالح سے کہ وہ حضرت خضر تھے ملاقات کی اور دونو بزرگ وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک دریا پر پہنچے اور خدا تعالیٰ نے تین چار باتوں کا علم حضرت خضر کو تعلیم کیا اور حضرت موسیٰ سے پوشیدہ رکھا اور وہ دونو بزرگ کشتی پر سوار ہوئے تو حضرت خضر نے کشتی کا تختہ توڑ ڈالا اُسوقت حضرت موسیٰ نے اُنپر اعتراض کیا کہ تو نے کشتی کا تختہ جو توڑا ہے تو چاہتا ہے کہ آدمی غرق ہو جائیں سو بظاہر یہ امر بہت بُرا تھا اسواسطے اُنہوں نے حضرت خضر پر اعتراض کیا اور اس توڑنے کا فائدہ اور بھلائی جو تھی کہ کشتی عیب دار ہو جائیگی تو بادشاہ ظالم اسکو گرفتار نکریگا اسکی حضرت موسیٰ کو کیا خبر تھی اور اُس توڑنے کی بھلائی جو تھی خدا تعالیٰ نے حضرت خضر کو تو تعلیم کی کہ تو کشتی کو توڑ ڈالنا اور حضرت موسیٰ پر اسکو ایک مصلحت کے واسطے پوشیدہ رکھا کہ موسیٰ کو تو معلوم نہو اور حضرت خضر حضرت موسیٰ کو اسکے توڑنے کی بھلائی سے مطلع کریں اور حضرت موسیٰ کو معلوم ہو کہ مجھ سے زیادہ بھی عالم ہیں اسکے بندوں میں سے سو اس مصلحت کے واسطے خدا تعالیٰ نے علم اسکا حضرت موسیٰ سے پوشیدہ رکھا اور حضرت فاطمہ سے پوشیدہ رکھنے میں کیا مصلحت تھی بجز اسکے کہ لوگ ابوبکر کو غاصب ٹھیرائیں یہ تو ایک مسئلہ فقہ کا تھا اس سے تو سب کو مطلع کرنا چاہئے تھا اور علی الخصوص حضرت فاطمہ زہرا کو کہ وہ وارث تھیں رسول خدا صلعم کی کہ ایسا نہو کہ وہ دعوی کر بیٹھیں اور نزاع واقع ہو اور جسوقت

حضرت فاطمہؑ نے دعویٰ فدک کا کیا تھا اُسوقت تو سوائے ابوبکر کے کسی نے بھی گواہی نہ دی کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا اور اگر انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ
نے جیسے کہ میراث پہنچنے کا ذکر کیا ہے کہ فلانے کو اسقدر پہنچے اور فلانے کو اسقدر تو ایسے ہی یہ بھی ذکر کرتا کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے اپنے پیغمبر ختم المرسلین ہی کو حکم
کرتا کہ تیرا کوئی وارث نہیں ہو سکتا یہ کیا کہ قرآن میں تو ذکر نہ کیا اور ابوبکر کو زبانی پیغمبر کے کہلا بھیجا کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے اور اصحاب رسولخدا صلعم انبیاء سب
سے نیچے کہ اُنپر خلاف شرع محمدی کے وحی آتی ہو کہ ظاہر میں تو اُنکے افعال بد اور مخالف شرع کے ہوں اور حقیقت میں وہ بُری نہوں کہ علیحدہ خدا تعالیٰ نے اُن فعلوں
کی بھلائی کی خبر اُنکو کر دی ہو اور سوائے اُنکے اور لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہو جیسے کہ کشتی کے توڑنے کی بھلائی کی خبر حضرت خضر کو تو کر دی اور حضرت موسیٰ کو نہ کی اور از روئے
نقل کے محال کیونکر نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ تو سب بندوں کو حکم وراثت کرے خواہ پیغمبر ہو خواہ غیر پیغمبر اور پیغمبر کے مورث نہونے کا ذکر نہ کرے اور حضرت ابوبکر فرمائیں کہ پیغمبر کا کوئی
وارث نہیں ہوتا ہے تو کیونکر اُنکے قول کی تصدیق کی جائے کہ جو مخالف قرآن کے ہے اور اس شیخ کے لکھنے سے معلوم ہوا کہ اصحاب رسولخدا صلعم مخالف قرآن کی اگر کچھ کہیں اور کریں
جیسے کہ زنا کرنا ہے یا شراب پینی ہے یا گوشت خوک کھانا ہے تو بے عذر شرعی اسکو ہم بُرا نہیں کہہ سکتے کہ گو ہم اسکو بُرا سمجھ گئے ہوں لیکن حقیقت میں وہ بُرا نہو سو یہ بات اہل سنت ہی کو
مبارک رہے اور حضرت خضر کو تو ہم اہل مکاشفہ میں سے نہیں کہتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اُنکو تو تعلیم کر دیا تھا اور حضرت موسیٰ کو تعلیم نہ کیا تھا تاکہ حضرت موسیٰ کو معلوم ہو
کہ مجھ سے بھی زیادہ عالم ہیں اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے درمیان ہرگز شکر رنجی بھی نہیں ہوئی تھی اور پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں کہ قوم کے دکھانے کو اپنی طرف حضرت
ہارون کو کھینچا تھا تاکہ وہ لوگ سمجھیں کہ یہ بڑا سخت گناہ ہے کہ جسمیں اپنے بھائی کو کھینچا اور اپنے اس فعل سے توبہ کریں اور آئندہ ایسی حرکت نہ کریں اور حقیقۃ الامر کو حضرت موسیٰ سے
سب کچھ سمجھے ہوئے تھے اور دست و گریبان کب ہوئے تھے جھوٹ کسواسطے لکھتا ہے سر اُنکا البتہ اپنی طرف کو کھینچا تھا سو ہو سکتا ہے کہ واسطے دریافت کرنے کے غصہ میں جو بھرے ہوئے تھے
اپنی طرف کو سر اُنکا کھینچا ہو اور حضرت زہرا حقیقۃ الامر کو کیونکر نہ سمجھی ہونگی وہ تو خوب سمجھی ہوئی تھیں اور جانتی تھیں کہ ابوبکر اس روایت میں جھوٹے ہیں اور کیونکر
ایسا نہ سمجھتیں کہ دیکھتی تھیں کہ ایک شخص خلاف قرآن کے جھوٹ بول رہا ہے اور جسوقت ابوبکر نے بیان کیا تھا کہ پیغمبر کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے اور ظاہر میں امر بُرا تھا
اور حقیقت اسکی جسمیں بھلائی تھی اُسکو حضرت فاطمہ نہیں سمجھیں تو ابوبکر نے اُسکی حقیقت بیان کی ہوتی جیسے کہ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ سے حقیقت کشتی کے توڑنے کی
جسمیں بھلائی تھی بیان کی لیکن ابوبکر کے پاس اور کیا حقیقت اسکی تھی بجز اسکے کہ ایک روایت جھوٹی بنا کر کہدی بھلا یہ بھی کچھ جواب ہے واہی اور بیہودہ اور یہاں معصوم
ہونیکو کچھ دخل نہیں ہے اور نہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے قصہ کو کچھ دخل ہے اور نہ حضرت زہرا کے معصوم ہونے کی جہت سے اسکو ہم مستبعد سمجھتے ہیں بلکہ ہم خود جانتے
ہیں کہ واقع میں ابوبکر نے مخالف قرآن کی ایک روایت بنا کر بیان کی اور اول تو ابوبکر کا اولیاء مخلصین میں سے ہونا ثابت نہیں ہے اور اولیاء مخلصین سے گو خطا صادر ہو لیکن
اُس خطا کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کیسی ہے اور ایسی خطا عمداً اپنے نفس کے فائدہ کے واسطے کی کہ جسمیں آزار رسولخدا صلعم ہو وہ منجر بکفر ہوگی اور ایسی خطا میں ولایت اور اخلاص
باقی نہیں رہتا ہے اور جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ جس نے فاطمہ زہرا کو آزار پہنچایا اور اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب ابوبکر اپنی خطا بخشوانے کے واسطے پاس حضرت
فاطمہ کے گئے تو حضرت فاطمہ نے اپنا منہ اُنکی طرف سے دیوار کی طرف پھیر لیا اور فرمایا کہ تمنے مجکو آزار پہنچایا ہے تمہاری شکایت رسولخدا صلعم سے کرونگی اور بزرگی جبھی تک ہے کہ
گناہان کبیرہ عمداً صادر نہوں اور جب گناہ اکبر الکبایر جان بوجھ کر کیا تو پھر بزرگی کہاں تھی اور اُنکے نفس ہی روح پر غالب ہے اور بمقتضاء بشریت یہ گناہ اُنکا تھا اور حضرت
آدم اور حضرت یونس اور جناب رسولخدا صلعم نے تو کسیکا حق غصب نہیں کیا ہے اور اگر تمہارے نزدیک اُنسے خطائیں سرزد ہوئی ہیں تو وہ اُنکے ہی نفسوں کے واسطے ہیں کسی دوسرے
کو آزار نہیں پہنچایا ہے اور سوائے اسکے وہ معصوم ہیں اُنکے واسطے تاویل کر کے معنی صحیح بتلائے جائینگے اور ابوبکر تمہارے نزدیک بھی معصوم نہ تھے تاکہ اُنکے حق میں تاویل
کی جاتی اور اگر انبیاء کو بھی تم فاسق اور جائز الخطا مثل ابوبکر کے جانتے ہو تو پھر یہ کاہیکو دعویٰ کرتے ہو کہ انبیاء معصوم تھے یہ دعویٰ تمہارا جھوٹا ہے اور وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ
میں عصیان امر مستحب کا تھا اور مستحب ترک کرنے کو بھی عصیان کہتے ہیں چنانچہ یہ مصرع ایک شعر کا ہے ؎ والامتنع ان یسمی تارک النفل عاصیا اور مستحب کا ترک کرنا گناہ نہیں ہے
اور مستحب اسواسطے تھا گندم کا نہ کھانا کہ وہ حضرت آدم ہی کو فائدہ کے واسطے تھا کہ ہمیشہ بہشت میں رہتے اور غویٰ سے مطلب یہ ہے کہ جیسے تفسیر بیضاوی میں ہے کہ گم اور ناامید ہو مطلوب
سے کہ وہ ہمیشہ بہشت میں رہنا تھا اور بعد اسکے فرمایا کہ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ اور وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ حضرت صلعم کو فرماتا ہے کہ اور نہو تو مثل صاحب مچھلی کے
عذاب کے جلدی طلب کرنے میں یعنی مثل یونس کے کہ اُنکو مچھلی نگل گئی تھی یعنی عذاب کے نازل ہونے میں مثل یونس کے جلدی نکر سو یہ دونو حضرت آدم کے اور یونس کے کچھ گناہ نہیں
ہیں اور بعد اسکے حضرت آدم کے واسطے تو ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ اور حضرت یونس کے واسطے فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فرمایا بعد اسکے کہ اس ترک اولیٰ سے اُنہوں نے توبہ کی اور توبہ اُنکی قبول
کی اور ابوبکر کے واسطے بھی خدا تعالیٰ نے کہیں فاجتباہ ربہ فرمایا ہے اور ابوبکر نے اپنی اُس گناہ کبیرہ سے توبہ بھی کی تھی فدک کو فاطمہ زہرا علیہا السلام پر رد کرتے تاکہ خدا تعالیٰ

توبہ انکی قبول کرنا اور یا کان لنبی میں تو کوئی گناہ کی بات ہی نہیں ہے بلکہ یہ حکم ہے کہ اُن قیدیوں کو قتل کرنا چاہئے اور رسولخدا صلعم کا یہ حکم تھا کہ قیدیوں سے فدیہ لیکر
چھوڑ دو بلکہ ابوبکر نے یہ مشورہ دیا تھا کہ یا رسولخدا یہ تیری قوم کے آدمی ہیں ان سے فدیہ لیکر چھوڑ دی کہ یہ فدیہ تیری اصحاب کے کام آئیگا جب ابوبکر نے یہ مشورہ دیا تو اُنکے حق
میں یہ آیت نازل ہوئی تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا یعنی چاہتے ہو تم مال دنیا کا سو اس میں بھی اگر گناہ ہے تو ابوبکر کا ہے نہ رسولخدا صلعم کا یہ ہیں معنی ان آیات
کے جو کچھ کہ ہمنے بیان کئے اور انکار ان آیتوں کا کسیکو نہیں ہے اور معانی صحیحہ انکے وہ ہیں جو کہ ہمنے بیان کئے نہ وہ کہ جو تو سمجھا ہے اور زلات کیا بلکہ کبائر بعضے
صحابہ کے وہ ہیں کہ جو از قبیل روایت ہیں نہ روایت امر اگر روایتیں بھی ہیں تو وہ اصح الکتب کی کہ جنمیں امکان غلطی کا اہلسنت کے نزدیک نہیں ہے اور آجتک کسی نے اُن روایتوں کا انکار بھی نہیں کیا ہے اور
اگر انکار کروگے تو بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ بلکہ اغلط الکتب بعد کتب الضلال کہو اور مدار جو اہل سنت کے مذہب کا صحاح ستہ پر ہے اُس سے دست بردار ہو کر کوئی اور مذہب
اختیار کرو اور انبیاء کی طرف سے تو ہم جواب دے چکے کہ وہ معصوم تھے اُن سے کوئی فعل بد صادر ہی نہیں ہوا ہے اور اگر بالفرض اُن سے قرآن میں کوئی لغزش کی صورت
ظاہر ہوگی تو اُس میں ہم تاویل کر کے معنی صحیح پیدا کرینگے اُنکی عصمت کے باقی رکھنے کے واسطے اور خلفاء ثلثہ معصوم نتھے کہ اُنکے افعال میں تاویل کیجائے جو کچھ اُنہوں نے
کیا ہے وہ قابل گرفت کے ہوگا اور غیر معصوم کے قول اور فعل میں تاویل ہو ہی نہیں سکتی چنانچہ ملا علی قاری شارح مشکوۃ نے اپنی رسالہ میں لکھا ہے کہ غیر معصوم
کے قول اور فعل میں تاویل نہیں ہو سکتی ورنہ اگر انکے بھی قول اور فعل میں گنجایش تاویل کی ہو تو ہر ایک کا قول اور فعل کفر کا تاویل کر کے درست کر دیا جائے اور گو وہ معصوم
اور نبی نہیں ہیں لیکن جبکہ گناہ کبیرہ اور سخت اُن سے صادر ہوئے تو وہ سزاوار نار جہنم کے ہوئے اور تعریف خداتعالی نے اُنکی کسی آیت میں نہیں کی ہے اور اگر مجملاً کسی آیت
میں تعریف کی ہے تو ایسے ہی مجملاً دوسری آیت میں مذمت بھی اُنکی کی ہے اور گناہ اُنکے ایسے سخت ہیں کہ جواب اور عذر اُنکا کچھ نہیں ہو سکتا اور خداتعالی عیب
کو ہرگز پسند نہیں کرتا ہے بلکہ عیب دار کو سزائے سخت پہنچاتا ہے **قال الشیخ الاشعری** القصہ اس قسم کے قصور قابل گرفت نہیں ہیں اور عقل سلیم ہرگز تسلیم نہیں کرتی
کہ اُنپر محاسبہ اور مواخذہ ہو بلکہ اُن اوصاف کے بیان ہی میں اس بات کیطرف اشارہ فرمایا اس لئے کہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم ہونا کچھ اس بات کو نہیں چاہتا کہ اُن
سے کوئی خطا نہوئی ہو اور جب اس بات کا التزام نہوا اور خداوندکریم نے باوجود امکان صدور خطا اُنکی تعریف فرمائی تو یہ معنی ہوئے کہ یہ صفت ایسی نہیں کہ انکے سامنے
اس قسم کی باتوں کا حساب کیا جائے بلکہ یہ خوبی فقط اسقدر ہے کہ سب کو محو کئے دیتی ہے تو ضمناً اشارہ اُنکی مغفرت کی طرف ہوا اور جواب بھی وہ معذب ہو سکیں تو پھیر
کیا تعریف جنہی سے تو سو درجہ بلکہ پاخانہ پیشاب بھی اچھے ہیں چنانچہ ظاہر ہے القصہ نظر انصاف چاہئے خدا کی تعریف کے بعد پھر کہیں ہو سکتا ہے کہ صحابہ جہنم میں جائیں
پھر اس صورت میں ایک کیا لاکھ گناہ اُنکے ذمہ میں لگا دو جو کریگا وہ اپنی عاقبت خراب کریگا اور سمجھنے والے اُسکو تعریف سمجھیں اور حق بھی تو ہے جب کوئی بادشاہ دانشمند
جسے انتظام مملکت کا خیال ہو اور وہ ملازموں کے حال کا نگراں ہو اپنے چند ملازموں کو باوجود خطاؤں کے کچھ نکہے تو ظاہر میں یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ کوئی بہت ہی
پیارے ہیں کہ اس حال پر بھی ان سے مواخذہ نہیں اور جو اُلٹی تعریف کرے اور اُنکے غمازوں اور دشمنوں سے جو اُس سے کینہ رکھتے ہوں بری طرح پیش آئے اور اُنکے اُن کمالات
کو جو اپنے نزدیک اور اُنکے دشمنوں کے نزدیک اُنکے مسلم الثبوت ہوں اُنکے دشمنوں کو سنا کہ یہ کہ ان میں سے جس میں یہ اوصاف پائے جائیں ہمنے اُنکی سب خطائیں معاف
کیں بلکہ اُسکے لئے اور انعام قرار واقعی تیار کیا ہے تو اس صورت میں بجز اسکے اور کوئی احتمال نہیں ہو سکتا کہ بادشاہ کو ان ملازموں سے محبت ہے اور اُسکو انکی بیچ ہی
جو اُنکا دشمن ہے وہ اُسکا دشمن جو اُنکا دوست وہ اُسکا دوست ہے **اقول** قرآن شریف کی اکثر آیتوں میں مجملاً تعریف مومنین کے لکھی ہے جیسے کہ مجمل مذمت
اُنکی لکھی ہے اور اُن تعریف والوں ہی میں سے مرتد بھی ہو گئے ہیں اور جن صحابہ کی یہ تعریف ہے اُنکا کسکو انکار ہے مگر کل ہمراہیان رسولخدا صلعم کی یہ تعریف نہیں ہے کہ ہمراہ حضرت
کے منافقین اور ضعیف الایمان بھی تھے کہ جو بعد حضرت کے مرتد ہو گئے اور حضرت نے خود فرمایا ہے کہ حوض کوثر پر سے ملائکہ کچھ آدمیوں کو ہانکتے ہوئے دوزخ میں لیجائیں گے
میں کہونگا کہ انکو کہاں لیجاتے ہو یہ تو میری اصحاب ہیں اُسوقت ملائکہ مجھ سے کہیں گے کہ تو نہیں جانتا ہے یہ بعد تیرے جسوقت کہ تو نے وفات پائی ہے اُسیوقت سے
مرتد ہو گئے تھے اور دین میں احداث کیا تھا چنانچہ کتب صحاح اہل سنت میں لکھا ہے سو بعد وفات حضرت کے اُسیوقت سوائے خلافت کے اور کونسا امر حادث ہوا تھا اور
أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کُل صحابہ کے حق میں نہیں ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے بلکہ بعضے تو ایسے تھے کہ وہ اشداء علی المومنین یعنی ابوبکر اور عمر تھے کہ جنہوں نے
آل رسولخدا صلعم پر ہاتھ اپنا صاف کیا اور رسولخدا صلعم کے مرتے ہی حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر کے جلانیکا مع علی و حسنین اور جماعت بنی ہاشم کے ارادہ
کیا اور آگ اور لکڑیاں واسطے جلانیکے لیگئے اور دروازہ اُس مظلومہ کے گھر کا توڑا اور سعد اور زبیر وغیرہ صحابہ کبار کی بے عزتی کی اور حقوق اہل بیت کے غصب کئے کہ یہ
سب اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے اور ابوبکر جوہری نے کتاب سقیفہ میں لکھا ہے کہ حضرت علی کی گلی میں چادر ڈالکر بجبر و قہر گھر میں سے باہر انکو لائے اور

ملل و نحل میں بروایت نظام معتزلی لکھا ہے کہ بضرب عمر حضرت فاطمہ کے شکم سے اسقاط محسن ہوا اور عثمان نے تو مومنین پر وہ تعدی کی تھی کہ جسکے وبال میں خود مبتلا ہوئے اور بعد اُسکے ہزاروں مومنین کو جو کہ حضرت علی کے ہمراہ تھے بعضے صحابہ نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں قتل کیا اور قتل کروایا یہ لوگ رحماء بینہم کیونکر ہو جاتے اور سوائے انکے اور صحابہ جو ہیں اور مرتد نہیں ہوئے تھے البتہ اُنکی یہ تعریف ہے جو کچھ کہ اس شیخ نے اس قول میں لکھی ہے اور سب ہمراہیوں کے یہ تعریف نہیں ہو سکتی جیسا کہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے ہیں کہ بعضے اُن میں ضعیف الایمان بھی تھے اور مرتد بھی ہو گئے تھے اور قصور اُنکے بہت بڑے بڑے ہیں اور وہ کونسا عقل کا اندھا ہے کہ ایسے بڑے قصوروں کو دیکھکر کہے گا کہ اُن سے مواخذہ نہوا اور خطا جو اُن سے ہوئی ہے تو وہ ایسی نہیں ہے کہ قابل عفو ہو کہ وہ باعث ضلالت امت ہوئی ہیں اور اُن لوگوں کے تعریف خدا تعالی نے ہرگز نہیں فرمائی ہے اگر وہ تعریف اُنکی ہو تو چاہیئے کہ منافقین کی بھی وہ تعریف ہو جائے کہ وہ بھی رسول خدا صلعم کی ہمراہ تھے اور اگر منافقین اس سے مستثنے ہیں تو وہ لوگ بھی اپنے افعال شنیعہ کی جہت سے مستثنے ہیں اور خوبی اُنکی کوئی نہیں ہے اور نہ کوئی اشارہ اُنکی مغفرت کیطرف ہے اور تعریف تو اصل میں اُن لوگوں ہی کے ہے نہیں پھر پاخانہ اور پیشاب کے اُنسے اچھے ہونے میں کیا شبہ ہے کہ پاخانہ اور پیشاب نے تو کوئی ظلم نہیں کیا ہے اُنہوں نے تو ظلم کیا ہے لوگوں کو گمراہ کیا ہے ہاں جنکی تعریف خدا نے کی ہے وہ جہنم میں نہ جائیں گے اور جنکی تعریف خدا نے نہیں کی ہے اُنکے جہنمی ہونے میں کیا شبہ ہے اور ایک ہی گناہ اُنکا ایسا ہے کہ وہ اُنکو جہنم میں لیجائیگا اور گناہوں کا تو کیا ذکر ہے اور جو کہ گدھے اور اُلو ہیں وہ اُنکے گناہوں کو تعریف سمجھینگے اور جو کہ منصف و دانشمند ہیں وہ کاہیکو سمجھیں گے اور بادشاہ اپنے ملازموں کو باوجود خطا کرنیکے کچھ نہیں کہتے تو وہ خطائیں قابل عفو کرنے کی ہی ہوتی ہیں اور اگر ایسی خطائیں ہوں کہ جس سے فساد اُسکی سلطنت میں پڑ جائے اور رعیت اُسکی بے راہ ہو جائے تو بے شک سزائے کامل اُنکو پہنچائیگا ایسے ہی بعضے صحابہ جنہوں نے ظلم کئے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کیا ہے وہ مرتے ہی اپنی سزا کو پہنچ گئے اور مواخذہ اُن سے ہو گیا اور آخرت کا عذاب باقی ہے اور یہ اوصاف جو بیشتر اُنمیں تھے ہی نہیں یہ اوصاف پائے جائیں تو اُنکی خطائیں معاف ہوں اور اگر سردست کوئی وصف پایا گیا تو چاہیئے کہ وہ مدت الدوام ہوا اور جب دائم ہوا تو معاف ہونا خطاؤں کا معلوم اور انعام تو کہاں اور ہاں البتہ سوائے اُن لوگوں کے کہ جن کو ہم لکھ چکے ہیں کہ اُنکی یہ تعریف نہیں ہے اُن سب سے خدا تعالی کو محبت بھی ہے اور اُنکی پچھ پر بھی ہے اور جو اُنکا دشمن ہے وہ اُسکا دشمن ہے اور جو اُنکا دوست ہے وہ اُسکا دوست ہے نہ وہ لوگ کہ جنکو ہمنے اس تعریف سے مستثنے کیا ہے **قال الشیخ الاشعری** سو بفضلہ تعالی یہ سارا قصہ بعینہ ان آیات کے ملاحظہ سے سمجھ میں آتا ہے کیونکہ اول تو صحابہ کی تعریف ایسی بڑھ کر کری کہ اُس سے زیادہ کوئی تعریف کی صورت امتیوں کے حق میں سمجھ میں نہیں آتی پھر بعد ازاں فرمایا لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ یعنی جو کچھ صحابہ کے حق میں کہا تو کفار یعنی اُنکے دشمنوں کے جلانے اور چڑانیکے لئے کہا گیا ہے سبحان اللہ کیا علم محیط خداوندی ہے کہ بعد کے تمام احوال کے طرف اشارہ فرما دیا خدا کو تو پہلے ہی معلوم تھا کہ شیعہ اور نواصب اور خوارج صحابہ کے حق میں غمازیاں کرینگے اور اُنکی قدر و منزلت کا جو خدا کی درگاہ میں ہے کچھ خیال نکرینگے باقی رہی یہ بات کہ لیغیظ بہم کے ساتھ اعداءہم کا ہونا چاہیئے تھا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ کافروں ہی کو اُنسے دشمنی ہو تو ہو مسلمانوں کا کام تو یہ نہیں کہ خدا اُنکی تعریف کرے اور اُنکی سب خطائیں معاف کرے اور پھر بھی اُن سے حسد ہی کئے جائے جنکی خدا تعریف کرے اور خدا کی بات بات سے اُنکی محبت ٹپکے پھر کمبختی ہی نہیں کہ اُنکی بدی کرے اور برائیاں گائی اور خدا کو اپنا دشمن بنائے **اقول** ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ خدا تعالی نے تعریف صحابہ کی بہت بڑھ کر کے لیکن جن لوگوں کو ہمنے اس سے پہلے اس تعریف سے مستثنے کر دیا ہے وہ اس تعریف سے خارج ہیں اور لیغیظ بہم الکفار جو فرمایا ہے کہ یہہ بڑھ جانا اور ضعف سے قوت کیطرف پہنچنا مثل زراعت کے کفار کو غیظ میں لائے سو وہ بدولت ضرب ذوالفقار حیدر کرار اور دیگر اصحاب با مدار تھا کہ جو ڈٹ کر کفار سے تلوار کرتے تھے نہ ثلثہ کہ جو ہمیشہ بھاگتے رہتے تھے اور اُن تلوار مارنیوالوں ہی کو دیکھ کر وہ کفار غیظ اور غضب میں آتے تھے اور جب تعریف اُن مجاہدین کی ہوئی تو وہ بھگوڑے حسد کرکے جلتے ہوں گے اُنکے جلانے اور چڑانیکے لئے ایسا کہا گیا ہے اور شبہ تو اُن ڈٹ کر جہاد کرنیوالوں کے دوست اور مداح ہیں اُنکے حق میں کاہیکو ہوتا اور غمازیاں اُن سے حسد کرنیوالوں اور اُنکی دشمنوں کی کرتے ہیں کہ اُنکی دشمنوں کی قدر و منزلت درگاہ خدا میں کچھ ثابت نہیں ہے اور اُن مجاہدین کے حاسدوں اور دشمنوں کی افعال جو منجر بکفر ہیں اسی واسطے لیغیظ بہم کے ساتھ کفار کہا اور اعداءہم نکہا کہ کافروں ہی کو اُن سے حسد تھا اور مومن کا تو یہ کام نہیں کہ خدا اُنکی تعریف کرے اور پھر بھی اُنسے حسد کئے جائے اور جنکو یہ کہتا ہے کہ خطائیں اُنکی معاف کیں یہ سب غلط ہے اور اُنکی خطاؤں کا معاف کرنا کہیں ثابت نہیں ہے اور نہ اُنکی تعریف کی ہے اور تعریف خدا نے اُن لوگوں کی کی ہے جو اُسکی راہ میں جان بازیاں کرتے تھے اور خدا کی بات بات سے اُنکی ہی محبت ٹپکتی ہے چنانچہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ یعنی تحقیق خدا دوست رکھتا ہے اُن لوگوں کو کہ جنگ کرتے ہیں بیچ راہ خدا کے صف باندھنے والے ہو کر گویا کہ وہ ایک بنیاد ہے مضبوط سیسہ پلائی گئی اور بھگوڑوں کو خدا دوست نہیں رکھتا ہے اور

بعضے بھگوڑوں کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ قول آئندہ میں ہم لکھیں گے ہی۔ اور جو کوئی کہ ان مجاہدین سے حسد اور دشمنی کرے تب پھر بخشی ہو سکتی نہیں کہ خدا کو دشمن اپنا بنائے **قال الشیخ الاشعری** یا یوں کہیے کہ منکران صحابہ کو جو نوبت کلمہ گوئی آئی اور بزعم خود مسلمان ہوئے تو یہ صحابہ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے نہ وہ جہاد کرتے نہ اس طرح اسلام پھیلتا اور نہ یہ کلام اللہ کا رواج ہوتا کہ شیعہ تک باوجودیکہ کلام اللہ کو ان سے کیا نسبت کلام اللہ کی تلاوت سے مستفید ہوتے ہیں پھر بایں ہمہ اگر انکے شکر گزار نہوں تو پھر کس کے ہونگے اور انکے حق میں گستاخی کرینگے تو پھر کس کا ادب کرینگے ان سے زیادہ بڑھکر اور کون کافر نعمت ہوگا اس لئے جناب رب تعالیٰ نے دشمنان صحابہ کو کافر فرمایا پھر چونکہ علم غیبی میں صحابہ کی نسبت بدگوئی اور گستاخی کا ہونا متحقق تھا تو جیسے مثال مذکور میں غمازوں کے لئے بیان کیا تھا ایسے ہی ایسے ہی غمازان صحابہ کو سنا سنا کر یہ ارشاد فرماتے ہیں وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا یعنی حاصل سکا اس صورت میں یہ ہوا کہ ای منکران صحابہ یہ جماعت صحابہ جنکی ہم تو تعریف کرتے ہیں اور تم پھر بھی انکی بدگوئی سے باز نہیں آتے اور تسپر بھی نہیں سمجھتے اگر بالفرض ایسے ہی ہیں جیسے تم کہتے ہو اور واقعی انسے خطائیں ہوئیں ہیں جنکو تم گاتے پھرتے ہو تب کیا ہوگا ہمنے تو یہ وعدہ کر لیا ہے کہ انمیں سے جو ایمان رکھتا ہوگا اور اس نے اچھے اچھے عمل کئے ہوں گے ہم اسکے خطائیں ہی معاف کر دینگے اور انکو اجر عظیم بھی دینگے پھر جب وہ کافروں کے ساتھ تیز و تند ہوں اور آپس میں محبت رکھتے ہوں نماز میں ہمیشہ مشغول رہیں سوا خدا کے رضامندی اور اسکے افضال کے اور کہیں کے طلبگار نہوں تو ہم انکے گناہ کیونکر نہ معاف کریں اور انہیں کسی عذر سے انکی ایمان اور اعمال صالحہ کا اجر نہ دیں اس سے زیادہ ایمان اور اعمال صالحہ کے اور کیا صورت ہے اگر یہ شرط ہوتی کہ ایمان اور اعمال صالحہ کی ساتھ گناہ بھی کسی قسم کا نکریں تب بھی ایک بات تھی اس وعدہ میں تو یہ شرط نہ تھی اہل فہم اس سے سمجھ گئے ہونگے کہ منہم جو بعد عملوا الصالحات کے بڑھایا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ وعدہ حقیقت میں منکروں کے جواب کے لیے بیان کیا گیا ہے اور اسکی یہ صورت ہے جیسے مرقوم ہوئی ورنہ یہ معنی اگر ہوں کہ کوئی انمیں سے ایمان لایا اور عمل صالح کئے اور کوئی کافر بھی رہا نعوذ باللہ تو اسکو ہم جانتے ہیں شیعہ بھی باور نکرینگے اسلئے کہ خدا کے لئے تو یہ بھی معتقد ہیں کہ خدا جسے مومن بتلائے وہ مومن ہی ہے کافر نہیں سو خدا نے انکے ایمان اور اعمال صالحہ کی پہلی ہی گواہی دیدی بلکہ ایمان اور اعمال صالحہ میں سے بھی اول قسم کے ایمان اور اول قسم کے اعمال صالحہ کی گواہی دی کیونکہ ایمان میں تو اس سے بڑھکر کوئی ایمان نہیں کہ خدا سے محبت اس درجہ کو پہنچے کہ اسکے دشمنوں سے کسے باشد اپنا ہو یا بیگانہ عداوت ہو جائے اور اسکے دوستوں سے کسے باشد محبت ہو جائے کیونکہ سب کے نزدیک بالاتفاق محبت اعلیٰ مقامات ایمان میں سے ہے اور پھر وہ بھی اسقدر اور وجہ اسکی ظاہر ہے اسلئے کہ ایمان کہتے ہیں کسی چیز کے یقین کو کے تسلیم کر لینے کو سو اصطلاح شرع میں خاص خدا کے کمالات پر یقین کر لینا اور پھر انکو تسلیم کر لینا یعنی مثلاً احکم الحاکمین ہے تو اسکے یہ معنی ہوئے کہ اول تو خدا میں اس وصف کو یقین سمجھے پھر تسلیم بھی کرے سو حاکم کی حکومت کی تسلیم کرنے کے یہی معنی ہیں کہ اس سے منحرف نہو جائے علی ہذا القیاس سب کمالات کو سمجھو **اقول** کہ صحابی ہے کہ جن نے صحبت رسولخدا صلعم کی حاصل کی اور ایمان پر مرا اسکا تو کوئی بھی منکر نہیں ہے اور اگر منکر ہیں تو ان لوگوں کے ہیں کہ انہوں نے صحبت تو رسولخدا صلعم کی حاصل کی لیکن صحبت حضرت کی انکو کچھ اثر نہ کیا آخر کو بسبب حب جاہ اور طمع دنیا کے ایمان صحیح پر باقی نہ رہے اور مرتد ہوگئے اور مسلمانوں کے ایمان کے حاصل ہونے میں صدقہ ان صحابہ کی جوتیوں کا ہے جنہوں نے جہاد کئے راہ خدا میں اور مقتول ہوگئے یا زخمی ہوگئے یا کفار کو قتل کیا اور کفار کے مقابلہ سے رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر بھاگے نہیں مثل ابوبکر اور عمر اور عثمان وغیرہ کے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ اور قرۃ العینین میں شاہ ولی اللہ پدر مولوی عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے کہ جنگ احد میں صحابہ نے فرار کیا تو پہلے جس نے کہ معاودت کی ابوبکر تھے اور پیچھے انکے ابوعبیدہ تھے اور تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ عمر اور عثمان وغیرہ اصحاب جہاد میں سے بھاگے اور رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑا اور ایسے بیخود ہو کر بھاگے کہ پیچھے کی کچھ خبر نہ رہی جناب رسولخدا صلعم انکو پکارتے تھے کہ کہاں بھاگے جاتے ہو ادھر آؤ میں ہوں رسولخدا کیا خدا اور رسول سے بھاگتے ہو کوئی پھر کر نہ دیکھتا تھا اور اگر کہیں کہ اس بھاگنے کا قصور تو معاف ہو گیا تھا تو ہمکو اس سے کیا کہ ہمارا کلام تو اسمیں ہے کہ وہ ہمیشہ بھاگتے رہتے تھے انکے جہاد سے کچھ فائدہ نہیں ہوا گو یہ گناہ ضمن میں سب بھگوڑوں کے معاف ہو گیا ہو اور بعد اسکے پھر بھی تو بھاگے ہیں جنگ حنین میں بھاگے اور جنگ خیبر میں بھاگے اور سوائے اسکے کئی جہادوں میں سے بھاگے انہوں نے کچھ جہاد نہیں کیا ہے جو کہا جاوے کہ یہ کلمہ گوئی انکی جوتیوں کا صدقہ ہے بلکہ حضرت علی کی جوتیوں کا صدقہ تھا کہ جس نے بضرب ذوالفقار ترقی اسلام کی اور کے مسلمانوں کو بڑھایا اور ابوبکر اور عمر نے انکے صدقے سے بادشاہی مسلمانوں کی حاصل کی اور جس وقت صحابہ بھاگ گئے اور جماعت کفار کی رسولخدا صلعم پر حملہ کرتی تھی تو حضرت فرماتے تھے کہ اے علی دفع کر انکو حضرت علی تن تنہا انکو قتل کرتے تھے اور متفرق کر دیتے تھے اسقدر لڑے کہ تلوار انکی ٹوٹ گئی اور رسولخدا صلعم نے ذوالفقار عنایت کی تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ ستر زخم علی کے بدن پر لگے تھے اور لافتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار جو مشہور ہے اسی روز ہاتف نے اسکی آواز دی تھی اور جنگ خندق میں تو حضرت علی نے

ایسے زبردست پہلوان عمرو بن عبدود کو مارا کہ اُسکے ہی مارے جانے سے لڑائی فتح ہو گئی اور خیبر کی لڑائی مشہور و معروف ہے کہ جب ابوبکر اور عمر بلکہ عثمان بھی بھاگ کر چلے گئے تو حضرت علی نے وہ لڑائی فتح کی اور مفصل حضرت علی کی شجاعت اور جانبازی کا حال تواریخ کی کتابوں میں لکھا ہے سو جو کچھ ترقی اسلام اور رواج کلام اللہ ہوا ہے سو وہ حضرت علی کی تیغ کے طفیل سے ہوا ہے نہ ثلثہ کے سبب سے اور کلام اللہ شیعوں کا تو دین و ایمان ہے تیری ثلثہ ہی کو نسبت قرآن کے کچھ نہ تھے کہ قرآن انکو یاد نہ تھا تو مسائل میں غلطیاں کرتے تھے اور عورتوں سے الزام کھاتے تھے اور عمر کو تو ایسے عدم مناسبت قرآن سے تھی کہ بارہ برس میں ایک سورہ بقر یاد ہوا تھا جسکی خوشی میں گائے ذبح کی تھی اور عثمان نے تو یہ غضب کیا ہے کہ کثرت سے آیتیں بلکہ بعضی سورتیں بھی قرآن میں سے نکال ڈالی اور جو قرآن کہ کامل تھے اور جناب رسولخدا صلعم نے اُنکی اور پر عمل کرنیکا حکم دیا تھا اُنکو جلوا دیا چنانچہ پہلے اس سے ہم اہل سنت کی کتابوں سے لکھ چکے ہیں اور بیشک ہم اُن لوگوں کے شکرگزار ہیں جنہوں نے جہاد کرکے دین کو بڑھایا اور بھگوڑوں کے شکرگزار کیونکر ہو جائیں اور مجاہدین ہی کا ہم ادب کرتے ہیں نہ بھگوڑوں کا اور جو کچھ گستاخی کرتے ہیں وہ بھگوڑوں کی نسبت کرتے ہیں نہ مومنین خالصین کی اور کافر نعمت وہ ہیں کہ جنہوں نے کفران نعمت اُن لوگوں کا کیا کہ جن لوگوں نے بڑی جانبازیوں سے جہاد کرکے اسلام کو قوی کیا تھا کہ اُن سے حسد کیا اور اُنکے حقوق دبا بیٹھے اسواسطے باریتعالی نے حاسدان صحابہ مجاہدین کو کافر فرمایا پھر چونکہ علم غیبی میں صحابہ مجاہدین کی نسبت حسد کا ہونا متحقق تھا جیسے مثال مذکور میں حاسدوں کے لئے بیان کیا گیا تھا ایسے ہی حاسدان مجاہدین کو بھی سنا سنا کر یہ ارشاد فرماتے ہیں وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا اسواسطے کہ رسولخدا صلعم کے ہمراہیوں میں سے خدایتعالی اُن لوگوں کو فرماتا ہے اور وعدہ مغفرت اور اجر عظیم کا اُن لوگوں سے کرتا ہے کہ انہیں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور اعمال نیک اُنہوں نے کئے ہیں سب ہمراہیوں سے اور جنکے اعمال اچھے نتھے اور جہادوں میں سے بھاگتے تھے اُن سے یہ وعدہ نہیں ہے اور سوا اسکے یہ ہے کہ اُن میں یہ اوصاف بھی نتھے کہ مومنین سے بسختی پیش آتے تھے جیسا کہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے اور اگر اُنکا ایمان ظاہر ہے اور اعمال نیک فرض کئے جائیں تو بھی وہ موافق تحریر اس شیخ کے اس وعدہ سے خارج ہیں کہ اسنے آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی تفسیر میں پہلے اس سے لکھا ہے کہ من بیانیہ ضمیر پر نہیں آتا ہے بلکہ من تبعیضیہ آتا ہے سو اس صورت میں یہ معنی ہونگے کہ جو کہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم ہیں انہیں سے بعضوں کے واسطے وعدہ مغفرت اور اجر عظیم کا ہے نہ کل کے واسطے سو اس وعدہ سے وہی لوگ خارج ہونگے جو جہادوں میں سے بھاگتے تھے اور مومنین پر سختیاں کرتے تھے اور یہ جو اس آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ اے منکران صحابہ الخ سو جو کہ صحابہ ہیں کہ جنہوں نے صحبت رسولخدا صلعم کی پائی ہے اور ایمان پر مرے ہیں اُنکا تو کوئی منکر ہی نہیں ہے اور اُنکی ہی خدایتعالی تعریف کرتا ہے نہ اُنکی جو کہ مرتد ہو گئے تھے اور اسیواسطے موافق تحریر اس شیخ کے من تبعیضیہ مناسب ہے اسواسطے کہ ارتداد سے پہلے تو وہ بھی کچھ ایمان اور اعمال صالحہ رکھتے تھے سو مومنین صالحین میں سے بعض سے وعدہ ہے اور خطاؤں کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کیسی ہیں اگر وہ خطائیں منجر بکفر اور موجب ضلالت مردم اور حقوق الناس ہیں تو وہ ہرگز بخشے نہ جائینگے اجر عظیم تو کجا اور جب ایسا حال ہے تو ایمان صحیح اور عمل نیک بھی نہوا اور موافق تحریر اس شیخ کے اگر وہ ایمان اور عمل نیک رکھتے ہیں تو انمیں سے بھی مغفرت بعضوں ہی کی ہے نہ کل کی اور سوا اسکے یہ ہے کہ مغفرت اُنکے واسطے ہے جن میں وصف اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کا تھا اور جو لوگ کہ برعکس اسکے تھے کہ کفار پر تو سختی نہیں کرتے تھے بلکہ جہاد میں اُنکے مقابلہ میں سے بھاگ جاتے تھے اور سختی مومنین پر کرتے تھے جیسا کہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے اُن لوگوں کی مغفرت کا وعدہ نہیں ہے اور جن لوگوں میں ہمارا کلام ہے نہ وہ تیز و تند کفار پر تھے اور نہ محبت آپس میں رکھتے تھے اُنکے گناہ معاف نہونگے اور جو کہ بعضے اُنمیں سے مرتد ہو گئے ہیں ارتداد سے پہلے وقت نزول اس آیت کے وہ بھی کفار پر تیز و تند تھے اور آپس میں محبت رکھتے تھے اور نماز میں مشغول رہتے تھے اور خدا کی رضامندی کو طلب کرتے تھے لیکن بعد ارتداد کے کچھ فائدہ اسنے اُنکو نہ بخشا اور ارتداد بعضے صحابہ کا ثابت ہے اور رسولخدا صلعم نے بھی اسکی خبر دی ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور سب کے سب کافروں پر تیز و تند ہونا یہ کہاں سے نکلتا ہے خدایتعالی تو حضرت کے ہمراہیوں کو فرماتا ہے اور ہمراہ حضرت کے منافقین اور ضعیف الایمان اور مولفۃ القلوب بھی تھے وہ کاہیکو کفار پر تیز اور تند ہونگے اور اجر ایمان اور عمل صالح کا اُن لوگوں کے واسطے ہے کہ جو دم واپسیں تک مومن رہے نہ کل کیواسطے اور بیشک ایمان اور عمل صالح کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ کوئی گناہ ایسا نکریں کہ جو موجب دخول نار ابدالاباد ہو اور اگر یہ شرط نہو تو معلوم ہوا کہ خدایتعالی نے جو فرمایا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اور رسولخدا صلعم نے جو فرمایا ہے کہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ صرف خدا کے پروردگار کہنے سے اور محمد صلعم کے رسولخدا کہنے سے ہمیشہ بہشت میں رہے چاہے اپنی ماں اور بہن اور دختر سے زنا کرے اور شراب نوش کرے اور مومنین کے حقوق غصب کرے اور اُنکو آزار پہنچائے اور صالح سے تو یہ مراد ہے کہ عمداً گناہ کبیرہ عمل میں نہ لائے چہ جائے کہ اکبر الکبائر پہلے سب کا صالح ہونا ثابت کرو تب گفتگو کرو اور منہم کا بعد عملوا الصالحات کے اسواسطے نہیں بڑھایا ہے جیسا کہ تو کہتا ہے قرآن میں تحریف کسواسطے کرتا ہے بلکہ اسواسطے بڑھایا ہے کہ جو کہ مومنین صالحین ہیں انکے ہی واسطے

مغفرت ہے نہ انکے غیر کے واسطے یہ من منہم میں بیانیہ ہوا۔ ہماری تحریر کے موافق تبعیضیہ ہے تو مومنین صالحین میں سے بھی بعضوں ہی کے واسطے مغفرت ہے نہ کل مومنین کے واسطے
اور منکرین بعض صحابہ کا جواب معقول تو کسیطرح نہیں ہوتا وہ تو محال ہے اور خدا تعالی اس آیت میں والذین معہ فرماتا ہے سو ہمراہ حضرت کے سب کے سب مومنین کب تھے بلکہ
بعضے منافقین اور بعضے ضعیف الایمان بھی تھے پھر یہ معنی کیونکر نہوں گے کہ کوئی ان میں سے ایمان لایا اور عمل صالح کئے اور کوئی کافر ہی رہا نعوذ باللہ کہنے کا یہاں کون
محل ہے اور شیعہ کیا جو کہ سمجھا رہے ہو گا وہ ایسا ہی کہیگا جیسا کہ میں کہتا ہوں لیکن خدا تعالی نے ان ہمراہیوں میں سے مومنین صالحین کو مستثنے کر لیا ذکر جو کہ تا دم اخیر
ایمان صحیح اور عمل صالح پر باقی رہا اور ان میں سے بھی کچھ مرتد بھی ہو گئے ہیں جنکی ارتداد کی رسولخدا نے خبر دی ہے کہ میرے بعضے صحابہ کو دوزخ میں لیجائیں گے اور ان لوگوں
ہی کیطرف خدا تعالی خطاب کرتا ہے کہ یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ اور انکے ہی حق میں فرماتا ہے کہ ومن یرتدد منکم عن دینہ اور خدا تعالی نے ان سب کو مومن بھی
نہیں فرمایا ہے بلکہ یہہ فرمایا ہے کہ جو کوئی مومن ہووے غیر تعین کے ساتھ اور خدا تعالی نے ہرگز ان سب کے ایمان اور عمل صالح کی گواہی نہیں دی ہے اور نہ وصف اشداء
علی الکفار رحماء بینھم ان سب میں ثابت ہے جیسا کہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے اور بعضے ان میں سے ایسے تھے کہ یقین بھی ان میں نتھا بلکہ نبوت میں رسولخدا صلعم کے شک کرتے تھے جیسا کہ ہم
پہلے اس سے لکھ چکے **قال الشیخ الاشعری** مگر یقین کے چند مرتبہ میں ایک تو علم الیقین یہ تو ادنے مرتبہ ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے کسی معتبر آدمی سے ہم سنیں کہ
فلانے جگہہ فلانی چیز ہے ایسا یقین تو ہر ادنے مسلمان کو حاصل ہے اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بالاتفاق سچے ہیں انکی خبر سے معلوم ہوا کہ خدا میں سب کمالات
ہیں اگر اتنا یقین بھی نہو تو ایمان ہی نہیں دوسرا مرتبہ عین الیقین یعنی جو کانوں سے سنا تھا وہ آنکھوں سے دیکھ لیا سو اس مرتبہ میں یقین پہلے مرتبہ سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ
سنکر گو کسی چیز کا یقین ہو جاے لیکن وہ بات نہیں ہوتی جو آنکھوں سے دیکھنے میں ہوتی ہے اسیواسطے خوبصورتوں کی وصفے اکثر کانوں سے سنتے ہیں اور رغبت نہیں ہوتی اور
آنکھوں سے دیکھنے میں جو کچھ ہوتا ہے سب جانتے ہیں لیلی اور شیرین اور حضرت یوسف ع کی ان کے مرنیکے بعد کسیکو محبت نہوئی حالانکہ شہرہ انکے حسن و جمال کا جتنا اب ہی
جب نہوگا بلکہ اس سے صاف یوں معلوم ہو گیا کہ سننے سے کسیکو محبت ہوتی ہی نہیں ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام سے کسیکو تو محبت ہوتی اپنے زمانہ کی خوبصورتوں
سے تو محبت ہو جائے اور ان سے نہو وجہ اسکی اور کچھ نہیں کہ سننے سے بوجہ صورت محبت پیدا نہیں ہوسکتی ورنہ حضرت یوسف تو حضرت یوسف ہی تھے اور جو کہیں سننے
سے ہو بھی ہے تو وہ بھی دیکھنے کا ہی طفیل ہے یعنی آنکھوں سے جو خوبصورت نظر آتے ہیں اور انکو دیکھنے سے ایک کیفیت ہوتی ہے تو پھر اگر سنتے ہیں کہ فلانا خوبصورت
ہے تو اسے اپنے تجربہ سابق پر قیاس کر لیتے ہیں اور اسوجہ سے گونہ اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے ورنہ فقط سننے سے کچھ نہیں ہوتا اسلئے مادرزاد اندہے کو جسے تشکل صورت کا تصور
ہی نہیں ہوتا اور خوبصورت اور بدصورت کو ہرگز نہیں سمجھتا اسے بوجہ صورت کسی سے محبت نہیں ہوسکتی چنانچہ سب جانتے ہیں بالجملہ عین الیقین کے درجہ میں اگر کوئی چیز
جمیل اور مجموعہ کمال ہوتی ہے تو اس سے بشرط مناسبت طبیعت محبت ہو جاتی ہے پھر ایک مرتبہ یقین کا حق الیقین ہے وہ یہ ہے کہ جس چیز کو آنکھوں سے دیکھا ہے اسکے استعمال
اور برتنے کا بھی اتفاق ہو جیسے پانی کا ایک تو دیکھنا پھر دیکھ کر اسے پی بھی لینا اب پینے کے بعد یہ احتمال ہے کہ شاید شراب ہو یا دیکھنے میں غلطی ہوئی ہو باقی نہیں رہتا
غرض یہ مرتبہ یقین ہونے میں عین الیقین سے بڑھ کر ہے اس مرتبہ میں وہ محبت جو دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے اور بھی بڑھ جاتی ہے بلکہ حقیقت میں دیکھئے تو محبت اسی درجہ
میں پیدا ہوتی ہے اسلئے کہ پانی سے جو محبت ہے تو اسی وجہ سے ہے کہ وہ پیاس کو بجھا دیتا ہے سو یہ بات تو پینے ہی سے معلوم ہوئی اگر کوئی شخص ایسا فرض کرو کہ اسنے
نہ کبھی پانی دیکھا ہو نہ سنا ہو نہ اسکے یہ تاثیر معلوم ہو اور نہ کبھی اسے پانی کی ضرورت ہوئی ہو پھر اسے ایک دفعہ ہی پیاس لگی اسوقت اسکے سامنے اگر پانی آجاے
تو وہ کیا جانے کہ اس میں یہ تاثیر ہے اور اس سے میری پیاس بجھ جائیگی بجز اسکے کہ یا تو خدا اسکے جی میں ڈالدے کہ اسے استعمال کیجیو یا کوئی اسے بتلادے اسے ہرگز
پانی کیطرف یہ گمان نہوگا لیکن خوبصورتوں کو دیکھنا اسوجہ سے برتنا ہی ہے کہ جیسے گلزار کے دیکھنے سے جی کو راحت ہوتی ہے ویسے ہی انکے دیکھنے سے جان و دل کو آرام
ہوتا ہے بالجملہ عقل سلیم یوں کہتی ہے کہ محبت حق الیقین کے مرتبہ میں ہوتی ہے چنانچہ واضح ہو گیا اگر اندیشہ طویل نہوتا تو اس بحث کو پورا بیان کرتا مگر ناچار ہوں فرصت
کم پھر اپنا خرچ اوقات اور یہ جواب خط کی جلدی لہذا اتنی ہی پر اکتفا کرتا ہوں بالجملہ محبت مرتبہ حق الیقین میں پیدا ہوتے ہیں اور یہ اعلے قسم یقین کی ہے اور پھر محبت
میں اعلے قسم یہ ہے کہ محبوب کے لواحق و توابع تک محبت پہنچ جاے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اسکے دشمنوں سے عداوت ہو جاے **اقول** اس مقام میں اس تطویل
لاطائل سے کیا فائدہ ہے اور معنی علم الیقین اور عین الیقین کے استطرادی تہی عبارت مختصر میں ادا ہو سکتی تہی اور اس مقام میں جو لکھا ہے خارج بحث ہے سو
اور معلوم نہیں سو لخدا صلعم سے بھی محبت چاہئے کہ نہیں سو انکے لواحق اور خدا تعالی کی توابع سے تو بعضوں نے یہ محبت کیے کہ انکو آزار پہنچایا اور انکے حقوق غصب کیے اور بعضوں نے انکو قتل کر دیا
قال الشیخ الاشعری سو جب جناب رسالتماب نے سب صحابہ کے حق میں اسبات پر گواہی دی کہ انکے دلمیں ہمارے دشمنوں کی دشمنی اور ہمارے دوستوں کی دوستی ہے تو صاف واضح ہو گیا کہ انکے دل میں

خدا کی محبت پہلی ہی باقی کوئی یوں کہے کہ مسلمانوں سے محبت ہونے کو یہ کیا لازم ہے کہ خدا ہی کے سبب سے محبت کے بہت اسباب ہیں نسب کی وجہ سے ہوتی ہے احسان اور سلوک کی دوستی اور سوا اسکے اور بہت صورتیں ہیں علیٰ ہذا القیاس دشمنی کی بہت وجوہ ہیں جبتک یہ محقق نہو کہ وہ محبت اور دشمنی خدا کے سبب سے تب تک مطلب ثابت نہیں ہوتا تو جواب اسکا اول تو یہ ہے کہ جب کسی وصف کے ساتھ محبت اور دشمنی کو متعلق کرتے ہیں تو عرف میں وہ محبت اور دشمنی اس صفت ہی کی وجہ سے سمجھی جاتی ہے مثلاً کوئی یوں کہے کہ مجھے خوبصورتوں سے محبت ہے یا عالموں سے محبت ہے علیٰ ہذا القیاس کوئی یوں کہے کہ مجھے متکبروں سے عداوت ہے یا کافروں سے عداوت ہے تو کوئی ناانصاف بھی اسکے سمجھنے میں تامل نہیں کرتا کہ یہ محبت اور یہ عداوت ان اوصاف ہی کی وجہ سے ہے اور یوں کسیکو احتمال بھی نہیں ہوتا کہ شاید کسی اور وجہ سے ہے سو خدا نے بھی اشداء علی الکفار کہا یعنی کافروں پر تیز اور تند ہیں اور کافر کے یہی معنی ہیں کہ خدا کا دشمن ہو تو معلوم ہوا انکی عداوت بوجہ کفر ہے کسی اور وجہ سے نہیں اور جب بوجہ کفر ہوئی تو خدا ہی کی محبت کے سبب ہوئی ایسی ہی رحماء بینہم کو سمجھئے یعنی ایک دوسرے کو جو آپسمیں محبت ہے تو فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور آپکے زمرہ میں داخل ہوجانے کے باعث ہے اور اسکا حاصل بھی یہی ہے کہ خدا کے متعلقوں میں سے ہیں اور جب یہ سمجھکر ہوئی تو وہی خدا واسطے کی محبت ہوئی **اقول** نہ تو خدا تعالیٰ نے سب صحابہ کے حق میں یہ گواہی دی ہے کہ ہمارے دشمنوں کی دشمنی انکے دلمیں ہے اور نہ یہ کہ ہمارے دوستوں کی دوستی انکے دل میں ہے بلکہ یہ فرمایا کہ محمد صلعم اور انکے ہمراہی کافروں پر بہت سخت ہیں اور آپسمیں وہ مہربانی کرتے ہیں اور بڑی سختی کافروں پر یہ ہے کہ انکو قتل کریں اور مہربانی آپسکی یہ ہے کہ کسی مومن کو آزار نہ پہنچائے سو جو لوگ کہ جہاد میں کفار کے مقابلہ میں سے بھاگ جاتے ہیں اور کفار پر کچھ سختی نکرتے تھے اور مومنین کو آزار پہنچاتے تھے اور انکے حقوق غصب کرتے تھے وہ اس سے خارج ہوگئے کہ انمیں وصف اشداء علی الکفار رحماء بینہم کا نہتا اور اس صورت میں وہ سوال و جواب ہی بیموقع ہے اور حال تیزی اور تندی کا انکی کافروں پر جہادوں میں معلوم ہوگیا اور بار بار عداوت کو جو بیان کرتا ہے عداوت کا تو ذکر ہی اس آیت میں نہیں ہے اسمیں تو کفار پر سخت ہونے کا ذکر ہے البتہ سختی کرنیکو عداوت لازم ہے سو سختی انسے کفار پر کچھ نہو سکی اور نہ آپسمیں رحم اور مہربانی ہو سکی بلکہ مومنین کو رنج پہنچائے اور جب انکو رنج پہنچایا تو خدا تعالیٰ کی محبت ثابت نہوئی **قال الشیخ الاشعری** مہذا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا اسبات کو خوب ثابت کر دیا کہ انکے ہر کام میں خدا کی رضامندی مد نظر ہے سو کفار سے سختی کی باتیں اور آپسکی عنایتیں سب خدا کی رضامندی کے لئے کرتے ہیں اور خدا کی رضامندی کی طلبگاری عین نشان محبت ہے سو محبت کے اور کوئی وجہ رضا کی طلبگاری کی ممکن ہی نہیں اور بہشت کی تمنا میں جو لوگ خدا کی مرضی کے کام کرتے ہیں تو وہ حقیقت میں خدا کی مرضی کی طلب نہیں ہوتی جنت کی طلب ہوتی ہے جیسے فقیر روٹی کی وجہ سے مالداروں کی خوشامد کرتے ہیں تو حقیقت میں وہ انکی رضا کے طالب نہیں مقصود اصلی انکا روٹی ہی ہوتا ہے بالجملہ رضا جوئی محب ہی کا کام ہے الغرض صحابہ کرام کو جو کفار سے عداوت تھی اور اپنے لوگوں سے محبت تھی تو فقط خدا ہی کی محبت کا ثمرہ تھا اور چونکہ محبت مرتبہ حق الیقین میں ہوتی ہے اور وہ اعلیٰ درجہ یقین کا ہے تو لازم آیا کہ سب صحابہ کو خدا کی عظمت اور جاہ و جلال اور کمال اور جمال کا اتنا یقین ہو کہ اس سے اوپر کوئی یقین کا مرتبہ ہی نہیں اور ہر تسلیم اس درجہ کو تھی کہ اسکے آثار خود موجود تھے چنانچہ باری تعالیٰ نے خود اسکی خبر دی اور کہا تراہم رکعا سجدا الخ اگر تسلیم نہوتی تو یہ اعمال کیوں کرتے اور یہی الفاظ معیت جملہ یبتغون انکے اعمال صالحہ کی بھی خبر دیتے ہیں تو اب بوجہ اکمل انکا ایمان کامل اور اعمال صالحہ جن پر وعدہ مغفرت اور اجر عظیم تھا ثابت ہوگیا تو پھر احتمال کہ رسول اللہ صلعم کے ہمراہیوں میں سے کوئی مسلمان تھا اور کوئی نتھا اور اسوجہ سے منہم فرمایا تو یہ شیعوں ہی سے ہو سکتا ہے کیونکہ انکے نزدیک اگر بدیہیات کا انکار اور محال کے تسلیم ممنوع نہوتی تو سبھوں کے مذہب سے روگردان ہو کر مذہب شیعہ پر کیوں مستقیم ہوتے اگر اندیشہ تطویل نہوتا تو اس دعوی کی دو چار دلیلیں بیان کرتا مگر سمجھنے والے اسی رسالہ میں سے اس مطلب کو سمجھ جائینگے انکے لئے یہی دلیل بہت ہے **اقول** کئی مرتبہ ہم لکھ چکے ہیں کہ جن لوگوں کو تم اچھا کہتے ہو اور سب سے افضل مقرر کرتے ہو اور ہم انکو اچھا نہیں جانتے ہیں انکو رضامندی خدا کی ہرگز مد نظر نتھی اور اگر رضامندی خدا کی منظور ہوتی تو معرکہ جہاد میں سے رسول خدا صلعم کو تنہا چھوڑکر بھاگتے نہیں اور رسول خدا صلعم کے ارشاد کو رد نکرتے اور ہذیان نہ ٹھہراتے کہ وہ وحی خدا کی تھی اور کونسا کام رضامندی خدا کا انہوں نے کیا ہے کسی کافر کو اپنے ہاتھ سے مارا نہیں کوئی زخم جہاد میں کھایا نہیں اور اپنی خلافت میں لوگوں کو اپنی ترقی ریاست کے واسطے لڑنیکو بھیجدیتے اور خود اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے آرام کرتے تھے کفار پر سختی انہوں نے کس روز کی اور مومنین کاملین کو تو وہ آزار ہی پہنچاتے تھے جیسا کہ ہم لکھ چکے اور طالب رضامندی خدا کے کسدن ہوئے اسکی رضامندی تو اسکی راہ میں جانبازی کرنے کی جہت سے تھی سو انسے وہ ظہور میں آئی اور محبت بھی خدا کی منحصر اسکی راہ میں تکلیفیں اٹھانیکی جہت سے تھی جہادوں میں اور مجاہدین ہی کو خدا تعالیٰ دوست رکھتا ہے نہ بھگوڑوں کو چنانچہ فرماتا ہے إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ اور انہوں نے تو بہشت کی تمنا میں بھی کوئی تکلیف نہ اٹھائی وہ تو تمنا ریاست دنیا کی رکھتے تھے اور اسی کے طالب تھے اور عداوت کا جو تو بار بار ذکر کرتا ہے آیت میں تو یہ نہیں ہے اور عداوت کفار کی تو

اُسوقت معلوم پڑتی ہی کہ جب عداوت کا کوئی کام کرتے بعضے مومنین ہی سے اپنی عداوت نکالی کہ کسیکا حق غصب کیا کسیکو ذلیل اور بےعزت کیا اور نبوت میں رسولخدا کی شک کیا اور ایسے لوگوں سے محبت کہاں کی پس اس جہت سے خدا سے بھی محبت نہوئی اور حق الیقین کا تو مرتبہ بہت بڑا ہی وہ تو اسوقت حاصل ہوتا کہ جب خدا کی محبت میں کوئی جز کا کھاتی انکی تو کبھی تکبیر ہی جاری نہوئی اور رکوع اور سجدہ کا حال بھی اُنکے کہیں مذکور نہیں ہے جیسا کہ اوروں کا مذکور ہے تو کہاں سے کہتا ہے اور صرف دعوی ہی تیرا ہی دروغ اور کوئی سند بھی انکے واسطے بیان کی ہو خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے انکے واسطے کہ جنمیں یہ اوصاف تھے اور لکھتا ہے انکے واسطے کہ جنمیں وہ اوصاف پائے نہیں جاتے تھے انکا ایمان کامل اور عمل صالح کونسی وجہ سے ثابت ہوا اور رسولخدا صلعم کے ہمراہیوں میں کسیکا مسلمان ہونا اور کسیکا مسلمان نہونا تو قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت کے ہمراہ منافق بھی کئی آدمی تھے اور اصحاب ہی میں مخلوط تھے اور حذیفہ کو اُنکے حال سے حضرت نے خبر دی تھی اور سوا اُنکے اور کسیکو مطلع نہیں کیا تھا صحیح بخاری میں لکھا ہی کہ قَالَ ابْنُ مُلَيْكَةَ اَدْرَكْتُ ثَلٰثِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلٰى نَفْسِهٖ یعنی کہا ابن ملیکہ نے کہ پایا میں نے تیس آدمیوں کو اصحاب پیغمبر میں سے کہ کل انکے خوف کرتے تھے نفاق کا اپنے نفسوں پر اور احیاء العلوم میں امام غزالی نے ایکسو تین اور دوسری روایت میں پانسو لکھی ہیں اور حذیفہ جو مطلع تھے منافقین سے تو حضرت عمر حذیفہ سے پوچھتے تھے کہ مجکو تو رسولخدا نے شمار نہیں کیا ہی منافقین میں سے چنانچہ احیاء العلوم میں لکھا ہی کہ عمر نے حذیفہ سے پوچھا کہ هَلْ عَدَّنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِی الْمُنَافِقِیْنَ یعنی کیا شمار کیا مجھ کو رسولخدا صلعم نے منافقین میں سے اور میزان ذہبی میں لکھا ہی کہ عمر نے حذیفہ سے کہا ہی کہ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ اَنَا مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ یعنی اے حذیفہ قسم دیتا ہوں میں تجھکو ساتھ خدا کے میں منافقوں میں سے ہوں اور بعد اسکے انشاء اللہ تعالیٰ فدک کے ذکر میں نفاق شیخین کا اہل سنت کی کتب صحاح سے ہم ثابت کرینگے منتظر رہنا چاہئے اور بدیہیات کا انکار شیعوں میں ہرگز نہیں ہے اور نہ وہ محال کو تسلیم کرتے ہیں یہ کام تو اہل سنت کا ہی اور دیکھ تو رسولخدا صلعم کے ہمراہیوں میں کسیکا مسلمان ہونا اور کسیکا مسلمان نہونا قرآن سے اور تیری کتابوں سے ثابت ہی کہ نہیں تو نے کیسی بدیہی بات کا انکار کیا اور تو وہ ہی کہ فدک کے ہبہ کے دعوی کو تو نے انکار کیا ہی ایسی بدیہی بات کو جو بیس تیس کتابوں میں اہل سنت کی لکھی ہوئی ہی اور ثلاثہ کے عیبوں کو جو بدیہیات میں سے اور درایات میں سے ہیں اُنکا تو انکار کرتا ہے اور اس طرح سے چھپاتا ہی کہ جیسے بلی اپنی گوہ کو چھپاتی ہی اور عورت لتہ حیض کو پوشیدہ کرتی ہی اور دیدار خدا کا جو کہ محال ہی اُسکو تو تسلیم کرتا ہے انکار بدیہیات کا اور تسلیم محالات کی تمہارا کام ہی اور اب تو نے کیا لکھا ہی دو دو چار دلیلیں لکھتا اگر لکھتا تو وہ بھی رد ہو جاتیں اور جو کوئی ہماری تحریر کو اس کتاب میں دیکھیگا وہ بخوبی سمجھ جائیگا کہ جو کچھ تو نے لکھا ہے وہ سب پوچ اور باطل ہی **قال الشیخ الاشعری** باقی کوئی یوں کہے کہ صحابہ کو اگر مرتبہ حق الیقین تھا اور وہ اعلی مراتب یقین ہے تو رسول اللہ صلعم لے لیے اُنہوں نے کوئی مرتبہ ہی نہ چھوڑا اصحابہ کیوں کہتے ہو رسول کہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ علم الیقین میں سو آدمیوں سے اگر ایک خبر سنیں اور اُسمیں یقین ہو جاوے تو وہ بھی علم الیقین ہے اور ہزار سے سنیں تب علم الیقین ہے اور ایک ہاتھ کے فاصلہ سے دیکھئے وہ بھی علم الیقین ہے لیکن دوسری صورت میں جو وضاحت ہے وہ پہلی صورت میں نہیں اسی طرح ایک دفعہ پانی پیجیے یا تھوڑا سا پیجیے وہ بھی حق الیقین ہے اور کئی بار پیجیے یا بہت سے پیجیے وہ بھی حق الیقین ہی سو دوسری صورت میں جو بات ہے وہ پہلی صورت میں نہیں یکدفعہ میں بسا اوقات چنداں حال معلوم نہیں ہوتا ہاں کئی بار میں البتہ خوب معلوم ہوتا ہے الغرض حق الیقین میں شریک ہونے سے مساوات لازم نہیں آتی با اینہمہ افضلیت کا محبت پر ہی معلوم ہونے پر نہیں بسا اوقات ایک خاص الخصوص کو دو آدمی برابر دیکھتے ہیں ایک کو محبت ہوتی ہے ایک کو نہیں عجب ہوتی بھی ہے تو برابر نہیں ہوتی رسول صحابہ کو خدا سے اتنی محبت نہ تھی جتنی رسول صلعم کو خدا سے تھی **اقول** یہ سوال ہم نہیں کرتے ہیں تم اپنی طرف سے کیوں تراشتے ہو اسواسطے کہ ہمارے نزدیک تو حق الیقین اُن صحابہ کو حاصل ہی نتھا جنکو تم کہتے ہو اور اگر کسیکو حاصل تھا تو وہ رسول کیونکر ہو جائیگا حق الیقین میں برابر ہونے سے اور حضرت علی کو حق الیقین حاصل تھا تو انہوں نے فرمایا لو کشف الغطاء لما ازددت یقینا **قال الشیخ الاشعری** اب ایک بات قابل بیان کے ہے اور باقی ہی وہ یہ ہے کہ شاید حضرات شیعہ کو موافق قول مشہور خوے بد را بہانہ بسیار صحابہ کی بزرگی کی تسلیم میں یہ حیلہ اور باقی ہو کہ صحابہ میں باہم اکثر مناقشات ہوئے اور اُنکے باہم اکثر رنج رہے اور نزاع ظہور میں آئے چنانچہ فریقین کی کتابوں میں موجود ہی پھر اُنکو رحماء بینھم کیونکر ہم کہیں اور جب یہ نہیں تو پھر کسوجہ سے یوں کہا جائے کہ وہ کامل الایمان تھے بلکہ یوں احتمال ہوتا ہے کہ جن سے حضرت امیر علیہ السلام کو رنج پہنچایا اُن سے لڑے نہ وہ رحماء بینھم کے مصداق تھے نہ اُن پر اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ صادق آتا تھا اور لفظ مِنْهُمْ جو بعد عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بڑھایا ہے تو انہیں کے اخراج کے لیے بڑھایا ہے اس شبہ کا جواب ہرچند ہمارے ہی ذمہ نہیں کیونکہ بعینہ یہی احتمال خوارج اور نواصب بھی پیش کر سکتے ہیں شیعوں کو بھی اس اعتراض کا فکر جواب لازم ہے مگر بغرض تسکین خاطر شیعہ و سنی یہ معروض ہی کہ رنج دو وجہ سے ہوتا ہی ایک بوجہ عداوت ایک بوجہ محبت بوجہ عداوت کے تو صورت اظہر ہے دشمنوں کو جو دشمنوں سے رنج ہوتی ہیں وہ اسی قسم کے ہیں باقی بوجہ محبت کے یہ صورت ہی کہ کسیکا دوست کسی خلاف مرضی اور خلاف توقع کرے تو یہ رنج بوجہ محبت اسلئے کہ اگر اجنبی ایسی باتیں کرتے ہیں تو اُنسے کچھ رنج نہیں ہوتا اس سے خوب معلوم ہوتا ہے کہ یہ رنج فقط محبت کا ثمرہ

ثمرہ ہے اگر محبت نہوتی تو یہ رنج نہوتا ایسے ہی اگر صحابہ کو بھی سمجھ لو تو بہت ہوگا تو یہی ہوگا کہ خدا کے کلام کو تسلیم کرنا پڑیگا **اقول** جو کچھ سوال میں لکھا ہے یہ سب صحیح
اور درست ہے اور جسقدر صحابہ میں آپس میں نزاعیں اور عداوتیں و قتل و قمع وقوع میں آیا ہے سب کتابوں میں مندرج ہے انکار اسکا کسیطرح نہیں ہوسکتا
اور باقی رہا فرقہ خوارج اور نواصب وہ نہایت قلیل اور خال خال ہیں اُنکا کچھ اعتبار نہیں ہے اور سواد اعظم اسلام میں یہی دو فرقہ ہیں اہل سنت اور شیعہ اثنا عشریہ اگرچہ اہل سنت
بہ نسبت شیعوں کے کچھ زیادہ ہیں ان دونوں ہی کے مذہب میں کتب متداولہ کثرت سے موجود ہیں اور ان دونوں مذہبوں ہی میں ہمیشہ سے گفتگو چلی آئی ہے اور سوا اسکے
یہ ہے کہ خوارج کو رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ یمرقون عن الدین یعنے باہر نکلجاوینگے دین سے جب وہ دین ہی سے خارج ہوگئے تو انکے جواب کی کچھ احتیاج نہیں ہے وہ تو مثل یہود اور
نصاری کے ہوگئے انکا جواب وہ ہی ہے جو ملحدوں کا جواب ہے اور نواصب ایک شاخ اہل سنت ہی کے مذہب کی ہے مگر فرق اسقدر ہے کہ وہ اہل بیت علیہم السلام سے بظاہر عداوت
رکھتے ہیں اور اہل سنت بظاہر عداوت اُن سے نہیں رکھتے ہیں لیکن اُنکے فضائل کی تضییع اور تنقیص کرتے ہیں اور اُنکے دشمنوں سے دوستی رکھتے ہیں اور اُنکو اچھا جانتے ہیں اور
جو کتب احادیث کہ اہل سنت کی ہیں وہ ہی نواصب کے ہیں اور خوارج اور نواصب بھی تو اپنے تئیں مسلمان جانتے ہیں اور جب وہ مسلمان ہوئے تو خود اُنپر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ خدا تعالے
نے آیت میں اُن لوگوں کی تعریف کی ہے کہ جنہوں نے آپس میں عداوتیں اور نزاع اور فساد کئے وہ ہمپر کیا اعتراض کرینگے خود اُنپر ہی اعتراض ہوتا ہے البتہ یہود اور نصاری سب
مسلمانوں پر اسکا اعتراض کرسکتے ہیں اور نصاری نے ایسے ایسے بہت اعتراض کئے ہیں اور مسلمانوں نے اُنکا جواب لکھا ہے اور باقی رہی آیت مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ
سو ظاہر ہے کہ ہمراہ حضرت کے سب طرح کی آدمی تھے مگر جن میں اوصاف اس آیت کے ہیں اور اُنمیں ایمان اور عمل صالح تادم مرگ باقی رہا وہ لوگ مراد ہیں اور اُن سے ہی وعدہ آیہ
مغفرت کا اور بموجب آیت قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی دوستی حضرت کے قریبوں کے کہ وہ علےؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ ہیں بموجب روایات کے
واجب ہے پس جن لوگوں نے اُن سے عداوت کی ہے اور نزاع کیا ہے واسطے حب ریاست کے اور طلب مال و جاہ کے اور انکے حقوق کو غصب کیا ہے وہ ایمان صحیح اور اعمال صالحہ پر باقی
نہیں رہے ہیں وہ لوگ اُس وعدہ سے خارج ہونگے اور رنج کے جو تفریق کی ہے دو وجہ کی ایک تو بوجہ عداوت اور ایک بوجہ محبت سو جو رنج کہ بوجہ محبت ہوتا ہے اُسکو تو یہاں
کسی طرح دخل ہی نہیں ہے اور نہ اُس سے بحث ہے یہاں تو مراد اُس سے ہے کہ جو بوجہ عداوت ہے اگر کوئی کسیکا حق غصب کریگا اور وہ اپنے حق کے غاصب کو خائن اور غادر کہیگا تو وہ
کونسا عقل کا اندھا ہے کہ اس رنج کو دوستانہ بتلائیگا صلاح الدین رومی نے حاشیہ میں شرح عقائد نسفی کے لکھا ہے کہ ابوبکر میں اور فاطمہ زہرا میں فدک کی
جہت سے عداوت پیدا ہوگئی تھی اور اسقدر رنج ہوا ابوبکر سے کہ تادم واپسیں ابوبکر سے کلام نہ کیا اور کسی کے گھر کے جلانے کو آگ اور لکڑیاں لیجانا کیا یہ دوستی ہی کی
راہ سے ہوگا اور ہزاروں مومنین کا قتل کرنا اور قتل کروانا جنگ جمل اور جنگ صفین میں اور عثمان کا قتل کروانا جو بعضے صحابہ سے وقوع میں آیا چنانچہ بعد اسکے
عثمان کے قتل کے ذکر میں آئیگا کیا یہ دوستی ہی کی رنج سے ہوگا اور عثمان کو کہنا اُقتلوا نعثلا اور لعن اللہ نعثلا اور اُقتلوا احراق المصاحف اور صحابہ کبار کو بعزت
کرنا اور مدینہ منورہ سے اخراج کرنا اور زد و کوب کرنا اور زد و کوب کرکے مروا ڈالنا یہ کیا محبت ہی کی رنج سے ہوگا اور تفصیل اسکی سب اس کتاب میں موجود ہے کچھ تو
گزر گئی ہے اور کچھ انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ کو لکھی جائیگی اور جو رنج کہ محبت کی راہ سے ہوتے ہیں وہ اور رنج ہیں ایسے رنج نہیں ہوتے ہیں اور بعض صحابہ کو رنجوں و عداوتوں
کو ایسا نہیں سمجھ سکتے جیساکہ یہ لکھتا ہے اور آیت کا مطلب ہم بیان کرچکے کہ مراد اُس سے کل صحابہ نہیں ہیں **قال الشیخ الاشعری** سو نعوذ باللہ مثل زرارہ
بن اعین اور احول طاق وغیرہ مقتدایان شیعہ جو شہادت ائمہ اور کتب شیعہ جھوٹے اور کذاب ہیں چنانچہ انشاء اللہ مذکور ہوگا کچھ خداوند کریم تو جھوٹا اور کذاب نہیں
جو تنا خواہ معلوم ہو مگر جنکو جھوٹی باتوں کے تسلیم کرلینے کی خو ہو وہ سچے کلام اگرچہ خدا ہی کے کیوں نہو کیونکر تسلیم کریں معہذا ہم یوں پوچھتے ہیں کہ سنی تو حسب
اعتقاد شیعہ اس قابل ہی نہیں کہ اُنکی کتابوں کی روایت کو تسلیم کیا جائے باقی رہی شیعوں کی روایتیں اُنکا حال یہ ہے کہ جن راویوں سے شیعہ اپنے دین و
ایمان کی باتیں لیتے ہیں اور مابین شیعہ اور حضرات ائمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ واسطہ ہیں اُنکا حال یہ ہے کہ ہشام بن سالم اور میثمی اور صاحب طاق یعنی احول
طاق وغیرہم جو انکے مقتدا و پیشوا اور احادیث کے محمول بہا کے راوی ہیں اُنکی جو کچھ بدنیاں اور خوبیاں ہیں اور حضرات ائمہ نے انکے فضائل بیان کئے ہیں وہ سب
تو اس رسالہ میں نہیں آسکتے پر بطور نمونہ کے کچھ معروض بھی ہے کلینی جو اصح کتب شیعہ ہے اُسمیں یہ حدیث ہے عن ابراہیم بن محمد بن الخزاز و محمد بن الحسین قالا دخلنا
علی ابی الحسن الرضا علیہ السلام فقلنا ان ھشام بن سالم والمیثمی و صاحب الطاق یقولون ان اللہ تعالیٰ اجوف الی السرۃ والباقی صمد فخر للہ ساجدا ثم قال سبحانک ما عرفوک ولا وحدوک
فمن اجل ذلک وصفوک حاصل روایت کا یہ ہے کہ ابراہیم بن محمد خزار اور محمد بن حسین بیان کرتے ہیں کہ ہم امام ابوالحسن رضا علیہ السلام کے پاس گئے پہنچے کہا کہ ہشام بن سالم
اور میثمی اور صاحب الطاق یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ناف تک تو کھوکھلا ہے اور باقی ٹھوس ہے آپ سنتے ہی سجدہ میں جا پڑے اور یہ فرمایا کہ الٰہی تو پاک ہے ان

ان عیبوں کے نہ ان لوگوں نے تجھے پہچانا اور نہ انہوں نے تجھے وحدہ لا شریک جانا اسی سبب سے جو کچھ لکھنے کے مستحق نہیں آیا ہے سب کے تئیں دوسری روایت بھی
کلینی ہی کی ہے علی بن حمزہ قال قلت لابی عبداللہ علیہ السلام سمعت ہشام بن الحکم یروی عنکم ان اللہ جسم صمدی نوری معرفتہ ضرورۃ یمن بہا علی من یشاء من عبادہ فقال سبحان
من لا یعلم کیف ہو الا ہو لیس کمثلہ شیء وھو السمیع البصیر لا یحد ولا یحس ولا یجس ولا یحیط بہ شیء ولا جسم ولا صورۃ ولا تحدید
حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ ابن حمزہ کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ ہشام بن حکم تم سے روایت کرتا ہے کہ خدا جسم ہے ٹھوس
سو اسکے جواب میں حضرت امام ہمام رضی اللہ عنہ نے کچھ ایسا ہی فرمایا جیسا امام ابوالحسن رضا نے فرمایا تھا مطلب قریب قریب ہے اب ان روایتوں کو دیکھئے کہ مقتدایان
امامیہ کیا کیا معرفتیں تراشتے ہیں پھر تسپر اماموں کا حوالہ دیتے ہیں **اقول** زرارہ وغیرہ کو جو لکھا ہے کہ یہ مقتدایان شیعہ بشہادت ائمہ اور کتب شیعہ جھوٹے اور
کذاب ہیں اول تو یہ مقتدا شیعوں کی نہیں ہیں راویان اقوال ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں اور راوی سب طرح کے ہوتے ہیں اور انحصار
کچھ ان کی ہی روایتوں پر نہیں ہے اور مدار ہمارے مذہب کا روایات مستفیضہ تو یہ پر ہے اور واسطے کثیر روات کے انکی ہی آمیزش ہو گئی تو کیا قباحت ہے اور ان
لوگوں کے حال کی تجھے خبر ہی نہیں ہے چنانچہ معلوم ہوگا اور تکذیب کی کوئی روایت کسی امام سے اور کسی کتاب سے لکھے نہیں کہ حال اُسکا معلوم ہوتا اور بعد اسکے جو ہشامین
کے حال کی دو روایتیں لکھی ہیں وہ انکی بد اعتقادی پر البتہ دلالت کرتے ہیں سو اسکا جواب سن لینا اور اگر اس راہ سے وہ کاذب تھے کہ اہل بیت علیہم السلام کے
فضائل اور ثلثہ کے عیوب بیان کرتے تھے تو ہم انکے فضائل میں اور انکے عیوب میں اُن روایتوں کو لیتے ہیں کہ جن پر طرفین کا اتفاق ہے اور روایتیں ثلثہ کے عیوب کی
تو دونوں مذہبوں میں ہیں اور انکے فضائل کی روایتیں صرف تمہارے ہی مذہب میں ہیں وہ اعتبار سے ساقط ہونگی اور صرف عیوب ہی کی روایتیں
قابل تسلیم کے ہونگی اور کاذب تمہارے مقتدا ہیں کہ جن کو حضرت علی اور حضرت عباس کاذب او خائن اور غادر جانتے تھے چنانچہ فدک کے ذکر میں اسکا بھی ذکر ہوگا
اور راوی تمہاری کتابوں کے جھوٹے ہیں جن پر مدار تمہاری مذہب کا ہے چنانچہ یہ بھی معلوم ہوگا اور کتابیں اہل سنت کی گو ہمارے نزدیک قابل اعتبار
نہیں ہیں کہ اُن میں روایات موضوعہ بھی مندرج ہیں لیکن اہل سنت کے نزدیک وہ معتبر ہیں اور اگر انکے نزدیک وہ معتبر نہوں تو مذہب ہی انکا باطل
ہو جائے اور جب انکے نزدیک وہ معتبر ٹھہریں تو انکے الزام کے لئے کفایت کرتے ہیں اور انکے حوالہ سے اہل سنت کو ہم الزام دے سکتے ہیں کہ وہ اس سے انکار نہیں کر سکتے
اور ہشامین شیعوں کے راویوں میں سے بڑے معتمد تھے اور ابو حنیفہ کو اکثر انہوں نے الزام دئیے ہیں اور یہ دو روایتیں کافی کی جو لکھی ہیں یہ حال انکا اُس زمانہ کا
ہے کہ مذہب حق اُنہوں نے ہنوز اختیار نکیا تھا اور حضرت امام علیہ السلام کی خدمت میں وہ مشرف نہوئے تھے اور مذہب انکا جہمی تھا اور جس روز سے کہ انہوں نے
حضرت امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچکر توبہ کی ہے اور مذہب کو اختیار کیا ہے اُس روز سے مومن کامل اور بڑے معتمدین میں سے ہو گئے ہیں اور زمانہ ہدایت کے
اعتقاد کا قیاس زمانہ ضلالت کے اعتقاد پر نہیں ہو سکتا اگر کوئی سنی ملا اپنے مذہب کے موافق کتاب لکھکر شیعہ ہو جائے اور کوئی شیعہ اپنے مذہب میں کتاب
لکھ کر سنی ہو جاوے تو سنی اور شیعہ اُسکے پہلے مذہب کی تحریر کو ہرگز معتبر نجانینگے اور ہمنے فرض کیا کہ وہ تجسیم خدا کی قائل تھے لیکن ہمارا تو یہ اعتقاد نہیں ہے
اور تمہاری عندیہ میں جسوقت کہ وہ ہمارے پیشوا ٹھہرے تو چاہئیے تھا کہ ہم اُنکے دین کے مطابق اپنا دین رکھتے اور ہمارا دین جو انکی تجسیم کے دین کے مطابق نہیں ہے
تو معلوم ہوا کہ انکی جو کوئی روایت امام علیہ السلام سے ہماری کتاب میں ہے وہ زمانہ انابت اور رجوع الی الحق کے ہے اور زمانہ ضلالت کی وہ روایتیں نہیں ہیں
اور اگر امام علیہ السلام کیطرف منسوب کر دیا ہے تجسیم کی روایت کو تو امام علیہ السلام نے خود اُسکو رد کر دیا اور جیسے کہ انکی روایتیں ہیں زمانہ حق کے ایسی ہی اور انکی
بھی روایتیں ہیں اور جو روایت کہ انکے زمانہ ضلالت کی ہے اُسکے مطابق اور کسی راوی امام کی روایت نہیں ہے اور یہ حال انکی بد مذہبی کا انکو ہماری کتابوں سے
معلوم ہوا ہے ایسے ہی انکا حال ہماری کتابوں میں انکے کمال ایمان اور علم اور قربت اور مصاحبت امام علیہ السلام کا بھی لکھا ہے بعد رجوع کرنے کے طرف دین حق کے
صحابہ بھی تو پہلے آخر بت پرست ہی تھے پھر کیسے مصاحب رسول خدا صلعم کے ہو گئے اُنکے زمانہ کفر کی بات کا کب اعتبار ہے اور ہشامین کو تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتقاد
اُنکا زمانہ ضلالت کا تھا اور تمہاری صحاح میں تو روایتیں تجسیم کی موثقین سے منقول ہیں اور اُن روایتوں کو رسول خدا صلعم کیطرف منسوب کرتے ہیں چنانچہ ابن
اثیر نے جامع الاصول میں حدیث طولانی صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ سے روایت کی ہے ابو سعید خدری سے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ جسوقت مشرکین
اور یہود اور نصاریٰ بحکم خدا صعید دوزخ میں داخل ہونگے اور موحدین باقی رہجائینگے تو خدا تعالیٰ بروز قیامت موحدین کے آگے آئیگا اور اپنی صورت کو دکھلائیگا
اور کہیگا کہ میں تمہارا خدا ہوں وہ کہیں گے کہ پناہ بخدا ہم کسیکو شریک خدا کا نہیں کرتے ہیں تو ہمارا خدا نہیں ہے خدا تعالیٰ کہیگا کہ تمہارے پاس کوئی

علامت ہی کہ خدا کو اپنے اُس سے پہچانو تو وہ کہینگے کہ ہاں وہ برہنہ کرنا خدا کا اپنے ساق کو ہی اُسوقت خدا تعالی اپنے ساق کو کھولیگا اور وہ سجدہ میں گر جائینگے
اور خدا کو اُس پہلی صورت میں دیکھیں گے اور خدا کا اقرار کرینگے اور صحیح بخاری اور مسلم سے روایت کی ہی کہ بروز قیامت مومن خدا کے پاس جائیگا تو خدا تعالی اپنا
دامن اُسپر ڈالکر گناہونکا اُس سے اقرار کرائیگا اور صحیح بخاری اور مسلم اور ترمذی سے روایت کی ہی کہ خدا تعالی دوزخ کو پُر کریگا تو وہ کہیگا کہ ہل من مزید یعنی اور زیادہ ہی
اُسوقت خدا تعالی اپنا قدم اُسپر رکھیگا تو وہ پُر ہو جائیگا اور ترمذی نے عائشہ سے روایت کی ہی اور اُس میں یہ ہے کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ خدا تعالی نیمہ شعبان کو
آسمان دنیا پر اُترتا ہے اور اکثر کو بخشتا ہی اور مشکوۃ میں عبدالرحمن بن عائش سے لکھا ہی کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار کو بہت نیک صورت میں دیکھا
مجھ سے کہا کہ کس چیز میں تو جھگڑتا ہی ملاء اعلے سو بعد اسکے اپنی ہتیلی میری شانوں کے درمیان رکھی تو اُسکی خنکی میری پستان کو پہنچی اور کتاب الاعتقادات
میں ابی اسمعیل حنبلی نے کہ وہ امام احمد حنبل کے مذہب پر تھا لکھا ہی کہ خدا تعالی اعضاء اور جوارح مثل بنی آدم کے رکھتا ہی اور غنیۃ الطالبین میں پیر دستگیر
نے لکھا ہی کہ نازل ہوگا جبار اپنی عرش پر اور قدم اُسکے کرسی پر ہونگے اور اہل حدیث یعنی تابعین امام مالک مثل مضر و کہمس و احمد الہجیمی وغیرہ کی قائل تشبیہ
خدا تعالی کے ہوئے ہیں چنانچہ ملل نحل میں لکھا ہی اور لکھا ہی کہ یہ لوگ خدا تعالی کے اعضا اور ابعاض ثابت کرتے ہیں اور تجویز کرتے ہیں خدا تعالی سے مصافحہ
اور معانقہ کو اور داؤد جواری سے کہ وہ اُنہیں میں سے ہے حکایت کرتے ہیں کہ فرج اور ریش سے تو مجھکو معاف کرو اور سوائے اُسکے اور سب اعضاء سے سوال کرو کہ وہ خدا تعالی
کے واسطے ہیں اور داؤد جواری سے منقول ہی کہ خدا تعالی اوپر سے سینہ تک خالی اور مجوف ہی اور سوائے اُسکے پُر اور ٹھوس ہے اس طرحکی بہت نقلیں اہل سنت کے بزرگوں
کی ہیں ان روایتوں کو دیکھئے کہ مقتدایان اہل سنت کیا کیا معرفتیں تراشتے ہیں پھر تسپر پیغمبر خدا صلعم کا حوالہ دینے میں ہشامین کا کیا قصور ہے اور ہمتو ہشامین
کو اُس حالت میں کہ جو دونوں روایتوں میں ہے مومن نہیں جانتے اور یہ لوگ اُن مجسمہ کو مومن اور اپنا پیشوا و مقتدا اور بزرگ سمجھتے ہیں اور جو کہ رسولخدا صلعم سے روایات
جسم خدا بیان کرتے ہیں وہ وہ ہیں کہ جن کو تم کہتے ہو کہ رسولخدا صلعم نے اُنکے حق میں فرمایا ہی اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم اور ہم ہشامین کو ایسے نجوم تو نہیں جانتے
ہیں **قال الشیخ الاشعری** علے ہذا القیاس بعضی انکے مقتدا اور پیشوا خدا کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خدا ازل میں جاہل تھا جیسے زرارہ بن اعین اور بکر بن اعین
اور سلیمان جعفری اور محمد بن مسلم وغیرہم اور کہانتک بیان کروں ایسے ایسے بزرگواروں سے دین کی باتیں روایت کرتے ہیں اور پھر اُن روایتوں کو صحیح سمجھتے ہیں
اور اُنکا نام صحاح رکھتے ہیں اور یہ فسانے انہیں کے معتبر کتابوں سے معلوم ہوتی ہیں یقین ہی کہ علماء سب تسلیم کرینگے اور اگر موافق عادت بزرگان دروغ پسند
سنیوں کے سامنے جھوٹ بولجائیں اور انکار کر جائیں تو اپنے دلمیں ضرور منفعل ہونگے **اقول** جو کچھ اسنے اس قول میں لکھا ہی اور خدا تعالی کا ازل میں جاہل ہونا
زرارہ وغیرہ کے نزدیک لکھا ہی سب غلط ہی اور ہماری کسی کتاب میں نہیں ہے اور جو کسی ناصبی نے یہ لکھا ہی تو اُسکا اعتبار نہیں ہے مولوی عبدالعزیز صاحب کی پیروی
سے کہ جنہوں نے شیعوں پر سیکڑوں تہمتیں کی ہیں یہ بھی لکھتا ہی اور اگر کسی کتاب میں ہوتا تو اُسکا حوالہ دیتا جیسے کہ کافی کی روایتونکا حوالہ دیا ہی اور ان بزرگوں
میں کچھ قباحت نہیں ہی سب صحیح الاعتقاد تھے اور اُن سے ہم وہ روایتیں لیتے ہیں کہ جو موافق قرآن اور احادیث نبوی کے ہیں ان سے روایتوں کے لینے میں کیا قباحت
ہے عنقریب تیری کتابوں کے راویوں کا حال آتا ہی اُسکو معلوم کریگا تو تجھکو خبر ہوگی کہ تیری کتابوں کی راوی کیسے ہیں اور ہمارے راویوں میں کچھ قباحت نہیں ہے
اور ہماری کتابوں میں جو کوئی روایت کسی بعضی بدمذہب کی ہی تو وہ اُس زمانہ کے نہیں ہی جس زمانہ میں کہ وہ فاسد العقیدت تھی بلکہ زمانہ صحت ایمان کے ہیں جیسے
صحابہ کہ اُن سے اکثر روایتیں ہیں اور حال یہ ہی کہ پہلے وہ کافر تھے لیکن روایتیں اُنکی زمانہ ایمان کی ہیں نہ زمانہ کفر کی اور تمہاری کتابوں کے راوی وہ ہیں
کہ جو وقت روایت کے فاسد العقیدہ تھے اور اہل بیت علیہم السلام سے عداوت رکھتے تھے اور ہمارے راویوں کی روایتوں کو تم اگر اسواسطے اچھا نہیں جانتے کہ وہ خلفاء اور دشمنان
آل رسول کے عیب بیان کرتے ہیں تو اُنکے بھی روایتوں پر ہم اکتفا نہیں کرتے بلکہ اہل سنت کی کتابوں کی روایتوں سے مطابقت کر لیتے ہیں اور جو روایت کہ
دونوں فرقوں میں ہی اُسکو ہم پیش کرتے ہیں اور جو روایت کہ خاص ہماری ہی کتاب کی ہی اُسکو ہم پیش نہیں کرتے اور جو طعن کہ ہم ثلثہ پر کرتے ہیں وہ بموجب روایات
اہل سنت کرتے ہیں اپنی روایتوں سے اور اگر اہل سنت ہماری کسی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں تو ہم اُسکا انکار نہیں کرتے بلکہ تسلیم کرتے ہیں لیکن جواب معقول اُسکا
دیتے ہیں بخلاف اہل سنت کے کہ جب وہ جواب سے عاجز ہوتے ہیں بالکل انکار کر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روایت ہماری کسی کتاب میں نہیں ہی جیسے کہ روایت دعوی
ہبہ فدک کہ یہ روایت اہل سنت کی بیس تیس کتابوں میں لکھی ہی اور مولوی عبدالعزیز صاحب نے اُسکا بالکل انکار کیا اور تحفہ میں لکھا کہ ہماری کسی کتاب میں یہ
روایت نہیں ہی اور اُنکی پیروی سے تو نے بھی انکار لکھا ہی اور فدک کی گفتگو میں انشاء اللہ تعالی اُسکا ذکر ہوگا منتظر رہنا چاہئے کہ تیرا اور مولوی صاحب مذکور کا

کیسا جھوٹ ثابت کرتا ہوں اور شیعوں کے منفعل ہونے کی کوئی بات ہی نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** سبحان اللہ اسبات کی رعایت تو سنیوں میں ہے کہ جن
کتابوں کا نام صحاح رکھتی ہیں اور انہیں معتبر سمجھتے ہیں اُنمیں بجز پارساؤں اور متقیوں اور دینداروں کے اور کسی سے روایت نہیں لاتے تو اس غرض سے کہ
کوئی اس روایت کی وجہ سے دھوکا نہ کھا جاے اسلئے بتلا جاتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے یا موضوع یعنی بنائی ہوئی جھوٹی روایت ہے **اقول** سنیوں میں ہرگز اسبات
کی رعایت نہیں ہے صحاح ستہ میں اہل سنت کی راوی جیسے کہ دروغگو اور بدمذہب اور روایتوں کے وضع کرنیوالے ہیں ایسے کسی مذہب میں نہونگے اور ہماری
کتابوں میں جو کوئی روایت ضعیف یا تقیہ کی ہے تو ہمارے علماء بھی اُس سے خبر کر دیتے ہیں لیکن موضوع اور جھوٹی روایتیں ہماری کتابوں میں نہیں ہیں
جیسے کہ اہل سنت کی کتابوں میں ہیں اور اُن روایتوں کو صحیح کہتے ہیں اور اکثر روایتیں اہل سنت کی بدمذہبوں سے منقول ہیں کہ جنکو صحاح ستہ
میں داخل کیا ہے اور اُن روایتوں کو صحیح لکھتے ہیں اور اب اہل سنت کی روایتوں کے راویوں کو سننا چاہئے کہ بعضے تو مجسمہ ہیں اور اس سے پہلے دوسرے
قول میں ہم مفصل بیان کر چکے ہیں حال اُنکا کہ خدا تعالیٰ کے واسطے جسم ثابت کرتے ہیں مثل احمد اور کہمس وغیرہ کے اور بعضی راوی اہل سنت کے کذاب اور وضع کرنیوالے
روایتوں کے ہیں مثل احمد بن صالح مصری کے اور بخاری بہت روایتیں اُس سے لیتا ہے اور حال اُسکا نسائی نے لکھا ہے چنانچہ کہا کہ سالت یحیی بن معین عن احمد
فقال کذاب یعنی پوچھا میں نے یحیی بن معین سے احمد بن صالح کے خال سے پس کہا کہ دروغگو ہے اور اسید بن زید ہاشمی کوفی کہ بخاری کی راویوں میں سے ہے قال ابن
معین حدث باحادیث کذب یعنی کہا ابن معین نے کہ جھوٹی حدثیں بیان کرتا ہے اور نعیم بن حماد کہ ابن عدی اُسکے شان میں کہتا ہے کان نعیم یضع الحدیث
فی تقویۃ السنۃ یعنی تھا نعیم کہ بناتا تھا حدیث کو قوت دینی سنت میں اور بخاری نے اپنی کتاب میں اُس سے روایت کی ہے اور مثل ابوہریرہ کے کہ وہ خود اقرار اپنے متہم
بکذب ہونیکا کرتا ہے چنانچہ صحیح مسلم میں باب استحباب بدو النعل بالیمنی میں لکھا ہے اور ابی زرین سے روایت ہے کہ ابوہریرہ نکلا ہماری طرف اور اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا
کہ تم بیان کرتے ہو کہ میں رسول خدا صلعم پر جھوٹ بناتا ہوں اور اہل سنت کی کتابوں کے راوی خوارج بھی ہیں جو کہ دین سے خارج ہوگئے ہیں اور اکثر راوی صحاح ستہ
شیعہ ہیں جو کہ ابوبکر اور عمر کی خلافت کے قائل نہیں ہیں اور منکر خلافت ابوبکر و عمر بعضوں کے نزدیک تو بدعتی ہیں اور بعضوں کے نزدیک کافر ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر
ہم انکی روایتوں کو ترک کر دیں تو اکثر احادیث ضائع ہو جائیں خصوصاً طبقۂ تابعین میں اور تبع تابعین میں کہ وہ شیعہ تھے اور مجہول حال سے بھی اہل سنت روایت
کرتے ہیں اور اطلاق صحیح کا اُسکی روایت پر کرتے ہیں جیسے کہ عباد بن آدم الہذلی کہ ابن ماجہ اُس سے روایت کرتا ہے اور منصور بن النعمان لشکری ابو حفص بصری کہ
بخاری تفسیر میں اُس سے روایت کرتا ہے اور مجہول ہونا انکا تقریب میں لکھا ہے اور عمر بن سعد کہ جس نے حضرت امام حسینؑ کو مع اقارب کے قتل کروایا اور مخدرات عصمت و
طہارت کو سر برہنہ شتران بے کجاوہ پر بٹھلا کر کوچہ و بازار میں اور شہر بشہر پھرایا ثقہ جانتے ہیں اور اس سے روایتیں لیتے ہیں چنانچہ مفصل تہذیب الکمال میں لکھا ہے اور
شمر ذی الجوشن کہ جو خود قاتل حسین علیہ السلام تھا اور اپنے ہاتھ سے اُسنے سر اُن حضرت کا تن سے جدا کیا اُس سے روایتیں اپنی کتابوں میں بیان کرتے ہیں چنانچہ ابن
عبد البر نے استیعاب میں شمر ذی الجوشن کے ترجمہ میں لکھا ہے اور اکثر راوی اہل سنت کے وہ ہیں کہ طریقہ حق سے تجاوز کر گئے تھے اور حد ظلم اور فسق کو پہنچے تھے بسبب
دشمنی اور حسد اور طلب ملک اور ریاست کے اور میل لذات اور شہوات کے چنانچہ ملا سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں لکھا ہے وما وقع بین الصحابۃ
من المحاربات والمشاجرات علی الوجہ المسطور فی کتاب التواریخ والمذکور علی السنۃ الثقات یدل بظاہرہ علی ان بعضہم قد حاد عن
طریق الحق و بلغ حد الظلم و الفسق و کان الباعث علیہ الحقد والعناد والحسد واللداد وطلب الملک والریاسۃ والمیل الی اللذات والشہوات
اذ لیس کل صحابی معصوما ولا کل من لقی النبی بالخیر موسوما اور ترجمہ اسکا پہلے اس سے گذر گیا ہے اور سوا اسکے راوی بھی بے اعتبار ہونگی روایتیں اہل سنت کی کتابوں میں
بہت ہیں اور یہ سب صحاح ستہ کی راوی ہیں اور انکی روایتوں پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنے مذہب کا مدار اُنکی روایتوں پر رکھا ہے اور یہ دروغگو اُنکو پارسا اور متقی
لکھتا ہے **قال الشیخ الاشعری** الغرض شیعوں کی دین کی روایتوں کا جب یہ حال ہے تو کتب تواریخ تو نور علی نور ہے ہونگے اور سنیوں کی روایت خود قابل
اعتبار نہیں تو اس صورت میں جو روایتیں کہ نزاع صحابہ اور باہم کی چپقلش پر دلالت کرتے ہیں کلام اللہ کے مقابل میں کیونکر اعتبار ہونگے بہرحال کلام اللہ تو متواتر
ہے جس صورت میں کلام اللہ میں رحماء بینہم ہوا اور اُسکے تمہارے نزدیک بھی یہی معنی ہوں کہ اُنمیں ہرگز کبھی رنج ہوتا ہی نہیں تو موافق قاعدہ اصول کے اُن روایات
کا اعتبار نہوگا جو کلام اللہ کے مخالف ہیں **اقول** شیعوں کے روایتوں کی کوئی قباحت نہ معلوم ہوئی کہ کیا ہے پہلے تو اپنی دو روایتیں لکھی ہیں کہ اُسمیں شیعوں کی
دو راویوں کے بدمذہبی ظاہر ہوتی ہے سو وہ بدمذہبی اُنکی اُس زمانہ کی ہے جس زمانہ میں وہ ہمارے راوی نہ تھے اور اگر اُنمیں سے کسینے بدمذہبی کے زمانہ میں اپنے قول کی

امام کی طرف منسوب کر دیا اپنی اعتبار کے واسطے تو خود حضرت امام علیہ السلام نے اسکی تکذیب کی اور بعد اسکے زرارہ وغیرہ کا مذہب جو بیان کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ خدا ازل
میں جاہل تھا اسکا کہیں پتا ہی نہیں ہے چنانچہ ہم لکھ چکے اور اپنی راویوں کی خبر نہیں لیتے کہ وہ کیسے بد مذہب اور دروغگو تھے اور سنیوں کی کتابیں ہماری سند
کے واسطے نہایت معتبر ہیں ور گرفت تو ہم اسیواسطے کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ سنیوں کی کتابوں میں موجود ہے اور کلام اللہ کے مخالف یہ مضمون نہیں ہے اور کلام اللہ میں
نہ تو صحابہ کے نام سے مذکور ہے اور نہ مومنین کے نام سے اسمیں تو یہ لکھا ہے کہ والذین معہ یعنی اور جو لوگ کہ ہمراہ اس حضرت کے ہیں اور ہمراہ حضرت کے منافقین بھی تھے اور وہ
صحابہ ہی میں تھے اور انکا ہمراہ حضرت کے ہونا قرآن ہی سے ثابت ہے سو وہ تو ان اوصاف کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتے جو اوصاف کہ اس آیت میں ہیں پس مراد اس
سے مومنین خاصین ہونگے اور مومنین کے اوصاف میں خدا تعالی فرماتا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا اور فرماتا ہے کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ
اور فرماتا ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ تو اس سے معلوم ہوا
کہ جو لوگ ایمان لائکر اسپر قائم رہے اور اپنے ایمان کو ظلم سے ملتبس کیا اور خدا اور رسول پر ایمان لاکر پھر شک کیا خدا میں یا رسول خدا صلعم کی نبوت میں اور جہاد راہ خدا میں
نکیا بلکہ جہادوں میں سے بھاگ گئے وہ لوگ حضرت کے ہمراہیوں میں سے مراد نہیں ہیں اور ایسے جو لوگ کہ ایمان لائے اور بعد ایمان کے کفر کیا چنانچہ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ
كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا وہ بھی مراد نہونگے اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے مومنین صادقین سے نزاعیں کیں اور جنگ کئے اور انکی حقوق غصب کر کے انکو رنج پہنچائے
اور انپر ظلم کئے اپنے ایمان کو اپنے ظلم سے آمیزش کر کے اور نبوت میں رسول خدا صلعم کے شک کیا اور جہادوں میں سے بھاگے رسول خدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر اور مومنین کو آزار پہنچائے
یہ لوگ مصداق رحماء بینہم کا نہونگے اور سوا انکے اور لوگ جو ہیں کہ وہ منافق نہ تھے اور نادم و السیں اپنے ایمان پر قائم رہے اور ایمان کو اپنے ظلم سے آمیز نکیا اور خدا کے
وجود میں اور اسکی وحدانیت میں اور پیغمبر کی نبوت میں شک نکیا اور جہادوں میں کفار کو قتل کیا اور مقتول ہوئے یا زخم کھائے وہ لوگ مصداق رحماء بینہم کا ہونگے اور
کلام اللہ تو ایک چیز مجمل ہے اور اسی پر بہتر فرقے میں اسکا حاصل تو روایتوں ہی سے واضح ہوتا ہے سو کلام اللہ کی آیت ان روایتوں کے مخالف نہیں ہے اور اگر
اس مجمل آیت پر عمل ہو تو چاہئے کہ منافقین اور مولفۃ القلوب اور ضعیف الایمان بھی جو حضرت کے ہمراہ تھے مثل مومنین کے مصداق رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا
يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ کا ہو جائیں **قال الشیخ الاشعری** اب بفضلہ تعالی جمیع امور متعلقہ آیہ مرقومہ بالا سے فراغت پائی لازم
یوں ہے کہ ایسی آیت بھی جو صحابہ کی بزرگی پر ایسی دلالت کرے کہ اظہر من الشمس ہو اور بسہولت فہم میں آجاے اور اس روایت سے انکا حسن خاتمہ بھی معلوم ہو جائے بیان کی جائے شاید
کوئی راہ پر آجائے **اقول** صحابہ کی بزرگی میں کسکو کلام ہے جن لوگوں نے کہ صحبت رسول خدا صلعم کی پائی ہے اور ایمان پر مرے ہیں اور خاتمہ انکا خیر پر ہوا ہے لیکن وہ صحابہ کہ
ایمان جن کا ظلم سے آمیزش رکھتا تھا انکے واسطے حسن خاتمہ ہرگز نہیں ہے اور نہ اس آیت سے جو لکھیگا ثابت ہے اور تم خود گمراہ ہو موجب اس مصرعہ کے ع او خویشتن
گم است کرا رہبری کند۔ تم کسکو راہ پر لاؤ گے پہلے اپنی راہ پر آنے کی فکر کرو **قال الشیخ الاشعری** لہذا آیت ششم معروض خدمت ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ
وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ
حاصل اسکے معنوں کا یہ ہے کہ جو لوگ قدیم ہیں پہلے وطن چھوڑ نیوالے اور مدد کرنیوالے اور جو انکے پیچھے آئے نیکی سے اللہ راضی ان سے اور وہ راضی اس سے اور تیار کر رکھی ہیں
اللہ نے انکے لیے باغ جنکے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں وہ انمیں ہمیشہ ہمیشہ یہی ہے بڑی مراد ملنی اس آیت کے بعد ہم جانتے ہیں کہ حق پرستی مد نظر ہوگی تو مولوی عمار علی
صاحب تو کس گنتی میں ہیں شیعہ صد سالہ بھی جسکے رگ و پے میں تشیع سما گیا ہو حق بول اٹھے اور کیونکر نہ حق بولے جناب باری تعالی نے اس آیت میں منکرین کا بر صحابہ
کے لئے حیلہ و حجت کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی اگر ایمان کا ذکر ہوتا یا اعمال صالحہ کا ذکر ہوتا تو شیعہ اور خوارج اور نواصب آنکھیں بند کر کے یوں بھی کہہ سکتے کہ
صاحب اسمیں مومنوں اور اچھے عمل والوں کے لیے خدا کا وعدہ ہے سو ہم کہتے ہیں کہ وہ دائرہ ایمان سے خارج ہیں سبقت ہجرت خلفاء ثلاثہ اور حضرت زبیر اور حضرت
طلحہ وغیرہم مہاجرین اولین کچھ ڈھکی چھپی بات نہیں جو انکار کر سکیں اور کہدیں کہ صاحب کسی نے تہمت لگادی ہوگی خصوصا خلیفہ اول کی ہجرت کہ وہ حضرت علی
کی ہجرت سے بھی سابق ہے اور مہاجرین اولین تو انہیں لوگوں کی نسبت اول گنے جائیں گے جو بعد جنگ بدر کے آئے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تو مہاجرین
اولین میں سے بھی مہاجر اول نکلے اس صورت میں تو اسی آیت سے انکی افضلیت نکل آئی کیونکہ در صورتیکہ اس آیت میں جتنے وعدے ہیں وہ سب سبقت ہجرت پر
منحصر موقوف ہوئے تو جو کوئی سبقت میں بھی سابق ہوگا وہ استحقاق وفاء وعدہ میں بھی اول نمبر ہوگا اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو البتہ ابو بکر صدیق
سے اتنا پہلے گھر چھوڑ کر گئے کہ ابو بکر صدیق کے گھر تک پہنچے باقی سب انکے پیچھے ہی نکلے **اقول** ۔ شیعہ اثنا عشریہ ہمیشہ سے حق پرست ہیں اور باطل پرستی کو کام نہیں ہے کہ کسی

حقوق آل رسول کی حمایت میں قرآن شریف میں تم تاویلیں کرتے ہو اور تمہارا مطلب کسی طرح سے ثابت نہیں ہو سکتا اور جو کچھ تو اس مقام میں لکھتا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں ہے اور جو کہ حقیقت میں صحابہ ہیں کہ جن پر تعریف صحابہ کی صادق آتی ہے اُنکا کوئی منکر نہیں ہے اور اُنکے ہی واسطے خدا تعالیٰ نے گنجائش حیلہ اور حجت کی نہیں چھوڑی نہ وہ لوگ کہ جنہوں نے ایمان اپنا ظلم سے آمیز کیا اور نبوت میں رسولخدا صلعم کی شک کیا اور ایمان کا گو ذکر نہیں ہے لیکن نجات با ایمان ہی ہے کیا خدا تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خواہ ایمان رکھتی ہوں خواہ نہ رکھتی ہوں سب کے واسطے بہشتیں ہیں اور شیعوں کے ہمراہ تو خوارج اور نواصب کو بفائدہ ذکر کرتا ہے وہ تو تمہارے ہی برادر ہیں کہ ابوبکر اور عمر کے مریدوں میں سے ہیں جو کہنا ہے وہ شیعوں کو کہہ کہ وہ تیری خبر لیو نگے اور ہمیشہ سے اہل سنت کے مذہب کو رد کرتے آئے ہیں اور تو نے یا اور کسی نے کوئی کتاب اُنسے گفتگو کر کے لکھی ہے ہی جیسے کہ شیعوں کی گفتگو میں تمہاری کتابیں ہیں مولوی عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں نواصب کی طرف سے چند اعتراض حضرت علیؑ پر جا کر اپنی رائے سے لکھ دیے ہیں اور بحث اور گفتگو اُنسے تم اسواسطے نہیں کرتے ہو کہ آخر وہ تمہارے بھائی تم میں ہی سے ہیں اور تمکو خبر نہیں مراد سبقت سے سبقت الی الایمان اور طاعت سے ہی نہ سبقت الی الہجرت کہ جو تو بھول کر لکھتا ہے اور یہ سبقت ہجرت تو نے کہاں سے نکالی ہے کیا قرآن میں سبقت الی الہجرت لکھی ہوئی ہے اور قرأت مشہورہ اس آیت کی یہ ہے کہ انصار کا لفظ مجرور ہے اور عطف اسکا مہاجرین پر ہے اور من المہاجرین والانصار بیان ہے سابقون اولون سے اگر سبقت الی الہجرت مراد ہو تو چاہیئے کہ اس صورت میں انصار کے واسطے بھی ہجرت کہی جائے اور یہ درست نہیں ہے اور اگر انصار کو مرفوع قرار دیکر اور سابقون پر اُسکا عطف کر کے ہجرت سے انصار کو خارج کرو تو یہ قرأت شاذہ اور مرجوح ہے اسپر عمل نہوگا پس مراد سبقت سے سبقت الی الایمان اور طاعت ہے پس اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جو ایمان اور طاعت میں سابق ہیں اور سب سے پہلے وہ ایمان لائے ہیں اور اطاعت خدا تعالیٰ کی قبول کی ہے سب سے پہلے اور وہ جناب رسولخدا اور علی مرتضیٰ اور خدیجۃ الکبریٰ ہیں سید ابو طالب ہروی اور صاحب تفسیر ثعلبی جو علماء اہل سنت میں سے ہیں وہ روایت کرتے ہیں اسمعیل بن ایاس بن عفیف سے اور روایت طولانی ہے لیکن مختصر یہ ہے کہ اسمعیل کہتا ہے کہ میرا دادا بیان کرتا تھا کہ میں حج کے دنوں میں بطریق تجارت مکہ معظمہ کو گیا اور عباس بن عبدالمطلب کے پاس جا کر ٹھیرا اور میں اور عباس منا میں تھے کہ ایک جوان آیا اور کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوا اور ایک لڑکا آیا اور اُس جوان کی جانب راست کھڑا ہوا اور ایک عورت آئی وہ اُس جوان کے پیچھے کھڑی ہوئی اور اُس جوان نے رکوع کیا تو اُن دونوں نے بھی رکوع کیا اور جب اُس جوان نے سجدہ کیا تو اُن دونوں نے بھی سجدہ کیا میں نے عباس سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے اُس نے کہا کہ یہ جوان تو بھتیجا میرا ہے عبداللہ کا بیٹا اور یہ لڑکا علی ہے ابو طالب کا بیٹا اور یہ عورت زوجہ اس جوان کی ہے اور یہ جوان کہتا ہے کہ مجھکو خدا نے پیغمبر کیا ہے اور اسکے دین کی پیروی ان دو شخصوں ہی نے کی ہے اور سوا ان تین شخصوں کے اس مذہب کا آدمی تمام روئے زمین پر کوئی نہیں اور احمد حنبل اور ابن مغازلی شافعی نے لکھا ہے کہ نماز پڑھی علیؑ نے ہمراہ رسولخدا صلعم کے سات برس سب آدمیوں سے پہلے اور سید ابو طالب ہروی اور ابن مغازلی نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ درود بھیجا ہے مجھپر اور علی پر فرشتوں نے سات برس پہلے سب سے پہلے اور ایسے ہی عبداللہ بن موسیٰ نے روایت کی ہے عباد بن عبداللہ سے کہ حضرت علی کہتے تھے کہ میں نے سات برس پہلے سب آدمیوں سے نماز پڑھی ہے رسولخدا صلعم کے ہمراہ اور بعضی روایت میں اہل سنت کے یہ ہے کہ پہلے سب سے حضرت خدیجہ ایمان لائیں اور بعد اسکے علی اور بعضی میں یہ ہے کہ بعد خدیجہ کے ابوبکر ایمان لائے اور بعضی میں یہ ہے کہ زید بن حارثہ لیکن اکثر روایتیں اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت علی سب سے پہلے ایمان لائے اور پھر حضرت خدیجہ سو سابقون اولون سے یہ مراد ہونگے کہ جو سات برس پہلے سب سے ایمان لائے ہیں مہاجرین میں سے اور انصار میں سے وہ ہیں سابقین میں کہ جو بیعت عقبہ اولیٰ والے ہیں اور وہ سات آدمی تھے اور بعضے کہتے ہیں کہ مراد سبقت سے سبقت الی الموت ہے کہ جو لوگ مہاجرین اور انصار میں سے اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے اپنے ایمان صحیح پر مر گئے ہیں بہشت میں انکے درجوں کو دیکھکر بہت راضی ہوا اور خدا تعالیٰ اُنکے ایمان پر مرنے سے اُنسے بہت راضی ہے اور اسیواسطے خدا تعالیٰ رضی کو ماضی کے صیغہ میں لایا ہے اور یہی قول بہت مناسب معلوم ہوتا ہے اور سبقت الی الہجرت تو یہاں بن سکتا ہی نہیں موافق قرأت مشہورہ کے جب تک انصار کے لفظ کو مہاجرین کے لفظ پر عطف کر کے مجرور مقرر کریں جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے اور اگر موافق قرأت غیر مشہورہ کے انصار کے لفظ کا عطف سابقون پر کر کے اسکو مرفوع مقرر کریں واسطے اخراج انصار کے ہجرت سے تو اسمیں قباحت ہے کہ اول تو انصار سابقیت سے خارج ہو جائینگے اور دوسرے یہ کہ انصار کا مرتبہ مہاجرین سے بڑھ جائیگا کہ مہاجرین میں سے تو بہشتیں صرف سابقین کے واسطے ہونگی نہ لاحقین کے واسطے اور انصار کے کل آدمیوں کے واسطے بہشتیں ہونگی اور حال یہ ہے کہ مہاجرین نے سب سے بڑی تکلیفیں اُٹھائی ہیں اور خدا کی راہ میں اپنے وطن اصلی مالوف کو ترک کیا ہے وہ انصار کم کس وجہ سے ہیں بخلاف ایمان اور طاعت کے کہ جو مرتبہ پہلے پہل اقرار کرنیوالوں وحدانیت خدا کا ہے وہ بعد والونکا نہیں ہے اور ہجرت میں پہلے پیچھے ہجرت کرنیوالے اور بعد آنکے ہجرت کرنیوالے سب برابر ہیں اور اگر ہم تسلیم بھی کریں سابقیت ہجرت کو تو خدا تعالیٰ تو پہلے ہجرت والوں کا ذکر کرتا ہے اور وہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنیوالے ہیں نہ مدینہ کی ہجرت کرنے والے اور اگر ہم

فرض کریں کہ سابقون اولون سے وہ سب لوگ مراد ہیں کہ جو ہجرت سے پہلے ایمان لائے تھے اس سے بھی مطلب حاصل نہیں ہوتا ہے اسواسطے کہ رضامندی خدا اور حصول
جنت کچھ ہجرت پر ہے موقوف نہیں ہے بلکہ رضامندی خدا اور حصول جنات ایمان اور عمل صالح سے بھی حاصل ہوتا چنانچہ خدا تعالی فرماتا ہے ان الذین آمنوا وعملوا
الصالحات اولئک ہم خیر البریۃ جزاؤہم عند ربہم جنات عدن تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا ابدا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ذلک لمن خشی ربہ اب تم
دیکھو اس آیت میں خدا تعالی فرماتا ہے کہ مومنین صالحین کے واسطے جنتیں ہیں اور خدا تعالی اُن سے راضی ہے اور تم کہتے ہو کہ بعد رسول کے لوگ مرتد ہوگئے اور ابوبکر نے اُنپر
جہاد کیا اب میں پوچھتا ہوں کہ وہ لوگ تو مومنین تھے اور خدا تعالی اُن سے راضی تھا اور فرمایا تھا کہ جزا اُنکی جنات عدن ہے پھر ابوبکر نے اُنپر جہاد کیوں کیا کیا
خدا تعالی نہیں جانتا تھا کہ یہ مرتد ہو جائینگے کہ ایسے آدمیوں سے راضی ہوا اور کیونکر خدا راضی ہوا اُن لوگوں سے کہ جنہوں نے زنا کیا ہوا اور شراب نوش کی ہو اور عائشہ
پر تہمت زنا کی لگائی ہو چنانچہ مولوی عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں مطاعن عثمان کے جواب میں لکھا ہے کہ اہل سنت صحابہ کو معصوم نہیں جانتے ہیں اور اسیواسطے
حضرت امیر اور شیخین نے صحابہ پر حدیں جاری کی ہیں جن سے خدا راضی ہوا پھر کہیں حد بھی جاری ہو سکتی ہے ایسا ہی حال ہجرت کا ہے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا
ہے کہ بعد ہجرت کے اگرچہ کوئی مرتد ہو جاتا ہے پھر بھی وہ ناجی ہی معلوم ہوا کہ سب سلامتی ایمان پر موقوف ہے کہ وقت مرنیکے ایمان صحیح پر باقی رہا ہو اور جو اعمال کہ موجب
نارضامندی خدا کے ہیں وہ عمل میں لایا ہو اور ہجرت بھی چاہیئے کہ خالص واسطے رضامندی خدا کے ہو چنانچہ صحیح بخاری میں لکھا ہے اور عمر بن خطاب نے فرمایا ہے
اور ترجمہ اُسکا یہ ہے کہ سوائے اسکے نہیں کہ سب اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں اور سوائے اسکے نہیں کہ واسطے ہر مرد کے وہ چیز ہے کہ نیت کی ہے پس وہ شخص کہ ہووے ہجرت اُسکی
طرف دنیا کے تو پہونچیگا وہ اُسکو اور طرف عورت کے ہو تو نکاح کریگا اُس سے پس ہجرت اُسکی طرف اُس چیز کی ہے کہ ہجرت کی ہے طرف اُسکے انتہے اور بعضے مسلمان جو رسولخدا
صلعم کی زبانی آیندہ کی کوئی خبر سنتے تھے تو وہ راست ہوتی تھی اور یہ بھی سنتے تھے کہ یہ دین سب دینوں پر غالب ہوگا اور ریاست اس دین کی بہت بڑی
ہوگی اور قرآن شریف کی آیتوں سے بھی ثابت ہوتا تھا اس طمع میں ہجرت کر گئے تھے کہ تدبیر کر کے ریاست دین کی نامزد اپنی کریں گو بالفعل وہ فقیر تھے اور جب
یہ ثابت کر دیا کہ اس آیت میں سبقت ہجرت مراد نہیں اور اگر سبقت ہجرت مراد ہو تو بھی مخالف کا مطلب ثابت نہیں ہوتا سو جو کچھ اس شیخ نے اس قول میں لکھا ہے وہ
سب باطل ہے **قال الشیخ الاشعری** اور ہجرت حبشہ اگرچہ ہجرت مدینہ منورہ سے سابق ہے لیکن اسکی وجہ سے چنداں موجب افضلیت نہیں اُس ہجرت کی باعث کا باعث تھا
تو فقط قلت صبر تھا مکہ معظمہ میں رہکر بیکار رہنا اور احکام خداوندی کا بجالانا بہت دشوار تھا ثبات ایمان اور حفظ جان کے لئے ضعفا کو رخصت ہو گئے تھے اسی لئے رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہجرت حبشہ نہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم نہونیکی اگر کوئی وجہ تکلف نکال بھی لی تو اسکا تو کچھ جواب ہی نہیں کہ جسنے حبشہ کیجانب ہجرت
نکی اُسپر کچھ عتاب نہوا اور مدینہ منورہ کی ہجرت بغرض امداد دین تھی اُسکو رخصت نہیں کہہ سکتے عزیمت بھی کہیئے تو اول درجہ کی عزیمت کہیئے اسی لئے اُسکی تارکین
مورد عتاب رہے ہر چند ہجرت حبشہ کا رخصت ہونا اور ہجرت مدینہ منورہ کا عزیمت ہونا قطع نظر ظاہر ہونیکی اس تقریر سے اور بھی واضح ہو گیا **اقول** آیت میں تو
ہجرت کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ ہم لکھ چکے خواہ ہجرت حبشہ ہو خواہ ہجرت مدینہ لیکن تیری لکھنے سے ہمکو پھر لکھنا پڑا اسواسطے ہم بھی لکھتے ہیں کہ ہجرت حبشہ کی افضیلت کسواسطے نہیں
رکھتی ہے خدا تعالی تو مطلق ہجرت کی تعریف کرتا ہے اور کسی ہجرت کو مقید بہجرت مدینہ یا حبشہ نہیں کرتا ہے اور صحیح بخاری میں ایک روایت طولانی لکھی ہے اسمار بنت عمیس
اور عمر بن خطاب کے درمیان گفتگو اور تکرار ہونیکی سبقت ہجرت کے مقدمہ میں کہ اسمار نے طرف حبشہ کے ہجرت کی تھی اور عمر نے طرف مدینہ کے آخر الامر جناب رسولخدا
صلعم نے اسمار کی تصدیق فرمائی اور فرمایا کہ لیس احد باحق بی منکم لہ ولاصحابہ ہجرۃ واحدۃ ولکم وانتم اہل السفینۃ ہجرتان یعنی نہیں ہے کوئی حق دار
زیادہ تمسے واسطے اُس عمر کے اور ہمراہیوں اُسکے کے ایک ہجرت ہے اور واسطے تمہارے اور تم کشتی والے ہو دو ہجرت ہیں آخر جناب رسولخدا نے ہجرت حبشہ کو احقیت
میں شمار کر کے فرمایا کہ تم حبشہ کے ہجرت والوں کو فضیلت ہے اگر یہ ہجرت شمار میں نہوتی تو حضرت اُسکی جہت سے حبشہ والوں کو حقدار زیادہ کیوں فرماتے اور
تسلیم کیا ہمنے کہ ہجرت مدینہ کی افضل ہے ہجرت حبشہ سے کہ مدینہ کی طرف رسولخدا صلعم کو حکم ہوا تھا اور حبشہ کی طرف حکم نہوا لیکن حبشہ کی طرف کی ہجرت بھی ہجرت ہی ہے
اور وہ پہلی ہے تو ہجرت اول اسی سے مراد ہوگی اور جناب رسولخدا صلعم کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم اسواسطے ہوا کہ مدینہ میں اعوان و انصار موجود تھے تاکہ اُنکی ہمراہ ہو کر جہاد کریں
اور اسیواسطے مدینہ کو ہجرت نہ کرنیوالوں کو عتاب ہوا کہ وہاں رسولخدا صلعم تشریف لیگئے تھے اور مقصود باہم ہو کر جہاد کرنا تھا اور جہاد سے بیٹھ رہنا اور دار اسلام کو چھوڑ کر
کفار کے پاس دار الکفر میں قیام کرنا موجب غضب خدا ہے اور مدینہ کی ہجرت افضل تھی اور عزیمت تھی اور رخصت نہتی اور واسطے امداد دین کے تھی لیکن حبشہ کی ہجرت کو یہ ہجرت
باطل نہیں کرتی ہے کہ وہ ہجرت ہونے سے جاتی رہے بلکہ وہ بھی ایک ہجرت ہے جس قسم کی کہ ہو اور جسوقت کہ پہلے ہی مدینہ کی ہجرت سے ہے تو ہجرت سابق وہ ہی مراد ہوگی اور اول ہوگی

اور مدینہ کی ہجرت دوئم ہوگی **قال الشیخ الاشعری** مگر مزید توضیح کے لیے اسقدر اور بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ہجرت مدینہ میں جان پر کھیلنا تھا اور ہجرت حبشہ میں جان کا بچانا اسمیں دین کا بڑھانا تھا اسمیں اپنی نماز روزہ کا بجالانا اسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد و نصرت تھی اسمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تنہا چھوڑ جانا اسمیں مارنا مرنا اقربا سے روبرو سے جہاد کرنا اسمیں اعداء کے ہاتھ سے چھوٹ کر سلامت گزرنا سو یہیں رہ ازکجاست تا بہ کجا۔ غرض ہجرت حبشہ کو کوئی فضیلت قابل نہیں خصوصاً الطاف خداوندی اسی لئے فریقین میں سے کسی نے اُس ہجرت کو مصداق آیات تاکید ہجرت یا آیات فضائل ہجرت نہیں سمجھا اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ آیت اور نیز اور آیات ہجرت مدینہ منورہ کی ہجرت کے بعد نازل فرمائی اور پھر اس آیت میں اور نیز اور آیات میں مہاجرین کے فضائل میں انصار کو بھی فرمایا اور سورۂ حشر میں مہاجرین کے حال میں لفظ ینصرون اللہ بڑھایا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ یہ فضیلت ہی ہجرت کے لئے ہے جو انصار کی نصرت کے ہمدوش اور انکے کام سے ہم آغوش ہے سو ایسی ہجرت اگر ہے تو مدینہ منورہ کی ہجرت ہے حبشہ کی ہجرت میں انصار بھی نہ نصرت تھی **اقول** اگرچہ ہجرت مدینہ میں جان پر کھیلنا تھا لیکن اول تو جان کا بچانا ہے اسمیں بھی تھا کہ کفار کے ہاتھ سے تکلیفیں اٹھاتے تھے اور آزار پاتے تھے اور انکے ہاتھوں سے ہلاکت جان کا خوف تھا اسواسطے کہ کفار نے جناب رسولخدا صلعم کے قتل کا دار الندوہ میں مشورہ کیا تب ہی تو حکم ہجرت کا ہوا اور دین کا بڑھانا اور رسولخدا صلعم کی نصرت اور مارنا مرنا اور اقربا پر جہاد کرنا تو کبھی ہوگا اور بالفعل تو نماز روزہ کا بجالانا اور اعداء کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گزرنا ہی انکے واسطے بھی تھا اور یہ امور اگرچہ افضلیت پر دلالت کرتے ہیں لیکن حبشہ کی ہجرت کے شرف کو باطل نہیں کرسکتے کہ رسولخدا صلعم نے موافق روایت بخاری کے حبشہ کی ہجرت کے سبب سے مدینہ والوں کی ہجرت پر فضیلت دی ہے اس سبب سے کہ حبشہ والوں کی دو ہجرتیں ہیں اور انکی ایک ہجرت اگر اس ہجرت کو کچھ شرف تھا تو فضیلت ہوئی اور جان پر کھیلنے والے اور دین کو بڑھانے والے اور رسولخدا صلعم کی نصرت کرنیوالے اور مارنے مرنیوالے اور اقربا اور روسا سے جنگ کرنیوالے تو وہ شخص تھے کہ جو پاؤں اپنے زمین میں گاڑ کر خوب تلوار کرتے تھے اور قتل کرتے یا قتل ہوتے تھے اور جہاد میں سے بھاگتے نہ تھے اور جو لوگ کہ اپنی جان بچا کر معرکہ جہاد میں سے رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے جیسے ابوبکر اور عمر اور عثمان وغیرہ وہ لوگ مراد نہونگے اور نہ یہ لوگ سابقین میں داخل ہونگے کہ علت ہجرت کی جو کہ مقصود ہے وہ انمیں مفقود تھی اور ہجرت حبشہ کی خالی تو فضیلت سے نہیں ہے چنانچہ رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے اور گو خدا تعالیٰ نے اس ہجرت کی تعریف نہیں کی ہے لیکن ہجرت ہونے سے وہ خارج نہیں ہوسکتی اور گفتگو ہجرت کی سابقیت میں ہے نہ اُسکی افضلیت میں کہ کونسی افضل ہے اور کونسی مرتبہ میں کم ہے اور مرتبہ میں کم ہونے سے وصف ہجرت اُس سے زائل نہیں ہوتا ہے اور کچھ فضیلت تو آخر اُسکے واسطے بھی ہے جیسا کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے ہاں یہ کہنا چاہئے کہ جو کچھ آیت میں لکھا ہے یہ فضیلت تو حبشہ کی ہجرت کی ہے اور مدینہ منورہ کی ہجرت اس سے افضل اگر بہ نیت خالص خاص خدا کے واسطے ہجرت کی ہے اور مدینہ منورہ کی ہجرت کے بعد جو یہ آیت نازل ہوئی ہے تو اسواسطے خدا تعالیٰ نے سابقون اولون فرمایا ہے اور حبشہ کی ہجرت والے مراد لیے ہیں اور اگر یہ آیت ہجرت مدینہ منورہ سے پہلے نازل ہوتی تو پھر سابقون اولون کے کہنے کی کیا احتیاج تھی ہجرت تو ایک ہی تھی اور اگر نصرت کو دخل دیتے ہو ہجرت میں اور مثل نصرت انصار کے اور ہم آغوش انکی نصرت کے کہتے ہو تو وہ ہی مراد ہونگے جنہوں نے نصرت کی ہے نہ کل مہاجرین کہ جن میں ثلاثہ بھی شمار کئے جائیں **قال الشیخ الاشعری** بہرحال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہم کے سبقت ہجرت میں کلام نہیں پھر اس سبقت ہجرت ہی کی سبب سے خداوند کریم یوں فرماتا ہے کہ اللہ اُنسے راضی ہوا سو اول تو یہی نہایت کرتا تھا کیونکہ رضا سے آگے کوئی مقام ارفع نہیں جب خدا اُنسے راضی ہوا تو انمیں کمال ایمان بھی اس درجہ کا ہوگا کہ کہا نہیں جاتا اور اعمال صالحہ بھی انکی قرار واقعی صالح ہونگے سو اول تو موافق آیت وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات منہم مغفرۃ واجرا عظیما مرقومہ بالا کے انکی مغفرت میں کلام کی گنجائش نہ رہی کیونکہ بزرگان مذکور سب کے سب غزوہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے معہذا پھر یوں ارشاد فرمایا کہ انکے لیے جنتیں تیار کر رکھی ہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسپر بھی انکی بزرگی میں شک کرے تو بجز اسکے نہیں ہوسکتا کہ بزرگی کے معنی اسکے نزدیک یہ ہوں کہ خدا اس سے ناخوش ہوا اور اسکے لیے جہنم تیار کر رکھی ہو سو حضرات شیعہ جو ان بزرگواروں کی بزرگی میں کلام کرتے ہیں اور انکے دشمنوں کو اگر بزرگ سمجھتے ہیں تو شاید اسی اصطلاح کے موافق سمجھتے ہیں لیکن اس صورت میں لازم آئیگا کہ حضرت امیر بھی اسسے دست بردار ہوں کیونکہ وہ بھی اس بشارت میں داخل ہیں بہرحال ان اولیاء اللہ کے برا کہنے والے انکو کیا کہتے ہیں خدا کو جھٹلاتے ہیں سو انکا کافر یا فاسق کہنا اپنا کافر یا فاسق کہنا ہے آفتاب کو کوئی بے نور بتلائے تو وہ آفتاب کو کیا اپنی آنکھوں کو بے نور بتلاتا ہے **اقول** ان لوگوں کی سبقت ہجرت کے لئے تمہارا دعویٰ رکھو سبقت ہجرت تو یہاں مراد ہی نہیں ہے جیسا کہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور اگر ہجرت ہی فرض کی جاوے تو سابق حبشہ کی ہجرت والے ہونگے نہ مدینہ منورہ کی ہجرت والے اور اگر مدینہ ہی کی ہجرت کے سابقین مراد ہوں تو پھر کچھ فائدہ نہیں ہے جبتک کہ تا دم واپسین ایمان صحیح پر باقی نہوں اور راضی تو خدا تعالیٰ سب مومنین سے ہے جیسا کہ سورۂ لم یکن الذین کی آخر آیت میں ہے اور رضا جب تو اُنسے راضی ہوگیا تھا پھر بعضے انمیں سے مرتد کیوں ہوگئے کہ جو تم کہتے ہو کہ ابوبکر نے مرتدین پر جہاد کیا کیا وہ شخص مرتد ہوسکتا ہے جس سے خدا راضی ہوا ایسا ہی حال ہجرت کا ہے اور ایمان تو انکا ایسا کامل تھا کہ رسولخدا صلعم کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے اور ہر چند جناب رسولخدا صلعم آواز

دیتے تھے کہ کہاں بھاگے جاتے ہو کیا خدا اور رسولخدا سے بھاگتے ہو تو پھر کر دیکھتے بھی نہ تھے اور اعمال صالحہ ایسے تھے کہ رسولخدا صلعم کی زوجہ عائشہ پر تہمت زنا کی جمائی اور لعنت خدا
میں گرفتار ہوئے چنانچہ بیضاوی میں لکھا ہے کہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ عائشہ پر تہمت زنا لگانیوالوں کے حق میں
نازل ہوئی ہے اور وہ اہل بدر تھے اور منہاج السنت میں لکھا ہے کہ ابوالعادیہ بدریین میں سے تھا اور اُس نے معاویہ کے طرف ہو کر عمار یاسر کو قتل کیا ہے جو کہ علی کی طرف تھے اب غور نا چاہئے کہ
یہ اعمال انکے نیک تھے جنپر خدا نے لعنت کی ہے اور بڑے بڑے گناہوں والوں کا تو میں ذکر نہیں کرتا ہوں جنہوں نے کہ اہل بیت علیہم السلام کو رنج پہنچایا ہے اور حقوق انکے غصب کئے ہیں
کیا ایسے ہی فعلوں سے انکے خدا راضی تھا جو انکے ایمان کامل اور اعمال صالحہ پر دلالت کرتے ہیں اور اگر ہجرت حق تھی تو ایمان والوں کے واسطے تھی اور جو کہ ایمان سے خالی تھے انکو ہجرت سے کچھ
فائدہ نہیں ہے از آنجملہ ایک میاں عمر ہیں کہ حضرت صلعم کی نبوت میں شک کیا کرتے تھے چنانچہ فتح الباری میں شک کرنیکی طرف اشارہ ہے اور عینی شرح بخاری میں لکھا ہے کہ
اگر کوئی کہے کہ یہ شک کرنا عمر کے عدم ایمان پر دلالت کرتا ہے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ احتمال رکھتا ہے کہ اسوقت حضرت عمر مؤلفۃ القلوب میں سے ہوں اور ایمان صحیح پر بعد اسکے قائم
ہوئے ہوں اور میں کہتا ہوں کہ یہ شک تو ہی تو صلح حدیبیہ کے وقت تھا اس صورت میں ہجرت انکی معتبر کیونکر ہوگی کہ وقت ہجرت کے ایمان ہی نہ رکھتے تھے اور آیۃ وعد اللہ الذین آمنوا
کے ذکر میں ہم مفصل لکھ آئے ہیں کہ جن لوگوں کے واسطے مغفرت اور اجر عظیم ہے وہ بعضی صحابہ ہیں جنمیں اوصاف اُس آیت کے پائے جاتے تھے نہ کل صحابہ اور تو آیت استخلاف کے ذکر میں لکھ چکا
ہے کہ لفظ من بیانیہ ضمیر پر نہیں آتا ہے بلکہ من تبعیضیہ آتا ہے سو تیری تحریر سے بھی معلوم ہوا کہ وہ بعضی ہی صحابہ ہیں حضرت علی اور احباب انکے نہ فلاں نہ اور ابوعبیدہ اور طلحہ و زبیر وغیرہ جنمیں
اوصاف اس آیت کے تھے اور غزوہ حدیبیہ کونسا ہے حدیبیہ میں تو جنگ ہوا ہی نہیں صلح حدیبیہ کہنا چاہئے اور اگر وہ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے تو انہوں نے کیا کام
بنایا تھا اور یہ صلح حدیبیہ وہ صلح ہے کہ جس صلح کے کرنے سے عمر نے نبوت میں جناب رسولخدا صلعم کے شک کیا تھا چنانچہ ہم فتح الباری وغیرہ سے لکھ آئے ہیں اور جنتیں انکے ہی واسطے ہیں جو
تا دم والپسیں ایمان پر قائم رہے چنانچہ خدا تعالی فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا وہ لوگ کہ جو بعد ایمان کے مرتد ہو گئے چنانچہ خدا تعالی فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَہُمْ سو جنکو ہم کہتے ہیں ہمارے نزدیک انکی کوئی بزرگی ثابت نہیں ہے اور نہ خدا اُنسے راضی ہے اور بزرگی کی معنی
اپنی جگہ پر ہیں لیکن بزرگی ثابت ہی نہیں ہے اور جب بزرگی ثابت نہوئی تو خدا تعالی کا اُنسے خوش ہونا کیا بعید ہے اور جس سے خدا ناخوش ہوگا اسکے واسطے جہنم بھی تیار ہے اور
شیعہ انکی بزرگی میں کلام اسواسطے کرتے ہیں کہ انہوں نے بزرگی کا کوئی کام نہیں کیا ہے اور انکے دشمن تو خدا اور رسولخدا ہیں انکو اچھا کیونکر سمجھیں اور اصطلاح شیعوں کی
کوئی نہیں ہے جو کہ واقعی ہے اسکو شیعہ بیان کرتے ہیں اور حضرت امیر سے کیونکر دست بردار ہوں کہ نتیجہ جو ہجرت کا تھا کہ مدینہ منورہ میں پہنچکر رسولخدا صلعم کی نصرت کریں اور اپنی تلوار
کے زور سے دین کو بڑھائیں وہ اُنسے وقوع میں آیا اور دست بردار تو اُنسے ہونا چاہئے کہ جو رسولخدا صلعم کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے اور راہ خدا میں کبھی ایک پتھر کا
بھی نہ کھایا اور جنکو تم اولیاء اللہ کہتے ہو برخلاف ہمارے وہ ہرگز اولیاء اللہ میں سے نہیں ہیں اور نہ خدا تعالی نے انکو اولیاء میں انکو قرار دیا ہے اولیاء اللہ تو اسوقت ہوتے کہ جب خدا
کی دوستی میں کوئی جان نثاری کرتے جہاد سے بھاگنے والے کیونکر اولیاء اللہ ہو جائیں گے اور خدا تعالی نے جو کچھ فرمایا ہے سچ ہے بات سے مراد خدا تعالی کی اس آیت میں ان لوگوں سے نہیں
ہے کہ جو اپنے ایمان صحیح پر باقی نہ رہے تھے جیسا کہ ہم مفصل لکھ چکے اور خدا تعالی نے مجملاً تعریف انکی کی تھی جیسے کہ اور مومنین کی بہت سی آیتوں میں کی ہے اور پھر انمیں سے مرتد بھی ہو گئے
اور ان مرتدوں کو کوئی کافر یا فاسق کہے تو خدا کا جھٹلانا اسکو نہ کہیں گے ایسا ہی ان لوگوں کا حال تھا جیسے کہ انکے کافر یا فاسق کہنے سے کوئی کافر یا فاسق نہیں ہو سکتا ہے ایسے ہی
انکے کہنے سے نہیں ہو سکتا ہے آفتاب جبتک صاف ہے تو اسکو کوئی بے نور نہیں کہہ سکتا اور جسوقت کہ منکسف ہو کر سیاہ ہو جاتا تو اسکو بے نور کہنے سے اپنی آنکھوں کو بے نور نہیں بتلاتا ہے بلکہ
سچ کہتا ہے اسی پر انکو قیاس کر لینا چاہئے **قال الشیخ الاشعری** اسکے بعد اتنی اور گزارش ہے کہ بعضے ہٹ دھرم شاید یوں تکرار کریں کہ خدا پہلے راضی ہو گیا ہو اور پھر جب
جناب امیر سے مخالفت کی ہو تو ناراض ہو گیا ہو اور انکے لیے جو جنتیں تیار کر رکھیں ہیں تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ انکو عذاب ہو ہی نہیں خصوصاً شیعہ کے مقابلہ میں کیونکہ خوارج بھی
بہ نسبت حضرت امیر کے اس قسم کی آیات میں بعینہ یہ احتمال پیدا کر سکتے ہیں یہانتک کہ جن آیات میں مغفرت کا ذکر آیا ہے اُسے بھی یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ مغفرت ہے جو بعد عذاب کے
ہوگی **اقول** خدا تعالی جو کسی سے راضی ہے تو اُسکے ایمان اور فعل نیک کی جہت سے راضی ہے نہ یہ کہ بدون اُسکے راضی ہے پس جبتک کہ اُسمیں ایمان باقی ہے اور افعال نیک بجا لاتا ہے
تو اس سے راضی رہتا ہے اور جب ایمان اُس میں سے زائل ہو گیا تو خدا اُس سے ناراض ہو گیا اور افعال بد سے بھی ناراض ہے اور ان افعال کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کیسے ہیں اگر وہ منجر بکفر ہیں
تو پھر کوئی صورت نجات کی نہیں ہے اور اگر وہ منجر بکفر نہیں ہیں تو خدا تعالی کو اختیار ہے چاہے موافق اُن افعال بد کے عذاب کر کے نجات دیوے اور اگر
چاہے اپنے فضل و کرم سے سب گناہوں کو بخشدے اور قول خوارج کا پایہ اعتبار سے ساقط ہے کہ جو کچھ وہ جناب امیر پر اعتراض کرتے ہیں حقیقت میں وہ اعتراض ہی
نہیں ہیں اور اگر اعتراض انکی قابل اعتبار ہوتے تو ان سے ہی کوئی گفتگو کرتا جیسے سنی اور شیعہ کے درمیان گفتگو ہے اور سوا اسکے یہ ہے کہ رسولخدا صلعم نے انکو

مارقین فرمایا ہے یعنی دین سے خارج ہو جانیوالے وہ حکم کفار کا رکھتے ہیں اور اسیواسطے ہمارے مذہب میں سور انکا نجس ہے اور اقوال انکے اس قسم کے نہیں ہیں کہ جو قابل اعتبار اور جواب ہوں اور اسیواسطے وہ کسی سے گفتگو بھی نہیں کرتے ہیں اور اہل سنت کیا خوارج سے کم ہیں وہ بھی انبیاء علیہم السلام کی خطائیں ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلانے پیغمبر سے یہ خطا ہوئی اور فلانے سے یہ خطا ہوئی اور فلانے نے یہ غلطی کی چنانچہ تو بھی اس رسالہ میں کئی جگہ لکھ چکا ہے اگر خوارج حضرت علی کی خطائیں نکالتے ہیں تو تم جناب رسولخدا صلعم اور دیگر انبیاء کی خطائیں نکالتے ہو تو انکی خاطر سے اور حضرت علی کے فضائل کی تضعیف اور توضیع کرتے ہو اور خوارج کا تو قول یہ نہیں ہے تم اپنی طرف سے ایجاد کرکے کہتے ہو اور منسوب انکی طرف کرتے ہو اور اگر وہ ایسا کہیں تو جواب دندان شکن پائیں اور اگر وہ کچھ کہیں تو اس عداوت سے کہ حضرت علی نے انکی بیخ کنی کی ہے اور ہم جن لوگوں سے عداوت رکھتے ہیں وہ تو وہ ہیں کہ جنہوں نے خاندان نبوت کی بیخ کنی کی ہے خوارج کی بیخ کنی اور خاندان نبوت کی بیخ کنی برابر نہیں ہو سکتی **قال الشیخ الاشعری** لیکن نقل مشہور ہے کہ حیلہ جو تا بدر وانہ باید رسانید اسلئے کہا جاتا ہے کہ اول تو سورہ تحریم میں یوں ارشاد ہے یَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ یعنی جس روز کہ رسوا نہ کریگا اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو جو اسکے ساتھ ایمان لائے ہیں سو انکے ایمان میں تو شیعہ بھی کلام نہیں کر سکتے اسلئے کہ کلام اللہ موجود ہے کہ إِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ یعنی اللہ راضی نہیں ہوتا کافروں سے بلکہ یوں بھی آیا ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ یعنی اللہ راضی نہیں ہوتا فاسقوں سے جب خدا انسے راضی ہوا تو انکے رسول کے ساتھ ایمان لانے میں تو کچھ شک نہوا بلکہ اسبات میں بھی تردد نرہا کہ وہ ایک زمانہ میں رسول اللہ صلعم کے زمان حیات میں صالحین میں سے تھے فاسق تک نتھے تو بیشک موافق وعدہ الٰہی کے وہ لوگ رسول اللہ صلعم کے ساتھ قیامت کو معزز اور محترم رہینگے پھر عذاب آخرت کے کہ اس سے بڑھکر کوئی رسوائی نہیں کیا معنی مگر شاید ان الٹی کے سمجھنے والوں کے نزدیک یہی معنی ہونگے دوسرے یہ کہ سورہ انبیاء میں یوں ارشاد ہے إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ حاصل اسکا یہ ہے کہ بیشک ہماری یہاں عمدہ مرتبہ مقرر ہو لئے ہیں وہ اس دوزخ سے دور رہینگے نہیں سنینگے اسکی ایک آہٹ تک اور وہ اپنی جی چاہتی مزوں میں ہمیشہ رہینگے نہ غم ہوگا انکو اس بڑی گھبراہٹ میں اور لینے آوینگے انکو فرشتے یوں کہتے ہوئے یہ وہ دن ہے جسکا تمسے وعدہ تھا اب خیال کیجے کہ جسے خداوند کریم و رب عظیم فرمائے اسکے عمدہ مرتبہ جب اسمیں تو ہم جانیں شیعہ بھی شامل ہونگے اور پہلے سے مقرر ہو آپ ظاہر ہے کہ ابھی ہی وعدہ ہو لیا اور وہیں وعدہ کے موافق تیار ان ہولیں پھر انکے لیے عذاب کا ہونا بے اسکے نہیں ہوسکتا کہ نعوذباللہ خدا اپنے وعدہ سے ہٹ جائے سو خداتعالیٰ شیعیان علی ہے تو ہے ہی نہیں نعوذباللہ سنہا کہ آج تقیہ کرکے سب کچھ کہہ لیا پھر وقت پر آنکھیں بدل لیں **اقول** حیا چو نباشد ہر چہ خواہی کن ہم تو صاف لکھنے والے ہیں اور اس آیت یوم لایخزی اللہ النبی الخ کے اعتبار سے ہم بھی کہتے ہیں کہ خداتعالیٰ قیامت کے روز جناب رسولخدا صلعم کو اور جو کہ ہمراہ آنحضرت کے ایمان لائے ہیں اور تادم واپسین اپنے ایمان پر قائم رہے ہیں عذاب کرکے انکو رسوا نکریگا اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ حضرت کے روبرو تو ایمان لایا اور بعد حضرت کے بے ایمانی کے کام کئے اسکو بھی رسوا نکریگا بلکہ بیشک اسکو رسوا کریگا چنانچہ ان مومنین کی ہی طرف جو کہ ہمراہ رسولخدا صلعم کے ایمان لائے تھے خطاب کرکے فرمایا ہے کہ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ اور حضرت کے زمانہ میں بہت آدمی ایسے تھے کہ وہ ایمان لائے تھے اور شیعہ بھی انکے ایمان لانے کو جانتے ہیں اور حق میں انکے خداتعالیٰ نے فرمایا کہ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ لیکن بعضی انمیں سے بعد رسولخدا صلعم کے مرتد ہوگئے اور خداتعالیٰ انسے راضی اسوقت تک تھا کہ جبتک وہ اپنے ایمان پر قائم تھے اور جب وہ مرتد ہوگئے تو خدا انسے ناراض ہوگیا اور مولوی عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں لکھا ہے کہ بعد رسولخدا صلعم کے بہت قومیں اور کئی آدمی مرتد ہوگئے جو کہ رسولخدا کے زمانہ حیات میں تھے اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ الخ کی تفسیر میں اہل سنت کے علماء لکھتے ہیں کہ بہت آدمی مرتد ہوگئے تھے بعد رسولخدا صلعم کے اور ابوبکر نے ان پر جہاد کیا تھا سو یہ لوگ وہ ہی تو تھے کہ جنکے حق میں خداتعالیٰ نے اس آیت خَيْرُ الْبَرِيَّةِ میں رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ فرمایا ہے اور رسولخدا کے زمانہ میں وہ مومن رہے ہیں اور رضی اللہ کے کہنے نے انکے ایمان کو کچھ فائدہ نہ بخشا اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں اور سب آیتوں میں جسمیں کہ خداتعالیٰ نے رضامندی اپنی بیان کی ہے اور وعدہ مغفرت اور جنت کیا ہے وہ لوگ مراد ہیں کہ تا زمانہ مرگ ایمان پر قائم رہے ہیں اور اپنے ایمان کو ظلم سے آمیز نہیں کیا ہے چنانچہ فرمایا کہ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اور ان لوگوں ہی کے حق میں آیت يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ ہے اور وہ ہی معزز اور محترم رہیں گے نہ مرتد ہو جانیوالے اور اپنا ایمان میں اپنے ظلم کی آمیزش کرنیوالے اور رسول اللہ ہی کے زمانہ حیات تک مومن رہے تو کیا خوبی ہے جب ان حضرت کے بعد مرتد ہوگئے اور آیت إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ الخ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ اور ملائکہ کے حق میں ہے جیسا کہ تفسیروں میں لکھا ہے جناب رسولخدا صلعم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جنکی کفار پرستش کرتے ہیں جانتے ہیں کہ یہ بھی دوزخ کے ایندھن ہوں جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنکر فرمایا کہ یہ پیشتر میں اور بہشت کو روانہ ہوگئے اور خداتعالیٰ نے یہ آیت نازل کی الخ تحقیق وہ لوگ کہ پہلے

ہو چکی ہے اور گزر گئی ہے ہماری طرف سے انکے واسطے خصلت نیک کہ وہ سعادت دنیا اور آخرت کی یا توفیق طاعت یا بشارت جنت ہے وہ لوگ دوزخ سے دور کئے گئے ہیں سو انکے واسطے
تو جو کچھ ہونا تھا وعدہ ہو گیا اور بہشت میں وہ داخل ہو گئے انمیں کیا کلام ہے اور اگر عام فرض کیا جائے اور کہا جائے کہ یہ آیت سب مومنین کے حق میں ہے سوائے اسکے اور آیتوں میں
بھی اور خدا تعالی نے مومنین سے وعدہ جنت کیا ہے تو چاہیے کہ جو مومنین کہ اپنے ایمان پر قائم رہے ہیں اور جو مومنین کہ بعد نزول اس آیت کے مرتد ہو گئے ہیں سب کے سب بہشت میں
داخل ہوں کہ وہ وعدہ سب سے ہے کچھ تفصیل نہیں ہے کہ ایمان سے پھر جانیوالے بہشت میں نجائیں اور ایمان پر باقی رہنے والے بہشت میں جائیں اور جب یہ صحیح نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ
جیسے خداوند کریم فوز عظیم فرمائے اور ابھی سے اسکا وعدہ فرمالیا اور وعدہ کے موافق تیاریاں ہولیں وہ انکے واسطے ہے کہ جنکا ایمان وقت مرنے کے صحیح اور درست ہو اور وہ شیعیان
علی ابن ابیطالب اور دوست انکے ہیں چنانچہ صواعق محرقہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یا علی انت وشیعتک فی الجنۃ یعنی اے علی تو اور
شیعہ تیرے بیچ بہشت کے ہیں اور اہل سنت معاویہ کے گروہ کے آدمی ہیں اسواسطے کہ یہ لقب انکا معاویہ کا بخشا ہوا ہے چنانچہ صواعق محرقہ وغیرہ میں ہے اور معاویہ اور اسکے گروہ کے آدمیوں کو
رسولخدا صلعم نے جہنمی فرمایا ہے چنانچہ کتب صحاح اہل سنت مثل بخاری اور اسکی شرح فتح الباری میں لکھا ہے کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ یا عمار تقتلک الفئۃ الباغیۃ تدعوھم الی
الجنۃ ویدعونک الی النار یعنی اے عمار قریب ہے کہ قتل کرے تجھکو گروہ باغی کہ بلاتا ہوگا تو انکو طرف بہشت کے اور بلائینگے وہ تجھکو طرف آتش دوزخ کی اور عمار معاویہ کے گروہ کے
آدمیوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے ہیں جنکی طرف دوزخ تھا اور اہل سنت معاویہ کے گروہ کے آدمی ہیں کہ اسکو خلیفہ حق اور امام صدق جانتے ہیں چنانچہ صواعق محرقہ
اور غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے اور خدا تعالی اپنے وعدہ سے ہٹا ہوا نہیں ہے جن کے واسطے کہ وعدہ کیا ہے انکو بہشت میں داخل کریگا اور وہ مومنین وہ ہیں کہ ہمیشہ تا دم مرگ اپنے
ایمان پر قایم رہے ہیں اور راہ خدا میں جہاد کرکے اسلام کو بڑہایا ہے نہ وہ لوگ کہ جو ایمان صحیح سے برگشتہ ہو گئے ہیں اور لوگوں پر ظلم کرکے اور انکے حقوق غصب کرکے اپنے ایمان کو
ظلم کے ساتھ مخلوط کیا ہے اور تقیہ موجب حکم خدا ہے اور قرآن اور حدیث اور کتب اہل سنت سے ثابت ہے چنانچہ بعد اسکے اسکا ذکر بتفصیل مرقوم ہوگا اور شیعہ جو کچھ کرتے ہیں موافق
حکم خدا کے کرتے ہیں اور سنی حکم خدا سے منحرف ہیں **قال الشیخ الاشعری** اس تقریر سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محاربہ یا شکر رنجی موجب کفر ہے
جیسے اکثر شیعہ کہتے ہیں نہ موجب فسق ہے نہیں تو خدا ان لوگوں سے کیوں راضی ہوتا اسلئے کہ وہ خود فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِیْنَ
بلکہ انکار امامت حضرت بھی موجب کفر وفسق نہیں کیونکہ تمام جماعت مہاجرین وانصار سوا دو چار آدمیوں کے سب انکی امامت کے شیعوں کے نزدیک منکر تھے اور اسی کی موید
نہج البلاغت جامع الکتب شیعہ ہے حضرت امیر سے درباره محاربہ امیر معاویہ یوں مروی ہے اصبحنا نقاتل اخواننا فی الاسلام علی ما دخل فیہ من الزیغ والاعوجاج یعنی ہم اپنے
مسلمان بھائیوں سے اس سبب سے لڑتے ہیں کہ اسلام میں کچھ کجی کی باتیں داخل ہو گئی ہیں اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ منکر امامت حضرت امیر اور انسے لڑنیوالے کافر نہیں اور
امیر معاویہ باوجود اس مخالفت اور انکار امامت کے چنانچہ سب کو معلوم ہے حضرت امیر کے نزدیک مسلمان ہی تھے **اقول** اس تقریر سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوا ہے کہ حضرت علی سے
محاربہ یا شکر رنجی کرنی موجب کفر اور فسق نہیں ہے اور خدا انسے راضی ہے اور راضی تو خدا ان مومنین سے بھی تھا جو کہ ارتداد سے پہلے مومن تھے چاہیے کہ انکا بھی ارتداد موجب
کفر اور فسق نہو بلکہ یہ کہو کہ خدا تعالے نے جو وعدہ جنت کا مومنین سے کیا ہے تو وہ مومنین وہ ہیں کہ جو اپنے ایمان کو ضائع نکرینگے نہ کل مومنین اور حضرت علی کے محاربہ کے مقدمہ میں
جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یا علی حربک حربی اور رسولخدا صلعم سے تو محاربہ کرنا کفر ہے حضرت علی سے بھی محاربہ کرنا کفر ہوگا اور ان لوگوں ہی کی مقدمہ میں خدا تعالے
نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ اور راضی خدا انسے ہرگز نہیں ہے اور انکار امامت حضرت علی تو موجب خروج از ایمان ہے اگرچہ ظاہر میں حکم اسلام کا انپر جاری ہو چنانچہ
رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے مَنْ لَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً یعنی جو شخص کہ نہ پہچانے امام زمانہ اپنے کو مریگا وہ مرنا جاہلیت کا یعنی کفر کا اگرچہ حکم اسلام کا انپر جاری ہو اور کل
جماعت مہاجرین اور انصار کی سوائے دو چار آدمیوں کے ہرگز منکر امامت علی نتھی بلکہ شیخین کی جعلسازی سے حضرت علی کی اعانت نکرنے پائے تھے اور آخر حضرت علی کی طرف
انہوں نے رجوع کی اور حق کو اختیار کیا اور ہمراہ انکے ہو کر ناکثین اور مارقین اور قاسطین سے لڑے البتہ جن لوگوں نے کہ حضرت علی سے محاربہ کیا ہے اہل جنگ جمل اور خوارج اور ہمراہیان
معاویہ انکو ہم بموجب روایت یا علی حربک حربی کے دائرہ ایمان سے خارج جانتے ہیں گو حکم اسلام کا انپر جاری تھا اور وہ روایت چار پانچ آدمیوں کی حضرت علی کے ہمراہ ہونے کی
اور باقیوں کے پھر جانے کی ہمارے نزدیک معتبر نہیں ہے کہ مخالف ہے اکثر روایات مستفیضہ کے جو خوبی صحابہ پر دلالت کرتی ہیں اور اسمیں جو ارتداد کا لفظ ہے اگر اس روایت کو ہم
تسلیم کریں تو ارتداد سے معنی عام مراد ہونگے ارتداد عن الدین سے اور ارتداد عن سلوک الخیر سے اور ارتداد عن احسان اہل البیت واعانتہم سے جیسا کہ قاضی عیاض نے ارتدوا علی
اعقابہم میں جو کہ صحابہ کی شان میں کتب صحاح میں مندرج ہے ارتداد کے معنی عام مراد لیے ہیں اور نہج البلاغت کو جو شیعوں کے نزدیک اصح الکتب لکھا ہے یہ بھی غلط ہے اسواسطے کہ اکثر
خطب اسکے اہل سنت کی کتابوں سے ماخوذ ہیں اور حضرت علی نے جو معاویہ کو اخواننا فی الاسلام فرمایا ہے اسکا کیا مضائقہ ہے اخواننا فی الایمان تو نہیں فرمایا اور مسلمان تو ہم سب کو جانتے ہیں

اس سے کفر ہے پس جس وقت کہ قتال مسلم کا کفر ہوا تو قتال امیر المومنین اور امیر المسلمین کا کیونکر کفر نہ ہوگا اور اگر تسلیم نہیں کرتے تو نعوذ باللہ علی کو کافر کہو معاویہ کی حمایت
اب تو خاطر خواہ معاویہ کا کفر ثابت ہوگیا اور امامت حضرت علی کی ہمارے نزدیک البتہ جزو ایمان ہے اور منکر امامت کا حضرت علی کی اگرچہ ناجی ہوجاتا ہے لیکن اسلام اسکا
باقی رہتا ہے اگر اقرار شہادتین کرتا ہے اور ہم لکھ چکے اور اہل سنت کی کتابوں سے ثابت کر چکے کہ قتال کرنا حضرت علی سے کفر ہے اگر تم حضرت کو حق جانتے ہو اور اس صورت میں
معاویہ اور اسکے اصحاب موافق روایات اہل سنت کے ملعون ہوگئے اور بری طعن سے وہ ہرگز نہیں ہوئی اور آیۃ السابقون سے تیرا ثابت نہیں ہوا اور جو کچھ تونے لکھا
تھا ہمنے اسکو باطل کر دیا اور ایسا جواب دندان شکن ہمنے تجھ کو دیا ہے کہ اگر تو کچھ سمجھ رکھتا ہے تو پھر ایسی گفتگو بیہودہ بے دینا اور اصحاب ثلاثہ وغیرہ کے مقدمہ
میں ہمکو احتیاج نہیں ہے اس امر کی کہنے کی کہ وہ بعد ہجرت کے ایمان لائے تھے اور نہ لفظ باحسان کو مہاجرین اور انصار متلو کرینگی کچھ احتیاج تھی ہم تو کچھ
کہ مراد سبقت سے سبقت الی الہجرت نہیں ہے اور اگر سبقت الی الہجرت فرض کریں تو بھی مطلب ہمارا ہاتھ سے نہیں جاتا ہے ان وہ ہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے
مہاجرین و انصار کی نیکی میں متابعت کی ہے **قال الشیخ الاشعری** بعد ہذا طرفہ تماشا یہ ہوگیا کہ اس آیت اور آیات کے وسیلے سے جو اس آیت کی ذیل
میں مذکور ہوئیں سنی اصحاب ثلاثہ کیا بلکہ تمام مہاجرین اور انصار کا ایمان ثابت کرکے اما یہ کہ اور عقیدہ کو ہیں وہ عقیدہ تو یہ ہے کہ حضرات ائمہ
سب سے تینوں سے تو کیا انبیاء سے افضل ہیں اور وجہ اس عقیدہ کی پامالی کی یہ ہے کہ سورہ تو بہ میں اس جو ایمان بھی لائے اور ہجرت بھی
کی اور جان اور مال سے خدا کی راہ میں جہاد بھی کیا یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ انکا مرتبہ اور امتیوں سے اعلیٰ ہے یہ امام اور غیر امام کی نہیں تو معلوم ہوا کہ
سو حضرت علی کے اور ائمہ اطہار اس رتبہ کو نہ پہنچے تھے جو ان صحابہ کا ہے نبی کا رتبہ تو در کنار تسکین خاطر کے واسطے الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ ... خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ
یعنی جو لوگ کہ ایمان لائے اور انہوں نے وطن چھوڑ دیا اور خدا کی راہ میں مال و جان سے جہاد کیا وہ سب میں بڑے درجہ والے ہیں اور مراد کو پہنچنے والے ہیں بشارت دیتا
ہے انکو رب انکا اپنی رحمت اور اپنی رضامندی اور باغوں کی جن میں انکے لیے دوام کی نعمت ہے وہ اسمیں ہمیشہ ہمیشہ پاس بڑا اجر ہے اب حضرات شیعہ
رجوع کریں **اقول** نہ اس سے بجز اسکے نہیں بن پڑی کہ یا تو حق بول اٹھیں یا یہ کہ موافق مشہور الضرورات تبیح المحظورات بحکم ضرورت
اور ہمیشہ کو اپنے ایمان پر باقی ہیں اور آیتوں سے ثلاثہ وغیرہ کا ہمیشہ کو ایمان پر باقی رہنا ثابت نہیں ہوتا ہے اور کسی آیت میں یہ بھی
ہے آیتوں میں تو یہ ہے کہ جو کوئی ایمان لایا ہے اسکے واسطے ایسے ایسے درجے ہیں تخصیص کسیکی نہیں ہے کہ ایمان لائے ہیں انکی طرف ہے
بھی خطاب ہے کہ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ اور فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا اور سوائے اسکے اور بہت آیتیں ہیں کہ اے مومنین جو کوئی
تم میں سے اپنے دین سے پھر جائیگا تو اسکی مغفرت نہ ہوگی اور ہمیشہ کو وہ دوزخ میں رہیگا اب ہم دیکھیں گے کہ ان میں کون اپنے دین سے
پھر گیا ہے اور جسکا پھر جانا دین سے ثابت ہوگا تو ہم خواہ مخواہ کیونکر اسکو مومن کہہ دیں جیسا کہ تم مرتد عقیدہ کو جو کچھ ائمہ معصومین
علیہم السلام سے ہے کیا خاک میں ملاؤگے اور کیا تمہارا منہ ہے اور تمہارے ثلاثہ کو جو ہم نے خاک میں ملا کر برابر کر دیا ہے اور تم افضل ہونے کا ذکر تو
وہ نہیں نکل سکتے اور تمہارا عقیدہ جو انکے ساتھ ہے اسکو بھی ہم نے خاک میں ملا دیا ہے اور اس آیت سے جو کہ اس نے لکھی ہے اسواسطے کہ اس آیت میں تینوں
انشاء اللہ تعالیٰ بعد اسکے آئیگا جس جگہ کہ تو اس مسئلہ کا ذکر کریگا اور اس آیت کا تو ہم پہلی آیتوں میں ذکر
اوصاف خدا تعالیٰ نے مومنین کے بیان کئے ہیں ایمان اور ہجرت اور جہاد سو جس میں یہ تینوں ہوں اور یہ بھی ہم ذکر کر چکے ہو جیسا کہ عمر بن خطاب کے
کر چکے ہیں کہ مراد وہ مومنین ہیں کہ تا دم واپسیں ایمان پر قائم رہے ہوں اور یہ بھی ہم ذکر کر چکے کہ ہم پہلے اس سے ثابت کر آئے ہیں
قول میں ہے اور جہاد میں سے رسول خدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر بھاگے نہیں ہوں سو بعضے مرتبہ انکا اعلیٰ ان لوگوں سے ہے کہ جو اس
ہیں معلوم ہوا کہ مستحق اس مرتبہ کے اس آیت میں وہ لوگ ہونگے جنمیں یہ تینوں دلیلیں سے اور آخرین سے اور تخصیص جیسے
زمانہ میں موجود تھے جیسے کہ انصار کہ جنکو ہجرت نصیب نہیں ہوئی یا جنکو جہاد بھی اعلیٰ ہو جائیں اور ائمہ معصومین علیہم
کہ امام اور غیر امام کی نہیں ہے ایسے ہی نبی اور غیر نبی کی بھی نہیں اس سے کہتا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اور
السلام کے رتبہ کو تو کیا جانے کہ وہ متقی تھے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک متقی

اور آنکے متقی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مولوی عبدالعزیز صاحب آنکے حق میں لکھتے ہیں کہ وہ معصوم تو نہ تھے مگر محفوظ تھے گناہوں سے اور صحابہ کو ایسا نہیں لکھتے بلکہ خاطی اور گنہگار لکھتے ہیں چنانچہ مطاعن عثمان کے جواب میں لکھا ہے کہ صحابہ معصوم نہ تھے اور اُنپر حدیں جاری ہوتی تھیں اور شراب نوشی بھی کرتے تھے اور ملا سعدالدین تفتازانی نے توشرح مقاصد میں لکھا ہو کہ وہ حق سے تجاوز کر گئے تھے پس جبوقت صحابہ کا یہ حال ہے اور ائمہ معصومین علیہم السلام متقی ثابت ہوئے تو خدا تعالے کے نزدیک مہاجرین سے زیادہ بزرگ وہ ہی ہونگے اور اگر مہاجرین ممدوحین اعظم درجہ ہیں تو وہ اُنسے بھی زیادہ درجہ میں ہیں اور جو کچھ کہ مرتبہ ائمہ معصومین کا اہل سنت کے نزدیک اولیاء اللہ کے نزدیک ہے ہم اُسکا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ بعد اسکے آویگا جس جگہ کہ یہ شیخ ذکر کریگا کہ شیعہ اپنے ائمہ کو انبیاء علیہم السلام سے افضل جانتے ہیں اب دیکھو تو شیعہ کیسے حق بولے ہیں کہ افضلیت کو ائمہ معصومین علیہم السلام کی مہاجرین سے ثابت کر دیا اور تمہارے قول لغو کو باطل کر دیا اب تم کو رجوع کرنی چاہئے طرف مذہب حق قدیم کے جن کے حق میں رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے حضرت علی سے کہ یا علی انت و شیعتک فی الجنۃ **قال الشیخ الاشعری** اور یوں کہیں کہ ہم نے دیکھا کلام اللہ سے وہی ثابت ہوتا ہے جو سنیوں کا مطلب ہے لیکن خدا کا کیا اعتبار جیسے اور بہت سے امور میں ہمارے عقیدہ کے موافق آج کوئی مانے نہ مانے خدا کو بدا واقع ہوا ہے صحابہ کی شان میں اور سنیوں کے حق میں اور کلام اللہ کی حفاظت میں بھی بدا واقع ہوا پہلے یوں ہی ارادہ ہو جیسا کلام اللہ میں فرمایا بعد میں رائے بدل گئی ہو وہی معنی بدا کے ہیں **اقول** ہم ایسا باطل قول کاہیکو کہیں گے کہ کلام اللہ سے وہ ہی ثابت ہے جو سنیوں کا مطلب ہے سنیوں کا مطلب تو بالکل مخالف کلام اللہ کے ہے اور ہمارا عقیدہ وہ ہی ہو جو کلام اللہ سے ثابت ہے اور موجب حکم خدا کے ہی اور اعتبار خدا کا اہل سنت کے مذہب میں نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ اے مومنین تم میں سے اگر کوئی مرتد ہو جائیگا تو اسکی مغفرت نہوگی اور ہمیشہ وہ دوزخ میں رہیگا اور تم اکثر مومنین کو دیکھتے ہو کہ بعد رسولخدا صلعم کے اُنسے ایسے ایسے افعال سرزد ہوئے ہیں کہ وہ ان افعال کی جہت سے مرتد ہوگئے ہیں لیکن تمکو اُن فعلوں پر نظر نہیں ہی اور خواہ مخواہ اُنکے افعال کی اصلاح کرتے ہو اور خدا کا اعتبار نہیں کرتے اور شیعوں کا مذہب وہ صاف ہے کہ اُسمیں کوئی بات گرفت کی نہیں ہے جب اہل سنت نے اُسکی صفائی اور پاکیزگی دیکھی تو عداوت کی راہ سے بدا کا یہ افترا کیا جو کہ باعتبار لغت کے ہے اور بدا کا جو تونے ذکر کیا ہو جو بدا کہ ہمارے نزدیک ہو اُس بدا میں کچھ قباحت نہیں ہے اور جس بدا کو تم ہماری طرف منسوب کرتے ہو جو کہ باعتبار لغت کے ہے ہم اُسکے معتقد کو ہم کافر کہتے ہیں اور ملعون جانتے ہیں تو نے جو کچھ کہ یہ لکھا ہے مولوی عبدالعزیز صاحب کے تحفہ میں ہی لکھا ہے اور مولوی صاحب مذکور کا یہ حال ہو کہ سینکڑوں افترا اُنہوں نے شیعوں پر کئے ہیں اور علماء اہل سنت میں ایسا دروغ نویس کوئی نہیں گزرا ہو اگر اُنکے دروغوں کو جمع کیا جاتے تو ایک کتاب ضخیم تیار ہو اول تو اسباب کو جان لینا چاہئے کہ ضروریات مذہب امامیہ میں سے یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو عالم کلیات اور جزئیات کا ازل سے ابد تک جانتے ہیں اور کوئی چیز اُسپر پوشیدہ نہیں ہو سکتی اُنکے نزدیک علم اُسکا عین ذات ہے چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ کان اللہ ولا شئ غیرہ ولم یزل عالما بما یکون فعلمہ بہ قبل کونہ کعلمہ بعد کونہ یعنی خدا تعالیٰ تھا اُسوقت کہ سوائے اسکے کوئی چیز نہ تھی اور ہمیشہ عالم تھا اُس چیز کا کہ آیندہ کو پیدا ہوگی پس علم اُسکا ساتھ اُس چیز کے کہ پہلے پیدا ہوئی ہے اُسکے مثل علم اُسکے کے ہو بعد پیدا ہونے اُسکے کے یعنی جیسا علم کہ اُسکو اُسکے پیدا ہونے کی بعد ہے ایسا ہی پیدا ہونے سے پہلے بھی تھا اور یہ شیخ بار بار اعتراض کرتا ہے اور حال یہ ہو کہ روایت بدا کی اہل سنت کی بھی کتابوں میں موجود ہی چنانچہ صحیح بخاری میں لکھا ہو کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ بدا للہ ان یبتلیھم یعنی بدا ہوا واسطے خدا کے یہ کہ آزمائے اُنکو اور بدا کے دو معنی ہیں ایک تو لغوی اور ایک اصطلاحی جو کہ اہل اسلام کے نزدیک مقرر ہیں معنی لغوی تو یہ ہیں کہ تبدل اور تغیر رائے کا ہو بسبب ظہور خطا اور ندامت کے رائے پہلی میں اور عدول کرنا اُس رائے سے طرف رائے دوسری کے اور ہمارے نزدیک خدای تعالیٰ پر یہ محال ہے اور اس کے معتقد کو ہم کافر اور ملعون جانتے ہیں اور یہ وہ معنی ہیں کہ اس کو اہل سنت ہماری طرف منسوب کرتے ہیں بسبب جہل کے یا تجاہل کے اور ایک بدا کہ جس کے شیعہ قائل ہیں کہ وہ تغیر احکام کا ہے باعتبار مصالح اور اوقات کے کہ پہلے ایک حکم دیا تھا اور بعد اسکے پہلے حکم کی مخالف اور حکم دیا باعتبار مصلحت اُس وقت کے لیکن پہلے حکم کے وقت جانتا تھا کہ بعد اس کے اس حکم کے خلاف دوسرے حکم کی مصلحت ہوگی اُسی وقت ہم دوسرا حکم دینگے اور جب دوسرے حکم کا وقت آیا تو وہ حکم دیا اور ایسے ہی کسی کو مارتا ہے اور کسی کو پیدا کرتا ہے اور کسی کی عمر زیادہ کرتا ہے اور کسی کی عمر کم کرتا ہے اور کسی کو تونگر کرتا ہے اور کسی کو تنگ دست کرتا ہے لیکن اُس کے وقت ظہور سے پہلے روز ازل سے اس کو بہ تفصیل جانتا ہے کہ ہم یوں کرینگے فلانے وقت جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا اسمعیل علیہ السلام کے ذبح کا اور پھر اُس کو موقوف کر دیا اور قوم یونس علیہ السلام پر عذاب نازل کر کے بند کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک عروس کو جبرئیل علیہ السلام کے کہنے سے کہا کہ آج کی شب یہ مرجائیگی اور پھر وہ نمری اور آیات اور احادیث

ثابت ہوتا ہی کہ خداتعالیٰ کی دو لوح ہیں ایک تو لوح محفوظ کہ اس میں جو لکھا ہی اُسکا تغیر اور تبدل نہیں ہوتا ہی کہ وہ موافق علم خدا کی ہی اور دوسری لوح محو و اثبات ہی
کہ اُس میں موافق مصالح الٰہی کے لکھا بھی جاتا ہی اور مٹایا بھی جاتا ہی مثلاً زید کی عمر پنجاہ سال کی اُس میں لکھی تھی اُس نے صلہ رحمی کی یا صدقہ راہ خدا میں دیا
تو پنجاہ سال کو محو کرکے ستر برس لکھدیے اور اسی مقدمہ میں خداتعالیٰ فرماتا ہی یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ وَعِنْدَہٗٓ اُمُّ الْکِتٰبِ یعنی مٹاتا ہی خدا جو چاہتا ہی اور ثابت
کرتا ہے اور نزدیک اُسکے ام الکتاب ہے اور یمحو اللہ ما یشاء و یثبت سے تو مراد لوح محو و اثبات ہی اور ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے اور اسیطرح ہمارا عقیدہ ہی اور ہماری
اصطلاح میں یہی بدا ہی جو کہ خداتعالیٰ پر ہم کہتے ہیں اور اسمیں کچھ قباحت نہیں ہی اور جو کچھ کہ مینے لکھا ہی یہ خلاصہ ہے ہمارے علمار کی تحریر کا اور روایتیں بھی ہماری
اسی بدا پر دلالت کرتے ہیں چنانچہ کافی میں حضرت صادق ابو عبداللہ علیہ السلام سی روایت ہے کہ فرمایا ما بدا للہ فی شیٔ الا کان فی علمہ قبل ان یبدا لہ یعنی نہیں بدا
ہوا ہی خدا کو کسی چیز میں مگر کہ تھی وہ چیز اُسکے علم میں پہلی اس سے کہ ظاہر ہو واسطے اُسکے اور دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا ان اللہ لم یبد لہ من جہل یعنی تحقیق کہ خدا نہیں
بدا ہوا ہی واسطے اُسکے جہل سی کہ پہلے وہ اُسکو نجانتا ہو اور حضرت صادق علیہ السلام سی پوچھا گیا کہ ھل یکون الیوم شیٔ لم یکن فی علم اللہ بالامس قال لا من قال ھذا
فاخزاہ اللہ قلت ارایت ما کان وما ھو کائن الی یوم القیامۃ الیس فی علم اللہ قال بلٰی قبل ان یخلق الخلق یعنی کیا ہی آج کوئی ایسی شی کہ نتھی وہ علم
خدا میں کل کے روز کہا کہ نہیں جو کوئی کہی ایسا تو پس رسوا کریگا اُسکو خدا راوی کہتا ہی کہ مینے کہا کہ خبر دی تو مجھکو جو کچھ کہ ہو لیا ہی اور جو کچھ کہ ہونیوالا ہی روز قیامت
تک کیا نہیں ہی علم خدا میں کہا کہ ہاں ہی پہلے اس سے کہ پیدا کرے خلقت کو اور ایک حدیث دوسری حدیث سے تفسیر ہوتی ہی اور سوا اُسکے اور روایتوں میں جو بدا
کا ذکر آیا ہے کہ خدا کے واسطے بدا ہوتا ہی اور بدا کے معنے بیان نہیں کئے اور ان روایتوں میں جمع ہونے بیان کی اُنسی معلوم ہوا کہ بدا جہل سی نہیں ہوتا ہی تو معلوم ہوا کہ سب
روایتوں میں مراد بدا سی یہی ہی کہ جسمیں جہل نہو سو ہمارا مذہب تو یہی ہی اور یہی مراد ہی ہماری نزدیک بدا سی اور اگر تیری نزدیک بدا کا لفظ مکروہ اور برا ہی کہ جہاں یہ لفظ آئیگا تو
اُسکے معنی لغوی ہی مراد ہونگے تو اپنی کتابوں کی تو خبر لے کہ تیری کتابوں میں بھی تو آیا ہی ابن اثیر نہایہ میں حدیث اقرع و ابرص میں جو کہ بخاری کی حدیث
ہی لکھتا ہی بدا للہ عزوجل ان یبتلیہم یعنی بدا کیا اللہ نے یہ کہ آزمائے اُنکو سو جو بدا کہ شیعوں کے نزدیک ہی اور ہمنے اُسکے معنے لکھے ہیں اگر وہ بدا خدا کو واقع ہو تو اُسمیں
کیا قباحت ہی اور صحابہ کے اور سنیوں کے حق میں بدا واقع نہیں ہوا ہی بعضے صحابہ نے اور سنیوں نے اپنی شامت نفس سی افعال بد قبیلہ کئے ہیں اور خدا تو یہی چاہتا تھا کہ یہ
ایمان پر قایم رہیں اور اب جو یہ ایمان صحیح پر قایم نرہے تو اپنے ارادہ سے اور خداتعالیٰ اس سے راضی نہیں ہی **قال الشیخ الاشعری** اور یہی معنی بدا کے ہیں چنانچہ
نظام الدین جیلانی نے جنکو آج کل کے شیعہ شاید منافق تبلائیں رسالہ علم الہدیٰ فی تحقیق البدیٰ میں لکھا ہی بدالہ اذا ظہر لہ رای مخالف للرای الاول یعنی
کہا کرتے ہیں کہ فلانی کو بدا واقع ہوا جب اُسکو پہلے رای کے مخالف کوئی دوسری رائے سوجھی ملا نظام الدین جیلانی مذکور راوی رسالہ میں لکھتا ہی کہ شیخ ابو جعفر طوسی
اور شیخ ابو الفتح کراجکی کا بھی بدا کے معنوں میں یہی مذہب ہے اسلئے کہ شیخ طوسی نے عدہ میں اور شیخ کراجکی نے کنز الفوائد میں یہی تحقیق کی ہی مگر شریف مرتضیٰ نے
ذریعہ میں جو کچھ تحقیق کرکے لکھا ہی اور طبرسی کے کلام میں سی بھی کچھ اُسکی بو آتی ہی وہ اُسکے خلاف ہی کہ وہ لکھتے ہیں معنے قولنا بدا لہ تعالیٰ انہ ظہر لہ من
الامر ما لم یکن ظاہرا یعنے ہم جو کہتے ہیں کہ خدا کو بدا ہوا تو اُسکے یہ معنی ہیں کہ خدا کو کوئی ایسی بات معلوم ہی جو پہلے معلوم نتھی پہر اسکے بعد ملا نظام الدین لکھتے
لکھتے یوں لکھتا ہی کہ حاصل یہ ہی کہ خدا کو اشیار نو پیدا کا علم اُنکے وجود کے بعد حاصل ہوتا ہی اور بہ اسکے بعد یہ لکھتا ہی اور وہ تحقیق دوسرے معنوں پر منطبق
آتی ہی وہ یہ ہی کہ خبر میں بھی بدا ہوتا ہی یعنی یوں ہی کبھی ہوتا ہی کہ آیندہ کی خبر ... سطر بر کردیا ہی اور جو کچھ ہمارے نزدیک بدا سی مراد ہی وہ تو
ہم لکھ چکے اور تو اپنی سند کے واسطے مولوی عبدالعزیز صاحب کے لکھنے پر اعتماد کرکے ایک شخص ... میں کوئی بھی اُسکو نہیں جانتا کہ
وہ کون ہی اور نہ کوئی اُسکی کتاب اعلام الہدیٰ کو جانتا ہی کہ وہ کیسی ہی اور کہاں ہی ہمپر اُسکا اکثر ... معلوم نہیں کہ وہ کس مذہب کا آدمی ہی اور
اگر وہ شیعہ ہی تو اس سے کیا ہوتا ہی اور جسوقت اُس نے ایسا اعتقاد بدا اختیار کیا تو شیعوں کے زمرہ سے وہ خارج ہوگیا ... برخلاف اہل سنت کے مذہب کے لکھا کہ ختم المرسلین
یسات آدمی ہیں اور تیری حق میں مکہ معظمہ سے ارتداد کا حکم آیا اور پہلے اس سے ہم لکھ چکے کہ مذہب ہمارا یہ ہی کہ شی ازل سے ابد تک عالم جمیع کلیات اور جزئیات
کا ہی اس صورت میں اسکا قول کہ خالی کفر سے نہیں اور مخالف آیات قرآنیہ کے ہی ہمپر حجت نہیں ہوسکا معلوم ہوتا ہی کہ مولوی عبدالعزیز صاحب نے یا نصر اللہ کابلی
نے اپنی طرف سی گہڑ لیا ہی اور اعتبار کے واسطے سید مرتضیٰ کا اور شیخ ابو جعفر طوسی وغیرہ کا نام لکھدیا اور جو کچھ چاہا خاطر خواہ لکھدیا لیکن شیعہ اس جعل میں کب
آتے ہیں اور جو کچھ کہ اُس نے اپنی اعتماد کے واسطے حوالہ شیخ ابو جعفر طوسی اور ابو الفتح کراجکی کا دیا ہی غلط ہی سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ نے جواب مسائل اہل ری میں

لکھا ہی کہ مراد بدا سے نسخ ہی اور دعوی کیا ہی کہ معنی لغوی سی خارج بھی نہیں ہی اسواسطے کہ بدا معنی ظہور ہی اور مراد بدا سے یہ نہیں ہی کہ دلالت کری خدا تعالی کے جہل پر
اور شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ نے عدہ میں سید مرتضی علیہ الرحمہ سے تفسیر دوسری لکھی ہی جسکا کہ تو نے ایک ٹکڑا لکھا ہی اور آخر کے فقرہ کی خیانت کرکے اڑا دیا ہی سو تو
عبد العزیز صاحب کی پیروی سی اور ترجمہ اسکا تو نے غلط کیا ہی اور وہ یہ ہے بدا الله معنیٰ ان ظهر له من الامر مالم یکن ظاهراً له وبدا له من النهی مالم یکن ظاهراً له
لان قبل وجود الامر والنهی لا یکونان ظاهرین مدرکین وانما یعلم انه یأمر وینهی فی المستقبل فاما کونه امراً وناهیاً فلا یصح ان یعلمه الا اذا وجد الامر والنهی
یعنی بدا الله اسکے معنی ہیں ہی کہ ظاہر ہوا واسطے اسکے امر سے جو کچھ کہ نہ تھا ظاہر اور ظاہر ہوا واسطے اسکے نہی سی جو کچھ کہ نہ تھا ظاہر واسطے اسکی اسواسطی کہ پہلے وجود امر و
نہی کے نہیں ہوتے ہیں وہ دونوں ظاہر ادراک کئی گئی اور سوا اسکے نہیں جانتا ہی وہ کہ حکم کریگا یا منع کریگا آئندہ کو پس لیکن ہونا اسکا حکم کرنیوالا اور منع کرنیوالا پس نہیں
صحیح ہی یہ کہ جانے اسکو مگر جسوقت کہ پائی جائیں امر اور نہی انتہی اور یہ گفتگو بصراحت دلالت کرتی ہی اس بات پر کہ مذہب سید علیہ الرحمہ کا کل اہل اسلام کی مانند
یہ ہی کہ چیزیں جبتک موجود نہیں ہوتی ہیں جناب باری عز اسمہ جانتا ہی کہ فلانی چیز فلانے وقت موجود ہوگی اور جسوقت کہ موجود ہو جاتی ہی تو اسوقت اسطرح
جانتا ہی کہ اب موجود ہی اور یہ ایسا ہی جیسا کہ خدا تعالی فرماتا ہی وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ یعنی اور البتہ آزماوینگے ہم تمکو یہانتک
کہ جانیں ہم جہاد کرنیوالوں کو تم میں سے اور صبر کرنیوالوں کو یعنی تا کہ جانیں ہم تمہاری جہاد کو جسوقت کہ تم متصف بوجود جہاد ہوا سطرح سی کہ اب متصف بجہاد ہی
اسواسطی کہ قبل وجود جہاد کے جانا نہیں جاتا ہی جہاد اسطرح سے کہ اب متصف بوجود ہی جہاد البتہ اسقدر جانتا ہی کہ آئندہ کو جہاد مجاہدین کا وجود پکڑیگا اور جو کہ جہاد
کریگا اسکو جانتا ہی لیکن جہاد ابھی ظاہر نہیں ہوا ہی اور جانتا ہی کہ ظاہر ہوگا اور جب ظاہر ہوگا تو جانیگا کہ اب ظاہر ہے اور پہلے ظاہر نہ تھا یہی حال بدا کا ہی اور فرمایا
کہ آزماوینگے ہم خبروں تمہاری کو قسم اعمال سی کہ ظاہر ہو حسن اور قبح انکا کہ جو اب ظاہر نہیں ہی اور یہی بیضاوی میں لکھا ہی اور تو نے ظهر له من الامر میں اول تو خیانت کی مولوی
عبد العزیز صاحب کے پیروی سی کہ آخر کی عبارت نہ لکھی اور امر جو کہ نہی کے مقابلہ میں ہی اسکے معنی بات کے مقرر کئے اور ظہور جو کہ پیدا شدن کے معنی میں ہے
اسکے معنی علم ٹہیرائے کتنی بڑی غلطی کی ہی اور پہر شیعان علی کا مقابلہ کرتا ہی غلام معاویہ اور عمرو عاص کا ہو کر اور شیخ ابو جعفر طوسی کتاب غیبت میں بعد ذکر
احادیث بدا کے لکھتے ہیں کہ بعد تسلیم صحت ان اخبار کے کہہ سکتے ہیں کہ بعید نہیں ہی کہ جناب باری نے عالم تقدیر میں واسطے اس امر کے ایک وقت معین کیا ہو بلحاظ سبب
حدوث وتجدد بعضی امور مصلحت نے تغیر پایا ہو اور اس سبب سے تاخیر میں پڑا اور اسی پر محمول ہیں وہ احادیث کہ جو درباب تاخیر کرنے حد کے ہی اپنے وقت سی بسبب صدقہ اور صلہ رحم
اور دعا کے اور کم ہونا عمر کا بسبب ظلم اور قطع ارحام کے اور خدا تعالی اسکا عالم ہوتا ہی اور بعد اسکے حضرت امام رضا علیہ السلام سی روایت لکھی ہی کہ وہ اپنے آبا طاہرین
کا قول بیان کرتے ہیں آیت يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۤءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ کو بدا کے مقدمہ میں اور اسکے بعد لکھا ہی کہ جو شخص کہتا ہی کہ جناب باری نہیں جانتا ہی کسی
چیز کو مگر بعد اسکے حادث ہونیکے وہ شخص کافر ہے اور بعد اسکے حضرت امام حسن عسکری کا قول لکھا ہی کہ فرمایا تعالی الله الجبار العالم بالاشیاء قبل کونها یعنی
خدا تعالی کہ برتر اور جبار ہی سب اشیاء کو انکی پیدا ہونے سے پہلے جانتا ہی اور کثرت سی ہماری روایتیں خدا کے عالم ہونے پر اشیاء کے قبل وجود انکی کے منقول
ہیں اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ کتاب التوحید میں لکھتے ہیں کہ مراد ہماری بدا سے بدا ندامت نہیں ہے کہ بسبب بے علم ہونیکے پہلی رای میں قباحت ظاہر ہوئی تو نادم ہو
اور دوسری رای سے اسکو بدلا اور ایسے ہی مذہب مولانا طبرسی اور ابو الفتح کراجکی کا صحیح غرض یہ ہے کہ ہماری سب علما کا یہی مذہب ہے اور یہ کسیکا مذہب نہیں ہی کہ بسبب بے علمی کے
پہلی رای کو دوسری رای مخالف اسکی سے اسکو بدلا ہو اور یہ جو لکھتا ہی کہ خدا کو علم اشیاء کا انکی وجود کے بعد ہوتا ہی سو ہم لکھہ چکے کہ جو کوئی ایسا اعتقاد رکھتا ہی وہ کافر
ہی یہ بھی خوب بات ہی کہ ایک شخص بد مذہب مجہول الحال کے قول سی کہ وہ بھی معلوم نہیں کہ راست ہے یا دروغ ہے شیعوں پر اعتراض کرے کہ جو ایسے قول سی بری ہیں اور جو
تحقیق نظام الدین مفروض کی ہی وہ سب ہمارے نزدیک کفر کی ہے اور باطل ہی اور شیعوں کا یہ اعتقاد ہی نہیں ہے اور اگر کوئی روایت اس نے شیعوں کے عقیدہ کے مخالف
انکی کتاب میں دیکھی ہی روایات صحیحہ مستفیضہ کے مقابلہ میں تو اسکا اعتبار نہیں ہی اہل سنت کے کتب صحاح میں روایات تجسیم باری تعالی اور آسمان دنیا پر اسکا آنا اور جانا موجود
ہی چنانچہ پہلے اسے ہم لکھہ چکے اہل سنت کو ان روایتوں کو دیکھ کر تو شرمانا چاہیئے اور ہم کہتے ہیں کہ نظام الدین نے جو لکھا ہی کہ بدا کے یہ معنی ہیں کہ ظهر له رای مخالف
الرای الاول اس سے یہ کہاں سی معلوم ہوا کہ اسکو پچھلی رای کا پہلے سی علم نہ تھا بلکہ ہو سکتا ہی کہ خدا تعالی پہلے اس سے جانتا ہو کہ ہماری اس رائے کے بعد ایک اور رائے
مخالف اسکی ظاہر ہوگی کہ مصلحت اسوقت اسی رائے کی ہوگی اور یہ جو تو نے لکھا ہی ترجمہ میں کہ دوسری رائے سوجھی یہ غلط ہی سوجھی تو نے کس لفظ کا ترجمہ کیا ہی اور جب
وقت اس رای کا آیا تو وہ ظاہر ہوئی اب کہہ سکتے ہیں کہ ظهر له رای مخالف للرای الاول اور اگر نظام الدین سب مسلمانوں پر اعتراض کرکے کہے کہ خدا تعالی قرآن میں

فرماتا ہے حتی نعلم المجاھدین منکم اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالی کو علم مجاہدین کا بالفعل نتھا بعد اسکے معلوم ہوگا کہ کون جہاد کرتا ہے اور کون
جہاد نہیں کرتا ہے تو اسکا تو بدون تاویل کے کیا جواب دیگا **قال الشیخ الاشعری** اب سنیے کہ متاخرین امامیہ کو کچھ بدا کے باب میں ہوش آیا ہے اور سنیوں کے اعتراضوں
کو سن سنا کر کچھ فکر آبرو ہوا ہے اسلیئے بات بدلکر اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ یہ بات فقط خاص اس علم میں ہوتی ہے جس کی کسیکو خبر نہیں کرتے اور جو علوم کہ انبیاء
کو بھیجے جاتے ہیں اس میں خدا جھوٹ نہیں بولتا سو اگر اب بات پر امامیہ جم جائیں تو سنیوں کی طرف سے انکو مرحبا اور آفرین اس صورت میں کلام اللہ کی بات
تو باون تولے پاؤ رتی کی ہوگی پھر نہیں کیا ضرورت کہ بدا کے عذر کی وجہ سے کسی اور وجہ سے اثبات مدعا کریں **اقول** متاخرین میں سے کسیکا نام تو لکھا ہوتا کہ فلانی
نے یہ کہا ہے یا اپنی جی سے ہی جوڑ کر کہتا ہے اور متقدمین کا مذہب ہم بیان کر چکے انکے کسی قول پر اعتراض ہی نہیں ہوتا ہے پھر سنیوں کے اعتراض متاخرین نے کیا
سنی ہونگے اور ہماری متقدمین اور متاخرین کا اس باب میں سبکا ایک مذہب ہے اور اگر اہل سنت افترا کے شیعوں پر اعتراض کریں تو اسکا جواب بجز لعنة اللہ
علی الکاذبین کے کچھ جواب نہیں ہے اور متاخرین نے ہماری کوئی بات نہیں بدلی ہے اور یہ بھی کسی نے نہیں لکھا ہے کہ یہ بات خاص اس علم میں ہوتی ہے جسکی کسیکو
خبر نہیں کرتے اور جو علوم کہ انبیاء کو بھیجے جاتے ہیں اس میں خدا جھوٹ نہیں بولتا اور اخبار اس مقدمہ میں مختلف وارد ہوئی ہیں بعضی میں تو یہ ہے کہ بدا واقع نہیں
ہوتا ہے اس چیز میں کہ جسکا علم انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کو پہنچا ہے اور بعضے میں یہ ہے کہ وارد ہوتا ہے تو ان اخبار کے جمع کرنے میں البتہ آخوند مجلسی علیہ الرحمہ نے یہ فرمایا
ہے کہ ان احادیث سے کہ جو عدم وقوع بدا پر دلالت کرتے ہیں اسمیں کہ جو انکو پہنچی ہیں یہ مراد ہے کہ جسوقت مامور ہوتے ہیں انکی تبلیغ کے تو انمیں بدا واقع نہیں ہوتا ہے
اور جسوقت کہ لا علی التبلیغ ہو تو انمیں گنجایش بدا کی ہے اور ایک وجہ یہ ہے کہ جو بر سبیل وحی ہو تو اس میں بدا نہیں ہوتا ہے اور جو بر سبیل الہام ہو تو اسمیں
بدا ہوتا ہے اور ایک وجہ یہ ہے کہ جو کہ عقیدہ بحتم ہے تو اس میں بدا نہیں ہوتا ہے اور اسی واسطے جناب ائمہ علیہم السلام اسکو بقید حتم اظہار فرماتے ہیں اور جو مقید بحتم نہیں ہے
اس میں احتمال وقوع بدا کا ہے اور اسی واسطے جناب ائمہ علیہم السلام بعضی وقت اسکی طرف اطلاع فرماتے ہیں جیسے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے بعد الاخبار بالسبعین
فرمایا یمحو اللہ ما یشاء اور ایک وجہ یہ ہے کہ مراد ان اخبار سے کہ بدا واقع نہیں ہوتا ہے یہ ہے کہ جسوقت وجہ حکمت کے ظاہر نہو تا کہ تکذیب لازم نہ آئے اور دوسرے اخبار جنمیں
وقوع بدا ہے وہ ہیں کہ حکمت اسکی ظاہر ہو جائے جیسے کہ خبر دی حضرت عیسی نے اس عروس کے مرنیکی سو اسمیں قباحت ہے اور بدا سے تو ہماری نزدیک وہی مراد ہے جو ہم
بیان کر چکے اور جھوٹ ہمارے نزدیک خدا تعالی ہرگز نہیں بولتا ہے اور جو کوئی خدا کو جھوٹا جانے وہ کافر ہے جیسے حضرت جبرئیل نے حضرت کو خبر دی کہ یہ عروس آجکی شب مر جائیگی
اور حضرت عیسی اور جبرئیل تو خبر غیب جانتے ہی نتھے خدا تعالی کی خبر کرنے سے کہتے تھے کہ وہ مر گئی اور وہ نہ مری تو معلوم ہوا کہ تمہارے نزدیک خدا تعالی جھوٹ بولا
اور امامیہ تو جو بات کہتے ہیں اسپر جمے ہوئے ہیں اور بیشک کلام اللہ کی بات باون تولہ پاؤ رتی ہے لیکن تیرا دعوی ثابت نہیں ہو سکتا ہے کہ ہم تیرے دعوی کو پہلے سے
باطل کر چکے ہیں اسکا بطلان بدا کے ہونے نہونے پر موقوف نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** مگر مانتے ہیں ملا نظام الدین کو کہ سنیوں کی طعن اٹھائی اور مذہب کے ٹھا لگا
سے گھبرا کے مذہب کو سنبھالا اور متاخرین کی نمائی یعنی اس تخصیص میں جو متاخرین نسبت علم مخصوص کے کرتے تھے انکی تکذیب کی اور بہت روایات احادیث مذہب نقل کر کے متاخرین کے بات کو خاک میں
رلایا اور کیوں نہ رلا دے آخر شیعوں میں بڑے محقق ہیں یہی وجہ ہوئی کہ اس باب خاص میں رسالہ لکھا کہتا ہے کہ یہ ہی جھوٹ بولنا تو جب خدا جان بوجھ کر کچھ کہدے
اور جب نعوذ باللہ خدا ہی کو غلط معلوم ہو تو پھر خدا کا کیا قصور جو متاخرین کہتے ہیں کہ خدا اپنے دوستوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا **اقول** شیعوں میں کوئی نظام الدین
صاحب علم نہیں ہے یہ سب ساختہ پرداختہ مولوی عبد العزیز صاحب کا ہے اور اگر بالفرض تھا تو وہ شیعوں کے مذہب سے خارج ہو گیا اور اسکا قول مثل بول کے ہے اور اسی کا
یہ مذہب ہوگا شیعوں کا یہ مذہب نہیں ہے اور نہ متاخرین شیعہ کا یہ مذہب ہے جو کچھ کہ تو انکی طرف منسوب کرتا ہے اور نہ متاخرین نے یہ کہا ہے اور ہمکو اسکا بھی اعتبار نہیں ہے کہ
اس نظام الدین مفروض نے ایسا کہا ہے اسکو تو کوئی شیعہ جانتا بھی نہیں چہ جائیکہ اسکے محقق ہونیکو کوئی جانے اور نہ ہماری روایتیں ہمارے عقیدہ کے مخالف ہیں
جو عقیدہ کہ ہمنے لکھا ہے اور اگر کوئی روایت مخالف ہوگی تو اسکا اعتبار نہوگا اہل سنت کی کتاب صحاح میں روایات تجسم اور تنزل خدا موجود ہیں اور ہمارے نزدیک
خدا تعالی نہ عمدا جھوٹ بولتا ہے نہ خطا سے اور جو کوئی ایسا اعتقاد رکھے کہ خدا جھوٹ بولتا ہے وہ ہمارے نزدیک کافر ہے اور جو کوئی ہماری طرف گمان کرے وہ ملعون ہے
بحکم آیت لعنة اللہ علی الکاذبین اور نہ متاخرین نے ہمارے یہ کہا ہے کہ خدا اپنے دوستوں سے جھوٹ نہیں بولتا جھوٹے کا تو بجز لعنت کے کچھ علاج ہی نہیں ہے اور خدا
اگر جھوٹ بولتا ہوگا تو تمہاری نزدیک بولتا ہوگا اور انبیاء علیہم السلام کی غلطیاں تو خود لکھتا ہی چلا آتا ہے اور اب ہم بھی نقل تیری کہتے ہیں کہ اہل سنت میں ایک شخص
مولوی عماد الدین ہیں پانی پت کے رہنے والے مخدوم جی کی درگاہ پر بہت حال کھیلتے تھے انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے ہدایۃ المسلمین اور اسمیں لکھا ہے کہ یہ قرآن خدا کا

کلام نہیں ہے اور نہ اُسمیں فصاحت اور بلاغت ہے کہ فلانا لفظ فصاحت سے خالی ہے اور فلانا جملہ بلاغت سے خالی ہے اس قرآن کو محمد نے بنالیا ہے اور آیتوں میں اسکی اختلاف ہے اور
اور تحریف بھی اُسمیں واقع ہوئی ہے یہ مذہب پناہ جو کہ اہل سنت کا مذہب ہے بیان کیا اور متاخرین نے اِن امور کا انکار کیا مگر جانتے ہیں مولوی عماد الدین کو کہ شیعوں کی طعن
اُٹھائی اور مذہب کے ٹٹول لگنے سے گھبرائے اور مذہب کو سنبھالا اور متاخرین کی نہ مانی کہ جو وہ انکار کرتے تھے اُنکی تکذیب کی اور بہت اقوال فصحاء عرب کے اور روایات احادیث مذہب
اہل سنت نقل کرکے متاخرین کی بات کو خاک میں رلایا اور کیوں نہ رلاتے آخر سنیوں میں بڑے محقق ہیں یہی وجہ ہوئی کہ اسباب میں خاص کتاب لکھی اور جو کچھ یہ شیخ
نجدی نظام الدین مذکور کی طرف منسوب کرتا ہے اسکی مطابق ہے میں اہل سنت کی کتابوں سے ثابت کرتا ہوں انصاف کے کانوں سے سننا چاہئے کہ نظام الدین کے مذہب کے موافق
اہل سنت کی کتابوں میں بہت روایتیں موجود ہیں چند روایتوں پر اکتفا کرتا ہوں تفسیر درمنثور میں اور ایسی ہی کتاب الاکتفا میں کعب سے روایت ہے کہ زمانہ بنی اسرائیل میں
ایک بادشاہ تھا جس وقت اُسکا ہم ذکر کرتے تو عمر کا ذکر کرتے اور جس وقت عمر کا ذکر کرتے تو اُسکا ذکر کرتے اُس زمانہ کے پیغمبر کو خدا تعالیٰ نے وحی کی کہ اُس بادشاہ سے کہدے کہ جو کچھ
تجھ کو وصیت کرنی ہے کرلے کہ تو تین روز میں مرنیوالا ہے اُس بادشاہ نے سنکر دعا کی تو وہ مرا نہیں اور کنز العمال میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں دو بھائی دو بادشاہ تھے ایک نیک
اور عادل تھا اور دوسرا بد افعال تھا خدا تعالیٰ نے اُس زمانہ کے پیغمبر کو وحی کی کہ اس نیک کی عمر میں تین برس باقی رہے ہیں اور اُس ظالم کی عمر میں تیس برس اُس عادل
کی رعیت کو یہ سنکر رنج ہوا تو اُنہوں نے متفق ہو کر دعا کی اُسکی عمر تین برس سے تیس برس کی ہوگئی اور تین برس میں وہ نہ مرا اور مختصر تاریخ بغداد میں بھی بروایت صاحب کنز العمال
یہ روایت لکھی ہے اور مولوی عبد العزیز صاحب نے بھی بستان المحدثین میں اس روایت کو لکھا ہے اور حیوۃ الحیوان اور تاریخ ابن النجار میں مذکور ہے بروایت ابو ہریرہ کہ رسول خدا
صلعم نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایک مرد تھا کہ وہ ایک طائر کے بچے گھونسلے میں سے نکالکر لیجاتا تھا اُس طائر نے خدا تعالیٰ سے شکایت کی خدا تعالیٰ نے وحی کی کہ اگر پھر یہ
شخص ایسا کریگا تو اُسکو میں ہلاک کرونگا وہ پھر اُس طائر کے بچے نکالکر لیگیا لیکن مرا نہیں صدقہ دینے کے سبب سے اور اس طرح کی روایتیں اہل سنت کی کتابوں میں
بہت ہیں اب میں پوچھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جو وحی کی کہ تین روز میں یہ مریگا اور وہ نہ مرا اور یا یہ کہ اُسکی عمر تین برس ہی کی ہے نہ زیادہ کی اور تیس برس
زندہ رہا اور ایسی ہی طائر کے بچے پکڑنیوالے کو کہا کہ اُسکو ہلاک کرونگا اور پھر اُسکو ہلاک نہ کیا تو خدا تعالیٰ کو اسکا علم تھا کہ وہ صدقہ دیکر بچ جائینگے یا نہ تھا اگر اسکا علم تھا کہ وہ مرینگے
نہیں اور باوجود علم نہ مرنے کے جو وحی کی کہ یہ تین روز میں مرجائیگا اور ایسے ہی باوجود علم تین برس سے زیادہ کی عمر ہونے کے جو وحی کی کہ اسکی عمر میں تین برس ہی باقی ہیں نہ
زیادہ تو نعوذ باللہ خدا تعالیٰ نے جھوٹ بات وحی کی اور خدا تعالیٰ جھوٹ بولا اور اگر خدا کو پہلے سے اسکے بچ جانیکا اور تین برس سے زیادہ عمر ہونیکا علم نہ تھا تو یہ وہی عقیدہ ہے جسکو
تو نظام الدین کی طرف منسوب کرتا ہے وہ اور تم دونو اس اعتقاد میں متفق نکلے اور ہم ایسے اعتقاد والے کو کافر جانتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** بالجملہ ان سب روایات
سے جو محقق مذکور نے اثبات مدعا کے لئے نقل کریں یہ ثابت ہوتا ہے کہ بدا کی تین قسمیں ہیں ایک تو بدا فی العلم یعنی خدا نے پہلے سے کچھ جان رکھا تھا پیچھے سے حقیقت الامر کچھ معلوم
ہوئی دوسرے بدا فی الارادہ یعنی پہلے کچھ ارادہ تھا پھر یوں معلوم ہوا کہ یہ ارادہ ٹھیک نہیں ہے تیسرے بدا فی الامر یعنی پہلے کچھ حکم دیا پھر بعد ازاں یوں معلوم ہوا کہ پہلے حکم میں
کچھ غلطی تھی اُس حکم کو بدلکر دوسرا ایسا حکم جس میں کہ وہ نقصان نہو بلکہ مصلحت وقت معلوم ہوتی ہو صادر فرمائیں یعنی آخر خوب ذہن نشین رکھنی چاہئیں ایسا ہو کہ نسخ
سے مشتبہ ہو جائیں کیونکہ نسخ حقیقت میں اسی کہتے ہیں کہ ایک حکم کا زمانہ آخر ہو جاوے اور دوسرے حکم کا زمانہ آجائے مثلاً رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم ہے جب عید ہوئی
وہ زمانہ آخر ہوا اور افطار کا زمانہ آگیا اسے یوں نہیں کہتے کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی اسلئے موقوف کیا گیا بلکہ وہ حکم اسی زمانہ تک تھا اسکے بعد دوسرے زمانہ کا حکم آگیا اتنا فرق ہے
کہ کہیں پہلے سے زمانہ کے مقدار کی اطلاع ہو جاتی ہے جیسے مثال مذکور میں اطلاع ہے اور کہیں نہیں ہوتی وقت ہی پر ہوتی ہے مثلاً حضرت عیسیٰ کی شریعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک تھی یہ بات سوا خداوند کریم کوئی نہیں جانتا تھا اور جو کوئی جانتا تھا بھی تو یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ زمانہ کس وقت آئیگا
اقول وہ روایتیں کہ جو تمہارے اُس محقق نے اثبات مدعا کے لیے نقل کی ہیں وہ ہماری کتابوں کی روایتیں نہیں ہیں کہ جنسے بدا کی تین اقسام نکلتے ہیں تو بھی
جھوٹا ہے اور وہ بھی جھوٹا ہے اور ہماری کتاب کی اگر کوئی روایت ہے تو اسکو بیان کیا ہوتا کہ کس کتاب کی وہ روایت ہے اور یہ تینوں قسمیں بدا کی جو نکالی ہیں یہ سب
باطل ہیں نہ ہمارے نزدیک بدا فی العلم کوئی چیز ہے نہ بدا فی الارادہ اور نہ بدا فی الامر ہم ان سب کو باطل اور انکے معتقد کو کافر جانتے ہیں اور ہمارے نزدیک تو وہ بدا معتبر ہے
کہ جس میں ہے ایک نسخ بھی ہے اور نسخ کی تفسیر جو کچھ تونے بیان کی ہے اسکو نسخ نہیں کہتے ہیں یہ تو احکام سال کے ایام ہیں کہ فلانے مہینے میں ایسا کرنا چاہئے اور فلانے میں
ایسا کرنا چاہئے اور ہر سال میں یہ احکام پھرتے رہتے ہیں اور نسخ میں یہ ہے کہ پہلا حکم جاتا رہتا ہے اور دوسرے حکم کے کرنیکا حکم ہوتا ہے جیسے والذین حافظنا یمانکم کی
تفسیر میں لکھا ہے کہ حلیف کو چھٹے حصہ میں وراثت تھی اور آیت اولو الارحام کے نازل ہونے سے وہ حکم جاتا رہا اور باعتبار قرابت کے وارث ہونے تھے اور جب آیت توریث قرابت نازل

[illegible] کا علم نہ تھا اور پھر منسوخ ہوگیا اور اگرچہ نسخ اسکو بھی کہتے ہیں کہ ایک حکم کا زمانہ آخر ہوجاوے اور دوسرے حکم کا زمانہ آجاوے لیکن ماہ
رمضان [illegible] میں یہ مثال صحیح نہیں ہوسکتی جیسا کہ ہم لکھ چکے اور دوسرا حکم اسوقت کی مصلحت کے واسطے تو ہی جسکو خدا تعالی روز ازل سے جانتا تھا کہ فلانے وقت
ایسی مصلحت ایسی ہوگی تو پہلے حکم کو موقوف کرکے دوسرا حکم ہم او دینگے اور غلطی خدا سے تیرے نزدیک ہوتی ہوگی یا تیرے بھائی نظام الدین مفروض کے نزدیک اور غلطیاں
انبیا علیہم السلام کی تو تو لکھتا چلا آتا ہے اگر تیرے نزدیک خدا سے بھی غلطی ہوجاتی تو کیا عجب ہے اور شیعوں کا یہ مذہب نہیں ہے جو کچھ تو کہتا ہے اور اپنی افترا کرتا ہے **قال الشیخ الاشعری** القصہ بدا فی الامر جسے شیعہ بدا فی التکلیف کہتے ہیں وہی ہے نسخ اور یہی بدا کی یہ صورت ہے کہ رمضان کے مثلاً روزہ رکھنے کا حکم دیا اور جبتک نقصان اسمیں
معلوم ہوتا تھا اور اسی لئے جبتک یوں نہ ٹھیرایا تھا کہ یہ حکم فلانے وقت تک رہیگا پھر لیا یک یہ سوجھی کہ مصلحت وقت کے خلاف میں ہے اسلئے اسکو بدل دیا جب بات سمجھ
میں آگئی تو اس ہیچمدان کی گزارش بھی سنیے کہ یہ صورت بدا فی التکالیف کے واقع ہونے بدا فی الارادہ بھی جسے بدا فی التکوین بھی کہتے ہیں لازم ہوگا کیونکہ بدا فی الارادہ تو اسی
ہی کہتے ہیں کہ جو کسی مصلحت تازہ کے پہلا ارادہ بدل جائے تو جب مصلحت ہی کے لحاظ سے حکم بدلا گیا تو پہلا ارادہ جو اس حکم کی ہمیشگی کا تھا وہ آپ بدلا گیا اور اسیطرح بدا فی الارادہ کو
بدا فی العلم جسے بدا فی الاخبار بھی کہتے ہیں لازم ہے اسلئے کہ ارادہ تو نئی مصلحت کے معلوم ہونے پر بدلتا ہے پھر جب مصلحت تازہ معلوم ہوئی تو لاجرم یہ بات صحیح ہوئی کہ جو علم اب حاصل
ہوا وہ پہلے نہ تھا اور جو پہلے تھا وہ اب غلط معلوم ہوا اسے ہی بدا فی العلم کہتے ہیں سو اگر شیعوں میں سے کوئی بدا فی الامر اور بدا فی الارادہ کا تو قائل ہوا اور سنیوں کے سامنے بدا
فی الاخبار سے مکر جائیں تو یہ مکر جانا پیش نہ جائیگا **اقول** ارے اکذب الکاذبین شیعوں کے نزدیک نہ بدا فی الامر کوئی چیز ہے نہ بدا فی التکلیف تو نے مولوی عبد العزیز
صاحب کے [illegible] اپنی عاقبت کیوں خراب کی اور جو کچھ تو نے مثال ماہ رمضان کے روزہ کی دی ہے یہ تیرے نزدیک شیعوں کے نزدیک نہیں ہے اور شیعوں کے
نزدیک یہ بھی نہیں ہے کہ لکا یک سوجھی بلکہ انکے نزدیک تو یہ ہے کہ وہ ہر امر کے حسن اور قبح کو روز ازل سے جانتا تھا اور بدا انکے نزدیک مثل نسخ کے ہے اور تو جو لکھتا ہے کہ اس
ہیچمدان کی سنیے تو کیا تو اپنے باوا جی کے گھر سے لایا ہے اور مولوی عبد العزیز صاحب دروغ نویس مفتری کی لکھی ہی تو لکھتا ہے اور بدا فی الارادہ تو کوئی چیز ہی ہمارے
نزدیک نہیں ہے اور بدا فی التکوین تو مثل بدا تشریعی کے ہے جیسے کہ کسیکی عمر کا بڑھانا اور گھٹانا اور روزی کا دینا اور کم کرنا باعتبار مصلحت کے ہوسکتا کہ علم پہلے سے
رکھتا تھا نہ یہ کہ اب سوجھی میر باقر داماد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں منزلت بدا در تکوین منزلت نسخ است در تشریع پس نسخ گویا بدا تشریعی است و بدا نسخ تکوینی پس نسخ چنانچہ
انتہای حکم است بدا انتہای افاضہ وجود است اور بدا تکلیفی اور بدا ارادی تو باطل ہے اسواسطے کہ کوئی دلیل انکے وقوع کی شیعوں کی کتابوں میں نہیں ہے اور جسوقت
کہ یہ باطل ہوئی تو بدا فی العلم بھی لازم نہ آئیگا اور جو شخص کہ یہ اعتقاد رکھے کہ خدا تعالی کو جو علم اب حاصل ہوا وہ پہلے نہ تھا اسکو ہم کافر جانتے ہیں اور جو شخص افترا کرے شیعوں پر
اس اعتقاد کا اسپر شیعہ لعنت کرتے ہیں اور بدا فی الامر اور بدا فی الارادہ کا شیعوں میں کوئی قائل نہیں ہے یہ قول تمکو اور تمہارے بھائی جیلانی ہی کو مبارک ہو اور شیعہ تو
اس قول کے قائل سے تبرا کرتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** حاصل کلام یہ ہے کہ شیعوں کے نزدیک مسئلہ بدا مجمع علیہا ہے اگر وہ آیات مذکورہ کے دباؤ سے سنیوں سے
امن [illegible] چھڑانے کو یوں کہنے لگیں کہ اگر تم اپنے پیشواؤں کی بزرگی کلام اللہ سے ثابت کرتے ہو تو ہمنے مانا کلام اللہ میں ایسا ہی ہے جیسا تم کہتے ہو لیکن کلام اللہ کا نعوذ باللہ کیا اعتبار
خدا کی رائے گھڑی گھڑی بدلتی رہتی ہے اور نعوذ باللہ غلط صحیح رطب یابس سب اسکے کلام میں ہوتا ہے ہمارے ائمہ کو البتہ علم ما کان ما یکون تھا انکے اقوال سے اگر انکی بزرگی ثابت ہو تو
تبتک تم تسلیم کریں **اقول** البتہ شیعوں کے نزدیک وہ بدا ہے جسمیں خدا کی جہل کا احتمال ہو اور جسمیں ہم بھی خدا کی جہل کا ہونا ہو وہ باطل ہے اور یہی بدا ہمارے ائمہ معصومین
کے نزدیک ہے جسکو علمائے اہل سنت لکھتے ہیں کہ ائمہ روافض نے اپنی شیعوں کے واسطے بدا مقرر کیا ہے چنانچہ فخر رازی نے آخر کتاب محصل اور شہرستانی نے ملل نحل اور مولوی
عبد العزیز صاحب نے حاشیہ کید صد و ہفتم میں اور سوائے اسکے بہت علمائے اہل سنت نے لکھا ہے اور حاصل سب کا یہ ہے کہ ائمہ روافض نے دو مقالے اپنے شیعوں کے واسطے وضع کیے ہیں
اسواسطے کوئی انپر غالب نہیں ہوسکتا ایک تو بدا کہ جسوقت وہ اپنی تابعین کو خبر دیتے ہیں کہ انکے لئے شوکت اور قوت ہوگی اور وقوع میں نہیں آتا ہے تو کہتے ہیں کہ اسمیں بدا واقع ہوا
ہے اور دوسرے تقیہ کہ جب کوئی کلام کرتے ہیں اور بعد اسکے بطلان اسکا واضح ہوتا ہے تو کہتے ہیں ہمنے تقیہ سے کہا تھا اور آیات مذکورہ سے جو تم ثابت کرتے ہو اسکو تو ہم رد کرتے چلے آئے
ہیں اور آیات سے تو ہمارا ہی مطلب ثابت ہوتا ہے تمہارا اگر بدا و آیات کا ہے تو تیرہ ہے اور قرآن ہی سے ہم تمہارے بزرگوں کی بے ایمانی ثابت کرتے ہیں بزرگی کہاں تھی اسواسطے کہ
کلام اللہ کی آیتوں میں مجمل یہ لکھا ہے کہ جو کوئی ایمان لائے اور ہجرت کرے اور جہاد کریگا تو اسکے واسطے مغفرت اور اجر عظیم ہے اور نام کسیکا لکھا نہیں ہے اور ایسے ہی یہ بھی لکھا
ہے کہ جو کوئی تم میں سے مرتد ہوجائیگا تو اسکے واسطے جہنم ہے سو اب ہم رجوع کرینگے طرف روایات فریقین کے اگر ان روایات فریقین سے کسیکا ارتداد ثابت ہوتا ہے تو ہم اسکو بزرگ
کیونکر کہنے لگیں گے اور تمہارا حال یہ ہے کہ موجب نُؤْمِنُ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ مغفرت کی آیات کو تو صحیح جانتے ہو اور ارتداد کی آیات کو غلط سمجھتے ہو اور جنکی

بزرگی ثابت ہو کلام اللہ سے کہ وہ تا دم والپسیں ایمان صحیح پر قائم رہے ہیں انکو ہم مانتے بھی ہیں ورایسا ہی ہو جیسے کہ تم کہتے ہو نہ کل صحابہ مثل ثلاثہ وغیرہم کے جو اپنے ایمان پر قائم نہیں رہے اور کلام اللہ تو ہمارا ایمان ہو اور ہمارے نزدیک اسکے برابر کوئی کتاب معتبر نہیں ہے اور جو کچھ اسمیں ہے سب حق ہو اور معتبر تمہارے ہی نزدیک وہ نہیں ہے کہ اسکی بعضی آیتوں پر تم عمل نہیں کرتے ہو اور بعضی پر کرتے ہو اور جو کچھ کلام اللہ میں ہے ہمارے نزدیک سب صحیح ہو اور غلط بعضی آیتوں کو تم ہی جانتے ہو نہ ہم اور بعضے صحابہ کے عیوب کو ہم اہل سنت کی کتابوں سے ثابت کرتے ہیں بدا کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہو اور خدا کی رائے کا بدلنا گھڑی گھڑی تو خدا ہی کے کلام سے ثابت ہے چنانچہ فرماتا ہے یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاۗءُ وَیُثْبِتُ اور فرماتا ہے کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ اور فرماتا ہے یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاۗءُ اور خدا تعالیٰ کا معطل بیٹھا رہنا اور کچھ نہ کرنا یہودیوں کا اعتقاد ہو اور یہ بدا صحیح جسکے ہم معتقد ہیں وہ یہودیوں ہی کے اعتقاد کے رد کے واسطے ہے اور تمہارا اور یہودیوں کا اعتقاد خدا تعالیٰ کے بیکار رہنے میں ایک ہے تم اس مقدمہ میں یہودیوں کے پیرو ہو اور ہمارے ائمہ علیہم السلام کو جو کچھ علم ہے وہ خدا ہی کی جانب سے ہو اور آنھیں کا تعلیم کیا ہوا ہے کہ خدا سے انکو پہنچا ہے رسول خدا صلعم کے واسطے سے اور بعد رسول خدا صلعم کے جس چیز کے علم کو وہ چاہتے تھے تو خدا تعالیٰ انکو الہام کر دیتا تھا اور علم ما کان ما یکون کا ذکر بعد اسکے تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہوگا کہ اہل سنت کی کتابوں سے بھی ہم اسکو ثابت کرینگے اور یہ بھی ہم لکھینگے کہ مراد علم ما کان ما یکون سے کیا ہو اور تمہارے نزدیک تو ہر ادنے اور جولا ہے کو علم ما کان ما یکون تھا نفحات الانس جامی کو اور تذکرۃ الاولیا کو دیکھ لو اور بیشک ہمکو تمسک ائمہ معصومین علیہم السلام ہی کی ارشاد سے ہو کہ کلام انکا وہ ہو کہ جو کلام خدا کا اور رسول خدا کا ہو اور ہمکو انھی کی پیروی کا حکم ہو موافق ارشاد رسول خدا صلعم کے کہ فرمایا ہے حضرت نے انی تارک فیکم الثقلین ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی کلام اللہ وعترتی اہلبیتی **قال الشیخ الاشعری** اس صورت میں ہمیں بھی یوں لازم ہو کہ شیعوں کی اس حجت کو بھی ختم کر دیں اسلئے سامعہ خراش اہل انصاف ہوں کہ یہی بدا ہے تو اول تو ہمیں چہار دہ معصوم کی مغفرت میں کلام ہے نعوذ باللہ اور شیعوں کا تو دیا ذکر جیسے اصحاب کرام ہو وعدہ ہا مغفرت اسکے بعذر بدا پھر گئے اگر حضرت ائمہ کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی ہو تو فرمایے اماموں کا خدا پر کیا دباؤ ہے خاصکر یہ بہانہ بھی موجود ہو کہ انکے تقیہ اور نامردہ پن نے تمام دین کا ستیاناس کر دیا **اقول** اس مقدمہ میں شیعوں کی حجت بدا نہیں ہے اور بدا کو اس سے کیا تعلق ہو اور حجت تو شیعوں کی کلام اللہ اور روایات کتب اہل سنت ہیں اور جس بدا کو تو لکھتا ہو وہ بدا تو ہمارے نزدیک باطل ہو اور بدا صحیح وہ ہے کہ جس میں جہل خدا لازم نہ آئے اور چہار دہ معصوم میں بدا کی کوئی صورت نہیں ہو اور نہ ہم صحابہ میں بدا کو دخل دیتے ہیں اور چہار دہ معصوم کی مغفرت یقینی اسواسطے ہو کہ انسے کوئی فعل خلاف ایمان کے صادر نہیں ہوا اور بعضے صحابہ سے صادر ہوئے ہیں چنانچہ کتب اہل سنت اسپر دلالت کرتی ہیں اور بدا کو اسمیں کچھ دخل نہیں ہے اور خدا تعالیٰ نے جو صحابہ سے وعدہ کیا تھا مغفرت کا تو یہ بھی کہدیا تھا کہ جو کوئی تم میں سے ایمان سے پھر جائیگا تو اسکی مغفرت نہو گی اور بعضے جو انمیں سے ایمان سے پھر گئے اور خدا تعالیٰ نے انکو نہ بخشا تو خدا تعالیٰ کے وعدہ میں کچھ فرق نہیں آیا اور جو لوگ کہ اپنے ایمان پر قائم رہے آخر انکو جنت اور اجر عظیم بخشا اور بعضے صحابہ سے جو خدا تعالیٰ وعدہ کر کے پھرا تو انکے ارتداد کی جہت سے پھرا نہ بعذر بدا اور اماموں کا اگرچہ خدا پر کچھ دباؤ نہیں ہے لیکن انسے یہ صورت پیش ہی نہیں آسکتی کہ وہ تو پاک اور صاف تھے اور تقیہ تو قرآن اور کتب اہل سنت سے ثابت ہے چنانچہ بعد اسکے تقیہ کے ذکر میں بیان ہوگا اور تقیہ کو نامردی نہیں کہہ سکتے کہ وہ شعار انبیا کا ہے جیسا آیندہ تجھ کو معلوم ہوگا اور وہ تو جو کچھ کرتے تھے مصلحت کی راہ سے کرتے تھے ظالموں کے ظلم سے جیسے کہ خدا تعالیٰ نے جو کرتا ہو مصلحت سے کرتا ہے حضرت موسیٰ سے بھاگے چلے جاتے تھے فرعون کے خوف سے طرف مدین کے اور جناب رسول خدا صلعم کو مکہ معظمہ میں قتل کرنا چاہا تو یہ حکم دیا خدا نے کہ مدینہ منورہ کو چلا جا اور اپنے حبیب کو اور حضرت موسیٰ کو خدا تعالیٰ بچا نہ سکا انکے شہروں میں ہجرت کرنیکا حکم دیدیا تو تیرے نزدیک یہ خدا تعالیٰ کی اور جناب رسول خدا کی نامردی ٹھہری اور خدا تعالیٰ کا حکم تھا کہ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ اسواسطے موجب حکم خدا کا یہ حضرات تھے اور ثلاثہ کے معتقدین کے ظلم سے اپنی جان کو موجب حکم خدا بچاتے تھے لیکن اماموں کو تو باوجود اس تقیہ کے پھر زہر دلوا کر قتل کروا ڈالا تمہارے بزرگوں نے اور تیرے ثلاثہ کے معتقدین نے اور دین کا تو انہوں نے کچھ ستیاناس نہیں کیا دیکھ انکا دین کیسا روشن ہو رہا ہو اور اگر دشمن عداوت کی جہت سے انکی طرف رجوع نکریں تو انکا کیا قصور ہو دین کا ناس کیا اہل سنت کی بزرگوں نے کہ جھوٹی روایتیں وضع کروائیں اور علماء نے انکی خوشامد میں اور طمع زر میں جھوٹی روایتیں بنا کر دین کا ستیاناس کیا اور یہ بات بعد اسکے اہل سنت کی کتابوں سے **قال الشیخ الاشعری** پھر تیسرا امام آخر الزمان نے تو نعوذ باللہ یہ ستم ڈالے ہیں کہ باوجود یکہ دوست دشمن کی خبر دیر بالیقین معلوم ہے کہ تمام ملک ایران میں مخلصان شیعہ سالہا سال سے منتظر زیارت اور مشتاق ملازمت بیٹھے ہیں جان وہاں فدا کرنیکو تیار ہیں ادھر ہندوستان میں روز بروز ترقی تشیع ہے امام کے انتظار میں مرے جاتے ہیں اگر حسب حال انکے یہ شعر کہا جائے تو بجا ہے ؎ اے اشتیاق رویت دلہا کباب کردہ ۔ سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ ۔ معہذا اپنی موت اپنے اختیار میں ہو اور تیسرا یہ معلوم کہ میں فلانے وقت سے پہلے نہ مرونگا باوجود اس فراہمی اسباب اور انتظار احباب کے خدا جانے کیا نامردہ پن ہو کہ روز بروز زیادہ ہی چھپتے جاتے ہیں

اور باہر نہیں آتے اگر خدانخواستہ کچھ اندیشہ ہوتا رسول اللہ صلعم کے ساتھ تو کل تین سو تیرہ ہی آدمی جمع ہونے پائے تھے جو جہاد شروع کر دیا پھر وہ بھی بزعم شیعہ اکثر منافق اور ناقص
نہیں تو ایسے مخلص بھی نہ تھے جیسے اب اس زمانہ امام زماں سے اخلاص و محبت رکھتے ہیں اور مخلص تھے جب شہادت امامت حضرت امیر چھپائی بلکہ خلافت اور سوا اسکے اور حقوق اہل بیت
دبا بیٹھے بہر حال جائے حیرت ہے کہ باایں ہمہ سامان امن و اطمینان غیبت امام کی انتہا ہی نہیں کہیں اماموں کا بہ نسبت اکان مایکون کے عالم ہونا غلط ہے یا شیعوں کی
دوستی غلط اور ہم جانتے ہیں کہ یہ صحیح ہے ایک دوستی کی آڑ میں ہزار عیب اماموں کے رکھنے لگاتے ہیں چنانچہ کچھ کچھ تو اس رسالہ کے دیکھنے والوں کو بھی واضح ہو جائیگا الحاصل
امام زماں باایں ہمہ انتظار احباب و در فراہمی اسباب دہر بہر طرح سے بے اندیشہ غار سر من رای سے باہر تشریف نہیں لاتے اور دین محمدی اور امت احمدی کی خبر نہیں لیتے
کہ کس گمراہی میں پھنسے ہوئی ہے دین ابوبکر بجائے دین محمدی اور بیاض عثمانی بجائے کلام ربانی دوازدہ امام کے بدلے ابو حنیفہ شافعی اس گمراہی سے زیادہ اور
کیا گمراہی ہوگی جسکا انتظار ہوگا الغرض اور اماموں کو تو یہ بھی عذر تھا کہ ہم بے بس و بیکس ہیں امام زماں جو باہر تشریف نہیں لاتے تو انکو کیا عذر ہے **اقول** پہلے
اس سے ہم قرآن کے ذکر میں اور بعد اسکے بھی اہل سنت کی کتابوں سے مثل فتوحات مکیہ اور یواقیت و جواہر اور رسالہ مناقب ائمہ اطہار شیخ عبد الحق دہلوی اور روضۃ الاحباب
اور تذکرہ خواص امت سبط ابن جوزی اور شواہد النبوت وغیرہ کے امام آخر الزمان کا پیدا ہونا اور موجود ہونا یہانتک کہ اہل سنت کے اولیاء اللہ کا انسے ملاقات ہونا پہلے
اس سے دو جگہ تفصیل سب کچھ لکھ چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں اب جو وہ ظاہر نہیں ہوتے ہیں تو یہ اعتراض مابہ الاشتراک دونوں فرقوں پر ہے سنیوں پر بھی اور
شیعوں پر بھی شیعوں کی کیا تخصیص ہے اور بعضے متعصب مثل مولوی عبد العزیز صاحب اور ابن حجر صاحب صواعق محرقہ کے کہ جو تعصب میں تیرہ سے زیادہ سخت ہیں
اگر امام مہدی کے وجود کا انکار کرتے ہیں تو کیا ہوتا ہے بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ اس مقدمہ میں اہل سنت کے نزدیک اختلاف پایا جائیگا لیکن اختلاف کی صورت میں ایسا
سخت نہیں لکھتے ہیں کہ اس لئے یہ ستم ڈالے ہیں اور بڑا نامرد ہے جو ابتک غار سر من رای سے باہر نہیں نکلتا سو ستمگار تو تیرے ثلاثہ تھے کہ تجھ کو بھی انکے ظلم کی خبر ہے
اور نامرد بھی وہ ہی تھے کہ جو رسول خدا صلعم کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر چند آدمیوں کے مقابلہ میں سے بھاگ جاتے تھے اور وہ تو حیدر کرار کا پوتا ہے جسکے دادا نے صفیں کفار
کی مارے تلواروں کے برہم و درہم کر دیں اور جسوقت وہ نکلیگا تو تمام عالم کو زیر کرکے اپنے قبضہ میں کر لیگا اور جسوقت کہ تو جانتا ہی کہ لاکھوں شیعہ انکی ملاقات کے مشتاق
ہیں اور انکے خروج کے منتظر ہیں تو پھر نامردی کی کون بات ہے لیکن تجھ کو برا کہنے کے واسطے ایک یہ بھی بہانہ سہی اور تو امام مہدی کو برا کیوں نہ کہے کہ تیرا خلیفہ حق
اور امام صدق معاویہ بن ابی سفیان انکے دادا علی مرتضیٰ کو گالیاں دیا کرتا تھا اور جسوقت کہ وہ باوجود کثرت اتباع اور معتقدین کے جو خروج نہیں کرتے ہیں تو اس صورت
میں انکو نامرد نہیں کہہ سکتے ہیں معلوم ہوا کہ کوئی مصلحت ہے اور جو وقت کہ انکے خروج کا خدا تعالیٰ کے نزدیک مقرر ہے اسیوقت نکلیں گے اس سے پہلے کیونکر نکلیں اور
انکا نکلنا کثرت انصار پر موقوف نہیں ہے بلکہ مصلحت خدا پر موقوف ہے جسوقت انکو الہام ہوگا اور زمین جور اور ظلم سے پر ہو جائیگی اسوقت نکلیں گے بموجب حدیث کے کہ
وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً اسمیں ہے اور انکا نکلنا کثرت پر انصار کے اسواسطے موقوف نہیں ہے کہ جسوقت نکلیں گے اسوقت ابتدا میں تو کل تین سو تیرہ ہی آدمی انکے ہمراہ
ہونگے جسقدر کہ پہلے رسول خدا صلعم کے ہمراہ تھے اور ایک وجہ امام آخر الزمان کے دیر کر خروج کرنے میں یہ ہے کہ تاکہ شیعہ انکے انتظار میں ثواب حاصل کریں جیسے کہ قیامت کے
انتظار میں ثواب حاصل کرتے ہیں اور اگر انسے کہا جاتا کہ ہزار برس یا دو ہزار برس کے بعد خروج کرینگے تو وہ مایوس ہو جاتے بلکہ کہتے ہیں انکی تسلی اور انتظار کھینچنے کے واسطے کہ
بہت جلد خروج کرینگے تاکہ شیعہ ہمیشہ انکے مشتاق زیارت رہیں کہ موجب انکی مزید ثواب کا ہو اور جسوقت وہ خروج کرینگے تو کفار کو قتل کرینگے اور جو مومنین کہ انکی اصلاب میں سے
وہ متولد ہوتے نہ پاتے اسواسطے بھی انکے خروج میں دیر ہے کہ وہ مومنین پیدا ہو لیں تو خروج کریں اور جو لوگ کہ اہل سنت میں سے انکے موجود ہونیکے قائل نہیں ہیں یہ تو وہ
بھی کہتے ہیں کہ وہ پیدا ہونگے پھر کسواسطے خدا تعالیٰ انکو پیدا نہیں کرتا ہے کہ لوگ گمراہ ہوئے جاتے ہیں نصاریٰ کا تمام عالم میں غلبہ ہو گیا ہے بڑی بڑی سلطنت مسلمانوں میں
توران اور روم کی تھی سو توران پر تو قبضہ روسیوں کا ہو گیا اور رومی انسے مغلوب ہو گئے اور لوگ نصرانی ہوئے جاتے ہیں پھر خدا تعالیٰ کس روز امام مہدی کو پیدا کریگا
اور یہ جو لکھتا ہے کہ امام مہدی کی موت انکے اختیار میں ہے شیعوں کے نزدیک یہ لکھنا اسکا بالکل غلط ہے اور ہماری روایتوں میں ہرگز ایسا نہیں ہے اور جو کچھ اسنے
یہ سمجھا ہے اس مضمون کو یہ اسکا مضمون ہی نہیں ہے بلکہ مضمون اسکا یہ ہے کہ جسوقت موت آتی ہے تو وہ اسکو اختیار کرتے ہیں اور پسند کرتے ہیں مکروہ نہیں جانتے اور موت
انکے اختیار میں کیونکر ہو کہ بے اختیاری میں تو وہ مارے گئے ہیں کسیکو تو قتل کیا اور کسیکو اہل سنت کے بزرگوں نے زہر دلوایا اور یہ مطلب اس روایت سے نہیں ہے کہ انکو
اختیار ہے جب چاہیں مریں جب چاہیں نہ مریں اور موت آئے تو اسکو ٹال دیں یہ اعتقاد گمراہوں کا ہے ایسی ایسی ہی باتیں جھوٹی بنا کر ہماری طرف منسوب کرتے ہیں عوام کے
نفرت دلانے کے واسطے اور نہ مرنے کا حال انکو معلوم ہو سکتا تھا کہ کسوقت مرونگا ہاں اگر خدا تعالیٰ الہام کرکے بتلا دے تو ہو سکتا ہے اور اہل سنت کے مذہب

میں تو جولاہوں اور دُھنوں کو الہام ہونا لکھا ہے اور وہ تو اولاد رسول خدا صلعم تھے اور نام دہ بن امام زمانہ کا جواب میں لکھ چکا اور جس وقت حضرت امام آخر زماں کو حکم جہاد کا ہوگا تو اُس وقت
اُنکے ہمراہ تین سو تیرہ ہی آدمی ہونگے اور امامیہ سب اصحاب رسول کو منافق نہیں جانتے ہیں اور جن لوگوں نے تلوار کی ہے رسول خدا کی ہمراہ ہوکر وہ بھی مخلصین ہی میں سے تھے
اور جیسے کہ امامیہ کو اخلاص ہے امام زماں سے اور ایسے ہی امام صحابہ مخلصین سے ہے شہادت امامت اُنہوں نے نہیں چھپائی تھی بلکہ رحبہ مسجد کوفہ میں شہادت ادا کی اور وقت خلافت
ابوبکر کے شیخین کی جعلسازی سے کچھ نہ کہہ سکے اور بعضوں نے جو حقوق اہل بیت دبائے ہیں اُسمیں کیا شک ہے یہ تو سب اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور سامان ورامن کا
جواب بھی ہم لکھ چکے اور جس طرح سے کہ اماموں کو علم ماکان مایکون تھا اُسکو ہم لکھ چکے وہ سب صحیح ہے اور دوستی بھی شیعوں کی اُن سے صحیح اور کامل ہے اور اُنکی دوستی کی آڑ میں
اُنکو کچھ غیب نہیں لگاتے اسکو سب جانتے ہیں بلکہ اُنکے فضائل بیان کرتے ہیں اور اُنکے دشمنوں پر لعن اور تبرا کرتے ہیں اور جو کچھ تو نے اس رسالہ میں بیہودہ اور واہی لکھا ہے
ہمنے وہ سب رد اور باطل کر دیا ہے اور امام زمان جو بانتہا [illegible] اور قرآنی [illegible] سباب نہیں نکلتی ہیں اُسکا جواب تو ہم لکھ چکے اور دین محمدی اور اُمت محمدی کی خبر لینی خدا کے
اوپر ہے کہ اُس نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے تمہاری مذہب کے موافق اور امام مہدی کو پیدا نہیں کرتا ہے کہ وہ ہدایت کریں اور دین ابوبکر بجای دین محمد نہیں ہے دین محمدی
بجای خود موجود ہے کہ وہ مذہب شیعہ ہے اور سوا دین محمدی کے بہتیرے مذہب روے زمین پر ہیں یہود اور نصارا اور بت پرست ایسے ہی ایک دین ابوبکر ہے لیکن اسقدر فرق ہے
کہ وہ کفار میں اور یہ دین مسلمانوں کے دین میں سے ہے اور قرآن کو اگر بپاس عثمانی اس اعتبار سے کہیں کہ وہ عثمان کا جمع کیا ہوا اور ترتیب اُسکی موافق رای عثمان کے ہے
تو اسکا کچھ مضایقہ نہیں ہے لیکن کلام تو وہ خدا ہی کا ہے اسواسطے ہمارا اعتقاد اُس سے ہے اور عثمان نے اگر اُسکو جمع کر لیا ہے تو کیا ہے وہ کلام اُسکا تو نہیں ہے اور ابوحنیفہ اور شافعی
اگر ہیں تو ہماری دین میں تو نہیں ہیں وہ تو ابوبکر کے دین میں ہیں اور ہمارے دین میں تو وہ ہی دوازدہ امام ہیں اور دنیا میں تو بہتیرے مذہب ہیں اور اُن میں علما بھی ہیں
ہمکو اس سے کیا انصارا میں پادری ہیں اور ہنود میں پنڈت اور اگر ابوحنیفہ اور شافعی ہیں تو سنیوں کے مذہب میں ہیں ہمارے مذہب میں تو نہیں ہیں جو کہ مذہب حق ہے اور
اگر خلقت گمراہ ہے تو اُسکا انتظام خدا کو کرنا چاہیئے کہ حکم دیوے امام مہدی کو خروج کا اور اگر بپاس [illegible] تو اُنکو پیدا کرے اور اماموں کے بے بس اور بیکسی ہی دیر
کیا شبہ ہے کہ اہل سنت کے بزرگوں نے اور معتقدین ثلاثہ نے اُنکو خذول اور منکوب کیے قتال یا اسیلو تو تلوار سے [illegible] پیدا کیا اور کسیکو زہر دلوا کر اور امام آخر الزماں کو بھی مدت
کہ ابتک حکم خدا کا اُنکے خروج کے مقدمہ میں نہیں ہوا ہے اور اُنکا خروج کثرت اسباب پر موقوف نہیں ہے بلکہ حکم خدا پر موقوف ہے جب کہ خدا تعالیٰ کی مصلحت ہوگی تو حکم خروج کا

فرمائیگا **قال الشیخ الاشعری** درصورتیکہ بدا کو تم تسلیم کر لیں تو بھی یہ بے انتظامی نہیں کی بابت [illegible] اعتقاد کے موافق بجز اسکے سمجھ میں نہیں آتی کہ خدا سے دوازدہ امام
کے مقرر کرنے میں بڑی چوک ہوئی ابوبکر عمر عثمان کو مقرر کرنا تھا جو دین رونق دیتے اور بے انتظامی نہ ہوتی الغرض اب یہ سمجھ اسکے اور کچھ توجیہ بن نہیں پڑتی
ہاں اگر اسکے قائل ہو جائیں کہ خدا کے ذمہ یہ واجب نہیں کہ جو بندہ کے حق میں اصلح ہو وہی کیا کرے تو البتہ یوں بھی کہہ سکیں لا یُسئل عما یفعل وہم یسئلون یعنی خدا سے
کوئی یوں نہیں پوچھ سکتا کہ یوں کیوں کیا اور خدا سب سے پوچھ سکتے ہے کہ تم نے یوں کیوں کیا یہ حال عجب نہیں جو بدا واقع ہوا ہو اور امام زماں کی معزولی کا حکم صادر ہو چکا
ہو اور شاید یہی وجہ ہے کہ تخمین سے زیادہ امام کو غیبت میں گذری **اقول** جو بدا ہے ہمارے نزدیک اُس میں بدا میں کچھ قبح نہیں ہے اور اہل سنت کے نزدیک بھی وہ مذموم
نہیں ہے چاہیے تو تسلیم کر چاہے نہ کر اور جس بدا کو تو ہماری طرف منسوب کرتا ہے اُس بدا کے معتقد کو ہم کافر جانتے ہیں اور بے انتظامی لوگوں کی بداعمالی کی جہت سے
ہے بدا کو اسمیں کچھ دخل نہیں ہے اور اس بے انتظامی کا اعتراض تیرا امامیہ پر نہیں ہے بلکہ خدا پر ہے کہ وہ امام زماں کو پیدا نہیں کرتا ہے تاکہ وہ انتظام کریں اور خدا تعالیٰ
نے دوازدہ امام کو بہت مناسب سمجھکر مقرر کیا تھا اگر لوگوں نے شامت نفس اور حب جاہ اور ظلم کی جہت سے اُنکی طرف رجوع نہ کی تو قصور لوگوں کا ہے خدا تعالیٰ سے اسمیں
چوک نہیں ہوئی اور حضرت نوح کو جو خدا تعالیٰ نے پیغمبر کر کے بھیجا اور لوگوں نے اُنکی طرف رجوع نہ کی اور ایمان نہ لائے تو معلوم ہوا کہ تیری نزدیک خدا تعالیٰ سے بڑی چوک
ہوئی حضرت نوح کے مقرر کرنے میں کسی اور کو پیغمبر مقرر کرتا اور ابوبکر نہ عثمان نے دین کو رونق کیا دی تھی بلکہ دین کو خراب کر دیا تھا اور انتظام کی جہت سے اگر کہتا ہے
تو معاویہ کے اور اُسکے مابعد کے زمانہ میں تو زیادہ انتظام تھا اور عثمان کا تو وہ انتظام ہوا کہ مقتول ہی ہو گیا صحابہ کے غضب اور غصہ سے اور عایشہ اُسپر لعن کرتی رہیں
اور اگر مراد مجرد انتظام ہی تھا اور حق و ناحق کا اور احکام خدا کا لحاظ نہ تھا تو خدا تعالیٰ کو چاہیئے تھا کہ کسی انگریز کو مقرر کرتا تاکہ وہ خوب انتظام کرتا اور البتہ خدا تعالیٰ پر واجب ہے
کہ جو کچھ کرتا ہے موافق حکمت اور مصلحت کے کرتا ہے اور کوئی فعل اُسکا عبث نہیں ہے گو ہماری عقل اُسکی مصلحت کے دریافت کرنے میں قاصر ہو اور جس وقت کہ اُسکا فعل موافق حکمت اور مصلحت ہو تو ہم اُسکے فعل میں چون و چرا
نہیں کر سکتے اور اسیواسطے لا یُسئل عما یفعل یعنی نہیں پوچھا جاتا ہے اُس چیز سے کہ کرتا ہے اسلئے کہ سب کام اُسکا موافق مصلحت کے ہے جیسے کہ طبیب حاذق کوئی نسخہ واسطے بیمار کے لکھے تو یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ تو نے
یہ کیوں لکھا ہے اور امام کے حق میں بدا ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ فریقین کی کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ وہ خروج کرینگے اور زمین کو عدل و داد سے پر کرینگے اور برخلاف اسکے امام کی معزولی کا احتمال نکالنا باطل ہے کہ خلاف عقیدہ

اہل اسلام کے ہے اور تخمین سے زیادہ ہوتا تو حضرت خضر اور الیاس کے واسطے بھی گزر گیا ہے چاہئے کہ وہ بھی اپنی نبوت سے معزول ہو جائیں **قال الشیخ الاشعری**
اور یہہ جو امامیہ کے ذہن نشین ہے کہ ابوبکر عمر وغیرہم آخر زمانہ میں پیدا کئے جائیں گے یہ بالکل غلط ہو بلکہ امام زمان کو معزول کرکے شاید انکو پھر نئے سر سے پیدا کرکے
نامور کریں پر امامیہ نے باتباع خداوندی اسبات میں غلطی کہائی ہو کہ وہ سزا دینے کے لئے پیدا کئے جائیں گے خیر یہ بات تو شیعوں کو ناگوار ہو بپاس خاطر
شیعہ اسبات سے اعراض کرکے یوں ملتمس ہوں کہ اگر خدا سے چوک ہوتی ہے تو انبیا سے تو ہوتی ہوگی اور اتنا ہم جانتے ہیں کہ شیعہ بھی نکہیں کہ خدا اخبار
گزشتہ میں غلطی کہاتا ہے کیونکہ یہہ تو صاف جھوٹ ہے جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی تو ہم کہتے ہیں کہ خداوند کریم سورہ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ کے قصہ میں کہ جناب سرور
کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بہت پہلا قصہ ہے حضرت موسیٰ کا مقولہ فرعون کے سوال کے جواب میں یوں نقل فرماتا ہے لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى یعنی حضرت موسیٰ
فرماتے ہیں کہ میرا رب چوکے ہے نہ بھولے ہے اس آیت کو غور کیجے کیا ارشاد کرتی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو ہم جانتے ہیں شیعہ بھی یوں نہ کہیں گے کہ وہ چوک جاتے
تھے یہ برائی تو اس فرقہ کے پیشواؤں نے خدا ہی کے لئے رکھ چھوڑی ہے اور نہ لازم آوے گا کہ معصوم بھی خطا کرے پھر طعن جو سنیوں پر کرتے ہیں کہ انکے امام اور خلیفہ معصوم
نہ تھے حالانکہ امام اور خلیفہ کو چاہئے کہ معصوم ہو تا کہ خطا نکرے ورنہ حق اور باطل کی تمیز محال ہو جائیگی اور جو غرض کہ انکی مقرر کرنے سے ہوتی ہے یعنی احکام
شریعت معلوم ہونا اور انکا عملدرآمد ہونا وہ حاصل نہوگی سوائے طعن کس منہ سے کر سکینگے **اقول** ابوبکر عمر وغیرہما اگر زندہ ہونگے تو واسطے سزا پانے کے زندہ ہونگے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَنُذِيقَنَّهُم
مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ یعنی اور البتہ
چکھائیں گے ہم انکو عذاب نزدیک یعنی کہ وہ عذاب رجعت ہے سوائے عذاب بڑے کے کہ وہ عذاب آخرت ہے شاید کہ وہ رجوع کریں دنیا میں اور کون شخص زیادہ ظالم ہے
اس شخص سے کہ نصیحت کیا جاوے ساتھ نشانیوں یا آیتوں پروردگار اپنے کے پھر روگردانی کرے ان سے تحقیق کہ ہم گنہگاروں سے بدلا لینے والے ہیں اور حساب کرنے سے کہ
اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ کے عدد سے اعداد ابوبکر عمر عثمان کی برابر ہیں بدون تعمیہ و تخرجہ اور آمیزش کسی صفت کی اور جرم ان تینوں کا اہل سنت کی کتابوں سے ثابت
ہے اور علمای اہل سنت بھی اقرار کرتے ہیں اور اگر کسی متقی کے نام کے اعداد اتفاقیہ اسکے اعداد کی برابر ہوں گے تو وہ شمار میں نہ آئیگا کہ وصف مجرمیت اسکے واسطے ضرور ہے
اور امام زمان کو معزول کرکے وہ کیونکر مامور کئے جائیں گے کہ معلوم نہیں وہ کس ہیئت اور بدن میں زندہ ہونگے انسانوں کی شکل میں بھی ہونگے یا نہیں اور نہ تو خدا تعالیٰ نے اسمیں غلطی
کی ہے نہ امامیہ نے بلکہ امامیہ صحیح بیان کرتے ہیں کہ وہ سزا دینے کے واسطے پیدا کئے جائینگے اور امامیہ کے نزدیک نہ خدا سے چوک ہوتی ہے نہ انبیاء سے تو انبیا کے غلطی اور چوک
بیان کرتا چلا آتا ہے خدا سے بھی تیرے ہی نزدیک چوک ہوتی ہوگی اور نہ شیعوں کے نزدیک اخبار گزشتہ اور آیندہ میں خدا سے چوک ہوتی ہے اور سورہ طٰہٰ کی آیت لا یضل
ربی ولا ینسی جو لکھی ہے وہ حق ہے اور یہی اعتقاد شیعوں کا ہے کہ خدا تعالیٰ نہ بھولتا ہے اور نہ چوکتا ہے اور یہ آیت ہمارے اعتقاد کے مطابق ارشاد کرتی ہے اور جیسے کہ خدا تعالیٰ
بھولتا اور چوکتا نہیں ہے ایسے ہی ہماری نزدیک حضرت موسیٰ بھی نہ چوکتے تھے لیکن تیرے نزدیک حضرت موسیٰ چوک جاتے تھے تو نے کئی جگہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ نے جو حضرت
ہارون کے بال پکڑے تو انسے غلطی ہوئی اور یہ جو لکھتا ہے کہ یہ برائی تو اس فرقہ کے پیشواؤں نے خدا ہی کے لیے رکھ چھوڑی ہے یہ بالکل غلط ہے اور شیعوں کے پیشواؤں میں
سے کسی نے ایسا نہیں کہا ہے اور اگر تو نظام الدین جیلانی کو کہتا ہے تو شیعوں کا پیشوا تو اس نام کا کوئی شخص نہیں ہے اور اسنے جو حوالہ ہمارے علما کا اپنے رسالہ میں لکھا ہے وہ
بھی غلط ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور یہ بھی معلوم نہیں اسنے حوالہ دیا ہے یا نہیں یا مولوی عبدالعزیز صاحب کا ایجاد ہے اور ہمنے فرض کیا کہ اس نام کا کوئی شخص
شیعوں میں تھا ہی لیکن جسوقت کہ اسکا یہ اعتقاد ہوا برخلاف اعتقاد شیعوں کے تو وہ کافر ہے شیعوں کو اس سے کیا اور مسلمان کیا مرتد نہیں ہو جاتا ہے تیری ارتداد کا
بھی تو فتویٰ مکہ معظمہ سے آیا ہے بلکہ سنیوں کا یہ مذہب ہے کہ یہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے محمد صلعم نے بنا لیا ہے چنانچہ تمہاری مولوی عماد الدین صاحب لکھتے ہیں اور یہ تو وہی
نادل کے منصب ہونیکے جواب میں لکھتا ہے کہ یہ قرآن خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلعم کی طرف سے ہے اور خدا تعالیٰ نے رسول خدا صلعم کی طرف سے تصنیف
کرکے بھیجا ہے اور معصوم ہمارے نزدیک خطا نہیں کرتا ہے اور نہ حضرت موسیٰ نے خطا کی ہے اور طعن شیعوں کا سنیوں پر صحیح اور درست ہے کہ خلیفہ رسول متبوع اور امام امت کو
چاہئے کہ معصوم ہو تا کہ احکام شرع میں غلطی نکرے اور ہمارے اس طعن کرنے میں کوئی خلل عائد نہیں ہوتا ہے اور جس منہ سے ہم کہتے ہیں وہ منہ ہمارا بہت سرخ اور چہرہ ہمارا بشاش
ہے کہ ہمارے کہنے کا تم جواب نہیں دے سکتے **قال الشیخ الاشعری** الغرض قواعد عقائد شیعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا سے گو خطا ہو جاوے پر معصوم سے خطا نہو سو حضرت
موسیٰ علیہ السلام جو بالاتفاق معصوم تھے انہوں نے جو فرمایا کہ میرا رب بہکتا اور چوکتا ہے اور نہ بھولتا ہے تو اسمیں ہرگز احتمال غلط نہیں اور خدا نے جو یہ قصہ نقل فرمایا
تو ایک قصہ گزشتہ ہے کچھ آئندہ کی بات نہیں جو بداء فی الاخبار کی گنجائش ہو پھر کیا معنے جو خدا بہک جاے کچھ نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ عقائد

ہو اس میں اختلال آگیا ابوبکر و عمر ہر چند صاحب رعب و مرد باہیبت تھے مگر نہ اتنی کہ خداوند کریم کی بھی عقل و حواس میں فرق آجائے یا سوا اسکے اور کچھ سبب نہ ہے
نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً ایک سنیوں کے الزام کے لئے خدا کی عظمت بھی تو ہاتھ سے دی بیٹھے فدک چھینا تھا تو ابوبکر نے چھینا تھا اور قرطاس
اور دوات کو نلانے دیا تو عمر نے ٹلانے دیا اُن پر تبرا کیا تو کیا خداوند کریم کو جو ان برائیوں میں سان لیا تو کیا اس سبب سے کہ باوجودیکہ نصر المظلوم یعنے مددگاری حق ہے اور یہ مظلوموں کی
مددگاری نکی خیر خداوند کریم ان بے باکوں کا سیاہ مونہہ کرے کہ سخت بے ادب ہیں اور جس لائق ہیں انہیں وہاں ہی پہنچائے **اقول** قواعد عقائد شیعہ سے ہرگز یہ ثابت نہیں
ہوتا ہے کہ خدا سے خطا ہو جاتی ہے تو جھوٹ لکھتا ہے اور حکم میں لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے گرفتار ہوتا ہے اور جو شخص کہ یہ اعتقاد رکھے کہ خدا تعالی سے خطا ہوتی شیعہ اُسکو
کافر جانتے ہیں اور اُس پر لعنت کرتے ہیں اور جو کوئی شیعوں پر ایسا افترا کرے اُس پر بھی لعنت کرتے ہیں اور خطا تو جیسے خدا سے نہیں ہوتی ایسے ہی شیعوں کے نزدیک معصوم
سے بھی نہیں ہوتی اور جو کچھ حضرت موسی نے فرمایا وہ حق ہے اور ہرگز اُس میں احتمال غلطی کا نہیں ہے اور بدا فی الاخبار جو کہ تو نے بیان کر کے شیعوں کی طرف منسوب
کیا ہے وہ باطل ہے اور معتقد اُسکا کافر ہے اور شیعوں کے نزدیک خدا بہکتا نہیں ہے سنیوں کے نزدیک بہکتا ہوگا اور اُنکے ہی نزدیک رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں عقل
و حواس میں اختلال آگیا ہوگا اور ابوبکر اور عمر ایسے صاحب رعب اللہ مرد باہیبت تھے کہ ہمیشہ جہادوں میں رسول خدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر کفار کے مقابلہ میں سے بھاگ جاتے
تھے اور حضرت عمر اگر فظ غلیظ بدمزاج اور تند خو تھے تو مومنین سے تھے کہ اسیواسطے مومنین خلافت سے اُنکی ناخوش تھے اور ابوبکر پر اعتراض کرتے تھے کہ تو ایسے بدمزاج کو ہم پر خلیفہ
کسواسطے کرتا ہے تو اپنے خدا کو کیا جواب دیگا اگر اسکو ہم پر خلیفہ کریگا چنانچہ ترمذی اور ریاض النضرت وغیرہ میں لکھا ہے اور خداوند کریم کی عقل و حواس میں فرق اہل سنت کے
نزدیک ہے نہ شیعوں کے نزدیک اور سنیوں کو جو شیعہ الزام دیتے ہیں تو سنیوں کی روایات کتب معتبرہ سے الزام دیتے ہیں بلا سے اور بدا کو اس سے کیا تعلق ہے کہیں تو نے بدا
ابوبکر اور عمر پر طعن کرتے دیکھا ہے جھوٹ کیوں لکھتا ہے اور جو عظمت خدا تعالی کی ہمارے مذہب میں ہے وہ سنیوں کے مذہب میں ہرگز نہیں ہے تم خدا تعالی کو مجسم جانتے ہو چنانچہ
پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور ہمنے خدا تعالی کی عظمت کو ہرگز ہاتھ سے نہیں دیا ہے اور جو کچھ تو لکھتا ہے وہ غلط ہے اور عظمت کو خدا تعالی کی تمنے ہی ہاتھ سے دیا ہے نہ ہمنے اور ابوبکر
اور عمر پر جو تبرا ہوا۔ تو اُنکے افعال ناشایستہ کی جہت سے ہوا اور خداوند کریم کو برائیوں میں تمنے سانا ہے ہمنے نہیں سانا ہے اس جھوٹ کے لکھنے کو تیری کون عقل کا اندھا
اعتبار کریگا اس جھوٹ ہی سے تو تمنے اپنے مذہب کی محافظت کر رکھی ہے اور اصل یہ ہے کہ شیعوں کے مذہب میں کوئی گرفت کی بات نہ تھی اور اہل سنت پر شیعوں کے
صدہا اعتراض ہوتے تھے اس لئے یہ افترا شیعوں پر کیا لوگوں کے نفرت دلانے کے واسطے کہ یہ بدا کے قائل ہیں اس طرح سے کہ خدا تعالی ایک بات کو نہیں جانتا تھا اور
بعد اُسکے جانا اُسکو اور پہلے ایک امر کیا اُسوقت اُسکی برائی معلوم نہ تھی اور بعد اُسکے برائی اُسکی معلوم ہوئی تو اُسکو بدل دیا سو شیعوں کا یہ مذہب نہیں ہے اور ایسے مذہب
والے کو شیعہ کافر جانتے ہیں اور یہ کون کہتا ہے کہ خدا نے مظلوموں کی نصرت نکی اور مظلوموں کے نصرت ہی کے واسطے تو دار الجزا خدا تعالی نے مقرر کیا ہے کہ وہاں
ظالموں کو سزا کو پہنچائیگا اور دنیا میں ہزاروں ظالم ہیں اور ہزاروں مظلوم لیکن دار الجزا میں اُنکو سزا ملیگی اور سیاہ رو تو وہ ہیں جنہوں نے جناب رسول خدا صلعم
کے ارشاد کو ہذیان بتایا اور حقوق اُنکے اہل بیت کے غصب کئے اور یا مطیع اُنکے سیاہ رو ہیں اور شیعہ تو وہ روشن اور سرخرو ہیں کہ جنکے حق میں جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ
یا علی انت وشیعتک فی الجنۃ تاتی یوم القیامۃ راضین مرضیین اور جس امر کے وہ لائق تھے رسول خدا صلعم نے فرما دیا انشاء اللہ تعالی وہیں وہ بھیجے گئے اور اہل سنت
کو جو معاویہ کے پیرو ہیں اور اُسکو خلیفہ حق اور امام صدق جانتے ہیں اُنکے حق میں بغاوت اور نار جہنم کی خبر دی جسوقت کہ حضرت عمار سے فرمایا کہ یا عمار ستقتلک
الفئۃ الباغیۃ تدعوھم الی الجنۃ ویدعونک الی النار کہ عمار جو کہ حضرت علی کے شیعوں میں سے تھے اُنکی طرف بہشت تھا اور معاویہ والوں کی طرف دوزخ تھا **قال
الشیخ الاشعری** بالجملہ کلام اللہ میں بدا کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ دیا اور اگر شیعہ خدا کا اتنا ہی اعتبار نکریں و اخبار گزشتہ میں بھی غلطی فہم کے احتمال سے نعوذ باللہ
اس بات کے طالب ہوں کہ ہم کلام اللہ کی گواہی پر بدا سے انکار نہیں کرتے جبتک کہ کلینی کی کوئی حدیث اس بات میں نہو کلینی کی حدیث بھی لیجیے فی الکافی عن
منصور بن حازم عن ابی عبد اللہ قال منصور سالتہ یکون شیء لم یکن فی علم اللہ قال لا من قال ھذا فاخزاہ اللہ قلت ـــ ارایت ما کان وما ھو کائن
الی یوم القیامۃ الیس فی علم اللہ قال بلی قبل ان یخلق الخلق ـــ کلینی کافی میں منصور بن حازم سے روایت کرتا ہے کہ منصور نے حضرت ابی عبد اللہ یعنی امام جعفر صادق
سے پوچھا کوئی ایسی چیز بھی ہوئی کہ کل خدا کو معلوم نہ تھی اور آج ہو گئی ہو آپ نے فرمایا کہ کوئی نہیں جو یہ کہے خدا اُسے رسوا کرے پھر منصور نے پوچھا کہ یہ تو بتائے جو ہو لیا اور جو ہونا
ہے قیامت تک کیا خدا کو معلوم تھا اُنہوں نے فرمایا کیوں نہیں خلق کے پیدا کرنے سے پہلے معلوم تھا اس روایت سے دو فائدہ حاصل ہوئے ایک تو یہ کہ بدا ایک عقیدہ
غلط ہے کیونکہ بدا آفتوں میں جو تحقیق گذر چکی اُس سے صاف ثابت ہے کہ بدا بے اسکے ہو ہی نہیں سکتا جو کوئی علم نیا پیدا ہو دوسرا یہ کہ حضرت امام جعفر صادق

رضی اللہ عنہ نے بدا کے قائلوں کے لیئے بددعا فرمائی سو حضرات شیعہ کو ہماری طرف سے بھی مبارک مبادا یہ ساری خرابیاں کلام اللہ کے نہ سمجھنے کے ہیں اور انکا ہی کیا قصور اپنی روایتوں کے معنوں کو نہیں سمجھتے اگر سمجھ ہوتی ہو تو پہلے انہیں ہی سمجھتے کلام اللہ تو سنیوں کا ہے **اقول** جس بدا کو تو کہتا ہے اُس بدا کو ہم بھی کہتے ہیں کہ قرآن نے اُسکی بیخ و بنیاد اکھاڑ دی ہے جس میں جہل خدا کا لازم آئے اور وہ بدا کہ جسکے شیعہ قائل ہیں وہ بدا قرآن سے ثابت ہے چنانچہ خدا تعالی فرماتا ہے کہ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ یعنی جسکو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور اُسکی عوض اور لکھتا ہے اُسکا علم بعد ازل سے ہوتا ہے یہ نہیں کہ تازہ علم ہوا اور جو کچھ کلام اللہ میں ہے اُسی پر اعتقاد شیعوں کا ہے اور خدا کا اعتبار اہل سنت کے نزدیک نہیں ہے اور شیعوں کے نزدیک تو خدا کی برابر کوئی معتبر نہیں ہے اور غلطی فہم بھی تمہاری ہی نزدیک ہے نہ ہماری نزدیک حضرت موسی کی تو غلط فہمی تو بیان کرچکا ہے خدا کی بھی تیرے نزدیک سبھی اور کلام اللہ کی گواہی ایمان ہے ہمارا اور جس بدا کے ہم قائل ہیں وہ کلام اللہ میں موجود ہے جیسا کہ ہم لکھ چکے اور جس بدا کو تو کہتا ہے اُسکے قائل کو ہم کافر جانتے ہیں اور گواہی کلام اللہ کی تمہاری نزدیک معتبر نہیں ہے اسواسطے کہ کلام اللہ میں لکھا ہے کہ مرتدین کے واسطے مغفرت نہیں ہے اور جن لوگوں کا تمہاری کتابوں سے ارتداد ثابت ہوتا ہے تم اُنکو اچھا ہی کہے چلے جاتے ہو اور کافی کی روایت ہماری نزدیک کلام اللہ کی آیت کے برابر معتبر نہیں ہے اور جو روایتیں کہ تونے ابتدا میں بدا کے مقدمہ میں بیان کی ہیں اُنمیں سے ایک یہ بھی روایت ہے کہ تونے لکھی ہے اور یہی ہمارا اعتقاد ہے جو کچھ کہ اس روایت میں ہے اور یہ روایت ہماری کتاب کی ہے نہ تیری کتاب کی اے عقل کے دشمن اسقدر تو سمجھ کہ جسوقت شیعوں کے اماموں سے ایسی روایتیں منقول ہیں تو پھر وہ اپنے اماموں کے مخالف کیونکر ایک عقیدہ فاسدہ کے قائل ہونگے اور اس روایت کا حاصل جو لکھا ہے کہ بدا عقیدہ غلط ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ جو بدا تیرا مقصد ہے وہ عقیدہ غلط ہے کہ جس سے جہل خدا ظاہر ہوتا ہو نہ وہ بدا کہ جو علم کے ساتھ ہو کہ وہ قرآن سے ثابت ہے اور یہ جو تو لکھتا ہے کہ بدا بے علم تازہ کے نہیں ہوتا وہ بدا لغوی ہے اور اسکے قائل کو ہم کافر جانتے ہیں اور یہ کہنا تیرا کہ بدا بے اسکے نہیں ہوتا غلط ہے بلکہ بدا جو کہ ہماری اصطلاح میں ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالی نے ایک شخص کو بادشاہ کیا اور بعد چند سال کے مصلحت اسکی وجہ رذیل ہوئی تو اسکو فقیر کیا اور اسوقت گو یہ رائے پہلی رائے کے مخالف ہے لیکن جسوقت اسکو بادشاہ کرتا تھا اُسوقت یہ جانتا تھا کہ بعد اسکے فلانے وقت مصلحت اسکی فقیری کی ہوگی اُسوقت اسے فقیر کرینگے اور جسوقت فقیر کیا تو اُسوقت کہیں گے کہ بدا ہوا یعنی ظاہر ہوئی رائے دوسری جو کہ اُسکے علم میں تھی مخالف پہلی رائے کے اور یہ بدا ایسے نہیں ہے کہ اُسکو بادشاہ کیا تو بعد اُسکے بادشاہ کرنیکی رائے میں قباحت معلوم ہوئی اور پہلے سے وہ قباحت معلوم نہ تھی یہ بالکل غلط ہے اور اسی بدا کے حال میں جسکے ہم قائل ہیں حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے چنانچہ کافی میں ہے عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ما بدا للہ فی شیء الا کان فی علمہ قبل ان یبدو لہ یعنی حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے فرمایا کہ نہیں بدا ہوا ہے خدا کو کسی چیز میں مگر کہ تھا بیچ علم اُسکے کے پہلے اس سے کہ ظاہر ہو واسطے اُسکے اور ایسے ہی دوسری روایت میں ہے فرمایا کہ ان اللہ لم یبد لہ من جہل یعنی جہل اور بے علمی سے خدا کو بدا نہیں ہوا ہے اور حضرت صادق نے بدا کے قائلوں کے واسطے بددعا نہیں کی ہے جیسا کہ تو لکھتا ہے بلکہ اُنکے حق میں بددعا کی ہے کہ جو خدا کو ایسا جانتے ہیں کہ اُسکو کسی چیز کا علم نہیں ہوتا ہے اور جو ہمارا اعتقاد ہے وہ تمکو مبارک ہو نہ یہ کہ جو کچھ تو کہتا ہے اور ہماری اعتقاد کے حضرت صادق علیہ السلام نے بددعا کی نہیں ہے کہ جو تو ہمکو مبادا کہتا ہے اور قرآن کو تم سمجھتے نہیں ہو اور جو کچھ سمجھتے تو اسپر عمل نہیں ہے یہ سب خرابیاں تمہاری واسطے ہیں اور ہمارا عمل موافق قرآن ہے کبھی ہے نہ مخالف اُسکے اور روایتوں کو بھی اپنی ہم خوب سمجھتے ہیں اور اُنکے مطابق ہی ہمارا عمل ہے لیکن اگر تو ایک جھوٹ بات مخالف ہماری عقیدہ کے ہماری طرف منسوب کرے تو اُسکا جواب نہیں ہے بجز اسکے کہ ہم کہیں لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ اور کلام اللہ تو سب مسلمانوں کا ہے اہل سنت کی کچھ تخصیص نہیں ہے لیکن عمل قرآن پر سوای ہماری کسی فرقہ کا نہیں ہے اسواسطے کہ جو مضمون قرآن کا ہے وہ اہل بیت علیہم السلام کے پاس سے ہے اور پیروی اُنکی سوای ہماری کوئی نہیں کرتا ہے اور اگر عثمان نے اُسکو جمع کیا ہے تو کیا ہے کلام تو اُسکا وہ نہیں ہے بہت آدمی خطب و اشعار فصحا کے جمع کرتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** اسوقت لازم یوں ہے کہ منشا اس غلطی کا بیان کیا جائے تاکہ مزید اطمینان ہو جائے اور ناظرین پر یہ خلجان باقی نہ رہے کہ تنہا پیش قاضی آئے راضی محرر رسالہ کی طمطراق کی باتیں فقط سنکر ہم یوں کیونکر بدا سے دست بردار ہوں ہماری علماء شیعہ بھی تو آخر کسی وجہ سے کہتے ہونگے جبتک اُنکی ذہن میں تسلی نہیں ہوتی ہے پر یہ عذر اُس قبیل کا ہے کہ مشہور ہے عذر گناہ بدتر از گناہ کیونکہ جب کسی آدمی کو کسی وجہ سے حق واضح ہو جاوے تو پھر اُسے اسکا کیا انتظار کہ دوسرے کی بھی سن لوں اگر کوئی شخص قریب شام کے در و دیوار پر دھوپ دیکھے یا خود آفتاب کو بچشم خود دیکھے اور دوسرا پردہ میں بیٹھا ہوا گھڑی گھنٹے کے وسیلہ سے یوں کہے کہ دن چھپ گیا تو آفتاب یا دھوپ کا دیکھنے والا کتنا ہی جاہل کیوں نہو اور گھڑی سے وقت کا بتلانیوالا کتنا ہی علامہ روزگار اور حساب میں پرکار کیوں نہو لیکن تسپر بھی آفتاب یا دھوپ کے دیکھنے والے کو دن کے یقین ہونے میں اسکا انتظار نہوگا کہ میں اسکی تو سن لوں کہ جو گھڑی کے وسیلے سے رات بتلاتا ہے اسیطرح جب بات خوب واضح ہوگئی کہ بروے کلام اور نیز

بروی احادیث شیعہ بدا غلط ہی تو پہر اسکا کیا انتظار ہی کہ بدا کے قائلوں کی بات بہی سن لینی چاہئیے بلکہ ایسے وقت میں مناسب یوں ہی کہ جیسے آفتاب کا نجم خود دیکھنے
والا باوجود جاہل ہونیکے بے تامل یوں سمجھ جاتا ہی کہ گھڑی والا ہر چند محاسب اور بڑا ہوشیار ہی اسکے علم میں کچھ شک نہیں لیکن اسمیں بہی کچھ شک نہیں کہ اسکی گھڑی
بگڑی ہوئی ہی یا اسوقت اتفاق سی بمقتضای بشریت کچھ غلطی ہوگئی ایسی ہی بدا کی غلطی کا سمجھنے والا بہی بے تامل مان اُٹھے کہ ہر چند قائلین بدا بڑی بڑی عالم اور فاضل
تہے لیکن تاہم آدمی تہے غلطی کہا گئے نہ اس بات پر انہیں دہیان ہوا کَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا یعنی الله ہمیشہ سے علیم ہی اُسکا علم کچھ اب پیدا نہیں ہوتا اور نہ آیت کریمہ
لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى انکے خیال میں گزری اور نہ حدیث کلینی کا کچھ خیال کیا بلکہ ادب کی بات تو یوں ہے کہ یہ کہیے اُن لوگوں کو کلام الله تو یاد نتھا یہ تو سنیوں کا
کام ہی کلینی بعد میں تصنیف ہوی معہذا انکا کیا قصور سب جانتے ہیں دروغگو را حافظہ نباشد **اقول** شیعوں سے ہرگز غلطی نہیں ہوئی ہی اور نہ کسی شیعہ نے
غلط بات لکھی ہی اور تو نے بہی حوالہ کسی عالم کے غلطی کا نہیں دیا ہی ایک شخص مجہول نظام الدین جیلانی کے رسالہ کا تو نے حوالہ دیا ہی سو معلوم نہیں کہ وہ شخص نفس الامر میں
تہا یا نہیں یا مولوی عبد العزیز صاحب نے گہڑ لیا ہے اور اگر کوئی تہا بہی تو معلوم نہیں کہ وہ سنی تہا یا شیعہ تہا اسوسطے کہ اُسنے اپنی رسالہ میں علماء شیعہ کا حوالہ جو بموجب
تیری تحریر باطل کے دیا ہی وہ غلط ہی اور اگر بالفرض وہ شیعہ ہی تہا تو اس اعتقاد کے اختیار کرنے سے کافر ہو گیا اگر اُسکے قول کا حوالہ ہماری مقابلہ میں دیتے ہو تو ہم تم سے
گفتگو کرنے میں مولوی عماد الدین کی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل سنت کا مذہب ہی کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ رسول خدا صلعم نے بنا لیا ہی اگر تو سچا ہی تو ہماری
کسی کتاب کا حوالہ دے جیسے کہ تو نے حوالے دیئے ہیں اور ہمارے علماء ہرگز اُس بدا کے قائل نہیں ہیں جس میں جہل خدا ہو اور کسی وجہ سے ہم نہیں کہتے ہیں اور کون تجہ سے کچہہ
عذر کرتا ہے عجب طرح کا نامعقول ہی خود ہی تو ایک سوال ایجاد کرتا ہے اور پہر اُسکا جواب دیتا ہی اور اپنی طرف سی ایک عذر پیدا کر کے اُسکو بدتر از گناہ کہتا ہی کوئی اس کذب شعار ناترس
دروغ نویس سے پوچہے کہ کس شیعہ نے یہ عذر کیا ہی شیعوں کا تو یہ مذہب ہی نہیں ہی اور آفتاب اور دہوکا جو یہاں ذکر کیا ہی اس مثال کو یہاں کچھ تعلق ہی نہیں ہے اور ہم بہی
کہتے ہیں کہ بدا لغوی جسکو تو بکتا چلا آتا ہی وہ ہمارے نزدیک بہی غلط ہی لیکن جس بدا کو بعضے علماء کہتے ہیں وہ قرآن سے اور احادیث دونوں سے ثابت ہی اور وہ بدا وہ ہی کہ جسمیں
خدا کو علم روز ازل سے ہوتا ہی اور شیعوں میں جو کوئی قائل بدا کا ہی وہ یہی کہتا ہی اور جب کسی دہوکا دینے والے دروغگو نے شہرہ دیا کہ شیعہ بدا کے قائل ہیں تو البتہ شیعوں سے پوچہنا
چاہیے کہ تمہاری نزدیک بدا سے کیا مراد ہی کیا یہی بدا ہی کہ جسکا بطلان قرآن اور حدیث سے ثابت ہی یا مراد تمہاری اُس سے کچھ اور ہی اُسوقت شیعہ جواب معقول دنداں شکن
دینگے کہ جس سے اُنپر کوئی اعتراض وارد نہو گا اور دروغگو اور تہمت کرنیوالا تو دنیا میں بہت ہیں اور بڑا کیا چہوٹا ہی عالم شیعوں کا کوئی اُس بدا کا قائل نہیں ہی جسکو
تو کہتا ہی تاکہ یہ کہا جائے کہ اُس سے غلطی ہوئی اور نہ تو نے ہمارے کسی عالم کا بدا کے مقدمہ میں حوالہ دیا ہی ایک نظام الدین جیلانی مفروض کا حوالہ دیا ہی کہ وہ بہائی عبد القادر
جیلانی کا ہوگا اور حال اُسکا ہم کئی مرتبہ لکہ چکے جسکا یہ اعتقاد فاسد ہوگا اُسکو البتہ ان دونوں پر اور حدیث کلینی پر نظر نہو گی اور کلام الله تو یاد حضرت عمر کو نتہا کہ جو عمر بہر قول
کلام الله کے مقدمہ میں الزام کہاتے تہے اور رسول خدا صلعم کو کہتے تہے کہ وہ حضرت ہے نہیں ہیں اور کلینی بعد میں تصنیف ہوئی ہی تو کیا ہی اُسکو بہی عرصہ دراز ہوا اور کلمہ
دروغگو را حافظہ نباشد حضرت عمر کی شان میں ہی **قال الشيخ الاشعري** القصہ یہ عذر کہ شیعوں کی دیکہنے معلوم ہوتے ہیں یہ عذر بعد کلام الله اور حدیث
مذکور جنکے معنوں میں کچھ تاویل نہیں ہو سکتی اور خدا کے علم کے قدیم ہونے پر مثل آفتاب روشن کے گواہی دیتے ہیں عقلا کے نزدیک قابل سماعت نہیں مگر باینہمہ بپاس خاطر
مولوی عمار علی صاحب معروض ہی کہ منشا غلطی شیعہ اس قسم کی آیتیں ہیں لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا حاصل یہ کہ خدا نے موت حیات کو اس لئے پیدا کیا ہی کہ تمہیں
آزمائے کہ کون سا تم میں اچہی عمل والا ہی سو اس آیت سے اور ایسے ہی مضمون کی اور آیتوں سے علماء شیعہ کو یوں دہوکا پڑا کہ امتحان اور آزمایش تو وہاں ہوتی ہی جہاں حقیقت الامر
پہلے سے معلوم نہیں ہوتی پہر تس پر یہ تماشا ہوا کہ ایک جگہ خداوند کریم یوں ہی فرماتے ہیں يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ یعنی الله جو چاہتا ہی مٹا دیتا ہی اور جو چاہتا
باقی رکہتا ہی اس آیت کے مضمون کو جو پہلے آیت کے مضمون سے ملا کر دیکہا تو علماء شیعہ کو بجای خود اس بات کا یقین ہو گیا کہ خدا کو پہلے سے تو حقیقت الامر خوب معلوم تہی ہی نہیں
یوں ہی اٹکل اور اندازہ سے ایک بات مقرر کر رکہی تہی سو اس میں جہاں کہیں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہی اُسے بدل دیتے ہیں اور یہی معنی بدا کے ہیں **اقول** شیعوں کے
نزدیک کوئی دلیل نہیں ہی سوای قرآن اور حدیث کے اور جو بدا کہ اُنکے نزدیک ہی وہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہی اور جس بدا کو تو قرآن اور حدیث سے باطل کرتا ہی
اُسکے تو وہ معتقد ہی نہیں ہیں بلکہ اُسکے معتقد کو وہ کافر جانتے ہیں اور جو کوئی اُنپر اتہام لگاے اُس بدا کا اُسپر وہ لعنت کرتے ہیں اور علم خدا کو وہ قدیم ہی
جانتے ہیں اور جو کوئی شیعوں سے دلیل پوچہیگا تو وہ آیات قرآنیہ اور احادیث کو پیش کرینگے لیکن معلوم نہیں کہ وہ عذر کرنیوالا کون ہی اور بپاس خاطر مولوی
عمار علی صاحب لکہنا چاہیے تہا کہ منشا غلطی شیعہ اس قسم کی آیتیں ہیں اگر اُنکی خاطرداری منظور تہی تو لکہنا چاہیے تہا کہ بپاس خاطر مولوی عمار علی صاحب

ہم لعنت کرتے ہیں اُس شخص پر کہ جس نے جناب رسولخدا صلعم کے ارشاد کو ہذیان بتلایا اور جس نے حق علی اور فاطمہ زہرا علیہما السلام کو غصب کیا اور جو شخص کہ فاطمہ علیہا السلام
کا گھر جلانیکو آگ اور لکڑیاں لیگیا اور جس نے کہ اصحاب رسولخدا صلعم کو بے عزت کیا حق کرنے اور کہنے پر جس میں کہ مولوی صاحب ممدوح راضی ہوں اور اُنپر جو تو تہمت
کرتا ہے غلطی کو تو تہمت کرنے میں پاس خاطر نہوا ایک عذاب اتہام میں تو گرفتار ہوگا اور اے اکذب الکاذبین وہ کونسا شیعہ ہے کہ جو آیت یعلمکم الخ وغیرہ کو بدا پر باطل کی
سند میں لایا ہے کہ اُس سے غلطی ہوئی کیسکا تو نام لکھا ہوتا ہماری جھوٹے یہ کتابیں شیعوں کی موجود ہیں دیکھ لے کس کتاب میں لکھا ہے یہ تو تمہارا کام ہے کہ آیات متشابہات
کے ظاہر معنے پر عمل کرتے ہو اور اسیواسطے فرقہ حنبلیہ خداتعالی کو مجسم کہتا ہے اور ازانجملہ ایک حضرت پیر دستگیر ہیں چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور اس آیت کے
معنے تو ہماری تفسیروں میں یہ لکھے ہیں تاکہ معاملہ آزمانیوالوں کا سا کریں تمسے یعنی ہر چند ہم جانتے ہیں کہ جو عمل تم کروگے لیکن تمہارے ساتھ معاملہ آزمانیوالونکا سا
کرتے ہیں تاکہ ظاہر ہوجائے کہ کون تم میں سے عمل نیک کرتا ہے اور یہ کسینے نہیں لکھا ہے کہ تاکہ آزمائے تمکو کہ اُس آزمانے سے تمہارے اعمال کا علم حاصل ہوجائے جو کہ تمکو پہلے سے
وہ علم حاصل نہیں ہے اور یہ دھوکا کہ امتحان اور آزمایش تو وہاں ہوتی ہے جہاں حقیقت الامر پہلے سے معلوم نہو اہل سنت کو ہوتا ہے کہ وہ سب آیات متشابہات کے ظاہر
معنے پر عمل کرتے ہیں اور اسی لئے آیت یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ سے خداتعالی کے واسطے ساق پا ثابت کرتے ہیں چنانچہ پہلے اس سے ہم روایات اہل سنت سے لکھ چکے ہیں اور
اے اکذب الکاذبین آیت یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ میں کس شیعہ نے یقین کیا ہے اور کس شیعہ نے کہا ہے کہ خدا کو پہلے سے تو حقیقت الامر خوب معلوم تھی ہی نہیں یونہیں
اٹکل سے ایک بات مقرر کر رکھی تھی سو اُس میں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے تو اُسے بدل دیتے ہیں شیعہ تو اسبات کے یقین کرنیوالیکو کافر جانتے ہیں اور اُسپر لعنت کرتے ہیں اور جو کوئی
تہمت کرکے ایسے اعتقاد کو اُنکی طرف منسوب کرے تو اُسپر خداتعالی خود لعنت کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْکَاذِبِیْنَ اور شیعوں کا تو یہ مذہب ہے کہ خداتعالی ازل سے
ابد تک ہر جزئی اور کلی کا عالم ہے اور کوئی شی اُسکے علم سے باہر نہیں ہے اور بعضے شیعہ جو بدا کے قائل ہیں اُنکی مراد بدا سے یہ نہیں ہے جو کہ تو لکھتا ہے یہ تو تیرے نزدیک یا تیرے
بھائی نظام الدین جیلانی کے نزدیک ہوگا جو کہ ایک آدمی بدمذہب کا نام فرض کرکے تونے لکھا ہے اور جو شیعہ کہ بدا کے قائل ہیں وہ بدا کو اسی آیت سے ثابت کرتے ہیں لیکن یہ
نہیں کہتے ہیں کہ خدا کو حقیقت الامر پہلے سے معلوم نہ تھی بلکہ یہ کہتے ہیں کہ خداتعالی پہلے سے جانتا تھا کہ ہم فلانے وقت فلانی چیز کو مٹاوینگے اور اُسکے بدلے فلانی چیز ثابت کرینگے
کہ اُسوقت مصلحت یہی ہوگی اور بدا اُسکو اسواسطے کہتے ہیں کہ وہ اُسوقت ظاہر ہوا اور پہلے وہ ظاہر نتھی اور بدا کے معنی ظاہر ہونیکے ہیں اور پہلے سے تو خدا اُسکو اسطرح جانتا تھا کہ فلانے
وقت وہ ظاہر ہوگی اور جب ظاہر ہوئی تو جانا کہ اب ظاہر ہوئی ہے اور تو ظاہر کو معنی علم سمجھتا ہے اور شیعوں کی سیکڑوں کتابیں ہندوستان میں موجود ہیں لیکن کسی کتاب کا
حوالا نے نہیں دیا کہ اُسمیں لکھا ہے اور اصل بات یہی ہے کہ اگر جھوٹ نہ لکھیں اور شیعوں پر اتہام نکریں تو شیعوں پر کیونکر غالب ہوں کہ اُنکا مذہب ایسا صاف ہے کہ کہیں اعتراض ہی نہیں
ہوسکتا اور حفاظت اہل سنت کے مذہب کی جھوٹ ہی سے ہے اگر جھوٹ نہ بولیں تو حفاظت اپنے مذہب کی شیعوں سے کیونکر کریں **قال الشیخ الاشعری** الحاصل اسوجہ سے شیعوں کے
نزدیک عقیدہ بدا مستحکم ہوگیا اور یہ غلطی جو اول کسیکو بوجہ کوتاہی عقل پڑی تھی خوب مضبوط ہوگئی اور کیوں نہو بے استاد ہمیشہ خراب ہوتا ہے اگر ماہران کلام اللہ کی کفش برداری
اختیار کرتے تو اس آیت کے معنوں میں ایسے کیوں بھٹکتے مگر یہ فرقہ تو ایسا بے نصیب ہے کہ کلام اللہ کے جاننے والوں کے دلی دشمن ہیں جناب سن ہر کاری و ہر مردے صحابہ کرام جو رسول اللہ
صلعم کے شاگرد تھے کلام کو وہ سمجھتے تھے پھر جو اُنسے مستفید ہوگا وہ کلام اللہ کو سمجھیگا یا شیعہ سمجھینگے **اقول** شیعوں میں سے کسی کا یہ اعتقاد بدا کے مقدمہ میں نہیں ہے جو کہ تو کہتا ہے
وہ تو خداتعالی کو ازل سے ابد تک ہر چیز کا عالم جانتے ہیں اور وہ قائل اُس بدا کے ہیں جس میں خدا کا جہل لازم آئے چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا ان اللّٰه
یبد لہ من جھل اور فرمایا کہ ما بدا للّٰه فی شیء الا کان فی علمہ قبل ان یبدو لہ اور اسی کا اعتقاد اُنکو مضبوط اور مستحکم ہوگیا ہے نہ اُس بدا کا اعتقاد کہ جسکی تہمت تو شیعوں پر کرتا ہے
اور ایسا بدا تیرے مذہب میں بھی آیا ہے جیسا کہ ہم لکھ چکے اور بے استادے شیعہ نہیں ہیں بلکہ اُنکا استاد بڑا زبردست ہے کہ جو ماہر علم شرع تھا کہ جو کہتا تھا سلونی قبل
ان تفقدونی اور کہتا تھا کہ میں کلام اللہ کی ہر آیت کو جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی اور کس مقدمہ میں نازل ہوئی اور تیرے ثلاثہ اُسکی طرف رجوع کرتے تھے اور اُنکے حق میں
رسولخدا صلعم نے فرمایا تھا اقضاکم علی اب دیکھ تو شیعہ کیسے ماہران کلام اللہ کی کفش برداری کرتے ہیں اور بے استادی اہل سنت ہیں کہ ایسے ماہروں کا ترک کرکے
جہلا کی پیروی کرتے ہیں کہ جو خود اپنی جہالت کا اقرار کرتے ہیں اور وقت پوچھنے معنی آیت کے کہتے ہیں کہ میں کیا جانوں کہتا ہوں اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے
ہے اور بعضے لولا علی لہلک عمر کہتے کہتے مرگئے اور عورتوں سے الزام کھاتے تھے اور تیمم کو جایز نہیں جانتے تھے اور اگر دشمنی بھی شیعوں کو ہے تو ان جہلا ہی سے نہ ماہران معانی
کلام اللہ سے اور سچ ہے ہر کارے و ہر مردے کہ جاننا کلام اللہ کا کام ہر مرد کا نہ تھا جو کہ جاننے والے تھے وہ ہی جانتے تھے جنکو کہ شاگردی رسولخدا صلعم سے حاصل تھی نہ ہر صحابی
اور جو کہ کلام اللہ کے جاننے والے اور شاگرد رسولخدا صلعم کے تھے اُنسے ہی شیعہ مستفید ہوتے ہیں نہ اُنکے غیر سے اور تم جہلا کی طرف رجوع کرتے ہو اسیواسطے گمراہ ہو اور ہمارا رجوع کرنا

کلام اللہ کے جاننے والوں کی طرف کتب اہل سنت سے ثابت ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم کلام اللہ کے ذکر میں مفصل لکھ چکے **قال الشیخ الاشعری** اگر آیت لیبلوکم سے یہ بات نکالی ہے کہ خدا کو پہلی کسی چیز کے پیدا ہونے کی علم اسکا نہیں ہوتا ہے تو اسمیں کچھ شک نہیں کہ اُسوقت تو ضرور ہی ہو جاتا ہے چنانچہ اول تو شیعہ اسکے قائل ہی ہیں معہذا کلام اللہ میں بیسیوں جگہ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ موجود ہے یعنی خداوند کریم جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے پہلے پیدا ہونے سے تو ہمنے مانا نہیں دیکھتا تھا لیکن یہ تو فرمایئے کہ بعد پیدا ہونے کے بھی کیا کچھ اسمیں تامل باقی ہے نور آفتاب کا خدا محتاج نہیں شمع چراغ کی اسکو ضرورت نہیں آگے پیچھے ہونا اسکے نزدیک سب یکساں ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ یعنی اللہ ہر چیز کو محیط ہے القصہ بعد وجود اشیاء کے انکے معلوم ہونے میں کچھ شک نہیں رہا پھر باینہمہ بھول جانے کا اندیشہ نہیں کیونکہ سورۂ طٰہٰ میں لا ینسیٰ موجود ہے یعنی خدا بھولتا نہیں پھر کیا ضرورت ہوئی کہ کراماً کاتبین مقرر کئے گئے اور حساب کتاب قیامت کو ہونا ضرور پڑا اور نامۂ اعمال اور صحیفہ ہائے کردار بنی آدم لکھے گئے جو علماء شیعہ اسکا جواب دینگے وہی ہماری طرف سے نوازش فرما کر قبول فرمالیں اگر یوں جواب دیں کہ ہر چند خداوند عالم الغیب کو ہر ایک چھپی بڑی چھوٹی چیز کی خبر ہے لیکن [illegible] و عظمت و حکمت خداوندی کے مناسب یہی ہے کہ یہ سارا کارخانہ برپا ہو تو ہمیں تسلیم ہے یہی جواب ہمارا ہے **اقول** کون کافر یہ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو اشیاء کے پیدا ہونے سے پہلے ان اشیاء کا علم نہیں ہوتا ہے اور کس کافر کا یہ اعتقاد ہے کہ اسکو آیت لیبلوکم سے نکالا ہے ایسے کاذب مفتری کسی شیعہ کا نام لکھا ہوتا یا کسی کتاب کا حوالہ دیا ہوتا اگر تو نظام الدین جیلانی کو کہتا ہے تو اس نام کا تو شیعوں میں کوئی عالم معتبر نہیں ہے اور ہمنے فرض کیا کہ کوئی نظام الدین ہوگا تو اسکا یہ مذہب شاید ہو لیکن شیعوں کا تو یہ مذہب نہیں ہے تو سب شیعوں کو کسواسطے کہتا ہے شیعہ تو ایسے مذہب پر لعنت کرتے ہیں اور شیعوں کا تو یہ مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ ازل سے ابد تک تمام کلیات و جزئیات کو جانتا ہے اور اسی طرح سب اشیاء کو دیکھتا بھی ہے اور نہ اسکے نزدیک خدا کچھ بھولتا ہے اور کراماً کاتبین واسطے لکھنے نامۂ اعمال کے اسواسطے مقرر نہیں کئے ہیں کہ نعوذ باللہ خدا کو سہو و نسیان ہوتا تھا بلکہ کراماً کاتبین کے مقرر کرنے کی بھی ایک مصلحت اور وجہ اسکی کتب کلامیہ میں لکھی ہوئی ہے دیکھ لے یہاں اسکے ذکر سے کیا تعلق ہے اپنی طرف سے تو ایک بات لکھتا ہے اور خود ہی شیعوں کی طرف سے جواب تجویز کرتا ہے اور آیت لیبلوکم خود تیرے دل میں کھٹکتی ہے اور تجھ کو اسکے معنی میں تردد ہوا ہے اور اسکے معنی تیری سمجھ میں آئے نہیں ہیں اسواسطے تو اپنے دل سے جبر کرکے کہتا ہے کہ شیعہ اس آیت سے نکالتے ہیں خدا کا عالم نہ ہونا پیدا ہونے سے پہلے اور شیعہ ہرگز یہ نہیں کہتے ہیں شیعوں کو تو بالکل جھوٹ لکھتا ہے تیرے ہی دل میں بات کھٹکتی ہے اور شیعہ تو معنی اس آیت کے بہت صحیح کرتے ہیں کہ جس میں کسی طرح کا خلجان نہیں ہے

قال الشیخ الاشعری اور اگر شیعوں کو نسبت نامہائے اعمال اور حساب کتاب و ہاتھ پاؤں کی گواہی کے جو قیامت میں ہوگی یہ عذر ہے کہ یہ سب تعلیم بنی آدم کے لئے ہے تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ امتحان خداوندی بھی تعلیم بنی آدم کے لئے ہے **اقول** شیعوں کو یہ عذر نہیں ہے تو اپنی طرف سے جو کچھ چاہتا ہے تجویز کرتا ہے حساب کتاب مقرر کرنے میں بھی ایک مصلحت اسکی یہ ہے کہ کسیکو عذر باقی نہ رہے اور جو کچھ وہ مقرر کرے سب حق ہے اور یہ امتحان کہنا تیرا امتحان حقیقی نہیں ہے اسواسطے کہ امتحان میں تو امتحان کرنیوالا بعد امتحان کے علم حاصل ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ پہلے ہی سے عالم ہے اسکا جو کچھ کہ بعد امتحان کے ظاہر ہوگا سو وہ اس سے یہ نہیں خود کہتا ہے کہ ہر بندہ خدا کو اسکا علم ہے کہ جو کچھ تم کروگے لیکن مثل معاملہ زمانیوالا کرتا ہے تاکہ لوگوں پر تمہارا حال ظاہر ہو جائے کہ جو کچھ تم کروگے **قال الشیخ الاشعری** باقی کسیکو ہاتھ پاؤں کی گواہی اور حساب کتاب اور وزن اعمال میں شک ہو تو یہ کلام اللہ کی آیتیں موجود ہیں آیت یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ جس کا یہ حاصل ہے کہ فلانی لوگوں کو جس روز عذاب ہوگا جس روز ان کے ہاتھ پاؤں انپر گواہی دینگے اور آیت قَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنطَقَنَا اللَّهُ یعنی قیامت کو جب کفار کے کان آنکھیں کھالیں انکی کرتوت کی گواہی دینگے تو وہ انکو ملامت کرینگے سو اسکا بیان ہے کہ کہیں گے کفار اپنی کھالوں کو کہ تمنے کیوں ہمارے حق میں بری گواہی دی تو وہ کہیں گے کہ جس خدا نے سب کو بلایا تھا اور بولنا سکھایا تھا اسنے ہمیں بھی بلا دیا اور سوا اسکے اور بہت سی آیتیں وزن اعمال پر اسی طرح دلالت کرتی ہیں وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ یعنی تول اس دن ٹھیک ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ حاصل اسکا یہ ہے کہ رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ حاصل اسکا یہ ہے کہ جسکی اعمال تولنے میں بھاری ہونگی اُسکے اچھے گذران ہونگے ایسے ہی حساب کے مقدمہ میں کثرت سے آیتیں وارد ہیں منجملہ ایک یہ لکھ دیتا ہوں اِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ یعنی خواہ ظاہر کرو جو کچھ تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ خدا حساب ضرور لیگا وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ یعنی جو کوئی منکر ہوگا اللہ کے حکموں کا تو اللہ حساب لینا شتاب لینے والا ہے الغرض ان باتوں سے انکار نہیں ہوسکتا اور ہمیں کسی سے کیا کام امامیہ و اثنا عشریہ سے غرض تھی سو وہ منکر ہی نہیں اہل سنت اور وہ دونوں ان باتوں کی ایمان میں متفق ہیں مدینہ سمعیہ سمجھتے تو یوں بھی یہی الحاصل جو کچھ شیعہ تجویز فرمائیں ہیں کچھ دریغ نہیں اگر وہ یوں کہیں کہ بنی آدم کی حجت ختم کرنے کے لئے حساب کتاب وغیرہ ہے ورنہ کچھ حاجت نہ تھی تو ہماری طرف بھی یہی جواب معروض خدمت سہی بلکہ اسکے ساتھ منت شکرانہ ہم سے لیں کہ ہمیں ان آیات کے معنی کی تحقیق میں تخفیف ہاتھ آئی غرض بہرحال چشم ما روشن دل ماشاد صلاح ما ہمہ آنست کاں صلاح شماست **اقول** عبث تو کاغذ کو سیاہ کرتا ہے اور تطویل لاطائل سے تیرا جی نہیں گھبراتا ہے بھلا ان باتوں کی تحریر سے یہاں کیا حاصل ہے

اور وہ کونسا مسلمان ہے جو منکر امور مذکورہ کا ہے اور جسواسطے خدا تعالیٰ نے حساب کتاب مقرر کیا ہے اسکی وجہ بھی ظاہر ہے لیکن تیرے واسطے ان امور کی تحریر سے کچھ فائدہ نہیں ہے تو عبث لکھتا ہے **قال الشیخ الاشعری** اور کسی مثال سے سمجھنا مد نظر ہے تو ایسی مثال لیجئے جیسے مولوی عمار علی صاحب ان جائیں الم کا پہلا سیپارہ تو شیعوں کو غالباً یاد ہو نہیں ۔۔۔ تو وہ بے یاد کیسے ہوگا کیونکہ اکثر دستمال اطفال رہتا ہے چہ جائیکہ بڑے بوڑھے عالم فاضل سو پہلے سیپارہ میں رکوع واذ قال ربک میں کچھ یہ بیان ہے کہ جناب باری تعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت آدم کے زمانہ میں خلیفہ بنانے کی خبر دی تو فرشتوں نے یہ اعتراض کیا کہ آپ آدم کو اور آدم کی اولاد کو خلیفہ بناتے ہیں جو زمین میں فساد کریں اور خونریزیاں مچائیں حالانکہ ہم اس بات کا استحقاق رکھتے ہیں ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں آپکی تقدیس میں ہم مشغول رہتے ہیں تو اسکے جواب میں سردست تو جناب باری تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے مگر انکی حجت قطع کرنے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے نام یا حقیقت تعلیم فرما کر پھر فرشتوں سے ان چیزوں کے نام یا حقیقت دریافت کی اور فرمایا کہ اگر تم دعویٰ استحقاق میں سچے ہو تو ہمارے سوال کا جواب دو چونکہ فرشتوں کو معلوم نہ تھی تو انہیں بجز یوں کہے نہ بن پڑی سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ حاصل اسکا یہ ہے کہ الٰہی تو پاک ہے ہمیں تو جتنا تو نے بتلا دیا اسکے سوا اور کچھ معلوم نہیں تو ہی اسرار کا جاننے والا اور حکمتوں والا ہے جب انسے نہ بتلایا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تو انہیں ان چیزوں کے نام بتلا دے جب حضرت آدم علیہ السلام نے انکے نام بتلا دیئے تو خداوند کریم نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں آسمان زمین کی سب لکی چھپی باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرو اور جو چھپاتے ہو وہ سب مجھے معلوم ہیں **اقول** تمہاری مثال کو سمجھنے کا کوئی محتاج نہیں ہے معلوم نہیں تم کیا بکتے ہو اور بڑبڑاتے ہو اور جو تم کہتے ہو وہ مطلب ہی یہاں نہیں ہے چنانچہ ہم کبھی مرتبہ لکھ چکے اور جو کچھ کلام اللہ سے مراد ہے وہ شیعوں ہی کے پاس ہے نہ تمہارے پاس اور باقی رہا قرآن کے لفظوں کا یاد کرنا سو اس سے تمہارے خلفاء تو ہی محروم تھے اور عورتوں سے الزام اٹھاتے تھے حضرت عمر بارہ برس میں سورہ بقر یاد ہوا تھا دیکھ لے اپنی کتابوں کو ان میں لکھا ہے یا نہیں سو یاد تو خلفاء کو نہیں ہوتا تھا اور کہتا ہے تو شیعوں کو اور اگر شیعوں سے تجھے حفظ سننا منظور ہے تو بہتر ہے حضور میں چلا آ **قال الشیخ الاشعری** بارے خدا علماء شیعہ اس قصہ میں غور فرمائیں یہ امتحان فرشتوں اور حضرت آدم کا جو ہوا تو کیا اسلئے لیا تھا کہ انہیں آپکو حقیقۃ الامر معلوم ہو جائے یا فرشتوں کی حجت قطع کرنے کے لئے درصورتیکہ حضرت آدم کو پہلے سے اپنے سوال کا جواب بتلا چکے ہوں اور فرشتوں کو نہ بتلایا ہو تو کسی نادان کو بھی یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ جناب باری تعالیٰ کو یہ معلوم تھا کہ کون استحقاق رکھتا ہے کون نہیں سو جیسے یہ امتحان فقط فرشتوں کی حجت قطع کرنے کے لئے اور انکے اعتراض کو اپنے ذمہ سے اٹھا دینے کے لئے تھا ایسے ہی یہ امتحان جو لیبلوکم یا اور اسی مضمون کی آیتوں سے ثابت ہوتا ہے تو فقط اسی لئے کہ بنی آدم بوجہ حسد ایک دوسرے کے رتبہ بڑھانے پر خدا کے ذمہ نا انصافی کی تہمت لگانے لگیں اور انکو گنجائش گفت و شنود اور جائے اعتراض و انکار جو انکی جبلت میں رکھی ہوئی ہے باقی نہ رہے اور واقعی اس حکم احکام کے قصد اور رسولوں اور انبیاؤں کی بھیجنے کے سلسلہ کی وجہ اور حکمت یہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ جب ملائکہ باینہمہ عصمت و فرمانبرداری کہ آیت لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ سے جسکا حاصل یہ ہے کہ فرشتے خدا کے نافرمانی نہیں کرتے اور جو کچھ انہیں حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہیں ثابت ہوتی ہے خدا کی بات میں دخل دے بیٹھے اور بوجہ حسد بنی آدم اعتراض کر بیٹھے تو بنی آدم ہیں پھر باوجود یکہ گناہوں سے انکا خمیر ہے انکی شان میں تعریف بھی آئی ہے وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا یعنی انسان سب میں زیادہ جھگڑالو ہے پھر اگر خداوند کریم موافق اپنے علم ازلی کے رسول اللہ صلعم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جنت میں اور ابوجہل اور فرعون کو دوزخ میں داخل کر دیتا تو فرعون اور ابوجہل کا ہیکو ٹھنڈے جو ملے مبتنی اعتراض پر اعتراض کئے جاتے اور اپنی استحقاق جنت کے دعوی کیا کیا کچھ نہ کرتے اسی لئے خداوند کریم علیم حکیم نے کلام اللہ میں اکثر مواقع میں وجہ اس سلسلہ ہدایت کے بھی بیان فرمائی ہے تسکین خاطر ناظرین کے لئے ایک گزارش کرتا ہوں وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّاخِرِينَ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ بَلَىٰ قَدْ جَاءَتْكَ آيَاتِي فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ حاصل اسکا یہ ہے کہ چلو بہتر بات پر جو تم پر نازل کی گئی تمہارے رب کی طرف سے پہلے اس سے کہ پہنچے تم پر عذاب اچانک اور تمکو خبر نہ ہو کہیں کہنے لگے کوئی جان ہائے افسوس میں نے قصور کیا اللہ کے مقدمہ میں اور میں ہنستا ہی رہا یا کوئی کہنے لگے اللہ مجھکو راہ بتاتا تو میں متقی ہوتا یا کوئی کہنے لگے جب دیکھے عذاب کسی طرح مجھکو پھر جانا ملے تو میں نیکی والوں میں سے ہو جاؤں کیوں نہیں پہنچ چکے تھے تجھ کو میرے حکم پھر تو نے انکو جھٹلایا اور غرور کیا اور تو کافروں میں سے تھا یہاں تک ترجمہ تھا اب اس آیت کو مطالعہ کرنیوالے فرمائیں کہ یہ جو حکم ہوا کہ خدا نے جو تمہاری طرف عمدہ بات نازل کی ہے اسکا اتباع کرو اور اسپر چلو خدا نے اسکی کیا وجہ فرمائی ہے بجز اسکے اور بھی کچھ ہے کہ یہ اندیشہ تھا کہ کوئی یوں کہنے لگے کہ خدا اگر مجھے راہ بتلاتا تو میں متقی پرہیزگار ہوتا اور یہ اندیشہ جب ہو سکتا ہے کہ اپنی طرف سے پہلے تجویز کر رکھا ہو کہ اسکو دوزخ میں پہنچائینگے اسکو جنت میں سو اسی تجویز کے موافق اگر کاربند ہوتے اور جسکو برا بھلا جیسا سمجھ رکھا تھا اسکے مناسب اسے جگہ دیتے تو بیشک دوزخی بھی اپنا استحقاق جتاتے اور دعوی

اپنی بہلائی کا کرکے کہتی کہ ہمارا امتحان کیوں نہ لیا ہمکو راہ دکھایا ہوتا ہم بیشک متقی اور پرہیزگار نکلتے معہذا کنت من الکافرین فرمایا اور کفرت نہ فرمایا عربیت میں جو مہارت کما ینبغی رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر کفرت فرماتے تو یہ معنی ہوتے کہ جب آیات آئیں اور تم انکا انکار کیا تب کافر ہوگیا پہلے سے نہ تھا اور اب یہ معنی ہیں کہ ازل سے تیرا چہرہ کافروں اور نکمہ اموں میں لکھا تھا سو تو موافق اُس لکھے ہوئے ہی کے نکلا باوجودیکہ ہماری آیات تیرے پاس آئیں پھر تو نے انہیں نہ مانا اور اتنا غرور کیا ایسے ہی سورۂ اعراف میں ہے اَنْ تَقُولُوا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِنَّا کُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِیْنَ یعنی عہد الست جو لیا گیا تھا فقط اسی لئے کہ تم عذاب کے وقت یوں کہنے لگو کہ ہمیں تو اسکی خبر ہی نہیں الغرض جو کچھ صورت حال بنی آدم سے جیسا کہ مذکور ہوا اعتراض اور جھگڑا اٹھ سکتا تھا جناب باریتعالی نے اعمال مقرر کر دیا تا کہ انکی حجت منقطع ہوجائے اور کل کو غل نہ مچائیں۔ رہا انصاف کی ہمت لگانا اسی لئے اُن کے سنانے کو فرماتے ہیں لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِیْنَ مِنْکُمْ وَالصَّابِرِیْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَکُمْ حاصل یہ نکلا کہ اگر تمکو ہماری بدگمانی ہو اور یوں سمجھتے ہو کہ خدا کو کیا معلوم کون اچھا ہے کون برا ہے آزما کے دیکھا تو ہوتا جو اچھے برے کا فرق معلوم ہوتا ورنہ فقط اٹکل سے برا بھلا سمجھ لینا اور پھر اُسکے موافق دوزخ جنت میں داخل کرنا کار انصاف نہیں تو اب ہم بھی امتحان ہی لیں گے تاکہ معلوم تو ہو کہ کون بھلا ہے کون برا ہے کون مجاہد ہے کون صابر ہے غرض یہ امتحان قطع حجت بنی آدم کے لیے ہے خداوند علیم کو تحصیل مد نظر نہیں چنانچہ دوسری آیت میں جو لفظ اخبارکم ہے وہ بھی باواز بلند اسبات پر شاہد ہے کہ خداوند علیم پہلے سے بیخبر نہیں اچھے برے نیک بد حال سے خبردار ہے کیونکہ اس صورت میں حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ ہمکو جو تمہاری حقیقتوں کی خبر ہے اور تمکو اسمیں شک ہے اور ہم بھی اسے جانچ ہی گے اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ خدا کو پہلے ہی سے ہر چیز کی خبر ہے بھلے اور برے کو جانتا ہے

اقول ارے اکذب الکاذبین یہ کون شیعہ کہتا ہے کہ خدا تعالی نے امتحان فرشتوں کا اور حضرت آدم کا لیا تو اسواسطے لیا کہ اُسکو حقیقت الامر معلوم نہ تھی شیعہ تو ایسے اعتقاد والے کو کافر جانتے ہیں اور اُس پر لعنت کرتے ہیں اور جھوٹے او مفتری پر تو خدا تعالی خود لعنت کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِیْنَ اور حقیقت الامر معلوم نہونے کی جہت سے جو خدا تعالی نے امتحان لیا تو یہ اہل سنت کے نزدیک ہوگا نہ شیعوں کے نزدیک شیعہ تو کل ازل سے ابد تک عالم ہر امر کا جانتے ہیں اور جس امر کا وہ امتحان لیتا ہے خواہ فرشتوں سے خواہ آدمیوں سے اُسکی حقیقت کو وہ پہلے ہی سے جانتا ہے کہ یوں ہوگا اور جسقدر آیتیں کہ امتحان کے لینے کی پیش ہوں سے نزدیک انکا یہی مطلب ہے کہ خدا تعالی جس چیز کا امتحان لیتا ہے اسکو پہلے ہی سے جانتا ہے اور امتحان علم کے حاصل ہونے کے واسطے نہیں لیتا ہے کہ علم تو ہر چیز کا اسکو روز ازل سے ہے بلکہ انکی حجت کے قطع کرنیکے واسطے کہ اگر وہ کچھ عذر کریں تو بل کو کہنے کی جگہ ہو کہ ہم نے تمہاری ہدایت کے واسطے آیتیں اور انبیاء بھیجے تم نے انکا انکار کیا اور اگر امتحان میں اچھا نکلا تو اسکے واسطے مدارج عالیہ بہشت میں موجود ہیں موافق اپنے اپنے عمل کے کسیکو زیادہ اور کسیکو کم اور امتحان لینا خدا کا حق ہے نہ اسواسطے کہ امتحان کی وجہ سے جو علم کہ اسکو حاصل نہ تھا امتحان کرنے سے اسکو حاصل ہو اگر یہ مذہب ہوگا تو اہل سنت کا ہوگا کہ امتحان کرنے سے علم حاصل کرے شیعوں کا یہ مذہب نہیں ہے سارے قول کا اسکے جواب ہوگیا جو کچھ کہ اس نے فضول اور لاطائل لکھا تھا **قال الشیخ الاشعری** ایسا نہیں ہے جیسا امامیہ کہتے ہیں کہ جب کوئی چیز پیدا ہوتی ہے خدا کو جبھی خبر ہوتی ہے چنانچہ ملا نظام الدین جیلانی کے حوالہ سے اوپر گزر چکا لیکن بنی آدم کی حجت قطع کرنیکے لیے یہ بکھیڑا کیا جیسے فرشتوں کے ساکت کرنیکے لیے سوال و جواب مذکور کی نوبت پہنچائی ورنہ خداوند کریم پہلے ہی سے جانتا تھا کہ حضرت آدم خلافت کے لائق ہیں فرشتوں میں وہ بات نہیں جو آدم میں ہے ایسے ہی ازل سے جنتیوں کا جنت کے لائق ہونا اور دوزخیوں کا دوزخ کے لائق ہونا خداوند کریم اسطرح جانتا تھا جس طرح ہم عمر لکڑیوں کا چولہے کے لائق ہونا اور ریشمی کا لباس کے قابل ہونا سمجھتے ہیں اگر خداوند کریم علم ازلی کی موافق جنتیونکو جنت میں اور دوزخیونکو دوزخ میں پہنچا دیتا تو کچھ ظلم نہ تھا لیکن بنی آدم کا جھگڑا باقی رہتا فرشتوں نے تو کیا انکار کیا جو یہ کرتے اسلئے یہ سارے کار خانے امتحان مقرر کئے

اقول امامیہ ہرگز یہ نہیں کہتے ہیں کہ جب کوئی چیز پیدا ہوتی ہے تب جبھی خدا کو خبر ہوتی ہے تو جھوٹ لکھتا ہے امامیہ تو ایسے شخص کو جو کہ یہ اعتقاد رکھے کافر جانتے ہیں اور امامیہ کا تو یہ مذہب ہے کہ خدا تعالی روز ازل سے ہر چیز کا عالم ہے اور نظام الدین جیلانی کا جو تو حوالہ دیتا ہے اُسکا جواب کئی مرتبہ ہم دے چکے کہ شیعوں میں اس نام کا ملا کوئی شخص نہیں ہے اور اگر کوئی کٹھ ملا ہوگا تو ایسا اعتقاد کرنے سے کافر ہوگیا جیسے کہ تو سات ختم المرسلین کہنے سے علماء مکہ معظمہ کے نزدیک مرتد ہوگیا اور اگر اس نے کوئی روایت بھی شیعوں کی کتب احادیث میں سے لکھی ہے تو اس سے کیا ہوتا ہے شیعوں کے اعتقاد کو دیکھنا چاہئے اہل سنت کی کتب صحاح میں جناب رسولخدا صلعم سے ایسی روایتیں نقل کی ہیں کہ جن سے خدا تعالی کے مجسم ہونے پر دلالت آتی ہیں۔ چنانچہ پہلے اس سے ہم بہت سی لکھ چکے اکثر علماء کا مذہب بھی خدا تعالی کے مجسم ہونیکا ہے اور اب جو اہل سنت سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم ایسے کا ہیکو ہیں چنانچہ انکی احادیث میں بابت کہ حضرت نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار کو جوان امرد کی صورت میں دیکھا اور بیہقی نے رسالہ کتاب الاسماء والصفات میں محدثین کے نزدیک خدا تعالی کا ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر نازل ہونا تحریر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ آسمان دنیا پر خدا تعالی نزول جلال فرماتا ہے اور جلال الدین دوانی نے شرح عقائد میں تصریح کی ہے کہ اکثر مجسمہ فرقہ محدثین ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ واکثر المجسمة الظاهریون المتعلقون بظواهر الکتاب والسنة واکثرهم المحدثون اور ابن جوزی نے تو تمام محدثین کو مشبہ میں سے لکھا ہے تلبیس ابلیس میں جب محدثین کا یہ حال ہے تو انکی روایات کا کیا اعتبار اور مدار اہل سنت کے مذہب کا انکی روایات ہی پر ہے اور پھر ایک شخص مجہول نظام الدین جیلانی کی حوالہ سے کہ جسکو کوئی نہیں جانتا ہے کہ وہ کون تھا تو اعتراض کرتا ہے اپنے محدثین اور علماء کی خبر نہیں لیتا

قال الشیخ الاشعری اب بفضلہ تعالیٰ وہ دعوے کا جو بوجہ آیات امتحان علماء شیعہ کو واقع ہوا تھا مرتفع ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ کلام اللہ یوں سمجھا کرتے ہیں نہ یہ کہ ایک آیت پر تو پلے گئے اور جو کچھ فی الفور سمجھ میں آگیا اُسپر جم گئے اور یہ نہ دیکھا کہ اور آیات سے ملکر اس آیت کے کیا معنی ہوتے ہیں اگر یہی تفسیر دانی ہے تو ہم جانتے ہیں کہ علماء شیعہ کل کو وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ اور وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ ، اور وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ وغیرہا اس قسم کی آیات کے معنوں میں فرمانے لگیں گے کہ یہ سب قصے ہوچکے ہیں اسلئے کہ قطع نظر ان آیات کے اور احادیث کے جنسے قیامت کا آئندہ کو ہونا ثابت ہوتا ہے سر دست ان آیات کے یہی معنی معلوم ہوتے ہیں کہ یہ باتیں سب ایام گزشتہ کے افسانہ ہیں کیونکہ نادیٰ ماضی کا صیغہ ہے جب تلک یوں نہ کہیں کہ جو چیز ہونیوالی ہے اور اُسکے ہونے میں کچھ شک نہیں ہوتا اُسے عرف میں یونہی کہا کرتے ہیں کہ وہ ہو ہی چکی چنانچہ جو شخص لب مرگ ہوتا ہے اُسکو کہا کرتے ہیں اسمیں کیا رہا ہے مر ہی چکا ہے جب تلک ان آیات کے معنی اور آیات کے موافق نہونگے ادنےٰ سے ادنےٰ عربی خواں بھی یوں جانتا ہے کہ باعتبار لغت کے وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ کے یہ معنی ہیں کہ ندا کی جنتیوں نے دوزخیوں کو اب تلک دوزخ اور جنت میں ۔ گیا ہے کون ہے جو یہ سوال و جواب ہونگے البتہ یہ سب سرگزشتیں بروز قیامت ظہور میں آئینگی چنانچہ سیاق اور سباق سے ظاہر ہے اور نیز امامیہ و اثنا عشریہ بھی یہی فرماتے ہیں **اقول** اے دروغگو جھوٹوں کے بادشاہ علماء شیعہ کو آیات امتحان سے ہرگز دھوکا نہیں ہوا ہے تو سراپا کاذب و مفتری ہے اور اگر تو راست گو ہوتا تو کسی امامیہ کا حوالہ دیتا کہ فلانے نے اس آیت سے دھوکا کھا کر لکھا ہے ابتدا سے تو برابر جھوٹ لکھتا چلا آتا ہے اور سچ ہے اگر تو جھوٹ نہ لکھے تو امامیہ پر کیونکر غالب ہو کیا امامیہ کے مذہب میں تو گرفت کی بات ہی کوئی نہیں ہے جیسے کہ مذہب اہلسنت کا عیبوں سے بھرا ہوا ہے و صدہا اعتراض شیعوں کی اُنکے مذہب پر وارد ہوتے ہیں اور کلام اللہ کا سمجھنا تم کیا جانو کہ تمہاری پیر و مرشد تو کلام اللہ کے معنی میں غلطیاں کیا کرتے تھے اور دوسروں کی طرف رجوع کرتے تھے اور شیعوں پر جو کہ ماہران مضامین قرآن سے اخذ کرتے ہیں نہ سمجھنے کی تہمت کرتے ہو اور نادیٰ اصحاب الجنۃ اصحاب النار جو قرآن شریف میں ہے تیرے ہی نزدیک قصص گزشتہ ہونگے نہ شیعوں کے نزدیک اور شیعوں کی نزدیک تو یہ ہے کہ جس امر کے ہونیکا یقین ہوتا ہے اُسکو بلفظ ماضی بیان کرتے ہیں اور اُنکے نزدیک تو قیامت کا ہونا حق ہے اسواسطے بلفظ ماضی اُسکے بیان کرنیکو بھی حق جانتے ہیں لیکن تیرے دلمیں قیامت کے ہونے میں تردد معلوم ہوتا ہے اسواسطے تو ایسی باتیں تراشتا ہے **قال الشیخ الاشعری** سو جیسے ان الفاظ کو بقرینہ دیگر آیات اپنے معنی حقیقی یعنی زمانہ ماضی سے پھیر کر معنی مجازی یعنی زمانہ مستقبل مراد لیتے ہیں ایسے ہی اگر لنبلونکم وغیرہ کلمات کو جو زمانہ مستقبل پر دلالت کرتے اُن آیات کے قرینہ سے جنسے خداوند علیم کے علم کا قدیم ہونا ثابت ہوتا ہے اپنے معنی اصلی یعنی زمانہ مستقبل سے پھیر کر زمانہ ماضی مراد لیں تو کیا گناہ ہے اور تصحیح مجاز کی وجہ درکار ہو تو سنیئے جیسے امور آئندہ میں سے اُن امور کو جن کا آئندہ کو واقع ہونا یقینی ہوتا ہے بایں وجہ کہ اُنکا تحقق ضرور ہے اور یقینی ہے الفاظ ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں ایسے ہی امور گزشتہ میں سے اُن امور کو جنکا تحقق اور وقوع اور اُنکا وجود ایک نوع سے مخفی ہو اور باایں ہمہ اُنکا اثر بھی ہنوز ظاہر نہوا ہو تو بایں لحاظ کہ ایسے امور کا ہونا نہونا اکثر اثر کے ہونے نہونے سے معلوم ہوتا ہے الفاظ مستقبل سے تعبیر کر دیا کرتے ہیں مثال کی ضرورت ہو تو سنیئے کہ اگر کوئی بیمار بوجہ امتداد مرض اور شدت بیماری صاحب فراش ہو جائے یعنی چارپائی کا سوار بن جائے اور پھر شافی مطلق اُس بیمار کو ایک دفعہ ہی شفا عطا فرمائے تو ظاہر ہے کہ وہ طاقت رفتہ مرض کی جاتے ہی نہ آجائیگی بلکہ آئیگی تو رفتہ رفتہ آئیگی سو اگر بمجرد زوال مرض عطار وغیرہ قرضخواہ اگر اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگیں تو وہ مرد ضعیف و نقیہ اگر مفلس ہوتا ہے تو باوجود اطلاع اس امر کے کہ میرا مرض زائل ہوگیا اور میں اچھا ہوگیا اکثر یہی جواب دیتا ہے کہ میں اچھا ہوجاؤں تو کہیں سے فکر کے آپکا حق پہنچاؤں یا فرض کرو بیمار کو تو زوال مرض کی اطلاع نہو چنانچہ اکثر ہوتا ہے پر طبیب کامل آثار و دلائل سے اسکی صحت سے مطلع ہو کر خواستگار انعام ہو اور بیمار بسبب بقاء آثار مرض مثل نقاہت وغیرہ کے اعطاء انعام میں متردد ہو تو طبیب اکثر کہا کرتے ہیں کہ اچھا جب تم اچھے ہو جاؤگے جبھی دینا سو جیسے طبیب یا مریض مذکور بایں لحاظ کہ ابتک ظہور اثر صحت کچھ نہیں ہوا یعنی طاقت نہیں آئی تو صحت کو جو واقع ہو چکی بمنزلہ غیر واقع سمجھ کر صیغہ استقبال سے تعبیر کرتا ہے **اقول** کیا فریب اور مکر کی گفتگو کرتا ہے یہ شیخ کوئی جانے کہ شیعہ ایسا ہی کہتے ہونگے انکو اس طرح سے سمجھانا چاہیئے لیکن جو کچھ یہ لکھتا ہے سب غلط ہے شیعوں کا یہ قول ہی نہیں ہے جو کہ یہ شیعوں کی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ شیعوں کا تو آیت لنبلونکم میں یہ مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ جس چیز کی آزمائش کرتا ہے اُسکو روز ازل سے جانتا ہے کہ آزمائش میں ایسی نکلیگی ایسا اُسپر حجت تمام کرنیکے واسطے کرتا ہے اور یہ اسکو منظور نہیں ہے کہ انکا حال جو مجکو معلوم نہیں ہے تو امتحان کرنے سے معلوم ہوجاوے اسواسطے کہ اسکے اُسکو احتیاج ہی نہیں ہے اور علم اُسکا قدیم ہے اور روز ازل سے وہ سب جانتا ہے بس بعد کے جو مثال وغیرہ اس نے لکھی ہے سب باطل ہے کہ اُسکو یہاں کچھ تعلق ہی نہیں ہے نہ شیعہ ایسے ہیں اُنکے واسطے ایسی باتیں بلا فریب لکھنی چاہئیں **قال الشیخ الاشعری** ایسے ہی جناب باری بھی اپنے اس علم قدیم کو کہ صحابہ مجاہد اور صابر ہیں اور اعداء صحابہ فاسق و فاجر اصحاب کرام بوجہ سعادت ازلی و شرافت لم یزلی اور خوبی ذاتی اور کمال صفاتی اس لائق ہیں کہ اُنسے اچھے کام لیے جائیں اور اُسکے ثمرہ میں کمالات کسبی دیے جائیں اور اعداء اصحاب بسبب شقاوت ازلی اور رذالت لم یزلی اور زبونی ذاتی اور

نقصان صفاتی اس قابل ہیں کہ اُنسے بڑے کام لئے جائیں اور اُسکی پاداش میں اُنکے قلوب سیاہ کئے جائیں بایں نظر کہ قبل تکلیف اعمال اُس علم پر کوئی ثمرہ متفرع نہیں ہوا اور اُس کا اثر یعنی اچھے بُرے کاموں کا اُنسے لینا ہنوز ظاہر نہیں ہوا **اقول** البتہ جو کہ صحابہ تھے کہ جنہوں نے رسولخدا صلعم کی صحبت پائی اور ایمان پر مرے اُنکو خدا تعالیٰ اپنے علم قدیم سے جانتا تھا کہ یہ خوب جہاد کرینگے اور کفار کو قتل کرینگے اور یا اُنکے ہاتھوں سے مقتول ہونگے یا زخمی ہونگے اور صبر کرینگے اُنکے ہی حق میں فرماتا ہے اور اُنکو پہلے ہی سے جانتا تھا کہ یہ مجاہد ہیں اور جو لوگ کہ جہادوں میں سے بھاگے جیسے کہ ابوبکر اور عمر اور عثمان اور ابوعبیدہ اور طلحہ اور زبیر وغیرہ یہ مجاہدین کے زمرہ میں داخل نہیں ہیں کہ یہ جہادوں میں سے بھاگتے رہے ہیں چنانچہ احد میں بھاگے حنین میں بھاگے خیبر میں بھاگے اور سوا اسکے بہت غزوں میں سے بھاگے ازالۃ الخفاء میں مولوی عبدالعزیز نے عائشہ سے روایت کی ہے کہ ابوبکر نے کہا کہ روز احد میں سب سے پہلے سب سے بھاگنے کے بعد اوّل شخص پھر کر آیا اور بعد میرے ابوعبیدہ تھا اور مثل اسکے تاریخ خمیس میں لکھا ہے اور کنز العمال میں بھی ابوبکر کا بھاگنا لکھا ہے اور تفسیر درمنثور میں لکھا ہے کہ عمر نے ایک روز بروز جمعہ خطبہ پڑھا اور جسوقت الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ پر پہنچا تو کہا کہ بروز احد ہم بھاگے اور میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ بھگوڑوں میں سے حضرت عمر تھے لیکن پہلے بھاگنے والوں میں سے نتھے اور عثمان تو ایسے بھاگے تھے کہ تین دنکے بعد پھر کر آئے تھے چنانچہ روضۃ الصفا وغیرہ تواریخ میں لکھا ہے اور روضۃ الاحباب اور مدارج النبوت اور سیر الاعین میں لکھا ہے کہ بروز جنگ احد جسوقت مسلمان جناب رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر بھاگے تو اُسوقت حضرت غشہ ہوے اور پھر نظر کی تو علی مرتضیٰ کو اپنے پہلو میں کھڑا ہوا دیکھا فرمایا کہ اے علی تو اپنے بھائیوں کے ساتھ ملحق کیوں نہیں ہوا کہا کہ یا رسول اللہ لا کفر بعد الایمان ان لی بک اسوۃ یعنے اے رسولخدا نہیں کفر بعد ایمان کے تحقیق کہ واسطے میرے پیروی تیری ہے دیکھو حضرت علی نے اس بھاگنے کو فرمایا ہے اور عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں سبب نزول آیت لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ میں لکھا ہے کہ رسولخدا صلعم نے بھاگنے والوں کا سب کیا ہے اور صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم صبح کی نماز کے دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو کہتے تھے کہ اللھم العن فلانا وفلانا وفلانا اور عینی شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ یہ لعن اُن لوگوں کے حق میں ہے کہ جو صحابہ جنگ احد میں جہاد سے بھاگے تھے رسولخدا کو چھوڑ کر اور اُن بھگوڑوں میں عثمان بھی تھے سو خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کا مجاہد اور صبر کرنیوالا ہونا نہیں جانا بلکہ اُنکا بھگوڑا ہونا جانا ہے اور جسوقت کہ جناب رسولخدا صلعم نے اُنکا سب کیا اور حضرت علی نے انکے بھاگنے کو کفر کہا تو اُنمیں سعادت ازلی اور شرافت لم یزلی اور خوبی ذاتی اور کمال صفاتی ہرگز ثابت نہوگا مگر جن لوگوں نے کہ توبہ کی ہے لیکن ثلاثہ کا توبہ کرنا ہرگز ثابت نہیں ہے کہ وہ بعد اسکے بھی بھاگے ہیں اور جہاد آخر تر ہے جہادوں میں سے جنگ خیبر تھا اُسمیں سے بھی ثلاثہ بھاگے اور یہ جو لکھا ہے کہ اعداء صحابہ فاسق و فاجر تھے سو اسکا تو اس آیت میں کچھ ذکر ہی نہیں ہے تم اپنی طرف سے ایجاد کرکے کہتا ہے اور اعداء صحابہ بھی وہ ہی لوگ تھے کہ جنکو تو صحابہ میں شمار کرتا ہے جنہوں نے حقوق اہل بیت غصب کئے اور عائشہ علی مرتضیٰ سے عداوت رکھتی ہی تھی اور عثمان پر لعنت کرتی تھی اور کہتی تھی کہ اقتلوا نعثلا اور لعن اللہ نعثلا اور عثمان کو صحابہ نے قتل کروایا اور عثمان نے کسی صحابہ کو بے عزت کیا اور کسیکو مارا اور کسیکو جلاوطن کیا اور یہ سب حال انشاء اللہ تعالیٰ ہم مفصل خط کے جواب کے رد میں لکھینگے اور ملل و نحل میں صحابہ کا عداوت کرنا حضرت علی سے لکھا ہے کہ قالوا قد بلغ حقدهم وعداوتهم مع امیر المومنین الی ان سعد بن ابی وقاص وابن عمر و اسامۃ بن زید مولی رسول اللہ صلعم ورافع بن خدیج الانصاری و محمد بن مسلمة و زید بن ثابت الانصاری وابا هریرة وابا الدرداء وجماعة غیر هؤلاء لم یبایعوا علیا اذ ولی الخلافة ثم بایعوا معاویة و یزید ابنه من ادرکه منهم یعنی کہا انہوں نے کہ تحقیق پہنچا کینہ اُنکا اور دشمنی اُنکی ہمراہ امیر المومنین کے یہانتک کہ ان اشخاص مذکورین نے اور ایک جماعت نے سوائے انکے نہ بیعت کی علی سے جسوقت وہ خلیفہ ہوے پھر بیعت کی اُنہوں نے معاویہ سے اور اُسکے بیٹے یزید سے جس نے کہ پایا یزید کو اُنمیں سے اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغت میں لکھا ہے کہ قال شیخنا ابو جعفر الاسکافی کان اهل البصرة کلهم یبغضون علیا وکثیر من اهل المدینة واما اهل مكة فكلهم يبغضونه قاطبة وكان قريش كلها على خلافه یعنی کہا شیخ ہمارے ابوجعفر اسکافی نے کہ اہل بصرہ کل بغض رکھتے تھے علی سے اور بہت سے مدینہ والے اور لیکن مکہ والے پس کل بغض رکھتے تھے علی سے اور کل قریش مخالف تھے علی کے پس حضرت علی کے برابر کون صحابی ہوگا کہ وہ ہمیشہ جناب رسولخدا صلعم کی صحبت میں رہے ان لوگوں نے علی سے دشمنی کی ہے اور یہ اعداء صحابہ ہیں سو یہ لوگ تیرے نزدیک فاسق و فاجر ہیں اور شقاوت ازلی اور رذالت لم یزلی انہیں ہے اور اگر تیرے نزدیک اعداء صحابہ سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جو بعضے صحابہ کا سب کرتے ہیں سو ہم عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری سے ابھی لکھ چکے ہیں کہ جناب رسولخدا صلعم نے جہاد سے بھاگنے والوں کا سب کیا ہے اور ملل نحل اور شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ جهزوا جیش اسامة لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامة یعنی رسولخدا صلعم نے جیش اسامہ سے تخلف کرنیوالوں پر لعنت کی ہے اور اُنہی شخصوں نے اسامہ کے لشکر سے تخلف بھی کیا ہے پس جسوقت کہ رسولخدا صلعم نے ایسا کیا ہو تو اور کسیکا کیا قصور ہے اگر کوئی بعضے صحابہ کا سب کرے **قال الشیخ الاشعری** بایں خیال کہ بہت سے نابکاروں کو خدا کے اس علم کے صحیح ہونے میں ایسا تردد ہے جیسا بیمار مذکور کو قول طبیب میں اگر بصیغہ استقبال بیان فرمائی تو شیعوں کو اسقدر حیرت کیوں ہے رہی یہ بات کہ یہ فرق نیک بد ازلی اور خلقی ہے

کسبی اور عارضی نہیں ہی سو یہ ہر چند ایک امر دقیق ہی لیکن اہل فہم کے نزدیک یہ فرق بعینہ ایسا ہے جیسا ذکی و غبی اور حلیم اور خونخوار اور بخیل و سخی اور شجاع و نامرد عالم و جاہل
کا فرق ہی جیسے بادشاہان عاقل عالم سی کار علم اور جاہل سی کار جہل لیتے ہیں ایسے ہی جناب باری بھی ہر کسی سے اُسی کے لائق کام لیتا ہی بلکہ تحقیق تو یوں ہی کہ زمانہ بتمامہ ازل
سے لیکر ابد تک ایک شی موجود ہی نہ زمانہ ماضی فنا ہوا اور نہ زمانہ آیندہ معدوم ہی وجہ اسکی یہ ہی کہ اگر کوئی یوں کہی ان زیداً قائم یعنی زید قائم ہے تو مجرد اس کلام کے سننے کے
ہر کوئی یہ سمجھ جاتا ہی کہ زید موجود ہے اور اُسکا یہ حال ہی اور ظاہر بھی تو یہی کہ کوئی حال تو جب ہو کہ جب وہ خود پہلے ہو لے جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو گزارش یہ ہی کہ قیامت کے
باب میں جو وقائع آیندہ میں سے ہیں خداوند کریم یوں فرماتا ہی اور سب جانتے ہیں کہ خدا سچا ہی کہ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ یعنی قیامت بیشک آنیوالی ہی یا دوسری جگہ یوں فرماتا ہی
اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ یعنی بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہی سو موافق قاعدہ مذکورہ کے ہم بھی یوں ہی سمجھتے ہیں کہ قیامت بالفعل موجود ہی اور اُسکا یہ حال ہی کہ ہماری
طرف آنیوالی ہے اور وہ بہت بڑی چیز ہے اور ہم اسپر بے تکرار ایمان لاتے ہیں اور چون و چرا نہیں کرتے اور کوئی نیم ملاؤں میں سے چون و چرا بھی کری کہ بہت اوصاف ایسے بھی ہیں کہ
اُنسے اُس چیز کا وجود معلوم نہیں ہوتا جسکا وہ وصف ہوتا ہی مثلاً کوئی یوں کہے کہ فلانا مر گیا یا فلانا معدوم ہو گیا تو ہر چند یہ شبہ قابل جواب نہیں اور اسکا جواب بھی یہ ہے
کہ یہ باتیں اوصاف نہیں بلکہ اوصاف کا نہونا ہی لیکن سلمنا یوں کہنا کہ فلانی چیز آنیوالی ہی یا فلانی چیز بڑی ہی یہ تو ایسے نہیں جنسے ہونا معلوم نہو بلکہ یہ باتیں تو دونوں کے
نزدیک بھی وجود ہی پر دلالت کرتے ہیں سو در صورتیکہ یہ اوصاف وجود پر دلالت کرتے ہوں ہم قیامت کے بجاے خود موجود ہونے میں کیوں تامل کریں اور یوں جب مقرر ہو چکا
تو ہم ایک اور بھی التماس کرتے ہیں کہ جیسے قیامت آنیوالی ٹھیری اور وہ اس وصف کے قرینہ سے موجود معلوم ہوئی تو زمانہ گزشتہ بشہادت تمام عالم گزرنیوالا ہی اسیواسطے
اُسکا نام گذشتہ رکھا ہی سو جب قیامت وغیرہ اجزاء زمانہ متحرک ٹھیرے تو ایک روز ہم تک پہنچکر گزر بھی جاینگے اور یوں کہنا کہ فلانا شخص جاتا ہی وجود پر دلالت
کرنے میں کچھ اس سے کم نہیں کہ یوں کہیں کہ فلانا شخص آتا ہی اور جب دونوں طرفین زمانہ گزشتہ اور آیندہ برابر بجاے خود موجود نکلے تو موافق فرمودہ باریتعالی یعنی آیت اِنَّ
اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ سارا زمانہ اول سے لیکر آخر تک حاطہ خداوندی میں داخل ہوا سو احاطہ خداوندی کے جو کچھ کوئی معنی لے ہمیں کچھ انکار نہیں کم سے کم یہ معنی
ضرور ہونگے کہ اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہی جیسا کہ دوسری آیت بعینہ اسی معنی پر دلالت کرتی ہی وہ آیت یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا یعنی اللہ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے
اس صورت میں کیفیت سارے زمانہ کے وجود کی باوجود اس روانگی کے کہ ایک جز آتا ہے اور ایک جز جاتا ہی ایسی ہوگی جیسے اجزاء آب رواں کہ سب کے سب بجاے خود موجود ہیں
لیکن سب اگلی اجزا گزر جاتے ہیں تب پچھلے آتے ہیں اور خدا کے پیش نظر اور معلوم ہونیکی ایسی مثال سمجھیے جیسے کوئی لب دریا جا کھڑا ہو تو ادہر سے اُدہر تک تمام دریا کا پانی اور جو جو
اُس پانی کے اندر بہا جاتا ہی حباب یا خس و خاشاک اُسکے پیش نظر ہوتا ہے اور اُسکو سب ایکسی واحد نظر آتا ہے گو اجزاء آب اور جو کچھ اُنمیں ہی باہم مقدم اور موخر ہیں الغرض اجزاء زمانہ
اور جو کچھ زمانہ میں واقع ہوتا ہے سب کا سب تمامہا خداوند کریم کے پیش نظر ہے اور سارا مجموعہ اسکو بمنزلہ شے واحد معلوم ہوتا ہی اور معاً سب کے سب اسکو یکساں نظر آتے ہیں اُسکے حساب
سے سب زمانہ حال کا حکم رکھتے ہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کے نسبت مقدم اور موخر گنی جاتے ہیں اور فرق حال اور استقبال اور ماضی کا بہ نسبت ایک دوسرے کے
ہے سو جیسے کوئی مکان میں ہوتا ہی تو اسکے سوا جو مکان کہ اُسکے سامنے ہوتا ہی اُسکو آگا کہتے ہیں اور جو اُسکے پیچھے ہوتا ہے اُسے پیچھا کہتے ہیں ایسے ہی جس زمانہ میں کوئی چیز ہوتی ہی
اُسکے پہلے زمانہ کو بہ نسبت اسکے ماضی کہتے ہیں اور اسکے اگلی زمانہ کو بہ نسبت اسکے مستقبل کہتے ہیں اور خاص اُس زمانہ کو جسمیں وہ چیز ہوتی ہی اُسکی نسبت زمانہ حال کہتے ہیں سو ہر چند
خداوند کریم کے پیش نظر ہو نہیں اور اسکے سامنے موجود ہونے میں سب یکساں ہیں لیکن باہم مقدم اور موخر ہیں اور ایک دوسرے کی نسبت ماضی اور مستقبل اور حال ہے سو
خداوند کریم کبھی تو موقع دیکھکر بلحاظ اپنے معلوم ہونے اور اپنے پیش نظر ہونے کے کلام کرتا ہی اور کبھی مناسب وقت اُن وقائع کے تقدم اور تاخر کا لحاظ ہوتا ہے
پہلی صورت میں تو ہمیشہ ماضی کا صیغہ یا حال کا صیغہ مستعمل ہوتا ہے اور دوسری صورت میں ماضی کی موقع میں ماضی اور حال کے موقع میں حال اور استقبال کی
جگہ استقبال اور باوجود سب کے سب یکساں مستحضر ہونے کے ماضی کا صیغہ جو استعمال کرتے ہیں اور حال کا لفظ نہیں بولتے تو اُس کی وجہ
یہ ہے کہ کبھی کبھی کسی فعل کے صدور اور حدوث ہی کی خبر دینی مد نظر ہوتی ہی اور کبھی اُس فعل کے استمرار وجود کی خبر سو جن افعال کے خبر دیتے میں وقت خبر جو وہ حاضر ہوتے ہیں
تو باعتبار استمرار وجود کے حاضر اور پیش نظر متکلم ہوتے ہیں ورنہ باعتبار صدور اور حدوث کی وقت خبر حاضر نہیں ہوتی بلکہ غائب ہو جاتے ہیں کیونکہ صدور اور حدوث آنی ہی
زمانی نہیں اور قبل وجود کسی فعل کے جو اُس فعل کی خبر دیجاتی ہی تو وہ تو لاجرم بصیغہ استقبال ہونی چاہیئے غرض حدوث کے لئے صیغہ حال ممکن نہیں یا لفظ ماضی ہوگا یا لفظ استقبال
اگر قبل حدوث کسی وجہ سے مطلع ہو کر خبر دینگے اور بعد حدوث معائنہ کر کے خبر دینگے تو بصیغہ ماضی خبر دینگے حال جب ہو سکتا تھا کہ حدوث بھی مثل استمرار یعنی حاصل مصدر
زمانی ہوتا آنی نہوتا بہر حال بہ نسبت علم خداوندی کے سب بمنزلہ حال کے ہی سو جہاں کہیں وقائع آیندہ کو ماضی کے الفاظ سے بیان کیا ہی جیسا وَنَادٰى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یا اور

سوا اسکے تو وہاں رعایت اسکی ہے کہ خدا کو سب مستحضر اور پیش نظر ہے اور جہاں امور گزشتہ میں صیغہ استقبال کا مذکور ہے جیسا حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ یا وَلِنَبْلُوَکُمْ وغیرہ تو وہاں یہ مد نظر ہے کہ بہ نسبت اپنی ماقبل کے مستقبل ہے اس بحث کو اہل انصاف انصاف سے ملاحظہ فرمائیں اور پھر فرمائیں کہ یہ بیچاران ہر چند دیوانہ ہے لیکن کسقدر ٹھکانے کی بات کہتا ہے مگر برائے خدا ذرا بوجہ سمجھکر دیکھیں مبادا اپنی جلدی میں میری ذمہ یہ تہمت نہ لگادیں کہ فلانی رسالہ والا وقائع عالم کے قدیم ہونیکا قائل ہے تنبیہ کے لیے میں ابھی سے کہے دیتا ہوں کہ کسی واقع کے قدیم ہونیکے لئے یہ ضرور ہے کہ اسکا استمرار وجود یعنی حاصل بالمصدر بقدر تمام زمانہ من اولہ الے آخرہ ہو یعنی ازل سے لیکر ابد تک اسکا استمرار وجود موجود ہو اس سے قدم ثابت نہیں ہوتا کہ ایک زمانہ محدود الطرفین پر منطبق ہو اگرچہ وہ زمانہ قطع نظر حرکت لازمہ کے بذات خود ایک مدت مستقر ہو یعنی مثل حرکات ایسا نہو کہ ایک جزء حادث ہوا تو ایک فانی ہو گیا اللّٰھم انت الهادی لا هادی الا انت **اقول** اگر خدا تعالیٰ کے علم کے صحیح ہونے میں تردد ہوگا تو تجھکو ہوگا شیعوں کو تردد نہیں ہے اور نہ شیعوں کو حیرت ہے اور تو حیرت کو شیعوں کی طرف منسوب جو کرتا ہے تو دروغگو اور مفتری ہے اور خدا تعالیٰ کو انکے نزدیک ازل سے ابد تک ہر چیز کا علم حاصل ہے اور یہ سلسلہ جو ازل سے ابد تک ہے اور جو کچھ اسکے درمیان ہے خدا تعالیٰ کی ذات کے سامنے سب حاضر اور موجود ہے اور ماضی اور حال اور استقبال بہ نسبت ایک دوسرے کی ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات کے سامنے تو سب حاضر اور موجود ہے وہاں کچھ لحاظ ان زمانوں کا نہیں ہے اور خدا تعالیٰ کا علم ہر شے کو یکساں احاطہ کئے ہوئے ہے اور اسکو اختیار ہے چاہے ماضی کے صیغہ میں بیان کرے چاہے استقبال کے کہ سب اسکے پیش نظر ہے اور جو کچھ اس قول میں اس شیخ نے لکھا ہے سب فضول ہے کہ جو کچھ اسنے لکھا ہے اسکو سب جانتے ہیں اور بعض قول اسکا قابل مناقشہ کے ہے لیکن اسکے تعارض میں کچھ فائدہ نہیں ہے اسواسطے ہمنے اسکو ترک کیا اور یہ جو لکھتا ہے کہ یہ بیچاران ہر چند دیوانہ ہے سو سچ کہتا ہے اسکا دیوانہ پن بعد اسکے خط کے جواب کے رد میں ہم بیان کرینگے کہ بعضی جگہہ گفتگو اسکی پاگلوں کی سی ہے **قال الشیخ الاشعری** اور اگر کوئی عقل کا پورا اس تقریر میں کچھ الجھنے لگے اور اس طریق سے مطالب تک پہنچنا اسکو دشوار معلوم ہو تو ایک دوسرا طریق جس سے بوضاحت خدا کے علم کا قدیم ہونا اور ان آیات کا بھی بلا تکلف اسپر مطابق آجانا ثابت ہو جائے درج اوراق ہے پر توجہ خاطر ناظرین ضرور ہے اپنی علوم کے تجسس کرنیسے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہمکو علم اشیاء دو طریق سے حاصل ہوتا ہے ایک تو بلاواسطہ دوسرے بواسطہ لوازم یا ملزومات مثلاً آفتاب یا دھوپ کا علم کبھی بے واسطہ ہوتا ہے آنکھ سے دیکھا معلوم ہو گیا اور کبھی بواسطہ ہوتا ہے آفتاب کا علم دھوپ کے وسیلے سے یا دھوپ کا علم آفتاب کے وسیلے سے اگر آدمی گھر میں ایسی جگہ بیٹھا ہو جہاں سے آفتاب نظر نہ آتا ہو پر دھوپ نظر آتی ہو تو دھوپ کے دیکھنے سے معلوم ہوجائیگا کہ آفتاب آسمان پر نکلا ہوا ہے سو یہ علم جو آفتاب کا حاصل ہوا تو بواسطہ لازم کے حاصل ہوا اور اگر آفتاب کو صحن میں بیٹھے ہوئے دیکھیں اور یوں سمجھیں کہ چھت پر دھوپ ہوگی تو یہ دھوپ کا علم بواسطہ ملزوم حاصل ہوا علی ہذا القیاس آگ اور دھوئیں کے علم کو سمجھیں کبھی بے واسطہ حاصل ہوتے ہیں جیسے آگ کو یا دھوئیں کو خود آنکھ سے دیکھ لیا کبھی بواسطہ یکدیگر ہوتا ہے مثلاً دھوئیں کو دیوار کے پیچھے سے دیکھکر آگ کو سمجھہ جانا یا دور سے جہاں چراغ کا دھواں نظر نہ آتا ہو چراغ کے شعلہ کو دیکھکر دھوئیں کو جان لینا لیکن ایک شئی کے علم بے واسطہ کو اسکا علم بواسطہ ہی بیشتر لازم ہوتا ہے اور دونوں ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں اور کسیطرح کا تقدم اور تاخر نہیں ہوتا مثلاً آگ کو قریب سے دیکھئے تو دھواں بھی اسکے ساتھ ہی نظر آئیگا سو اس صورت میں آگ کا علم دو طرح حاصل ہو سکتا ہے ایک تو بے واسطہ کیونکہ آنکھ سے خود نظر آتی ہے دوسرا دھوئیں کے واسطے سے کیونکہ اگر آگ نظر نہ آتی اور دھواں ہی نظر آتا تو بیشک آگ کا علم حاصل ہوتا سو در صورتیکہ آگ ہی نظر آتی تو بطریق اولی آگ کا علم دھوئیں کے واسطے سے ہونا چاہیے اور ظاہر بھی ہے تو ہے اب دھوئیں میں کیا کمی آگئی ہے جو دلالت نکرے غور سے دیکھیے تو لازم جس سے علم بالواسطہ حاصل ہوتا ہے اسی صورت سے معلوم ہوتا ہے مگر آگ کا علم جو بواسطہ دھوئیں کے اس صورت میں حاصل ہوتا ہے ہر چند علم بلاواسطہ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے لیکن علم بے واسطہ میں ایسا مضمحل اور محو ہے کہ اسکی خبر بھی نہیں ہوتی اور کسیکو اس طرف دھیان بھی نہیں گذرتا اسکے ایسی مثال ہے کہ دنکو ستاروں کا نور بھی ہوتا ہے مگر آفتاب کے نور میں ایسا محو ہے کہ معلوم بھی نہیں ہوتا جب یہ بات ذہن نشین ہو چکے کہ ایک شئی کا علم بے واسطہ اور بواسطہ بسا اوقات دونو ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں ایسا ہی یہ بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ کبھی دو چیزوں کا علم بے واسطہ بھی ساتھ ہی حاصل ہوتا ہے مثلاً آگ کو اور دھوئیں کو ایک ساتھ دیکھو علی ہذا القیاس ایک شئی کا علم بے واسطہ اور دوسری شے کا علم بواسطہ پہلے شئی کے واسطے سے بھی اکٹھے ساتھ ہی حاصل ہوتے ہیں مثلاً دھوئیں کا علم بے واسطہ اور آگ کا علم بواسطہ دھوئیں کے واسطے سے اور ایسے ہی آگ کا علم بے واسطے اور دھوئیں کا علم بواسطہ اس واسطے سے دونوں ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں اور اکثر کچھہ تفاوت نہیں ہوتا جو ایک کو یوں کہیں کہ یہ علم تو فلانی ساعت میں حاصل ہوا اور یہ علم اس سے پہلی ساعت میں یا اسکے بعد کی ساعت میں حاصل ہوا لیکن تاہم عقل کے نزدیک ایک ترتب ہے کہ اسکی رو سے مقدم موخر کہہ سکتے ہیں یعنی ایک شئے کے علم بے واسطہ کو دوسری شے کے علم بالواسطہ سے جو بواسطہ پہلے شئی کے حاصل ہوتا ہے عقل ایک طرح سے مقدم سمجھتی ہے یعنی یوں سمجھتا ہے کہ دوسری شے کا علم اس صورت میں پہلی شے کے علم پر موقوف ہے سو جیسا ہاتھ میں کسی چیز کو لیکر ہلائے تو گو وہ چیز ہاتھ کے ساتھ ہی ہلتی ہے لیکن پھر یوں کہتے ہیں کہ ہاتھ اول ہلتا ہے ایسا ہی گو اس صورت میں گو دونوں چیزوں کا علم برابر ہی حاصل ہوتا ہے لیکن جسکا علم بے واسطہ ہے بہ نسبت اسکے علم کے جسکا علم اسکی واسطے سے حاصل ہوتا ہے مقدم گنا جاتا ہے اور جیسا یوں

کہہ سکتے ہیں کہ ہاتھ کو اس لئے ہلایا تہا کہ وہ چیز ہلے جو ہاتھ میں تھی ایسا ہی یوں بہی کہہ سکتے ہیں کہ دہوپ اس لئے دیکھا تاکہ آفتاب بہی معلوم ہو جائے جب تمام مقدمات ذہن نشین ہو چکے تو اب التماس یہ ہے کہ خداوند کریم کے علم کو اگر قدیم کہئے تو حتی نعلم کے استقبال میں کچھ فرق نہیں آتا اور حتی نعلم وغیرہ کے استقبال سے اُسکے علم قدیم ہونے میں کچھ تفاوت نہیں پڑتا وجہ اسکی یہ ہے کہ خداوند علیم کو ہر چیز کا علم دو طرح سے حاصل ہے بیواسطے اور بواسطہ اور بواسطہ یکدیگر کیونکہ تمام موجودات کے ساتھ لوازم لگے ہوئے ہیں سو جیسا لوازم اور ملزومات دونوں کا علم بیواسطہ اُسی حاصل ہے ایسی ہی لوازم کا علم ملزومات کے واسطہ سے ملزومات کا علم لوازم کے واسطہ سے بہی اُسی حاصل ہے اور دونوں ازل سے برابر ساتھ ہیں گو علم بالواسطہ کسی چیز کا اُسکے علم بیواسطہ میں محو اور مضمحل ہو اور ایسا ہی کسی چیز کا علم دوسری چیز کے علم کے واسطے سے اور اُس دوسری چیز کا علم برابر ساتھ ہی ازل سے خداوند لم یزل کو حاصل ہیں اور دونوں قدیم ہیں مگر کسی چیز کے علم بالواسطہ کو بہ نسبت اُس چیز کے علم کے جسکے واسطے سے یہ علم حاصل ہوا ہے موخر گنیںگے اور یہ علم بہ نسبت اُس علم کے مقدم سمجھا جائیگا سو جہاں کہیں علم خداوندی کے ذکر میں صیغہ استقبال کا یا معنی استدلال کے پائے جاتے ہیں وہ باعتبار علم بالواسطہ کے ہے ورنہ باعتبار زمانہ کے کچھ تفاوت نہیں اور جہاں کہیں ماضی یا حال مستعمل ہے وہاں علم بیواسطہ مراد ہے۔ **اقول** اسقدر طول دینے سے اور فضول لکھنے سے کیا فائدہ ہے مطلب تو تھوڑے سے مضمون سے بہی واضح ہو جاتا ہے اور جسطرح سے تو نے لکھا ہے خدا کے علم کو مقدم اور موخر اور لازم کے واسطے سے یا ملزوم کے واسطے سے اسطرح سے خدا کا علم نہیں ہے بلکہ روز ازل سے اُسکی ذات پر بدون واسطہ کے سب ظاہر اور حاضر ہے اور لازم اور ملزوم ایک دفعہ ہے سب منکشف ہو گئے ہیں اور نہ کسی چیز کے علم کو کسی چیز کے علم پر تقدیم یا تاخیر ہے گو تقدیم یا تاخیر ذاتی ہو بلکہ سب اُسکی ذات کے سامنے برابر حاضر ہے اور نہ اُسکے علم میں لحاظ ماضی و استقبال کا ہے اور حتی نعلم المجاہدین جو فرمایا ہے تو اسواسطے نہیں فرمایا ہے کہ تمہارے جہاد اور صبر کا جو علم ہمکو نہیں ہے وہ تمہاری آزمانے سے ہمکو حاصل ہو جائے بلکہ مراد اُس سے یہ ہے کہ ہم پہلے سے جانتے تو ہیں جیسے کہ تم نکلوگے بعد امتحان کے لیکن تکالیف شاقہ سے ہم تمکو مثل آزمانیوالے کے آزمائیں کہ جیسے کہ پہلے سے تمہارے حال کو ہم جانتے تہے بعد امتحان کے اسطرح سے جانیں کہ اب تم متصف بجہاد یا صبر ہوئے یا نہیں اور یہ آیت منافقین کے حق میں ہے اور خداتعالی کے علم سے یہ مراد نہیں ہے کہ جس جگہ خداتعالی نے بصیغہ استقبال ذکر کیا ہے وہاں تو علم بالواسطہ مقصود ہے اور جس جگہ بصیغہ ماضی ذکر کیا ہے وہاں علم بلاواسطہ مراد ہے اسواسطے کہ اگر خداتعالی کے واسطے علم کسی چیز کے واسطے سے ہو تو خداتعالی اپنے علم میں اُس چیز کیطرف محتاج ہوا اور خداتعالی احتیاج سے پاک ہے

قال الشیخ الاشعری اور باعتبار علم بالواسطہ کے کلام کرینگے وجہ یہ پیش آئی ہے کہ کلام اللہ کے مخاطب آدمی ہیں اور آدمی بلکہ تمام ذوی العقول کو اکثر چیزوں کا علم بالواسطہ ہی ہے بیواسطہ نہیں روح بنی آدم یا بنی آدم کے کمالات نفسانی جیسے سخاوت شجاعت خلق مروت اگر ہیں تو دل میں ہیں آنکھوں سے یا کانوں سے یا سوا اسکے اور حواس خمسہ سے معلوم نہیں ہوتے انکو اگر کوئی دوسرا معلوم کرتا ہے تو انکے آثار اور لوازم سے معلوم کرتا ہے سخاوت دینے والے سے جو ہاتھ کا کام ہے شجاعت مارنے مرنے سے جو ہاتھ پاؤں سے تعلق رکہتا ہے خلق شیریں بانی سے جو زبان سے متعلق ہے معلوم ہوتی ہیں علے ہذالقیاس روح کا ہونا نہ ہونا دوسروں کو حرکات سکنات سے جو بدن سے متعلق ہیں معلوم ہوتا ہے اور جہاں کہیں جناب باری نے اپنے علم میں صیغہ استقبال استعمال کیا ہے وہ ایسے ہی امور ہیں جو بنی آدم کو بے واسطہ معلوم نہیں ہو سکتے سو اُن میں باعتبار علم بیواسطہ کے کلام کرتے تو انپر کچھ حجت نہیں ہو سکتی تہی اس لئے الزام دینے کے موقع میں باعتبار علم بالواسطہ کے کلام کی ہے اور جہاں یہ غرض نہیں وہاں باعتبار علم بیواسطہ کے کلام کی ہے اور وہاں صیغہ ماضی کا یا حال کا مستعمل ہے مگر بنی آدم کو چونکہ اُن اشیاء کا علم بیواسطہ ہو ہی نہیں سکتا اور تسپر اُن واسطوں کا علم قبل اُنکے وجود کے بنی آدم کے حق میں ممکن ہی نہیں اور اس وجہ سے اُنکے تمام علوم برابر حاصل نہیں سمجھے تو وہ خدا کو اپنے اوپر قیاس کر کے صیغہ استقبال سے حدوث سمجھ جاتے ہیں اور حیران ہوتے ہیں کہ کلام اللہ میں کہیں تو یوں مذکور ہے کہ خداوند علیم کو تمام اشیاء کے علوم ازل سے حاصل ہیں جیسا کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا اور کہیں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعضی علوم حادث ہیں جیسے الفاظ حتی نعلم وغیرہ مگر جو لوگ فہمیدہ ہیں اور نکتہ مذکورہ سے متنبہ ہو گئے ہیں دونوں کو مطابق یکدیگر سمجھتے ہیں **اقول** خدا کے علم کا قیاس آدمیوں کے علم پر نہیں ہو سکتا کہ آدمیوں کا علم بالواسطہ ہے تو خدا کا علم بہی بالواسطہ ہونا چاہئے اسواسطے کہ خدا کا علم تو قدیم ہے اور آدمیوں کا علم حادث ہے اور نہ یہ بات ہے کہ آدمی جو آثار سے معلوم کرتے ہیں تو خداتعالی بہی آثار سے معلوم کرے اسواسطے کہ اسکی ذات پر تو سب واضح ہو رہا ہے اُسکو آثار کے واسطے کی کیا احتیاج ہے اور یہ ضرور نہیں ہے کہ جس جگہ کہ خداتعالی نے اپنے علم کو صیغہ استقبال میں استعمال کیا ہے تو وہاں علم بالواسطہ ہی مراد ہے اور یہاں علم بالواسطہ ظاہر ہو نیکی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ خداتعالی نے اپنے علم کو ایک امر پر معلق کیا ہے اور یہ عام ہے کہ اکثر ایک امر کو دوسرے امر پر معلق کر کے کہا کرتے ہیں کچھ خصوصیت علم کی نہیں ہے یعنی ہم ایسا کریں تاکہ یوں ہو ہم عذاب نازل کریں تاکہ وہ ہلاک ہوں اور ایسا ہی حتی نعلم المجاہدین میں ہے کہ ہم اُنکو آزمائیں تاکہ جانیں ہم کہ اب متصف بجہاد ہے یعنی جہاد اُسکا ظاہر ہو جائے موافق ہماری علم کے اور جن لوگوں کا عقیدہ خدا کے علم قدیم کا ہے وہ صیغہ استقبال سے بہی اُسکے علم کو حادث نہ سمجھیں گے اور علم تو اُسکا بیشک قدیم ہے اور حتی نعلم المجاہدین کے معنی ہم بیان کر چکے کہ اپنے علم قدیم سے تو وہ روز ازل سے جانتا ہے جیسے کہ بعد امتحان کے وہ نکلیں گے اور حتی نعلم کے علم سے مراد یہ ہے کہ اسطرح سے ہم جانیں کہ اب متصف بجہاد ہوئے ہوں اور

نہیں جانا جاتا ہے مگر بعد وقوع اُس امر کے اور جبتک کہ وہ امر مثلاً جہاد ظہور میں نہیں آتا ہے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اب متصف بجہاد ہے اسواسطے کہ اُس نے ابھی جہاد کیا ہی نہیں ہے
اور یہ اُسیوقت کہا جائیگا جسوقت کہ متصف بجہاد ہوگا اور جبتک کہ اُسنے جہاد کیا نہیں تو خدا اسکو اس طرح سے نہیں جانتا ہے کہ اب متصف بجہاد ہے اور اگر خدا جانے کہ اب متصف بجہاد
ہے اور جہاد اُس نے کیا نہیں ہے تو علم اُسکا خلاف واقع کے ہوگا پس مراد خدا تعالی کے حتی نعلم المجاہدین سے یہ ہے کہ ہرچند تم [illegible] جانتے تو ہیں جیسے کہ تم بعد امتحان کے
نکلو گے لیکن مثل امتحان لینے والوں کے تمہارا امتحان ہم لیں گے یہانتک کہ ہم تمکو جانیں کہ اب تم متصف بجہاد ہو رہے ہو اور اب معنی کان اللہ بکل شیء علیما اور معنی
حتی نعلم المجاہدین میں کچھ مخالفت نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** اب مناسب یوں ہی یمحو اللہ ما یشاء و یثبت کے معنی بھی بیان کئے جائیں کہ منصفان علمائے شیعہ کو
شاید استفسار ہو مخدوم من اول ساری آیت گوش گزار ہے بعد اُسکے اپنا ما فی الضمیر بھی معروض خدمت ہوگا ساری آیت یوں ہے وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا
بِإِذْنِ اللّٰهِ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ حاصل اسکا یہ ہے کہ کسی رسول سے یوں نہیں ہو سکتا کہ کوئی معجزہ جو اسکی نبوت کی نشانی ہو خدا
کی بے اجازت لے آئے اللہ کے یہاں ہر مدت کی ایک کتاب جدی ہے اُسمیں سے جو چاہے مٹا دے ہے جو چاہے ہے باقی رکھے ہے اور اُسکے پاس ایک اور بڑی کتاب ہے جو سب کی اصل ہے یہ تو اس
آیت کا حاصل ہوا اب اہل فہم سے یہ امید ہے کہ بعد ملاحظہ ان دونوں لفظوں کے ایک تو لکل اجل کتاب اور دوسرے وعندہ ام الکتاب اور نیز بعد لحاظ اس امر کے کہ جملہ یمحو اللہ الخ اول کے بعد
واقع ہے بے تنبیہ کے اب سمجھ جائینگے کہ خداوند کریم کے یہاں دو دفتر ہیں ایک بڑا جسکی طرف ام الکتاب کا لفظ اشارہ کرتا ہے دوسرا چھوٹا دفتر جسکی طرف جملہ لکل اجل کتاب ہدایت کرے ہے
اور محو و اثبات یعنی مٹانا نہ مٹانا یہ چھوٹے دفتر میں ہوتا ہے بڑے میں نہیں ہوتا سو بعینہ یہی اہل سنت کا مذہب ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ بڑا دفتر جو علم خداوندی کے موافق ہے یا
خود علم خداوندی ہے اُسمیں گھٹاؤ بڑھاؤ نہیں ہوتا **اقول** علمائے شیعہ تو ہمیشہ انصاف پر رہتے چلے آئے ہیں مگر علمائے اہل سنت کی طبیعت میں انصاف نہیں ہے اور سوائے بے راہی
اور دروغ نویسی اور افترا کے انکا کام نہیں ہے اور جس پر لینا لیتے ہیں اور بدیہی باتوں کا انکار کرتے ہیں چنانچہ ناظرین رسالہ ہذا کو معلوم ہوگا اور آیت وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ
أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ الخ کی جو تفسیر میں اس شیخ نجدی نے لکھی ہے اور بعد اُسکے لکھا ہے کہ بعینہ یہی اہل سنت کا مذہب ہے سو میں کہتا ہوں بعینہ یہی مذہب شیعہ کا ہے کہ
بڑی کتاب کہ جو مطابق علم خدا کے ہے یا علم خدا ہی ہے اُسمیں کسی طرح کا تغیر اور تبدل نہیں ہوتا اور چھوٹے دفتر میں جسکو محو و اثبات کہتے ہیں اُسمیں مٹانا اور ثابت کرنا موافق مصلحت
خداوندی کے واقع ہوتا ہے اور اسیکو شیعہ بدا کہتے ہیں چنانچہ ابتدائی بحث بدا میں ہم لکھ چکے اور میں جو کہتا ہوں کہ آیت مذکورہ میں یہی مذہب ہمارا ہے جسکو تو لکھتا ہے
کہ بعینہ یہی مذہب اہل سنت کا ہے اسواسطے کہ ہمارے علماء یہی لکھتے ہیں بدا کے معنی میں از انجملہ علیین مکان جناب سید حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ حدیقہ سلطانیہ میں تحریر فرماتے
ہیں کہ و نیز باید دانست کہ آیات و اخبار بسیار دلالت میکند بر اینکہ خدا تعالی دو لوح خلق نمودہ و در آں جمیع کائنات و حوادثات را ثبت فرمودہ یکے از آں مسمی بلوح محفوظ
است کہ آنچہ در آں بحکم حضرت باری جلت قدرتہ نوشتہ میشود تغیر در آں اصلا واقع نمیشود و آں مطابق علم الہی ست دومی مسمی بلوح محو و اثبات کہ در آں بحسب مصالح
و حکم با مر الہی چیزہا ثبت نمودہ میشود و چیزہا از و محو ساختہ میشود قال اللہ عز و جل یَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ مثلاً اول در آں مینویسند کہ عمر زید
پنجاہ سال است یعنی مقتضائے حکمت آنست کہ عمر او اینقدر باشد تا وقتیکہ سبب زیادتی یا نقصان از و عمل بنا ید پس وقتیکہ عمل خیر مثل صلہ رحم یا صلہ عترت اطہار و
ذریت اخیار رسول مختار یا تصدق بر مساکین مومنین ابرار بجا آورد عمر پنجاہ سالگی محو میشود و بجائے آں عمر شصت سال نوشتہ میشود و ہرگاہ قطع رحم یا ترک صلہ سادات و
مومنین بظہور میرسد بجائے پنجاہ چہل نوشتہ میشود و دہ سال از عمرش می کاہد و در لوح محفوظ از اول امر نوشتہ میشود کہ زید صلہ رحم بجا خواہد آورد و عمرش باین سبب کذا و قطع
رحم و مانند آں بعمل خواہد آورد الخ اور یہی آخوند مجلسی علیہ الرحمۃ نے بحار میں لکھا ہے کہ ثم اعلم ان الآیات والاخبار تدل علی ان اللہ تعالی خلق لوحین اثبت فیہما
ما یحدث من الکائنات احدہما اللوح المحفوظ الذی لا تغیر فیہ اصلا وہو مطابق لعلمہ تعالی والآخر لوح المحو والاثبات فیثبت فیہ شیئا ثم یمحوہ الخ اور اسکا وہی حاصل ہے جو کہ عبارت
فارسی میں گزرا اب بتلاؤ کہ جس طرح سے تو کہتا ہے اسی طرح ہم کہتے ہیں یا نہیں اور ام الکتاب جو کہ مطابق علم خدا کے ہے اُسمیں تغیر کون کہتا ہے اسکی تغیر کے تو ہم قائل ہی نہیں ہیں اور
علمائے اہل سنت خوب جانتے ہیں کہ شیعوں کا اس مقدمہ میں وہی مذہب ہے جو کہ ہمارا ہے لیکن جھوٹ اور دروغ تراشا اسواسطے الزام کے ہمکو کہتے ہیں کہ شیعہ اُس بدا کے قائل ہیں کہ
جسمیں خدا تعالی کو پہلی رائے میں خطا یا ندامت معلوم ہوتی ہے تو اُس رائے کو بدلتا ہے اور حال یہ ہے کہ شیعہ ایسے اعتقاد والے کو کافر جانتے ہیں تجھ کو اپنے مذہب کی تو خبر ہی نہیں ہے
اوروں کے مذہب کو تو کیا جانے **قال الشیخ الاشعری** پھر شیعہ کس خوبی پر یہ دعوی کرتے ہیں کہ بدا کلام اللہ سے ثابت ہوتا ہے اگر اسی آیت کے بھروسے کودتے ہیں تو یہ بعینہ
ایسا استدلال ہے جیسا کسی ملا نے کہا تھا کہ کلام اللہ میں خدا نے نماز سے منع فرمایا اسلئے ہم نہیں پڑھتے کسی نے پوچھا کہ صاحب ہمیں بھی بتلاؤ ہمنے تو آج تلک یہ بات نہیں سنی
اگر یہ حکم ہے تو کلام اللہ کے قربان جائیے بڑے آرام کی بات نکل آئی ملا نے کہا صاحب سورہ نساء میں ہے نہیں لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ یعنی نماز کے پاس نہ پھٹکو اس نے

اُس نے کہا صاحب اسکے بعد وانتم سکاریٰ بھی تو ہے یعنی نشہ کی حالت میں نماز مت پڑھو سو ساری آیت کے معنی پر عمل کرنا چاہیے بانو نے کہا بابا ساری کلام اللہ پر
کس سے عمل ہوا ہے یہ بھی غنیمت ہے جو اتنا بھی عمل ہوجائے سو علماء شیعہ نے بھی اسی قاعدہ پر عمل کیا ہے **اقول** بیشک بدا کلام اللہ سے ثابت ہے اور اسی کو ہم بدا کہتے ہیں
کہ جو تونے لکھا ہے مٹانا نہ مٹانا چھوٹے دفتر میں ہوتا ہے اور یہی بعینہٖ اہل سنت کا مذہب ہے پھر ہم کس امر میں مخالفت کرتے ہیں اُسکو بیان کیا ہوتا لیکن اس سے خدا تعالیٰ
کے علم میں تغیر کیونکر لازم آیا اور تغیر تو اُسوقت لازم آتا کہ جب اُم الکتاب کے تغیر کا کوئی قائل ہوتا کہ جو مطابق علم خدا کے ہے اور پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے
چھوٹے دفتر میں لکھا کہ عمر زید کی چالیس برس کی ہے سو چالیس برس لکھی جب اُس نے صلہ رحمی کی تو چالیس کو مٹا کر پچاس برس مثلاً لکھے لیکن جسوقت خدا تعالیٰ
اُسکی عمر چالیس برس کی لکھتا تھا تو اُسکے علم میں یہ تھا کہ فلانے وقت یہ صلہ رحمی کریگا تو اُسکی عمر کے چالیس برس کو مٹا کر پچاس برس ہم لکھینگے اور کل اسکا
لوح محفوظ میں ہوتا ہے کہ جو موافق علم خدا کے ہے کہ زید کی عمر چالیس برس کی ہم مقرر کرینگے اور جب وہ صلہ رحمی کریگا تو اُسکے عمر پچاس برس کی کردی جائیگی اور یہ لوح جو مطابق
علم خدا کی ہے اسمیں کسیطرح کا تغیر اور مٹانا نہیں ہوسکتا۔ بدا ہم اُس چھوٹے دفتر ہی کے موافق کہتے ہیں نہ بڑے دفتر کے موافق کہ جو مطابق علم خدا کے ہے کہ اُسمیں
تغیر ہو ہی نہیں سکتا ورنہ علم خدا میں تغیر لازم آئے اور وہ ہمارے نزدیک محال ہے اب فرمائیے کہ ہمنے ساری آیت پر عمل کس طرح نہیں کیا ہے کہ جو تونے بانو کی نقل لکھی ہے لاتقربوا
الصلوٰۃ کی کہیں تو راست راست لکھا کر یا شعار تیرا جھوٹ ہی لکھنے کا ہے اور آیت کے اول پر عمل کرنا اور اسکے مابعد پر عمل نہ کرنا تمہارا کام ہے مولوی عبدالعزیز صاحب کی پیروی سے
تمنے کسی روایت کا اول تو لکھا ہے اور اُسکے مابعد کو جس سے فساد تیرے مطلب میں پیدا ہوتا تھا ترک کردیا سو ایسا کام تمہارا ہے نہ ہمارا **قال الشیخ الاشعری** اور یہ بھی نزدیک
ایک اور عذر شیعوں کے لئے اس موقع میں خفت اُتارنے کے لئے بہت عمدہ ہے وہ یہ ہے کہ سارے کلام اللہ کے یاد نہونے میں تو شیعہ معذور ہی ہیں اتفاق سے کل اصل کتاب یمحو اللہ ما یشاء
ویثبت تک فقط انکو یاد ہوگیا تھا بسبب کمال غبوبیت دوسرا یاد نہ ہونیکی اسی پر اعتقاد جما بیٹھے سو یہ بات قابل تعریف ہے اگر وعندہ ام الکتاب بھی انکو معلوم ہوتا تو
پھر سنیوں کی موافق انکا اعتقاد ہونا تب البتہ جای گرفت تھی سبحان اللہ اس تفسیر دانی اور کلام اللہ کے محفوظ ہونے پر سنیوں سے مقابلہ کا دعویٰ۔ مگر موشی بخواب اندر شتر
شد جناب سنی شیعوں کے اکثر استدلال تو بانوا مذکور کے سے استدلال ہیں اور کلام اللہ اور کلام اللہ کی یادداشت ہے ایسے ہی جیسے مرزا نوشہ شاعر بتقاضا تاثیر مذہب اپنی
سرگزشت لکھتے ہیں ؎ لاتقربوا الصلوٰۃ زبہیم بخاطر است + دوام یاد ماند کلوا واشربوا مرا **اقول** اسکا جواب تو ہم لکھ چکے کہ بدا ہمارے نزدیک اس چھوٹے دفتر
کے موافق ہے کہ اسمیں سے خدا جو کچھ چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے ثابت کرتا ہے اور بڑا دفتر لوح محفوظ کہ جو مطابق علم خدا کے ہے اسمیں مٹانا اور پھر ثابت کرنا نہیں
ہوسکتا کہ اُسمیں تغیر اور تبدل محال ہے اب یہ کہو کہ ساری آیت پر ہمارا عمل ہوا یا نہیں اور جو کچھ میں شیعوں کے اعتقاد کے موافق لکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو اہل سنت کی
کتابوں میں کثرت سے اسکی روایتیں لکھی ہیں تفسیر درمنثور میں ابن عباس سے روایت ہے قول حقتعالیٰ میں یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ کے معنی میں قال ینزل اللہ
فی کل شہر رمضان الی سماء الدنیا فیدبر امر السنۃ فی لیلۃ القدر فیمحو اللہ ما یشاء ویثبت الا الشقاوۃ والسعادۃ والحیوٰۃ والممات حاصل اسکا یہ ہے کہ کہا نازل
ہوتا خدا ہر ماہ رمضان میں طرف آسمان دنیا کے پس تدبیر کرتا ہے اُس سال کے امر کے لئے شب قدر میں پس مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت کرتا ہے مگر شقاوت اور سعادت
اور زندگی اور موت کو اور جلال الدین سیوطی نے رسالہ افادۃ الخیر میں اور تفسیر درمنثور میں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے لباب میں حضرت علی سے روایت کی ہے کہ حضرت
علی نے جناب رسولخدا صلعم سے تفسیر آیت یمحو اللہ کی پوچھی تو قال لاقرن عینیک بتفسیرہا ولاقرن عین امتی بعدی بتفسیرہا الصدقۃ علی وجہہا وبر الوالدین و
اصطناع المعروف یحول الشقاوۃ سعادۃ ویزید فی العمر الخ یعنی کہا کہ البتہ خنک کروں میں آنکھیں تیری اُسکی تفسیر سے اور خنک کروں میں آنکھ امت اپنی کی اُسکی
تفسیر سے صدقہ دینا صدقہ کے طور پر اور نیکی کرنی والدین سے اور مطلق نیکی کرنی پھیر دیتی ہے شقاوت کو طرف سعادت کے اور زیادہ کرتا ہے عمر میں اور تفسیر درمنثور میں جلال الدین
سیوطی نے ابن جریر اور ابن مردویہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کلبی سے روایت کی ہے آیت یمحو اللہ ما یشاء کے مقدمہ میں کہ یمحو اللہ من الرزق ویزید فیہ ویمحو
من الاجل ویزید فیہ فقیل من حدثک بہذا قال ابو صالح عن جابر بن عبد اللہ بن رباب الانصاری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مٹاتا ہے خدا روزی میں سے اور زیادہ کرتا
ہے اور مٹاتا ہے اجل کو اور زیادہ کرتا ہے اُس میں پس کہا گیا اُسکو کہ کس نے حدیث کی ہے یہ تجھ کو کہا ابو صالح نے اور اُس سے جابر بن عبداللہ انصاری نے اور اُس سے
رسولخدا صلعم نے اور اس طرح کی روایتیں اہل سنت کی کتابوں میں خصوصاً تفسیر درمنثور میں کثرت سے لکھے ہیں اور اسیکو ہم بدا کہتے کچھ فرق نہیں ہے اور اب اہل سنت اُسکو
بدا چاہیں کہیں نہ کہیں اور اس نے طعن جو کیا ہے کہ شیعوں کو سارا کلام اللہ یاد نہیں ہوتا تو جھوٹ لکھکر یہ لعنت خدا میں گرفتار ہوتا ہے اور ثلاثہ کا حال ظاہر کرواتا ہے کہ اُنکو قرآن یاد
نہ تھا اور حضرت عمر نے بدشواری تمام بارہ برس میں سورہ بقر کو یاد کیا تھا بسبب کمال غبوبیت کے اور تفسیر کو تو قرآن کی وہ کیا جانتے تھے کہ احکام قرآنی میں غلطیاں کرتے تھے

اور عورتوں سے الزام کھاتے تھے اور دوسروں کی طرف رجوع کرتے تھے اور جو کہ تفسیر قرآن کی ہے وہ اہل بیت علیہم السلام کے پاس تھی موافق ارشاد رسول خدا صلعم کے اور شیعہ
انہی کی پیروی کرتے ہیں پھر تفسیر دانی کا جو حق ہے وہ شیعوں کے واسطے ہے یا اہلسنت کے واسطے جو کہ جہلا کی پیروی کرتے ہیں اور جھوٹے کی زبان تو سن لئے کہ یہی ہے جو چاہے تہمت
کرے اور اہل سنت شیعوں کا کیا مقابلہ کرینگے جو ایسے جاہلوں کے مرید ہیں اور شیعہ تو اہل سنت کا ایسا مقابلہ کرتے ہیں کہ ہمیشہ سے انکو رد کرتے چلے آتے ہیں اور دیکھئے مولوی
عبدالعزیز صاحب کی کتاب کی کیسی خاک اڑائی ہے کہ اہل سنت دم نہیں مار سکتے **قال الشیخ الاشعری** حق یوں ہے کہ علم الٰہی میں کچھ تغیر نہیں آتا اور کیونکر تغیر ہو سکے
خداوند کریم جابجا ایسے ہی توہمات کے دفعیہ کے لئے فرماتا ہے کان اللہ علیما حکیما۔ کان اللہ بکل شیء علیما۔ کان اللہ بکل شیء محیطا حاصل سب کا یہ ہے کہ خداوند کریم ازل
سے ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر چیز کی حقیقت پہچانتا ہے اور ہر چیز ازل سے اسکے احاطہ علمی اور اسکے احاطہ وجودی میں ہے چنانچہ تصویر اسکی کچھ مذکور بھی ہوئی **اقول** پہلے
سے ہم لکھ چکے اور اب بھی ہیں واسطے تنبیہ کے لکھتا ہوں کہ یہی مذہب شیعوں کا ہے جو کہ اس قول میں لکھا ہے اور خلاف اسکے جو کچھ اہل سنت ہماری طرف منسوب کرتے ہیں بالکل
کاذب اور مفتری ہیں **قال الشیخ الاشعری** پھر جب ازل سے ہر چیز کو محیط ہے تو بعد اسکے غلطی کا باعث اگر ہو سکے ہے تو یہ ہو سکے ہے کہ کوئی چیز بیچ میں خدا کے اور خدا کی
معلومات کے حائل ہو جاوے سو اگر یہ احتمال ہے تو اسکا جواب تو کلام اللہ ہی میں بہت جگہ موجود ہے نحن اقرب یعنی ہم سب سے زیادہ نزدیک ہیں یا شیعہ یوں تجویز فرمائیں کہ نعوذ باللہ
خداوند کریم کے حواس میں فتور ہے سو اتنی جرأت شیعوں ہی کو ہے سو لا یخفی علی اللہ من شیء فی الارض ولا فی السماء یعنی اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ
زمین میں نہ آسمان میں یہ بھی کلام اللہ ہی میں ہے کسی پنڈت کی پوتھی کی آیت نہیں تیسر طرفہ یہ ہے کہ اکثر علماء شیعہ معقولات میں دخل درمعقولات کہتے ہیں مگر اسپر اتنا
نہیں سمجھتے کہ علم غلط حقیقت میں علم نہیں وہ اقسام جہل سے ہے اسیواسطے اسکو جہل مرکب کہتے ہیں اس اصطلاح کو منطق کے چھوٹے رسالے پڑھنے والے تو درکنار ان پڑھ
بھی سمجھتے ہیں بلکہ زبان زد عام و خاص ہے کہ جہل مرکب سے تو جہل بسیط ہی بھلا باینہمہ جو یہ حضرات والا صفات جناب کبریا کو جہل مرکب کا ٹھہراتے ہیں تو اول تو ان آیات
مرقومہ پر خط نسخ کھینچنا پڑا سبحان اللہ خدا کے کلام کو بندے نسخ کریں اور وہ بھی اعتقادات میں کہ باتفاق شیعہ وسنی بلکہ باتفاق عالم قابل نسخ ہی نہیں دوسرے خدا کا جاہل
مرکب کہا نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات تیسرے جمادات وغیرہ جنکو بالکل علم نہیں بلکہ تمام موجودات ایک وجہ سے خدا سے افضل ٹھہری کیونکہ کوئی موجود ایسا نہیں کہ سب
کچھ نہ کچھ جہل بسیط ہے اور خدا میں جہل بسیط نہیں کیونکہ کلام اللہ کی آیات سے خود واضح ہو چکا کہ خدا کو سب چیز کی خبر ہے سو وہ خبر اور وہ علم اگر غلط ہوئے تو جہل مرکب کا اور جہل
مرکب سے جہل بسیط افضل ہے تو سب مخلوقات ایک وجہ سے خدا سے افضل نکلی واہ سبحان اللہ کیا خدا کی قدر شناسی ہے **اقول** جو کچھ اس قول میں شیخ نجدی نے
لکھا ہے خدا سے غلطی ہونی بباعث حائل ہو جانے کسی چیز کے درمیان انکے اور درمیان اسکی معلومات کے اور خدا تعالے کے حواس میں فتور ہو جانا اور دخل درمعقولات اور خدا
کے واسطے جہل بسیط یا جہل مرکب ہونا اور خدا کے کلام کو بندہ کا نسخ کرنا اور جمادات کا خدا سے افضل ہونا بلکہ تمام مخلوقات کا خدا سے افضل ہونا اور سوا اسکے اور جو کچھ
نے لکھا ہے یہ اعتقاد تو اہل سنت کا ہے اور طعن اسکا شیعوں پر کرتا ہے الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے سبحان اللہ کیا خدا کی قدر شناسی ہے لیکن انکے مذہب میں خدا بہت ہیں بایزید بسطامی
کہ جو کہتا تھا سبحانی ما اعظم شانی اور منصور کہ وہ کہتا تھا انا الحق سو کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان خداؤں کے ساتھ یہ اعتقاد انکا ہے بلکہ جو کچھ بداعتقادی انکی ہے وہ
معبود حقیقی کی نسبت ہے **قال الشیخ الاشعری** باقی کوئی ہم سے یوں پوچھے کہ وہ کونسا ہے جس میں محو و اثبات ہوتا ہے سو لو میں عرض کئے دیتا ہوں کہ وہ
سوائے علم الٰہی کوئی اور ہی ہے اسکی جواب کی حاجت نہیں **اقول** اسی کو ہم مانتے ہیں کہ علم الٰہی کے دو قسم ہیں ایک وہ ام الکتاب ہے ہرگز محو و اثبات کی گنجائش نہیں ہے
ہمارے نزدیک بھی **قال الشیخ الاشعری** لیکن اسکی تشکیک جاتا کہیں بھی نہیں ہوتی اسلئے معروض ہے کہ ان امور کی حقیقت تو خدا ہی جانے یا جنکو وہ اطلاع
کردے مگر بطور امکان احتمال اس مقام میں ہمیں بیان اتنا لازم پڑا اس سے ہم نہ سمجھ سکیں جو مہونت تقاریر ہے اگر گمان آتا ہے تو یہ ہے کہ تمام عالم دفتر خداوندی
ہے مگر اسمیں بعض اشیاء کو منزلہ اوراق کے اور بعض کو منزلہ نقوش اور حروف کے سمجھئے تفہیم کے لیے اول ایک مثال گوش گذار ہے موم ایک گاسے یا کسی اور نرم چیز کو دیکھئے کئی
شکل میں لا سکتے ہیں چاہیں سکہ گول بنالیں چاہیں چپٹا مگر اس موم پر ان اشکال میں ایک وقت میں ایک ہی شکل آ سکتی ہے دو جمع نہیں ہو سکتی جب دوسری
شکل آئیگی پہلی مٹ جائیگی مکین جو بعد انتقال ایک قسم کے نقش و نگار ہیں انکو بمنزلہ حروف و نقوش سمجھئے اور اس موم کو منزلہ اوراق سمجھئے جب مثال ذہن نشین ہو چکی
تو اب سنیئے کہ تمام اجسام میں تبدل اشکال و کیفیات نظر آتا ہے زمین سے جو کھیتی نکلتی ہے تو وہی اجزاء خاکی ہوتے ہیں بہ بدلی [illegible] سے انکی شکل بدل جاتی ہے پھر اسی
کھیتی کی شکل کیا سے کیا ہو جاتی ہے آخر رفتہ رفتہ وہی غذا جو حقیقت میں اجزاء خاکی ہیں شکل ملکر غذا بنگئے ہیں [illegible] ہو جاتے ہیں [illegible] نطفہ بنکے
کچھ اور رنگ و روپ پیدا کر لیتے ہیں علی ہذا القیاس اور اجسام میں کہ لیجئے گرمی سردی وغیرہ جتنے تغیرات ہیں سب اسی قسم کے ہیں [illegible]

تبدل رہتا ہی رنج خوشی خوف امن وغیرہ سو جو چیزیں کہ بدلتی رہتی ہیں آخر تو اُس فقر خداوندی کے حروف و نقوش سمجھئے اور اجسام اور ارواح وغیرہ کو جو ان سب احوال میں بمنزلہ
موم بجای خود رہتی ہیں۔ اوراق ابر و قمر کے سمجھئے بعد اسکے یہ ذہن نشین کیجئے کہ جو اشکال معدوم ہو گئی وہ تو محو ہو گئی اور جو انکی جگہ قائم کی گئی وہ ثبت اور اثبات ہو گئی چنانچہ محاورہ والے
عربی و فارسی جانتے ہیں کہ اثبات اور ثبت لکھنے کے موقع میں بولا کرتے ہیں مگر چونکہ ہر شکل کے لیے کچھ نہ کچھ زمانہ چاہئے اور اُسکی بقا کے لئے زمانہ میں سے کچھ مقدار معین ہوتی ہے
تو خداوند کریم نے ارشاد فرمایا لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ یعنی ہر زمانہ کے لیے جدے جدے نقوش ہیں جب ایک زمانہ ہو لیتا ہی اور دوسرے نقوش اور گلہای اشکال اور کیفیات کی بہار
آتی ہی اور اُنکے زمانہ کی آمد ہوتی ہی تب پہلے نقوش کو مٹا دیتے ہیں اور دوسرے زمانہ کے مناسب نقوش اُن اوراق میں لکھی جاتے ہیں مگر یہ وہ اوراق نہیں کہ پہلے نقوش
کے مٹانے سے بگڑ جائیں یا آلودہ ہو جائیں بلکہ جیسے دفتریں یا سلیٹ کے تختی یا لکڑی کے تختے پر جو چاہا لکھدیا پھر جب چاہا مٹا دیا اور اُسکی جگہ اور لکھ دیا ایسے ہی ان اوراق میں
بھی جو چاہا لکھدیا اور جب چاہا مٹا دیا لیکن پہلے پچھلے سب نقوش کی نقل بلکہ اصل ایک بڑی دفتر اور بڑی کتاب میں ہی جیسے تحریر پڑھنے والے جس شکل کو پڑھتے جاتے
ہیں سلیٹ پر کھینچ کھینچ سمجھتے جاتے ہیں اور جب سمجھ لیتے ہیں اور دوسری شکل کی سمجھنے کی نوبت آتی پہلی کو مٹا دیتے ہیں اور دوسری کھینچ لیتے ہیں اور بااینہمہ
اُن سب کی نقل بلکہ اصل تحریر اقلیدس میں موجود ہی باقی ربط اس آیت کا اپنے ماقبل سے اس صورت میں یہ ہوگا کہ کسی نبی سے کیونکر ہو سکے کہ اپنے آپ کوئی آیت لے
آئے ہمارے یہاں تو ہر زمانہ کے لئے نقوش مقرر ہیں گنے چنے ہوئے رکھتے ہیں اُسمیں کمی بیشی کب ہو سکتی ہی جو کوئی اپنی طرف سے اُسمیں اپنی خواہش کے موافق اُس آیت
کا نقش بھی لا دے **اقول** اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر ایجاد کرنی اور جو روایات کہ تفسیر میں جناب رسولخدا صلعم سے مروی ہیں اُن پر نظر نہ کرنی اس سبب ہی سے تو
تہتر فرقے ہو گئے ہیں اور اپنی رائے سے جیسی تفسیر چاہی ایجاد کی اور آیت میں تو یہ ہی کہ خدا تعالی نے دو کتابیں خلق کی ہیں ایک تو ایسی ہی کہ اُسمیں جو کچھ لکھا ہوا ہی اُسمیں سے
جو چاہا مٹا دیا اور جو چاہا لکھ دیا اور دوسری ایسی ہی کہ اُسمیں محو و اثبات نہیں ہو سکتا اور مثال جو دی ہی اُسکے مطابق کیونکر ہو گی کیونکہ ان کتابوں کا کہ جنمیں لکھا جاتا
ہے اور مثال میں یہ بات کہاں ہی اور آیت میں تو یہ ہی کہ جو کچھ چاہتا ہی خدا مٹاتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے ثابت کرتا ہی اُسکو اختیار ہی اور مثال میں یہ بات نہیں ہی بلکہ وہ
ایک سلسلہ ہی کہ علی الدوام اپنے نفس سے بعد ایک ہیئت کے دوسری ہیئت بدلتا رہتا ہی بحکم خدا کہ اُسمیں کسیطرح کا فرق نہیں ہوتا ہی اور ہمیشہ اسی حالت مستمرہ پر رہتا ہی
جیسے تخم سے زراعت بنی اور زراعت سے پھر تخم بنا اور اُسمیں یہ نہیں ہوتا ہی کہ زراعت سے پتھر یا لوہا بنجائے اور خدا فرماتا ہی کہ جو چاہی خدا مٹائے اور جو چاہی ثابت کرے
اور ہمنے اسکو بھی تسلیم کیا کہ یہ مثال صحیح ہی لیکن یہ بھی ایک قسم بدا کی ہو گی کہ آیت میں مٹانا اور ثابت کرنا علی العموم ہی اور وہ جو اوراق میں سے مٹایا جاتا ہی اور ثابت
کیا جاتا ہی یہ ہی بدا پر دلالت کرتا ہی لیکن روایات فریقین سے جو کہ اس آیت کی تفسیر میں وارد ہوئی ہیں ثابت ہوتا ہی کہ خدا تعالی نے جو بعضے امور اور احکام مقرر کیے ہیں
اُنمیں سے بعضے امر کو اپنی مصلحت کے موافق چاہی موقوف کر دی اور اُسکی جگہ دوسرا امر مقرر کر دے چنانچہ عمر کو کسی کی زیادہ یا کم کر دی اور تونگر کو مفلس اور مفلس کو تونگر کر دے اور
بادشاہ کو فقیر اور فقیر کو بادشاہ کر دے اور گنہگار کے گناہ مٹا کر بے گناہ کر دے اور عذاب کو دفع کر دے اور آئی ہوئی بلا کو ٹالدے اور روایتیں اس مضمون کی کچھ تو ہم پہلے
اُن سے اہل سنت کی کتابوں میں سے بیان کر چکے ہیں اور کچھ اور سنئیے جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اور رسالہ افادۃ الخیر میں لکھا ہی اخرج ابن جریر عن الضحاک
رضی اللہ عنہ فی الآیۃ قال یقول انسخ ما شئت واصنع فی الآجال ما شئت ان شئت زدت فیہا وان شئت نقصت وعندہ ام الکتاب قال جملۃ الکتاب وعلمہ یعنی بذلک ما ینسخ منہ وما یثبت
اور تفسیر درمنثور میں روایت ہے عبد بن حمید اور ابن جریر اور ابن المنذر سے کہ مفسرین اہل سنت کے ہیں اخرج عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر عن عمر بن الخطاب رض
انہ قال وہو یطوف بالبیت اللہم ان کنت کتبت علی شقاوۃ او ذنبا فامحہ فانک تَمْحُوا مَا تَشَاءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَکَ اُمُّ الْکِتَابِ اور امام
فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں تفسیر آیت یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ میں لکھا ہی کہ فی ہذہ الآیۃ قولان الاول انہا عامۃ فی کل شئ کما یقتضیہ ظاہر اللفظ قالوا ان اللہ
یمحوا الرزق ویزید فیہ وکذا القول فی الاجل والسعادۃ والشقاوۃ والایمان والکفر وہو مذہب عمر و ابن مسعود ورواہ جابر عن رسول اللہ صلعم پہلی روایت کا تو حاصل یہ ہے
کہ خدا تعالی کہتا ہی کہ نسخ کرتا ہوں میں جو کچھ چاہتا ہوں اور اجلوں میں کرتا ہوں میں جو کچھ چاہتا ہوں اگر چاہوں میں زیادہ کروں میں اُنمیں اور اگر چاہوں میں کمی کروں
اور وعندہ ام الکتاب کو کہا کہ وہ ایک کل کتاب ہے اور علم اُسکا ہی اور مراد اس سے یہ ہی کہ اُسمیں سے نہ کچھ نسخ کرتا ہی اور نہ ثابت کرتا ہی اور دوسری روایت کا حاصل یہ ہی کہ جب وقت
عمر طواف کعبہ کا کرتے تھے تو اُنہوں نے کہا کہ اے خدا اگر تو نے مجھپر کوئی شقاوت یا گناہ لکھا ہی تو اُسکو مٹا دے کہ تو مٹاتا ہی جو چاہتا ہی اور ثابت کرتا ہی اور تیری پاس اُم الکتاب
ہی اور تیسری روایت کا حاصل یہ ہی کہ اس آیت میں دو قول ہیں اول تو یہ کہ عام ہی ہر امر میں جیسے کہ ظاہر لفظ تقاضا کرتا ہی کہا اُنہوں نے کہ خدا مٹاتا ہی روزی کو اور زیادہ
کرتا ہی اُسمیں اور ایسے ہی اجل میں گفتگو ہی اور سعادت اور شقاوت میں اور ایمان اور کفر میں اور وہ مذہب عمر کا اور ابن مسعود کا ہی اور روایت کیا ہی اسکو جابر نے رسولخدا سے

اور اس طرح کی روایتیں اس آیت کی تفسیر میں اہلسنت کی کتابوں میں کثرت سے ہیں اور اسی کو ہم بدا کہتے ہیں کسیطرح کا فرق نہیں ہے اور ام الکتاب جو کہ علم خدا کے مطابق ہے اسمیں
ہم محو و اثبات کے ہرگز قائل نہیں ہیں بلکہ اہل سنت کی بعضی روایت میں آیا ہے کہ ام الکتاب میں بھی محو و اثبات واقع ہوتا ہے چنانچہ لباب میں ابو داؤد سے روایت ہے ابی الدرداء
الدرداء قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ینزل اللہ تعالی فی آخر ثلث ساعات یبقین من اللیل فینظر فی الساعۃ الاولی منھن فی ام الکتاب الذی لا ینظر فیہ احد غیرہ
فیمحو اللہ ما یشاء و یثبت انتہی یعنی کہا کہ کہا رسولخدا صلعم نے کہ نازل ہوتا ہے خدا تعالی تین ساعت آخر میں کہ جو باقی رہتی ہیں رات میں سو پس نظر کرتا ہے ساعت پہلی میں ان
ساعتوں میں سے ام الکتاب میں کہ جسمیں سوائے اسکے کوئی نظر نہیں کرتا ہے پس مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت کرتا ہے اس شیخ کو اپنے گھر کی تو خبر نہیں ہے اور دوسروں پر جھوٹے
اعتراض اپنی طرف سے ایجاد کرکے کرتا ہے **قال الشیخ الاشعری** اب اس تقریر کو اہل انصاف غور فرمائیں کہ کیسی برجستہ ہے اور پھر باینہمہ اسمیں کہیں اسکی گنجایش نہیں
کہ قائلین بدا انگشت رکھ سکیں یا تمسک کر سکیں پھر کوئی کیونکر کہدے کہ آیت میں محو و اثبات کا ذکر ہے تو علم الٰہی میں محو و اثبات ہوگا مگر جو بات اپنے ذہن میں جمی ہوئی ہوتی
ہے اسکی طرف ذہن دوڑا کرتا ہے بھوکے کے نزدیک واور دو چار روٹیاں ہی ہوتی ہیں **اقول** یہ تقریر خلاف تحریر مفسرین اہل سنت کی ہے چنانچہ ہم لکھ چکے اور اس سے بدا کو
بھی ثابت کر چکے اور بدا اسمیں اسطرح ہو سکتا ہے کہ کسی مزارع نے صلہ رحمی کی تو خدا تعالی نے اسکی زراعت کو خوب سرسبز کرکے بربار کر دیا اور اگر قطع رحمی کی تو اسکی زراعت کو
آفت آسمانی یا ارضی سے فاسد اور تباہ کر دیا اور یہی بدا ہے اور شیعوں کے نزدیک علم میں خدا تعالی کے محو و اثبات نہیں ہو سکتا اگر ہوگا تو اہل سنت کے نزدیک ہوگا اور ابھی ہم
لباب سے بیان کر چکے ہیں کہ محو اور اثبات ام الکتاب میں واقع ہوتا ہے جو کہ مطابق علم خدا کے ہے سو سنیوں کے نزدیک تو علم خدا میں پایا گیا اور شیعوں کے کہیں نہیں ثابت ہے اور شیعہ جس
بات پر جمے ہوئے ہیں وہ بہت خوب ہے اور قرآن اور حدیث سے ثابت ہے مگر خدا کے علم میں محو و اثبات کے راہ پانیکے قائل نہیں ہیں اور جو حق ہے اسکی طرف دوڑتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** اور اگر اس تقریر کو سنکر کسیکے یوں کان کھڑے ہوں کہ مشہور تو یوں سنا تھا کہ لکل اجل کتاب سے جو لکھنا نکلتا ہے تو یہی لکھنا ہے جسے عرف میں
لکھا کہتے ہیں سو وہ تو کسی کلام اور الفاظ کے مقابلہ میں جو حروف اور نقوش ہوتے ہیں انکے لیے ہوتا ہے تو اسکا جواب اول تو یہ ہے کہ حق بات چاہیے مشہور ہو کہ نہو ہاں
اگر یہ معنی چسپاں نہوں تو جبھی کہو نہ اچسپے اور صاحبوں کی مرضی ہے ہم بھی اسی راہ چلتے ہیں دوکانداروں کے یہاں اکثروں نے دیکھا ہوگا کہ روزمرہ کی برداشت کیتختے پر
لکھتے جاتے ہیں بعد ازاں بہی میں نقل کرکے تختی کو دھو لیتے ہیں اور پھر دوسرے دن کی برداشت اسی تختی پر لکھنی شروع کرتے ہیں سو ہر روز یہ لکھنا اور مٹانا رہتا ہے اور تیسرا ایک بہی
وہ ایسی ہے کہ تمام ایام کی برداشت کی تفصیل تاریخ وار درج ہے کہ اسمیں بجز لکھنے کے مٹانے کا اتفاق نہیں ہوتا ہے سو ایسا ہی جناب باری تعالی کے کارخانہ قدرت میں سمجھ لیجیے
جیسے یہاں روزمرہ کی برداشت تختی پر لکھتے ہیں وہاں قرن وار کسی لوح پر ایک تحریر ہوتی ہو اور پھر اسکو اس لوح سے مٹا کر بڑی کتاب میں کہ اسکو ام الکتاب کہتے ہوں
درج کرتے ہوں بعد ازاں پھر دوسرے قرن کا حساب کتاب لکھنا شروع کر دیتے ہوں مثلاً رسول اللہ صلعم کے قرن کا حساب کتاب ایک لوح پر لکھ کے اسکو کسی بڑی لوح میں
نقل کر دیا ہو پھر اس لوح سے اس تحریر کو مٹا کر صحابہ کے قرن کا حساب کتاب لکھکر اسی طرح بڑی کتاب میں درج کر دیا اسی طرح یہ محو و اثبات متعین ہوتا ہو مگر سب جانتے ہیں کہ یہ محو
اثبات بوجہ غلطی تحریر نہیں کہ جس سے بدا ثابت ہو جائے **اقول** سچ کہتے ہو تختی اسیکو کہتے ہیں کہ اسمیں لکھا جاتا ہے اور بدا اسطرح ہے کہ ایک بات لکھی اور اسکے بعد جب مصلحت اس بات
کی باقی نرہی اور دوسری بات کی مصلحت ہوئی تو پہلی کو مٹا کر دوسری لکھی اور ہر روز ایسا ہوتا رہتا ہے اور ہر روز کا حساب کتاب جو لکھا ہوتا ہے وہ بڑی کتاب میں
لکھا جاتا ہے کہ اسمیں پھر تغیر نہیں ہوتا اور اس بڑی کتاب کو ام الکتاب کہتے ہیں اور خدا تعالی کے کارخانے میں لکھنا اور مٹانا ہر روز ہوتا ہے اسواسطے کہ وہ فرماتا ہے کُلَّ
یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ اور اس ہر روز کے مٹانے اور لکھنے کو ہم بدا کہتے ہیں اور یہ مٹانا اور لکھنا غلطی کی راہ سے نہیں ہوتا بلکہ بہت صحت سے ہوتا ہے اور اگر اسمیں احتمال غلطی خدا
کا ہو تو وہ ہمارے نزدیک بدا نہیں ہے بلکہ وہ کفر ہے کہ جسمیں نعوذ باللہ منہا احتمال غلطی کا خدا کی طرف ہو اور اگر وہ بدا ہوگا تو باعتبار لغت کے ہوگا اور ہماری اصطلاح کے نزدیک
وہ بدا نہیں ہے اور ہمارے نزدیک بدا کہ جسکے ہم قائل ہیں وہ ہے کہ جسکو ہم ابتدا سے بیان کرتے چلے آتے ہیں اور بدا لغوی کی قائل کو ذات خدا میں ہم کافر جانتے ہیں اور بدا
ہمارے نزدیک بعینہ وہ ہے کہ جو اہل سنت کی روایتوں میں تفسیر میں آیت یمحو اللہ کے وارد ہوا ہے اور ہم لکھ چکے ہیں **قال الشیخ الاشعری** اور سلمنا کہ یہ بھی نسبی بلکہ حکم ام
کے تبدل و تغیر کے باعث یہ محو اثبات ہوتا ہو تب بھی تو مقتدایان شیعہ کا دعوی ثابت نہیں ہو سکتا تصویر اگر مطلوب ہے تو اسکی یہ صورت ہے کہ بیمار اگر طبیب کے پاس جاتا ہے تو وہ اسکے
لیے موافق قواعد طب کے مثلاً منضج تجویز کرتا ہے جب اسکی میعاد پوری ہو لیتی ہے تو انہیں دواؤں میں سے بعض دواؤں کو کاٹ دیتا ہے اور سنا وغیرہ بڑھاتا ہے اور بعد اسکے تبرید
کا نسخہ لکھتا ہے اور پھر مقویات تجویز کرتا ہے تو اس صورت میں جو کچھ طبیب تجویز کرتا ہے وہ سب موافق کتب طب کے ہوتا ہے اور منضج اور مسہل اور تبرید اور مقویات کے جو تبدیل کرتا ہے تو وہ تبدیل
اسوجہ سے نہیں ہوتی کہ پہلی تجویز میں کچھ غلطی ہوگئی تھی بلکہ عین فہم و خوبی طبابت یہی ہے کہ اپنے اپنے وقت پر منضج اور مسہل اور تبرید کا استعمال ہوا کرے سو جیسے یہ قصہ ہے ایسے ہی

کارخانہ قدرت خدا کا کارخانہ سمجھئے جناب باریتعالی کو حکیم مطلق ہی بجائے طبیب حاذق خیال فرمائیے اور ام الکتاب کو بجای کتب طب قرار دیجیے اور اُس کتاب کو جو لکل اجل کتاب
میں ہے یعنی ہر ہر مدت کی جدی جدی کتاب کو بمنزلہ نسخہ منضج اور مسہل کے سمجھیے اور فرشتوں کو بیماردار اور مجموعہ عالم کو جو اصطلاح محققین میں مسمی بشخص اکبر ہے بیمار فرض
کیجیے اور محو و اثبات کو ایسا سمجھیے جیسا منضج کی جگہ مسہل بدلتے ہیں اور مسہل کی جگہ تبرید سو اس تبدیل کو بدا مصطلح شیعہ سمجھنا کمال خوش فہمی پر دلالت کرتا ہے ہاں اگر یہ
تبدیل اس قسم کی ہوتی جیسے تشخیص کی غلطی سے اول تو کچھ تجویز کیا تھا پھر کچھ سمجھ میں آیا تو البتہ ایک موقع تھا لیکن لکل اجل کتاب اسبات کو چاہتا ہے کہ مدت وار جدی
جدی تحریریں ہوتی ہیں اور وہ تبدیل بوجہ تبدیل مدت ہے بوجہ غلطی تجویز نہیں **اقول** حکم و احکام میں بھی تبدل اور تغیر ہوتا ہے اور سوا اسکے اور امور میں جنمیں مصلحت
خدا یتعالی کی ہوتی ہے اور شیعوں کا دعوی بخوبی ثابت ہے اور یہانتک ہم بخوبی ثابت کرتے چلے آئے ہیں اور یہ مثال طبیب کی اور بیمار کی بہت خوب ہے کہ جیسے کہ طبیب بیمار کے
واسطے ایک نسخہ لکھے اور بعد چند روز کے اُس نسخہ کی مصلحت باقی نرہے تو دوسرا نسخہ حکیم بدلتا ہے لیکن جو کچھ لکھتا ہے موافق قاعدہ طب کے لکھتا ہے غلطی اُس سے نہیں ہوتی ہے
ایسے ہی خدا یتعالی جو کچھ واسطے بندہ کے ایک وقت کرتا ہے تو بعد اسکے مصلحت دوسرے وقت میں پہلے امر کے خلاف کو چاہتی ہے تو وہ کرتا ہے لیکن خدا یتعالی میں اور طبیب میں
یہ فرق ہے کہ طبیب سے تو کبھی غلطی ہو جاتی ہے اور خدا یتعالی سے غلطی کا ہونا ممکن نہیں ہے اور جو کچھ مثال میں طبیب اور بیمار کی لکھا ہے یہی بدا ہے شیعوں کے نزدیک اور جگہ جگہ
غلطی سے کا جو ذکر کرتا جاتا ہے شیعوں کے نزدیک تو بدا میں کسی طرح سے غلطی کو دخل نہیں ہے اسواسطے کہ غلطی کا احتمال خدا یتعالی کی طرف شیعوں کی نزدیک کفر ہے اور پھر انکی طرف
منسوب کرنا ایسے بدا کو بڑی بے انصافی اور افترای محض ہے **قال الشیخ الاشعری** القصہ یہ تینوں تقریریں جو مذکور ہوئیں ایک سے ایک چڑھتی ہیں اور بعد ملاحظہ ان
تقریرات کے مدعیان بدا کا حوصلہ معلوم نہیں ہوتا کہ پھر اس آیت کی طرف منہ کرکے بھی سو دیں یا اس آیت سے تمسک کا نام بھی لیں مگر جسکے دل میں انصاف نہو اُسکے
آگے ق بات کا بیان کرنا بھی لا حاصل خیر کوئی سمجھے یا نہ سمجھے جو اسپر بھی نہ سمجھے اُس سے خدا سمجھے **اقول** یہ تینوں تقریریں جو بیان کی ہیں بالکل لغو اور فضول ہیں اور
جو بدا کہ ہمارے نزدیک ہے اُسکے دفع کرنے کو کچھ مس نہیں کرتی ہیں چنانچہ ہم تینوں تقریروں کا جواب لکھیے ہاں اگر بداء لغوی کو کہو تو ہو سکتا ہے اور اُسکو ہم بھی باطل
جانتے ہیں اور جو بدا کہ ہمارے نزدیک ہے اسکو اُس آیت سے بلکہ روایات کتب اہل سنت سے ثابت کرتے چلے آئے ہیں اور اسی آیت سے ہمکو تمسک ہے اور جو کچھ ہمنے لکھا ہے وہ بھی ایسے
کہ سب حق ہے اور بے انصافی کی کوئی بات نہیں ہے لیکن جو شخص کہ ہمپر افترا کرے اور ایک عقیدہ باطل کو ہماری طرف منسوب کرے اسکا تو کچھ علاج ہی نہیں ہے بجز اسکے
کہ ہم کہیں اُسکے جواب میں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین **قال الشیخ الاشعری** اور بعض علمای شیعہ کو بدا کی حقیقت پر ایک اور نئی دلیل سوجھی ہے آیت وَوٰعَدْنَا مُوسٰی
ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً وَّاَتْمَمْنٰہَا بِعَشْرٍ اُسے حقیقت بدا پر استدلال لاتے ہیں تفصیل اس اجمال کی سنیئے ہم سناتے ہیں حاصل اس آیہ کریمہ کا اول معروض ہے وہ یہ ہے کہ وعدہ ٹھیرایا ہمنے موسی سے تیس
رات کا اور پورا کیا ہمنے اس مدت کو ایک عشرہ اور بڑھا کر سو پورا ہو گیا وقت اسکے رب کا چالیس راتیں انتہی اب تقریر استدلال سنئے اول تو جناب باری نے تیس شب کی محنت پر
توراۃ کا وعدہ کیا پھر تیس رات کے مجاہدہ پر توراۃ عطا ہوئی بلکہ فرماتے ہیں کہ تیس رات کے بعد دس روز اور بڑھا دیے سبب اس زیادتی کا بجز اسکے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تیس رات
کی خلوت پر توراۃ کا عطا ہونا خلاف مصلحت معلوم ہوا یہ کثیر اجرت اس قلیل مدت پر نا زیبا نظر آئی تعظیم اجرت کے لیے مدت اور بڑھا دی سو اگر خدا ہی کو یہ بات پہلے سے سوجھی تھی
تو بدا کا ثبوت موافق اصطلاح متقدمین ظاہر ہے ورنہ اسکے اسکو کم بھی نہیں کہ خداوند علیم تو جانتا تھا پر حضرت موسے اور بنی اسرائیل کو کچھ کا کچھ بتلا دیا سو اسمیں اور اسمیں گو زمین
و آسمان کا تفاوت ہے پر ہمارے حق میں جیسا بدا حسب اصطلاح متقدمین ویسا ہی تو آیت رب العالمین اس صورت میں خدا کے کلام پر اعتماد نہ اس صورت میں کلام ربانی قابل استثنا
ہے پھر اگر فضائل صحابہ وغیرہ معتقدات اہل سنت پر کلام ربانی شاہد بھی ہو تو کیا ہوا ایک بانی بات ہے قابل التفات نہیں **اقول** اگر کوئی شیعہ اس آیت کو بدا کے جواز پر دلیل لایا ہے
تو ہو سکتا ہے اور کچھ تردد اسمیں نہیں ہے اسواسطے کہ خدا یتعالی نے وعدہ تیس شب کا کیا تھا اور بعد گزرنے تیس روز کے وہ وعدہ وفا نہوا بلکہ دس روز اسپر اور بڑھائے اور بعد گزرنے چالیس دن کے وعدہ وفا
ہوا اور پہلے وعدہ میں خلف لازم آیا یہانتک کہ قوم بے بصیرت اور جاہل نے طعن کیا کہ موسی نے تیس دن کا وعدہ کیا تھا اور چالیس روز میں اُسکو وفا کیا چنانچہ تفسیر در منثور
میں لکھا ہے اور یہی بدا ہے کہ پہلے حکم کو منسوخ کرکے دوسرا حکم دیوے لیکن خدا یتعالی جانتا تھا اپنے علم قدیم سے پہلے ہی سے کہ ہم تیس روز کا وعدہ کرینگے اور جب موسی مسواک کرکے
اپنے منہ کی بدبو دور کریگا تو ہم تیس روز کے حکم کو منسوخ کرکے دوسرا حکم دینگے کہ دس روز تیس روز پر اور بڑھائینگے اور حقیقت میں خلف وعدہ بھی لازم نہ آیا کہ ایفای وعدہ بعضی
شروط پر موقوف ہوتا ہے اور اسمیں تمام شروط میں سے ایک مسواک کا نکرنا بھی تھا اور یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ خدا یتعالی نے بندوں کو شروط پر بھی مطلع کرے اور وعدہ اُسکا حق ہے اور اگر بسبب
کسی شرط کے اسکا ایفا نہوا اور بندوں کو اُس شرط کی خبر نہو تو کچھ مضائقہ نہیں اس صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ وعدہ کو وفا کیوں نہیں کیا بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ کسی شرط پر
موقوف ہوگا اور اسی طرح محدث عبد الحق دہلوی مدارج النبوت میں لکھتے ہیں کہ سیدی احمد زروق کہ از محققین علمای صوفیہ و از مشاہیر علمای مغرب است ذکر کردہ کہ یکے از رعایت

ادب مقام ربوبیت آنست کہ باوجود وثوق تصدیق وعدہ سبحانہ تعالی واجب ست اعتقاد بآنکہ واجب نیست ہیچ حق بر وی تعالی واعتبار ایں دو اصل وقاعدہ وتطبیق
میان آنہا نزد تعارض واجب ترین ایمان است اگر وعدہ اجابت در وقت معین نیست فلا اشکال واگر بالغرض در وقت معین نیز شدہ باشد واجابت آں موعود در آں وقت
بوقوع نیاید نیز بر تصدیق وعدہ در شک وتردد نیفتد از آنکہ تواند بود کہ وقوع وعدہ معلق باشد باسباب وشروطی کہ دانائے مطلق عز شانہ بعلم آں متاثر باشد وبندہ را بر آں
اطلاع ندادہ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وبر وی تعالی واجب ست کہ ہر چہ در علم اوست از قیود وشروط بیان فرماید وبندہ را بر آں اطلاع بخشد الخ اور جو کچھ لکھا ہے
یہی بدا میں ہوتا ہے کہ پہلے ایک حکم دیا اور بعد اُسکے کسی مصلحت سے وہ حکم موقوف کر کے دوسرا حکم دیا لیکن بندہ اُسکی وجہ کو نہیں جانتا اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ نعوذ باللہ
خدا تعالی ہی پہلے حکم میں غلطی ہوئی ہو اور پہلے سے وہ اسکو سمجھا نہیں تھا جیسا کہ یہ دروغ گو مفتری لکھتا ہے کہ پہلے سے یہ بات سوجھی تھی تب تو بدا کا ثبوت
موافق اصطلاح متقدمین ظاہر ہے یہ شیخ بالکل جھوٹ لکھتا ہے اور اصطلاح متقدمین شیعہ کی ہرگز یہ نہیں ہے کہ خدا کو پہلے سے یہ بات سوجھی نتھی اور اگر حضرت موسیٰ نے
او بنی اسرائیل کو کچھ کا کچھ تبلا دیا تو اسکا بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ جو کچھ تبلایا وہ ایک شرط پر موقوف تھا اور اسکا جواب ہم لکھ چکے اور تو یہ خدا تعالی نے ہرگز نہیں
کیا ہے جیسے کہ ہم لکھ چکے اور بدا البتہ واقع ہوا ہے نہ اس طرح سے جیسا کہ تو کہتا ہے کہ خدا کو پہلے سے سوجھی نتھی بلکہ پہلے سے علم قدیم سے خدا تعالی سب جانتا تھا اور نہ جاننے کا
مذہب تیرا ہوگا شیعوں کا یہ مذہب نہیں ہے اور بدا کی کچھ یہی ایک لیل تیس شب کے وعدہ کی نہیں ہے بلکہ بہت سی صورتیں ہیں کہ اہل سنت کی روایتوں سے ثابت ہیں اور ہم
کئی روایتوں کو پہلے اس سے کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں مگر ہمارے نزدیک اُس میں یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ معاذ اللہ خدا سے غلطی ہوئی ہو یا پہلے سے وہ نہ سمجھا ہو اور اعتماد اگر خدا پر نہ ہوگا تو
تمکو ہوگا اور شیعوں کا اعتماد تو سب خدا پر ہے اور اُسی کے قول سے استناد ہے یا اُسکے مقربوں اور خاصوں کے قول سے نہ بزرگ سنیوں اور جہلا ہے جاہل کے قول سے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے
فضائل پر جو کلام خدا شاہد ہے اُسکا ہمکو بھی اعتقاد ہے اور سب صحابہ کو ہم ممدوح جانتے ہیں مگر بعضے انہیں سے جو بسبب حب ریاست اور طمع مال دنیا کے طریق حق سے منحرف اور برگشتہ
ہوگئے ہیں انکو ہم اچھا نہیں جانتے کہ وہ آیات مدح سے مستثنے ہیں **قال الشیخ الاشعری** مگر کوئی سمجھ دار ہو تو ہم بھی اپنے جی میں اسکا جواب لیے بیٹھے ہیں غلطی یا غلط گوئی
متکلم اور ہے اور غلط فہمی مخاطب اور حضرات شیعہ اپنی غلط فہمی سے اپنی غلط فہمی کو غلطی یا غلط گوئی خداوندی سمجھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ غلط فہمی اپنی سمجھ کا قصور ہے خداوند علیم کا اسمیں کیا قصور
اقول شیعہ سب سمجھدار ہیں اور سمجھ تجھ کو ہی نہیں ہے کہ تو سمجھداروں کو بے سمجھ کہتا ہے اور نہ تو شیعہ خدا کی غلطی پر ہیں اور نہ وہ خدا کو غلطی پر کہتے ہیں تو اُن پر تہمت کرتا ہے کہ وہ خدا کی غلط فہمی کے
قائل ہیں ناحق اُنکی طرف منسوب کرتا ہے اُنکا دامن اعتقاد ایسے عیبوں سے پاک ہے **قال الشیخ الاشعری** یہ سب جانتے ہیں کہ جناب باری نے اس قصہ کو مختصر بیان
فرمایا ہے روزوں کا اسمیں ذکر نہیں مسواک کا اسجگہ مذکور نہیں سو جیسے روزوں کا ذکر نہیں فرمایا حالانکہ حدیث تفسیر سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ فقط تیس دن رات مقصود نتھے بلکہ اتنے
دنوں صائم رہنا مطلوب تھا ایسا ہی ہو سکتا ہے کہ بعض اور شرائط بھی ہوں کہ انکا ذکر نہیں فرمایا منجملہ مسواک کا نہ کرنا بھی ہو اور اگر فرض کیجیے روایات سے ثابت ہو جائے کہ تورات کی اجرت
میں فقط تیس دن کے روزے ہی ٹھیرے تھے اور سوا اسکے اور کوئی بات مشروط نہوئی تھی تو قطع نظر اسکے کہ اس امر کا ثبوت غیر ممکن معلوم ہوتا ہے فقط عدم ثبوت نکلے تو نکلے ثبوت عدم
محال نظر آتا ہے ہم کہتے ہیں کہ بہت سی ایسی شرائط ہوتی ہیں کہ وقت تقرر اجرت اُنکا مذکور نہیں آتا اُنکا معروف ہونا کافی ہو جاتا ہے کچہری یا فوج کے ملازموں کو دیکھیے کیا بار
خاص اور اکرام حکام اور تقدیم تسلیم کا وقت تقرر اُنسے کوئی مذکور نہیں کرتا باینہمہ ان امور کے ترک پر اُنسے مواخذہ کیا جاتا ہے جرمانہ لیا جاتا ہے تاوان لیتے ہیں سزا دیتے
ہیں اور اگر ملازمان بادشاہی کی بات باینوجہ کہ قابل قیاس نہو کہ اُنسے تو اصل کار اور اجرت کی مقدار کا بھی ذکر آتا ایک بات معین ہوتی ہے جسے ہر خاص و عام جانتا ہے
علی ہذا القیاس اور امور بالائی مثل لباس وغیرہ بھی معلوم ہوتے ہیں سو اس حساب سے انکا حال مثل اصل امر رہا تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ بات تو ہمارا اور بھی مفید مطلب
ہے کیونکہ جب شہرت کے سبب سے تمام امور کے ذکر کی حاجت نہیں تو بعض امور کے مذکور ہونے کی تو بشرط شہرت لاجرم حاجت نہو گی **اقول** یہ ذکر تو ہم اول ہی کر چکے ہیں
اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شروط مذکور نہیں ہوتی اور اگر انکو ذکر نہ کیا تو کچھ مضائقہ نہیں اور یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ بعد تیس دن کے تورات کے عطا کرنے کی شرط جو تھی وہ
وقوع میں نہیں آئی تھی اسواسطے دس روز اور بڑھائے تھے اسقدر کیوں طول دیا اور بدا میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب پہلے حکم کی جو شرط مفقود ہو جاتی ہے تو دوسرا حکم صادر
ہوتا ہے اور یا یہ کہ اُس حکم کی مدت گزر جاتی لیکن خدا تعالی دوسرا حکم جو بدلتا ہے تو اُس سے بے خبر نہیں ہوتا ہے اور نہ یہ کہ پہلے حکم میں غلطی معلوم ہوئی تو اسکو بدلا بلکہ
روز ازل سے ہر ایک امر کو جانتا ہے **قال الشیخ الاشعری** معہذا یہ مثال نا پسند ہے تو اور مثال لیجیے گھوڑے کو کہیں جانے کے لیے کرایہ کرتے ہیں تو چار جامہ یا نوزی
لگام رکاب وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کرتا باینہمہ اگر گھوڑے والا گھوڑے کے ساتھ یہ چیزیں حوالہ نہیں کرتا تو کرایہ لینے والا کیسا کچھ لڑتا جھگڑتا ہے اور بن پڑتا ہے تو کرایہ میں سے
بھی کچھ نہ کچھ کتر لیتا ہے ایسے ہی اگر ما بین بندگان خاص خداوندی حضرات انبیاء اور جناب باری کچھ قوانین ادب مقرر ہوں اور بندگان خاص کے نزدیک

مشہور معروف ہوں اور اسکے ترک پر اگرچہ ذکر نہ آئے مواخذہ ہو تو عین حق اور عین صواب ہے مگر اسکو بدا نہیں کہہ سکتے بدا کہنا جب مناسب ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو ہرگز اسکی اطلاع نہوا اور بدو صورتیکہ اسکی اطلاع ہوا اور فقط بمقتضاء بشریت اُنسے خطا ہو جائے تو پھر بدا کہا اور یہ بھی نہ یہی کلام اللہ سے فقط اتنا ثابت ہوتا ہی کہ تیس دن کے مجاہدہ پر توارات کا عطا ہونا ٹھیرا تھا اور اسکی ایسی مثال ہی جیسے ایک ماہ کا کسیکو کچھ مشاہرہ مقرر کردیں سو جیسے ایک ماہ کی تنخواہ کے یہ معنی ہیں کہ ایک مہینے کی یہ مزدوری ہوئی خواہ تیسویں دن ملی خواہ دس دن بعد ایسے ہی تیس رات دن کے مجاہدہ پر توراۃ کے عطا ہونے کے یہ معنی ہیں کہ تیس دن کے مجاہدہ کا یہ ثمرہ اور یہ پھل ہی خواہ تیسویں دن ملی ہو یا دس دن بعد باقی رہی دس روز زیادہ کی محنت کی وجہ اسکا بیان ہمارے ذمہ ضرور نہیں **اقول** مثال گزشتہ ہمکو ناپسند نہیں ہے بلکہ ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں اور بعد اُسکے جو مثالیں لکھی ہیں اور اُجرت اور مزدوری کا ذکر کیا ہی اس سے کیا تعلق ہی بدا تو ہم اس جہت سے کہتے ہیں کہ خدا تعالے نے حضرت موسیٰ سے وعدہ تیس شب روز کا کیا اور جب تیس روز گزر گئے تو وعدہ کو وفا نہ کیا اور تیس روز کے حکم کو منسوخ کر کے دس روز اور زیادہ کئے اور چالیس روز میں وعدہ کو وفا کیا یعنی حکم کیا تھا کہ ہم تیس روز میں وعدہ کو وفا کرینگے سو تیس روز میں تو وفا نکیا بلکہ چالیس روز میں وفا کیا اور یہی بدا ہی اور مزدوریوں کا کیا ذکر ہی کہ تیس دن میں اگر ادا نکی تو چالیس دن میں ادا کی جا ہو۔ ہزاروں میں ادا کرو ذکر تو اسکا ہی کہ تیس دن کا وعدہ کیا اور پھر تیسویں دن نہ دیا ذکر تو کچھ ہی اور لکھتا کچھ ہے اور بدا کی دلیل کچھ یہ قصہ توراۃ کے دینے ہی کا نہیں ہے اسکی دلیلیں تو کثرت سے ہیں کہ جو روایات اہل سنت میں موجود ہیں اور پہلے اس سے ہم بہت سا کچھ لکھ چکے ہیں تو نے ایک آسان بات سمجھکر حضرت موسیٰ کے قصہ کی اُسکا ذکر کیا اور سوا اسکے اور دلیلوں سے اعراض کیا کتب تفاسیر اور احادیث میں لکھا ہی کہ حضرت یونس نے اپنی قوم سے وعدہ کیا کہ فلانے روز تمپر عذاب نازل ہوگا اور قوم نے دعا کی اور زاری کی تو وہ عذاب مرتفع ہوگیا اور حضرت یونس کے خبر دینے میں خلاف لازم آیا اور حضرت یونس وہاں سے نکلگئے اس خیال سے کہ میں قوم کے نزدیک جھوٹا ٹھیرا کہ انپر عذاب نازل نہوا اب دیکھو تو کہ یہ بدا نہیں تو کیا ہے اور حیوۃ الحیوان دمیری شافعی میں لکھا ہی کہ ایک شخص ایک جانور کے بچے جب وہ دیتا جبھی اُسکے آشیانہ میں سے نکالکر لیجاتا اُس جانور نے خدا تعالے سے شکایت کی خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اب وہ تیرے بچے لیجائیگا تو اُسکو میں ہلاک کرونگا اس وعدہ کے بعد بھی وہ شخص آیا اور دو بچے اُس جانور کے لیگیا اور اُس نے صدقہ جو دیا تو ہلاک ہونے سے محفوظ رہا چنانچہ حیوۃ الحیوان میں لکھا ہی کہ وفی تاریخ ابن النجاری وعوالی ابی عبد اللہ بن المثنی بن انس بن مالک الانصاری قاضی البصرہ وعالمہا ومسندہا وہو من کبار شیوخ البخاری من حدیث الحسن بن ابی الحسن البصری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال کان فیمن قبلکم رجل لہ وکر طائر کلما افرخ یاخذ فرخہ فشکی ذلک الطائر الی اللہ تعالی ما یفعل بہ فاوحی اللہ الیہ ان عاد فسا اہلکہ فلما افرخ الطائر خرج ذلک الرجل کما کان یخرج فبینما ہو فی بعض الطریق فسالہ سائل فاعطاہ رغیفا کان معہ یتغداہ ثم مضی حتی اتی الوکر فوضع سلمہ ثم صعد واخذ الفرخین وابوہما ینظران الیہ فقالا ربنا انک لا تخلف المیعاد وقد وعدتنا ان تہلک ہذا اذا عاد وقد عاد واخذ فرخینا ولم تہلکہ فاوحی اللہ الیہما الم تعلما انی لا اہلک احدا تصدق فی یومہ بمیتۃ سوء انتہی ملخصا اب انصاف کرنا چاہئے کہ یہ روایت بدا پر دلالت کرتی ہی یا نہیں اور روضۃ العلماء میں لکھا ہی حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام مع حواریوں کے بیٹھے تھے کہ گزر ایک دھوبی کا ہوا اور اُسکی پشت پر گٹھا کپڑوں کا تھا حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ یہ دھوبی اسی ساعت مریگا اور اُسکا جنازہ تیرے پاس آویگا شام کے وقت دھوبی صحیح وسلامت اُلٹا پھر آیا مع کپڑوں کے حواریوں نے اُسے زندہ دیکھکر بہت تعجب کیا حضرت عیسیٰ نے دھوبی سے فرمایا کہ تو اپنا قصہ بیان کر کہا کہ میں صبح کو نکلا اور میرے پاس تین روٹیاں تھیں ایک سائل میرے آگے آیا میں نے اُسکو ایک روٹی دی اُس نے دعا کی کہ خدا تعالیٰ تجھ سے بدی کو دفع کرے میں آگے چلا اور دوسرا سائل آیا اُس نے سوال کیا تو دوسری روٹی میں نے اُسکو دی اُس نے بھی دعا کی کہ خدا تعالے تجھ سے بلا کو دور کرے اور جسوقت میں نے گٹھا کپڑوں کا کھولا تو اُسمیں ایک کالا سانپ دیکھا کہ اُسکی آنکھوں میں آگ چمکتی تھی اور اُسکی گردن میں دو زنجیریں پڑی تھیں اور دو فرشتے اُسکو کھینچتے تھے یہانتک کہ گٹھے سے کپڑوں کے اُسکو نکالدیا حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ روٹی کے صدقہ دینے کے سبب سے خدا تعالیٰ نے تجھ کو سلامت رکھا اور تیری عمر کو زیادہ کردیا چنانچہ لکھا ہے کہ حدثنا ابو عبد اللہ المطوعی باسنادہ عن وہب رحمہ اللہ قال کان عیسے النبی صلوات اللہ علیہ قاعدا مع الحواریین اذا مر قصار علی ظہرہ حزمۃ ثیاب فقال عیسے علیہ السلام للحواریین ان ہذا القصار لیموت الساعۃ ویرد علی جنازتہ فجلسوا فلما کان عند المساء فرجع القصار سالما مع ثیابہ فتعجب الحواریون بذلک فقال عیسے للقصار اخبرنی عن قصتک قال خرجت بالغداۃ ومعی ثلثۃ ارغفۃ فاستقبلنی سائل فدفعت الیہ واحدا فدعا وقال صرف اللہ عنک السوء فمضیت فاستقبلنی سائل آخر فسالنی فدفعت الیہ الرغیف الثانی فقال صرف اللہ عنک البلاء واذا فتحت حزمۃ ثیابی رایت فیہا حیۃ سوداء تلتہب النار من عینیہا وفی عنقہا سلسلتان واذا ملکان یمدان تلک الحیۃ حتی اذا اخرجاہا من حزمۃ ثیابی فقال عیسے ان الرغیف سلمک اللہ تعالی وزاد فی عمرک اب دیکھو تو یہ بدا نہیں تو کیا ہے اور اسطرح کی روایتیں اہل سنت کی کتابوں میں بہت ہیں اور جب ہم اسطرح کی روایت کسی امام سے بیان کرتے ہیں تو یہ لوگ اُسپر طعن کرتے ہیں کیا اسکو انصاف

کہتے ہیں کہ خود تو جسقدر چاہیں بیان کریں اور جب کوئی دوسرا ایسا بیان کرے تو اُسپر طعن کریں **قال الشیخ الاشعری** اور اگر کوئی نادان لفظ اتممناہا سے دس رات کی
نسبت تیس رات کی تتمہ ہونا سمجھ کر اُلجھنے کو تیار ہو تو اسکا جواب یہی ہے کہ جیسے سنن و نوافل کا بہ نسبت فرائض کے متمم ہونا اور علی ہذا القیاس صدقۃ الفطر کا بہ نسبت صیام رمضان
کے متمم ہونا احادیث صحیحہ سے ظاہر و باہر ہے مگر کسیکے نزدیک اسکے یہ معنی نہیں کہ فرائض پنجگانہ کے مقدار بہ نسبت زمانہ سابق کے زیادہ کی گئی بلکہ یہ معنی ہیں کہ بمقتضای بشریت
ہر عمل میں کچھ نہ کچھ قصور رہ ہی جاتا ہے کتنا ہی اہتمام کیوں نکرو اس صورت میں مقدار اصلی خدا کے نزدیک بھی اور بندوں کے علم میں بھی وہی رہی اور یہ سب اوپر کا
بکھیڑا از قبیل قضاء مافات اور جبر نقصان اور مکافات تقصیرات ہے سو ایسے ہی اُن دس دن کو سمجھئے بلکہ لفظ اتممناہا خود اس بات پر شاہد ہے کہ یہ دس دن کی محنت
از قبیل جبر نقصان ہے ورنہ میعاد اصلی وہی تیس دن تھی اگر ان تیس رات کا مجاہدہ بہمہ وجوہ قابل پسند ہوتا اور بمقتضاء بشریت جسکے سبب چارہ نہیں نبی ہو یا ولی ہو چنانچہ
واقف کار واقف ہیں کوئی قصور فتور عارض حال موسیٰ نہوتا تو جناب باریتعالی کیطرف سے اور دس دن کا مطالبہ نہوتا باقی رہا لفظ میقات ربہ کا اس بات پر دلالت
کرنا کہ میعاد اصلی چالیس راتیں تھیں سو اسکا جواب یہ ہے کہ بازار خداوندی میں ہر عمل کی ایک اجرت ہے اور ہر اجرت کے لئے ایک محنت معین ہے کلام اللہ حدیث اسکی گواہ ہیں
نائل عظیمہ مثل حصول توراۃ وغیرہ کا نرخ چالیس رات کی محنت اصل سے مقرر ہو مگر کمال جود اور عموم رحمت کے باعث حضرت موسیٰ علیہ و علی نبینا السلام کیلئے دس
دن یعنی [illegible] محنت کی تخفیف کی گئی ہو جیسے اس اُمت کے عوام کے لئے نو حصہ محنت کے تخفیف کی گئی ہے اور نہو تو اس آیت کو دیکھئے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا
یعنی جو ایک نیکی لائیگا اس کو دس گنا ثواب ملیگا سو دس گنا تو جبھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک نیکی کی عوض دس نیکیوں کا ثواب ملے پھر جب ایک ہی نیکی پر دس نیکیوں کا ثواب ملا
تو نو حصہ محنت کے تخفیف آپ نکل آئی آیات و احادیث میں اس مضمون کی اور بھی بہت شواہد ہیں پھر بعضے آیات و احادیث تو ایسی ہیں جن سے اس سے زیادہ تخفیف بھی
بعض بعض افراد کے لئے ثابت ہوتی ہے با اندیشہ تطویل تفصیل سے معذور ہوں **اقول** ذکر تو کچھ اور ہے اور یہ شیخ لکھتا کچھ اور ہے کہیں تو لکھتا ہے کہ کوئی دس دن کو
تیس روز کا تتمہ سمجھے جیسے کہ نوافل فرائض کا تتمہ ہے اور کہیں دس دن کو قبیل قضاء مافات اور جبر نقصان سے کہتا ہے یہ سب صحیح ہے اور اگر صحیح نہیں ہے تو بھی ہمنے ان
تحریروں کو تسلیم کیا اگر ہمارا تو مطلب وہ ہے کہ جو کئی مرتبہ ہم لکھ چکے کہ خدا تعالی نے تیس روز کا وعدہ کیا اور تیس روز گزر گئے تو وعدہ کو وفا نکیا اور اس حکم کو منسوخ
کرکے اور دس روز زیادہ کرکے چالیس روز میں وعدہ وفا کیا اور یہی بدا ہے اور اجر تو نکا اور ثوابوں کا جو ذکر کرتا ہے بھلا اسکا کون منکر ہے لیکن گفتگو تو اور ہے اور لکھتا کچھ اور
اور لفظ میقات ربہ سے کچھ مراد نہیں ہے کہ جو تو نے لکھا ہے بلکہ مراد اُس سے یہ ہے کہ پہلے تو میعاد اصلی تیس روز تھی اور جب وہ منسوخ ہو گئی کہ اُسکی کذب نے پر ایفای وعدہ ہوا
اور دس روز اُسپر بڑہائے تو اب میعاد چالیس روز مقرر ہوئی یہ دوسرا حکم ہے **وقال الشیخ الاشعری** غرض یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے لیے بحکم عنایت قدیمانہ دس دن کی
تخفیف ہوئی ہو پر بمقتضاء بشریت حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ السلام سے یہ عمل کامل بن پڑا جیسا توراۃ کے معاوضہ کے لئے بکار تھا بلکہ کچھ نقصان نکلا جسکی مکافات
اور دس دن کی خلوت اور مجاہدہ سے ہو سکے اس لئے بنظر رحمت خاصہ حضرت موسیٰ کی تیس دن کی محنت کو رد تو نکیا اگرچہ رد کرنیکا موقع تھا ہاں دس دن کی اور ہدایت فرمائی
تا کہ کامیاب ہو جائیں اور غیروں کے سامنے ندامت نہ اُٹھائیں جب اس طریقہ سے وہی چالیس دن آپڑے تو جناب باری نے بھی یہ ارشاد فرمایا فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً
یعنی بس تمام ہو گئی وہی چالیس راتیں جو اُسکے رب کا میقات تھا یعنی وہ وقت جو ایسی نعمتوں کے لئے اُس نے مقرر کر رکھا تھا سو انجام کار وہی پورا ہوا **اقول** تخفیف حضرت
موسیٰ کو دس دن کی ہرگز نہیں ہوئی اور نہ یہ کہیں سے ثابت ہے اہل سنت کی روایتوں میں تو یہ آیا ہے کہ ابتدا میں خدا تعالی نے تیس روز ہی کی میعاد مقرر کی تھی توراۃ
کے دینے کی اور یہ ملحوظ تھا کہ اس میں دس روز کے تخفیف ہے تو کہاں سے کہتا ہے احتمالات باطلہ سے کام نہیں چلتا ہے اور اُن روزوں میں مسواک کا نکرنا شرط تھا جب حضرت
موسیٰ نے مسواک کی اور مسواک کرکے اپنے دہن مبارک کی بو کو زائل کیا تو خدا تعالی کو پسند نہ آیا کہ وہ صائم کی دہن کی بو کو مشک سے بہتر جانتا ہے اسواسطے دس روز اور بڑہائے
اور حضرت موسیٰ کا عمل تو وہی روزے تھے اور روزہ رکھنے میں انہوں نے کوئی قصور نہیں کیا مگر اُسکی شرط کہ جسکی اُنکو خبر نتھی وہ عمل میں نہیں آئی اُنکی طرف سے تو عمل
کامل ہی ہوا ہے گو پسندیدہ خدا بسبب فقدان شرط کے نہوا اور دس دن اسواسطے بڑہائے کہ کچھ اور روزہ رکھیں اور اُسکے مونہہ سے بو آئے تا کہ میں توراۃ اسکو دوں سو اسطے تیس روز
منسوخ ہو کر چالیس روز آپڑے اور خدا تعالی نے فرمایا فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً اور یہ وقت خدا تعالی نے بعد منسوخ کرنے تیس روز کے مقرر کیا **قال الشیخ الاشعری**
یا یوں کہئے کہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو بذات خود قابل اہتمام اور شایان تاکید ملک علام نہیں ہوتی ایسی بندہ خاص سے جو ایک وقت خاص اور ساعت اخلاص
میں بضرورت کسی امر عارضی کے ظاہر ہوتے ہیں تو جناب باری بروے کمال بندہ پروری اور غلام نوازی اُس عمل کو ایسا قبول کرتا ہے کہ اسکو داخل عبادات خاصہ کر دیتا
ہے اور پھر ہر خاص و عام سے اُسکے کرنے نکرنے کا حساب لیتا ہے تا کہ خدا کی قدر شناسی اور اُس بندہ کی رفعت قدر معلوم ہو جائے مثال اسکی اگر مطلوب ہے تو حضرت ہاجرہ کا

صفا و مروہ کے بیچ دوڑنا اور اس سبب سے اس سعی کا داخل سنن یا واجبات حج ہو جانا حالانکہ عقل سلیم کو اس خلل میں کوئی مضمون تعبد کا نظر نہیں آتا سب کا سنا ہوا قصہ ہے علی ہذا القیاس اگر چالیس رات کی مقدار اول سے خداوند کریم کے نزدیک قابل اہتمام نہو بلکہ اُس تک وہی تیس رات کی مقدار مہتم بالشان ہو مگر چونکہ بندہ خاص سراپا اختصاص حضرت موسی علیہ و علی نبینا الصلوٰۃ والسلام سے ایک وقت خاص میں جسکا مذکور ہے چالیس رات کا مجاہدہ بضرورت معلوم ظہور میں آیا تو بوجہ کمال اخلاص حضرت موسی علیہ السلام جناب باری نے اس عمل کو ایسا قبول فرمایا کہ آیندہ سے فضائل جلیلہ کی تحصیل کے لئے عدد اربعین ہی مقرر ہو گیا اور جب اس وجہ سے یہ عدد مہتم بالشان ٹھہرا تو جناب باری عز اسمہ کے اس قول کی فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً یہ معنی ہوئے کہ ہر چند ایسی نعمتوں کے لئے اصل میں وہی تیس راتیں تھیں لیکن چونکہ حضرت موسی علیہ السلام سے بضرورت معلوم حالت اخلاص میں چالیس رات کا مجاہدہ ظہور میں آیا تو خداوند کریم نے اس عمل کو انکے اخلاص کے باعث ایسا قبول فرمایا کہ اب سے تقرب بارگاہ خداوندی کے لئے پوری چالیس شب و روز کی خلوت مقرر ہو گئی چونکہ پہلی تقریر اور اس تقریر میں فرق ظاہر ہے ان دونوں کے بیان فرق سے معذور ہوں **اقول** ایسا تو ہو سکتا ہے کہ خدا تعالی اپنے بندہ خاص کی عمل کو داخل عبادات کر دے لیکن حضرت موسی سے چالیس رات کا مجاہدہ بے حکم خدا ظہور میں نہیں آیا بلکہ جسوقت خدا تعالی نے تیس رات کے مجاہدہ پر دس رات کو زیادہ کیا تو اُسوقت اُنہوں نے بحکم خدا چالیس شب کامل کے اور پہلے تو خدا تعالی نے موافق اپنے حکمت کی تیس رات ہی مقرر کی تھی اور چالیس رات کے حکمت نتھی مگر تیس شب کی شرط جو تھی وہ حضرت موسی کے ہاتھ سے جاتے رہی اسواسطے تیس رات کے حکم کو منسوخ کیا اور راتیں اُسپر زیادہ کرکے چالیس شب مقرر کیں لیکن تیس راتیں جو خدا تعالی نے مقرر کی تھیں اُسوقت خدا تعالی جانتا تھا کہ موسی اسکی شرط کو بجا نہ لائیگا اور ہم اسی لئے مجاہدہ اور اُسپر زیادہ کرینگے اور چالیس رات کا مجاہدہ جو حضرت موسی سے ظہور میں آیا ہے وہ پہلی پہل بحکم خدا کے ظہور میں نہیں آیا ہے تاکہ تقرب بارگاہ خداوندی کے لئے بعد از آن شب و روز کی خلوت مقرر ہو بلکہ پہلے تیس شب کا وعدہ کیا اور بعد اُسکے مصلحت چالیس رات کی ہوئی تو دس رات اور زیادہ کیں اور یہی بدا ہے **قال الشیخ الاشعری** ہاں نتیجہ اس طول بیانی کا عرض کرنا پڑا اس لئے سامع خراش اہل انصاف ہوں کہ بدا کا ثبوت اس آیت سے جب ہو سکتا ہے کہ یا تو خود جناب علام الغیوب نے پہلے ہی سے یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ بعد مرور تیس شب کے حضرت موسی علیہ السلام کو توراۃ عطا کریں گے اور جبتک ہرگز چالیس رات کی تاخیر کا دھیان تھا اتفاق سے کسی مصلحت تازہ کے باعث ارادہ سابق سے پلٹ گئے اور تیس رات کے بعد عطا فرمائی یا جناب باری عالم الغیب الشہادت کے علم و ارادہ میں تو یہی تھا کہ بعد انقضائے مدت چہل شب عطاء توراۃ حضرت موسی مشرف ہوں مگر عمداً حضرت ہی علیہ السلام کو تیس شب کے بعد توراۃ کے عطا ہونے کی خبر دی حضرت موسی علیہ السلام باعتماد صدق خبر خداوندی یہی سمجھتے رہے کہ لا جرم بعد مرور تیس شب کے توراۃ عطا کی مگر چونکہ مد نظر خداوندی کچھ اور تھا توراۃ کی بات بعد چالیس رات پر جا پڑی اس صورت میں گو صفت خداوندی اور ارادہ عیب و نقصان سے منزہ رہے پر کلام خداوندی میں دروغ کا بٹا لگا **اقول** جو کچھ تو نے بیان کیا ہے پہلے قول میں نتیجہ اُسکا یہ نہیں ہے کہ جو تو اب بیان کرتا ہے اور ثبوت بدا کا اس آیت سے تو ہم برابر لکھتے چلے آتے ہیں اور خدا تعالی نے البتہ یہ مقرر کر رکھا تھا کہ بعد گزرنے تیس شب کے موسی کو ہم توریت دینگے اگر اُسکی شرط کو وہ بجا لایا اور اسی واسطے وعدہ کیا تھا لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ موسی اُسکی شرط کو بجا نہ لائیگا اور جب شرط کو بجا نہ لائیگا تو ہم دس روز تیس روز پر زیادہ کرکے چالیس روز کر دینگے اور البتہ چالیس شب کا پہلے ہی سے اُسکو دھیان ہی تھا اور تازہ مصلحت کوئی نہیں سوجھی تھی کہ وہ عالم الغیب ہے اور ہر امر کو ازل سے ابد تک جانتا ہے اور پہلے سے نہ جاننے کا اور تازی مصلحت کے سوجھنے کا اعتقاد ہمارے نزدیک کفر ہے اور بدا ہمارے نزدیک جسکو کہ ہم خدا پر روا رکھتے ہیں یہ نہیں ہے کہ جس میں خدا کا جاہل ہونا لازم آئے اور جناب باری کے علم اور ارادہ میں یہ تھا کہ بعد انقضاء مدت چہل شب کے حضرت موسی کو توراۃ عطا کرینگے جسوقت کہ وہ تیس شب کی شرط کو بجا نہ لائیگا اور عمداً حضرت موسی کو تیس شب کے بعد دینے کی البتہ خبر دی جسوقت کہ وہ اسکی شرط کو بجا لاوے اور یہ جھوٹ نہیں ہے اور نہ جھوٹ کا بٹا اُسکو لگا ہے چنانچہ ہم مدارج النبوت عبد الحق دہلوی سے لکھ چکے ہیں کہ اگر خدا تعالی وقت معین کا وعدہ کرے اور اُسکا ایفا نکرے تو اُسکے صدق وعدہ میں شک اور تردد نہیں ہو سکتا ہو سکتا ہے کہ وقوع وعدہ اسباب اور شروط پر معلق ہو کہ جو اُسکے علم میں ہے اور اُسکی ذات پر واجب نہیں ہے کہ بندہ کو اُن اسباب اور شروط سے مطلع کرے اور اگر یہی دروغ ہے کہ جو تو کہتا ہے ایسا تو خدا تعالی نے بہت سا فرمایا ہے کہ چاہئے کہ تیری نزدیک خدا تعالی جھوٹ بولا ہوا اور ابھی ہم حیوۃ الحیوان دمیری شافعی سے لکھ چکے ہیں کہ خدا تعالی نے طائر سے کہا کہ جو شخص تیری بچہ لیجاتا ہے اُسکو میں ہلاک کرونگا اور خدا نے اُسکو ہلاک نکیا اور روضۃ العلما سے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے باطلاع خدا تعالی حواریین سے کہا کہ یہ دھوبی اسی ساعت مریگا اور وہ نہ مرا اور درمنثور میں کعب سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ عادل تھا اُس زمانہ کے پیغمبر کو خدا تعالی نے وحی کی کہ اُس بادشاہ سے کہہ کہ تین روز میں تو مرنیوالا ہے اور وہ نہ مرا اور بستان المحدثین میں مولوی عبد العزیز صاحب نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں دو بادشاہ تھے کہ وہ دونوں آپس میں بھائی تھے اور ایک تو عادل تھا اور دوسرا ظالم تھا اور اُس زمانہ کا جو

بعد تیس کے چالیس رات ہے

پیغمبر تھا اُسکو خدا تعالی نے وحی کی کہ اس عادل کے عمر میں تین برس باقی رہے ہیں اور اس ظالم کی عمر میں سے تیس برس باقی رہی ہیں اور ایسا نہوا بلکہ جسکو خدا تعالی نے کہا تھا کہ تین برس میں مریگا وہ تو تیس برس میں مرا اور جسکو خدا تعالی نے کہا تھا کہ تیس برس میں مریگا وہ تین برس میں مرا اور اس طرح کی روایتیں اہل سنت کی کتابوں میں بہت ہیں اور اثبات بدا میں ہم کئی جگہہ لکھ چکے ہیں اب تجھکو لازم ہے کہ تو خدا تعالی کو جھوٹا ٹھیرا کر دروغگوئی کا بٹا لگاوے **قال الشیخ الاشعری** یہ اسواسطے جتلایا کہ بعض محققان شیعہ پاس صفت علم وارادہ بدا کی تقریر کچھہ ایسی کرتے ہیں جس سے نقصان وعیب کچھہ ہوا جو اخبار تک رہی علم وارادہ تک نہ پہنچی پر جو لوگ خدا کی عظمت و جلال کو کسیقدر سمجھتے ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ خداوند عظیم الشان کے کوئی صفت کیوں نہو عیب و نقصان سے مبرا ہے محقق مذکور نے بزعم خود اچھی روش اختیار کی تھی اور صفت علم وارادہ کو بچا کر یوں خوش تھے کہ اہل سنت سے دامن چھڑا لیا پر یہ نسمجھے کہ صفتیں اگر منزہ رہیں تو کیا ہوا ایک ورصفت میں نقصان لازم آیا اور دروغگو را حافظہ نباشد **اقول** نہ شیعوں کے نزدیک نقصان صفت علم وارادہ خدا میں ہے اور نہ خبر کرنے میں اور بعض محققان شیعہ معلوم نہیں کسکو کہتا ہے اگر جانتا تھا تو نام اُسکا کیوں نہیں لکھا جھوٹ لکھنے سے کیا فائدہ جھوٹ کو کون تسلیم کرتا ہے اور جیسے کہ خدا تعالی کی تنزیہ شیعوں کے مذہب میں ہے ایسی کسی مذہب میں نہیں ہے [illegible] سب اُسکو پاک جانتے ہیں بخلاف اہل سنت کے کہ طرح طرح کے عیبوں سے خدا تعالی کو آلودہ کہتے ہیں اور معلوم نہیں محقق مذکور کون شخص ہے کوئی اہل سنت میں سے ہوگا [illegible] شیعوں میں تو ایسا کوئی شخص نہیں ہے اور اگر نظام الدین جیلانی کو کہتا ہے تو وہ تو ایک شخص مجہول ہے اُسکو تو کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے اور کس زمانہ میں تھا [illegible] اُسکا محقق ہونا اور جو کچھہ اعتقاد اُسکا تو نے لکھا ہے ایسی اعتقاد والی پر تو شیعہ لعنت کرتے ہیں ایسے اعتقاد والے کا شیعوں کے جواب میں ذکر کرنا بڑی حماقت کی بات ہے [illegible] یہی جو اکیلہ تو خدا تعالی کو جمیع عیوب سے پاک جانتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** بہرحال یہ دو صورتیں بدا کے ثبوت کی نہیں اور درصورتیکہ یہ دونوں صورتیں ہوں تو نہ حکم عقد اجارہ اور تعلیق شرط و جزا ہو تو اگر بوجہ عدم وقوع شرط جزا ظہور میں آئی اور بسبب ناپسندی عمل اجرت نملی تو اس میں خدا کی جانب کونسا قصور عائد ہوتا ہے بلکہ جو بدا کے ثبوت کی گنجائش ملی ہاں حضرت موسی علیہ السلام غلطی فہم کے باعث جس سے انبیاء معصوم نہیں ہیں معصوم نہیں اگر کچھہ کا کچھہ سمجھہ جائیں تو ہم تو نہیں کہہ سکتے یہ اُنکا قصور ہے مگر اسکو بدا سے کیا علاقہ ایسی بدا کی تو خود اہل سنت جو بدا کے بنایت منکر ہیں بکثرت قائل ہیں اختلاف ائمہ جو لا جرم ایک ایک کی غلط فہمی کو مستلزم ہے اُنکے نزدیک رحمت غلطی ہے **اقول** ان دو صورتوں سے کیا ہے بدا کو تو ہم برابر ثابت کرتے چلے آئے ہیں لیکن جس بدا کو تو ہماری طرف منسوب کرتا ہے اُس بدا کے ہم قائل نہیں ہیں اگر وہ بدا ثابت نہیں ہوتا تو نہو جو کہ ہمارے نزدیک ہے اور روایات اہل سنت بھی اس پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے اور یہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ بسبب عدم وقوع شرط جزا ظہور میں آئی اور پہلا حکم منسوخ ہوا اور اسی کو ہم بدا کہتے ہیں اور خدا کی طرف ہمیں ہمارے نزدیک کوئی قصور عائد نہیں ہے جیسا کہ ہم پہلے اس سے مفصل مدارج النبوت سے لکھ چکے اور بدا بہر نہج ثابت ہے اور حضرت موسی کا بھی کچھ قصور نہیں ہے اور نہ اُنکی کوئی غلط فہمی ہے دلیل حصول اُس امر کا ایک شرط پر موقوف تھا اور حضرت موسی اُس شرط سے آگاہ نہ تھے اور خدا تعالی پر اُس شرط سے مطلع کرنا واجب بھی نہ تھا اور نہ حضرت موسی کچھ کا کچھ سمجھے بلکہ جو کچھ خدا تعالی نے فرمایا تھا وہی سمجھے تھے اور انبیاء علیہم السلام تمہارے نزدیک غلط فہم ہیں ہمارے نزدیک نہیں ہیں اور اگر وہ غلط فہم ہوں تو خدا کی حکم کو غلطی سے امت پر کچھ کا کچھ پہنچا دیں اور جو کہ علم خدا میں غلطی ہے اُسکو نہ پہنچا سکیں اور بدا کی منکر اہل سنت اپنی تعصب اور عداوت سے ہیں نہ جو بدا کہ ہمارے نزدیک ہے اُسکو اہلسنت بھی قائل ہیں اور جس بدا کی اہلسنت منکر ہیں جسمیں غلطی خدا سے ہوئی ہو اور پہلے نہ سمجھا ہو اور بعد اُسکے سمجھکر پہلی رای کو بدل دیا اسلئے ہم بھی منکر ہیں اور یہ بدا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے اور اُسکے معتقد کو ہم کافر جانتے ہیں اور ائمہ علیہم السلام میں ہرگز اختلاف نہیں ہے اور اگر اختلاف ہے تو راویوں کے بیان کی جہت سے ہے نہ کہ وہ قصور اُنکی سمجھ کا ہے اور ائمہ کی غلط فہمی نہیں ہے اور ائمہ علیہم السلام تو معصوم ہیں اگر اُنکی روایتوں میں اختلاف ہو تو کچھ بعید نہیں ہے تمہارے یہاں تو آپ جناب رسولخدا کے اقوال میں اختلاف ہے اور یہ روایت تو تمہاری کتابوں میں موجود ہے کہ حضرت نے فرمایا اختلاف امتی رحمۃ یہاں تک کہ ایک کتاب تمہارے مذہب میں ہے کہ نام اُسکا اختلاف الامۃ رحمۃ للامۃ ہے **قال الشیخ الاشعری** بالجملہ بدا کی حقیقت یہ ہے کہ متکلم یعنی جناب باری خود غلط سمجھے جیسے متقدمین شیعہ کی رائے معلوم ہوتی ہے یا عمداً غلط کہدے جیسے بعضے محققین زمانہ تاویل کرتے ہیں نہ یہ کہ مخاطب یعنی انبیا یا علما وغیرہم اپنی قصور فہم سے کچھ کا کچھ سمجھ جائیں اسکو غلطی اجتہاد اور غلطی فہم اور قصور فہم کہتے ہیں بدا کو اس سے کچھ علاقہ نہیں ہاں کوئی قاصر الفہم اگر اسکو بدا سمجھ جاوے تو تا دم وضوح حق گو نہ معذور ہے گو ایسی باتوں میں عذر جہل مقبول نہیں اور بعد وضوح حق اور اتمام حجت پھر یہ قصور اعلی درجہ کا قصور ہے نعوذ باللہ من سوء الفہم **اقول** یہ بدا کہ جو تو نے لکھا ہے یہ ہمارے نزدیک باطل اور کفر ہے اور اسکے ہم ہرگز قائل نہیں اور جو بدا کہ ہمارے نزدیک ہے اُسکو ہم ثابت کرتے چلے آئے ہیں کہ جسمیں خدا تعالی کی غلطی کا وہم نہو اور متقدمین شیعہ کی ہرگز یہ رای نہیں ہے جو کہ تو کہتا ہے تو بالکل جھوٹ لکھتا ہے اور متقدمین کے اقوال کو اس مقدمہ میں ہم پہلے اس سے لکھ چکے کہ وہ اس بہتان سے بری مبرا ہیں اور متقدمین میں سے تو نے کسیکا قول بھی تو نہیں لکھا کہ اُنکی رای یہ ہے کہ اگر نظام الدین جیلانی مجہول الحال کا تو نے حوالہ دیا ہے کہ وہ یوں لکھتا ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ مولوی عماد الدین سنی لکھتے ہیں کہ یہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

اپنی طرف سے بنالیا ہو اور خدا کی طرف جو منسوب کرتے ہیں یہ غلط ہو اور تیرے یہ محققین یہ بھی کہتے ہیں کہ عمداً خدا جھوٹ کہہ دیو اور اسکی روایتیں بھی بہت سی اہل سنت کی کتابوں میں
لکھ چکے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ فلانا تین روز میں مریگا اور وہ نمرا اور فلانے کی عمر تیس برس کی ہوگی اور تیس برس کی عمر نہوئی بلکہ تین برس کی ہوئی اور تمہارے
مذہب میں جایز ہو کہ شارع جھوٹی خبر دیوے چنانچہ مولوی عبدالعلی نے شرح مسلم میں لکھا ہو خبر کے نسخ کرنے کے مقدمہ میں کہ جایز ہو کہ شارع حکم کرے ایک شے سے خبر دیکر
کہ وہ سچی ہو اور بعد اسکے کوئی مفسدہ اسکو عارض ہو اور دروغگوئی کی مصلحت ہو تو اسکی نقیض یعنی دروغ سے خبر دے سکتا ہو اور راست کو دروغ سے منسوخ کرسکتا اور عبارت
اُس کتاب کی یہ ہو بل یجوزان یامر الشارع بالاخبار عن شیٔ وھو صدق ثم یعرضہ بعد حین مفسدۃ ویکون فی الکذب مصلحۃ غالیۃ فی قبحہ فیامر بالاخبار عن النقیض
او ر بعد اسکے لکھا ہو کہ والحنفیۃ قد صرحوا بجواز النسخ اور سواے اسکے اور انبیا بھی اپنے قصور فہم کے سبب سے تمہارے ہی نزدیک کچھ کا کچھ کہتے ہیں ہمارے نزدیک ہم تو اس
قول کو باطل جانتے ہیں اور نہ یہاں ہمارے نزدیک اجتہاد ہو اور نہ اسکو ہم بد کہتے ہیں ایسی بے سمجھی اور سوء فہمی کی گفتگو کیوں کرتا ہو اور بیوقت کی راگنی کسواسطے گاتا ہو اور نشہ
والوں کی سی باتیں کیوں کرتا ہو **قال الشیخ الاشعری** مگر ناظرین تقریر ہذا کو اسقدر یاد رہے کہ غلطی اجتہاد کی گنجایش اگر ہو تو ماسوا محکم اور عبارت النص سے ہو عبارت النص اور محکم
اہل فہم نہیں بہکتے جو اسمیں بھی خطا کرے وہ جاہل ہو عالم نہیں سو تلاوت کرنیوالے کلام اللہ کے خود جانتے ہیں کہ آیات فضائل صحابہ در باب فضیلت صحابہ محکم اور عبارۃ النص
ہیں کہ نہیں اور اگر کوئی اب بھی نہ سمجھے تو اسکو خدا سمجھے **اقول** کوئی اس بے سمجھ سے پوچھے کہ یہاں اجتہاد کا اور انبیا اور علما کی غلطی کا کیا ذکر ہو اور انبیا کی غلطی کون کہتا ہے
اور ہم تو انبیا کی غلطی کے قائل ہی نہیں ہیں اور محکم اور متشابہ کو تم کیا جانو کہ تمہارے پیرو مرشد تو سب جہلا تھے ابوحنیفہ کوفی جنکے تم پیروی کرتے ہو انکا حال سننا چاہیے کہ امام غزالی
منخول میں کہتے ہیں اما ابوحنیفۃ فقد قلب الشریعۃ یعنی ابوحنیفہ نے شریعت کو ملٹ دیا اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ فانی اقطع بخطائہ فی تسعۃ اعشار مذہبہ
یعنی میں یقین کرتا ہوں اُسکی خطا کا نو عشر مذہب اُسکے میں اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ولھذا اشتد المطعن واللعن من سلف الائمۃ فیہ یعنی اور اسیواسطے سخت ہو طعن اور
لعن ائمہ سلف کا اُسکے حق میں اور بعضی بے انصافوں نے اُس مانکی جو مذمت ابوحنیفہ کی منخول میں دیکھی تو انکار کیا کہ منخول تصنیف امام غزالی کی نہیں ہے اور حال یہ ہے
کہ ابن خلکان تاریخ وفیات الاعیان میں اور ابن عسقلانی درر کامنہ میں اور مولوی جامی نفحات الانس میں اور امام یافعی مراۃ الجنان میں اور سواے اسکے اکثر علما
لکھتے ہیں یہ منخول تصنیف امام غزالی کی ہو اور تاریخ بغداد میں تو عجیب غریب اقوال ابوحنیفہ کے لکھے ہیں کہ ایمان ابوبکر کا اور ابلیس کا ایک تھا اور کہا کہ اگر کوئی اس جوتے کی عبادت
کرے تو خدا سے اسکو تقرب حاصل ہوگا اور کہا کہ کعبہ اگرچہ حق ہو لیکن معلوم نہیں کہ جو مکہ میں ہے یہی ہو یا نہیں اور گواہی دیتا ہوں میں کہ محمد صلعم پیغمبر ہے لیکن معلوم نہیں
جسکی قبر مدینہ میں ہے وہی ہو یا نہیں اور ابوحنیفہ سے دو مرتبہ زندقیت سے توبہ کرائی گئی ہو اور کفر سے کئی مرتبہ اور ابوحنیفہ دجال ہو اور ایسی مضر تر مولود کوئی پیدا نہیں ہوئی
جیسا کہ ابوحنیفہ تھا اور غنیۃ الطالبین میں پیر دستگیر نے حنفیوں کو اہل نار میں سے لکھا ہو اور دہلی کی چاندنی چوک میں ایک شخص مولوی نذیر حسین صاحب کے معتقدین میں سے دو تین سو
آدمیوں کے روبرو وعظ کہتا تھا اور کہتا تھا کہ ابوحنیفہ گمراہ تھا اور جو کوئی اُسکی پیروی کرے وہ بھی گمراہ ہو یہ حال ہو تمہارے بزرگوں کا تم محکم اور عبارت النص کو کیا جانو کہ جسکی تم تقلید کرتے ہو
وہ بھی بہکتا تھا اور اُسکو کچھ فہم نہ تھا سوا ابوحنیفہ جہلا میں سے تھا اور عالم نہ تھا اور آیات فضائل صحابہ اگرچہ محکم ہوں لیکن اُنکی مذمت کی آیتیں اور یہ کہنا کہ اگر کوئی تم میں سے مرتد ہو جائیگا تو
وہ ناری ہو یہ بھی محکم ہو اور اگر کوئی اب بھی نہ سمجھے تو اسکو خدا سمجھے **قال الشیخ الاشعری** یہ نقل مشہور ہے جیسے کو تیسا ایسے نادانوں کا یہ علاج ہو کہ یوں کہا جاے ثلثین لیلۃ یا مفعول ہے
چنانچہ ظاہر ہو یا مفعول فیہ اگر مفعول بہ ہو تو قدر موعود تو وہی تیس راتیں تھیں اور مطلب یہ تھا کہ تم طور پر آنا ہم اپنا ایک خاص کام یعنی تیس رات کی عبادت جو اہل عقل کے نزدیک اس سے
بڑھکر کوئی نعمت نہیں تم سے لینگے سو اس وعدہ کو پورا فرمایا اور پھر بمقتضاے کرم خداوندی دس ان کا اور اضافہ فرمایا سو از قبیل لدینا مزید ہو اور اُس نعمت اول کو اسکی کون سمجھنا چاہیے
جب عوام امت محمدی کو نو نوگنی اصل سے روکن ملتی ہو اگر حضرت موسیٰ کو ایک تہائی روکن ملگئی تو شیعوں کو اتنا برا کیوں معلوم ہوتا ہو اس صورت میں تورات کو اس وعدہ سے کچھ علاقہ نہیں
یا تو وہ از قسم وعدہ وعید ہی نہو بلکہ از قبیل لدینا مزید ہو یا موعود تو ہو پر بالاستقلال موعود ہو تیس رات کی محنت کا بطور تعلیق و شروط سود نہو بالجملہ آیت سے اس صورت میں اگر ثابت
ہوگا تو تیس رات کی عبادت کا موعود ہونا ثابت ہوگا تورات کا موعود ہونا جسپر مدار کار اثبات بدا تھا ہرگز ثابت نہوگا اور اگر مفعول فیہ ہو تو یہ معنی ہونگے کہ تیس راتوں تک
وعدہ ہوتا رہا باقی رہا موعود کیا تھا اسکے بیان سے یہ آیت ساکت ہے اگر موعود عطا تورات تھا تب کچھ نقصان نہیں اور اگر امر دیگر تھا تب کچھ خلجان نہیں اول تیس رات تک یہ بشارت
آتی رہی جب باین لحاظ کہ ایک مہینے کی مقدار عرف میں آدمیوں میں ایک مقدار کثیر ہے اسی سبب سے اکثر معاملات اجرت اُسپر منعقد ہوتے ہیں اسقدر بشارت سے تسلی ہوگی تب مزید
اطمینان کے لئے پورا چلہ کیا اور اسیواسطے ایکبار ہی واعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ کہکر خاتمہ نکردیا بلکہ ثلثین لیلۃ کہکر واتممناھا بعشر فرمایا بہر حال مطلب یہ ہے کہ دونو صورتوں
میں یہ نہیں کہ کسی امر کے لیے اول کچھ ایک مدت فرمائی پھر وقت پر اور مدت کام میں آئی ہو جو بدا کی نوبت آوے اور مذہب حق سے جاے گریز ہو چنانچہ ظاہر ہو مگر دیکھنے والونکو معلوم ہے

اگر یہ تقریر اخیر موافق مثل مشہور جواب ترکی بہ ترکی اہل جدل کی مقابلہ میں بطور مجادلہ لکھی گئی ہو ورنہ طالبان حق کے لئے یہی حق و باطل خود ظاہر ہے **اقول** نادان تو وہ ہے کہ قرآن کی تفسیر میں اپنی رای کو دخل دیتا ہے اور ایک بات مخالف مذہب اہل اسلام کے پیدا کرتا ہے اور جو کوئی بدا کو اس آیت سے ثابت کرتا ہے وہ اس تفسیر سے ثابت کرتا ہے جو کہ فریقین کے مفسرین نے اپنی تفسیروں میں لکھی ہے اور جناب رسول خدا صلعم سے منقول ہے اور سب تفسیروں میں بھی لکھا ہے کہ خدا تعالی نے حضرت موسی سے وعدہ توریت کے عطا کرنیکا بعد تیس شب کے کیا اور جب تیس شب گزر گئی تو موافق وعدہ کے توریت عطا نہ کی بلکہ دس روز اس پر اور زیادہ کئے اور ہم احتمال عقلی نکالکر نہیں کہتے ہیں بلکہ موافق تفسیر منقول کے کہتے ہیں اور اکثر آیتیں قرآن کی مجمل ہیں لیکن تفصیل انکی شارع کے بیان پر موقوف ہے اور احتمال تو ہر ایک آیت سے طرح طرح کا نکلتا ہے اور اسیواسطے مسلمانوں میں کئی فرقے ہو گئے ہیں اور ہر ایک فرقہ اپنے مذہب کے موافق احتمال نکالتا ہے اور جو تفسیر کہ بالاتفاق سب مسلمانوں میں منقول ہوئی ہے اسکے خلاف نہیں ہو سکتا اور جو کوئی کہ خلاف سب مسلمانوں کی راہ چلے وہ دین اسلام سے خارج ہے اور اگر ایسے ہی احتمالات غیر منقولہ پر عمل ہو تو اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ میں احتمال پیدا کرکے ان ارکان مخصوصہ سے بری ہو سکتا ہے کہ اسمیں کیفیت اور تفصیل نماز کی جس طرح سے کہ مسلمان عمل میں لاتے ہیں کہاں ہے اور ایسے ہی حال وآتوا الزکوۃ کا ہے اور اکثر آیات اسی قبیل سے ہیں پس گفتگو ہماری اس تفسیر کے موافق ہے جو کہ فریقین کی کتابوں میں ہے اور احتمالات کو یہاں کچھ دخل نہیں ہے اور اب ہمکو ہر فقرہ کے ذکر کی احتیاج بھی باقی نہ رہی کہ اس قول کی اصل ہی غیر مقبول ہے اور یہ مجادلہ ان شیخ کا بالکل باطل ہے اور حق کو ہم ابتدا سے ظاہر کرتے چلے آئے ہیں اور جو بدا کہ ہمارے نزدیک ہے اسکو ہم ثابت کرتے چلے آئے ہیں **قال الشیخ الاشعری** اب اسقدر ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ شیعہ بدا کے وقوع کے مدعی تھے اور یہ آیت بزعم خود انہوں نے دلیل دعوی سمجھ رکھی تھی اور یہ سب اہل فہم جانتے ہیں کہ مدعی کے لیے دلیل ایسی چاہئے جسمیں خلاف دعوی کے اسکے کوئی احتمال نہو اور جو کوئی احتمال خلاف دعوی اس دلیل سے سمجھ میں آتا ہو اور پھر وہ احتمال بھی ایسا کہ نسبت دعوی مدعی کے زیادہ چسپاں بلکہ عین مفہوم مطابقی ہو پیدا ہو نہ اور دلائل اسکی ثبت ہوں اور دعوی مدعی کو رد کرتے ہیں تو اہل فضل پھر ہرگز اس دعوی کو قبول نہ کرینگے اور جب یہ نہیں ہے بلکہ حق اسی دوسرے ہی احتمال کو سمجھینگے سو یہاں بعینہ یہی صورت ہے چنانچہ اہل فہم پر پوشیدہ نرہیگی **اقول** شیعہ البتہ بدا کا دعوی تو کرتے ہیں جو بدا کہ انکے نزدیک ہے وہ بدا خود شیعوں کی طرف سے ثابت کیا ہے اور بدا کے اثبات کے لیے آیت یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ الخ سے نہ یہی آیت اور یہ آیت بھی اسکی تائید کے لیے کسی نے ذکر کی ہوگی موافق تفسیر فریقین کے اور دلیل تو اس دعوی کی بڑی کامل ہے کہ جو شیعہ و سنی کی تفسیر میں مرقوم ہے اور جناب رسول خدا صلعم سے منقول ہے پھر احتمال کو یہاں کیا گنجائش ہے کہ وہ احتمال ہی باطل ہے اور بہت سے آدمی خلاف حکم رسول خدا صلعم کے احتمال پیدا کرکے مرتد ہو گئے ہیں ان احتمالوں ہی کے لئے تو اس امت کے تہتر فرقے کر دیئے ہیں ہاں اگر شارع سے اس آیت کی اور کوئی تفسیر منقول ہوتی اور ہم نے مدعی کے اثبات کے واسطے اس آیت سے استدلال کیا ہوتا تو ہمارے مدعی کی مخالف کوئی احتمال آیت سے اگر پیدا ہوتا تو ہماری دلیل کا مقابلہ کر سکتا تھا اور جب شارع ہی سے ایک امر منقول ہے تو پھر احتمال نے کیا معنی کیسا ہی چسپاں احتمال ہو اور ایسی دلیل کہ مدعی کی دعوی کو رد کرے وہ تو ابتک نظر میں نہیں آئی اور جس چیز کے ابطال میں کوئی دلیل بیان کی ہے اسکے مدعی ہی نہیں ہیں دعوی کسی چیز کا اور جواب کسی چیز کا اور جسوقت کہ دعوی ایک امر منقول پر مبنی ہو اور احتمال کو خلاف اسکے کسی کی رای نے تجویز کیا تو اہل عقل و اہل ایمان کے نزدیک اس صورت میں وہ دعوی ہی معتبر ہوگا اور وہ احتمال باطل ہوگا چنانچہ اہل فہم پر پوشیدہ نہیں **قال الشیخ الاشعری** جب بدا کی ابطال سے بفضلہ تعالی فراغت پائی تو ہم اپنی طاقت کے موافق انکی عذر کا جواب دیتے ہیں جو خلفا ثلاثہ اور باقی مہاجرین و انصار کی بزرگی کے باب میں ہے کہ کلام اللہ میں انکی بزرگیاں مذکور ہیں اور انکے لیے بڑے بڑے وعدے کئے ہیں اس عذر سے قائل نہیں ہوتے ہیں کہ شاید خدا کو بدا واقع ہوا ہو اور یہ سارے وعدے اور سب انکی تعریفیں غلطی سے اول ظہور میں آئی ہوں اور پھر بعد میں حقیقت حال صحابہ کی جناب باری تعالی کو معلوم ہوئی ہو اور بروے انصاف یہ بھی واجب نہیں کہ ائمہ کے اقوال سے انکی تسلی کر دیں **اقول** جو بدا کہ ہمارے نزدیک ہے اسکے ابطال کی کوئی بھی دلیل بیان نہیں کی البتہ بدای لغوی کے رد میں کچھ بیان کیا ہے سو اسکو ہم بھی باطل جانتے ہیں اور مہاجرین و انصار کی بزرگی مجملاً البتہ قرآن سے ثابت ہے اسکا انکار ہمکو نہیں ہے لیکن خدا تعالی نے اگر انکی تعریف کی ہے تو یہ بھی قرآن میں انکے حق میں فرمایا ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ اے وہ لوگو کہ ایمان لائے ہو جو کوئی مرتد ہو جاوے تم میں سے دین سے اپنے اور فرمایا مہاجرین و انصار کی طرف خطاب کر کے وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ اور سوا اسکے ایسی اور بھی آیتیں ہیں اب ہم تمیز کہ کون انمیں سے مرتد ہو گیا ہے اور کون مرتد نہیں ہوا ہے اور جو کوئی مرتد ہو گیا ہے اسکو اس فضیلت سے خارج سمجھیں گے انکے افعال نا شایستہ کی جہت سے اور بدا کو اسمیں کیا دخل ہے اگر وہ مرتد ہوئے تو اپنے افعال بد کی جہت سے ہوئے اور خدا سے اسمیں غلطی کیوں ہوئی تھی خدا تعالی نے کسیکا نام لیکر تو تعریف کی ہی نہیں ہے بے مجملاً تعریف اور وعدۂ مغفرت کیا ہے اور یہ بھی کہدیا ہے کہ جو کوئی تم میں سے مرتد ہو جاوے گا تو دوزخ میں رہیگا لیکن خدا تعالی اپنے علم ازلی سے جانتا تھا کہ کون کون تم میں سے مرتد ہوگا اسیواسطے اس نے مجملاً تعریف کی ہے اور غلطی اس سے نہیں ہوئی ہے اور خدا تعالی قرآن میں جا بجا مومنوں کی تعریف کرتا ہے اور وعدہ جنت اور مغفرت اور رضامندی کا

بیان کرتا ہی اور اہلسنت کی کتابوں میں لکھا ہی کہ بہت سے مومنین مرتد ہو گئے تھے اور مولوی عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں لکھا ہی کہ بعد رسولخدا صلعم کے کئی قومیں مرتد ہو گئی تھیں اور ان قوموں کے نام بھی لکھی ہیں کیا اُنکے حق میں بھی بداہی واقع ہوا ہی کہ خداتعالی نی پہلے تو اُنکی تعریف کی غلطی سی اور بعد میں حقیقۃ الامر اُنکی معلوم ہوئی ہو جو یہاں کہو گے وہی سب جگہ کہنا چاہئی جسوقت خداتعالی مومنین کی تعریف کرتا تھا اسوقت جانتا تھا کہ نہیں کہ بعضے انمیں سے مرتد ہو جائینگے اگر نہیں جانتا تھا تو جہل لازم آیا اور اگر جانتا تھا تو کیا وجہ ہی انکی تعریف کرنیکی اور جسکی خدا تعریف کری اور وعدہ جنت و مغفرت کری وہ مرتد بھی ہو سکتا ہی جو تم جواب یہاں دوگے وہی جواب ہمارا مہاجرین و انصار کے باب میں ہی **قال الشیخ الاشعری** اور اگر ہم اسپر بھی خاک ڈالیں تو یہ بات کیونکر سنی جائی کہ ائمہ کو ماکان و مایکون کا علم تھا اسلئے اگر انکی اقوال سی خلفاء یا اصحاب کی بزرگی ثابت ہو جائی تو پھر کوئی شبہ باقی نرہیگا سبحان اللہ خدا کے کہی سے تو تسلی نہو اور اماموں کے فرمانے پر قرار آجائی اول تو صدہا آیات اسبات پر دلالت کرتی ہیں کہ سوای جناب باری تعالی کے کسیکو علم غیب نہیں ہاں برائے تسکین دو تین آیتیں لکھتی ہیں مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا یعنی نہیں جانتا کوئی کہ کل کو کیا کریگا اس آیت میں کسیکا استثنا نہیں سب کو امام ہو یا غیر امام برابر فرماتے ہیں کہ کل کی خبر نہیں کہتی قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ کہدے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ نہیں جانتے زمین و آسمان والے غیب کو مگر خدا جانتا ہی دوسرے اس صورت میں خدا کے علم میں و ائمہ کے علم میں مساوات لازم آئیگی حالانکہ جناب باری تعالی سورہ یوسف میں ارشاد فرماتے ہیں وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ یعنی ہر علم والے سی اوپر ایک علم والا ہی اور اگر کوئی یوں کہی کہ اگر اس آیت سے استدلال کرتے ہو تو اس آیت سے یوں معلوم ہوتا ہی کہ خدا سے بھی زیادہ کوئی علم والا ہو کیونکہ اس آیت میں کلیۃ فرما دیا ہی خدا اور غیر خدا کی تخصیص نہیں کی تو یہ بات اول تو اہل فہم کے نزدیک قابل جواب نہیں اور جواب کے قابل بھی ہی تو اس جواب کی کیا ضرورت یا او ... جائے بریں فہم و دانش بباید گریست - کون نہیں جانتا کہ ایسی مقامات میں جناب باریتعالی باستثناء عقلی مستثنے ہوا کرتا ہی اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کسی نادان کو بھی آج تک ... نہیں پڑا کہ جب اللہ ہر چیز پر قادر ہوا تو اپنے معدوم کر دینے یا اپنے شریک کے پیدا کرنے پر بھی قادر ہوگا اتنا ہر کوئی سمجھ لیتا ہی کہ انبیاء اور اماموں کے پیدا کرنے اور معدوم کر دینے پر ... وہ ہے ایسے ہی وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ سے جاہل سا جاہل بھی نہیں سمجھ سکتا کہ خدا سے بھی کوئی زیادہ عالم ہوگا پھر اگر کوئی اس قسم کی گفتگو کری بجز تعصب اور ہٹ دھرمی کے اور کچھ نہیں کہا جاتا علاوہ ذی علم کے لفظ میں ایک اشارہ لطیف اسبات کے جواب کیطرف بھی ہی جیسے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ میں جو لفظ شی ہی اسمیں ایک اشارہ لطیف خدشہ مذکورہ کے جواب کی طرف ہی بیان اسکا یہ ہی کہ ذی علم اور علیم ہر چند بظاہر دونو لفظ ہم معنی ہیں لیکن ذی علم میں ایک گونہ اتنی بات نکلتی ہی کہ غیر ذات ہے کیونکہ اضافۃ بالاتفاق تغائر پر دلالت کرتی ہی بخلاف علیم کے کہ اسمیں یہ بات نہیں سو چونکہ خدا کا علم غیر ذات نہیں بالاجماع خصوصاً شیعہ کے نزدیک تو اسکو ذی علم کہنا مناسب نہیں بلکہ علیم کہنا چاہئے جیسے کہ شی اسی کہنا چاہئی جو مشیت کے تلے داخل ہو اور ذات خداوندی مشیت کے تلے داخل نہیں بلکہ معاملہ بالعکس ہے القصہ جیسے خداوند کریم مشیت کے تلے داخل نہیں ہے جو اشیاء میں معدود ہو اور قدرت کے تصرفات اس پر چل سکیں ایسے ہی خداوند کریم ذی علم میں داخل ہی نہیں جو اس سے اوپر کوئی علیم ہوگا **اقول** مولوی عبدالرحمن جامی کی گور پر جاکر فریاد کرو اور کہو کہ آپنے شواہد النبوت میں کیوں لکھا ہی کہ ائمہ کو علم ماکان و مایکون تھا ہم سی یہ سنا نہیں جاتا اور کچھ ہم ہی تو اسمیں منفرد نہیں ہیں چنانچہ شواہد النبوت میں حضرت صادق علیہ السلام سی روایت کی ہی کہ انہ قال عندنا علم ماکان و مایکون لیکن تو اسکو سمجھا ہی نہیں ہی کہ مراد اس سے کیا ہی مراد اس سے یہ نہیں ہی کہ انکو گذشتہ اور آیندہ کا او ... کا علم بالفعل حاصل تھا جیسا کہ خدا کو ہی بلکہ مراد اس سے یہ ہی کہ متمکن تھے وہ ہر چیز کے علم پر کہ جس چیز کا علم حاصل کرنا انکو مطلوب ہوتا تھا تو خداتعالی انکو بتا دیتا تھا اور الہام کرتا تھا اور ایک باب کافی میں اسی ذکر کا ہی اور احادیث مستفیضہ میں وارد ہوا ہی ان الامام اذا شاء ان یعلم اُعْلِمَ یعنی امام جسوقت چاہی یہ کہ جانے تو بتلایا جاتا ہی اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اذا اراد الامام ان یعلم شیئاً اعلمہ اللہ ذلک یعنی جسوقت ارادہ کری امام یہ کہ جانے کسی چیز کو تو بتلا دیتا ہی اسکو خدا اُس چیز کو یہی مراد علم ماکان و مایکون سی نہ یہ کہ امام کو بدون آگاہ کرنے خدا کے کچھ معلوم ہو اور یا یہ کہ جو کچھ انکو جناب رسولخدا صلعم کی سینہ بسینہ پہنچا تھا وہ جانتے تھے اور امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہی کہ یبسط لنا العلم فنعلم و یقبض عنا فلا نعلم یعنی جسوقت علم کو واسطے ہمارے منبسط کرتے ہیں تو ہم جانتے ہیں اور جسوقت منقبض کرتے ہیں تو ہم نہیں جان سکتے اور ابو بصیر اور داؤد وغیرہ کئی شخص حضرت صادق علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھے تھے حضرت صادق خشمگین اور غضبناک برآمد ہوئی اور فرمایا کہ یا عجباً لاقوام یزعمون انا نعلم الغیب ما یعلم الغیب الا اللہ عزوجل لقد هممت بضرب جاریتی فلانة فهربت منی فما علمت فی ای بیوت الدار هی یعنی تعجب ہے واسطے لوگوں کے کہ گمان کرتے ہیں وہ کہ ہم علم غیب کو جانتے ہیں نہیں جانتا ہی غیب کو سوائے خداتعالی کی تحقیق میں نے قصد کیا کہ فلانی کنیز اپنی کو ماروں تو وہ بھاگ گئی میرے پاس سے پس میں نے نہ جانا کہ وہ گھر کی کونسی کوٹھری میں ہے اور جو کچھ ائمہ کسی بات کو جانتے تھے اور دوسرا کوئی نہیں جانتا تھا تو وہ علم غیب نہیں ہے بلکہ ایک شخص کا بتلایا ہوا ہی اور غیب وہ ہی کہ جو بدون تعلیم کسی کی جانے چنانچہ امیر علیہ السلام نے ایک مرتبہ صفات قوم ترک سی خبر دی کہ اسکو کوئی نہیں جانتا تھا ایک شخص تھے حضرت کے اصحاب میں سے کہا کہ یا امیر المومنین آپکو علم غیب آتا ہی فرمایا کہ لیس هو بعلم غیب وانما هو تعلم من ذی علم یعنی نہیں ہی وہ علم غیب بلکہ وہ ایک خبر ہی صاحب علم کی

جناب رسول خدا صلعم نے تعلیم کیا ہے اور علم غیب علم ساعت ہے چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اور یہ کون کہتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام کے اقوال سے بزرگی خلفاء اور اصحاب کی ثابت ہو جاتی تو شبہ نہیں اور خدا کے کہے سے تسلی نہ ہو کیوں جھوٹ لکھتا ہے اور افترا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ نے جو بزرگی اصحاب کی قرآن میں لکھی ہے اسکا جواب اس سے پہلے قول میں ہم ابھی لکھ چکے ہیں اور امام جو فرماتے ہیں وہ بعینہ فرمودہ خدا ہے لیکن تجھ کو انکا قول مخالف فرمودہ خدا معلوم ہوتا ہے اور علم غیب کا تو ہم جواب دے چکے کہ بیشک غیب سوای خدا کے کوئی نہیں جانتا ہے نہ پیغمبر نہ امام اور نہ اور کوئی اور یہی مذہب ہمارا ہے اور امام جو کچھ جانتا ہے تعلیم خدا جانتا ہے اور یہ علم غیب نہیں ہے یہ تین آیتیں کس واسطے تو نے لکھیں ہم تو پہلے ہی لکھ چکے اور مساوات تو اُنکی اور خدا کی علم میں اُسوقت لازم آتی کہ جسوقت خدا کا سا علم انکو ہوتا وہ تو خود علم میں خدا کی محتاج ہیں اور جو کچھ بعد اسکے لکھا ہے وہ اصل بحث سے علاوہ اور خارج ہے اور جس امر کا جواب ضروری تھا اُسکو ہم لکھ چکے **قال الشیخ الاشعری** الحاصل علم میں کوئی خدا کا ہم پلہ نہیں جیسے وہ ذات میں یکتا ہے ویسے ہی صفات میں یکتا ہے نہ انبیاء اُسکے علم میں برابر ہیں نہ امام نہ ملائک جن نہ خواص عوام **اقول** ہمارا بھی یہی قول ہے اور کسیطرح کا اسمیں ہم فرق نہیں کرتے **قال الشیخ الاشعری** اس عقیدہ میں شیعوں کا بعینہ ایسا غلو ہے جیسا نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ کی بزرگی میں قدم حد سے بڑھ گیا ہے اور وہ تشبیہ جو سرور کائنات صلعم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عیسیٰ سے دی ہے اور یوں فرمایا ہے کہ تیری مثال ایسی ہے جیسے حضرت عیسیٰ کی مثال کہ ایک فرقہ اُنکی محبت میں ہلاک ہوا اور ایک اُنکی بغض میں وہ تشبیہ اور تمثیل سب بجا اور درست نکلی کہ خوارج نے جو بغض لیا تو روافض نے وہ محبت لی کہ جس سے حضرت امیر کو انبیاء سے تو بڑھایا ہی تھا خدا تک پہنچایا انہوں نے لدنیا مزید کا کام کیا رسول اللہ صلعم نے تو فقط حضرت امیر کی نسبت یہ فرمایا تھا حضرات شیعہ نے آپکے فرمانے کی ایسی تصدیق کی کہ کچھ اُس سے بھی بڑھکر دکھلا دیا خوارج سے تصدیق ہی جو انکی میں وہ کارگزاری نہیں بن پڑی تھی جو شیعہ سے بن پڑی القصہ خوارج سے حضرات ائمہ کے باب میں وہ تفریط نہیں ہوئی جو شیعوں سے افراط ہوئی اور کسی نے سچ کہا ہے دشمن دانا بہ از نادان دوست **اقول** اگر اہل سنت اپنے مذہب کی حفاظت کے واسطے جھوٹ نہ بولیں اور شیعوں پر افترا نہ کریں تو شیعوں پر کیونکر غالب ہوں کہ شیعوں کے مذہب میں تو کسی طرح کی قباحت نہیں ہے جیسا کہ اہل سنت کا مذہب عیبوں سے بھرا ہوا ہے جیسے تو بدالغوی کی تہمت کی تھی کہ جس سے شیعہ ہزاروں کوس بھاگتے ہیں اور اب یہ تہمت کی کہ شیعوں کے نزدیک ائمہ کو علم ماکان ومایکون کا ایسا ہی ہے جیسا کہ خدا کو ہے اور اسکا جواب تو ہم لکھ چکے کہ ہمارا یہ اعتقاد نہیں ہے اور اپنی خبر لیتا ہی نہیں ہے اپنے اولیا کی باب میں کیا اُس سے کچھ کم لکھتے ہیں تذکرۃ الاولیا اور نفحات الانس اور اخبار الاخیار وغیرہ کو دیکھنا چاہیے کہ ہر دم نبی اور خدا ہے سے معتقدین انکے اس سے بھی بڑھکر لکھتے ہیں اور جسوقت توجہ لیتے ہیں اور مراقبہ میں جاتے ہیں تو علم ماکان ومایکون سب واضح ہو جاتا ہے اور جناب رسول خدا صلعم نے جو حضرت علیؑ کی مقدمہ میں فرمایا ہے اور حضرت عیسیٰ کی مثال دی ہے خدا کے فضل و کرم سے شیعہ اُس سے پاک اور مبرا ہیں اور سب جانتے ہیں کہ مراد غلو سے یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام یا کسی اور امام کو خدا کے مرتبہ میں پہنچاوے یا صفات مخصوصہ خدا کو اُنمیں ثابت کرے اور شیعہ ایسے شخص کو کافر جانتے ہیں اور تفریط یہ ہے کہ اُنسے کوئی بغض رکھے اور اُنکے فضائل کی تنقیص کرے اور اہلسنت اگرچہ اُنسے بظاہر عداوت نہیں رکھتے لیکن اُنکے فضائل کی تنقیص کرتے ہیں اور اُنکے فضائل کی روایات کو تضعیف اور توضیع کرتے ہیں اور جہلا کو جنہیں کسیطرح کی فضیلت نہیں ہے اُنپر فضیلت دیتے ہیں یہ بھی ہم پلہ خوارج اور نواصب کے ہیں اور شیعہ تو انکو بندگان مختصہ خداوندی جانتے ہیں اور اُنکی محبت میں کسیطرح کا غلو نہیں کرتے بلکہ انکے مرتبہ پر کہتے ہیں اور علم میں یا اور کسی صفت مختصہ خداوندی میں خدا کی برابر انکو نہیں جانتے کجا خالق و کجا مخلوق اور نہ مرتبہ نبوت میں اُنکو جانتے ہیں کہ پیغمبر انکو ہم نہیں کہتے ہیں اور باقی رہا انکا انبیاء علیہم السلام سے افضل ہونا اسمیں اختلاف ہے اور جو لوگ کہ انکو انبیاء سے افضل کہتے ہیں انکے پاس بھی بہت سی دلیلیں ہیں بیوجہ نہیں کہتے ہیں اور اگر کسیکو تفصیل اسکی ملاحظہ کرنی منظور ہے تو حسام الاسلام جواب باب نبوت تحفہ اثناعشریہ کو دیکھے اور دو روایتوں پر میں اقتصار کرتا ہوں مودۃ القربیٰ اور مسند احمد حنبل اور فردوس الاخبار میں روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ یا علی انت خیر البشر اور مناقب ابن مردویہ میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے مہاجرین اور انصار کے روبرو فرمایا کہ اے علی اگر کوئی بندہ عبادت کرے خدا کی جیسی کہ حق اُسکا ہے اور پھر وہ شک کرے تیرے اور تیرے اہل بیت کے افضل الناس ہونے میں تو وہ آتش جہنم میں ہوگا چنانچہ لکھا ہے کہ عن جابر قال قال رسول اللہ صلعم یوما بحضرۃ المہاجرین والانصار یا علی لو ان احدا عبد اللہ حق عبادتہ ثم شک فیک و اہل بیتک انکم افضل الناس کان فی النار اور انبیاء علیہم السلام بشر اور ناس میں داخل ہیں اُنسے بھی افضل ہونگے اور مناوی نے فیض القدیر میں لکھا ہے کہ ترمذی ولایت کو نبوت پر فضیلت دیتا تھا اور مولوی روم اپنی مثنوی میں حضرت علیؑ کی مدح میں کہتے ہیں ع او خدو انداخت بر روی علی + افتخار ہر نبی و ہر ولی + اور اگر نائب کسیکا اپنے منیب سے افضل ہو ایسا تو نہیں ہو سکتا لیکن اگر نائب کسی افضل المخلوقات کا دوسرے نبیوں سے افضل ہو تو یہ کچھ قبیح نہیں ہے اور اس صورت میں اگر کوئی جناب رسول خدا صلعم کے نائب کو کہ وہ افضل المخلوقات کا نائب ہے اور انبیاء سے افضل کہے تو یہ غلو نہیں ہے اور بعد اسکے ہم خط کے جواب رد میں انشاء اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ لکھینگے اور نبوت کو حضرت علی میں ہم ہرگز نہیں کہتے اور نہ خدا کی علم کے برابر انکا علم جانتے ہیں لیکن علم حضرت علی کا اور انبیاء علیہم السلام کے علم سے زیادہ جانتے ہیں کہ حضرت علی کو علم جناب رسول خدا صلعم سے پہنچا تھا اور جناب رسول خدا صلعم کا علم اور انبیاء کی علم سے زیادہ تھا **قال الشیخ الاشعری**

اور اگر سلمنا ائمہ کو علم ماکان و ما یکون تھا بھی تب جو خدشہ کہ بوجہ بدا خدا کے فرمودہ میں تھا وہ بجائی خود رہیگا کیونکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ جو افضل الائمہ اور اعلم الائمہ ہیں یوں
فرماتے ہیں فی حدیث الکافی و امالی الصدوق عن امیر المومنین لولا آیۃ فی کتاب اللہ لاخبرتکم بما یکون الی یوم القیامۃ یرید بالآیۃ قولہ یمحو اللہ ما یشاء و یثبت
حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ کافی جو کلینی کی تصنیف ہے اور امالی جو شیخ صدوق کی کتاب ہے ان دونوں میں حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جسکا یہ ترجمہ ہے
آپنے فرمایا اگر ایک آیت یعنی یمحو اللہ ما یشاء نہوتی تو میں تمہیں جو کچھ قیامت تک ہونیوالا ہے سبکی خبر دیتا یہانتک حاصل روایت ہوا اب غور فرمائیے کہ جو دلیل انکی عالم ماکان او ما
یکون ہونیکی تھی وہی دلیل اسبات کی بھی ہے کہ انکا علم خدا کے علم سے بڑھکر نہیں باینہمہ جس وجہ سے خدا کا علم قابل اعتماد نتھا اسی وجہ سے ائمہ کے علوم بھی قابل
اطمینان نہیں خدا کے بدا سے وہ بھی تنگ تھے اور اپنی کسی علم پر بھروسا نکرتے تھے اس خیال سے شاید شیعوں کو تو یہ رنج ہو کہ ہمارا دین ہی ہاتھ سے چلا جب ائمہ کو اپنی علم
پر اعتماد نہو تو یہ دین جو انہیں کے علوم کا پرتو ہے کیا قابل اعتماد رہا **اقول** یہ روایت بھی ثبوت بدا میں ہے اور ہم پہلے اس سے بیان کر چکے کہ ائمہ علیہم السلام کا علم ماکان و مایکون
بسط سے نتھا کہ بالفعل انکو سب کچھ حاضر ہو بلکہ اسطرح سے تھا کہ جس چیز کا علم وہ چاہتے تھے خدا تعالی انکو تعلیم کر دیتا تھا اور اس روایت کا مطلب بنظر روایات دیگر یہ ہے کہ جناب
امیر علیہ السلام نے فرمایا امین بتعلیم خدا قیامت تک جو کچھ ہونیوالا ہے اسکی خبر دیتا اگر آیت مذکورہ یمحو اللہ ما یشاء نہوتی اسواسطے کہ خدا مجھکو ایک امر پر اطلاع بخشی اور اسکی نزدیک مقرر یہ ہو کہ
اس امر کو فلانے وقت اس کو محو کرکے دوسرا امر ثابت کرونگا تو جس امر کی مجھکو اطلاع بخشی تھی بعد محو کے وہ امر باقی نہ رہیگا اور علم ماکان اور
مایکون سے جو کچھ مراد ہے وہ تو ہم بتفصیل لکھ چکے اور یہ بھی لکھ چکے کہ ائمہ علیہم السلام کا علم خدا کے علم کے برابر نہیں ہے بلکہ ان کا علم اسی قدر ہے
بقدر کہ خدا سے ان کو پہنچا ہے اور خدا کے علم کے معتمد نہونے کی کون وجہ ہے وہ تو ازل سے ہر چیز کا عالم ہے اور جس وجہ سے تو خدا کے علم کو غیر معتمد کہتا ہے
اسکے ہم تیاں تنہیں میں جتنا یہ کہی مرتبہ ہم لکھ چکے ایسی وجہ کوئی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ خدا کا علم قابل اعتماد نہیں ہے جب خدا کا علم معتمد ہوا تو ائمہ کا علم بھی معتمد ہوا اور بدا
کے واقع ہونیکی اور علم پر ... انہوں نے کئی روایتیں اہل سنت کی کتابوں سے گزر گئی ہیں کہ خدا تعالی نے ایک امر کی خبر دی اور وہ نہوا خدا نے فرمایا کہ فلانا مر جائیگا اور وہ نہ مرا اور دین
کے متعلق میں انکا وہ ارشاد ہے کہ جو رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے اور اس میں بدا کی گنجایش نہیں ہے اسواسطے کہ خدا تعالی فرماتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اور جسکو خدا تعالی نے
کامل کیا اسمیں نقصان کسی طرح سے نہیں ہو سکتا کہ بعد اکمال کے اس میں سے کسی امر کو منسوخ کرے اور محو و اثبات ان امور میں ہے کہ آیندہ کو جو کچھ علم خدا میں ہے اور دین ہمارا
جو کچھ ہے اسکو کامل کرکے اس سے ہمکو آگاہ کر دیا ہے کہ کمی و زیادتی اس میں نہیں ہو سکتی بموجب ارشاد خدا کے اور جناب امیر نے تو امور آیندہ کے مقدمہ میں فرمایا ہے کہ لاخبرتکم
بما یکون الی یوم القیامۃ . اور دین تو جو کچھ تھا وہ تو پہلے ہی سے کامل ہو چکا تھا اور اس سے ہمکو مطلع کر دیا تھا کامل کرکے اسکے ہاتھ سے جانیکی کیا وجہ ہے اور مقدرات
الہی میں تغیر و تبدل ہونیکی روایتیں تمہاری کتابوں سے کئی مرتبہ میں لکھ چکا ہوں تمہاری مذہب کے موافق بھی بھروسا خدا کے فرمانیکا اور اعتماد اسکے علم پر باقی نرہا اور ہے
امور آیندہ میں سے کسی امر کی خبر دینی یہ تو تمنے اپنے اولیاء اللہ کے حال میں بھی اکثر لکھا ہے دیکھو تم اولیاء کے احوال کی کتابوں کو کیا کچھ لکھا ہے اور اگر ہم کوئی ایسا امر کسی
امام کے مقدمہ میں بیان کریں تو تمکو ناگوار اور مکروہ معلوم ہوتا ہے اور ہم پر طعن کرنے لگتے ہو دیکھو یہی روایت بعینہا کعب الاحبار کی تمہاری کتابوں میں موجود ہے چنانچہ
جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں لکھا ہے اخرج ابن جریر عن کعب رضی اللہ عنہ انہ قال لعمر رضی اللہ عنہما یا امیر المومنین لولا آیۃ فی کتاب اللہ لا
نبأتک بما ھو کائن الی یوم القیامۃ قال وما ھی قال قول اللہ یَمْحُو اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ سو اسیطرح حضرت علی نے فرمایا تھا انکے
فرمانے پر تو اعتراض ہے اور کعب کا کہنا مسلم ہے اور اس روایت سے ظاہر ہوا کہ مقدرات الہی میں کہ جنپر انبیا اور مقربین خدا کو اطلاع ہوتے ہی احتمال تغیر اور تبدیل و بدا کا باقی
رہتا ہے سو کعب تو آیندہ کی خبر دیوے اور اگر حضرت علی خبر دینے کا ذکر کریں تو ملعون ہوں کیا خوب انصاف ہے قربان جائیے ایسے انصاف کے **قال الشیخ الاشعری**
بڑی ہی خوشی ہے کہ اصحاب ثلثہ اور سوا انکے اور مہاجرین اور انصار کی برائیاں جو شیعہ حضرات ائمہ سے روایت کرتے ہیں قطع نظر اسکے کہ ان روایات کے راوی کذاب و مفتری
تھے چنانچہ کچھ بیان اسکا ہو چکا یوں بھی قابل اطمینان نرہے اور ماسوا اسکے اور جو کچھ انکی کتابوں میں خلاف مذہب اہل سنت حضرات ائمہ سے مروی ہے سب ساقط الاعتبار
ہو گیا **اقول** برائیاں بعضی صحابہ کی شیعہ اہل سنت کی کتابوں سے بیان کرتے ہیں اور جو کچھ ائمہ علیہم السلام سے بیان کرتے ہیں وہ بھی متفرع ہے جو اہل سنت کی کتابوں میں ہے اور ائمہ
علیہم السلام کی روایتوں پر وہ اقتصار نہیں کرتے ہیں اور وہ موافق تمہارے مذہب کے تو خدا پر اعتماد نہیں ہے کہ اسکے کلام میں تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے تمہاری روایتوں کے
موافق پس جو کچھ تمنے جناب رسولخدا صلعم سے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے اسپر کب اطمینان ہو سکتا ہے اور اسکا کیونکر اعتبار ہو جسوقت کہ خدا کے کلام میں تغیر ہوتا رہتا ہو پس جو کچھ تمہاری
کتابوں میں خلاف مذہب شیعہ جناب رسولخدا صلعم سے منقول ہے سب ساقط الاعتبار ہے اور راوی تو تمہاری دروغگو اور کاذب ہیں اور ہماری کتابوں کا کوئی راوی کاذب نہیں ہے

چنانچہ ہم لکھ چکے اور تیری قول کو باطل کر چکے **قال الشیخ الاشعری** باقی رہی یہ بات کہ اگر ہوا بھی ہوگا تو کہیں قدر قلیل ہوا ہوگا تو جواب اسکا یہ ہے کہ اعتبار کے اٹھ جانیکو
اتنا ہی بہت ہے انجیل اور توریت کونسی ساری کی ساری اول سے آخر تک بدل گئی تھیں دس پانچ جگہ کی تحریف نے سب کا اعتبار کھو دیا **اقول** بحمد اللہ ہمارا دین سب
میں جو اہل سنت کی کتابوں میں تغیر کی روایتیں لکھتی ہیں انہیں اگر کوئی یہ کہے کہ اگر تغیر ہوا ہوگا تو کہیں قدر قلیل ہوا ہوگا تو ہم بھی یہی کہتے ہیں اور جواب اسکا یہ ہے کہ اعتبار کے اٹھ
جانیکو اتنا ہی بہت ہے انجیل اور توریت کونسی ساری کی ساری اول سے آخر تک بدل گئیں تھیں دس پانچ جگہ کی تحریف نے سب کا اعتبار کھو دیا **قال الشیخ الاشعری** اور اگر کوئی
یہ فرق نکالے کہ کلام اللہ میں جو کچھ اصحاب کے فضائل نازل ہوئے ہیں یا خلفاء ثلثہ کی بزرگیوں کی طرف اشارہ ہے وہ سب قبل وفات اکثر اصحاب نازل ہوا تھا اور وفات سے پہلے آدمی کا
کچھ اعتبار نہیں ہاں خاتمہ کا اعتبار ہے سو خدا کی تشخیص میں غلطی کا احتمال ہے پر امیر المومنین یا اور ائمہ نے جو کچھ فرمایا ہوگا وہ سب بعد وفات کا قصہ ہے انمیں غلطی کا احتمال
نہیں اگر انہی کلام سے انکی بزرگی خاص کر اصحاب ثلثہ میں سے کسیکی ثابت ہو جائے تو پھر گنجائش انکار نہیں **اقول** کلام اللہ میں جو کچھ اصحاب کے فضائل بالاجمال نازل
ہوئے ہیں اُسکا ہمکو انکار نہیں ہے لیکن خلفاء ثلثہ کے فضائل کا بالتخصیص کلام اللہ میں کہیں اشارہ نہیں ہے اور فضائل اصحاب کے جو کچھ نازل ہوئے ہیں وہ بعضے اصحاب کی وفات
تو پیچھے نازل ہوئے ہیں اور اکثر اصحاب کے وفات سے پہلے اور یہ ہے وفات سے پہلے آدمی کا کچھ اعتبار نہیں ہے ہاں خاتمہ کا اعتبار ہے اور خدا تعالی کی تشخیص میں غلطی ہرگز نہیں ہے کہ خدا تعالی
نے کسیکا نام لیکر تو تعریف کی نہیں ہے مجمل گول گول تعریف کی ہے اور جنکی تعریف کی ہے انہی طرف خطاب کر کے یہ بھی فرما دیا ہے کہ یا ایہا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ الخ اور یا
کہ ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر سو ہم دیکھینگے کہ کون کون انمیں سے مرتد ہوا ہے اور جو کوئی مرتد ہو گیا ہے اسکو آیات فضائل سے مستثنی سمجھیں اور صحابہ تو کیا ملک جناب
رسول اللہ صلعم کو حق تعالی خطاب کر کے فرماتا ہے کہ لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخاسرین جب پیغمبر کے واسطے یہ ارشاد ہو تو صحابہ کس شمار میں ہیں اور کلام اللہ کے اکثر مقام مومنین کے
فضائل اور انکا جنتی ہونا ہے اور اہل سنت کی کتابوں سے ثابت ہے کہ بعد رسول اللہ صلعم کی اکثر صحابہ مومنین مرتد ہو گئے تھے اب کہتا ہوں میں کہ کیا خدا تعالی کی تشخیص میں
غلطی واقع ہوئی کہ جو ایسے لوگوں کی تعریف کی کہ جو مرتد ہو جائینگے کیا انکی ارتداد کی خدا تعالی کو خبر نہتی پس معلوم ہوا کہ اہل سنت کی نزدیک خدا تعالی کو آئندہ کا علم نہیں ہے
اور اگر ائمہ معصومین نے اصحاب ثلثہ کی یا اور کسیکی تعریف کی ہے تو ہمکو بھی اسکا انکار نہیں ہے اگر شبہ ہے تو جوانکا نام لیکر تعریف کی ہے **قال الشیخ الاشعری** اس میں ائمہ کی روایات
پیش نظر کرتا ہوں نہج البلاغت تصنیف علامہ رضی میں جسکی روایات شیعوں کے نزدیک متواترات میں سے ہیں یوں منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے
اُن سے اصحاب کا حال پوچھا جنکا انتقال ہو چکا تھا تو آپ نے انکے وہ اوصاف فرمائے کہ جو بڑے اولیاء سے ہو بھی نہیں سکتے وہ عبارت بلاغت آمیز بعینہ منقول ہے کانوا اذا ذکروا اللہ ھملت
اعینہم حتی تبل جیوبھم و مادوا کما یمید الشجر یوم الریح العاصف خوفا من العقاب و رجاء للثواب اور پھر دوسری دفعہ انکے حق میں فرمایا کان احب اللقاء الیہم لقاء اللہ وانہم
ینقلبون علی مثل الجمر من ذکر معادھم حاصل ان دونوں عبارتوں کا یہ ہے کہ اصحاب کا حال تھا کہ جب خدا کا ذکر کرتے تھے تو بکثرت بہتی تھیں آنکھیں انکی یہانتک کہ انکے جیب تر ہو جاتے تھے اور
خدا کے ڈر اور امید ثواب میں ایسے لرزتے اور جھومتے تھے جیسے درخت تیز ہوا سے اور سب میں زیادہ محبت انکو خدا کے ملنے کی تھی اور آخرت کو یاد کر کے ایسے بیچین ہو کر کروٹیں لیا
کرتے تھے جانو انگاروں پر لوٹتے ہیں اور حضرت امام سجاد کے صحیفہ کاملہ میں بڑی طویل دعا ہے جس میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور انکے لئے دعائے خیر مندرج
ہے منقول ہے ساری دعا کی نقل کی گنجائش نہیں فقط دو چار لفظ لکھے دیتا ہوں اللھم واصحاب محمد خاصۃ الذین احسنوا الصحابۃ ... آگے لکھتے ہیں فارقوا الازواج والاولاد
فی اظہار کلمتہ وقاتلوا الاباء والابناء فی تثبیت نبوتہ اسکے بعد میں فرماتے ہیں فلا تنس لھم اللھم ما ترکوا لک وفیک وارضھم من رضوانک اسکے بعد تابعین
تک نوبت پہنچائی اور انکے حق میں بھی اسی قسم کی دعائیں فرمائیں حاصل ان الفاظ کا یہ ہے کہ یا اللہ اور جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جنہوں نے خوب یاری کا حق
ادا کیا بیویوں اور اولاد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بول بالا کرنے کیلئے چھوڑ دیا اور باپوں اور بیٹوں سے انکی نبوت کے ثابت کرنے کیلئے لڑائی ہو تو الہی حق میں انکے جو جو انہوں نے
تیرے لیئے اور تیری سبب سے چھوڑ دیا اور راضی کر دے تو انکو اپنی رضامندی سے یہاں تک تھا الفاظ مذکورہ کا مضمون ہے ان روایات سے تو مطلق صحابہ کی تعریف اور بزرگی ثابت
ہوتی ہے **اقول** نہج البلاغہ سید رضی کی تالیف ہے کہ خطبے جناب امیر علیہ السلام کی انہوں نے کتب شیعہ و سنی سے نقل کر کے ملخص کئے ہیں اور تصنیف انکی نہیں ہے اور اگر انکی تصنیف
ہوتی تو علماء اہل سنت مثل تفتازانی اور قوشجی اور کازرونی وغیرہ کی اسکا اقرار کرتے کہ شقشقیہ کلام جناب امیر کا ہے ہاں حضرت علی نے تعریف جو اصحاب کبار کی لکھی ہے
اسکا انکار کسکو ہے بیشک وہ ایسے ہی تھے بلکہ زیادہ اس سے فضائل رکھتے تھے اور بعضے انمیں سے اولیاء کامل تھے ہاں ہمارے نزدیک یہ تعریف کرنی جناب امیر کی خدا تعالی کی تعریف
کرنے سے زیادہ نہیں ہے اور جیسے کہ خدا تعالی نے مجملاً تعریف صحابہ کی ہے ایسے ہی حضرت علی نے کی ہے مراد اس سے جمیع صحابہ نہیں ہیں کیونکہ بعضی انمیں سے مرتد بھی ہو گئے تھے اور بعضے
حضرت علی سے عداوت رکھتے تھے اور عداوت کی جہت سے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نکی اور حضرت علی کی طرف سے کینہ بھی اپنے سینوں میں رکھتے تھے چنانچہ ولی اللہ محدث

پدر مولوی عبد العزیز نے ازالۃ الخلفا میں لکھا ہے کہ جناب رسول خدا صلعم باغوں کی سیر کرتے تھے اور حضرت علی باغ کی تعریف کرتے تھے تو رسول خدا فرماتے تھے کہ اے علی تیرا باغ
جنت میں اس سے زیادہ اچھا ہے اور یہ فرما کر حضرت صلعم بہت روئے اور رونیکا سبب حضرت سے پوچھا تو فرمایا حضرت علی سے خطاب کرکے کہ ضغائن فی صدور قوم لا یبدونہا لک
حتی یفقدونی یعنی کینے لوگوں کے سینوں میں کہ ظاہر نہیں کرینگے وہ واسطے تیرے یہانتک کہ گم کریں مجھکو یعنی میں مرجاؤنگا تو وہ کینوں کو تیرے ظاہر کرینگے اور ابن
قتیبہ نے کتاب امامت و سیاست میں ایک خطبہ حضرت علی کا لکھا ہے اور اسمیں یہ فقرہ ہے کہ حضرت علی نے بیان کیا اللہم انی استعیذ بک علی قریش فانہم قطعوا رحمی
وصغروا عظیم منزلتی و فضلی واجمعوا علی منازعتی دیکھو اس میں سراسر شکایت ہے قریش کی خدا تعالی سے کہ انہوں نے مجھ سے قطع رحمی کی اور میری مرتبہ کو خفیف اور حقیر
سمجھا اور مجھ سے نزاع کرنیکو مجتمع اور متفق ہوئے ایسے لوگوں کی تعریف حضرت علی کاہیکو کرینگے بلکہ مراد اس سے صحابہ اخیار ہیں کل صحابہ اور ایسا ہی حضرت سجاد کی دعا سے
واضح ہوتا ہے اسواسطے کہ فرماتے ہیں وہ کہ احسنوا الصحبۃ جسکا ترجمہ کرنا ہے خوب ساتھ رہنیکا حق ادا کیا سو ایسا حق ادا کیا کہ کافروں کو پیغمبر خدا کی طرف ہو کر قتل کیا اگرچہ اپنا یگانہ ہی
یا خود انکے ہاتھوں سے مقتول ہوئے نہ خلفاء ثلثہ وغیرہم کہ انہوں نے تو ایسا حق صحبت ادا کیا کہ جناب رسول خدا صلعم کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے اور حضرت رسول خدا
پکارتے تھے کہ کہاں بھاگے جاتے ہو کیا خدا اور رسول سے بھاگتے ہو تو پھر کر دیکھتے بھی نہ تھے پس مراد وہ ہی صحابہ ہیں کہ جنہوں نے حق صحبت خوب ادا کیا اور مفارقت ازواج اور اولاد بھی
راہ خدا میں اسکی کلمہ ظاہر کرنیکے واسطے ان صحابہ اخیار ہی نے کی ہے جنہوں نے اپنی جانیں لڑائی ہیں وہ لوگ کہ جنہوں نے واسطے کسی غرض دنیا کی مفارقت کی ہے **قال**
الشیخ الاشعری اب بھی سنیے کہ جس سے خاص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہو رضی نے نہج البلاغہ میں جو شیعوں کے نزدیک مثل وحی آسمانی ہے روایت
کیا ہے عن امیر المومنین انہ قال للہ بلاد ابی بکر فلقد قوم الاود وداوی العمد اقام السنۃ وخلف البدعۃ ذہب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرہا وسبق شرہا
ادی الی اللہ طاعتہ واتقاہ بحقہ رحل وترکہم فی طرق متشعبۃ لا یہتدی فیہا الضال ولا یستیقن المہتدی حاصل سکا یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں
خدا ہی کے واسطے ہیں شہر ابوبکر کے یعنی ابوبکر میں خدا داد خوبیاں ہیں پس قسم ہے کہ انہوں نے سیدھا کر دیا کجی کو اور اصلاح کر دیا ستون کو اور قایم کیا سنت کو اور پس پشت ڈالا
بدعت کو پاک دامن بے عیب خوبی خلافت کی انکو نصیب ہوئی اور آگے چلے گئے خلافت کے فسادوں سے ادا کی انہوں نے خداوند کریم کی طاعت پرہیزگار رہے حق پرہیزگاری کا
چھوڑ گئے وہ لوگ مختلف رستوں میں حیران ہیں کہ نہ گمراہوں کو راہ ملی ہے اور نہ ہدایت والوں کو اپنی ہدایت کا یقین ہے یہانتک حاصل معنی خطبہ مرقوم ہوا **اقول** اس خطبہ میں ابوبکر کا
نام کہاں ہے جس سے فضیلت ابوبکر کی ثابت ہو مولوی عبد العزیز صاحب نے لفظ فلاں کی جگہ ابوبکر کا نام لکھدیا ہے اور انکی پیروی سے تونے لکھا ہے اصل خطبہ میں تو للہ بلاد فلاں ہے
نہ کہ للہ بلاد ابی بکر یہ تحریف مولوی صاحب موصوف کی ہے اور اگر ابوبکر ہی کو فرض کیجے تو بھی فضیلت دینی اس سے ثابت نہیں ہے بلکہ انتظام کی تعریف ہے اور اگر ایسی تعریف کسی کافر کی
کریں تو بھی ہو سکتا ہے جناب رسول خدا صلعم نوشیرواں کے عدل کی تعریف کیا کرتے تھے اور خدا تعالی قرآن میں نصاری کی تعریف کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ اور یہ جو لکھتا ہے کہ نہج البلاغہ شیعوں کے نزدیک وحی آسمانی ہے بالکل غلط کہتا ہے
اسواسطے کہ اکثر کتب و خطب اسکے مخالفین کی کتب سیر اور تواریخ سے منقول ہیں شیعہ اسکو مثل وحی آسمانی کے کیونکر سمجھیں گے اگر راست گو تھا تو شیعہ کی کسی کتاب کا حوالہ دیا ہوتا البتہ
مولف اسکا شیعہ ہے لیکن کل خطب اسکی شیعوں کی کتابوں سے منقول نہیں ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ خطبہ کتب اہل خلاف سے منقول ہو بلکہ بعد اسکے اسی کے قول سے ثابت ہو جائیگا کہ یہ خطبہ کتب
اہل سنت سے ماخوذ ہے اور ترجمہ جو اس نے خطبہ کا کیا ہے وہ بھی غلط ہے حضرت علی نے فرمایا کہ للہ بلاد فلان یہ محاورہ عرب کا ہے وقت مدح کی للہ بلادہ و للہ درہ کہا کرتے ہیں اور عام
مدح شعر میں کہا کرتے ہیں للہ درہ اگرچہ وہ شاعر جسکا وہ شعر ہے بد مذہب اور فاسد العقیدہ ہو اور اگر فلاں سے ابوبکر کو فرض کریں تو یہ معنی ہونگے للہ بلاد ابی بکر کے کہ واسطے خدا کی ہیں شہر ابوبکر
کہ خدا نے انکو پیدا کیا ہے اور یہ اسمیں کہاں ہے کہ ابوبکر میں خدا داد خوبیاں ہیں اور بعد اسکے لقد قوم الاود ہے اور قسم کے معنی اس نے اسمیں اپنی طرف سے گھڑے ہیں اور معنی اسکے یہ ہیں
کہ البتہ تحقیق راست کیا کجی کو سو یہ ابوبکر پر صادق نہیں آتا ہے اسواسطے کہ وہ خود فرماتے تھے ان لی شیطانا یعترینی فان زغت فقومونی یعنی تحقیق واسطے میری شیطان ہے کہ دبا لیتا
ہے مجھکو پس اگر کجی کروں میں تو پس سیدھا کرو تم مجھکو پس جو شخص کہ کجی پر ہو تو وہ دوروں کو کیا سیدھا کریگا ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند و وہ نہ کجی کو تو درست کر سکتے ہی تھے
بلکہ لوگوں سے فرمایش کرتے تھے اپنی کجی کی دور کرنے کو لوگوں کی کجی کیونکر راست کرتے اور اگر راست کرتے ہونگے تو اپنی ریاست کے انتظام کی کجی کو راست کرتے ہونگے اور دین کی کجی کا تو درست کرنا
تو انکی ذات سے ممکن ہی نہ تھا کہ اسکے واسطے علم چاہئے اور وہ علم سے بے بہرہ تھے اور حضرت خلیفہ ثانی تو فرماتے تھے کہ کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات فی الحجال اور بعد اسکے فرمایا
وداوی العمد اور معنی اسکے یہ ہیں کہ دوا کرتا تھا بیماری کو کہ جو ایک بیماری شتر میں ہوتی ہے اور مراد اس سے حسن سیاست ہے چنانچہ ابن اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے اور اس نے جو لکھا ہے اسکے
معنی میں کہ اصلاح کر دیا ستون کو یہ غلط ہے اور یہ معنی اسکے نہیں ہیں اور بعد اسکے فرمایا کہ واقام السنۃ یعنی اور قایم کیا سنت کو اور سنت بمعنی طریقہ ہے اور اگر مراد اس سے شعائر اسلام ہو

ایسا بھی وہ کرتی تہی کہ دین اور دنیا کو مخلوط کر رکھا تھا اور بظاہر شعائر اسلام کو بھی جاری رکھتی تہی تاکہ تالیف قلوب اہل اسلام ہوتی ہے اور اگر اسلام کے طریقہ کو بالکل ترک کرتے تو لوگوں کو کیونکر مطیع کرتے بلکہ لوگ انسے نفرت کرنے لگتے اور جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا تھا کہ ان اللہ لیؤید ہذا الدین بالرجل الفاجر اور اقام السنۃ کے کہنے سے حقیقت ثابت نہیں ہوتی ہے اور یہ مدح بالنسبت سے یعنی بہ نسبت عثمان کے کہ اُس نے سنت کو بالکل مٹا دیا تھا اور ابوبکر نے جیسی کہ بدعت اپنے بعد چھوڑی تھی ایسی ہی بعضی سنتوں کو بھی جاری کر رکھا تھا واسطے انتظام خلافت کے اور سبب یہ کہ بظاہر اسلام کے امور کو جاری رکھتی تہی ایسے ہی بدعتیں بھی جاری کرتے تہے چنانچہ فرماتے ہیں حضرت علی و خلف البدعۃ اور پیچھے چھوڑا بدعت کو کہ بعد اپنے بدعت چھوڑ گئے اور یہ صفت مذمت ہے سو انہوں نے دین کو اور دنیا کو دونوں کو واسطے انتظام کے مخلوط کیا تھا کہ بعضے امور دین بھی جاری رکھتے تہے اور اپنی رائے سے واسطے انتظام کے خلاف شرع بھی عمل میں لاتے تہے کسی نے حضرت علی سے پوچھا کہ یہ کیا کہ شیخین کے زمانہ میں تو انتظام خوب ہوا اور عثمان اور آپکے زمانہ میں انتظام نہوا فرمایا کہ شیخین نے دین کو دنیا سے خلط کیا اسواسطے انتظام خوب ہوا اور عثمان نے محض دنیا چاہی اور میں نے محض دین چاہا اسواسطے انتظام نہوا اور اسی جو خلف البدعۃ کی معنی لیں ثبت ڈالا لکھتے ہیں تو معنی نہیں ہیں اسواسطے کہ اطلاق مخلف آدمی کا اُسکے متروکات پر ہوتا ہے اسواسطے متروکات میں سے بدعت ہی ہوا اگر معنی اسکی لیں اثبت ڈالا ہو تو معلوم ہوا کہ بدعت پہلی سے رسولخدا صلعم کے زمانہ سے چلی آتی تھی اور اسکو قایم کیا اسواسطے کہ قایم سنت کا بھی جاتا ہے دوسرا اس طرح کہتی کہ اقام السنۃ لم یدع البدعۃ سو دونوں امر کرتے تہے سنت بھی اور بدعت بھی اور بعد اسکے تقسیم فرمایا نقی الثوب یعنی گیا پاک کپڑے کا دامن اسکی ہمت کا نجاست تہمت خلقت سے آلودہ نہوا جیسے کہ عثمان کہ مال خدا کو اس نے بیجا صرف کیا اور حقوق مومنین کو اپنے لیگا ذوی اور دوستوں پر تقسیم کیا اور سبب اہانت و ایذای صحابہ کے متہم ہو کر مقتول ہوا اور فرمایا کہ قلیل العیب یعنی کم عیب والا تھا اس سے معلوم ہوا کہ عیب تو تھا مگر کم تھا اور کثرت سے مثل عثمان کے عیب نتھا کہ جسکی جہت سے حضرت عائشہ فرمایا کرتی تہیں اقتلوا نعثلا لعن اللہ نعثلا اور ان عیبوں ہی کی جہت سے مقتول ہوئے اور طعن کرنیکو عیب قلیل ہی کفایت کرتا ہے ابلیس ایک ہی عیب سے کہ وہ سجدہ نکرنا حضرت آدم کا تھا ملعون ہو گیا اور قلیل العیب کے معنی بی عیب معلوم نہیں اس شیخ نجدی نے کہاں سے لکھے ہیں اور بعد اسکے فرمایا کہ اصاب خیرہا و سبق شرہا یہ فقرہ بھی فضیلت پر دلالت نہیں کرتا ہے اسواسطے کہ معنی اسکے یہ ہوئے کہ پہنچا خیر اس دنیا کو اور سبقت لیگیا شر دنیا کو کہ جو مقصود خلافت سے تھا جاری کرنا احکام کا سیاست کے اور انتظام امور ریاست کا بخوبی وقوع میں آیا اور خیرہا اور شرہا کی ضمیر خلافت کی طرف نہیں پہرتی ورنہ لازم آئیگا کہ حضرت علی اپنی خلافت کو شر میں داخل کرتے تہے اور بعد اسکے فرمایا کہ ادی الی اللہ طاعتہ و اتقاہ بحقہ یعنی ادا کیا طرف خدا کی طاعت اُسکی کو اور پرہیزگاری کی ساتھ حق اُسکے کے سو ظاہر میں طاعت خدا میں مشغول بھی ہوتے تہے نماز پڑھتے تہے روزہ رکھتی تہے شراب اور قمار وغیرہ سے پرہیز کرتے تہے لیکن جو کچھ تھا باعتبار ظاہر کے تھا واسطے دام میں لانے لوگوں کے اور حقیقت میں یہ سب استحکام ریاست کے واسطے تہا کہ مسلمان یہ حال دیکھکر فرمانبردار رہیں اور فرمایا کہ رحل و ترکہم فی طرق متشعبۃ لا یہتدی فیہا الضال و لا یستیقن المہتدی یعنی کوچ کیا اور چھوڑ دیا اُن لوگوں کو مختلف طرح کی راہوں میں کہ نہیں راہ پاتا ہے انمیں گمراہ اور نہیں یقین کرتا ہے راہ پانیوالا اور یہ صریح مذمت ہے کہ لوگوں کو گمراہی میں چھوڑ گئے کہ کسیکو راہ نہیں ملتی سب حیران ہیں اور جو کچھ خرابی اس دین میں پڑی ہے وہ انکے ہی طفیل سے ہے اور جو ظلم اور تعدی کہ اہلبیت پر گزری ہے وہ انکی ہی بنیاد ڈالی ہوئی ہے اگر وہ خلافت کو غصب نکرتے تو بعد انکے کسیکو مجال غصب کرنیکی نہوتی اور نہ کسیکو شک ہوتا بانی مبانی مفاسد کے اسلام میں وہ ہی ہوئے ہیں کہ ابتدا ظلم کی انسے ہی چنانچہ بعضے مرثیہ میں امام حسین کی طرف خطاب کرکے کہتے ہیں اے کشتہ سقیفہ و شوری و کربلا۔ سو فقرات اس خطبہ کے کہ انکو اس میں بعضے میں تو مدح انتظام ریاست کی ہے اور بعضے میں تصریح مذمت انکی ہے اور بعضے خطبہ میں جو مدح انکی ظاہری افعال کی ہے وہ لوگوں کی تالیف قلوب کے واسطے ہے کہ دلوں میں انکی محبت شیخین کی راسخ ہو رہی تھی تا کہ جماعت برہم نہو جائے مذمت کے فقروں کے سننے سے ورنہ سوا اسکے اور کیا وجہ ہے حضرت علی تو انکو کاذب و خائن و آثم جانتے تہے جیسا کہ صحیح مسلم میں لکھا ہے اور یہ صورت میں ہے کہ ہم اس خطبہ کو تسلیم کریں کہ مراد فلاں کے لفظ سے جو کہ اس خطبہ میں ہے ابوبکر ہو یا عمر ہو کہ آجتک اُس شخص کی تشخیص ہی نہیں ہوئی کہ وہ کون ہے کوئی تو کہتا ہے اہل سنت میں سے کہ وہ ابوبکر ہے اور کوئی کہتا ہے کہ وہ عمر ہے جابالعیب جو جانتے ہیں سو کہتے ہیں اور نام اُس شخص کا کسی کتاب میں نہیں لکھا ہے سب قیاس اور تخمین سے کہتے ہیں اور حقیقت کسیکو معلوم نہیں ہے پھر کس شخص کی مدح اور ہجو کا تعین کیا جائے

قال الشیخ الاشعری اب گوش گزار ناظرین رسالہ یہ ہے کہ علامہ رضی نے بپاس داری مذہب ابوبکر کے لفظ کی جگہ لفظ فلاں کا لکہ دیا ہے تاکہ سنیوں کو گنجایش استدلال نرہے اور ان علامہ رضی کی کچھ عادت ہی یہ ہے مگر اتنا نہ سمجھے کہ نام کے چھپانے سے کیا فائدہ حضرت امیر المومنین سے پہلے کل تین خلیفہ تہے سو جسکی تعریف ہو گی سنیوں کا مطلب کہیں نہیں گیا معہذا وہ اوصاف ایسے ہیں کہ خود ابوبکر کا ہاتھ پکڑے دیتے ہیں خصوصاً پہلا وصف اور دوسرا وصف یہ دو وصف سوا ابوبکر کے کوئی بتلائے تو کس پر منطبق ہوتے ہیں اور کس کی خلافت میں کجی آگئی تھی اور کس رکن یعنی ستون میں ارکان اسلام میں سے نقصان آگیا تھا کہ اس نے اُسکی درستی کی ہاں انکی خلافت میں بسبب وفات رسول اللہ صلعم کے چار طرف سے شور ارتداد اٹھا بہت لوگ زکوۃ سے جو رکن اسلام ہے مانع آئے سو ابوبکر صدیق ہونہ یہ فتنے دبے انکی برکات حسن انتظام اور خوبی خلافت کے باعث جو حضرت امیر کی آنکھوں میں کہبی ہوئی تھی اور شیعہ بھی تو اپنے جی میں جانتے ہیں زبان سے کہیں یا نہ کہیں حضرت امیر اپنے زمانہ کے فساد اور فتنوں کو دیکھ دیکھ انہیں یاد کرتے ہیں اور تاسف کرتے ہیں کہ ایسے زمانہ میں ایسا شخص ہونا چاہیے تھا اور کیوں نہو کہ ابوبکر صدیق وہ تھے کہ بعد وفات رسول صلعم کے جب چار طرف سے مرتدین کا زور ہوا اکثر صحابہ گبھرا گئے یہانتک کہ حضرت عمر جیسے جری اور ذی ہوش اور صاحب الرائے کی بھی ہوش اڑ گئے تھے نرہے یا انہیں کی ہمت مردانہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا اجبار فی الجاہلیۃ و خوار فی الاسلام یعنی اے عمر کیا کفر کے زمانہ میں تو زور شوری تھی اور اسلام میں بن لگئے

اقول علامہ رضی علیہ الرحمہ نے ابوبکر کے لفظ کی جگہ لفظ فلاں ہرگز نہیں لکھا ہے تو جھوٹ لکھتا ہے اگر درست گو تھا تو کسی کتاب معتبر کا حوالہ دیا ہوتا کہ فلانی کتاب میں جو یہ خطبہ ہے اسمیں فلاں کی جگہ ابوبکر لکھا ہوا ہے بلکہ مولوی عبد العزیز صاحب نے اس خطبہ میں تحریف کی ہے کہ فلاں کی جگہ ابوبکر کا نام لکھدیا ہے اور انکی پیروی سے بلاسند تو بھی ابوبکر کو گائے جاتا ہے اور بعد اسکے تو خود لکھتا ہے اور بعضے شارحین کا حوالہ دیتا ہے کہ انہوں نے مصنف کے ہاتھ کا یعنی علامہ رضی کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا کہ لفظ فلاں کے نیچے عمر کا نام لکھا ہوا تھا جب مصنف خود عمر کو لکھ چکے تو انہوں نے ابوبکر کے نام فلاں کو کیوں بدلا وہ تو لکھ گئے کہ فلاں سے عمر مراد ہے اور ابن ابی الحدید نے بھی شرح نہج البلاغت میں یہی لکھا ہے کہ فلاں کے لفظ کے نیچے میں نے عمر کا نام لکھا ہوا دیکھا ہے تو ابوبکر کو کہاں سے کہتا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ علامہ رضی نے تو اسمیں تحریف نہیں کی ہے اسواسطے کہ علماء اہل سنت کہتے ہیں کہ فلاں کے لفظ کے نیچے عمر کا نام لکھدیا اور اگر انکو ابوبکر یا عمر کی مدح ناپسند ہوتی تو عمر کا نام کیوں لکھتے اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنی طرف سے فلاں کا لفظ نہیں لکھا ہے بلکہ اصل خطبہ میں فلاں کا لفظ ہے اور مصنف تحریف سے بری ہے اور فلاں کے لفظ کے نیچے عمر کا نام کسی نے اپنی طرف سے قیاس کر کے لکھدیا ہے اور قیاس کرنے میں اکثر غلطی ہوا کرتی ہے اور خود مصنف نے قیاس کر کے فلاں کے نیچے عمر کا نام نہیں لکھا ہے اسواسطے کہ اگر انکے نزدیک فلاں سے مراد عمر ہوتے تو فلاں کی جگہ فلاں کو محو کر کے عمر کا نام لکھتے فلاں کے نیچے عمر کا نام کیوں لکھتے اب باقی رہا یہ امر کہ حضرت علی نے ابوبکر کی جگہ یا عمر کی جگہ فلاں کا لفظ فرمایا سو علی تمہارے نزدیک ابوبکر یا عمر کی تعریف کرتے ہیں پھر انہوں نے نام کو انکے ظاہر کیوں نہ کیا کیا تقیہ کرتے تھے نام کے ظاہر کرنے سے کیسی عقل میں بھی آتا ہے کہ ایک شخص کی کوئی تعریف کرے اور اسکے نام کے ذکر سے پرہیز کرے اس سے معلوم ہوا کہ وہ کوئی اور شخص ہے حضرت علی کے زمانہ کے عالموں میں سے کہ جسمیں یہ اوصاف تھے اور وہ مرگیا تھا اور اسکے نام کے بدلنے کی بُرائے کسی کاتب کی ہوئی کسی مصلحت کے واسطے اور پہلا اس سے ہم بیان کر چکے کہ اس خطبہ میں کیسی فضیلت ہے کہ من جمیع الوجوہ ذکر نہیں ہے انتظام کی تعریف ہے اور بعضے فقرہ میں فضیلت نہیں مذکور ہے تو بعضے فقرہ میں مذمت بھی ہے خواہ ابوبکر مراد ہو فلاں کے لفظ سے خواہ عمر تمہارے نزدیک خواہ کوئی اور آدمی ہو اور یہ کیا ضرور ہے کہ فلاں کے لفظ سے ابوبکر یا عمر ہی مراد ہوا کریں اور اگر یہی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ صحیح بخاری میں جو لکھا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم جس وقت نماز صبح کی اخیر رکعت میں رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو کہتے تھے اللھم العن فلانا و فلانا و فلانا فلیس معلوم ہوا کہ مراد ان تینوں فلانا سے ابوبکر اور عمر اور عثمان ہیں اور محمد اسمٰعیل بخاری نے ان تینوں نام کی جگہ فلانا و فلانا و فلانا لکھدیا ہے تاکہ شیعوں کو واسطے لعنت کرنے خلفاء ثلاثہ کے گنجائش استدلال کی باقی نہ رہے اور وہ روایت بخاری کی یہ ہے حدثنا حبان بن موسی اخبرنا معمر عن الزھری قال حدثنا سالم عن ابیہ انہ سمع رسول اللہ صلعم اذا رفع راسہ من الرکوع فی الرکعۃ الاخیرۃ من الفجر من صلوٰۃ یقول اللھم العن فلانا و فلانا و فلانا بعدما یقول سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد الخ اس میں لکھا ہے کہ فلاں و فلاں و فلاں سے مراد وہ ہیں جو جنگ حدیبیہ سے بھاگ گئے تھے اور احد کے جھگڑوں میں سے خلفاء ثلاثہ بھی تھے ہمارا مطلب ثابت ہوا اور سید رضی علیہ الرحمۃ کی عادت نام کے پوشیدہ کرنیکی کہاں سے معلوم ہوئی ان مقامات کا نام لکھا ہوتا اور جبکہ نہیں لکھا تو معلوم ہوا کہ تو بڑا کاذب ہے اور اگر حضرت علی کے پہلے تین خلفاء تھے تو ہوا کرو لیکن یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ کسی خلیفہ ہی کے حال میں حضرت علی فرماتے ہیں کیا خلیفہ کا لفظ خطبہ میں لکھا ہوا ہے ہاں بعضے اوصاف خطبہ میں ایسے ہیں کہ ابوبکر کا ہاتھ پکڑا اور ہیں جیسے انتظام کا خوب کرنا اور بدعت کو بعد اپنے چھوڑ جانا اور خود رحلت کرلی اور لوگونکو طرح طرح کے طریقوں گمراہی میں چھوڑ جانا کہ نہیں رہ پاتا ہے انمیں گمراہ اور نہیں یقین کرتا ہے راہ پانیوالا اور پہلا وصف اور دوسرا وصف جو ابوبکر کا ہاتھ پکڑتا ہے تو حسن انتظام پر دلالت کرتا ہے اگر ابوبکر ہی یہ وقوع میں آیا تو انتظام کی مدح ہوئی انگریزوں کے بھی انتظام کی بہت تعریف کرتے ہیں اور ابوبکر کیونکر مراد ہوں فلاں کے لفظ سے کہ خطبہ شقشقیہ میں حضرت علی تصریح نام ابن ابی قحافہ مذمت کرتے ہیں اور خلافت کے مغصوب ہونیکا ذکر کرتے ہیں اور کجی جو ابوبکر کی خلافت میں دین کے مقدمہ میں آئی تھی وہ بدستور باقی ہے کہ کجی انکی ہی ڈالی ہوئی تھی ہاں ریاست کے انتظام کی کجی کو انہوں نے درست کردیا ہوگا اور دین کا سیدھا کرنا تو اسمیں ذکر ہی نہیں ہے لوکہاں سے کہتا ہے کہ اس فقرہ کو تو سمجھا ہی نہیں ہے اور اگر شور ارتداد چاروں طرف سے اٹھا تو وہ خود بھی اس بلا میں مبتلا تھے اور جو لوگ کہ مانع زکوٰۃ کے تھے وہ ابوبکر کو منکر اور زکوٰۃ دینے کا نہیں جانتے تھے کہ وہ ابوبکر کو خلیفہ ہی نہیں سمجھتے تھے اور ابوبکر نے زکوٰۃ کے دینے سے ان مومنین بیگناہ کو قتل کروایا اور اسوجہ سے ابوبکر پر میاں عمر صاحب بہت خفا ہوئے کہ تو نے مومن کو قتل کروایا ہے خالد سے قصاص لینا چاہئے اور یہ قتل و قمع انہوں نے اپنی ریاست کے انتظام کے واسطے کروایا اور اسیواسطے مرتدین کو بھی قتل کروایا کہ اسلام کی ترقی میں اپنی ترقی سمجھے ہوئے تھے اور یہی مقصود تھا انکا خلافت کے غصب کرنے سے اور صرف دین کی ترقی سے انکو کیا کام تھا اور انتظام انکی خلافت میں البتہ اچھا تھا اور حضرت علی نے دیکھا ہی تھا پھر حضرت علی نے بالفرض اگر انکے انتظام کی تعریف کی تو کیا فضیلت ہوئی جناب رسولخدا صلعم نوشیرواں کی عدالت کی تعریف کیا کرتے تھے اور انگریزوں نے بھی خوب انتظام کیا ہے اور لوگ انکی انتظام کی بھی تعریف کرتے ہیں اور حضرت علی نے تاسف کب کیا تھا کہ ایسے زمانہ میں ایسا شخص ہونا چاہئے تھا جھوٹ لکھکر لعنت کی بلا میں کیوں گرفتار ہوتا ہے اور لوگوں کے مرتد ہونے سے صحابہ کا سبکو گھبرا رہے تھے اگر گھبرائے ہونگے تو ابوبکر گھبرائے ہونگے کہ انکی ریاست میں خلل پڑتا تھا اور مسلمان تو کافروں کو خود ہی قتل کرتے تھے اور ابوبکر کی ریاست میں ترقی پکڑتی تھی اور حضرت عمر کس قدر جری ہوئے تھے انکی جرأت تو جنگ احد اور حنین و خیبر میں جیسے کہ تھے معلوم ہوگئی تھی کہ سب سے پہلے جہادوں میں سے بھاگا کرتے تھے یہاں ہی انکے ہوش ٹھکانے نہیں ہونگے البتہ خانہ جنگ اور بدمزاج تھے اور ایسے بدمزاج اور بدخلق تھے کہ لوگ انکی خلافت سے راضی نہ ہوتے تھے ابوبکر نے موافق وعدہ کے کہ جو تو مجھکو خلیفہ کروا دیگا اپنی کوشش

ذکر روایت صحیح بخاری

تو میں بعد اپنے مجھ کو خلیفہ بنا کر دونگا خلیفہ کر دیا **قال الشیخ الاشعری** القصہ حضرت عمر کی یہ رائے تھی کہ ایسے میں اگر لشکر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نہ بھیجا جائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے
مبادا مدینہ منورہ لشکر مجاہدین سے خالی ہو جائے اور دشمن تاخت کر بیٹھیں لیکن آفرین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت و استقامت پر کہ باوجود ان ہنگاموں کے ہرگز نہ گھبرائے اور فرمایا
کہ جس لشکر کی تیاری خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کر گئے ہوں یہ نہیں ہو سکتا کہ اُسکو روانہ نکروں ایسے ہی مرتدین کے قتال میں جو لشکر کے بھیجنے کا ارادہ فرمایا اور اکثر صحابہ کی رائے
اسباب میں اُنکی رائے کے مخالف ہوئی تو ایسا کچھ فرمایا کہ اگر کوئی نجائیگا تو میں تن تنہا جا کر لڑونگا اور اسیطرح زکوٰۃ کی انکار کرنیوالوں کے قتال کے باب میں جب حضرت عمر نے یہ شبہ کیا کہ وہ
کلمہ گو ہیں تو یہ ارشاد فرمایا کہ جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریگا نماز کو فرض کہیگا اُسے فرض نہ سمجھیگا میں اُس سے بے تامل لڑونگا واللہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک بکری کا
بچہ لوگ زکوٰۃ میں دیتے ہونگے اور اب نہ دینگے تو میں اُنسے جہاد میں دریغ نکرونگا **اقول** ۔ حضرت عمر کی یہ رائے ہوئی تو اُنہوں نے رائے رسولخدا صلعم کو رد کیا اسواسطے کہ اُن حضرت نے
تو ابوبکر اور عمر وغیرہ کو اسامہ کے تابعین میں سے مقرر کر کے حکم دیا تھا کہ اُوسکے ساتھ جہاد کے جاؤ اور اسقدر تاکید کی اور فرمایا کہ جہزوا جیش اسامۃ لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامۃ اور ابوبکر
اور عمر وغیرہ نے لعنت کو تو گوارا کیا اور اسامہ کے لشکر سے واپس ہو کر چلے آئے اس اندیشہ سے کہ رسولخدا صلعم بیمار ہیں ایسا نہو کہ بعد ہمارے وفات حضرت کی ہو جائے اور علی خلیفہ بن بیٹھیں حضرت
کی بیماری کا بہانہ کر کے چلے آئے اور لعنت کا کچھ خیال نکیا اور مہاجرین و انصار باوجود مامور ہونے کے لشکر اسامہ سے مراجعت کر کے چلے آئے اور لعنت خدا کا کچھ لحاظ نکیا اور مقصود حضرت کا اخراج ابوبکر
اور عمر کا تھا مدینہ منورہ سے کہ میری وفات کے وقت یہ دونو مدینہ میں موجود نہوں اور جناب رسولخدا صلعم کا یہ حکم دینا شرح مواقف اور ملل نحل وغیرہ میں اس لعنت کے ساتھ لکھا ہوا موجود ہے اور ابوبکر و
عمر کا ہمراہ اسامہ کے متعین ہونا اور اُسکے تابعین میں سے انکا قرار دینا فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہوا ہے و کان ممن انتدب مع اسامۃ کبار المہاجرین والانصار
منہم ابوبکر و عمر و ابو عبیدۃ و قتادۃ بن النعمان و سلمۃ بن اسلم الخ حاصل یہ کہ اور تھے اُن لوگوں میں سے کہ مامور تھے ہمراہ اسامہ کے بزرگان مہاجرین و انصار کہ اُنمیں سے ابوبکر اور عمر
اور ابو عبیدہ اور قتادہ بن النعمان اور سلمہ بن اسلم وغیرہ تھے اور یہی قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے اور ذہبی نے تذہیب التہذیب میں ترجمہ اسامہ بن زید میں لکھا ہے اور اقوال
متقدمین اور متاخرین اہل سنت سے مثل واقدی اور ابن جوزی اور ذہبی اور صاحب روضۃ الاحباب اور عبدالحق دہلوی کے بھی یہی ثابت ہے اور شجاعت تو ابوبکر میں کہاں تھی ہمیشہ جہادوں
میں سے جناب رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر بھاگا کرتے تھے اور ابوبکر نے لشکر کو کب روانہ کیا تھا یہ کسی کتاب میں نہیں لکھا ہے جھوٹ کس واسطے لکھتا ہے اور مرتدین سے جو قتال کیا تھا وہ اپنی ریاست کے انتظام کے
واسطے کیا تھا اگر ایسا نکرتے تو ریاست برہم و درہم ہو جاتی اور تنہا تو وہ جہاد کو کیا جاتے اور کیا لڑتے جسوقت ہزاروں مسلمان انکے ہمراہ معین و مددگار ہوتے تھے جہادوں میں اُسوقت کفار
کے مقابلہ میں سے بھاگ جاتے تھے اور جو لوگ کہ ابوبکر کو زکوٰۃ نہیں دیتے تھے بیشک وہ مسلمان تھے چنانچہ کتب اہل سنت سے ثابت ہے اور زکوٰۃ اسواسطے وہ نہیں دیتے تھے کہ وہ ابوبکر کو خلیفہ حق نہیں جانتے تھے اور عمر
نے اس مقدمہ میں ابوبکر کو بہت ملامت کیا اور کہا کہ تو نے مالک بن نویرہ مسلمان کو قتل کروایا ہے اور خالد اُسکی زوجہ کو جو اپنے تصرف میں لایا ہے اُسکو سنگسار کر اور ابوبکر نے جواب میں کہا کہ اُس نے
اجتہاد میں خطا کی **قال الشیخ الاشعری** الحاصل کہ اُنکی شجاعت و فہم و فراست تھی جو یہ سب مصائب بھی اور دین تھا ورنہ دین میں وہ فتور پڑے تھے کہ خدا ہی حافظ تھا جناب
امیر المومنین رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے فسادوں اور بدعتوں کو جو لوگوں نے برپا کر رکھی تھی دیکھ دیکھ کر اُنکو یاد کرتے تھے چنانچہ الفاظ خطبہ مذکورہ خود گواہی دیتی ہیں ۔ اسواسطے اکثر شارحین
نہج البلاغت کی یہی رائے ہے اور کیونکر ہمکو دم کشیدن ان اوصاف کو منطبق کردیں بہت کرتے تو یہ کرتے کہ کسی ایسے شخص کا احتمال پیدا کرتے جو رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں مرگیا ہوتا جیسے بعض فضلا
نے کیا ہے شارحوں کے ذمہ معنی کا درست کرنا بھی تو تھا ہے ان اوصاف کو اُسپر کیونکر منطبق کر دیتے رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں جو کچھ خوبی ظہور میں آئی وہ سب آپکا طفیل تھا اور کسی کا کام اُسمیں کیا
اجارہ تھا اور خود رسول اللہ صلعم کا نام مبارک اسلئے زبان پر نہیں لا سکتے کہ سنیوں سے اسکا کیا عذر کرینگے کہ حضرت امیر یا جس نے فلاں کہا اسقدر گستاخی کی کہ رسول اللہ صلعم کو کس طرح ذکر کیا اور
پھر کیا باعث ہوا کہ محل تعریف میں جو مقام تصریح و اعلام ہوتا ہے یہ اخفا اور ابہام بلکہ اسی نظر سے کہ یہ محل تعریف ہے یوں خیال میں آتا ہے کہ یہ تعریف ابوبکر کی تعریف ہے اور یہ کنایہ بلا جرم اعدا اصحاب
کی تحریف ہے ورنہ رسول اللہ صلعم کے ذکر میں تو کچھ اندیشہ ہی نتھا جو کسی نے یوں چھپایا اور نام نہ بتایا ہاں ابوبکر کی ضد میں بایں غرض کہ یہ مدح ابوبکر رض کی مدح نہ ہوجائے گو رسول اللہ صلعم کی دشمنی
بھی اپنے ذمہ لازم آئے اگر رسول اللہ صلعم کی عداوت تو باعث اخفاء نام ہو سکی گوارا کریں اور اسطرح سے اسی مدح کو مدح نبوی قرار دیں تو ممکن ہے مگر اوصاف مذکورہ میں توجیہ کو کرنے بھی دیں آپکے زمانہ میں
اول تو اقامت سنت اور تخلیف بدعت کے کیا معنی جس سے چاہو تو پوچھ دیکھو اقامت سنت کے لفظ سے کیا متبادر ہوتا ہے ہر کوئی اتنا جانتا ہے کہ اقامت کے لیے سنت کا وجود اور اُسکی سستی ہونی چاہئے نہیں تو پھر
اقامت کسکی ہوگی سو جو کچھ رسول اللہ صلعم احکام فرماتے تھے یا خود عمل کرتے تھے تو وہ اقامت سنت نہوتی تھی بلکہ اُسکو خود سنت سمجھنا چاہئے ہذا بعد مقرر ہونے احکام سنت کے رسول اللہ صلعم کے
زمانہ میں کونسا فتور پڑ گیا اور پڑ ہی گیا تھا تو آپنے اُسکی کیا اصلاح فرمائی **اقول** شجاعت تو اُنمیں کہاں تھی جیسا کہ ہم لکھ چکے البتہ فراست نبوی خوب تھی انتظام ریاست کے لیے اور اُسکے
تھامنے کے لیے کہ اُسکو غصب کیا تھا اور دین میں فتور تو اُنکا ہی ڈالا ہوا ہے کہ آجتک وہ فتور چلا آتا ہے اور حضرت علی کے دشمنوں نے جو فساد اور بدعتیں برپا کی تھیں وہ لوگ شیخین ہی کے مریدوں
میں سے تھے اُنکو حضرت علی کا خلیفہ ہونا ناگوار تھا اور اُنکے پیرواں اور مقتدا اُنہوں نے تو خلافت کو علی کی غصب کیا اور اُنہوں نے خلافت میں علی کی فساد برپا کئے اس سبب سے کہ حضرت

علی نے پہلے انتظاموں کو کیا تو کیا ہے اور اگر بعضے شارحین نے اپنی رائے سے ابوبکر کو تجویز کیا ہے تو ایک تخمین اور احتمالی بات ہے اور جو اوصاف کہ اس خطبہ میں لکھے ہیں یہ کیا ضرور ہے کہ کسی اور میں بجز ابوبکر کے نہ پائی جائیں اور پہلا اس سے ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ شخص حضرت علی ہی کی خلافت کے زمانہ کا آدمی تھا انکے عمال میں سے جب وہ مرگیا تو حضرت علیؑ اسکا حال بیان کرتے ہیں اپنے خطبہ میں اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ خطبہ اہل سنت کی کسی کتاب سے ماخوذ ہے اور وہ شخص حضرت علیؑ کے دوستوں میں سے جو تھا تو اسکے نام کو محو کر کے کسی ناصبی نے فلاں کا لفظ لکھدیا ہے اور اگر مراد اس شخص سے ابوبکر ہی ہو تو کونسی فضیلت ہے کہ بعضے فقرے مذمت کے بھی تو اسمیں ہیں اور اگر بعضے فقرہ سے مدح ظاہر ہوتی ہے تو وجہ اسکی یہ ہے کہ مصلحتاً بعض فقرہ میں ایسا فرمایا ہو واسطے استصلاح حال ہمراہیوں کے اور انکے قلوب کی تالیف کے واسطے کہ یہ جماعت فقرات مذمت سنکر برہم اور منتشر نہو جائے اسواسطے کہ اکثر ہمراہی حضرت علیؑ کے ابوبکر اور عمر سے دوستی رکھتے تھے اور اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ معاویہ حضرت علی کو لکھتا تھا کہ تو ابوبکر اور عمر کو گالیاں دیتا تھا اس وہم کے بھی رفع کرنیکو ہمراہیوں کے دلوں سے پر کہ وہ یہ سنکر بدگمان نہو جائیں ایسا فرماتے تھے اور یہ بڑی مصلحت تھی جیسے کہ رسول خدا صلعم نے واسطے دلداری چند کس کفار کے قصد کہ سطر کو موقوف کیا اور رسول اللہ کا لفظ اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور رسول خدا صلعم ہمیشہ تالیف قلوب منافقین اور کفار فرماتے رہے ہیں اسی مصلحت سے اور مال اپنا صرف کرتے رہے ہیں اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ حقیقت میں حضرت علیؑ تعریف انکی کرتے ہوں اسواسطے کہ خطبہ شقشقیہ میں صاف صاف مذمت ثلاثہ کی مندرج ہے اور غاصب خلافت انکو لکھا ہے اور خطبہ شقشقیہ وہ ہے کہ جسکا اقرار کرتے ہیں علمائے اہل سنت کہ یہ کلام جناب امیر علیہ السلام کا ہے اور صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ خائن اور کاذب جانتے تھے ابوبکر اور عمر کو اور صواعق محرقہ اور تاریخ الخلفاء وغیرہ میں لکھا ہے کہ عبدالرحمن شوریٰ کے آدمیوں کا افسر حضرت علیؑ کو بعد عمر کے خلیفہ کرنا چاہتا تھا بشرطیکہ علیؑ ابوبکر اور عمر کی سیرت پر چلیں حضرت علیؑ نے انکی سیرت کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ موافق حکم خدا اور رسول خدا کے عمل کرونگا جب یہ حال تھا تو تعریف حقیقی انکی کیونکر سمجھی جائے اور جناب رسول خدا صلعم کا نام تو فلاں کے لفظ کی جگہ کوئی بھی نہیں کہتا ہے اسقدر فضول عبارت لکھکر کاغذ کو ناحق سیاہ کیا ہے اور کیونکر حضرت کا نام کوئی لیوے کہ مذمت کے فقرے بھی تو اس خطبہ میں موجود ہیں جو کچھ چاہتا ہے یہ شیخ نجدی سر پا لکھتا ہے اور کہتا یہ بھی خود حضرت علی ہی کا یا کسی کا بیان کیا ہوا ہے کہ مولف نے تو اسکے نیچے تیرے نزدیک عمر کا نام لکھدیا ہے جیسا کہ تو بعد اسکے بعض شارحین کا حوالہ دیتا ہے اس صورت میں مولف کا کیا گناہ ہے اور اگر مولف خطب تحریف کر کے لفظ فلاں لکھتا واسطے اخفا کرنے نام کے تو فلاں کے نیچے عمر کو کیوں لکھتا سو علاوہ صحابہ ہونگے تو تیرے نزدیک حضرت علی ہی جو کہ انہوں نے اوصاف تو بیان کئے خواہ اچھے خواہ بُرے اور نام کا اخفا کیا یا کوئی اور شخص راویان اہل سنت میں سے ہے اور بالکل وہ مدح اس خطبہ میں کہاں ہے کہ جو فضیلت دینی پر دلالت کرے اگر ابوبکر کا نام کلام میں ہے کوئی اخفا کرے کہ ابوبکر کی مدح نہو جائے وہ خطبہ تو حسن انتظام اور مذمت پر دلالت کرتا ہے اور اگر واسطے مصلحت کے کچھ مدح بھی انکی قلیل ہی باعتبار ظاہر کے بیان کردی تو بالکل مدح نہیں ہوسکتی اور اس صورت میں ہے کہ اگر فرض کریں ہم کہ وہ ابوبکر تھا یا عمر تھا ورنہ حقیقت تو اسکی کسیکو معلوم نہیں ہے اور بعد اسکے جو کچھ رسول اللہ صلعم کے نام پر بنا کر لکھا ہے وہ سب باطل ہے کہ رسول خدا صلعم کے نام مبارک کو تو کوئی زبان ہی پر نہیں لاتا ہے اسواسطے کہ اس خطبہ میں مذمت کے بھی فقرے ہیں **قال الشیخ الاشعری**

بہرحال یہ کچھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف یہ اوصاف ڈھلتے ہیں سو یہ کرامت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ ہرچند علامہ رضی نے انکے کلام کو خراب کرنا چاہا مگر معنی وہی رہے اور بدنامی اپنے ذمہ لگائی بھلا اتنا بھی خیال نکیا کہ تعریف کے محل میں ایسی کنایات کون باتیں کیا کرتا ہے کسی نے سچ کہا ہے عیب کرنیکو ہنر چاہئے **اقول** کئی مرتبہ ہم اس شیخ نجدی کے قول کو رد کر چکے ہیں اور ایک بات کو یہ شیخ کئی مرتبہ لکھتا ہے اور اب اسکے قول کو تسلیم کر کے کہتا ہوں کہ ہمنے مانا کہ یہ اوصاف خطبہ کے ابوبکر کی طرف ڈھلتے ہیں لیکن اس سے فضیلت دینی ابوبکر کی ثابت نہیں ہے اول تو یہ کہ اسمیں انتظام کی تعریف کی ہے سو انتظام بعضے کفار بھی خوب کرتے ہیں کہ جس سے ممدوح خلائق ہو جاتے ہیں اور اقام السنت میں اور اداء الی اللہ طاعتہ واتقاہ میں اگر مدح پائی جاتی ہے تو خلف البدعۃ میں اور ترکہم فی طریق متشعبۃ لا یہتدی فیہا الضال ولا یستیقن المہتدی میں مذمت ہے اور یہ اس سبب سے ہے کہ وہ پابند شرع کے بھی تھے ظاہر میں اور نماز روزہ حج سب کچھ کرتے تھے اور بدعتیں بھی کرتے تھے اور دین کو دنیا سے مخلوط کر رکھا تھا واسطے انتظام ریاست کے جیسا مناسب جانتے تھے ویسا کرتے تھے واسطے انتظام کے موافق شرع کے بھی کرتے تھے اور خلاف شرع کے بھی کرتے تھے اور اگر امور شرعیہ سے بالکل اعراض کرتے تو انکی اطاعت کوئی نکرتا اور انتظام نہوتا کسی نے حضرت علی سے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ شیخین کے زمانہ میں تو انتظام ہوا اور عثمان کے اور آپکے زمانہ میں انتظام نہوا فرمایا کہ شیخین نے تو دین سے دنیا کو مخلوط کیا اسواسطے انکے زمانہ میں انتظام ہوگیا اور عثمان نے صرف دنیا چاہی اسواسطے اسکے زمانہ میں انتظام نہوا اور میں نے محض دین چاہا تو انتظام نہوا سو حضرت امیر کے اس کلام سے کوئی فضیلت دینی ابوبکر کی ثابت نہوئی اور اس خطبہ میں اگر تعریف ابوبکر کی ہے تو ابوبکر کے انتظام کی تعریف ہے اور ظاہر میں بعضے امور شرعیہ بجالانا اور بعض اوقات مخالف شرع کے کرنا جیسا کہ خطبہ کی فقرون سے پایا جاتا ہے یہ سب واسطے انتظام ریاست کے تھا اور علامہ رضی علیہ الرحمۃ نے کوئی خرابی نہیں کی ہے جیسا کہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے اور اہل سنت کی کتابوں اور شرح نہج البلاغۃ سے ثابت ہے کہ علامہ موصوف نے فلاں کے لفظ کی جگہ نیچے عمر کا نام لکھدیا تھا یہ بدنامی انکی طرف کیونکر عاید ہو اگر اعتراض ہے تو تمہارے نزدیک حضرت علی پر ہے کہ جسکی تعریف کی اسکا نام ظاہر نکیا سو حضرت علی سے پوچھنا چاہئے کہ تعریف کے محل میں کون کنایات سے باتیں کیا کرتا ہے اور علامہ رضی علیہ الرحمۃ پر تو یہ اعتراض ہو ہی نہیں سکتا کہ انہوں نے تو تمہارے نزدیک فلاں کے لفظ کے نیچے عمر کا نام لکھدیا تھا **قال الشیخ الاشعری**

اور بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ اس خطبہ میں حضرت عمر کی تعریف ہے سو حضرت عمر میں کونسی برے ہیں اور سخت عمر پر جو وہ اس تعریف کو منطبق کرتے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ یوں لکھتے ہیں کہ مجھ کو مصنف کے ہاتھ کا یعنی علامہ رضی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہج البلاغت کا نسخہ ملگیا تھا سو اُسمیں لفظ فلاں کے نیچے عمر کا نام لکھا ہوا تھا اور اُسکے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ مجھ سے فخار بن معد موسوی ادیب شاعر نے ایسا ہی بیان کیا اور میں نے ابو جعفر یحیٰی بن زید علوی سے پوچھا کہ اس لفظ سے کون مراد ہے تو اُنہوں نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ مراد ہیں میں نے کہا کہ امیر المومنین نے اسقدر انکی تعریف کی اُنہوں نے کہا کہ ہاں الغرض اسکی وجہ ہے اور نیز اسکی وجہ یہ ہے کہ بعضے خطبوں میں جو حضرت عمر کے نام سے تعریف ہے تو اُسکے الفاظ اُسکے الفاظ سے ملتے ہیں بعض شارحین حضرت عمر کی طرف ڈھلے ہیں پر اُنکا یہی ہے کہ مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں **اقول** جسوقت شارحین لکھتے ہیں اور اُنکی رای یہ ہے کہ یہ تعریف عمر کی ہے تو تو کہا اسنے کہتا ہے کہ یہ تعریف ابو بکر کی ہے اور تو کس شمار میں ہے کہ جو برخلاف شارحین کے لکھتا ہے کہ اظہر یہی ہے کہ ابو بکر مراد ہے اور عمر کو ابن ابی الحدید اپنی شرح میں لکھتا ہے اور ہمارے نزدیک تیرا قول معتبر ہے نہ ابن ابی الحدید کا کہ وہ بھی مرید اور معتقد حقیت خلافت ثلاثہ کا ہے اور جسوقت کہ اُس نے یہ لکھا ہے کہ میں نے مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا کہ فلاں کے لفظ کے نیچے عمر کا نام لکھا ہے تو مصنف تو تحریف کی تہمت سے بری ہو گیا اور تیرا قول تحریف کو مصنف کی طرف منسوب کرنے میں باطل ہوا اور ابن ابی الحدید نے بھی اپنی شرح میں لکھا ہے کہ فلاں کا لفظ کنایہ عمر سے ہے اور حدیث کی ہے مجھ سے اسکی فخار بن معد موسوی ادیب شاعر نے اور پوچھا میں نے نقیب ابو جعفر یحیٰی ابن ابی زید علوی سے اُنہوں نے کہا کہ مراد اس سے عمر ہے لیکن یہ سب یہ داخل اصحاب ثلاثہ ہیں انکا قول حجت نہیں ہو سکتا اور بعد اسکے اور فرقوں کا مذہب ہمیں لکھا ہے لیکن ہر ایک کی بات احتمالی ہے اور حقیقت اُسکی کسیکو معلوم نہیں اور عمر کے نام سے تو کسی خطبہ میں تعریف نہیں ہے جھوٹ کیوں لکھتا ہے اور اگر کسی سنی کی کتاب میں لکھا ہے تو اسکا اعتبار نہیں ہے اور ہمارے نزدیک تو نہ ابو بکر مراد ہے نہ عمر مراد ہے رجماً بالغیب کوئی کیونکر کہدے اور اگر کسی کے حق میں کہیں سے کہا جائے تو کیا ہے کہ بعضے فقرے اسکی مذمت پر دلالت کرتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** لیکن جب شیعوں نے دیکھا کہ آخر یہ تعریف ہے تو کسیکی اصحاب ثلاثہ میں سے ہے تو اُنہوں نے کہا کہ آؤ حضرت عمر کو تبلاؤ حضرت عمر آخر حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے داماد تو ہیں ابو بکر صدیق سے تو بہر حال کچھ اُنکا پاس لحاظ زیادہ ہی چاہئے لیکن ہمارا ادھر بھی لکھا ہے اسیواسطے جو روایت کہ خاص انکی تعریف میں ہے اُسکو بھی زیب رقم کرتا ہوں ابن سمان کتاب الموافقت میں نفر بن حکیم سے روایت کرتا ہے کہ جب حضرت عمر کا انتقال ہوا تو میں نے کہا حضرت علیؑ کے پاس چلنا چاہئے اور انکی سنیں وہ کیا کہتے ہیں سو میں جو انکی محفل میں آیا تو بہت لوگ انکی منتظر بیٹھے تھے سو کچھ یوں ہی دیر ہو گئی جو حضرت علی تشریف لائے اول تو سر مبارک جھکایا پھر اوپر اٹھا کر فرمایا کہ للہ در باکیۃ عمر قالت واعمراہ قوم الاود وداوی العمد مات نقی الثوب قلیل العیب واعمراہ ذھب بالسنۃ وابقی الفتنۃ واصاب اللہ ابن الخطاب خیرھا ونجی من شرھا ولقد نظرلہ صاحبہ فصار علی الطریقۃ ما استقامت قال فقال ھرحل المرکب فتستعہم الطریق لا یھتدی الضال ولا یستیقن المھتدی اس عبارت کے معنے بھی قریب قریب پہلی ہی روایت کے ہیں اسلیے بعض شراح جنکا ذکر ہو چکا روایت مقدم کو بھی حضرت عمر ہی پر محمول کرتے ہیں لیکن اوصاف کو دیکھیے تو حضرت ابو بکر صدیق پر ٹھیک ٹھیک بیٹھتے ہیں چنانچہ مرقوم ہو چکا باقی اس روایت کے الفاظ اور اُس روایت کے الفاظ کی تطابق بھی لازم نہیں آتا کہ دونوں ایک ہی آدمی کی تعریف میں ہوں اگر دونوں ہوتے تو انکو جدا جدا شخص کے لئے سمجھنے میں بھی کچھ محال نہیں آخر حضرت عمر کی خلافت بھی تو حضرت ابو بکر کی خلافت کا تتمہ تھا بنیاد ساری باتوں کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ باندھ گئے تھے ملک شام اور ایران پر جو جہاد ہوا تو بردوار انکی خلیفہ اول ہی ڈالگئے تھے اور جو لوازم خلافت تھے سب لی حیرہی درست کر گئے تھے چنانچہ ماہران تواریخ پر پوشیدہ نہیں موجد قوانین انتظام تھے اور حضرت عمر اسکے برتنے والے تھے الغرض حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک رستہ ڈال گئے ہیں کہ حضرت عمر اسی رستے چلے گئے اگر اسوجہ سے کہ ابو بکر صدیق کے کاموں کو حضرت عمر نے پورا کیا اُنکو بھی موصوف باوصاف مندرجہ روایت اول سمجھیں تو چنداں بعید نہیں **اقول** شیعوں نے تو ہرگز یہ نہیں سمجھا کہ اصحاب ثلاثہ میں سے کسیکی یہ تعریف ہے بلکہ اُنکے نام کی تعریف فرض کرکے جواب دیتے ہیں اور نہ کسی شیعہ نے عمر کو تبلایا ہے کہ یہ انکی تعریف ہے۔ ایک ابن ابی الحدید لکھتا ہے کہ میں نے فلاں کے لفظ کے نیچے عمر کا نام لکھا ہوا دیکھا اُسکا کیا اعتبار ہے اور تو بھی اُسکو تسلیم نہیں کرتا ہے بلکہ اظہر ابو بکر ہی کو کہتا اور بتاتا ہے کہ اوصاف خطبہ کے ابو بکر ہی میں پائے جاتے ہیں اور عمر کو تو خارج کرتا ہے برخلاف جمیع شارحین کے اور میں کہتا ہوں کہ یہ کیا ضرور ہے کہ فلاں کے لفظ سے ابو بکر یا عمر ہی مراد ہو اور سوائے انکے اور کوئی مراد ہو اور اگر یہی ہے کہ فلاں سے انکے ہی نام مراد ہوں تو میں کہتا ہوں کہ صحیح بخاری میں جو عائشہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ فلاں اور فلاں اور فلاں یہ دین میں سے کچھ نہیں جانتے تھے تو معلوم ہوا کہ مراد ان تینوں فلاں سے ابو بکر اور عمر اور عثمان ہیں اور محمد اسمعیل بخاری نے یہ تحریف کی کہ ابو بکر اور عمر اور عثمان کی جگہ فلاں اور فلاں اور فلاں لکھ دیا ہے تاکہ شیعہ خلفاء ثلاثہ کے عیوب کے بیان کرنے میں اس روایت سے تمسک کرنے پائیں اور حضرت نے جو فرمایا ہے کہ یہ تیر دین میں سے کچھ نہیں جانتے یہ سب اسلئے ہے اسواسطے کہ خلفاء ثلاثہ دین سے مقدر میں جاہل محض تھے اور عمر حضرت علی کے داماد بھی تو تھے چنانچہ بعد اسکے خط کے جواب کے رد میں معلوم ہوگا اور عمر کا کسی طرح سے پاس لحاظ نہیں ہے اور کیونکر عمر کو بدیگی بانی مبانی مفاسد تو وہی تھے اس امت میں اور دیکھا تو تیرا عجب ہے کہ جب عمر کو کوئی شیعہ کہتا ہو کہ انکی یہ تعریف ہے اور یہ روایت ذکتاب الاکتفا سے بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ نہج البلاغہ کا اہل سنت کی کتابوں سے ماخوذ ہے اور کچھ اسمیں تحریف کی ہے اور ہم نے جو یہ روایت لی ہے جو ذکر کیا ہے کہ انکی روایت سے معلوم ہوگا کہ یہ خطبہ انہی کی کتابوں سے ماخوذ ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ انکی ہی کتاب کا ہے اور شیعوں کی کسی کتاب میں یہ خطبہ نہیں ہے مگر اہل سنت کی کتاب الاکتفا سے اس کا پتا لگا

مثل اُسکے قریب اُسکے اسکی بھی عبارت ہے البتہ سید رضی علیہ الرحمۃ نے مثل اور خطبوں کے کہ اکثر خطب اہل سنت کی کتابوں سے نقل کئے ہیں اس خطبہ کو بھی نہج البلاغہ میں درج کیا ہے اب اگر اس خطبہ کے اوصاف ابوبکر کیطرف ڈہلتے ہیں تو ڈہلا کرو ہم پر یہ خطب حجت نہیں ہو سکتا کہ جیسے کہ کتاب الاکتفار کا خطبہ عمر کے حق میں ہے وہ خطبہ ابوبکر کے حق میں اہل سنت ہی کی کسی کتاب سے نقل کیا ہوا ہے اور جیسے کہ یہہ تہمت ہے حضرت علی پر کہ اُنہوں نے تعریف کی ابوبکر کی یا عمر کی ایسی ہی رسول خدا صلعم پر تہمت کی ہے کہ اُن حضرت نے تعریف بتوں کی کی ہے چنانچہ تفسیر درمنثور میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلعم سورہ والنجم پڑہتے تھے اور جسوقت اس آیت کو پڑہا اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى تو شیطان نے حضرت کی زبان پر اسکے آگے یہہ ڈالدیا تلک الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجی جب یہ نازل ہوئی اور کہا کہ میں اس طرح سے لیکر نہیں آیا ہوں اور مولوی عبدالعزیز صاحب اسکی جواب میں بڑی ہاتہہ مارتے ہیں۔ کبھی تو یہی کہتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ شیطان نے پاس کہڑے ہو کر کہدیا تہا حضرت کی آواز مشابہ اپنی آواز کو کر کے اور ہم کب کہتے ہیں کہ دونوں کے واسطے جداجدا نہیں ہو سکتا بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہوگا لیکن دونوں روایتیں اہل سنت کی کتابوں میں اور شیعوں کی تو کسی کتاب میں یہ خطبے نہیں ہیں سوای نہج البلاغہ کی کہ سید رضی نے اہل سنت کی کتابوں سے نقل کر کے یہہ خطبہ اصل نہج البلاغہ کر دیا ہے مثل و خطبوں کے اور عمر کی خلافت البتہ ابوبکر کی خلافت کا تتمہ تہا اس اعتبار سے کہ ابوبکر نے باوجود ناراضی بعض صحابہ کے عمر کو خلیفہ اپنا کیا تہا لیکن تہہ خلافت ابوبکر کی جمائی ہوئی عمر ہی کی تہی سب سے پہلے ابوبکر کے ہاتہہ پر بیعت کرنا اور اُنکی خلافت کے واسطے رسول خدا صلعم کے ارشاد کو ہذیان کہنا اور حضرت کے ارشاد کو رد کرنا اور فاطمہ زہرا کے گہر جلانیکو آگ اور لکڑیاں لیجانا اور بعضے صحابہ کو بے عزت کرنا اور سوا اسکے بہت اُمور نامناسب عمل میں لانا اور یہ اسوسطے کیا کہ دونوں صاحبوں کا مشورہ ہو گیا تہا اور عمر نے ابوبکر سے کہا تہا کہ اگر میں تجہکو خلیفہ کروں تو بعد اپنے تو مجہکو خلیفہ کرنا سو عمر نے ابوبکر کو خلیفہ کیا اور ابوبکر نے عمر کو اور جو کچہہ ابوبکر کرتے تہے وہ عمر کے مشورہ سے کرتے تہے سو بنیاد تو ساری باتوں کی عمر نے ڈالی تہی اور ابوبکر تو برائے نام تہے اور جہاد بہی ملک شام اور ایران پہ عمر نے اپنی رای سے کیا تہا ابوبکر نے کیا پر ڈالے تہے اور لوازم خلافت کی جڑ بہی عمر ہی نے درست کی تہی سب اہل تواریخ یہی لکہتے ہیں اور قوانین انتظام مثل قوانین انگریزاں دونوں کی رای سے مقرر ہوتی تہی سو انہیں قوانین پر عمر بہی چلتے تہے اور اگر کوئی بعضی خرابی ابوبکر کے زمانہ میں باقی رہگئی ہوگی تو اسکو عمر نے اپنے زمانہ میں جاری کیا ہوگا انتظام ریاست البتہ وہ خوب جانتے تہے اور یہ روایتیں ان دونوں کے حق میں ہونگی ہم کب انکار کرتے ہیں لیکن اہل سنت کی کتابوں کی یہ روایتیں ہیں چنانچہ ہم لکہہ چکے **قال الشیخ الاشعری** بہرحال اگر شیعوں کو یہی مرکوز خاطر ہو کہ ہم بجز اماموں کے فرمانے کی اصحاب ثلثہ یا اور اصحاب کی قیامت تک معتقد نہوں گے تو یہ مذہب ہمنے اُنکا باقی نہ رکہا اس سے زیادہ کیا ہوگا جو مرقوم ہوا مگر ہم جانتے ہیں کہ خوی بد لا بہانہ بسیار شیعہ اپنی انصافی سے باز نہ آئیں اور بسبب عداوت صحابہ کے جو اہل بیت کی محبت سے پہلے اُنکی رگ و پے میں رچ گئی ہے عجب نہیں کہ خلاف امید یوں بہی کہہ اُٹہیں کہ حضرات ائمہ کی بات کا ہی کیا اعتبار ساری عمر اُنہوں نے تقیہ میں گزاری اور حق کو ناحق اور ناحق کو حق کہتے ہوئی چلدئے **اقول** شیعونکو تو فرمانا خدا کا اور بعد اُسکے جناب رسول خدا صلعم کا اور ائمہ معصومین علیہم السلام کا سب کا مدِ نظر خاطر ہی اگر ثابت ہو اور حاجت شیعہ بیشک معتقد ہیں مگر چند آدمی جنہوں نے آل رسول مقبول کے حقوق غصب کئے اور اُنکو آزار پہنچایا اور اُن سے عداوت کی اُنکو اچہا نہیں جانتے اور جو کچہہ عذر انکو دیا وہ ہرگز دفع نہیں ہو سکتا اور جو کچہہ تو نے لکہا ہے وہ کافی نہیں ہے چنانچہ ہم لکہہ چکے ہیں اور بڑا بے انصاف تو تم ہو کہ بہشت پر لیجاتے ہو اور دشمنان آل رسول خدا کے افعال کی اصلاح کرتے ہو معاویہ غاوی دشمن خاندان نبوت کہ اُسکے باپ نے تو رسول خدا صلعم سے جنگ کی کہ جس میں رسول خدا صلعم کے دندان مبارک شہید ہوئے اور اُنکے چچا حضرت امیر حمزہ مارے گئے اور وہ باغی خود حضرت علی سے لڑا اور ہزاروں مومنین پاک مثل عمار یاسر اور اویس قرنی وغیرہ کے قتل کروائے اور حضرت امام حسن کو زہر دلوایا اور اُنکے مرنیکی خبر سنکر تکبیر خوشی میں کہی اور سجدہ کیا اور حضرت علی کو برملا منبر پر گالیاں دیتا تہا فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکہا ہے کہ ثم اشتد الخطب فتنقصوہ واتخذوا لعنہ علی المنابر سنة ووافقہم الخوارج علی بغضہ وزادوا حتی کفروہ یعنی بعد اسکے سخت ہوا امر پس تنقیص کی اُن بنی اُمیہ نے اور اختیار کیا اُنہوں نے بحکم معاویہ لعن کرنے علی کو سنت اور موافق ہوئے اُنکے خوارج دشمنی اُسکی پر اور زیادہ کیا اُنہوں نے یہانتک کہ کافر شمار کیا اُنہوں نے اُس علی کو اور اُسکے فرزند نے جو کچہہ کیا ہے کہ اولاد رسول خدا صلعم کو قتل کروایا اور اُسکے حرم محترم کی ہتک اور بےعزتی کی اُنکو تم اچہا جانتے ہو یہانتک کہ صواعق محرقہ اور غنیۃ الطالبین وغیرہ میں اُسکو لکہا کہ خلیفہ حق و امام اور اُسکے فرزند کو ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اور امام غزالی نے لکہا ہے کہ یزید مومن تہا لعن کرنا اُسپر جائز نہیں ہے اور اُسکے لعنت کرنیوالے پر لعن کی ہے سو یہ لوگ جنکی ایسے عمال اور افعال تہے کہ جنہوں نے آل رسول خدا کو قتل کیا اور ہمیشہ اُنکو گالیاں دیتے رہے اُنکو تو خلیفہ حق اور امام صادق اور مومن پاک کہتے ہیں اور شیعہ کہ جو اُنہوں نے کسی کو قتل نہیں کیا ہے مگر دشمنان آل نبی کو بد دعا کرتے ہیں اہل سنت کی نزدیک اس جہت سے ایمان سے خارج ہو جائیں یہی انصاف ہے اور اُنکی افعال بد کو اجتہاد پر محمول کرتے ہیں اور ہمارے افعال کو اجتہاد پر محمول نہیں کرتے میں بلکہ عداوت پر محمول کرتے ہیں اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ بے انصاف تو خود ہیں اور شیعونکو نا انصاف کہتے ہیں اور شیعونکی رگ و پے میں جو عداوت بعضی صحابہ کی رچگئی ہے کیا تعجب ہے کوئی جاگیر شیعونکی غصب کرلی ہے تو نہیں انصاف کرکہ وہ بعضی صحابہ سے جو دشمن تہے آل رسول کے کس جہت سے عداوت رکہتے ہیں شیعہ تو جو کوئی کہ جیسا ہوتا ہے اسکو ویسا ہی سمجہتے ہیں

اچھے کو اچھا اور برے کو برا اور آل رسول خدا کی دشمنوں کو کیونکر اچھا کہدیں جسوقت کہ حضرت علی نے انکو برا کہا ہو چنانچہ تمہاری کتابوں میں لکھا ہے اور تم ہی ہو کہ انکے دشمنوں کے ظلم و
خطای اجتہادی پر محمول کرتے ہو یا انکے ظلموں کی تاویل کرتے ہو اور ہمسے یہ ہو نہیں سکتا ہے اسواسطے تم ہمکو برا کہتے ہو اور کہتے ہو کہ اصحاب کی عداوت انکے رگ و پے میں چلی گئی اور ائمہ علیہم السلام
کے اقوال پر تو مدار ہمارے مذہب کا ہے جسوقت کہ ثابت ہو جائے کہ یہ قول انکا ہے ہم اسکا اعتبار کیوں نکریں مگر بعضی وقت جو از روی مصلحت اپنی جمیع اقوال کے مخالف کچھہ فرمایا ہو تو اسکا
ہم البتہ اعتبار نکرینگے اور تقیہ کو تو بار بار نہ پڑا ہے عنقریب اسکا بیان آتا ہے کہ جسکو سنکر تیرے ہوش منتشر ہو جائیں اور حق کو ناحق اور ناحق کو حق انہوں نے ہرگز نہیں کہا مگر مقتضا بروقت
کا ہے چنانچہ معلوم ہوگا تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ مامون نے علماء کو طلب کر کے خلق قرآن سے استفسار کیا انہوں نے تقیہ سے جواب دیا اور قرآن کو مخلوق کہا چنانچہ لکھا ہے کہ وسببہ
انهم توقفوا اولا ثم اجابوا تقیة یہ علماء اہل سنت تھے جنہوں نے قرآن کو مخلوق کہا اور اہل سنت کے نزدیک قرآن کا مخلوق کہنا کفر ہے اور ایسے ہی امام احمد حنبل کو لکھا ہے کہ
انہوں نے تقیہ کیا قرآن کے مقدمہ میں اب دیکھو تو اہل سنت کے علماء نے حق کو ناحق اور ناحق کو حق کہا کہ نہیں **قال الشیخ الاشعری** جب امام الائمہ حضرت امیر المومنین باوجود شہرہ
شجاعت اور زور کرامت کہ شیر خدا اور علی ولی اللہ انکا لقب ہے خلفاء ثلثہ سے اتنا کچھہ ڈرتے تھے کہ انکے زمانہ میں تو کیا اپنے زمانہ میں بھی اظہار مذہب حق نکر سکیں ہوں تو اور ونکا تو کیا ذکر
ہم جبتک ہرگز نمانیں کہ یا تو تقیہ کو کوئی باطل کر دکھلائے یا کسی ایسے کی سند تبلائے کہ وہ تقیہ نکرتے ہوں اسلئے ناچار تقیہ کی اصل حقیقت بھی کہولکر کچھہ کچھہ دکھلائی پڑی انصاف
سے بالا پڑا ہے دیکھیے کتنی چکھیریاں کھائیں اور ہم انکے دم کے ساتھ لگے ہوئے کہاں کہاں تک جائیں **اقول** حضرت علی خلفاء ثلثہ سے ہرگز نہیں ڈرتے تھے اور حضرت علی کے
سامنے انکی حقیقت کچھہ نتھی اور حضرت علی نے جو خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں دم نہیں مارا اور خاموش ہو کر بیٹھہ رہے یہ وصیت تھی جناب رسولخدا صلعم کی کہ ای علی بعد میرے بہت مکروہات
تجھپر گذرینگے تو صبر کرنا اور طریق مصابرت اختیار کرنا چنانچہ روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلعم از علی وصیت فرمودہ بودند کہ یا علی بعد از من بسے امور مکروہہ بتو خواہند
رسید باید کہ تنگدل نشوی و طریق مصابرت پیش گیری وچوں بینی کہ مردم دنیا را اختیار کردہ اند تو آخرت اختیار کنی انتہی اور سوے خلافت کے اور کونسی دنیا تھی بعد
رسولخدا صلعم کے کہ جسکو لوگوں نے اختیار کیا تھا اور خلافت کو غاصبونکے ہاتھہ سے بزور نہ چھین لینے کی وجہ سنی چاہئے کہ ابن عبد البر استیعاب میں لکھتے ہیں ترجمہ رفاعۃ بن رافع میں
ذکر ابن شیبة عن المدائنی عن ابی مخنف عن جابر عن الشعبی قال لما خرج طلحة والزبیر کتبت ام الفضل بنت الحارث الی علی بخروجهم فقال علی العجب لطلحة والزبیر ان الله عز وجل لما قبض
رسوله قلنا نحن اهله و اولیائه فلا ینازعنا سلطانه احد فابی علینا قومنا فولوا غیرنا وایم الله لولا مخافة الفرقة وان یعود الکفر ویبور الدین لغیرنا فصبرنا علی
بعض الالم ثم لم نر بحمد الله الا خیرا ثم وثب الناس علی عثمان فقتلوه ثم بایعونی ولم استکره احدا وبایعنی طلحة والزبیر ولم یصبرا شهرا واحدا حتی خرجا الی
العراق ناکثین اللهم فخذهما بفتنتهما للمسلمین یعنی روایت ہے شعبی سے کہ جسوقت خروج کیا طلحہ اور زبیر نے واسطے محاربہ علی کے تو لکھا ام الفضل بنت حارث نے اور اطلاع کی
ساتھہ خروج انکے کے پس کہا علی نے تعجب ہے ساتھہ طلحہ اور زبیر کی تحقیق کہ خدا تعالی نے وفات دی پیغمبر اپنے کو تو کہا ہمنے ہم ہیں اہل اور وارث اسکے پس نزاع کریگا ہمسے سلطان
اور حکومت اسکی میں کوئی پس انکار کیا ہمپر قوم ہماری نے پس حاکم اور والی کر دیا ہمارے غیر کو اور قسم ہے خدا کی کہ نہوتا خوف مفارقت کا اور اس امر کا کہ عود کریگا کفر اور ہلاک و فاسد
ہو دین البتہ متغیر کر دیتے ہم پس صبر کیے بعضے الم پر بعد اسکے نہ دیکھا ہمنے بحمد اللہ مگر خیر کو بعد اسکے کود پڑے آدمی عثمان پر کہ خلیفہ کیا اوسکو پس قتل کیا انہوں نے اسکو پھر بیعت کی
مجھسے اور نہ جبر کیا تھا میں کسیکو اور بیعت کی مجھسے طلحہ اور زبیر نے اور نصبر کیا انہوں نے ایک مہینہ کامل یہانتک کہ نکلے وہ طرف عراق کی جسوقت کہ توڑنیوالے تھے وہ بیعت میری کو ای خدا پس گرفتار کر تو انکو بسبب
قتل کرنے انکے کے مسلمانوں کو انتہی اور عقیلی اور محدثین نے منتہی میں ابو طفیل عامر بن واثلہ سے روایت کرتا ہے قال کنت علی الباب یوم الشوری فارتفعت الاصوات
بینهم فسمعت علیا یقول بایع الناس لابی بکر وانا والله اولی بالامر منه واحق منه فسمعت واطعت مخافة ان یرجع الناس کفارا یضرب بعضهم رقاب بعض بالسیف ثم
بایع الناس عمر وانا والله اولی بالامر منه واحق به منه فسمعت واطعت مخافة ان یرجع الناس کفارا یضرب بعضهم رقاب بعض بالسیف ثم انتم تریدون ان تبایعوا عثمان اذا اسمع واطیع ان
عمر جعلنی فی خمسة نفر انا سادسهم لا یعرف لی فضلا فی الصلاح ولا یعرفونه کلنا فیه شرع سواء وایم الله لو اشاء ان اتکلم ثم لا یستطیع عربیهم ولا عجمیهم ولا المعاهد منهم ولا المشرک رد خصلة منها الصفات
حاصل یہ ہیکہ ابو طفیل کہتا ہے کہ میں دروازہ پر تھا بروز شوری کہ آوازیں بلند ہوئیں میں علی کو سنا کہ کہتے تھے آدمیوں نے ابو بکر کے ہاتھہ پر بیعت کی اور میں قسم ہے خدا کی بہتر اور زیادہ
لائق تھا اس سے خلافت کے واسطے پس میں سنا اور اطاعت کی خوف پھر جانے آدمیوں کے سے طرف کفر کے کہ ماریں بعض انکا گردن بعض کی تلوار سے بعد اسکے بیعت کی آدمیوں نے
عمر کے ہاتھہ پر اور میں قسم ہے خدا کی بہتر تھا خلافت کے واسطے اور زیادہ لائق تھا اس امر کے اسوقت بھی سنا میں نے اور اطاعت کی میں نے اس خوف سے کہ آدمی طرف کفر کے پھر جائیں اور
بعض انکا گردن بعض کے ماریں تلوار سے بعد اسکے تم ارادہ کرتے ہو کہ بیعت کرو تم عثمان کے ہاتھہ پر اسوقت بھی میں سنتا ہوں اور اطاعت کرتا ہوں تحقیق کہ عمر نے کر دیا ہے مجھکو پانچ
نفروں میں کہ چھٹا انکا میں ہوں کہ نہیں جانتا ہے کسی فضیلت کو میری اور وہ جانتے ہیں گویا کہ میں فضیلت نہیں رکھتا ہوں اور سب کی برابر ہوں اور قسم ہے خدا کی

اگر میں چاہوں کہ کلام کروں تو نہیں طاقت ہے عربی کو انکی اور نہ عجمی کو انکی اور نہ معاند اور مشرک کو انکی کہ رد کرے کسی خصلت کو اُس میں سے اور نسخ کرے میری فضیلت کو انہی
اور یہ روایت لسان المیزان میں ابن حجر نے اور کتب دارقطنی میں بطرق متعددہ لکھی ہے اور روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ جس وقت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو حضرت علی سے
لوگوں نے متفق ہو کر کہا تو شاہ عرصہ ولایت فرمودند کہ اسوگند کہ شما میدانید کہ احق بخلافت کیست معہذا بمقتضاء علم خود عمل نمی نمائید و بنا بر اغراض مصالح دنیوی
خود والہ کہ مسلم داشتم این امر را بر غیر خود زیرا کہ می دانم کہ سلامت مسلماناں درین تنزل و تسلیم است چہ درین تسلیم حیف خاصہ بر من است: بر اسلام و مسلماناں ترک مناقشہ کردم
طلباً للاخرۃ الموجود و با عثمان بیعت فرمود انتہی ان تینوں روایتوں میں تامل کرنا چاہیئے کہ حضرت علی نے بزور اور جنگ کس واسطے خلافت کو نہیں لیا ہے اُن سے خوف کرتے تھے اور
ڈری ہوئی تھی یا اس واسطے کہ لوگ مرتد ہو جائیں گے اور ماری جائیں گے اور اسلام میں فساد پڑ جائیگا اور مسلمان سلامت نہ رہیں گے تو کیا بار بار لکھتا ہے اور کس منہ سے کہتا ہے کہ علی خلفاء
ثلثہ سے ڈرے ہوئے تھے اور بیشک خلافت حق علی کا تھا اور موافق وصیت رسول خدا صلعم کے اور لوگوں کے مرتد ہو جانیکے خوف سے اور اسلام کے فاسد ہو جانیکے اندیشہ سے صبر کرکے بیٹھ
رہے اور خوف انکو کیسا تھا اور اس میں تقیہ انکا تھا بلکہ ایک مصلحت تھی اور اپنے زمانہ میں جو اظہار مذہب حق نکیا وہاں بھی ایک مصلحت تھی کہ انکے اکثر ہمراہیوں کے دلوں میں
محبت ثلثہ کی جمی ہوئی تھی اگر کچھ کرتے تو لوگ مرتد اور منتشر ہو جاتے منتظر تھے کہ سب آدمی یکسو میری طرف ہو جائیں تو کچھ کروں سو وہ نصیب ہی نہوا اور اسی واسطے جب
قاضیوں نے حضرت علی سے پوچھا کہ اب ہم کیا کریں پہلے حکموں کو جاری رکھیں یا آپ کچھ اور فرماتے ہیں تو جواب میں انکو لکھا کہ ابھی بدستور جاری رکھو یہانتک کہ سب میرے متفق ہو جائیں
یا میں مر جاؤں چنانچہ سنیوں کی روایت ہے کہ بخاری میں لکھی ہے کہ قاضیوں کے جواب میں لکھا اقضوا ما کنتم تقضون فانی اکرہ الاختلاف حتی یکون الناس جماعۃ
او اموت کما مات اصحابی اور تقیہ تو ثابت ہے قرآن اور حدیث سے اور روایات اہل سنت سے چنانچہ عنقریب معلوم ہو جائیگا اور باطل تو اسکو کوئی کیا کریگا اور جو کچھ لکھیگا
ہم اسکو باطل کرینگے اور بالانصاف تو تم ہو کہ حق اور باطل میں تمیز نہیں کرتے اور جواب نہیں آتا ہے تو طرح طرح کی چکمہ بازی لیتی ہو اور بسم لینا پیتے ہو **قال الشیخ**
الاشعری مخدوم من آفرین ہے اُن لوگوں کی ہوشیاری پر کہ جنکا یہ دین ساختہ پرداختہ ہے ایسے نامعقول باتوں کا بجز بدا اور تقیہ کے رواج ہو ہی نہیں سکتا اگر سنیوں نے
کلام اللہ کا حوالہ دیا تو بدا کا عذر لیا اماموں کا قول پیش کیا تو تقیہ سے الزام دیا اب بیچارہ سنی اپنا سا منہ لیکر رہ نجائیں تو اور کیا کریں غرض جس نے اس مذہب کو تراشا واقعی نہایت
ہوشیار تھا پر کم فہم بھی ہوں تو اتنی ہی ہوں جتنے حضرات شیعہ کہ دام و دانہ کے انکو کچھ تمیز نہیں ہے کیسے کیسے لوگ اس دام میں پھنس گئے یہ نسمجھا کہ دین خداوندی کو ایسی باتوں سے کیا
علاقہ یہ فقط یاروں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں عبد اللہ بن سبا یہودی منافق اور اُسکے شاگرد رشید ہوش یہ قواعد تشیع تصنیف ہوں **اقول** ۔ شیعوں کا تو وہ دین ہے
کہ جو خدا اور رسول خدا صلعم کا ارشاد کیا ہوا ہے اور اُس دین والوں کی حق میں رسول خدا صلعم نے حضرت علی سے خطاب کرکے فرمایا کہ یا علی انت و شیعتک فی الجنۃ اور اہل سنت کا
دین البتہ تراشا ہوا معاویہ اور یزید کا ہے کہ نام اس مذہب کا سنت جماعت انہی کے زمانہ میں کہا گیا ہے چنانچہ تاریخ الخلفا اور صواعق محرقہ سے ثابت ہوتا ہے تاریخ الخلفا میں لکھا ہے
کہ جس وقت سنہ ۴۱ھ میں معاویہ اور حضرت امام حسن کے درمیان صلح ہوئی تو معاویہ نے اُس سال کا نام جماعت رکھا اور صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ جس وقت سنہ ۶۱ھ میں حضرت امام حسین شہید
ہوئے تو یزید نے نام اُس سال کا سنت رکھا یہ ترکیب نامعقول اس لقب کی معاویہ اور یزید کے زمانہ سے ہے جس پر اہل سنت فخر کرتے ہیں اور ابتدا مذہب کی ابلیس سے ہے کہ پہلے سب سے ابلیس نے ایک عرب
کی صورت بنکر ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ابن ابی الحدید نے لکھا ہے شرح نہج البلاغہ میں کہ معاویہ نے اس مذہب کی تائید میں فضائل ثلاثہ وغیرہم میں بہت سی روایتیں
بنوائیں اور بدا تو اہل سنت کی کتابوں سے ثابت ہے اور روایتیں بدا کی پہلے اس سے ہم اہل سنت کی کتابوں سے لکھ چکے اور تقیہ کو اہل سنت کی کتابوں سے ثابت کرینگے اور شیعوں نے کلام اللہ
کے حوالہ میں ہرگز ہرگز بدا کا عذر نہیں کیا تو مفتری اور دروغگو ہے اور تقیہ کرنا تو رسول خدا صلعم کا اور صحابہ کا تیری کتابوں سے ثابت ہے اور عنقریب سنا دکر آتا ہے اگر کسی امام نے جناب
رسول خدا صلعم کی پیروی سے تقیہ کیا تو اعتراض نہیں ہو سکتا سنی اپنا سر کھاؤ کہ جب انکی کتابوں سے ہر کوئی بات ثابت ہوگئی تو وہ تو لاجواب ہو ہی جائینگے اور شیعوں کے مذہب کا
تراشنے والا تو خدا تھا اُسکے برابر کون ہوشیار ہوگا اور شیعہ بھی ہوشیار تھے تو انہوں نے خدا تعالی کی تراشے ہوئے مذہب کو اختیار کیا اور کم فہم سنی ہیں کہ جنہوں نے دانہ اور دام میں
کچھ تمیز نہ کی اور ثلاثہ اور معاویہ کے دام میں پھنس گئے اور یہ نہ سمجھے کہ دین خداوندی کو ان باتوں سے جو کہ جاہوں کی گھڑی ہوئی ہیں کیا علاقہ یہ فقط یاروں کی گھڑی ہوئی
باتیں ہیں نہ ابلیس اور اُسکے شاگرد رشید ہوش یہ قواعد تسنن تصنیف ہوں اور عبد اللہ بن سبا پر تو شیعہ لعنت کرتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** بہر حال اس حیلہ اخیر
کا جواب بھی دے لیجیے شاید خداوند کریم کسیکو ہدایت نصیب فرمادے۔ مخدوم من اول تو یہ عذر روایات مذکورہ میں نظر غور پیش نہیں جاتا خاصکر پہلی دو روایات میں حضرت امام سجاد
زین العابدین رضی اللہ عنہ وعن آبائہ الکرام نے جو کچھ اصحاب کرام کی تعریف فرمائی تو عین مناجات خداوندی اور دعا کے وقت فرمائی ہے خدا سے کیا تقیہ تھا اگر کسی بنی آدم
سے کلام گفتگو ہوتی تو یہ بھی احتمال ہوتا کہ شاید طرفداران صحابہ میں سے ہوا اگر خدا پر بھی صحابہ کی طرفداری کی تہمت تھی تو سنیوں کے نصیب کہ انکے پیشوا اب کی خدا بھی طرفداری

کر رکھا تھا لیکن شیعوں کو اپنا فکر چاہیے معہذا حق مذہب سوا اسکے اور کسے کہیں ہیں کہ خدا انکی پشتی پر ہو سارا کلام اللہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ المُتَّقِینَ اور اسی قسم کی آیات سے بھرا
ہے باقی خدا کی طرف یہ احتمال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا ہی اصحاب ثلاثہ سے ڈرتے تھا نعوذ باللہ منہا ہاں اگر شیعہ کہدیں تو کچھ نہیں کیونکہ ان کے عقاید کے موافق تو
حضرت علی کا تقیہ بھی کچھ اس سے کم نہیں شیر خدا صبری تھے باایں ہمہ اپنی موت اپنے اختیار میں چنانچہ کلینی نے اسبات کو ثابت ہی کیا ہے کہ اماموں کی موت انکے اختیار
میں ہے اور کلینی کیا سارے امامیہ اسپر متفق ہیں علم ماکان ومایکون جدا تھا اتنا یقینا بات تھے کہ فلانے وقت فلانے کے ہاتھ سے شہید ہونگا اس سے پہلے نہ اس سے پیچھے اور تمام عمر
اس طرح بآسائش گزار دونگا باوجود کثرت انبوہ دشمنان میرا کوئی مزاحم حال یا درپے جان و مال نہوگا اور اگر ہوگا بھی تو میرا کچھ نقصان نہوگا پھر ان سب اختیارات اور علوم کے بعد
شجاعت تو ایسی کہ ہزار رستم بھی ہوں تو مان جائیں ابوبکر عمر تو کسی گنتی میں ہیں اور کرامت اسقدر کہ درۂ خیبر کو اٹھا کر پھینکدیں خانہ ابوبکر اور عمر کی کیا حقیقت پھر باایں ہمہ ابوبکر
اور عمر سے ڈرتے کوئی انصاف کرے بتلاوے کہ یہ تقیہ خدا کے تقیہ سے کس بات میں کم ہے علاوہ بریں وقت تعریف مذکور ابوبکر عمر کا بجز نام کام نام و نشان باقی نرہا تھا اور
ظاہر ہے کہ مرے ہوؤں سے تو گیدڑ بھی نہیں ڈرتے شیر خدا پھر وہ بھی علی مرتضیٰ مرے ہوؤں سے ڈرتے تو قیامت آگئی **اقول** حیلہ گر تو تو ہے ہی اور کام تیرا سوا دروغگوئی کچھ نہیں
ہے مولوی عبد العزیز صاحب کی پیروی ہے تو طرح طرح کے اتہام شیعوں پر کرتا ہے اے اکذب الکاذبین یہ کس شیعہ نے لکھا ہے یا کہا ہے کہ حضرت سجاد نے تعریف جو صحابہ کی
کی ہے تقیہ سے کی ہے کسیکا تو نام لیا ہوتا یا تیرا کام سوا دروغ اور کذب کے اور کچھ نہیں ہے اے دروغگو تعریف صحابہ کی تو عین اعتقاد شیعوں کا ہے تقیہ کیسا تھا شیعوں کے نزدیک
تو صحابہ میں بعضے بعضے اولیاء اکمل تھے اور شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے کتاب خصال میں حضرت صادق ع سے روایت کی ہے کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ہزار آدمی
تھے آٹھ ہزار تو مدینہ میں سے اور دو ہزار مکہ میں سے اور دو ہزار آزاد کئے گئے آدمیوں میں سے نہ کوئی انمیں قدری تھا نہ مرجی تھا نہ حروری تھا نہ معتزلی تھا نہ صاحب رائے تھا روتے تھے
رات کو اور دن کو اور کہتے تھے کہ قبض کر تو ہماری روحوں کو پہلے اس سے کہ کھائیں ہم نان خمیر اور قاضی شوستری علیہ الرحمۃ نے مجالس المومنین میں ایک سو ستائیس [illegible]
صحابہ کے نام لکھے ہیں کہ جو شیعوں کے نزدیک ممدوحین میں سے ہیں سو حضرت سجاد نے جو اپنی مناجات میں صحابہ کا ذکر کیا وہ یہ صحابہ اخیار ہیں وہ لوگ کہ جو بسبب غصب کرنے حقوق
اور ایذا پہنچانے اہل بیت علیہم السلام کے اور انکی عداوت کے ایمان صحیح سے پھر گئے اور حضرت سجاد علیہ السلام نے کسیکا نام لیکر تعریف نہیں کی ہے بالاجمال ان صحابہ کا ذکر کیا ہے کہ جنہوں
نے صحبت کو نیک طرح سے ادا کیا ہے جیسے کہ خدا تعالیٰ نے بالاجمال تعریف کی ہے اور حضرت سجاد کی تعریف خدائے تعالیٰ کی تعریف کرنے سے بڑھکر نہیں ہے جب آیتوں میں
کل صحابہ مراد نہوئے جیسا کہ ہم لکھ چکے تو روایتوں میں کل صحابہ کیونکر مراد ہونگے بلکہ صحابہ اخیار مراد ہونگے جو کہ تا دم مرگ اپنے ایمان صحیح پر باقی رہے سو ہم خود معتقد اسکے ہیں اور تقیہ
کی اسمیں کوئی صورت نہیں ہے اسمیں جو تقیہ کو شیعوں کی طرف منسوب کرتا ہے وہ سراسر جھوٹ لکھتا ہے اور بعد اسکے جو اس نے تقیہ پر بنا کرکے لکھا ہے خدا سے تقیہ کرنا اور خدا کا
طرفدار اہل سنت کے بزرگوں اور پیشواؤں کا ہونا اور انکی پشتی پر ہونا اور خدا کا اصحاب ثلاثہ سے ڈرنا سب باطل ہے کہ حضرت سجاد کی مناجات کو کوئی شیعہ کہتا ہی نہیں ہے کہ یہ
مناجات تقیہ سے کی ہے اور حضرت علی کے تقیہ کا تو ہم اس سے پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں اور اہل سنت کی کتابوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت علی کسی سے ڈرتے نتھے اور نہ کسی آدمی
کا خوف انکو تھا اور ثلاثہ کی زمانہ میں جو بزور شمشیر خلافت کو غاصبوں کے ہاتھ سے چھینا نہیں ہے اور صبر کرکے بیٹھ رہے تو مسلمانوں کے مرتد ہوجانے کی خوف سے نہ کسیکے ڈر سے اور موت کے ائمہ علیہم السلام
کے اختیار میں ہونیکا بھی جواب ہم مفصل لکھ چکے کہ اختیار سے مراد یہ ہے کہ وہ موت کو اختیار اور پسند کرتے ہیں اور مکروہ نہیں جانتے لیکن یہ شخص ایک امر کو دس بار مرتبہ لکھتا ہے اور ہمکو
ہر بار جواب دینے کی احتیاج ہوتی ہے اور میں اب ان روایتوں کو لکھتا ہوں جنکی رو سے یہ لکھتا ہے کہ انکو مرنے میں اختیار تھا اول حدیث تو یہ ہے کہ جعفر صادق نے فرمایا کہ ای امام
لا یعلم ما یصیبہ والی ما یصیر فلیس ذلک بحجۃ اللہ یعنی جو امام کہ نہ جانے کہ کیا پہنچتا ہے اسکو اور طرف کس چیز کے رجوع کریگا پس وہ حجت خدا کی خلقت پر نہیں ہے اور مفہوم اس روایت کا یہ ہے
کہ امام کو خبر دیجاتی ہے کہ زہر سے شہید ہوگا یا شمشیر سے یا فلانی بلا تجھپر نازل ہوگی اور یہ اسمیں کہاں ہے کہ موت امام کے اختیار میں ہوتی ہے اور دوسری روایت طولانی ہے اور حاصل اسکا بھی یہی ہے
کہ خدا تعالیٰ امام کو خبر دیتا ہے مرنے کی اور یہ اسمیں نہیں ہے کہ امام کو موت کا اختیار ہے اور تیسری روایت میں بھی یہی ہے کہ امام زین العابدین نے امام محمد باقر علیہ السلام سے فرمایا کہ آج کی شب میری
رحلت ہے دنیا سے کہ آج ہی کی شب جناب رسولخدا صلعم نے وفات پائی تھی اور چوتھی روایت میں یہ ہے کہ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام نے قاتل کو اور شب ضربت
کو اور موضع ضربت کو جانتے تھے اور اس روایت میں خُیّر کا لفظ آیا ہے یعنی اختیار دیا گیا ہے وفات میں اور زندہ رہنے میں سو انہوں نے وفات کو اختیار کیا اور خیر سے
یہ مراد نہیں ہے کہ انکو موت کا اختیار ہے اور اکثر نسخوں میں کافی کے خُیّر کی جگہ حُیّن ہے اور معنی تحیین کے ختم کرنا اور دیکھ کر زمانہ زندگانی دنیا سے ہے اور پانچویں روایت
میں یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شیعہ پر غضبناک ہوا اور شرح میں اس حدیث کی لکھا ہے کہ غضبناک ہوا مخالفت اور عدم اطاعت کی جہت سے
امام نے فرمایا کہ اختیار دیا مجھکو میرے اور انکے نفس کے درمیان میں تو میں نے اپنی جان سے انکی حفاظت کی کہ اپنی شہادت کو وسیلہ شیعوں کی نجات کا کیا اور چھٹی روایت میں

یہ ہے کہ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے رسولخدا صلعم کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں کہ اے علی تیری دوسلی آئے پاس بہتر ہے اور ساتویں حدیث یہ ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام
فرماتے ہیں کہ میں وقت وفات پدر عالیقدر اپنی کے موجود تھا مجھکو کئی وصیتیں کیں اور فرمایا کہ اے فرزند کیا علی بن الحسین کو نہیں سنتا ہے کہ دیوار کے پیچھے سے آواز دیتا ہے کہ اے محمد جلدی آ
اور آٹھویں حدیث میں یہ ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ امام حسین علیہ السلام کو اختیار دیا تھا کہ حضرت کو اختیار کیا ملاقات پروردگار کو انہوں نے ملاقات پروردگار اختیار کیا یہیں کل حدیثیں جو
اس مقدمہ میں آئی ہیں لیکن یہ کہیں نہیں ہے کہ اُنکو موت کا اختیار تھا یہ شخص لوی عبدالعزیز صاحب کے پیروی سے بالکل جھوٹ لکھتا ہے مگر یہ بات ہے کہ اس باب کے عنوان میں لکھا ہے کہ
یعلمون متی یموتون وانہم لا یموتون الا باختیار ھم یعنی جانتے ہیں ائمہ علیہم السلام کہ کسوقت مرینگے وہ اور تحقیق کہ وہ نہیں مرتے ہیں مگر ساتھ پسند کرنے اپنی کے کہ موت کو
پسند کرتے ہیں سو اختیار ھم کے لفظ سے جو کہ عنوان میں ہے شاہ صاحب نے دھوکا کھایا ہے اور مراد کو سمجھے نہیں اور اس باب کی جسقدر حدیثیں ہیں اور ہمنے بیان کی ہیں خلاصہ اُنکے
دیکھو کہ کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ موت امام کے اختیار میں ہوتی ہے البتہ یہ ثابت ہے کہ مرنے سے پہلے اُنکو خدا تعالی خبر کر دیتا ہے اور اس کذاب دروغگو کے دروغکو تو دیکھو کہ لکھتا ہے
کہ کلینی نے اس بات کو ثابت کیا ہے اور حال یہ ہے کہ کلینی نے جو روایتیں کہ ہمنے لکھی ہیں اس باب کے تحت میں اُنکو لکھدیا ہے اور ثابت کرنیکا تو کچھہ ذکر ہی نہیں ہے تو تمیر یہہ دروغ دیکھیے
کہ لکھتا ہے کہ کلینی کیا ساری امامیہ اسپر متفق ہیں ایسی جھوٹ پر آسمان بھی ٹوٹ نہیں گرتا ہے سچ کہا ہے مرزا رفیع سودا نے کہ ع جسدن سے ہیں باہر دین کے بوٹے نکلے * سنیت خلق ساری جھوٹے
نکلے * اصحاب ثلثہ کی محبت ہے یہانتک * داڑھی بھی جو نکلی تو کھونٹی نکلی * اور علم ماکان و مایکون کا جواب مفصل ہم لکھ چکے ہیں جا دیکھ لے کہ مراد ماکان کے علم سے یہ ہے کہ وہ قادر تھے
ہر ایک چیز کے علم پر کہ جس چیز کا علم وہ چاہتے تھے تو خدا تعالی اُنکو تعلیم کر دیتا تھا اور جس روایت میں امام نے فرمایا ہے کہ ہمکو علم ماکان و مایکون ہے تو مراد اُس سے یہی ہے اسواسطے کہ حضرت صادق
نے فرمایا ہے اذا اراد الامام ان یعلم شیئًا اعلمہ اللہ ذالک اور یہ مراد نہیں ہے کہ بالفعل اُنکو سب حاضر ہو جیسی کہ خدا کی ذات کو حاضر ہے اور اُنکے مرنے کو خدا تعالی آگاہ کر دیتا ہے البتہ جانتے تھے اور جو کچھہ اُنپر واقع ہو اُسکو
سی گزارا اور بعضے وقت مصلحت وقت سے احتیاج تقیہ کے ہوئی اُنکو بھی خدا آگاہ کرتا تھا جانتے ہونگے سو کچھہ بڑی بات نہیں ہے اہلسنت کے کتابوں میں تو بعضی بعضے جلاہوں کو جنکو اولیاء اللہ کہتے ہیں لکھا ہے کہ جانا جنکا حال اُنکو معلوم ہو جاتا اور بعد
شجاعت علی کی ایسی ہی تھی کہ ہزار رستم کی کچھہ حقیقت اُنکے سامنے نہ تھی اور در خیبر کے اُکھاڑ دینے میں کچھہ شبہ نہیں اور ابوبکر و عمر تو حضرت علی کے سامنے مثل چیونٹی اور مچھر کے تھے اور
ہرگز کبھی اُنسے ڈرتے نہیں ہیں ابوبکر سے اور نہ عمر سے ایکمرتبہ عمر کو پکڑ کر اُٹھا لیا اور کہا کہ اے ابن صہاک حبشیہ اگر وصیت رسولخدا صلعم کی نہوتی تو تیری ہڈیاں توڑ ڈالتا اور ثلثہ
کی مدح تقیہ سے ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے اور خلافت تینوں میں تامل کیا تو لوگوں کی مرتد ہو جانیکے خوف سے چنانچہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں اور حضرت علی نے کسیکی خوف سے ہرگز تقیہ
نہیں کیا ہے اور جو کسی امر میں خاموش ہو کر بیٹھہ رہے تو مقتضائے مصلحت یہی تھا نہ خوف کسیکا اور ہمارے نزدیک ابوبکر اور عمر کی تعریف ہی ثابت نہیں ہے چنانچہ ہم لکھ چکے ہیں پھر تقیہ
کیا تھا اور فرض و تسلیم کر کے ہی ہمنے جواب دیدیا تھا کہ اُسوقت لوگوں کی برہم اور منتشر ہو جانیکا خیال تھا اسواسطے اُن معتقدین ثلثہ کی تالیف کرتے تھے ثلثہ کی تعریف
کر کے اور ثلثہ اُسوقت کہاں موجود تھے کہ اُنکا خوف ہوتا وہ تو اپنی مقر اصلی کو پہنچ گئے تھے صلح حدیبیہ میں جناب رسولخدا صلعم نے رسول اللہ کے لفظ کو کیوں مٹا دیا وہ تو ہر امر
میں حضرت علی سے زیادہ تھے علم میں اور شجاعت میں سب میں اور خود حضرت علی جو شیر خدا تھے وہ بھی حضرت کے ہمراہ تھے لیکن حضرت نے اُس لقب کو کہ جسکے ذریعہ سے واسطے ہدایت
کے آئے تھے اُسکو مٹا دیا اور ایسے ڈر کر کفار سے کہ طواف کعبہ سے محروم ہو کر واپس چلے گئے یہانتک کہ عمر نے رسولخدا صلعم کی نبوت میں شک کیا اور کہا کہ جیسا کہ مینے آج شک کیا ایسا
پہلے نکیا تھا پھر کہاں گئی شجاعت رسولخدا اور علی مرتضی کی تیرے نزدیک کہ باوجود کثرت اصحاب کے حضرت تیرے نزدیک کفار سے ڈر کر صلح کر لی اور کونسی ضرورت تھی صلح کر نیکی سیدھی خانہ کعبہ کو چلی جاتی لیکن
تو نہیں جانتا ہے کہ ہر ایک امر کی ایک مصلحت ہوتی ہے اور جیسے کہ پیغمبر اپنی مصلحت کو جانتا ہے ایسے ہی امام اپنی مصلحت کو جانتا ہے اور تو اسکو خوف پر محمول کرتا ہے **قال الشیخ الاشعری** خیر کہانتک کہیں مطلب اتنا ہے کہ دعا کے وقت کہ جو وقت مناجات عالم السر و الخفیات ہے اُسوقت تقیہ ہونا ایسا ہی جیسا کہ منافقین کا نماز پڑھنا بلکہ اُس سے
بھی بڑھ کر منافق بندہ خدا کو دھوکا دیتے تھے اور درصورت تقیہ نعوذ باللہ حضرت امام سجاد خدا کو یہ نکہ یہہ تو ہم یقینًا جانتے ہیں اور شیعہ بھی کتنے ہی نادان کیوں نہوں اس کے
خلاف نکہیں گے کہ حضرت امام کی عبادت کی روئے دریا تھی کہ سنی یا معتقد خلفاء کی استرضا کا تو اُنکی عبادت میں احتمال ہی نہیں بجز اسکے کہ بخیال جانبداری خلفاء جو خدا کی نظروں
میں آئی یہ خیال میں ہو کہ ایسا نہو کہ خداوند کریم سب خلفاء اور بے اعتقادی صحابہ سے اگرچہ حق ہی ہو ناراض ہو جائے نعوذ باللہ من ہذہ الخرفات جناب من ایسے محل میں تقیہ کا احتمال کرنا
جس پہلو پلٹ کر دیکھو دین کو برہم درہم کئے دیتا ہے یا خداوند کریم کیطرف جبر آئے عائد ہوگی تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا یا ائمہ کیطرف نعوذ باللہ کثیرا بہرحال تقیہ کے پردہ میں دشمنان
اہلبیت ائمہ کو کیا کیا کچھہ نہیں کہتے و معنی بہت خوب صورتی سے ہجو کرتے ہیں بھلا امام سجاد تو ستمدیدہ اور ظلم کشیدہ دشمنان سفاک تھے تیسیر وہ شجاعت تھی جو حضرت امیر میں تھی
نہ وہ کرامت تھی جو حضرت امیر میں تھی اگر اُنکے حق میں کوئی تقیہ کا دعوی کرے تو شاید کوئی موقوف ذالجملہ ان بھی جائے **اقول** ہم مفصل لکھ چکے کہ حضرت سجاد نے جو صحابہ کی تعریف
کی ہے یہ عین ایمان اور اعتقاد ہمارا ہے اور تقیہ کو اسمیں کچھہ دخل نہیں ہے اور بیشک وہ ایسی ہی تھے لیکن جو لوگ کہ بسبب حب جاہ اور طمع ریاست اور مال دنیا کے ایمان صحیح سے خارج ہو گئے وہ اس

مع سے مستثنے ہیں اسواسطے کہ صحابی کی تعریف میں ہے کہ صحبت رسول خدا صلعم کی با کر ایمان پر مرے اور جس صورت میں کہ ہم حضرت سجاد کے تقیہ کی راہ سے دعا کرنیکے قائل نہیں ہیں اور تعریف کو انکی واقعی جانتے ہیں تو جو کچھ کہ اس دروغ نویس نے تقیہ پر بنا کرکے جھوٹ اور پوچ لکھا ہے سب باطل ہوگیا اور اب ہمیں اس کے قول کے ہر فقرہ کے رد کرنیکی احتیاج نہیں ہے

قال الشیخ الاشعری لیکن ستم تو یہ ہے کہ حضرت امیر کی نسبت باایں ہمہ زور شجاعت وباوجود دعوئے علم وکرامت استمرار صحت سلامت کہ زمان خلفاء ثلاثہ سے لیکر اپنی خلافت تک بے اندیشہ گزاری اپنی نیند سوئے اپنی بھوک کھایا یا یہ احتمال کیا جاتا کہ انہوں نے ایسے دس جھوٹ پر قسم کھائی کہ انکی بدولت آسمان گر جائے تو عجب نہیں اور زمین پھٹ جاوے تو دور نہیں کہ ایسے اوصاف جمیلہ کہ الگ بھگ انبیاء کے اوصاف اور لوازم کے ہیں کہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہ بزعم شیعہ ابلیس سے بھی بڑھکر کہ اسکا تبرا مستحب بھی نہو اور انکا تبرا فرض بلکہ اس سے بھی بڑھکر کہا جائے تو عجب نہیں کیونکہ موافق مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا کے ایسے ویسے لوگوں کے فرضوں کا ثواب دس گنا ہو تو ہو اسلئے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو ایک نیکی لیکر آئیگا تو اسکو دہ چند ثواب ملیگا اور لعن شیخین اسقدر مقبول ہے کہ انکی کتابوں میں مرقوم ہے کہ ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما پر ہر صبح لعنت کرنی ستر نیکیوں کے برابر ہے اور پھر طرفہ یہ ہے کہ ابلیس اور نمرود اور شداد اور فرعون اور ابوجہل اور امیہ بن خلف اور ابولہب وغیرہم دشمنان خدا اور رسول کا لعن اور تبرا ماشاء بھر نیکی کے برابر نہیں کسی نے ایسوں ہی کی تعریف میں کہا ہے۔ بریں عقل ودانش بباید گریست۔ بالجملہ ایسے لوگوں کی تعریف جو ابلیس اور نمرود اور فرعون اور ابوجہل وغیرہم سے بھی بڑھکر ہو اور پھر تعریف بھی تھوڑی کہ دس بڑے بڑے کمالات تقسیم بیان کئے جائیں ایسے کاملوں سے جنکا نام حضرت علی شیر خدا جنکی اوصاف اوپر مذکور ہو چکی جبھی ہوسکتی ہے کہ کافر ہونیکے یہ معنی ہوں کہ بڑا ہی مطیع وفرمانبردار ہو سوا اگر کفر کے یہی معنی ہیں تو پھر کون مردود بڑا ماننا ہے اپنی گالیاں تو شیعہ جتنی چاہیں دیں بجز تسلیم اس طرف سے انشاء اللہ جواب ہی نہو گا۔ بدم گفتی وخورسندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ مے زیبد لب لعل شکر خارا ۔ سبحان اللہ کس کس پیچ سے حضرات ائمہ کی معصومیت بلکہ بزرگی کو بٹا لگاتے ہیں خوارج سے شیعہ ہم جانیں کچھ دو انگشت زیادہ ہی ہونگے پر اتنا ہی غنیمہ سنوار کر جہاں نجو کر عیب لگاتے ہیں اور خوارج اناڑیوں کی طرح بے سوچے سمجھے گنوار کا لٹھ مارنے بیٹھے ہیں **اقول** حضرت امیر کی شجاعت اور علم میں کیا شبہ ہے کہ اپنا مثل نرکھتے تھے اور کسیکے خوف سے انہوں نے تقیہ بھی نہیں کیا چنانچہ پہلے اس سے ہم مفصل اہل سنت کی کتابوں سے لکھ چکے اور بے اندیشہ گزارنا اور اپنی نیند سونا جبھی نصیب ہوا ہے کہ موافق وصیت رسول خدا صلعم کو صبر کرکے بیٹھ رہے اور اگر رسول خدا صلعم کی وصیت پر عمل نکرتے اور ذوالفقار میان سے باہر نکالتے تو کشتوں کے پشتے لگ جاتے پھر کفر ظہور میں آتا اور اسلام برہم ہوجاتا اور دس جھوٹ پر انہوں نے ہرگز قسم نہیں کھائی ہے کہ اسکو بھی ہم لکھ چکے اور آسمان تو اسوقت گرتے اور زمین اسوقت پھٹتے کہ جب انہوں نے جھوٹ بولا ہوتا اور ابوبکر کے حق میں وہ اوصاف بیان کئے ہوں ابوبکر کے حق میں تو انہوں نے فرمایا ہی نہیں ہے اور کیونکر ابوبکر یا عمر کے حق میں فرماتے کہ انکو تو وہ خائن اور کاذب اور غادر اور آثم جانتے تھے جو کہ اوصاف منافقین کے ہیں چنانچہ حنظلہ کے جواب کے رد میں فدک کے ذکر میں معلوم ہوگا اور خطبہ شقشقیہ میں تصریح انکی مذمت کرتے ہیں اور تاریخ الخلفاء اور صواعق محرقہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ انکو عبدالرحمن وغیرہ خلیفہ کرنے لگے اس شرط پر کہ ابوبکر اور عمر کی سیرت پر عمل کرو تو اسکو قبول نکیا اور سیرت کو انکی بدعت سمجھے تو کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ ان الفاظ سے انکی تعریف کریں کیا انکا نام خطبہ میں لکھا ہے کہ خواہ مخواہ انہی واسطے کہا جاتا علی الخصوص جبوقت کہ خطبہ ماخوذ ہو اہل سنت کی کتابوں سے اور مخالف ہو روایات تو یہ کتب فریقین کی اور ابلیس پر لعنت کرنیکی احتیاج کیا ہے کہ وہ تو پہلے ہی سے خدا کی زبان سے ملعون ہورہا ہے اور ثلاثہ پر لعنت کرنا شیعوں کو حضرت علی ہی نے تعلیم کیا ہے چنانچہ ابن ابی الحدید کہ معتقد حقیت خلافت ثلاثہ ہے شرح نہج البلاغت میں لکھتا ہے کہ یحییٰ بن سعید حنبلی نے نقل کی کہ میں حاضر تھا اسمعیل حنبلی کے پاس جو کہ پیشوا حنابلہ بغداد کا ہے اور ایک مرد کوفی کے ذمہ ایک حنبلی کا قرض تھا وہ حنبلی اسمعیل حنبلی کے پاس آیا تو اسمعیل نے اس حنبلی سے پوچھا کہ تونے اپنی مقروض کے باب میں کیا کیا اپنا قرض اس سے لیا یا نہیں اس نے کہا کہ میں بیزار ہوا اپنی قرض دکہ بروز غدیر امیر المومنین علی کے قبر پر میں گیا تا کہ قرض اپنا اس سے وصول کروں بڑی فضیحتیں وہاں دیکھیں اور اقوال شیعوں کے سُنے کہ علانیہ بخوف وخطر خلفاء ثلاثہ پر لعنت کرتے ہیں چنانچہ میں قرض اپنا بھول گیا اسمعیل حنبلی نے کہا کہ واللہ یہ جرأت نہیں دلائی ہے انکو اور یہ راہ نہیں کھولی ہے واسطے انکے مگر صاحب قبر نے یعنی علی نے اور شیعوں کا اسمیں کیا گناہ ہے اس حنبلی نے سنکر کہا کہ اگر علی حق پر تھا تو ابوبکر کو خلیفہ کیوں جانیں اور اگر باطل پر تھا تو اسکو امام کیوں سمجھیں اسمعیل حنبلی نے یہ بات سنی تو جوتیاں پہن کر چلا اور کہتا تھا کہ لعنت خدا کی ہو اسمعیل پر اگر جواب اس مسئلہ کا جانتا ہو اور نمرود اور شداد اور فرعون وغیرہ پہلی امتوں میں تھے اسلئے ہم کو دنیا مطلب ہے اور ابوجہل اور ابولہب نے جو کچھ کیا اپنی جانوں کے ضرر کیواسطے کیا اور ابوبکر اور عمر نے تو اس امت مرحومہ میں خرابی ڈالی ہے کہ لوگوں کو گمراہ کیا ہے اور قیامت تک گناہ ہی چلی جائیگی اسواسطے زیادہ مستحق تبرا کے ہیں ۔ بمصرعہ بریں عقل ودانش بباید گریست ۔ اشعریہ لاشعوریہ کی شان میں ہے کہ اچھوں اور بروں کو سب کو ایک قطار میں کھینچتے ہیں اور تمیز حق اور باطل کی نہیں کرتے اور ہم دس کے قائل ہیں اور دس بڑے بڑے کمالات حضرت علی شیر خدا نے قسم کھا کر ابوبکر یا عمر کے واسطے ہرگز نہیں فرمائے ہیں چنانچہ ہم لکھ چکے بھلا کون عقل کا اندھا کہیگا کہ کافروں کی حق میں ایسا فرمایا ہے ہاں اہل سنت کافروں کے حق میں ایسا کہتے ہیں جو کہ مطیع اور فرمانبردار خدا کے نہیں تھے اور شیعہ گالیاں تو کسیکو نہیں دیتے ہیں لیکن بددعا انکے حق میں کرتے ہیں جنہوں نے دین خدا میں خرابی ڈالی اور ائمہ معصومین سے جو کہ شیعوں کو اعتقاد ہے اور فضائل انکے بیان کرتے ہیں جانتے ہیں اور انکی تاریخ ولادت

خوشی کرتے ہیں اور انکی وفات کے روز خیرات کرتے ہیں اور ثواب اسکا انکی ارواح مقدسہ کو بخشتے ہیں اور انکے ناموں پر اپنی اولاد کا نام تبرکاً اور تیمناً رکھتے ہیں بخلاف ثلاثہ کے کہ علماء اہل سنت ہر چند انکو چمکاتے ہیں لیکن وہ مٹھی اور مٹے ہی جاتے ہیں کہ نہ تو کوئی انکی تاریخ ولادت کو جانتا ہے اور نہ تاریخ وفات کو اور نہ کوئی انکی فاتحہ دلاتا ہے بلکہ عوام تو انکو جانتے بھی نہیں کہ وہ کون تھے اور نہ کوئی انکے نام پر نام رکھتا ہے ہزار آدمیوں میں شاید کسیکا نام ابوبکر یا عمر ہو اور ہر چند علماء اہل سنت اہل بیت کے مٹانے میں قصور نہیں کرتے لیکن خدا تعالیٰ انکو روشن ہی کرتا ہے کہ شیعہ و سنی میں انکا ہی شہرہ ہے اور محمد اور احمد اور علی اور حسن اور حسین کے نام پر نام رکھتے ہیں اور انکی ہی مناقب لکھتے ہیں اور نہ تو کوئی ثلاثہ کے نام پر نام رکھتا ہے اور نہ کوئی انکی مناقب لکھتا ہے مگر بہ نہایت شاذ و نادر اور خوارج اگر ہیں تو وہ انہیں میں ہی ہیں کہ اہل سنت میں سے کوئی زیادہ عداوت اہل بیت سے رکھنے لگا وہ خارجی اور ناصبی ہوگیا **قال الشیخ الاشعری** القصہ یہ عذر پوچ عاقلوں کے سامنے کہ ائمہ معصومین اصحاب ثلاثہ یا اور مہاجرین و انصار کی تعریف بوجہ تقیہ کرتے تھے قطع نظر اسکے کہ عقل کے نزدیک یہ عذر لاطائل گوز شتر کی طرح بجتا ہے یوں بھی تو قابل تمسک نہیں کہ جن بزرگوں کی طرف تقیہ کی تہمت کرتے ہیں انہیں بزرگواروں کے افسانے جو انکی معتبر کتابوں میں منقول ہیں باواز بلند تقیہ کی تکذیب کرتے ہیں ہر چند سب کا اس رسالہ میں درج کرنا ممکن نہیں لیکن مشتے نمونہ خرواری دو تین روایتیں جو امام الائمہ حضرت امیر کے اظہار حق اور صدق حال پر دلالت کریں درج کی جاتی ہیں تا کہ بحکم متابعت بزرگان اوروں کی بزرگی اور خوبی بھی کذب و ریا سے پاک و صاف ہو جاوے اور معلوم ہو جائے کہ جب شمس الائمہ کا حال یہ ہے کہ تقیہ میں جو بفتوای شیعہ انکے منجملہ فرائض ہی تھا اسقدر تقصیر وار تھے اور احکام کا تو کیا ذکر تو اور ائمہ کا کیا حال ہوگا نہج البلاغت میں جو شیعوں کے نزدیک اصح الکتب اور متواتر ہے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا یہ قول تقیہ کے ابطال میں دلیل قوی اور برہان کامل ہے علامة الایمان ایثارك الصدق حیث یضرك علی الكذب حیث ینفعك یعنی ایمان کی نشانی یہ ہے کہ جہاں سچ بولنا ضرر کرتا ہو ایسی جگہ سچ بولنے کو مقدم رکھے جھوٹ بولنے پر جو نفع دیتا ہو اس روایت سے صاف نکلتا ہے کہ جو تقیہ کرے اسمیں ایمان نہیں کیونکہ علامت ایمان کی یہ ہے کہ جان و مال کا ضرر ہو جاوے پر جھوٹی بات زبان پر نہ لاوے **اقول** پہلی دلیلیں تقیہ کی اقوال علماء اہل سنت سے بیان کرتا ہوں کہ یہ شیخ نجدی تقیہ کے پیچھے بہت پڑا ہوا ہے تاکہ لوگونکو اسکا واہی بکنا معلوم ہو جاوے اور بعد اسکے اسکے قول کا جواب لکھونگا دلیل اول اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً یعنی نہ پکڑیں مومنین کافروں کو دوست سوائے مومنین کے اور جو کوئی کرے اسکو تو بس نہیں ہے خدا تعالیٰ کی کسی چیز میں مگر یہ کہ ڈرو تم ان کافروں سے ڈرنا بیضاوی میں اسکی تفسیر میں لکھا ہے کہ کفار سے دوستی کرنی جایز نہیں ہے اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً مگر یہ کہ خوف کرو تم انسے تو اسوقت تقیہ سے ظاہر میں دوستی کرو اور یعقوب قاری کو اسمیں لکھا ہے کہ اس نے تقیۃ کو تقیہ ہی پڑھا ہے اور بخاری نے کتاب الاکراہ میں تقاۃ کے معنی تقیہ کے لکھے ہیں اور فتح الباری میں بھی تقیہ لکھا ہے دلیل دوسری اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ یعنی جو شخص کہ کفر کرے ساتھ خدا کے بعد ایمان کے مگر وہ شخص کہ جبر کیا جاوے اور دل اسکا مطمئن ہو ساتھ ایمان کے تفسیر بیضاوی میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت عمار کے مقدمہ میں نازل ہوئی ہے کفار نے از راہ زبردستی عمار سے کفر کے کلمے کہلائے تو انہوں نے اپنی زبان سے سب کہے اور لوگوں نے رسولخدا صلعم سے کہا کہ عمار کافر ہو گیا اس نے کفر کی باتیں کہیں حضرت نے فرمایا کہ نہیں عمار سر سے پاؤں تک ایمان سے پر ہو رہا ہے اور عمار حضرت کے سامنے رونے لگے تو فرمایا کہ رو نہیں اگر تجھ سے پھر طلب کریں تو پھر کہہ اور ایسا ہی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے دلیل تیسری تفسیر بیضاوی میں آیت وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ کی تفسیر میں حضرت موسیٰ کی لکھا ہے کہ فانه علیه السلام كان یعاشرهم بالتقیة یعنی پس وہ موسیٰ تھا کہ زندگانی کرتا تھا انمیں ساتھ تقیہ کے دلیل چوتھی حقتعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ یعنی نہ ڈالو تم ہاتھوں اپنوں کو طرف ہلاکت کے اور ترک تقیہ بعض اوقات موجب قتل ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ محل خوف ہلاکت میں تقیہ واجب ہے دلیل پانچویں کتب صحاح میں لکھا ہے کہ رسولخدا صلعم نے عائشہ سے فرمایا کہ لولا قومك حدیثو عهد بالاسلام لهدمت الكعبة وبنیتها على قواعد ابراهیم یعنی اگر نہ ہوتی قوم تیری نئی مسلمان تو ڈھاتا میں کعبہ کو اور بناتا میں اسکو بنیاد ابراہیم پر سو حضرت نے عائشہ کی قوم سے تقیہ کر کے کعبہ کو نہ ڈھایا دلیل چھٹی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ جناب رسولخدا نے ابوذر سے فرمایا کہ کیف تصنع اذا خرجت منه قال اضرب بسیفی قال صلعم الا ادلك على ما هو خیر لك من ذلك واقرب رشدا اسمع وتطیع وتنساق لهم حیث ساقوك یعنی کیونکر کریگا تو جسوقت نکالا جاوے تو اس مسجد سے کہا کہ مارونگا میں اپنی تلوار سے فرمایا حضرت نے کہ خبردار ہو کہ رہنمائی کروں میں تجھکو اسپر کہ وہ بہتر ہے واسطے تیرے اس سے اور قریب تر رشد کے ہے کہ جو کہیں وہ سن تو اور فرمانبرداری کر تو اور کھینچ جا تو جدھر کو وہ تجھکو کھینچیں کہ کاربند تقیہ کا ہو اور جو کہیں وہ ظالم وہ ہی کہہ تو دلیل ساتویں صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کبھی جھوٹ نہیں بولے مگر تین جھوٹ چنانچہ لکھا ہے کہ عن ابی هریرة ان رسول الله صلعم قال لم یكذب ابراهیم النبی قط الا ثلث كذبات اور فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ فلم یصدر ذلك من ابراهیم یعنی اطلاق الكذب على ذلك الا فی شدة الخوف لعلو مقامه یعنی پس نہیں صادر ہوا وہ ابراہیم سے یعنی بولنا جھوٹ کا اسپر مگر شدت خوف میں واسطے بلند ہونے مقام انکے کے اور قاضی نے شرح شفا میں لکھا ہے کہ قال تقیة خشیة ان یقتله یعنی کہا از روے تقیہ اور خوف کے اس سے کہ قتل کرے اور یہ حضرت ابراہیم کی زوجہ کے مقدمہ میں ہے کہ انکو اپنی خواہر کہا تھا بعد اگر زوجہ کہتا تو وہ قتل کرتا

دلیل آٹھویں تاریخ خمیس میں لکھا ہی کہ زینب دختر رسول خدا صلعم مسلمان ہو گئی تہی اور شوہر اُسکا ابو العاص کافر تہا اُنمیں مفارقت نکرواسکے اور عائشہ سے روایت لکھی ہی کہ قالت کان
الاسلام فرق بین زینب وابی العاص الا ان رسول اللہ صلعم لا یقدر ان یفرق بینہما وکان مغلوبا بمکہ یعنی کہا عائشہ نے کہ تہا اسلام کرنیوالا جدائی ڈالنی تہی اُس نے درمیان زینب و
ابو العاص کے مگر رسول خدا صلعم قادر نہ تہی کہ جدائی کردیں اُن دونوں میں اور تہے وہ مغلوب مکہ میں دلیل نویں فرائض شریفی میں اور احیا العلوم میں لکھا ہی کہ ایجاد عول کا عمر نے اپنی زمانہ میں
کیا تہا اور بعد مرنے عمر کے ابن عباس کہتے تہے کہ عول تقسیم میراث میں جایز نہیں ہی لوگوں نے کہا کہ تونے عمر کے زمانہ میں کیوں منع کیا کہا کہ عمر کے خوف سے اور کتاب التحقیق شرح مختصر ابی محمد میں لکھا ہی کہ
کبھی سکوت واسطے مہابت اور تقیہ کے بھی ہوتا ہی جیسے کہ ابن عباس نے سکوت کیا عول کے منع کرنے میں دلیل دسویں شاہ ولی اللہ پدر مولوی عبد العزیز نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہی اور محمد بن اسحاق سے
روایت کی ہی وہ کہتا ہی کہ میں نے امام محمد باقر سے خمس کے مقدمہ میں پوچھا تہا کہ کیا تہی رائے علی کی خمس میں یعنی ذوی القربی کے حصہ دینے میں فرمایا کہ جو رائی کہ اُنکے اہل بیت کی تہی کہ اُنکا حصہ دینا
چاہئے وہ ہی رائے علی کی تہی لیکن خلاف رای ابو بکر اور عمر کے کرنا مکروہ جانا چنانچہ لکھا ہی کہ اخبرنی محمد بن اسحاق وعن ابی جعفر قلت لہ ما کان رای علی فی الخمس قال کان رایہ فیہ رای اہل بیتہ
ولکن کرہ ان یخالف ابا بکر وعمر اور ملا علی قاری نے بھی ایسی ہی روایت شرح مشکوۃ میں لکھی ہی اور آخر میں اُسکے لکھا ہی کہ امام محمد باقر نے جواب اُسکے میں قال کرہ واللہ ان یدعی علیہ
بخلاف سیرۃ ابی بکر وعمر کہا کہ مکروہ جانا قسم ہی خدا کی اسکو کہ دعوی کیا جائے اُسپر ساتھ خلاف سیرت ابوبکر و عمر کے حاصل اسکا یہ ہی کہ ابو بکر اور عمر نے خمس میں سے ذوی القربی کے حصہ کو
برخلاف حکم رسول خدا صلعم کے منع کیا تہا اور حضرت علی جانتے تہے کہ حصہ ذوی القربی کا دینا واجب ہے لیکن اپنی خلافت کے زمانہ میں حصہ ذوی القربی کو دینا مکروہ جانا کہ ابوبکر اور عمر کی
مخالفت ہوتی تہی اور اگر دیتے تہے تو اکثر ہمراہی حضرت علی کے کہ اُنکے دلوں میں محبت ابوبکر اور عمر کی بہری ہوئی تہی دعوی کرتے کہ تونے ابوبکر اور عمر کی سیرت کے مخالفت کی واسطے اُسکے تقیہ
کیا اور وہ ہی کیا جو ابوبکر اور عمر کرتے تہے دلیل گیارھویں فتاوی قاضی خاں میں لکھا ہی کہ ابراہیم خطبہ میں کلام کرتا تہا اُس سے پوچھا تو قال انی صلیت الظہر فی داری ثم
رحلت الی المسجد تقیۃ پس کہا کہ نماز ظہر پڑھی میں نے اپنے گھر میں پہر آیا میں مسجد میں تقیہ سے دلیل بارھویں جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفا میں لکھا ہی کہ مامون نے سات علما کو
کہ بلا کر قرآن کے مخلوق ہونیسے استفسار کیا تو تقیہ سے اُنہوں نے جواب دیا کہ قرآن مخلوق ہی چنانچہ لکھا ہی کہ وسبعہم انہم توقفوا وکانوا اجابوا تقیۃ اور امام احمد حنبل سے پوچھا تو
یہ تو نہ کہہ سکے کہ مخلوق نہیں ہے لیکن اسقدر کہا کہ کلام خدا ہے نہ اسپر میں کچھ زیادہ کرتا ہوں ورنہ کم کرتا ہوں دلیل تیرھویں صحیح بخاری میں لکھا ہی قال الحسن التقیۃ الی یوم القیمۃ
یعنی کہا حسن بصری نے کہ تقیہ قیامت تک ہے دلیل چودھویں تفسیر کبیر میں لکھا ہی التقیۃ جائزۃ لصون النفس وھل تجوز لصون المال یحتمل ان یکون الحکم فیہا بالجواز لقولہ
علیہ السلام حرمۃ مال المومن کحرمۃ دمہ یعنی تقیہ جایز ہی واسطے نگاہ رکہنی نفس کے اور آیا جایز ہی واسطے نگاہ رکہنی مال کے احتمال رکہتا ہی کہ ہووے حکم اسمیں ساتھ جواز کے واسطے فرمانے رسول خدا صلعم کے
کہ حرمت مال مومن کی مثل حرمت خون اُسکے کے ہی دلیل پندرھویں فتاوای قاضی خاں میں لکھا ہی کہ ایک مرد کو ایک امیر طلب کرے تاکہ پوچھے اُس سے کئی چیزوں کو اگر کلام کرے وہ موافق
شرع کے کہ پہنچے اُس کو اُس سے کوئی مکروہ سزاوار نہیں ہے اُس کو کہ مخالف حق کے کلام کرے ھذا اذا کان لا یخاف القتل علی
نفسہ ولا اتلاف عضو ولا یخاف علی مالہ فان خاف ذلک فانہ لا باس یعنی یہ مخالف حق کے کلام نکرنا اُسوقت ہے جسوقت کہ نہ خوف کرے قتل کا اپنے نفس پر اور نہ تلف
ہونے عضو کا اور نہ خوف کرے اپنے مال کا پس اگر خوف کرے اسکا تو نہیں ڈر ہی خلاف حق کے کلام کرنے میں دلیل سولھویں شرح اشباہ و نظائر حموی میں عینی شرح صحیح بخاری کا حوالہ دیکر
لکھا ہی باب شراء المملوک میں حربی سی ظالموں سے چھڑانے کے حیلوں میں اذا علم انہ لا یتخلص الا بالکذب جاز لہ الکذب الصریح وقد یجب فی بعض الصور بالاتفاق لکونہ
ینجی نبیا او ولیا ممن یرید قتلہ لنجاۃ المسلمین من عدوھم یعنی جسوقت جانے کہ تحقیق نہیں چہوٹتا ہی مگر ساتھ جہوٹ کے تو جایز ہی کذب صریح اور کبھی واجب ہوتا ہی بعضے صورتوں میں
بالاتفاق کہ نجات دیوے نبی کو یا ولی کو اُس شخص سے کہ ارادہ کرے اُسکے قتل کا یا واسطے نجات دینے مسلمانوں کے دشمن اُنکے سے دلیل سترھویں شرح اشباہ و نظائر میں لکھا ہی فی مجمع
الفتاوی ان الکذب یباح لاحیاء حقہ ولدفع الظلم عن نفسہ یعنی مجمع الفتاوی میں لکھا ہی کہ تحقیق جہوٹ بولنا مباح ہوتا ہی واسطے زندہ کرنے حق اپنے کے اور دور کرنے ظلم کے
اپنے نفس سے دلیل اٹھارھویں تفسیر کبیر میں تفسیر آیہ الیوم یئس الذین کفروا من دینکم میں لکھا ہی کہ قال قوم الایۃ دالۃ علی ان التقیۃ جائزۃ عند الخوف یعنی کہا
قوم نے کہ آیت دلالت کرنیوالی ہی اس امر پر کہ تقیہ جایز ہی وقت خوف کے اور تفسیر کبیر میں آیت فلما جن علیہ اللیل کی تفسیر میں ایک طولانی عبارت لکھی ہی اور اسمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو
جاری کرنا کلمہ کفر کا جائز رکھا ہے۔ یہاں سے تقیہ انبیاء کا ظاہر ہو گیا دلیل اُنیسویں تاریخ صغیر بخاری سے بعضے علما اہل سنت نقل کرتے ہیں کہ جابر بن سمرہ نے کہا کہ ما ابالی
لو بایعتہ یعنی المختار مائۃ مرۃ انما البیعۃ بالقلب یعنی نہیں پروا کرتا ہوں میں اگر بیعت کروں میں اُسکو یعنی مختار کو سو مرتبہ سوائے اسکے نہیں کہ بیعت ساتھ دل کے ہے سو بیعت حضرت
علی کی بھی خلفاء ثلاثہ سے ظاہر میں تہی اور دل سے نہ تہی چنانچہ قرائن سے معلوم ہوتا ہی دلیل بیسویں جناب رسول خدا صلعم جبتک مکہ معظمہ میں رہے بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تہے
اور اصحاب بھی طواف کیا کرتے تہے اور بیت اللہ میں بت رکھے ہوئے تہے ہر چند نیت اُنکی بتوں کی طرف کی نہ ہوتی تہی بلکہ بیت اللہ کی ہوتی تہی لیکن بیت کے طواف کے ہمراہ بتوں کا

بھی طواف ہوتا تھا ۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کفار ہنود طواف کرتے ہیں بتوں کا اور پہاڑوں کا اور جناب رسولخدا صلعم اور مسلمان خلوت میں تو بتوں کو برا کہتے تھے لیکن یہ مقدور کسیکا نتھا کہ کسی
بت کی انگلی کو توڑے یہ تقیہ نہیں تو کیا ہے یہ مبیّن وجوہ تقیہ کی میں نے لکھی ہیں اور سوا اسکے اور بہت کثرت سے دلیلیں ہیں اور اس سے زیادہ تفصیل جناب مفتی محمد قلی خانصاحب
علیہ الرحمۃ کے رسالہ تقیہ میں ہے اور اصحاب ثلاثہ کی تعریف اماموں نے ہرگز نہیں کی ہے اور اگر واسطے مصلحت کے دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کے واسطے کسی مرید ثلاثہ کے روبرو
کچھ کہا تو تعریف نہیں ہے ایسا تو جناب رسولخدا صلعم بھی شریر کی زبان سے محفوظ رہنے کے واسطے منہ پر تو اسکو اچھا کہتے تھے اور پیٹھ پیچھے اسکو برا کہتے تھے چنانچہ مشکوۃ میں لکھا ہے
اور عائشہ سے مروی ہے کہ ایک مرد نے رسولخدا صلعم سے اذن چاہا حضرت کے پاس جانیکا فرمایا کہ اذن دو اسکو بد ہے یہ آدمی اپنی قوم میں اور جب حضرت کے پاس آکر بیٹھا تو حضرت بہت
کشادہ پیشانی اور انبساط اور شگفتگی روی سے پیش آئے جب وہ چلا گیا تو عائشہ نے اسکی وجہ پوچھی کہ اسکی غیبت میں تو آپنے اسکو برا کہا اور بعد اسکے شگفتگی چہرہ سے پیش آئے
فرمایا کہ بدتر آدمیوں کا وہ ہے کہ ترک کریں اسکو لوگ بسبب خوف شر اسکے کے اور یہ حدیث متفق علیہ بخاری اور مسلم کی ہے اور عبارت مشکوۃ کی یہ ہے عن عائشۃ ان رجلا
استاذن علی النبی صلعم فقال ائذنوا له فبئس اخو العشیرۃ فلما جلس تطلق النبی صلعم فی وجهه وانبسط الیه فلما انطلق الرجل قالت عائشۃ یا رسول اللہ صلعم
قلت کذا وکذا ثم تطلقت فی وجهه وانبسطت الیه فقال رسول اللہ صلعم متی عهدتنی فحاشا ان شر الناس عند اللہ منزلة یوم القیمۃ من ترکه الناس اتقاء شره
اور شیعہ ائمہ معصومین پر تہمت نہیں کرتے ہیں تقیہ کی بلکہ حقیقت میں وہ تقیہ کرتے تھے اور اہل سنت کی کتابوں سے ہم تقیہ کو ثابت کر چکے یہانتک کہ انبیاء کے تقیہ کو بھی اور تقیہ
کی تکذیب کی کوئی روایت نہیں ہے اور یہ روایت جو حضرت علی سے صدق کی مدح میں لکھی ہے یہ روایت تقیہ کو باطل نہیں کرتی ہے یہ حال غیر محل تقیہ کا ہے اور مراد ضرر اور نفع سے
ضرر اور نفع مال دنیا کا ہے کہ اسکے واسطے سچ ہی بولنا چاہئے گو ضرر اپنے مال کا ہو اور جھوٹ نہ بولنا چاہئے گو فائدہ ہوتا ہو وہ مطلق راست اور دروغ اور ہم اہل سنت کی کتابوں سے واسطے
حفاظت نفس کے بلکہ واسطے حفاظت مال کی جواز دروغگوئی کا لکھ چکے ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی کہے کہ جہاد کرنا جایز نہیں ہے اسواسطے کہ خدا تعالی فرماتا ہے ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکۃ
سمجھیے کہ اسکی تخصیص ہوئی ہے ایسے ہی اس روایت کی بھی تخصیص ہو گئی ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں لا دین لمن لا تقیۃ له یعنی نہیں دین واسطے اس شخص کے کہ نہیں تقیہ واسطے اسکے چنانچہ فردوس دیلمی میں ہے
سو اس روایت سے مطلق صدق اور کذب ہر موقع میں مراد نہیں ہے اور صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم تین جھوٹ بولے تیرے اعتقاد کے موافق چاہئے کہ حضرت ابراہیم میں علامت ایمان نہو پس معلوم ہوا کہ مراد صدق اور کذب
حضرت علی کے قول میں واسطے ضرر اور نفع مال دنیا کے ہے اور اسی الکذب لکاذب میں اس روایت میں کہاں ہے کہ جو تقیہ کرے تو اسمیں ایمان نہیں ہے تو صدق کی تعریف اور جھوٹ کی مذمت ہے اور جان مال کی ضرر کا اسمیں ذکر کہاں ہے
اسمیں البتہ مراد ضرر اور نفع دنیا ہے نہ ضرر اور نفع جان کا اور اگر یہی مراد ہو تو بڑی قباحت لازم آئیگی تمام آدمی اور ایمان کی ایک علامت کے نہونے سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا ہے چنانچہ معلوم ہوگا اور تقیہ تو حضرت ابراہیم اور حضرت علی اور جناب رسولخدا
اور علما اہل سنت کا سب کا ہم تیری کتابوں سے لکھ چکے ان لوگوں نے جو تقیہ کیا تو معلوم ہوا کہ تیرے نزدیک انمیں سے کسی میں ایمان نتھا اور جب تیرا یہ اعتقاد ہوا تو تیرے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا اور علامتیں ایمان کی حدیث میں ایک تلاوت قرآن کی ہے
ایمان کی علامتوں میں سے ہے اگر کوئی تلاوت قرآن نکرے تو چاہئے کہ وہ مومن نہ ہو اور جھوٹ بولنے سے آدمی ایمان سے نہیں نکلجاتا البتہ گنہگار ہوگا اسکو شیعہ سنی جانتے ہیں اور کاذب حضرت علی ابوبکر اور عمر کو بھی جانتے تھے چنانچہ مسلم میں
لکھا ہے کہ عمر نے علی اور عباس سے کہا کہ ابتمانی کاذبا آثما غادرا خائنا پس جسوقت کہ جھوٹا مومن نہیں ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ حضرت علی کے نزدیک ابوبکر اور عمر دونوں ایمان سے خارج تھے قال الشیخ الاشعری اور مروی ہے نہج البلاغہ کی شرح میں قال امیر المومنین
انی واللہ لو لقیتهم واحدا وهم طلاع الارض کلها ما بالیت ولا استوحشت وانی من ضلالهم الذی هم فیه والهدی الذی انا علیه لعلی بصیرۃ من نفسی ویقین من ربی وانی الی لقاء
اللہ لحسن ثوابه لمنتظر راج مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بیشک قسم اللہ کی اگر انسے تن تنہا مقابل ہوں اور وہ تمام زمین کو گھیرے
ہوں تو میں ہرگز کچھ پروا نکروں اور نہ گھبراؤں اور مجھے انکی گمراہی اور اپنی ہدایت کا عیاں ہے اور یہ بات کا خدا داد یقین ہے اور میں خدا کے ملنے یعنی مرنے اور اسکے ثواب کی انتظار اور
امید میں ہوں بغور فرمائیے جو شخص تنہا اتنے دشمنوں سے بھی نہ ڈرے جو تمام روے زمین کو ڈھک لیں اور ڈرنا تو درکنار پروا اور گھبراہٹ تک نہو بلکہ مرنے اور جنت کے مشتاق ہوں
ایسے لوگوں سے تقیہ ہو سکے کیا معنی ایسے لوگ بھی اگر ڈرنے لگیں تو قیامت آگئی معہذا تقیہ بے خوف کے تو ہوتا ہی نہیں اگر مر جانے کا خوف ہے تو وہ اماموں کو ہوتا ہی نہیں کیونکہ اول
تو انکی موت انکے اختیار میں ہے چنانچہ کلینی نے اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے اور تمام امامیہ اسپر متفق ہیں پھر وہ کسی سے کیا ڈریں اور کیوں ڈریں دوسرے علم وقائع گذشتہ اور علم وقائع
آیندہ سب انکو مستحضر خود اپنے مرنیکا حال اور کیفیت تفصیل وتشریح معلوم ہوتی ہے اسوقت سے پہلے ڈر ہو ہی نہیں سکتا اور اگر خوف مال یا آبرو یا بدگوئی خلائق کا اندیشہ یا کسی قسم کی
تکلیف کا خوف ہے تو انبیاء اور ائمہ کا کام یہی ہے کہ تکلیفیں اٹھایا کریں اور تحمل کیا کریں اور دشمنوں کی قوت اور شوکت اور اپنی بیکسی اور بیبسی پر لحاظ نکریں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم
نمرود سے نہ چھپے اور آگ میں گرنا قبول کیا اور حضرت موسی فرعون سے نہ ڈرے اور آخر نوبت جلاوطن ہونے کی پہنچی حضرت نوح علیہ السلام نے نوسے برس تک کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں شیعوں
نے بھی سنی ہونگی حضرت یحیی اور حضرت زکریا کا مقتول ہونا شہرۂ آفاق ہے حضرات شیعہ ہی انصاف کر کے فرمائیں کہ انکے مقتول ہونیکا باعث سوا کلمۃ الحق اور حق گوئی کے اور کیا
تھا عزت چھوڑ یہاں تو جان پر کھیل گئے حضرت امیر جو انبیاء سے افضل نہیں تو مساوات میں تو شیعوں کے نزدیک کلام ہی نہیں آبرو تک کا خدا سے دریغ کریں اور خود خلف رشید

حضرت امیر رضی اللہ عنہ سید الشہداء و شہید کربلا رضی اللہ عنہ جان نازنین کو نثار راہ خدا کر گئے اگر تقیہ سنت حضرت علی بلکہ فرض خداوندی تھا تو اس سے زیادہ اور کونسا موقع تقیہ کا ہوگا کہ
تیس ہزار فوج جرار بر سر کارزار زن و فرزند ہمراہ ننگ و ناموس کا اندیشہ نہ کھانا نہ دانہ نہ پانی کا سامان نہ لڑنے کے لیے کوئی مکان اور اس طرف سے فقط اتنی طلبگاری کہ بیعت یزید قبول کرلو
پھر جہاں جی چاہے چلے جاؤ بڑے حیف کی بات ہے کہ جان و مال سب برباد کئے زن و فرزند پر جو کچھ گزری سب جانتے ہیں پھر تسبیح خاتمہ ہوا تو یوں ہوا کہ فرض مفترض معمول اہل بیت پر عمل کیا
بیگناہوں کو مفت کے مظلمہ میں گرفتار کر کے انکا وبال نعوذ باللہ اپنی گردن پر لیا نعوذ باللہ اگر یہی تقیہ ہے تو ہم جانتے ہیں کہ یہ دوست بدتر از ہزار دشمن نسبت حضرت سید الشہداء نعوذ باللہ عقیدہ خسر الدنیا والآخرة رکھتے ہیں بعد کرنے ان
الفاظ کو کتنے ہو سے بھی ڈرتا ہوں مگر خداوند عالم الغیب والشہادۃ خوب جانتا ہے میں تقیہ سے نہیں کہتا کہ یہ بدولت حضرات شیعیان دروغ فروغ و تقیہ سے شیعہ ہو رہا ہے خیال کیا ہے غلامان آل عبا ان حضرات کو اکابر اولیاء اللہ اور عمدۂ
اور مخلصین اور خلاصۂ محسنین اور زبدۂ متقین اور سر حلقہ محبین سمجھتا ہے جانتا و کلا جو طور شیعہ دعویٰ دروغ ہوا **اقول** واقعی حضرت علی ایسے ہی تھے جیسے کہ اس روایت میں فرمایا ہے اور شجاعت انکی مشہور و معروف ہے
اور وہ ایسے تھے کہ تن تنہا کفایت کرتے تھے اور ترقی اسلام اور کثرت مسلمانوں کی انکی ہی تصدق سے ہوئی ہے کہ بضرب ذوالفقار صفیں کفار کی الٹ دیں اور تقیہ انہوں نے کسی کے
ڈر اور خوف سے نہیں کیا ہے کیا طاقت تھی کسی کی جو کوئی انکے آنکھ ملا سکتا۔ سو انہوں نے تقیہ نہ تو اپنی جان کے خوف سے کیا نہ مال کے خوف سے نہ آبرو اور نہ بدگوئی خلائق کے
خوف سے نہ اپنی تکلیف کے خوف سے بلکہ اسلام کے فاسد ہو جانے اور لوگوں کے مرتد اور ہلاک ہو جانیکے خوف سے صبر کرکے بیٹھ رہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں کہ استیعاب میں تو یہ لکھا ہے کہ حضرت
علیؑ نے فرمایا کہ خلافت حق میرا ہے اور لوگوں نے ہمارے غیر کو خلیفہ کر دیا اور اگر میں چاہتا تو متغیر کر دیتا لیکن اسلام کے ہلاک ہو جانے اور کفر کے عود کرنیکے خوف سے صبر کرکے بیٹھ رہا اور
لسان المیزان اور کتب دار قطنی میں لکھا ہے اور عقیلی سے روایت ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ تینوں خلفاء کے زمانہ میں خلافت حق میرا ہی تھا لیکن میں نے دیکھا کہ اگر میں اب کچھ
کرتا ہوں تو لوگ مرتد ہو جائینگے اور بعضا بعضے کی گردن تلوار سے ماریگا اس سبب سے میں خاموش ہو بیٹھا اور اطاعت میں نے منظور کی اور روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا
کہ سلامتی مسلمانوں کی اسی میں ہے کہ میں تسلیم کروں اور اطاعت منظور کروں اگرچہ حیف میری ذات پر ہے سو واسطے حضرت علی صبر کرکے بیٹھ رہے اور کسی سے ڈر کر تقیہ نہیں کیا ہے اور رسول خدا
صلعم کی وصیت بھی صبر کرنیکی چنانچہ روضۃ الاحباب میں لکھا ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم سب کچھ لکھ چکے ہیں اور موت کے اختیار میں ہونیکا بھی ہم جواب لکھ چکے کہ کسی روایت
کلینی کی یہ ثابت نہیں ہے کہ موت انکے اختیار میں تھی، ورنہ کلینی نے اسکو ثابت کیا ہے اور نہ امامیہ کا اسپر اتفاق ہے تو بالکل جھوٹ لکھا ہے اور علم ما کان و ما یکون کا بھی ہم جواب مفصل
لکھ چکے کہ جس چیز کا علم وہ چاہتے تھے تو خدا تعالیٰ انکو تعلیم کر دیتا تھا اس طرح سے انکو علم ما کان و ما یکون کا تھا نہ اس طرح سے کہ ہر چیز کا علم انکو ایسا ہو کہ جیسے خدا تعالیٰ کو ہے اور انبیاء
علیہم السلام کو تقیہ کرنا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے اگر وہ تقیہ کریں تو فائدہ بعثت کا عبث ہو جائے اور احکام شرع کے خلقت کو کیونکر پہنچیں مگر جسوقت کہ تقیہ وصول حق کو مانع نہ ہو اور
اگر پہنچانا کسی حکم کا امام پر منحصر ہو تو اسمیں اسکو بھی تقیہ نہیں چاہیے اور اگر حضرت نوح اور ابراہیم و موسیٰ وغیرہ انبیاء علیہم السلام نے تکلیفیں اٹھائیں تو جواز تقیہ کو مانع نہیں ہے
اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا تقیہ تو اہل سنت کی کتابوں سے ثابت ہے چنانچہ صحیح مسلم میں لکھا ہے عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لم
يكذب ابراهيم النبي قط الا ثلث كذبات اور بعد اسکے کذبوں کی تفصیل لکھی ہے اور فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے وعلى كل تقدير فلم يصدر ذلك من
ابراهيم يعني اطلاق الكذب على ذلك الا في شدة الخوف لعلو مقامه اور بعد اسکے لکھا ہے اگرچہ کذب فی نفسہ قبیح ہے لیکن کبھی حسن بھی ہوتا ہے اور حضرت موسیٰ کے حال میں
تفسیر بیضاوی میں تفسیر میں آیہ وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ کے لکھا ہے کہ فانه عليه السلام كان يداريهم بالتقية اور خدا تعالیٰ انکے قول کو بیان فرماتا ہے
وَإِنِّي قَتَلْتُ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ اور فرماتا ہے فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ اور حضرت زکریا اور یحییٰ وغیرہ انبیاء علیہم السلام کو ہم لکھ چکے کہ انپر تقیہ تھا اور حضرت جرجیس پر تو بڑے
مصائب و آلام گزرے ہیں لیکن علت مذکورہ کی جہت سے انپر بھی تقیہ تھا اور امام بادی احکام شرع نہیں ہوتا ہے بلکہ جاری کرنیوالا ان احکام کا ہوتا ہے جو کہ پیغمبر نے پہنچائے
ہیں اسواسطے اسکو تقیہ کرنا جائز بلکہ بعضی صورت میں واجب ہے اور اگر امام ہی کی جہت سے علم حاصل ہوتا ہے تو اسکو بھی تقیہ کرنا جائز نہیں ہے اور امام حسین علیہ السلام کو جو لکھا ہے کہ انہوں
نے تقیہ نہیں کیا اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مطلق اور سب حالات میں تقیہ نہیں ہے اور حضرت امام حسین کو کئی ہزار خطوط کوفیان غدار نے لکھے اور بڑی مضبوط عہد کئے اور بعد
تمام حجت کے کوفہ کو روانہ ہوئے اور احکام خدا ظاہر پر محمول ہوتے ہیں اور جسوقت انکی بیوفائی ظاہر ہوئی تو ارادہ پھر جانیکا کیا اور چاہا کہ مدینہ یا کسی اور طرف کو چلا جاؤں تو حر ریاحی
سد راہ ہوئے اور فوج یزید کثرت سے آپہنچی بجز لڑائی کے چارہ نہ دیکھا اور بیعت یزید کی اسواسطے اختیار نہ کی کہ بیعت واسطے محافظت جان کی ہوتی ہے اور حضرت امام حسین کو قرائن سے معلوم
ہو گیا تھا کہ بیعت کا ایک بہانہ ہے اور یہ لوگ غدر سے باز نہ آئینگے کہ حضرت امام حسن نے باوجودیکہ معاویہ سے بیعت کر لی تھی اور خلافت سے دست بردار ہو کر معاویہ کے سپرد خلافت کر دیا تھا اور پھر
معاویہ نے انکو زہر دلوایا اور جب وفات کی حضرت امام حسن کے خبر سنی تو تکبیریں کہیں اور سجدہ کیا جیسا کہ اہل سنت کی کتب تواریخ میں لکھا ہے اور علم امامت سے بھی ظاہر ہو گیا تھا پھر
کسواسطے اس فاسق کی بیعت کرتے کہ ہماں آتش در کار سوخود تھا کہ بیعت سے کچھ فائدہ نہ ہوتا اور ایسے فاسق شرابخوار کی بیعت کرکے اسلام کو بٹا لگاتے اور بیشک بیعت کا ایک بہانہ تھا اور

مدنظر یزید کو کینہ کشی اور عداوت کا ظاہر کرنا تھا اگر حضرت امام حسینؑ کے ذمہ صرف بیعت نہ کرنے کا گناہ تھا تو اُنکو تو قتل کر ڈالا تھا اور عوض اپنا لیلیا تھا لیکن اُنکی حرم محترم اور
جناب رسول خدا صلعم کی نواسیوں کا کیا قصور تھا کہ اُنکا ہتک کیا اور سر برہنہ بازاروں میں اور شہروں میں پھرایا اور یزید نے اپنے دربار عام میں اُن پردگیان عصمت اور
طہارت کو سینکڑوں اہل دربار کے سامنے سر برہنہ کھڑا کیا کہ اپنے ہاتھوں کو موہنوں پر رکھے ہوئے تھیں اور بال سروں کے بکھرے ہوئے تھے اور وہ چہرہ نورانی اُنکے غبار صحرا سے
اٹے ہوئے تھے اور امام علیہ السلام کی نعش مبارک کو تو بے گور و کفن صحرا میں ڈالدیا اور گھوڑے اُسپر دوڑا کر ہڈیوں کا چورا کر دیا اور سر مبارک اُنکا نیزہ پر چڑھا کر شہر شہر پھرایا اور
یزید نے اپنے دربار میں سر مبارک کو طلب کرکے دہن مبارک کو چھڑی سے کھولا اور دانتوں پر لگاتا تھا اور ایسے ظلم کئے کہ آجتک کسی نے کسی پر ایسے ظلم نہیں کئے یہ کیا سزا بیعت کی
نکرنے کی تھی یا عداوت دیرینہ تھی اور اشعار یزید کے مشہور و معروف ہیں کہ اُنمیں لکھا ہے کہ کہاں ہیں وہ اشیاخ مقتولان بدر و اُحد کہ میں نے اُنکے قاتل کی اولاد سے کیسا انتقام لیا ہے
جب ایسا حال تھا اور حضرت امام حسینؑ پر بعضی وجوہ سے بیعت کا عبث ہونا واضح ہوگیا تھا تو وہ کیونکر بیعت کرتے اب تجھ کو بنظر غور تامل کرنا چاہئے کہ یہ فرض معترض معمول بہ اہلبیت
تھا اور صفت مظلومیں گرفتار ہوئے مظلومیت تو اُس وقت گرفتار ہوتے کہ ایسے فاسق متظاہر الفسق کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور جب وہ ایسے کی ہاتھ پر بیعت کرتے تو وہ سند ہو جاتی لوگوں کو
اور اسلام میں فسق و فجور پھیل جاتا اور ایسے بدکار کافر کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے سے جو مقتول ہو گئے تو درجات عالیات کو پہنچے اور اسی جگہ سے ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا ہے ع سر داد و نداد
دست در دست یزید + حقا کہ بنای لا الہ است حسینؑ + اور دوستی ہماری جیسی اُنکے ساتھ ہے تمام عالم جانتا ہے اور علامت دوستی کی یہ ہے کہ دوست کے کہنے پر چلے اور اُسکی پیروی کرے اب
منصف فرمائیں کہ پیروی اُنکی شیعہ کرتے ہیں یا سنی اور تجھ کو اُنکی مذمت کرنی منظور ہے اس پیرایہ میں لکھی ہے اور جو کچھ تو غدر کرتا ہے اور اپنے تئیں دوستداران و غلامان اہل بیت میں سے
کہتا ہے یہ دروغ اور تیرا فریب ہے اور دل میں تیری جو محبت ثلاثہ کی پلائی گئی ہے تو ہرگز تو اہل بیت کا دوست نہیں ہو سکتا اور تو فریبی ہے یہاں تو کہتا ہے کہ میں غلامان اہل بیت
میں سے ہوں اور بعد اسکے فدک کی دعوی میں فاطمہ زہرا علیہا السلام کو جنکی شان میں آیہ تطہیر نازل ہوئی ہے خاطی لکھتا ہے ایک شخص فاسق کو مقابلہ میں اور اُسکی طرف احتمال خطا کو
روا نہیں کہتا ہے سو تیرا غلامان اہل بیت میں سے اپنے تئیں کہنا بالکل غلط ہے بلکہ غلامان خلفاء ثلاثہ اور معاویہ و عمرو عاص میں سے کہنا چاہئے اور شیعوں کی دوستی اہل بیت سے دروغ
ہونی تو محال ہے کہ دوستی اہل بیت کی شیعہ کی مذہب کی حقیقت میں اصل ہے سنی جو دعوی اہل بیت کی دوستی کا کرتے ہیں جھوٹے ہیں مولوی عبد العزیز صاحب نے بھی جب لکھا کہ شیعوں
کی مدح میں حدیثیں منقول ہوئی ہیں تو جھوٹا دعوی کرکے لکھا کہ شیعہ ہم ہیں بھلا کہیں سیاہی بھی سفیدی ہو سکتی ہے **قال الشیخ الاشعری** تیسری روایت راوندی کہ
کہ مقتدائے شیعہ اور شارح نہج البلاغت ہے کتاب خرائج الجرائح میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے ان علیا بلغہ عن عمر انہ ذکر شیعتہ فاستقبلہ فی بعض طرقات
بساتین المدینۃ وفی ید علی قوس فقال یا عمر بلغنی عنک ذکرک شیعتی فقال اربع علی ظلعک فقال علی انک لھھنا ثم رمی بالقوس علی الارض فاذا ھی ثعبان کالبعیر فاغر فاہ وقد
اقبل نحو عمر لیبلعہ فقال عمر اللہ اللہ یا ابا الحسن لا عدت بعدھا فی شیئ وجعل یتضرع الیہ فضرب یدہ الی الثعبان فعادت القوس کما کانت فمضی عمر الی بیتہ یہ روایت بہت بڑی ہے کہاں تک
نقل کروں اتنے الفاظ بھی بہت ہیں ماحصل معنی اسکا بیان کئے دیتا ہوں حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ حضرت علی کو یوں خبر پہنچی تھی کہ عمر کچھ شیعہ علی کو برا کہتے ہیں سو اتفاقات
سے بعضے مدینہ کے باغوں کی راہ میں اُنکے سامنے آگئے حضرت علی نے فرمایا اے عمر مجھے یوں خبر پہنچی ہے کہ تو میرے شیعہ کو برا کہتا ہے عمر نے کہا میاں اپنی خیر مناؤ حضرت علی نے فرمایا تم
اتنے ہو گئے پھر کمان کو جو زمین پر ڈالا تو ایک اژدہا تھا اونٹ کے برابر منہ کھولے ہوئے حضرت عمر کی طرف نگلنے کے ارادہ دوڑا عمر نے کہا خدا کے واسطے خدا کے واسطے اے ابو الحسن پھر اسکے
بعد ایسی بات نکہونگا اور لگے گڑگڑانے حضرت علی نے اُس اژدہا کی طرف جو ہاتھ لگایا پھر وہی کمان کی کمان ہو گئی خیر عمر اپنے گھر چلے گئے اس روایت کو دیکھو تو تقیہ کی گردن ہی
توڑ دی خلیفوں اور اصحاب میں بڑی مومن ہو امام حضرت عمر ہی کی تھی اور سنی بھی انہیں کی شوکت اور دبدبہ کو بہت زبان پر لایا کرتے ہیں سو جب اُنکا یہ حال ہو کہ ایک کرشمہ سے
اُنکو ڈرا دیا اور وہ بیچارہ تو فقط اشارے کے تھے اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت امیر کا سکوت جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے افعال اور
حرکات پر تھا یہاں تک کہ غصب فدک دیکھا کئے اپنی بیٹی کا نکاح اُن سے کردیا اور اُن سے بیعت کرلی اور اُن کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے یہ سب بوجہ
سجائیت تھا نہ بوجہ تقیہ ورنہ اسقدر اور قدرت والی کرامت کا آدمی اور کون تھا جو اُن سے اندیشہ یا ہراس ہوتا اور اگر بالفرض یہ زور اور بل وہ قدرت خداداد کسی میں ہوتی
بھی تب غصب دختر طاہرہ مطہرہ تو ہرگز گوارا نہوتا اہل ہند جو تمام ولایتوں کی لوگوں کے نامردہ پن میں امام ہیں اُنمیں کا بھنگی اور چمار بھی اس سہولہ سے بیٹھے نہیں دیدیتا جسطرح حضرت امیر
نے اپنی دختر مطہرہ کو حضرت عمر کے حوالہ کر دیا اب بھی دیکھتے رہے ور صاحبزادی بھی پھر صاحبزادے نہیں بھی ایک وہ تھے کہ جنہوں نے تیس ہزار فوج جرار کا مقابلہ کیا حالانکہ وہ زمانہ ضعیفی اور
تحمل کا تھا اور بہن کے نکاح کے وقت عین شباب تھا اور تسپر تماشہ یہ ہے کہ ہنگامہ کربلا میں جو دشمنان سفاک نے حرم محترم اور زنان اہل بیت کی طرف جانیکا ارادہ کیا تو کیا کچھ غضب اور جوش آیا تھا
کو تو شہادت نامہ کربلا زبر ہی ہوگا لکھنے کی کیا حاجت بالجملہ روایات شیعہ خود تقیہ کے جڑ اور کھاڑتی ہیں فقط سنیوں ہی کا قصور نہیں ور اب آگے اور لکھنا ہمیں ضرور نہیں کہ بحمد اللہ

قلان مصنف کسکو یہ بھی بہت ہے، **اقول** اگر یہ روایت معتبر ہے تو کیا مضایقہ ہے خدا تعالی نے اُنکو سب طرح کی کمالات بخشی تھے لیکن اسوا ایکے تقیہ کر دن نہیں توڑی
اور ستا سکو باطل کیا ہے کہ تقیہ اُنہوں نے کسکے خوف سے اور کسی آدمی کے ڈر سے نہیں کیا ہے چنانچہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے بلکہ موافق وصیت رسول خدا صلعم کی اور لوگوں کے مرتد ہو جانیکے
اندیشے سے اور وہ غاصبان حقوق سے دبے ہوئے اور ڈرے ہوئے نتھے اور یہ بھی ایک کرشمہ تھا کہ جو دکھلا دیا تاکہ معلوم ہو کہ انمیں سب طرح کی قدرت ہے اور خاموشی کسی مصلحت سے ہو رہی ہے بلکہ
ایکمرتبہ عمر کو پکڑ کر اٹھا لیا اور کہا کہ ای پسر صہاک حبشیہ تیرا کیا مقدور کہ جو تو مجھ سے اسطرح سے پیش آتا اگر وصیت رسول خدا صلعم کی مجھکو نہوتی تو تیری ہڈیاں توڑ ڈالتا اور اگر ابوبکر اور عمر کے افعال
اور حرکات پر سکوت تھا تو اُسی مصلحت مذکورہ کی جہت سے تھا اور امر اہم تو خلافت تھی کہ مدار ہدایت و ضلالت کا اُسپر تھا جب اُسپر ہی صبر کیا تو فدک تو فوائد دنیا میں سے تھا سو جسمیں ابوبکر اور عمر کو
کاذب و خائن و غادر اور آثم جانتے ہی تھے اور شوکت عمر کی کیا تھی اور کیا دہوم دہام اُنکی اصحاب میں تھی بلکہ بڑی بدمزاج اور فظ غلیظ تھے اور اسیواسطے لوگ اُنکی خلافت کو قبول نہیں
کرتے تھے اور ابوبکر سے کہتے تھے کہ تو کیا کہیگا اپنی پروردگار سے جس وقت کہ وہ پوچھیگا تجھ سے عمر کے خلیفہ کرنیکو چنانچہ ریاض النضرۃ میں لکھا ہے کہ ان جماعۃ من الصحابۃ دخلوا علی ابی بکر
لما هم باستخلاف عمر فقال له القائل منهم ما انت قائل لربک اذا سالک من استخلافک عمر علینا وقد ترى غلظته اور اُس قائل کو تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ طلحہ اور زبیر تھے
اور کنز العمال میں لکھا ہے کہ وہ علی مرتضے اور طلحہ تھے اور اسیکی قریب ترمذی اور ریاض میں لکھا ہے سو لوگ اُنکی بدمزاجی سے ڈرتے تھے اور اُنکی فظ غلیظ ہونیکی دہوم دہام تھی اور ترمذی میں
لکھا ہے کہ لوگوں نے کہا اگر تو ایسے فظ غلیظ کو خلیفہ کریگا تو وہ فظ اور غلیظ ہو جائیگا اور نکاح اپنی بیٹی کا عمر سے حضرت علی نے ہرگز نہیں کیا ہے بلکہ وہ ابوبکر کے بیٹی تھے اسماء کے شکم سے اور اگر
بالفرض بیعت بھی کی ہے تو اُسی مصلحت سے اور اگر نماز اُنکے پیچھے پڑہے تو اُسی مصلحت سے اور صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے حذیفہ سے فرمایا کہ بعد میرے امام اور پیشوا ہونگے
کہ میری سنت اور ہدایت پر نہونگے حذیفہ نے پوچھا کہ پھر میں کیا کروں فرمایا کہ اطاعت اُنکی کر اگرچہ مال تیرا لوٹا جائے اور پشت تیری زخمی کیجائے اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ و یجوز تقلید
القضاء من السلطان الجائر لان الصحابۃ تقلدوه من معاویۃ وکان الحق بید علی اور بوجہ حقانیت نہیں سے کوئی بھی مرتہا اور اگر تقیہ تھا تو اُس مصلحت سے تھا نہ کسی آدمی کے ڈر سے
اور زور اور قدرت اگرچہ سب کچھ تھا لیکن معذور تھے تصرف کرنیکا حکم نتھا اور غضب اُنکی دختر کا تو تمہاری ہی میں نہیں آیا اور یہ بھی تیری ہی کتاب فتح الباری میں لکھا ہے کہ علی کو
مضطر کر کے اُنکی دختر سے نکاح کیا اور بعد اسکے ہم مفصل انشاء اللہ تعالی حل کے جواب کے رد میں لکھینگے اور ہمارے یہاں جو غصب لکھا ہے تو وہ اُسے کلثوم دختر اسماء کے مقدمہ میں لکھا
ہے کہ وہ بھی علی کی دختر کہلاتی تھی چنانچہ معلوم ہوگا اور زوجہ عمر دختر فاطمہ زہرا ہرگز نتھے سو سطے کہ روضۃ الاحباب میں لکھا ہے اور مولوی عبد العزیز صاحب تحفہ میں لکھتے ہیں
کہ زید بیٹا عمر کا کسی خانہ جنگی میں مارا گیا اور اُسی بعد اُسکی ماں کا انتقال ہوا دونوں کے جنازہ پر امام حسین نے اور ابن عمر نے نماز پڑہی سو وہ دختر فاطمہ خواہر امام حسین کیونکر
ہو سکتی ہے کہ جو ام کلثوم کہ خواہر امام حسین تھی وہ تو کربلا میں اپنی بھائی کے ہمراہ تھی اور امام حسین کے بعد مدت تک زندہ رہی اور اُنکے حال کے مرثیہ کہے انتا اور دختر ابوبکر کا نام
ایک جو تھا تو اتحاد نام کی جہت سے اور اس جہت سے کہ وہ بھی حضرت علی ہی کے گھر میں تھی اور اُنکی دختر کہلاتی تھی کہ اُنکی زوجہ کی بیٹی تھی لوگوں نے واسطے فضیلت عمر کے
دختر فاطمہ زہرا مقرر کر دی اور بہت سی روایتیں اس مقدمہ میں وضع کیں اور غصب کا ظاہر ہونا تو تیری روایت سے بھی ثابت ہے سو تجھکو بھی کہہ سکتے ہیں کہ علی نے باوجود اس
شجاعت کے کہ جنگی اور جبار بھی اس بغیرتی کو گوارا کیا کہ مضطر اور ناچار ہو کر اپنی دختر عمر کو دی مگر فرق اسقدر ہے کہ تم فاطمہ زہرا کی دختر کو کہتے ہو اور ہم اسماء کی دختر کو کہتے ہیں
اور حضرت علی کے نطفہ سے تو وہ تھی ہی نہیں ہمارے نزدیک کہ طعن اُسکا ہمپر وارد ہو کہ آپ ہی دیکھتے رہے اور صاحبزادی بھی دیکھتے رہے اور دو نو میں ایک تو وہ تھی کہ جسنے تیس
ہزار کا مقابلہ کیا تھا اور مفصل اسکا جواب انشاء اللہ تعالی بعد اسکے آئیگا اور تقیہ کی خبر کسی روایت سے نہیں اُٹھ سکتی ہے اور تقیہ ثابت ہے فریقین کی کتابوں سے اور سنی خود
روایتیں تقیہ کرنیکی لکھتے ہیں کہ کئی روایتیں پہلے اس سے اُنکی کتابوں سے ہم لکھ چکے ہیں اور جو کچھ تو نے لکھا ہے ہمنے اُسکو باطل کر دیا ہے **قال الشیخ الاشعری**
مگر بنظر اتمام حجت اور مزید توضیح یوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عقل اور نقل اور عرف سے بھی اس بات میں استفتا کیجے تاکہ شیعونکی آنکھیں تو کہلیں کہ ہم کس خواب خرگوش میں ہو
ہیں جناب من عقل کی رو سے دیکھیے تو پیغمبروں اور اماموں کا تقیہ ایسا ہے جیسے کسی معلم کو لڑکوں کے پڑہانے اور تادیب پر نوکر رکھا جائے اور وہ معلم تعلیم و تادیب درکنار
اُن لڑکوں کے ہمرنگ ہو کر گیند بلا یا گلی ڈنڈا کھیلنے لگے اور پیغمبروں اور اماموں کے لیے خدا کی طرف سے تقیہ کا فرض ہونا ایسا ہی ہے اور جیسا معلم اور مودب اہل کتب حکم دے
کہ پڑہائی پر چاہیے کہ تمہاری اور لڑکوں کی سو نہ ہو کوئی لفظ نکل لے خبردار ہے یا نکرنا اور اُنکی تادیب میں تقصیر نہو لیکن جس طرح سے لڑکے چاہیں سر مو اُس میں تفاوت نہو
نہ اُنکو ڈرائیو نہ مارئیو نہ اپنی طرف سے کچھ کہیو بلکہ وہ کھیلیں تو اُنکے ساتھ کھیلنے لگیو اب اہل انصاف فرمائیں کہ یہ بات کچھ عقل کی ہے اور اس میں اور پیغمبروں اور اماموں کے
تقیہ میں کیا فرق ہے اور پھر تقیہ بھی اتنا کچھ کہ دین برباد ہو گیا تمام اُمت محمدی گمراہ ہو گئی تبرا اپنا ننگ و ناموس جاتا رہا پر چاہیے زبان سے کلمۃ الحق نکلا اسکی نوبت نہ آئی
کُھل کھیلنا تو کجا اور پھر باینہمہ حضرات شیعہ معتقد اس بات کے ہیں کہ دین شیعہ عین مطابق عقل ہے اور کیونکر نہو خداوند کریم تو اُنکے اعتقادات کے بااینہمہ خداوندی
اور احکم الحاکمین ہونیکی محکوم عقل ہے اور عقل کی اطاعت اُسکے ذمہ فرض ہے واہ سبحان اللہ کیا خدا کی قدر دانی ہے جب خدا کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو کسکا کیا شکایت اول تو

خدا کو محکوم بنایا اور اُسکے احکم الحاکمین ہونیسے جو کلام اللہ میں بعینہ انہیں الفاظ سے مذکور ہی ہاتھ اُٹھایا دوسرا ایسا خلاف عقل حکم اُسکے نام لگایا کہ جس سے بزعم خود نعوذ باللہ
خدا کو گنہگار اور تارک فرض ٹھیرایا تعالی اللہ عن ہذہ العیوب علوا کبیرا **اقول** تو کیا حجت تمام کریگا تیری سب حجت باطل ہی اور عقل کے اور نقل کے اور عرف کے سب کی رو سے
محافظت جان کی واجب ہے اور یہی تقیہ ہی اور خواب خرگوش میں تم مدہوش ہو کہ تمہاری کتابوں میں سے تقیہ کرنا ثابت ہی اور پھر تم انکار کرتے ہو اور پیغمبروں پر تو ہم تقیہ کہتے ہی نہیں ہیں
مگر تمہاری کتابوں سے پیغمبرونکا بھی تقیہ کرنا ثابت ہی چنانچہ ہم لکھ چکے اور امام پر بھی تقیہ اُسوقت ہی کہ جسوقت ساری احکام لوگونکو پہنچ گئی ہوں اور امام سے کسی حکم کے حاصل کرنیکی
احتیاج نرہی ہو اور بعضا حکم ایسا ہو کہ وہ امام ہی کی جہت سے حاصل ہوتا ہے تو اُسمیں امام کو بھی تقیہ نہیں چاہیے اس صورت میں مثال تیری معلم کی اور لڑکونکی باطل ہوئی کہ یہاں
یہ صورت ہے نہیں ہی یہ تو جب ہو کہ جسوقت سارے احکام تقیہ کی راہ سے خلاف حق کے لوگوں کو پہنچائے یا بعضے احکام کہ جو وہ نہیں پہنچے ہیں اور امام ہی کی جہت سے وہ پہنچ سکتے ہیں اُن احکام
کو تقیہ سے خلاف حق کے بیان کرے سو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اُن احکام میں ہمارے نزدیک امام پر تقیہ نہیں ہے اور اگر تقیہ ہی تو اُن احکام میں ہے کہ جو پہلے پہنچ لیے ہیں اور اب واسطے محافظت جان اپنی کے لحاظ تو
وصی دشمن کی بیان کریں سو تقیہ اور ہی اور مثال معلم اور لڑکوں کی اور ہی اور مثال معلم اور لڑکونکی تو البتہ عقل کی بات نہیں ہے لیکن تقیہ موافق عقل کے ہی اور اگر تقیہ تھا تو بعضے امور
میں ہوا ہی نہ کل شرایع دین میں تا کہ دین برباد ہو گیا ہو اور دیکھ لے باوجود تقیہ بعض اُمور کے دین حق جو ہے وہ چلا آتا ہی اور برباد ہو گیا مذہب اہل سنت کا ابو حنیفہ کی پیروی میں مثلا
کہ جسکو امام غزالی منخول میں لکھتے ہیں کہ وہ گمراہ تھا اور لکھا ہی کہ ابو حنیفہ نے شریعت کو منقلب کر دیا اور الٹ پلٹ دیا اور تاریخ بغداد میں لکھا ہی ابو حنیفہ کو کہ ایسے خلقت اشر کوئی پیدا نہیں
ہوئی اور ننگ و نام جناب رسولخدا صلعم کا تمنے باقی نہیں رکھا ہی کہ اُنکی زوجہ عائشہ کو تہمت زنا کی لگائی چنانچہ سورہ نور کی تفسیر میں موجود ہی اور رسولخدا صلعم پر تہمت کی کہ وہ اپنی
زوجہ عائشہ کو حبشی مردوں نامحرموں منڈی مردوں کا ناچ دکہانے کو لیگئے انہی کا مذہب پر سوار کر کے اور کلمہ حق ہمارے اماموں سے ہمیشہ نکلتا رہا ہی جسکا یہ بیان ہی کہ جو ہمارے
کتابوں میں موجود ہی اور بعضے وقت اگر خوف سے دشمنان دین کے واسطے حفاظت جان و آبرو کے تقیہ کیا تو وہ کلمہ حق کا مضر نہیں ہے کہ کلمہ حق پہلے ہی سے معلوم ہی اور
اگر جناب رسولخدا صلعم اکثر کلمات ہدایت بیان کرتے تھے تو بعضے وقت یہ بھی کہتے تھے کہ لکم دینکم ولی دین اور حال یہ ہے کہ ابتدائی میں اُنکو دین کے مٹانیکو اور جبتک مکہ معظمہ
میں رہے کھل کھیلنا نصیب ہی نہوا اور کفار کے خوف سے نماز کو پوشیدہ خانہ ارقم میں پڑھا کرتے چنانچہ انسان العیون میں لکھا ہی اور تاریخ خمیس میں معالم التنزیل سے
لکھا ہی کہ ولما کثر انواع الاذی من المشرکین استتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ مع اصحابہ فی دار الارقم یعنی اور جسوقت بہت ہوئے انواع اذیت
مشرکوں سے تو مخفی ہوئی رسولخدا صلعم مع اصحاب اپنے کے خانہ ارقم میں اور کھل کھیلنا تو کہاں اور جب روپوش ہو گئے تو اظہار حق علانیہ کہاں باقی رہا اور یہی مواہب
لدنیہ میں اور تفسیر کبیر میں لکھا ہی کہ جبتک آیت فاصدع بما تؤمر نازل نہیں ہوئی تھی تو پوشیدہ رہتی تھی اور تفسیر کبیر کی یہ عبارت ہی قالوا وما زال النبی مستخفیا
حتی نزلت ہذہ الآیۃ اور دین شیعہ کے مطابق عقل ہونے میں کیا شبہ ہی لیکن تو جسطرح سے بیان کرتا ہی وہ بات ہی نہیں ہی اور خدا تعالی کو محکوم عقل کون کہتا ہی بلکہ
یہ کہتے ہیں کہ واجب ہے کہ خدا ایسا ہو اور ہم جسطرح سے کہتے ہیں تم بھی اُسی طرح درست جانتے ہو گو زبان سے نکہو ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالی پر ایفائی وعدہ واجب ہے کہ عقل
یہی تقاضا کرتی ہی اور جو نہیں تو خدا تعالی کی ذات پر کذب لازم آئے اور عقل حکم کرتی ہی کہ افعال خدا تعالی کے مطابق اُسکے علم کے صادر ہوں ورنہ جہل خدا تعالی کا
لازم آئی سو ہماری عقل یہ تجویز کرتی ہی اور انحراف اس سے تم بھی نہیں کر سکتے ہو اسمیں محکوم ہونا عقل کا کیا ہوا کیا ہماری عقل کے حکم کرنے سے وہ ایسا ہی اور اسمیں عقل
کی اطاعت سے کیا واسطہ ہی کہ یہ وہ ہماری عقل کے تجویز کا مکلف ہی کہ ہماری عقل کی تجویز کی پیروی کرے بلکہ وہ تو ایسا ہی ہی فی نفسہ نہ کہ ہماری عقل کے حکم کرنے سے اور ہماری
عقل نے اُسکو محکوم نہیں بنایا ہی اور فی نفسہ ایسا ہی ہی لیکن ہماری عقل یہی حکم کرتی ہی کہ وہ ایسا ہی ہو اور جو کچھ حکم لگایا ہی وہ موافق عقل کے ہی خلاف عقل نہیں ہے
اور گنہگار ہونا تو اُسوقت لازم آئی کہ وہ تارک اُسکا ہو ترک تو اُسکا اُس سے ممکن ہی نہیں ہے جیسے کہ علم اور قدرت کا منفک ہونا خدا تعالی سے ممکن نہیں ہی لیکن اسکو
اپنے مذہب کی خبر ہی نہیں ہی امام رازی تفسیر کبیر میں آیت یَا أَہْلَ الْکِتَابِ قَدْ جَاءَکُمْ رَسُولُنَا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ وجب علی کرمہ ورحمتہ ان یبعث الیہم الرسل
لیکن یہ فرقہ اشعریہ لاشعوریہ عقل سے جو بہرہ نہیں رکھتے ہیں ان باریکیوں کو نہیں پہنچتے ہیں اور بے شعوری کی سی باتیں کرتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ واجب ہے
خدا تعالی پر کہ انبیاء علیہم السلام و خیر ہم بندگان صالحین کو کہ طرفۃ العین جنہوں نے گناہ نکیا ہو بہشت میں داخل کرے اور یہ کہتے ہیں کہ اختیار ہے چاہے دوزخ
میں ڈالدے اور اس وجوب کی لم کو تو سمجھتے نہیں ہیں کہ اُسکے ترک میں کیا قباحت ہی اور بسبب بے وقوفی کے کہنے لگتے ہیں کہ خدا کو محکوم عقل کا ٹھیرایا اور اُسکے ذمہ
فرض کیا بھلا ہمارے فرض کرنے سے فرض ہوتا ہی ہماری عقل تو تجویز کرتی ہی **قال الشیخ الاشعری** اور از روی نقل تقیہ کا حال پوچھئے تو پھر سگنون آیتیں
ایسی تقیہ کی برائی پر جیسے حضرات شیعہ آپ کرتے ہیں اور اماموں کے ذمہ لگاتے ہیں دلالت کرتے ہیں بلکہ اُلٹے تقیہ نکرنیکے خوبیاں کلام اللہ سے جتنی چاہو

نکالا تو یہانتک کہ جان کے جانیکے وقت بھی تقیہ کرنے کی بیہودگی کلام اللہ سے ثابت ہوتی ہی کلام اللہ کوئی عنقا چیز نہیں جو تلی اگر شیعوں کو بوجہ یاد نہو تو
کلام اللہ کے میری طرح جعل کا احتمال ہو تو مطابق کر دیکھیں کہ کلام اللہ میں سورہ بقر میں دوسری سیپارہ میں نصف سی کچھ بعد یہ آیت ہی اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا
الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۤءُ وَالضَّرَّاۤءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ٥
یعنی کیا تمکو اے مسلمانوں یہ گمان ہوگا کہ تم جنت میں یونہی چلے جاؤ اور تمپر وہ حالت نگذری ہو جو پہلوں پر گزری کہ اُنکو شدت کا خوف اور تکلیفیں پیش آئیں
اور جھڑ جھڑائے گئے یہانتک کہ رسول اور جو اُسکے ساتھ ایمان دار تھے گھبرا کر یوں کہنے لگے کہ خدا کی مدد کب ہوگی سو خبردار ہو اللہ کی مدد قریب آ لگی ہوئی ہی اور اس
آیت کو بھی دیکھیں سورہ آل عمران چوتھے سیپارہ میں بین ربع اور نصف کے یہ آیت ہی وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ یعنی بہت سے نبی ہوئے ہیں جنکے ساتھ میں ہو کر بہت سے اللہ والے دشمنوں سے لڑے ہیں سو جو بلائیں
اُنکو پیش آئیں تو ان تکلیفوں کے سبب سے وہ کچھ ڈھیلے ہوئے نہ سست ہوئے نہ کفار کچھ دب گئے اور اللہ صابروں سے محبت رکھتا ہی ان دونوں آیتوں کو خدارا بنظر غور
اور چشم انصاف دیکھیے اور بے رو رعایت فرمائیے کہ مرضی جناب باری کس طرف ہے در صورتیکہ عوام مومنین کے حق میں یوں کہا جائے تو امام اور پیغمبر تو امام اور پیغمبر ہیں تو دین کی بات تمہیں عوام سے زیادہ ہے علم
ہوتے ہیں پہلی آیت کی رو سے تو تقیہ کی صورت میں جنت کی امید ہی منقطع ہے پھر اس سے زیادہ تقیہ کو اور کیونکر دفع کرینگے باقی سو یہ لی سی اور سی کا غدر ہو تو جناب باری تعالی
نے پہلے اسکا دفعیہ فرما دیا ہی اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ یعنی گھبراؤ مت ہماری مدد پاس ہی لگی ہوئی ہی اور دوسری آیت میں تقیہ تو تقیہ کفار کی خوف سے سست ہو جانے اور ضعیف ہو جانے
پر تنبیہ کرتے ہیں کیونکہ تقیہ کی برائی کیطرف تو اشارہ ما استکانوا میں آ گیا تھا اس لئے کہ اُسکے معنی یہی ہیں اُن لوگوں نے کفار کے آگے باوجود تکلفات کے بھی ظاہر کی چاپلوسی نکی
اور یہی تقیہ ہے تقیہ کے اور کیا سر سینگ ہیں پھر دو بچہ باتیں اور فرمائیں کہ نہ سست ہوئے اور نہ ضعیف ہوئے تقیہ سے دو منزل اُدھر کو کہیا ہی تاکہ اس سے دور رہیں اور اسمیں گرفتار نہو جائیں
سبحان اللہ خدا بھی کیا منتظم اور مدبر ہی یہ وہی قصہ ہی مرگ گیرتا بہ تپ راضی شود **اقول** نقل سے تمنے کیا ثابت کیا ہی جو نقل سے ثابت کروگے اور پہلے سے جو علماء اہل سنت تقیہ
کرتے چلے آئے ہیں چنانچہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے کیا اُنکو ان آیتوں کی خبر نہ تھی ابن عباس نے حوال کے مسئلہ میں تقیہ کیا عمر کے خوف سے چنانچہ فرائض شریعیہ میں اور احیاء علوم میں غزالی
ہی وہ تو بڑے مفسر تھے اُنہوں نے کیوں تقیہ کیا اُنکو ان آیتوں کی کیا خبر نہ تھی اور تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ سات علماء متقین نے مامون کے سامنے تقیہ کیا کیا وہ آیات قرآنیہ سے واقف
نہ تھے اور یہ دو آیتیں جو لکھی ہیں ابطال تقیہ میں ان دونوں کو تقیہ کے ابطال میں کچھ بھی مس نہیں ہی پہلی آیت کا تو یہ مضمون ہے کہ کیا گمان کیا ہے تمنے اے مومنین کہ داخل ہو
تم بہشت میں کفار کے ہاتھ سے آزار پانیکی جہت سے اور ابھی نہیں آیا ہی تمکو حال اُن لوگوں کا کہ گزری ہیں پہلے تمسے انبیاء اور مومنین کہ پہنچتی تھی اُنکو سختی اور بیماری اور ہلائے گئے
تھے وہ بلاؤں کی کثرت سے یہانتک کہ کہتا تھا پیغمبر اور جو لوگ کہ ایمان لائے تھے ہمراہ اُسکے کہ کب ہوگی مدد خدا کی سو اسمیں بلاؤں اور سختیوں کا ذکر ہی کہ جو خدا کیطرف سے اُنکو
پہنچتی تھی یہانتک کہ کثرت سے بلاؤں کے قدم اُنکے متزلزل ہو گئے اور زلزلوا کے لفظ سے بھی معلوم ہوتا ہی کہ بلائیں اور بیماریاں اور گرسنگی انہیں کثرت سے تھی جس سے گھبرا گئے سو یہاں
تقیہ کی کون صورت ہے اور کس سے تقیہ کرتے اور اگر اُن سختیوں میں سے کفار کے آزار پہنچانیکی بھی سختی تھی تو چند روز کی سختی تھی جیسے کہ جناب رسول خدا صلعم کی سختی مکہ معظمہ میں تھی
آخر کو منصور اور مظفر ہو گئے اور پھر وہ لوگ تو مع پیغمبر کی ایک جماعت تھے اور پیغمبر کو تقیہ جائز نہیں چنانچہ ہم لکھ چکے اور جب مع پیغمبر کی کثرت سے ہوئی تو تقیہ کی کون صورت
ہے اور ہمارے ائمہ علیہم السلام کا یہ حال تھا کہ حضرت علی نے تو پہلی خوف سے تقیہ کیا ہی نہیں چنانچہ ہم لکھ چکے کہ وہ ایک مصلحت تھی اور باقی کی ائمہ بعد امام حسین علیہ السلام
کے ہمیشہ بے یار و مددگار رہے ہیں کہ کسی نے اُنکا ساتھ نہ دیا اور بعضے قید کے صدمے اُٹھاتے تھے اور بعضے اور طرح ظالموں کے ہاتھ سے آزار پاتے تھے اور خوف جان سے تقیہ کرتے تھے
اور پھر بھی اُنکو نچھوڑا آخر کو زہر دلوا کر شہید کروایا اور ایسا ہی حال دوسری آیت کا ہی اسمیں انبیاء جماعت کثیر کا ہی کہ جو راہ خدا میں جہاد کرتے تھے اور جہاد میں تکلیفیں
ہوتی ہی ہیں کہ مقتول بھی ہوتے ہیں اور مجروح بھی ہوتے ہیں اور جب اسقدر کثرت سے تھے کہ کفار پر جہاد کرتے تھے تو انکے واسطے تقیہ کی کون صورت تھی اُنپہ تو تقیہ حرام
تھا اور کیوں وہ کفار سے دبتے اور انکی خوشامد کرتے اور ائمہ علیہم السلام کے پاس تو نہ کچھ جمعیت تھی اور جو چند آدمی اُنکی شیعوں میں سے تھے اور اُنکے پاس آمد و رفت رکھتے
تھے ظالموں نے ایسا انتظام کیا تھا کہ اُنپر بھی نگران حال رہتے تھے اسواسطے وہ خود بھی ڈرے ہوئے تھے اور اپنی حفاظت کا اُنکو خیال رہتا تھا جیسے رسول خدا صلعم جب تک
کہ مکہ معظمہ میں رہے تو یہی حال تھا کہ کفار کے خوف سے چھپکر نماز پڑھتے تھے ارقم کے گھر میں اور جسقدر حضرت کے ہمراہ جماعت مومنین تھی کسی امام کے ہمراہ اسقدر بھی نہوتی تھی لیکن
حضرت صلعم کے ہمراہ جو تھی وہ بھی جہاد کیواسطے کافی نہوئی آخر کو حکم ہجرت کا ہوا اسواسطے بعضے وقت میں اتفاقیہ نہ کہ ہمیشہ خوف سے حاکم ظالم کے کہ کوئی آزار اُنکو یا انکے شیعوں کو
نہ پہنچے تقیہ بھی کبھی کر لیتے تھے سو یہ بحکم خدا تھا کہ فرماتا ہی خداوند لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ اور مرضی جناب باری اگر تقیہ کی طرف نہیں ہی تو اسوقت ہی کہ جب

جماعت کثیر قابل جہاد کرنیکے ہو کہ ایک دو آدمی اور وہ ایک جماعت تھی اور امام اگر تنہا اور بے یار و مددگار ہو تو وہ کیا کرے اور امام تو درکنار حضرت ابراہیم پیغمبر نے اُس بادشاہ ظالم کے خوف سے تین جھوٹ بولے چنانچہ اہل سنت کی کتابوں سے ہم لکھ چکے اور پہلی آیت حجت کی اُمید تقیہ کرنے سے ہرگز منقطع نہیں ہوئی چنانچہ ہم لکھ چکے اور دوسری آیت میں جماعت کثیر کا حال ہے کہ وہ جہاد کرنیوالی تھے اور ایسی جماعت کو تقیہ کرنا حرام ہے اور اسیواسطے ما لکم لا کے لفظ میں اشارہ تقیہ کی برائی کا ہے **قال الشیخ الاشعری** لیکن افسوس ہے شیعوں کی بھی ہٹ دھرمی ہے کہ تپ پر بھی راضی نہیں ہوئے سوت تو درکنار اور کیوں راضی ہوں جہاد کو کیوں سر دہرئے اور جہاد تو جب ہو گا جب سنیوں کی گھروں کی پلاو اور قورمی کیوں اپنی ہاتھ سے کھوئے اور کیوں اُنکی تیر ملامت کے نشانے ہو کر اپنی نصیبوں کو روئے نقد را بنسیہ گزاشتن کار خردمنداں نیست **اقول** شیعوں کو ہٹ دھرمی کیوں ہو تقیہ پر کہ جب تقیہ فریقین کی کتابوں سے ثابت ہوا اور سنی کونسا جہاد کرتے ہیں غدر میں انگریزوں نے مسجدیں ڈھائیں اور قرانوں کی بے ادبی کی کہ مثل اینٹ اور پتھر کے انکو پھینکتے تھے اور مومنین بے گناہوں کو پھانسیاں دیتی تھے لیکن اہل سنت تقیہ کر کے بیٹھ رہے اور کسی نے بھی اُن سے انتقام نہ لیا اور ہم پر تقیہ کا طعن کرتے ہیں اور سنیوں کی پلاؤ اور قورمی کون شیعہ کہاتا ہے تقیہ کیا کہانیکے واسطے ہوتا ہے شیعوں کی یہ عادت نہیں ہے کہ تقیہ کر کے کسی سنی کے دسترخوان پر جا بیٹھیں اہل سنت کی البتہ یہ شہرہ عادت ہے کہ حضرت عباس کی حاضری ہوتی ہے تو وہ بھی موجود ہو جاتے ہیں دہلی میں نواب ماعلیخاں صاحب مرحوم کے مکان پر جب حاضری ہوتی تھی تو بڑی بڑی بنی ہوئی داڑھی والی سنی موجود ہوتے تھے اور باقرخانی شیرمال چٹ کرتے تھے اور خوب تبرا سنتے تھے اور یہ بات اپنی آنکھوں کی دیکھی ہوئی ہے تف ہے ایسی سنیت پر کہ اپنی بزرگوں کی لعن واسطے ایک روٹی کے اپنی کانوں سے سنیں موافق اہل سنت کے جنت گئی بلا سے گئی نقد را بنسیہ گزاشتن کار خردمنداں نیست **قال الشیخ الاشعری** اور میں نے جو یہ عرض کیا کہ اس آیت میں تقیہ وغیرہ سے روکتے ہیں ہر چند اہل فہم کے نزدیک محتاج بیان نہیں لیکن باندیشہ خوش فہمی شیعہ گزارش ہی لازم ہے اس آیت کے سیاق سباق سے واضح ہے جسے تامل ہو دیکھلے کہ جناب باریتعالی اس امت کی لوگوں کو خاصکر صحابہ کو پہلی امتوں کے حال سنا سنا کر سست ہونے اور ضعیف ہونے اور تقیہ کرنے سے روکتے ہیں اب اہل انصاف سے التماس ہے کہ باوجود ان تنبیہات کے اگر کوئی نمانے اُسکو کیا کہئے وہ ناکارہ لوگوں میں سے ہو گا یا عمدہ اور عمدہ بھی اسقدر کہ مستحق ثواب ہو جیسا اہل تقیہ فرماتے ہیں حق تو یوں ہے کہ تقیہ والی مورد عتاب ہیں چنانچہ ان آیات سے ظاہر باہر ہے اور ثواب کجا **اقول** یہ دونوں آیتیں مدنی ہیں اور اُسوقت نازل ہوئی ہیں کہ جب جنگ بدر اور جنگ احد سے فراغت ہو گئے تھے اور مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تھی اور جہاد کرنیکی تاکید کی آیتیں نازل ہوتی تھیں کیا یہ جماعت کثیر تقیہ کرتی کیسا عقل کا دشمن ہے کہ دیوانوں کی سی باتیں کرتا ہے اور ہجرت سے پہلے ایسی آیتیں کیوں نازل ہوئیں اور صحابہ کو پہلی لوگوں کی سست ہونیکی باتیں یاد کیوں ندلائیں کہ صحابہ چھپتے پھرتے تھے اور اب اسواسطے یاد دلائی کہ باوجود کثرت کے وہ جہاد میں سستی کرتے تھے اور مثل ثلثہ اور طلحہ اور زبیر اور ابو عبیدہ وغیرہ کے رسول اللہ صلعم کو تنہا چھوڑ کر جہادوں میں سے بھاگتے تھے جانوں کو اپنی بچا کر اور ایسے وقت میں تقیہ کیا کرتے ڈوب مرے گئی جو ایسے وقت میں بھی تقیہ کرتے رہے تقیہ واسطے دو چار ضعیفوں ناتوانوں کیواسطے ہوتا ہے یا فوجوں کیواسطے اور پھر انصاف چاہتا ہے اور شیعہ تو ایسے مقام میں تقیہ کرنیوالی کو مورد عتاب جانتے ہیں اور تو کیا کہتا ہے ہم پہلے ہی کہتے ہیں کہ تقیہ ہر مقام اور موقع پر درست نہیں ہے بلکہ بعضی جگہہ واجب ہے اور بعضی جگہہ جائز ہے **قال الشیخ الاشعری** اور تقیہ کر کے منصب پیغمبری اور مرتبہ امامت پر مامور ہونا تو درکنار ویسی بھی خبر نہیں خاصکر ایسے تقیہ کے ساتھ کہ بزعم شیعہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ائمہ کرتے تھے کہ صحابہ ملعونین کے ساتھ کہ جو انکی عقیدہ کے موافق نعوذ باللہ ابلیس سے بھی بڑھ کر تھے چنانچہ اسکی طرف اشارہ ہو چکا ہمیشہ ہم نوالہ و ہم پیالہ رہے اور ہمیشہ انکی رضا جوئی میں عمر عزیز کو بسر کیا خداوند کریم تو ارشاد فرماے وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ یعنی اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اگر تو بعد حق و ناحق کے معلوم کرنیکے انکی خواہشوں کے موافق کچھ بھی کریگا تو تیرا کہیں ٹھکانا نہیں کوئی تیرا دوست تجھے خدا سے بچا سکے گا نہ کوئی تیری مدد کرنیوالا جو خدا سے بچا لیگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باینہمہ ممانعت تہدید پھر بھی اُنکی دلجوئی سے باز آئے خدا کی خواہش پر اُنکی خواہش کو مقدم رکھا **اقول** پیغمبر پر تو ہمارے نزدیک تقیہ ہی نہیں ہے اور اگر حکم کا معلوم ہونا ایام ہی کی جہت سے ہو تو اسمیں اُسکو بھی تقیہ نچاہئے اور صحابہ ملعونین سے رسول خدا صلعم کو تقیہ کرنے کی کون وجہ تھی کہ وہ تو قائل تھے شہادتین کے اور اُس زمانہ میں کوئی ایسا عمل بھی اُن سے ظہور میں نہ آیا تھا کہ جو اُنکو ایمان سے خارج کر دے اور جب تک آدمی سے کوئی ایسا فعل صادر نہو تو وہ ماخوذ نہیں ہو سکتا اور جناب رسول خدا صلعم نے حضرت علی کو خبر دی تھی کہ فلاں شخص تیرا قاتل ہو گا اور حضرت علی اُسکو جانتے تھے اور لوگوں نے حضرت علی سے کہا کہ اُسکو سزا دیجے تو فرمایا کہ پیش از صدور جرم سزا نہیں ہو سکتی سو جو لوگ کہ اقرار شہادتین کر کے مسلمان ہو گئے تھے سب کے ہی ہمراہ جناب رسول خدا صلعم دلجوئی سے پیش آتے تھے اور ہم پیالہ و ہم نوالہ اُن سے رہتے تھے یہانتک کہ منافقین سے بھی اور صحابہ ملعونین نے کیا امر مخالف حضرت کے اُسوقت میں کیا تھا جو اُن سے پرہیز کرتے اور ائمہ کا حال یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام جو ہم نوالہ اور ہم پیالہ تھے اُسکی وجہ تو ہم کئی مرتبہ لکھ چکے کہ وہ ایک

مصلحت تہی واسطے سلامت رہنے اسلام کے اور اہل اسلام کے اور باقی کے ائمہ جو ہیں وہ گوشہ نشین تہے کسی سے ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہوئے ہی نہیں ہیں اور جو کوئی دشمن آنکے پاس واسطے امتحان کے آتا تہا تو بعضے وقت اسکی مرضی کے موافق کہنے کے ضرورت ہوتی تہی واسطے محافظت جان و آبرو کے اور اس آیت میں جو خدا تعالی منع کرتا ہی متابعت خواہشوں سے رسولخدا صلعم کو تو یہود اور نصاری کے خواہشوں کی متابعت سے منع کرتا ہی اور دلجوی تو جناب رسولخدا صلعم سب کی کرتے تہے یہانتک کہ مشرکین کے بہی واسطے طمع ایمان لانیکی اور خدا کی خواہش پر تو حضرت نے کسیکی خواہش کو مقدم نہیں کہا ہی اور آیت میں اگرچہ خطاب رسول خدا صلعم کیطرف ہی لیکن مراد اس سے مومنین ہیں اور ایسا قرآن میں بہت آیا ہی اور یہ ممانعت اسوقت کے واسطے ہی جسوقت کہ غلبہ دین حق کا ہوا اور باوجود دعوی قرآن کے یاد ہونیکے ایسے اوندہے موہنہ کے بل گرے کہ آیت کو غلط لکہا آیت تو اسطرح سے ہی کہ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ اور آپ اس طرح سے لکہتے ہیں کہ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ مِنْ نَصِيرٍ اور یہہ اس آیت میں نہیں ہے اور جس آیت میں ہی وہ آیت دوسری ہی اور وہ اسطرح ہی کہ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ اور ایک غلطی کی ہی کہ ولا نصیر کی جگہہ من نصیر لکہا ہی

قال الشیخ الاشعری القصہ خداوندکریم تو عوام تک کو تقیہ کرنے سے روکے اور شیعہ خواص کو بہی تقیہ کرنیوالا اور وہ بہی دایم التقیہ سمجہیں حالانکہ خاص رسالت امانت کے پہنچانیوالوں کی جو شیعوں کے نزدیک ہی پیغمبر اور امام ہیں جناب باری علانیہ یہ فرماتا ہے کہ وہ کسی سے ڈرتے نہیں اور اللہ کے پیام کے پہنچانے میں دریغ نہیں کرتے سورہ احزاب کے پانچویں رکوع میں آیت موجود ہی انبیاء کے حق میں فرماتے ہیں الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ یعنی انبیاء کے اوصاف یہہ ہیں کہ پہنچاتے ہیں اللہ کے پیام اور اسی سے ڈرتے ہیں اور سوا اللہ کے اور کسی سے نہیں ڈرتے اس آیت کو دیکہئے کہ فقط انبیاء کا ڈرنا ہی اس میں نہیں جو کوئی شیعہ یوں کہنے لگے کہ تقیہ دین کے چہپانیکو کہتے ہیں کیا ضرور ہی کہ ڈرہی کے سبب سے چہپاتے ہوں بلکہ کچہہ اور مصلحت ہو سو یہ احتمال اہل تو انکا ہی جانتا ہی کہ کیسا نامعقول ہی پہر یا ہمہ شاید کوئی اس بات میں کچہہ زبان زوری ہی کرتا لیکن جناب باری تعالی تو علام الغیوب ہے شیعونکی ہٹ دہرمی تو پہلے ہی سے جانتا تہا اسی لئے پہلے ہی یہہ بچہ لگادی الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ پہر انبیاء میں سے بہی خاصکر جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خاصکر حکم جدا گانہ سنایا تاکہ زیادہ تاکید ہو اور کوئی قسم کی سستی اور مداہنت ظہور میں نہ آجاے چنانچہ سورہ حجر میں فرماتے ہیں فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ یعنی سنادے کہولکر جو لوگ بات اور مشرکین کا کچہہ دہیان نکر

اقول خداوندکریم تقیہ کرنے سے ہرگز نہیں روکتا ہی نہ عوام کو نہ خواص کو اور خواص کو شیعہ کیا اہل سنت ہی تقیہ کرنیوالا لکہتے ہیں چنانچہ ہم دلیلوں میں جواز تقیہ کے لکہہ چکے اور پیغمبر انکو تو شیعہ رسالت کے پہنچانے میں تقیہ کرنیوالا جانتے ہی نہیں ہیں تو کہاں سے کہتا ہی اور باقی رہا امام اگر حکم کا حاصل ہونا اونہیں کی جہت سے ہوا اور انہی ہی پر منحصر ہو تو اس میں امام کو بہی تقیہ کرنا جایز نہیں جانتے ہیں مگر بعد منتشر ہونے احکام حقہ کے اگر ضرورت تقیہ کی ہو تو امام تقیہ کرسکتا ہی نہ ہمیشہ سو ہم خود کہتے ہیں کہ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام پیغام خدا کے پہنچانے میں دریغ کرتے میں کسی سے ڈرتے ہیں مگر اہل سنت کی کتابوں میں مثل تفسیر کبیر اور مواہب اللدنیہ اور تاریخ خمیس وغیرہ کے لکہا ہی کہ جبتک آیت فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ نازل نہیں ہوئی تہی تو مستخفی تہے اور جب مخفی ہوگئی تو تبلیغ احکام کے علانیہ کہاں باقی رہی اور سوا خدا کے کسی سے انبیاء کو خوف نہ کرنا تہا یہ کلیہ نہیں ہے اسواسطے کہ دوسرے آدمیوں سے خوف کرنا انبیا کا ثابت ہی چنانچہ حضرت موسی کا کلام قرآن میں ہی فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ اور فرمایا کہ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ اور پہلے جناب رسولخدا صلعم کفار سے خوف رکہتے تہے چنانچہ فرماتا ہی وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ یعنی اور ڈرتا ہے تو آدمیوں سے اور خدا زیادہ سزاوار ڈرنیکی ہی سو حضرت جو کفار سے ڈرا کرتے تہے اسواسطے خدا تعالی حضرت کو سمجہاتا اور نصیحت کرتا ہی کہ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ جو لوگ کہ پہنچاتے ہیں پیغاموں کو خدا کے اور نہیں ڈرتے ہیں کسی سے سوا خدا کے پس معلوم ہوا کہ حضرت جو کفار سے ڈرتے تہے تو خدا تعالی نے فرمایا کہ پیغام پہنچانے والوں کو ڈرنا نچاہے کہ جو پیغام خدا کے پہنچاتے ہیں وہ کسی سے ڈرتے نہیں ہیں اور خوف ہی موجب تقیہ کا ہوتا ہی اور شیعہ یہہ نہیں کہتے ہیں کہ کسی اور مصلحت سے تقیہ کیا ہو یہ خوف سے تو خود ہی ایجاد کرکے کہتا ہی اور پہر خود ہی اسکو نامعقول ٹہراتا ہی اور فریقین کی کتابوں میں خوف ہی سے تقیہ کرنیکو لکہا ہی اور بیشک انبیاء رسالات پروردگار کو پہنچاتے تہے اور سر مو اس میں فرق نہیں کرتے تہے ہم خود کہتے ہیں اور جناب رسولخدا صلعم لبہولکر دولوں بات ہی سناتے تہے

قال الشیخ الاشعری اور پہر اسکے آگے بڑا بڑا کیا یہ نیا کہ بڑا ہی بات کی چلی جاتی ہی کہ کہنے میں قصور نکر جسے شک ہو دیکہ لے اور پہر انہیم سورہ احزاب ہی میں یوں فرماتے ہیں لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ حاصل یہ ہے تمہارے حق میں رسول ہی کا اقتدا انہیں کی چال ڈہال اور انہی کی روش پر رہنا چاہئے جسے اللہ کی اور پچہلے دن کی امید ہی اس آیت نے ساری امت کے ذمہ یہ بات واجب کردی کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق کے کہنے اور اظہار دین میں دریغ نہیں کرتے تہے تم بہی نکرو پہر خاصکر ائمہ تو ائمہ ہیں وہ تو تبلیغ دین اور اظہار حق ہی کے لئے بہیجے گئے ہیں بلکہ شیعوں کے نزدیک رسولوں سے زیادہ نہیں تو برابری میں تو حرف نہیں اور برابری نسہی جب ایک کام پر مامور ہوئی تو انہیں اور وں سے تو زیادہ ہی کہنا وکا چاہی نعوذ باللہ خداوندکریم

فرماتے ہیں **اقول** جس بات کو تو لکھتا ہے اُس بات کی تائید میں ہرگز یہ آیت نہیں بلکہ جو کچھہ تفسیروں میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالی اس آیت میں مسلمانوں کو رغبت جہاد کی دلاتا ہے کہ تم جہاد میں ثابت قدم رہو اور اگر صبر اور بھاگو نہیں جیسے کہ پیغمبر قائم اور ڈٹا ہوا رہتا ہے اور ٹھہرا رہتا اور بھاگتا نہیں ہے ایسا ہی تم کو بھی چاہئے اُسکی پیروی کرو تو وہ لوگ جنکو عادت بھاگنے کی تھی مثل ثلاثہ وغیرہم کے انکی طرف خطاب ہے اور یہ سب لڑائی کا ذکر ہے جیسے حضرت علی نے عمرو بن عبدود کو مار ڈالا اور اس ایک ہی کے مارنے سے لڑائی فتح ہو گئی اور اگر ہم اس طرح بھی مرادیں اس آیت سے جیسے کہ شیخ لکھتا ہے کہ سارے نبی امتحان کے پیچھے یہ بات لگا دی کہ حق کہیں اور اظہار دین حق کریں مثل ائمہ کے۔ اسکا شیعوں کو کب انکار ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ائمہ معصومین تبلیغ دین کے اور اظہار حق کا ہی کرتے تھے اور جس کام پر وہ مامور تھے اُسکو ادا کرتے تھے اور اس میں قصور نہیں کرتے تھے اور نہ تقیہ کرتے تھے اور تقیہ اُن احکام میں بعض اوقات کرتے تھے کہ جو کچھہ حق ہے وہ پہلے اس سے اہل حق کو پہنچ لیا اور جس حکم حق کا حاصل ہونا امام علیہ السلام کی ہی جہت سے ہوتا تھا تو اُسمیں وہ تقیہ نہیں کرتے تھے اور یہی ہمارا مذہب ہے ائمہ علیہم السلام کے تقیہ میں **قال الشیخ الاشعری** معہذا خداوند کریم فرماتے ہیں وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ یعنی ہم نہیں بھیجتے مرسلین کو مگر فقط بشارت دینے اور ڈرانے کے لئے اور مرسلین کلام اللہ کی اصطلاح کے موافق پیغمبر ہے کو نہیں کہتے بلکہ جو خدا کے احکام پہنچائے پیغمبر ہو یا نائب پیغمبر چنانچہ سورہ یسین میں جو انا الیکم مرسلون ہے اُس سے نائبان حضرت عیسی مراد ہیں حالانکہ وہ نبی نہ تھے نائب ہی تھے اور امام کے تو خود ہی معنی ہیں شیعوں کے نزدیک کہ نائب نبی ہو باقی کوئی یوں کہے کہ حضرت عیسے کے یارونکو جو رسول کہا تو باین معنی کہ وہ حضرت عیسے کے بھیجے ہوئے تھے اور آیت وما نرسل المرسلین میں وہ مراد ہیں جو خدا کے بھیجے ہوئے ہوں تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسے کے نائبوں کے بھیجنے کو بھی خداوند کریم نے اپنی طرف نسبت کیا اور یوں فرمایا ہے اذ ارسلنا الیہم اثنین یعنی ہمنے بھیجا اور یوں نہیں فرمایا کہ عیسے نے بھیجا جب حضرت عیسے کے نائبوں کو خداوند کریم اپنا بھیجا ہوا مرسل کہے تو ہماری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب تو اُسکے بھیجے ہوئے اور مرسل ہی ہیں تو موافق آیت مذکورہ وما نرسل المرسلین اُنکا کام بھی یہی بشارت اور ڈرانا چاہئے پھر اب فرمائیے کہ تقیہ کہاں سے آ گیا ہم سے تو نہیں ہو سکتا کہ مونہہ الٹا کر جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اطہار کی نسبت یوں گمان بھی کریں کہ وہ فرمودہ الٰہی میں سر مو بھی تفاوت کرتے ہوں ہمہ تن اظہار دین میں مشغول تھے اور کیوں نہوں اول تو آیت مذکورہ سے خود مترشح ہے کہ پیغمبر تبلیغ رسالت میں قصور نہیں کرتے پھر نائب کیونکر اخفا کرینگے نہیں تو پھر نائب ہی کیا ہوئے اور مخالف ہوئے جیسے لکھنے کے مٹانیوالے **اقول** جو کچھہ اس آیت کا مضمون ہے وہ ہی ہم بھی کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بشارت دینے والے اور ڈرانیوالے ہیں اور اصطلاح قرآن میں تو مرسلین پیغمبروں ہی کو کہتے ہیں اور نائبان پیغمبر مراد نہیں ہوتے اور انا الیکم مرسلون میں معنی لغوی مراد ہیں یعنی بھیجے گئے اور ایسے ہی اذ ارسلنا میں اگرچہ بھیجنے والا اُنکا خدا ہے اور ہمنے مانا کہ جیسا پیغمبر بشارت دینے والا اور ڈرانیوالا ہے ویسے ہی اُسکا نائب ہے اور وہ ائمہ علیہم السلام ہیں لیکن تقیہ کہاں سے جاتا رہا ہم پہلے قول میں لکھ چکے کہ تقیہ احکام حقہ کے پہنچانے میں نہیں ہے اور احکام حقہ کے پہنچانے میں سر مو اُنہوں نے تفاوت نہیں کیا ہے اور تقیہ اُنکا بعض اوقات بعد پہنچنے احکام حقہ کے ہوتا تھا کہ جب لوگوں کو احکام حقہ معلوم ہو لیتے تھے خواہ اس امام سے خواہ اُس سے پہلے امام سے خواہ رسول خدا صلعم سے اور اگر کوئی حکم ایسا ہوتا تھا کہ اس امام کی بتانے پر حاصل ہوتا تھا تو وہ اُس میں تقیہ نہیں کرتے تھے جیسا کہ ہم کئی مرتبہ لکھہ چکے **قال الشیخ الاشعری** دوسری جناب باریتعالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجنے کی غرض بھی بیان فرماتے ہیں کہ اظہار دین کے لئے اُنکو بھیجا ہے سورہ فتح اور سورہ صف اور سورہ توبہ میں ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ مطلب یہ ہے کہ خدا ہی نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر تاکہ سارے دینوں پر غالب اور ظاہر کر دے اب سنئے اظہار دین اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف اس آیت میں منسوب ہے تب مطلب ظاہر ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ اظہار دین خدا ہی کو کرنا مد نظر تھا پر اسطور پر اور اس سامان سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا سو جو کچھہ دین کی ترقی اُنکے سبب ہوئی وہ سب خدا ہی نے کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیچ میں ایسے تھے جیسے کاریگر اور کار کے بیچ میں آلات ہوتے ہیں تو اس صورت میں مطلب ظاہر کیا اظہر ہے کیونکہ خدا کا ارادہ اظہار کا ہوگا تو پھر کون چھپا سکے گا بلکہ اس آیت میں ایک دلیل کامل ہے سنیوں کے مذہب کی حقیقت کی کیونکہ در صورت تقیہ شیعہ جو سنی بنجاتے ہیں تو ظاہر میں دین اہل سنت ہوتا ہے اور باطن میں مذہب شیعہ تو مذہب اہل سنت تو دین حق ٹھیرا اسلئے کہ لیظہرہ میں جو ضمیر ہے تو دین الحق کیطرف راجع ہے اور مذہب شیعہ علی الدین کا میں داخل رہا اور ظاہر ہے کہ ماسوا دین حق کے سب دین باطل ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ اظہار جو اس آیت سے مقصود ہے وہ حضرت امام مہدی کے زمانہ سے پہلے ہونا چاہئے وجہ اسکی یہ ہے کہ غالب ہونیکے لئے دو چیزیں ہونی چاہئیں ایک غالب ایک مغلوب ایسے ہی ایک چیز جو ایک چیز سے ظاہر ہو تو وہ دوسری بھی ہونی چاہئے سو اس آیت میں ظاہر ہے علی الدین کلہ بھی لیظہرہ کے ساتھ ہے اور اسکے ملنے سے یہ معنی ہو گئے ہیں کہ اور دینوں سے یہ دین ظاہر ہوگا نہ یہ کہ اور دین باقی ہی نرہینگے سو حضرت امام کے وقت میں شیعہ ہی فرمائیں کہ اور دین رہیگا یا نہیں معہذا لیظہرہ ارسل سے متعلق ہے تو وہ اظہار ارسال کے متصل ہی چاہئے سو ایسا اظہار سوا مذہب اہل سنت کے اور کسی دین کو ابتک میسر نہیں آیا شیعہ ہی فرمائیں کہ میں جھوٹ کہتا ہوں یا سچ ہے اسکے بعد بہر چند اب کچھہ ضرورت نہیں کہ منقولات میں سے ابطال تقیہ کی کوئی اور سند بیان کیجائے **اقول** معنی اس آیت کی یہ نہیں ہیں کہ جو تو کہتا ہے بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ اس دین کو غالب کرے سب دینوں پر اور دین مغلوب ہو کر نیست و نابود

ہوجائیں اور سب دینوں پر غالب ہونا سوائے زمانہ حضرت امام مہدی کے معلوم نہیں ہوتا اور نہ جناب رسولخدا صلعم کے زمانہ سے آجتک ایسا ہوا ہے اور ظاہر کرنا ہی یہاں مراد نہیں
ہے اور محض ظاہر ہونے میں کیا فائدہ ہے اسواسطے کہ جب دین ہوگا تو ظاہر ہی ہوگا اور سب سے زیادہ ظاہر تو نصاریٰ کا دین ہے اور اگر ظاہر ہونا ہی بالفرض ہم مراد لیویں تو بھی ظاہر تو
شیعوں کا دین بھی ہے کچھ پوشیدہ نہیں ہے اور اگر کسی ایک شخص نے تقیہ سے دین کو چھپایا تو دین نہیں چھپ سکتا جسوقت کہ کروڑوں آدمی سوا ہے اسکے اُس دین پر ہوں اور
جیسے کہ بعضے شیعہ سنی ہوجاتے ہیں ایسے ہی بعضی شیعہ بھی ہوجاتے ہیں طمع دنیا کی واسطے یہانتک کہ تبرا ہی کہہ بیٹھتے ہیں اور بعد اُسکے جب اعتراض ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ
تبرا کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوجاتا اور یہ آنکھوں کی دیکھی بات ہے اور ایران میں بعضی سنی کا گزر ہوجاتا ہے تو ہاتھ کھولکر نماز پڑھنی لگتا ہے اور یہ بھی دیکھا ہے اور اہل سنت زبان
سے تو کہدیتے ہیں کہ ہم تقیہ نہیں کرتے اور شیعہ تقیہ کرتے ہیں لیکن تقیہ سنی بھی بعضے وقت کر بیٹھتے ہیں اس صورت میں دین شیعہ ظاہر تو باطن اور دین اہل سنت باطن میں تو مذہب شیعہ تو دین
حق ٹھیرا اسلئے کہ لیظہرہ میں جو ضمیر ہے تو دین الحق کیطرف راجع ہے اور مذہب اہل سنت علی الذین کا مصداق رہا اور ظاہر ہے سوا دین حق کے سب دین باطل ہیں اور اگر کسی ایک شخص
نے تقیہ کیا تو اس سے یہ کہاں سے لازم آیا کہ سارا دین ہی مخفی ہوگیا اور اگر مخفی ہوا تو ایک شخص کا دین مخفی ہوا نہ کل دین اور حضرت امام مہدی کے زمانہ سے پہلے غلبہ سب دینوں پر
نہیں ہوسکتا چنانچہ روایات کتب فریقین اسپر دلالت کرتے ہیں اور ہاں ہم بھی کہتے ہیں کہ غالب ہونیکے واسطے دو چیزیں چاہئیں ایک غالب ایک مغلوب لیکن دین باطل
کے باقی نرہنے کو غلبہ لازم ہے جب پہلے دین حق غالب ہوگا اور اہل حق اُنکو فنا کرینگے تب وہ نیست و نابود ہونگے نہ خود بخود بغیر کسیکے سعی کے یا یوں ہی فنا ہوجائینگے کیا کوئی
وبا اُنمیں پھیل جائیگی یا رات کو اپنے بستروں پر سوتے ہی رہجائینگے سو مغلوب کا ہمیشہ باقی رہنا کچھ ضرور نہیں ہے اور یہ اس سے لازم آیا ہے اور اگر لیظہرہ ارسل سے متعلق ہے تو یہ کیا ضرور ہے
کہ ظہور ارسال کے متصل ہو اور اگر متصل ہوگا ارسال کے تو وہ دین وہ ہوگا کہ جو جناب رسولخدا صلعم کے زمانہ میں تھا کہ وہ دین شیعہ ہی ہے دین اہل سنت کہ وہ ابوبکر اور عمر کا ایجاد کیا ہوا ہے اور بعد ہی اُس
دین کے جو ارسال سے متصل ہے اور اگر اہل سنت کے مذہب کو مثل نصاریٰ کے کثرت ہی تو کیا ہوا ارسال کے متصل تو نہیں ہے اور جو کچھ تو نے لکھا ہے وہ سب غلط ہے اور تو تقیہ کو باطل کیا کریگا تقیہ کا حکم تو تیری
کتابوں میں موجود ہے اور اگر تو باطل کریگا تو اپنے مذہب کو باطل کریگا اور ہم تقیہ کو ضمناً ثابت کرتے ہیں اور نہ ہم کو احتیاج اُسکی ثابت کرنیکی نہیں ہے جسوقت کہ اہل سنت کی کتابوں سے تقیہ ثابت
ہوتا ہو اور جو کچھ تو نے لکھا ہے وہ تقیہ کو ہرگز باطل نہیں کرسکتا چنانچہ ہم لکھ چکے **قال الشیخ الاشعری** لیکن مزید توضیح کے لئے اتنا اور معروض ہے کہ جب کوئی نبی مبعوث ہوتا ہے تو اول
دفعہ وہ اکیلا ہی ہوتا ہے اگر وہ اظہار حق نکرے اور بالکل چپکا بیٹھ رہے تو فرض تبلیغ احکام اُنکے ذمہ رہجائے اور فرضیت تبلیغ احکام کے انبیاء اور درویشوں اور علماء کے ذمہ سبکے
نزدیک مسلم ہے اور اگر کسی اور پر نہو ہمارے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ پر تبلیغ احکام کی فرضیت اس آیت سے واشگاف ہے يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ
فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ یعنی اے رسول پہنچادے جو کچھ تیری طرف نازل کیا گیا ہے تیرے رب کیطرف سے اور اگر نکیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اُسکا پیغام اسیطرح اور لوگوں کو فرماتے ہیں وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ
أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ یعنی اور چاہیے کہ رہیں تم میں ایک جماعت بلاتے نیک کام پر اور حکم کرتے پسندیدہ بات کو اور منع کرتے ناپسند کو سو حکم
ظاہر ہے کہ معروف و منکر کے جاننے والوں کو ہی سو سبکا نام عالم اور درویش ہے جتنا کوئی زیادہ جانے اوتنی ہی اُسکے ذمہ فرضیت زیادہ ہوگی سو امام سے زیادہ اس باب میں اور کون
ہوگا بالجملہ اگر انبیاء مُہر سکوت سو مونھ پر لگا کر بیٹھ رہیں اور سرے سے مونھ کہیں ہی نہیں تب انبیاء کا گنہگار ہونا لازم آئیگا اور احکام الٰہی پہنچائیں تو ظاہر ہے کہ احکام الٰہی تو نفس کے خلاف ہی
ہونگے اسیواسطے مطیع اور فرمانبردار کوئی کوئی ہوتا ہے ورنہ پھر بدبخت کوئی کوئی ہوتا اور جب نفس کے خلاف کوئی بات کہتا ہے تو لاکھ میں سے ایک تو مثل ابوبکر صدیق کے بے کھٹکے مانتا ہے ورنہ
سو حجتیں نکالتے ہیں بلکہ اُلٹے دشمن ہوجاتے ہیں پھر اُسوقت اگر آدمی لوگوں کی بدگوئی اور ایذا رسانی سے ہٹ رہے تو اُسمیں اور دنیاداروں میں کیا فرق رہا ہر کوئی اُسکو مطلب کا یار سمجھ کر
دونی تکذیب پر کمر باندھیگا اور جو سا نہ ہوگئی تھی وہ ہٹ رہینگے سو دین کی خیریت ہوئی اور نبوت بھی ختم ہولی اور اگر ایسی وقت میں پکارا اور لوگوں کی بدگوئی اور نقصان جان و مال سے
نڈر ہوا تو آگے پھر آسانی کا وقت ہے اللہ کا وعدہ ہے کہ بعد شدت اور کلفت کے نصرت پہنچا ہے چنانچہ آیہ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ آخر میں أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ہے اپنے ما قبل ملکر یہی کہتا ہے
اور جب آسانی ہوئی اور خدا کی مدد آپہنچی تو پھر تقیہ کس مرض کی دوا ہے **اقول** پیغمبر پر ہمارے نزدیک تقیہ نہیں ہے اور اگر اُسپر کبھی تقیہ ہو تو اُسکے مبعوث ہوکر آنیکا واسطے ہدایت خلقت کے
کیا فائدہ ہے کہ احکام خدا کو چھپا رکھے البتہ اگر ابلاغ حق کو تقیہ مانع نہو اور ضرورت تقیہ کی ہو کہ ایسا ہی موقع آپڑے تو تقیہ بھی کرسکتا ہے اپنی جان کی حفاظت کے واسطے اور اسمیں کچھ قباحت نہیں
ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے تین جھوٹ بولے خوف جان سے چنانچہ فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے اور رسولخدا صلعم احکام تو سب پہنچاتے تھے لیکن
کسی امر میں تقیہ بھی کرتے تھے جیسے کہ کتب صحاح اہل سنت میں لکھا ہے اور پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں کہ عائشہ سے رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ اگر تیری قوم کے آدمی تازہ مسلمان نہوتے اور
میں ڈرتا ہوں کہ دل اُنکے انکار کریں تو میں خانہ کعبہ کو ڈھا کر بنیاد ابراہیم علیہ السلام پر اُسکو نئے سر سے بناتا سو لوگوں سے تقیہ کرکے بیٹھ رہے اور اُسکو ڈھانے نہ پایا اور تفسیر کبیر میں یہ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ
اللَّيْلُ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے کلمہ کفر کا اُنکی ہدایت کے لئے اپنی زبان پر جاری کیا اور لکھا ہے کہ ومعلوم عند الاکراہ یجوز کلمۃ الکفر علی اللسان قال اللہ تعالیٰ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ

اور آیت یا ایہا الرسول خاص حکم کے مقدمہ میں ہے اسواسطے کہ یہ آیت حجۃ الوداع میں نازل ہوئی ہے اور جبتک رسولخدا صلعم کو سب احکام پہنچ چکے تھے اور جس حکم کے پہنچانیکی تاکید ہوئی ایک
خاص ہے جسکے واسطے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تو اسکا نکریگا تو گویا کوئی حکم نہیں پہنچایا ہے اور وہ حضرت سب احکام پہنچا چکے تھے کوئی خاص ہی حکم باقی رہگیا ہوگا اور وہ حکم خاص حضرت
علی کے خلافت کا حکم تھا کہ حضرت کو اس حکم کے پہنچانے میں تامل تھا لوگوں کے انکار کے خوف سے اسیواسطے اسکے پہنچانیکی تاکید ہوئی اور لوگوں کے خوف کے دفع کو خدا تعالیٰ نے اسکی آخر میں
فرمایا واللہ یعصمک من الناس یعنی اور خدا بچائیگا تمہکو آدمیوں سے اور تفسیر کبیر میں کئی وجوہ اس آیت کی تفسیر میں لکھی ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو رسولخدا
صلعم نے علی کی فضیلت میں فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اور اس آیت سے تقیہ بھی ثابت ہوگیا کہ وہ حضرت بعضی مخالفین اور معاندین سے خائف تھے اور بسبب بغض اور حسد
حاسدین کے اور ظہور فتنہ اور فساد کے اظہار حق نہیں کرسکتے تھے اسواسطے یہ آیت تاکیداً نازل ہوئی اور واللہ یعصمک من الناس فرمایا لیکن محل اس گفتگو کا نہیں ہے فقط اشارہ ہی
کردیا گیا اور معلوم نہیں درویش جو اسنے لکھا ہے یہ کون لوگ ہیں بظاہر تو دو قسم ہدایت کرنیوالوں کی ہیں انبیا اور علما اور درویش اگر عالم ہے تو علما کے قسم میں داخل ہے پھر اسکے ذکر کی
کیا احتیاج ہے اور اگر دربنگ ہے تو کسیکا کام کا نہیں ہے اور یہ کون کہتا ہے کہ انبیا سکوت کرکے بیٹھ رہیں قطع نظر اسکے کہ انکے ذمہ ابلاغ احکام فرض ہے اگر وہ خاموش ہوکر بیٹھ رہیں تو انکی
مبعوث ہونیکا کیا فائدہ ہے جس لئے وہ پیغمبر ہوکر آئے تھے وہ تو اُن سے ادا ہوا ہی نہیں اور اگر ابوبکر تنہا نے مان بھی لیا تو کیا لطف ہوا انکے ماننے کا انجام تو انہوں نے اپنا
خراب کیا اور ہم تو یہی کہتے ہیں کہ جناب رسولخدا صلعم نے احکام کے پہنچانے میں کبھی خیال لوگوں کی ایذا رسانی کا نہیں کیا اور احکام کے پہنچانے سے کبھی نہیں چوکے تو کہا اسنے کہتا ہے اور ایسے ہی ائمہ
کا حال تھا کہ وہ بھی اپنے مطیعوں اور فرمانبرداروں کو تعلیم حق کرتے تھے لیکن خود سلطان جو انکے مخالف ہورہے تھے اور ظالموں کی اطاعت کرتے تھے اور ان ظالموں کی خوشامد میں انکو آزار کے درپے ہوتے
تھے اسلئے وہ بعضے وقت انکی مرضی کے موافق بھی کہدیتے تھے واسطے محافظت آبرو اور جان کے موافق حکم خدا کے اُس حکم میں کہ جسکو پہلے اپنے مطیعوں کو موافق حق کے کہہ چکے ہیں یا پہلا امام انکو حکم حق معلوم
ہو کیا ہے اور جو حکم حق کہ انکی ہی جہت سے معلوم ہوسکتا تھا اسمیں وہ بھی تقیہ نہیں کرتے تھے غرض یہ ہے کہ حق کے پہنچانے میں وہ تقیہ نہیں کرتے تھے اور قرۃ العین شریفی اور احیاء العلوم میں لکھا ہے
کہ ابن عباس کہتے تھے کہ عول شرع میں جائز نہیں ہے لوگوں نے کہا کہ تو نے عمر کی زمانہ میں یہ کیوں نہ کہا کہا کہ اسکے خوف سے اب بتلاؤ کہ یہ تقیہ نہیں تو کیا ہے کہ حکم شرع کو عمر کے خوف سے چھپایا اور تاریخ الخلفا
میں لکھا ہے کہ سات علماء نے مامون کے خوف سے تقیہ اسکے قرآن کو مخلوق کہا البتہ پیغمبر کو حق کی پہنچانے میں تقیہ نہیں چاہئے اور انکے واسطے تقیہ کسی مرض کی دوا نہیں ہے مگر بعضے امور میں حسب ضرورت انکو
بھی احتیاج تقیہ کی ہوتی تھی چنانچہ پہلے اس سے ہم کتب صحاح سے لاچکے ہیں کہ رسولخدا صلعم نے خانہ کعبہ کے ڈھانے میں اپنی قوم سے تقیہ کیا **قال الشیخ الاشعری** الغرض انبیاء کے حق میں کوئی
ضرورت تقیہ کے روا ہونے کی معلوم نہیں ہوتی اور چونکہ ائمہ ہدیٰ بھی نائبان پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور نائب کا وہی کام ہوتا ہے جس کام کے لئے منوب ہوا کرتا ہے تو بیشک تبلیغ احکام
اُنکے ذمہ فرض ہوگی اور انکی کیا تخصیص ہے سب ہی پر فرض ہے چنانچہ ابھی مرقوم ہوا لیکن یہ خاص اسی کام کے لیے ہوتے ہیں پھر ائمہ ہدیٰ معصوم بھی ہیں صدور گناہ کا احتمال نہیں تو انکو
بھی تقیہ کا مباح ممکن نہیں جیسے کہ انبیا سے ممکن نہیں ہے بفضلہ تعالیٰ رسول اللہ صلعم اور انبیاء کے احوال کے مطابق کرنے سے یونہی معلوم ہوتا ہے کہ حق گوئی میں انہوں نے ذرہ برابر دریغ نہیں کیا بلکہ
اس سبب سے جان و مال و عزت و آبرو سب برباد کیا ہے اور اپنی بات سے نہیں پھرے رسول اللہ صلعم کا حال تو ظاہر ہے سب اہل اسلام نے سنا ہوگا آپکی ایذاؤں کی نوبت یہانتک پہنچی ہے کہ سالہا سال تک کفار
نے ذات برادری سے ڈالے رکھا مکہ سے باہر رہے سب نے یہ عہد کر لیا تھا کہ انسے نہ کوئی بیع و شرا کرے نہ انکو کوئی کام مزدوری کی خبر مزدوری سے کرے اور زبانی طعن و تشنیع اور دشنام اور دست درازی تو جدا
رہی آخر یہ ہوا کہ قتل کا ارادہ ہوا اور آپ چھپکر مدینہ منورہ کو تشریف لیگئے اگر تقیہ فرض کیا درست بھی ہوتا تو آپ کیوں اتنی مصائب اُٹھاتے اور کیوں بیت اللہ جیسی اشرف چیز کو چھوڑ کر آتے ابوجہل اور ابولہب جیسے
دشمن ہوتے ہیں کی خلاف کی بتلاسے تو یہی کہ ان ملعونوں کو سوائے حق گوئی کے اور کیا ستایا تھا زمین مالک کی انکی نہیں بالی تھی ملک دولت انکی نہیں چھین لی تھی علی ہذا القیاس حضرت ابراہیم
جو آگ میں ڈالے گئے اور ہجرت کرکے وطن سے چلے ... تو آپنے سوائے حق گوئی اور اظہار حق اور کیا گناہ کیا تھا **اقول** انبیاء کو تو ہم بھی نہیں کہتے کہ وہ تقیہ کرتے تھے لیکن اہل سنت کی کتابوں سے
بعضے بعضی انبیاء کا تقیہ کرنا ظاہر ہوتا ہے اور انبیاء اور ائمہ علیہم السلام میں فرق ہے کہ پیغمبر تو ابتداءً احکام کا خدا کے پہنچانیوالا ہوتا ہے کہ وہ احکام منتشر ہوجاتے ہیں اور لوگوں کو معلوم ہوجاتے ہیں اسکو احکام
کے پہنچانے میں تقیہ کیونکر روا ہو اور اگر وہ تقیہ کرے تو احکام حقہ لوگوں کو کیونکر معلوم ہوں اور امام پیغمبر کے اُن احکام کا جاری کرنیوالا ہوتا ہے کہ جو لوگوں کو معلوم نہیں ہیں تو اُن احکام میں امام بھی تقیہ
نہیں کرتا ہے ورنہ حق لوگوں کو کیونکر معلوم ہو اور اگر تقیہ کرتا ہے تو اُن احکام میں تقیہ کرتا ہے کہ جو لوگوں کو پہلی سے پہنچ گئے ہیں اور مخالفین انکی جبوقت انکے پاس ہوتے اور انکی جانب سے مطمئن نہیں
ہوتا تو وہ اُن احکام کو انکی مرضی کی موافق بیان کرتے اور تبلیغ جن احکام کی انپر فرض ہے اسمیں وہ بھی تقیہ نہیں کرتے تھے اور سوا اسکے اور لوگوں پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر البتہ واجب ہے
لیکن اسکے مراتب ہیں اور جس مرتبہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قائم کرنے میں خوف ضرر کا ہو تو وہاں اسکا حکم نہیں ہے اور زبان سے کچھ نہ کہنا چاہئے البتہ دل سے کراہت رکھے اور ائمہ ہمارے نزدیک
معصوم ہیں لیکن تقیہ کرنا محل تقیہ میں گناہ بھی نہیں ہے کہ تقیہ انبیاء علیہم السلام نے کیا ہے چنانچہ اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہے اور ہم لکھ چکے ہیں مگر ہمارے نزدیک احکام حقہ کے پہنچانے میں
نہ انبیاء پر تقیہ ہے نہ ائمہ پر مگر بعد پہنچانے احکام حقہ کے اور ہم بھی مانتے ہیں کہ حق گوئی میں انہوں نے ذرہ برابر دریغ نہیں کیا اور رسول اللہ صلعم کا جو کچھ حال لکھا ہے سب راست اور درست ہے لیکن

وہ احکام کے پہنچانے میں تقیہ کرتے تو لوگوں کو احکام کیونکر پہنچتے انکو تو تقیہ چاہئے ہی نہیں اور کفار جو انسے عداوت کرتے تھے تو وہ مذہب کے سبب سے عداوت کرتے تھے کہ مذہب اسلام کو حضرت لیکر آئے تھے اور وہ بت پرست تھے اور جو لوگ کہ ائمہ سے عداوت رکھتے تھے وہ سب مسلمان ہی تھے اور انکے لہو کے پیاسے تھے اور انکو انسے عداوت ذاتی تھی کہ وہ لوگ انکے مٹ جانے کے درپے تھے کہ دنیا سے نابود ہو جائیں اور خیال یہ تھا کہ اگر یہ باقی رہیں گے تو لوگ انکی طرف رجوع کرینگے اسلئے درپے انکے تھے اور بہانہ انکے ہلاک کرنیکا تلاش کرتے تھے اور علماء اس زمانہ کی بلکہ اکثر خوشامدی انکے دشمنوں کے خوشامد میں جو کہ حکام اس زمانہ کے تھے بنی امیہ و بنی عباس ان مظلوموں کی مخالفت تلاش کرتے تھے تاکہ حکام کو خبر کریں کہ ذریعہ انکی ہلاکت کا ہو اور وہ مظلوم بحکم آیت وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ ہر امر میں اپنے نفس کی محافظت کرتے تھے اور بظاہر انکی مرضی کے موافق بھی کہتے تھے ہر چند تدبیریں اپنے بچاؤ کی کرتے تھے لیکن پھر انکو نہ چھوڑا اور زہر دلوا کر انکو قتل کروایا یہ تھا حال ان مظلوموں کا اور یہی سبب تھا بعضے امور میں تقیہ کرنیکا لیکن حق کہنے میں انہوں نے کبھی تقیہ نہیں کیا ہے چنانچہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے اور ہمارے نزدیک تو حضرت ابراہیم نے بھی تقیہ نہیں کیا اور نہ وہ جھوٹ بولے ہیں لیکن اہل سنت کی کتب صحاح میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم لوگوں کے خوف سے تین جھوٹ بولے نعوذ باللہ منہ **قال الشیخ الاشعری** بالجملہ مثل آفتاب روشن ہو گیا کہ انبیاء نے نہ تقیہ کیا اور نہ انسے تقیہ ہو سکے علی ہذا القیاس جو انکے نائب ہیں نہ انہوں نے تقیہ کیا نہ انسے ہو سکے چنانچہ حضرت امام حسین سید الشہداء کی جان نازنین پر جو کچھ گزرا سب جانتے ہیں باعث اسکا فقط حق گوئی تھا ورنہ یزید کا کلمہ کہہ دیتے جان بچتی اور الٹی مال و دولت و اعزاز و اکرام ہوتا اور حضرت امام الائمہ حضرت امیر کا ابتدا سے لڑنا سب پر روشن ہی سوا انکے اور اماموں کا حال بھی سنا ہوگا کہ سلاطین غاصبانہ سے کیا کیا ایذائیں انکو نصیب ہوئیں قید خانوں میں محبوس رہے اگر تقیہ کر لیتے تو کیوں ذلت اور خواری اور کیوں یہ محنت و دشواری اٹھاتے **اقول** تجھ کو یہ کہنا نہیں چاہئے کہ انبیاء نے تقیہ نہیں کیا اور نہ انسے ہو سکے تیری کتابوں میں تو انبیاء کا تقیہ کرنا لکھا ہوا ہے چنانچہ ہم لکھ چکے اور ہمارے نزدیک جو کچھ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کا حال تقیہ میں تھا اسکو بھی ہم کئی دفعہ لکھ چکے اور امام حسین علیہ السلام کا حال بھی ہم مفصل لکھ چکے کہ انہوں نے تقیہ کیوں نہیں کیا اور کیوں وہ تقیہ کرتے کہ تقیہ کرنے میں انکو کچھ فائدہ نہ تھا اور وہ قرائن و علامات سے جان گئے تھے کہ اگر میں اسکی بیعت کر لونگا تو بھی یہ مجھکو نہ چھوڑیگا کہ عداوت ذاتی رکھتا ہے پھر کیا فائدہ تھا تقیہ کرنے میں اور ہم پہلے اس سے مفصل تقیہ نہ کرنیکی وجوہ کو لکھ چکے اور جناب امیر علیہ السلام جو معاویہ سے لڑے ایک لشکر انکے ہمراہ تھا اس صورت میں باغی سے لڑنا واجب ہے اور باقی ائمہ علیہم السلام جو بسبب زیادہ ظلم اور بے یار و مددگار تھے اور جانتے تھے کہ یہ حکام معتقد ہیں لا اقل عداوت ذاتی ہم سے رکھتے ہیں اور کسی نہ کسی بہانہ سے ہمکو قتل کرینگے انہوں نے سب طرح سے احتیاط کی اور اپنے نفوس مقدسہ بچانیکی تدبیریں کیں اور بظاہر انکی موافقت رکھی اور انکی مخالفت سے اپنے تئیں محفوظ رکھا لیکن تب بھی نہ چھوڑا کہ عداوت ذاتی رکھتے تھے اور انہوں نے تقیہ بعضے امور میں کیوں نہیں کیا انہوں نے تو سب کچھ کر کے دیکھ لیا لیکن پھر بھی نہ بچے ان ظالموں کو تو انکا شامت سے طریق ایسا ہو کہ لوگ انکو اولاد بتول اور وارثان علم رسول سمجھکر انکی طرف رجوع کریں اور ہماری سلطنت میں خلل آوے اور اطاعت اپنی کرانی انکو منظور تھی ہر چند وہ بظاہر موافقت کیے چلے جاتے تھے **قال الشیخ الاشعری** ہاں عوام مومنین کی نسبت اگر کوئی کہے تو مضائقہ نہیں البتہ جواز معلوم ہوتا ہے اگر عذر قرار واقعی ہو مثلاً لڑکے اور عورتیں اور اندھے اور لنگڑے اور اپاہج اور قیدی اور سوا اسکے جو کوئی ایسا ہی ناچار ہو تو اسکو بقدر ضرورت کفار سے موافقت جائز ہے بشرطیکہ جان کا یا کسی عضو کا اندیشہ ہو اپنی یا اپنی اولاد یا ماں باپ وغیرہ کا اور اگر کچھ یونہی تکلیف کا اندیشہ ہے جسے تحمل کر سکے پھر کفار سے موافقت کرنی ہرگز جائز نہیں اور باایں ہمہ ثواب اسمیں ہے کہ تقیہ نہ کرے کیونکہ صبر کی جو جا بجا تعریف کتاب اللہ میں آئی ہیں تو ایسے ہی دن کے واسطے ہیں نہیں تو تقیہ میں کیا اندیشہ جو صبر کی ضرورت ہوتی اسمیں تو بلا اور تنگی نہیں آتی ہیں اور حضر عدو و قبلہ بن جاتے ہیں اسلئے کلام اللہ میں جتنی صبر کی تاکید ہے اتنی اور کسی چیز کی نہیں وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یعنی سب انسان ٹوٹے میں ہیں مگر جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے اور آپسمیں ایک دوسرے کو حق گوئی اور حق پر قائم رہنے اور صبر کی نصیحت کی **اقول** پہلے تو تجھے مطلق تقیہ سے انکار تھا کہ تقیہ کسی طرح جائز نہیں ہے اور اب تو عوام کے واسطے اقرار کرتا ہے یہ تو کہاں سے کہتا ہے اور کس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ لنگڑے لولے کے واسطے تو جائز ہے اور صحیح اور سالم کے واسطے جائز نہیں ہے ابن عباس کیا اندھے اور لنگڑے اور اپاہج تھے جو انہوں نے عمل کے مسائل میں عمر کے خوف سے تقیہ کیا جیسے کہ احیاء العلوم اور فواتح شرح مینی میں لکھا ہے اور سات علماء معتبرین نے جو ان کے نقدمہ میں تقیہ کیا ماموں کے سامنے اور قرآن کو کہا کہ مخلوق ہے جیسے کہ تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کیا وہ اندھے و اپاہج اور لڑکے اور عورتیں تھے جو تو نے لکھا ہے کہ ایسے لوگوں کو تقیہ جائز ہے اور صحیح اور تندرست کو جائز نہیں ہے اور کیا تو جانتا نہیں ہے کہ [illegible] آدمی یا ایک یا دو یا چار آدمی مقابلہ میں ہزاروں ظالموں کے اندھے لولے اپاہج اور لڑکے اور عورت سے زیادہ بدتر ہیں تو ان [illegible] میں تخصیص اندھے اور اپاہج کی پایا [illegible] اور تقیہ کے احکام بھی مختلف ہیں بعضی محل میں واجب ہے اور بعضی محل میں جائز اور بعضی میں حرام اور واجب بموجب حکم خدا ہے جس جگہ کہ خوف ہلاکت ہو چنانچہ فرماتا ہے وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ اور امام رازی نے تفسیر کبیر میں واجب لکھا ہے کہ دفع الضرر عن النفس واجب اور شرح اشباہ و نظائر میں عینی شرح صحیح بخاری سے نقل کی ہے کہ وقد یجب فی بعض الصور بالاتفاق اور اگر ضرر ایسا ہو تو البتہ وہاں جائز ہے جہاں کسی طرح کا ضرر اور کھٹکا نہیں ہے تو وہاں حرام ہے اور دیکھ تو تیری ہی کتابوں میں جب لکھا ہے [illegible] وجوب کی نفی [illegible] اور جان کے اندیشہ میں البتہ واجب ہے خواہ اپنی جان ہو خواہ مال اور ماں باپ اور اولاد کی کہ دفع ضرر کا نفس سے واجب ہے اور البتہ جواز کی صورت میں کہ جہاں تھوڑا سا ضرر ہو [illegible] مگر تقیہ ہی کر سکتے ہیں تقیہ ایسے محل میں ممنوع ہے

اور پلاؤ اور متنجن کے واسطے اہل سنت تقیہ کرتے ہیں شیعوں سے اور حاضری میں حضرت عباس کی حلوا چیٹ کرتے ہیں اور تبرا بھی سنتے ہیں او ۔ ہم کہہ چکے جواز کی صورت میں صبر اولیٰ ہے اور تقیہ کا
بھی مضائقہ نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** شیعوں کے مذہب میں تو حق گوئی کہاں حق کو دبا دیا تاکید ہی ابو بکر صدیق کو تو ایک فدک کی دبا لینے میں سو ہزار کتنی ہیں جو تمام حق خداوندی یعنی دین حق کو دبا لیتے
کی فضیلت کے قایل ہیں ہزار کتنی ہزار لعنت چاہئے اور سوا اسکے ان اللہ مع الصابرین ان اللہ یحب الصابرین واصبروا وغیرہ آیات صبر کی کلام اللہ بھرا ہے اگر تقیہ فرض ہوتا تو صبر کوڑی کے کام کا ہی نہ تھا معہذا کہیں
ایک جگہ تو اسکا حکم آتا بالجملہ اگر تقیہ ہے بھی تو عوام کے واسطے ہے اور انہیں بھی معذوروں کے لیے مہر کیلئے یعنی واسطے بھی جان کے خوف سے اور بھی جائز ہے واجب نہیں بلکہ ثواب کی بات یہی ہے کہ نہ کریں **اقول**
شیعوں کے برابر کسی مذہب میں حق گوئی نہیں ہے اور تقیہ کرنے سے حق گوئی نہیں جاتی اور نہ حق کا دبانا نہیں ہے اور دین حق دبایا خلفاء ثلاثہ نے کہ حق کو پس پشت ڈال کر خلاف دین حق
کے طریقے مقرر کئے اور اگر کسی نے کسی ظالم کے خوف سے تقیہ کیا تو کیا مضائقہ ہے کہ وہ بھی بموجب حکم خدا ہے اور حق گوئی اہل سنت کے مذہب میں نہیں ہے کہ وہ انبیا پر تہمت حق چھپانے کی کرتے ہیں اور
کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کی زبان پر کلمہ کفر جاری ہوا اور تین جھوٹ وہ بولے اور جناب رسول خدا صلعم کی زبان پر کلمہ کفر کا تعریف میں بتوں کی جاری ہوا اور فرمایا کہ تلك الغرانيق العلى
وان شفاعتهن لترتجى اور ابو بکر نے فدک کیا خلافت کہ جو مدار ہدایت اور ضلالت کا تھا اسکو دبا کر لوگوں کو گمراہ کیا اور جو شخص لیکر اسکو کیونکر برا نہ کہیں اور دین حق ہم سے چھین کر دبا لیا
ہے تم خود گمراہ ہو گئے ہو اور تم جو حضرت ابراہیم کو اور جناب رسول خدا علیہما السلام کو حق کا دبانیوالا کہتے ہو تم پہ لعنت چاہئے اور جیسے کلام اللہ میں صبر کی آیات ہیں ایسی ہی تقیہ کی بھی آیتیں موجود ہیں
اور صبر کچھ تقیہ نہ کرنے کے واسطے نہیں ہے بلکہ صبر کرنے کی بہت صورتیں ہیں بلاؤں کے نازل ہونے پر اولاد اور مال کے ضائع ہونے پر اور مکروہات اور مصائب اور حوادث کے نازل ہونے پر اور درد
اور بیماری اور فقیری پر کہ صبر ان امور کے واسطے ہر کوڑی کے کام کا کیوں نہیں ہے اور حکم تو اسکا کلام اللہ میں موجود ہے الا من اكره وقلبه مطمئن بالايمان اور ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة
سوا اسکے اور تقیہ میں عوام کی کہیں تخصیص نہیں ہے اور نہ معذوروں کی تیرے نزدیک حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور جناب رسول خدا صلعم جو کعبہ کو نہ ڈھا سکے عایشہ کی قوم سے تقیہ کر کے اور ابن عباس
اور وہ سات علماء کہ جنہوں نے قرآن کو مخلوق کہا اور سوا انکے اور لوگ جنکا تقیہ کرنا اہل سنت کی کتابوں سے ثابت ہے عوام میں سے اور لنگڑے لولے اندھے ہونگے اور تقیہ جان کی خوف سے واجب ہے اور سوا اسکے
جائز ہے اور ثواب کی بات تقیہ نہ کرنے میں نہیں ہے اور جواز کی صورت میں یہ ہے کہ چاہے کرے چاہے نہ کرے **قال الشیخ الاشعری** اور اگر کرے بھی تو واجب ہے کہ بقدر ضرورت کرے اور عین حالت
تقیہ میں ہجرت کی فکر میں ہو اور جب قدرت پائے آنکھ بچا کر کہیں ایسی جگہ بھاگ جائے جہاں اظہار حق سے کوئی منع نہ ہو کیونکہ کلام اللہ میں ہجرت کی بڑی تاکیدیں ٹھہری ہوئی ہیں ان ارضي
واسعة فاياى فاعبدون یعنی میری زمین واسعہ ہے گھر کی کیا تخصیص ہے جہاں بن پڑے وہاں ہی چلے جاؤ اور میری ہی عبادت کرو اور دوسرے ان الذين توفهم الملئكة ظالمي
انفسهم قالوا فيم كنتم قالوا كنا مستضعفين في الارض قالوا الم تكن ارض الله واسعة فتهاجروا فيها فاولئك ماويهم جهنم وساءت مصيرا یعنی جو لوگ کہ ظالم ہیں اپنی جانوں پر قبض کرتے ہیں
اور وہ ہجرت کے مقدور میں تقصیر وار ہیں تو فرشتے انسے کہتے ہیں تم کس کام میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم ضعیف بیکس لوگ زمین میں پڑے رہتے تھے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی جو تم ہجرت کر جاتے سو ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ
بری جگہ ہے انجام کی اور سوا ان آیات کے اور بہت آیات میں ہجرت کا حکم ہے سو ہجرت کا حکم اسی مدینہ سے ہوتا ہے کہ احکام دینی ظاہر نہیں کر سکے **اقول** اگر ایسا حال ہو کہ شعائر اسلام بسبب خوف کے کچھ نہیں ادا ہو سکتے اور
دار الحرب میں رہتا ہے تو البتہ وہاں سے دار الاسلام کی کہ جہاں امن ہو وہاں ہجرت کرنی چاہئے اور اس صورت میں ہجرت کا ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ اپنے مذہب کے موافق نماز
روزہ وغیرہ سب کچھ ممکن ہے اگرچہ پوشیدگی سے ہو جیسے کہ رسول خدا صلعم مکہ معظمہ میں قبل نزول آیت فاصدع بما تؤمر کے پوشیدہ نماز پڑھتے تھے تو ہجرت کی کچھ زیادہ تاکید نہیں ہے اور اگر یہ کنایہ
طرف ائمہ علیہم السلام کی ہے تو انکے واسطے تو کوئی صورت ہجرت کی نہ تھی اسواسطے کہ وہ تو اظہار حق کرتے تھے اور اپنے معتقدوں کو مسائل حقہ تعلیم کرتے تھے اور علماء یہود و نصاریٰ کو اور اہل سنت کو اور
ملحدوں کو گفتگو کر کے ساکت کرتے تھے اور تقیہ کا اتفاق بہت نادر کسی بعضی امر میں ہوتا تھا انکے واسطے ہجرت کی کون صورت تھی اور سوا اسکے یہ بھی کہ جاتے کہاں جہاں جاتے وہاں دشمنان جانی موجود
تھے یا کفار تھے کہ وہ دشمن اسلام تھے **قال الشیخ الاشعری** بالجملہ عوام کو بشرائط مذکورہ جائز ہے واجب نہیں ہے ۔ نہ ایسے ہی ہٹے کٹوں کو جو زمین میں لات ماریں تو پانی نکل آئے ہرگز اخفاء
حق جائز نہیں انکو یہ لازم ہے کہ اگر وطن میں یا جہاں کہیں وہ ہوں اظہار حق نہ کر سکیں تو وطن چھوڑ کر چلے جائیں چنانچہ آیہ لا يتخذ المؤمنون الكافرين اولياء من دون المؤمنين ومن
يفعل ذلك فليس من الله في شيء الا ان تتقوا منهم تقىة ويحذركم الله نفسه والى الله المصير فقط اتنی ہی اجازت پر دلالت کرتی ہے کہ اپنا بچاؤ کر لو پر کفار کی موافقت
اور دوستی مت کرو سو بچاؤ تو یوں بھی ہو سکتا ہے کہ آدمی اس جگہ سے چل دے تسکین خاطر کے لیے معنی ساری آیت کے لکھے دیتا ہوں حاصل یہ ہے کہ مومن کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور
انسے موافقت اور صلح نہ رکھیں مومنوں کو سوائے خدا کے اور کسی کی موافقت اور دوستی نہیں چاہئے اور جو ایسا کریگا وہ اللہ کے حساب سے کسی شمار میں نہیں مگر ہاں یہ تمہیں اختیار ہے کہ کچھ اپنا بچاؤ کر لو
اور پھر یہی کہ اللہ آپ سے ڈراتا ہے اور پھر اللہ کیطرف سب کا ٹھکانا ہے یعنی مجھ سے ڈرنا چاہئے کہ میری طرف آنا ہے کافروں سے کیا ڈرتے ہو انسے موافقت تو جب کرتے کہ انکی طرف ہرگز تمہیں جانا ہو
فقط ہاں اگر آدمی انکے پنجوں میں ایسا پھنس جائے کہ محبوس ہو یا مثل محبوسوں کے ہو جیسے اندھے اپاہج لنگڑے لولے بچے اور عورتیں بیمار اور پھر تس پر کفار زبردستی بھی کریں اور وہ زبردستی بھی ایسی ہو کہ عاجز
کے موافق اٹھا نہیں سکتا جیسے قید اور قتل تو اختیار ہے اگرچہ ثواب اسمیں ہے کہ کمال کھیلے کیونکہ الا من اكره وقلبه مطمئن بالايمان سے اجازت ہی معلوم ہوتی ہے کہ اکراہ کی صورت میں فقط بظاہر موافقت کر

سوا کر اسی ہی کہی ہیں جو ہمکو رہو لیکن ان آیات سے جو خدا کی راہ میں مارے جائینگے فضائل انہیں بیان ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ ثواب اظہار ہی میں ہے **اقول** شرط تقیہ میں اندھا اور لنگڑا ہونے کی شرط ہے اور نہ کسی کتاب مذہب اہل سنت میں یہ لکھا ہے بلکہ مطلق ہے خواہ لنگڑا لولا ہو خواہ ٹھیک ٹھاک ہو اور ایک یا دو آدمی کیسے ہی ہٹے کٹے ہوں مگر مقابلہ میں بیس پچیس دسیوں کے لنگڑے لولے سے زیادہ ناتوان و دبلے ہیں ایسی صورت میں انکو اخفاء حق بدرجہ اولیٰ روا ہوگا اور یہی کتب فریقین سے ثابت ہے نہ جس طرح سے کہ تو لکھتا ہے ہو اگر شروط ہجرت کی پائی جائیں تو البتہ ہجرت کرنی چاہئے اور تقیہ میں بچاؤ ہی ایسا کیا جاتا ہے اور کہا ہوتا ہے اور جو کچھ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کفار سے دوستی نہ کرنی چاہئے اور ظاہر کی موافقت کا مضائقہ نہیں ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے اکثر کفار سے مصالحہ کیا ہے اور قرآن شریف میں خدا تعالیٰ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کرتا ہے صلح کرنیکا اور حدیث میں آیا ہے کہ کفار سے بھی موافقت و ملاقات رکھنی چاہئے کہ اگر وہ تمہاری موافقت میں ایمان لے آئینگے تو تمکو انسے آزار نہ پہنچیگا اور ترجمہ آیت کا تو غلط اسواسطے کرتا ہے کہ انسے موافقت اور صلح نہ کریں آیت میں کہاں ہے آیت میں تو یہ ہے کہ دوستی انسے مت کرو اور دوسری آیتوں میں صریح موافقت اور حکم کرنیکا موجود ہے اور رسول خدا صلعم اسکو عمل میں لائے ہیں چنانچہ کتب فریقین اسکی گواہ ہیں اور جو کہ خوف حقیقی ہے وہ تو خدا ہی سے چاہئے نہ اور کسی شے اور اسیواسطے خدا تعالیٰ اپنے خوف کرنیکا حکم کرتا ہے لیکن بچاؤ نفس کے واسطے کافروں کی خوف سے موافقت کرنیکا حکم بھی دیتا ہے اور تقیہ آدمی جب ہی کرتا ہے کہ جبکہ کافروں کے پنجہ میں پھنسا ہوا ہو کہ بے اسکے اسکو چارہ نہیں ہے لیکن پنجوں میں پھنسنے سے یہ مراد ہی نہیں ہے کہ قید ہی ہو یا اندھا اور لاپاہج ہو بلکہ کافروں یا ظالموں میں اسکی بود و باش ہو اور بسبب عذرات چند اس مقام کو ترک نہیں کر سکتا ہے چنانچہ تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ مامون نے سات علماء کو طلب کرکے خلق قرآن سے سوال کیا تو انہوں نے تقیہ کرکے قرآن کو مخلوق کہا اور ایسے ہی امام احمد حنبل نے بادشاہ کی خوف سے مخلوق ہونیکا قرآن کے انکار نکیا اگرچہ مخلوق بھی نہیں کہا تو وہ اندھے اور اپاہج نہ تھے مگر کیا ہے کیونکہ باتیں انکی وہاں تھیں وہ ہجرت کر جاتا انکو وہاں سے ثابت نہیں و ایسے ہی ابن عباس نے عمر کے خوف سے عول کو منع نہ کیا اور زبردستی بھی ابتک کسی نے نہیں کی لیکن نقصان آزار پہنچنے کا بادشاہ کی طرف سے تھا اور قید اور قتل کی بھی شرط نہیں ہے اور قید و قتل کیا اپنے مال کے واسطے بھی تقیہ کرسکتے ہیں چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ وھل یجوز لصون المال یحتمل ان یکون الحکم فیہ بالجواز لقولہ علیہ السلام حرمۃ مال المسلم کحرمۃ دمہ لقولہ علیہ السلام من قتل دون مالہ فھو شھید اور جب وقت مال کے واسطے تقیہ جائز ہوا تو آبرو کے واسطے تو بدرجہ اولیٰ ہوگا اور ثواب خدا کی راہ میں مارے جانے کا بہت ہے اگر کوئی جہاد میں مارا جائے یا کوئی کافر مسلمان سمجھ مار ڈالے اور اگر جانتے کہ میں اگر تقیہ نکرونگا تو مارا جاؤنگا پھر وہ تقیہ نکرے اور مارا جاوے تو اسکا ثواب نہیں ہے کہ اس نے خود اپنے نفس کو قتل کیا کہ عمداً اسکو ہلاکت میں ڈالا اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

قال الشیخ الاشعری

باقی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جھوٹ بولنا تو یہ زبان پر لانے تو کمال بیحیائی کی بات ہے انہوں نے بظاہر جھوٹ بولا حقیقت میں جھوٹ نہیں بولا قصہ انکا معروف ہے معلوم ہو جائے جب حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کو سمجھانا شروع کیا اور بت پرستی سے منع کیا اور بتوں کی ہجو کرنی شروع کی تو حضرت کے باپ ہی اول تو مخالف ہوگئے اور انکا کہنا ماننا تو درکنار انکو دھمکانا شروع کیا یہ اس فکر میں تھے کہ کسی طرح انکی ہو جو تو ہینے اتفاقاً کفار کی عید کا دن آگیا لوگ انسے بولے بھی آئیے کہ انہوں نے ستاروں کی طرف دیکھکر یوں فرمایا کہ میں بیمار ہونیوالا ہوں کفار نے سمجھا کہ جیسے ہم نجوم کا اعتبار کرتے ہیں یہ بھی نجوم کو مانتے ہیں انہیں نجوم کی راہ سے کچھ یوں معلوم ہوا ہے کہ میں جاؤنگا تو بیمار ہو جاؤنگا اور یہاں حقیقت میں ستاروں کو مالک کو بڑا نام ہی دیکھا تھا اور یہ جو کہا تھا کہ میں بیمار ہو جاؤنگا یا تو یہ آثار بیماری کے ہونگے یا آدمی بیمار ہوا ہی کرتے ہیں ورنہ انسے کہا ہی تھا کہ مجھے ستاروں کے حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ میں بیمار ہو جاؤنگا جو جھوٹ ہوتا ہاں وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ انہیں نجوم سے یہ بات معلوم ہوئی جب وہ اپنی عید میں چلے گئے تو انہوں نے انکے سب بتوں کو ٹکڑے کر ڈالا اور ایک بڑے بت کو کچھ نہ کہا آخر جب کفار پلٹ کر آئے تو انہیں خبر ہوئی اور یہ انہیں ہی اپنے بتوں کا دشمن سمجھتے تھے سو انہیں ہی پکڑا انسے جو پوچھا تو انہوں نے استہزاء کے طور پر کہا کہ صاحب اس بڑے بت نے یہ کام کیا ہے سو یہ دوسرا جھوٹ ہے کہ جسے کوئی دیوانہ بھی یوں کہے کہ یہ ایسا جھوٹ ہے جسے ہم سمجھتے ہیں بلکہ ایسی بات ہمارے محاورہ میں بڑا سچ گنا جاتا ہے ان دونو قصوں کو برائے خدا غور کیجئے اور پھر فرمائیے کہ یہ اخفاء حق ہے یا اظہار حق ہے اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ اسی کام کی بدولت آگ میں ڈالدیئے گئے خاص کر یوں کہنا کہ بڑے نے کیا ہے یہ جھوٹ کیا سچ سے بھی زیادہ ہے اسلئے مطلب پر دلالت کرنے سے سب جانتے ہیں کہ یہ جواب کیا تھا ایک چڑانا تھا ایسے مدتوں نجو غصہ نہ آتا ہے تا اور حقیقت میں چھپاتے تو دین کو اس وقت چھپاتے سو چھپانا تو درکنار حضرت نے اول تو انکو چڑایا اور پھر انسے کیا سوال جواب کئے کہ ستم کا حوصلہ نہیں جو ایسے وقت ایسی بات کہے اور اول دفعہ جو انکو نجوم کیطرف دیکھکر دھوکا دیا تو کچھ جان کا بچاؤ آپکو مدنظر تھا مال کا بچاؤ آپکو مدنظر تھا آبرو کا بچاؤ آپکو تھا بلکہ اپنی جان کے کھونیکا شوق لگا تھا فقط مطلب اتنا تھا کہ یہ چلے جاویں تو تنہائی میں انکے بت ٹکڑے کئے جاویں سو یہ کام کرنا جان پر کھیلنا تھا ہاں اسکے ساتھ یہ بھی ہو کہ سوم کفار اور انکی عبادت و شعار سے بھی بچے رہیں بہرحال یہ جان مال کا سامان تھا اور جانا جی کو تقیہ کہنا ایسوں ہی کا کام ہے کہ جنکو دم کی اور ناک کی تمیز نہو باقی رہا تیسرا جھوٹ وہ یہ ہے کہ حضرت اپنی بیوی سارہ کو لئے ہجرت کئے ہوئے جاتے تھے ایک بستی میں جا کر پہنچے جہاں کا حاکم بڑا ظالم اور نہایت زانی تھا اسکے شیطانی لشکر میں سے کسی نے حضرت سارہ کے حسن و جمال کی خبر کردی اس مردود نے انکو بلوا بھیجا تب حضرت ابراہیم نے یا یہ خیال کہ اگر اس مردود کو حضرت سارہ کا کچھ زیادہ خیال ہوا تو یوں سمجھکر کہ خاوند کی سب سے زیادہ غیرت ہوتی ہے ایسا نہو یہ پہلا کر مجھکو مروا نہ ڈالے جب حضرت سارہ کے لیجانے کو اسکے پیادے آئے تو یوں فرمایا کہ اے سارہ اگر وہ ظالم تجھ سے پوچھے تو یوں کہنا کہ میں ابراہیم کی بہن ہوں کیونکہ میں تو دونو دینی بہن بھائی ہیں علاوہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم کے چچا کی بیٹی بھی تھیں تو بھی حقیقت میں جھوٹ نہ تھا

اور اگر بالبنرعنو التقدیر یہ کہنا جھوٹ ہی تھا تب دین کا اخفا تو تھا اگر اخفا تھا تو علاقۂ زوجیت کا اخفا تھا اور وہ بھی بایں غرض کہ یہ جان جو حق گوئی میں جانیکے لائق ہے ایسا نہو کہ ایسے قصہ میں
جاتی رہے۔ خدا کی راہ میں جان نثاری کا ارمان دل کا دل میں رہ جائے غرض اس جگہ جان کا بچانا بھی اسی لیے تھا کہ کل اظہار حق کروں اور خدا کے کام میں جان دوں نہ ایسے قصہ میں
نہ مروں بالجملہ حضرت ابراہیم کے معاملات سے تقیہ کا ثابت کرنا کمال دانشمندی اور خوش فہمی پر دلالت کرتا ہے **اقول** شیعہ تو حضرت ابراہیم کی طرف کذبوں کو منسوب ہی نہیں کرتے ہیں اور نہ کہتے
ہیں کہ حضرت ابراہیم جھوٹ بولے یہ حوصلہ اہل سنت ہی کا ہے کہ بلحاظ ثلاثہ کہ وہ طرح طرح کے عیبوں میں بھرے ہوئے تھے انبیاء علیہم السلام کو بھی عیبوں میں آلودہ کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم کو کہتے ہیں کہ
وہ تین جھوٹ بولے خوف سے اگر چھپایا اور بغیرت ہیں تو اہل سنت کے علما ہیں جو تین جھوٹ کہتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم کی کتاب الفضائل میں لکھا ہے عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال لم یکذب ابراہیم النبی علیہ السلام قط الا ثلث کذبات ثنتین فی ذات اللہ قولہ انی سقیم وقولہ بل فعلہ کبیرہم ہذا وواحدۃ فی شان سارۃ یعنی روایت ہے ابو ہریرہ سے کہ تحقیق رسول خدا صلعم نے
کہا کہ نہیں جھوٹ بولا ابراہیم پیغمبر نے کبھی مگر تین جھوٹ دو جھوٹ تو خدا میں ایک تو انکا کہنا کہ تحقیق میں بیمار ہوں اور کہنا انکا بلکہ کیا ہے اسکو بڑے انکے نے اسکو اور ایک جھوٹ شان سارہ میں کہ وہ
زوجہ تھی حضرت ابراہیم کی اور اسکو بہن کہنا بتلایا اور فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ وعلی کل تقدیر فلم یصدر ذلک من ابراہیم یعنی اطلاق الکذب علی
ذلک الا من شدۃ خوفہ لعلو مقامہ الا فالکذب المحض فی مثل تلک المقامات یجوز وقد یجب لتحمل اخف الضررین یعنی ہر تقدیر پر بس نہیں صادر ہوا حضرت ابراہیم سے یعنی بولنا جھوٹ کا مگر شدت
خوف سے انکے درجہ کے بلند ہونیکی جہت سے اور جو نہیں محض کذب ایسے مقام میں جایز ہے اور کبھی واجب ہوتا ہے واسطے متحمل ہونے زیادہ خفیف ضرر کے دو ضرروں میں سے اور جھوٹ جو بولتے ہیں تو ظاہر ہے
میں ہوتا ہے اور تیرے علمار تو بھی لکھتے ہیں کہ وہ حقیقت میں جھوٹ بولے اور قصہ جو انکا لکھا ہے اس سے کیا فائدہ ہے اس قصہ کو تو تیرے علما ہی جانتے ہیں جنہوں نے انکا جھوٹ بولنا لکھا ہے اور قرآن شریف میں
اور روایت حدیث میں دو ہی میں تو لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے فرمایا انی سقیم یعنی تحقیق میں بیمار ہوں اور تو اسکا ترجمہ لکھتا ہے کہ میں بیمار ہونیوالا ہوں اور اگر ان حضرت نے اسطرح
کہا تو تیرے علمار تو اسکو بھی جھوٹ ہی لکھتے ہیں اور استہزا میں جھوٹ بولنا کب جایز ہے تیرے علمار تو اسکو بھی جھوٹ ہی لکھتے ہیں استہزا ہو یا غیر استہزا اسکو حقیقت میں بولنا کیا بڑے پاگل تھے تیرے علمار
جو انہوں نے اسکو جھوٹ مقرر کیا سو تیرے ہی محاورے میں تو جھوٹ بڑا سچ ہے کہ جسکو تیرے علمار بڑا جھوٹ مانتے ہیں اور انکے قول کے سامنے وہ کون دیوانہ ہے کہ جو تیری بک بک کو سنیگا اور تیرے علمار تو اسکو
انکار حق لکھتے ہیں کہ جو امر حق اور واقعی تھا اسکو تو چھپایا اور خلاف واقع کے بیان کیا اور تو اسکو اظہار حق کہتا ہے اور لکھتا ہے کہ برائے خدا غور کیجیے اور توڑا تو تھا بتوں کو حضرت ابراہیم نے اور سر اوپر
بڑے بت کے یہ کیونکر سچ سے زیادہ ہو جائیگا اور مخالف اسکو کیونکر تسلیم کریگا لیکن سفینۂ اہل بیت سے جو تم متخلف ہو اسواسطے تم بھٹکتے پھرتے ہو اور تفسیر قرآن سے آگاہ نہیں ہو اور اسیواسطے ظاہر کے اعتبار
سے تمہارے علمار نے اسکو جھوٹ حضرت ابراہیم کا قرار دیا اور جواب سکا نہیں جانتے اور اس جرأت کو تو دیکھو کہ پھر اسکو حق اظہار کہتا ہے اور یہاں دین کے چھپانیکا کیا ذکر ہے یہاں تو جھوٹ بولنے کا ذکر ہے
اور جھوٹ بھی خوف سے کیسے یہ بھی تقیہ نہیں تو اور کیا ہے گو دین کو نہیں چھپایا اور گو ان حضرت نے سوال کا جواب مردانہ کہی لیکن وہ حضرت علیہ السلام تمہارے علمار کے نزدیک جھوٹ ہی بولے اور جسکو وہ
جھوٹ لکھیں اسکو تو جانبازی لکھتا ہے اور جھوٹ کسی کے خوف سے تقیہ ہی ہوتا ہے یا کسی اور بات سے اور حضرت ابراہیم نے اپنی زوجہ کو جو بہن کہا گو خواہر دینی ہو سکتی ہیں لیکن تیرے علمار نے تو
اسکو بھی جھوٹ ہی لکھا ہے کہ بادشاہ کے خوف سے وہ جھوٹ بولے اور گو اسمیں دین کا اخفا تھا اور تقیہ دین ہی کے اخفا کو نہیں کہتے ہیں بلکہ جس امر کا کہ اخفا کسی کے خوف سے کریں اپنے بچاؤ کے واسطے وہ تقیہ ہے
خواہ دین کا اخفا کریں یا کسی اور امر کا سو حضرت ابراہیم کا قصہ موافق روایات اہل سنت کے تقیہ پر دلالت کرتا ہے اور یہی ہمارا مقصود تھا **قال الشیخ الاشعری** علی ہذا القیاس جناب سرور
کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کرنا اور غار ثور میں چھپنا یہ سب کا سب اظہار حق کے باعث تھا ورنہ ابوجہل اور کفار مکہ کی موافقت میں تو کچھ زیان ہی نہ تھا اسکو تقیہ کہنا اس سے بڑھکر ہے
اقول ہم بھی کہتے ہیں کہ یہ سب جناب رسول خدا صلعم کے واسطے اظہار حق کی جہت سے تھا اور تقیہ پیغمبر سے نہیں ہوتا ہے ہاں اگر بعد تبلیغ احکام حقہ کے کسی بعض امر میں تقیہ کریں جیسے رسول خدا
صلعم نے قوم عائشہ سے تقیہ کیا کہ خانہ کعبہ کو انکے انکار کے خوف سے نہ ڈھا کے بنیاد ابراہیم پر بنانے کے واسطے ایسے ہی امام کے واسطے بھی ہے **قال الشیخ الاشعری** ایسا تقیہ تو یہی ہے
کہ آدمی دشمن کے وار کو ڈھال سے روکتا ہے اگر بچاؤ کر لینے کے معنی تقیہ ہیں تو یہ عین اظہار حق ہے کیونکہ بچاؤ کی تو جبھی ضرورت پڑتی ہے کہ دوسرا کوئی در پے ایذا ہو اس مقام پر کسی غالباً تقیہ
شیعہ اور بچاؤ میں فرق سمجھ لیا ہوگا پر مزید توضیح کے لیے میں بھی کچھ عرض کئے دیتا ہوں تقیہ مصطلح شیعہ میں دشمن کے دل سے خیال ایذا ہی نکلجائے کیونکہ تقیہ میں تو فقط اپنے مذہب کا بدل لینا
اور اپنے آپکو ہم مذہب دشمن بنالینا ہوتا ہے سو چونکہ اختلاف مذہب میں دشمنی دینی کے باعث تقیہ کی ضرورت ہوتی ہے تو در صورت تبدیل مذہب وہ دشمنی ہی نہ رہیگی بلکہ برعکس دوستی بنجائیگی
اور بچاؤ کی صورت میں دشمنی اور بڑھ جاتی ہے اور خیال ایذا رسانی دہ بالا ہوجاتا ہے کیونکہ آدمی کا قاعدہ ہے کہ جبتک دشمن اپنے قابو میں رہتا ہے اور ایسا موقع ہوتا ہے کہ اسکو ایذا دے سکیں تو اسکا
اہتمام چنداں کچھ شک نہیں ہوتا ہے دوسرے یوں بے فکری ہوتی ہے کہ جب چاہینگے اسے ذلیل و خوار کر دینگے پر سے جب وہ کچھ اپنا بچاؤ کر لیتا ہے تو پھر اپنا ہی اندیشہ ہوتا ہے کہ مبادا اب یہ ہمیں وار نہ کرے
تو ان وجوہ سے اعدا کو خیال ایذا رسانی تا مقدور زیادہ ہوتا ہے ایسے میں جو کچھ کسی سے بن پڑا کرتا ہے دریغ نہیں کیا کرتے تو اس صورت میں مقربان الہی کو سخت مصیبت پیش آ جاتی ہے بالجملہ یہ فرق
لطیف یاد رکھنا چاہیے کہ بہت کام آدمی کا ہے **اقول** دشمن کے وار کو ڈھال سے بچا لینا اگرچہ تقیہ باعتبار لغت کے ہو سکتا ہے لیکن تقیہ مصطلح نہیں ہے اور بچاؤ تقیہ میں بھی ہوتا ہے اور تقیہ مصطلح

محض تبدیل مذہب ہی کو نہیں کہتے ہیں بلکہ فتنہ اور فساد کے خوف سے بھی ہوتا ہے گو تبدیل مذہب نہو اور تقیہ کچھ شیعوں ہی کی اصطلاح میں نہیں ہے بلکہ اہل سنت کے نزدیک بھی ہے چنانچہ صحیح بخاری میں حسن بصری سے روایت ہے کہ التقیۃ الی یوم القیامۃ اور تفسیر کبیر میں لکھا ہے التقیۃ جائزۃ لصون النفس اور سوا اسکے بہت دلیلوں میں ہم لکھ چکے ہیں اور محض بچاؤ کو تقیہ نہیں کہتے ہیں بلکہ تقیہ کو بچاؤ لازم ہوتا ہے اور بچاؤ لازم عام تقیہ کا ہے کہ تقیہ کے سوا اور مقام میں بھی پایا جاتا ہے اور محض بچاؤ کو تقیہ نہیں کہتے ہیں اور تقیہ کا بچاؤ تو اسطرح ہوتا ہے کہ دشمن کو اسکی مخالفت معلوم ہی نہو **قال الشیخ الاشعری** جب یہ بات مقرر ہو چکی تو اب اہل انصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کو جو ہنگام قیام مکہ معظمہ اور اثناء ہجرت میں پیش آئے حضرت امیر کے احوال سے جو بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش آئے ہیں ملا کر دیکھیں اگر اصحاب کرام مرتد ہو گئے تو بیشک حضرت امیر بھی بحکم متابعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اُنکے ساتھ ویسی ہی پیش آتے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو جہل اور اُمیہ بن خلف وغیرہم سے پیش آئے اور آپ پر بھی وہ سانحے گزرتے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرے آخر کو ایک دن نہ ایک دن نوبت ہجرت پہونچتی اور سنت احمدی اور سنت ابراہیمی و سنت موسوی کی تکمیل ہو جاتی لیکن شکایت تو یہ ہے کہ حضرت امیر نے کبھی مونہہ کہولکر ایکدفعہ بھی یوں نفرمایا کہ میں دین حق پر ہوں اور تم دین باطل پر **اقول** اصحاب کرام بایں معنی مرتد نہوئے تھے کہ مشرک ہو گئے ہوں اور اسلام سے خارج ہو گئے ہوں بلکہ بسبب کینہ اور حسد اہل حق اور حب جاہ اور طمع مال دنیائے ناپائدار کے ایمان صحیح سے مرتد ہو گئے تھے چنانچہ سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ ان بعضہم قد حاد عن طریق الحق وبلغ حد الظلم والفسق یعنی بعضوں نے اُنکے تجاوز کیا راہ حق سے اور پہنچے وہ حد ظلم اور فسق کو اور کیا ضرور ہے کہ بحکم متابعت رسول خدا صلعم جناب امیر اُن سے اُسی طرح پیش آتے جیسے کہ وہ حضرت صلعم ابو جہل وغیرہ سے پیش آئے تھے مصلحتیں مختلف ہوتی ہیں باختلاف ازمنہ و اوقات اور ہمنے تسلیم کیا کہ اُسی طرح پیش آنا چاہئے تھا لیکن جناب رسول خدا صلعم کی وصیت پر عمل کیا کہ فرمایا تہا اے علی بعد میرے تجھپر بہت مکروہات گذرینگے تو صبر کرنا چنانچہ روضۃ الاحباب میں ہے اور لوگوں کے مرتد ہوجانے اور اسلام کے فاسد ہوجانیکی خوف سے اُس طرح سے پیش آئے چنانچہ استیعاب و لسان المیزان اور کتب دار قطنی میں لکھا ہے اور ہم مفصل پہلے اس سے لکھ چکے اور حکم جہاد کا نہیں ہے جبتک کہ انصار بہم نہ پہنچیں اور اگر حضرت امیر تنہا ارادہ کرتے تو کچھ آدمی تو مرتد ہوجاتے اور کچھ مقتول ہوتے اور اسلام درہم برہم ہوجاتا اس لئے خاموش ہو کر بیٹھ رہے اور رسول خدا صلعم نے فرمایا تہا کہ یا علی لا تجمع الامۃ علیک اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ جو سانحے رسول خدا صلعم پر گزرے وہ حضرت امیر پر بھی گزرتے رسول خدا صلعم کے زمانہ میں تو مکہ معظمہ میں کثرت مشرکین کی تھی اور بعد حضرت کے کثرت مسلمانوں کی ہو گئی تھی اور حضرت صلعم کو تو نوبت ہجرت کے اسواسطے پہنچی تھی کہ مشرکین اُن حضرت صلعم کا قتل کرنا چاہتے تھے اور مشورہ کیا تہا اُنکے قتل کا اور حضرت علی کا قتل کرنا کسی کو منظور نتھا منافقوں کو خلافت کی لینے کی تھی سو لیلی پھر علی سے کیا واسطہ تہا اور سنت احمدی بھی اسکے ہمراہ ساتھ اسکے چلی جاتی تھی اہل حق میں اگرچہ وہ تہوڑی تھی اور جسوقت دعوی لیا حضرت علی نے کہ خلافت حق میرا ہے اور اس مصلحت مذکورہ سے میں کچھ نہیں کرسکتا تو آپ معلوم ہو گیا کہ میں حق پر ہوں اور یہ باطل پر ہیں اور کاذب اور خائن اور غادر اور آثم تو انکو جانتے ہی تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے خود اپنا دین حق پر اور اُنکا دین باطل پر ہونا معلوم ہو گیا

قال الشیخ الاشعری اور اگر آپنے اظہار حق کیا تو دو حال سے خالی نہیں کہ یا اصحاب نے انکار فرمانا تسلیم کیا تب تو تقیہ کی کیا ضرورت اور اُنپر کیا اعتراض ہے بلکہ جو کچھ اُنہوں نے کیا وہ عین موافق مرتضوی ہوا اور نہ مانا تو کیا سبب ایسی دشمن کو کسی قسم سے ایذا ندی اور اگر یوں کہئے کہ بسبب شجاعت مرتضوی یا امداد خداوندی تے وہ کچھ ایذا نہ پہنچا سکے تو اول تو یہ خلاف منقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کونسے حضرت امیر سے کم تھے جو آپ پر یہ آفتیں آئیں **اقول** اصحاب کا مقصود تو یہ تہا کہ خلافت ہماری ہاتھ لگے سو اسکو وہ لے چکے تھے اور تقیہ اُنہوں نے بھی کیا کہ مصلحت مذکورہ کے جہت سے صبر کرکے بیٹھ رہے اور کیسکے خوف سے تقیہ نہیں کیا اور سوائے خلافت کے اور امور میں کہنا حضرت امیر کا تسلیم بھی کرتے تھے اور جب کوئی مشکل پڑتی تھی احکام دین میں اور مصلحت نیک پانے میں تو اُنکی طرف وہ رجوع بھی کرتے تھے اور حضرت امیر کو منصوب الحق تھے لیکن واسطے ترقی اسلام کے اظہار حق کرتے تھے اور مشورہ نیک دیتے تھے اور حضرت امیر کے ایذا دینے سے کیا واسطہ تہا اُنکا حق تو غصب کیا تہا پھر ایذا بھی دیتے جو اُنکا مقصود تہا وہ حاصل ہو گیا ایذا کی کیا احتیاج تھی اور دشمنی حضرت علی کی جانب سے تو کچھ نتھی اپنی حقوق کے جاتے رہنے کا البتہ رنج تہا سو صبر کرکے بیٹھ رہے **قال الشیخ الاشعری** حاشا و کلا جو حضرت امیر نے کبھی تقیہ کیا ہو اگر تقیہ کرتے تو مکہ معظمہ ہی میں کرتے اور اگر کیا ہوتا تو امیر معاویہ کے ساتھ ضرور کرلیتے بہت ہوتا تو یہ ہوتا کہ قاتلان عثمان مارے جاتے وہ کونسے آپکے ایسے عزیز تھے کہ جن کے پاس و لحاظ میں اتنی کچھ شر و فساد کی دین میں روادار ہوئے حضرت سید الشہداء نے تو بیگناہ ہونکو اور وہ بیگناہ بھی کیسی کہ اپنے قوت بازو اور اپنے لخت جگر اس دین ہی کی بابت قتل کروایا اور اپنے آپ بھی جان بحق ہوئے اور زن و فرزند ننگ ناموس کا بھی کچھ خیال نفرمایا حالانکہ یہ سب کشت و خون بظاہر لاحاصل تہا تیس ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں اتنی آدمیوں اور اس بے سروسامانی پر کیا امید کامیابی تھی بخلاف حضرت امیر کے کہ وہ اگر قاتلان عثمان غنی کو امیر معاویہ کے حوالہ کر دیتے تو خلافت کی خلافت بنی رہتی ایک باغی جو مفسد دین تہا اپنا مطیع و منقاد ہو جاتا دین کی ترقی ہوتی اور پھر بایں ہمہ کچھ بیجا بھی نتھا

آخر قاتلان حضرت عثمان ظالم تھے مظلوم نہ تھے اور نہیں ہمراہیان امام الشہداء کے برابر تو ہو سکتا ہی ہی نہیں تھی حق۔ یہ ہے کہ یہ سب تہمت اخفار حق اور عیب نامردہ پن ان حضرات
شیعہ کا لگایا ہوا ہے سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ **اقول** کئی مرتبہ ہم لکھ چکے کہ تقیہ حضرت امیر کا کسیکے خوف سے تھا بلکہ مصلحت مذکورہ کی جہت سے کہ ہم کئی مرتبہ
لکھ چکے صبر کرکے بیٹھ رہنا اور زمانہ سلطنت میں کیا تقیہ نہ کیا تھا کہ جناب رسولخدا صلعم کو آزار پہنچتے تھے اور علی مرتضی اور سب اصحاب بیٹھے ہوئے دیکھتے تھے کیا تقیہ مذہب کی چھپانے ہی کو
کہتے ہیں اور یہی تقیہ ہی ہے کہ دشمنوں کے ہاتھوں سے تکلیفیں پائیں اور خاموش بیٹھے رہیں قتل ہونے کے اندیشہ سے خوف کرکے مگر کیا ہے کہ بدون ہم پہنچنے انصار کے حکم جہاد کا
نہیں ہے اور معاویہ سے تقیہ کیوں کرتے جسوقت کہ انصار واسطے جہاد کرنے اور مرکٹنے کے موجود ہوگئے ہوں کیسا بیعقل ہے شیخ نجدی کہ ایک فوج سے تقیہ کراتا ہے اور ہاں اگر اسقدر آدمی
ابوبکر کی خلافت کے وقت حضرت علی کو میسر ہوتی تو پھر حضرت ابوبکر خلافت کو حضرت علی سے لے ہی سکتے تھے اور کون ضرورت تھی کہ جو قاتلان عثمان کو کہ اُن میں بعضی صحابہ
بھی تھے قتل کرواتے اور فساد دین میں معاویہ کی شرارت سے تھا اور عداوت جبلی سے جو اس نالایق کو خاندان نبوت سے تھی اور حضرت علی کے خلافت سے ناراض تھا ایک
بہانہ لڑنیکے واسطے قاتلان عثمان کا کیا تھا کہ وہ تمہارے پاس ہیں انکو میرے سپرد کرو اور حضرت سید الشہدا کا حال اسطرح سے تو پہلے اس سے اسی بحث میں دو مرتبہ بیان کر چکا ہے
اور ہم مفصل جواب اُسکا دو مرتبہ لکھ چکے ہیں اور سید الشہدا کیونکر بیعت اُس متظاہر الفسق کرتے کہ اُس سے تقیہ کرنے میں کچھ فائدہ نہ تھا تقیہ واسطے امن میں رہنے کے ہوتا ہے اور
وہ حضرت جان گئے تھے کہ صرف بہانہ ہی بیعت کا ہے اور اگر میں بیعت کرونگا تو بھی یہ کسی اور حیلہ سے مجھکو نہ چھوڑیگا کہ مجھکو یہ قتل کریگا کہ جناب رسولخدا صلعم نے میرے مقتول
ہونیکی خبر دی ہے اور سوائے اسکے اور کوئی میرا دشمن جانی نہیں ہے اور ہمارے یہاں یہ ہے کہ ہر ایک امام کے پاس ایک صحیفہ ہوتا ہے کہ موافق اُسکے وہ عمل کرتا ہے اور اُنکے صحیفہ میں
اسیطرح لکھا تھا کہ جو کچھ اُنہوں نے کیا اور بعد اسکے خط کے جواب میں تو لکھتا ہے کہ حضرت امیر قاتلان عثمان کو فتنہ فساد کے برپا ہوجانے کی جہت سے سپرد نہیں کرتے تھے اور یہاں لکھتا ہے
کہ سپرد کر دیتے تو خلافت نہ رہتی یہ بھی خوب بات ہے جیسا اپنے مطلب کے موافق دیکھتا ہے ویسا ہی لکھ دیتا ہے خواہ بیجا ہو خواہ بجا ہو اور معاویہ قاتلان عثمان کے سپرد کرنے سے کبھی مطیع
نہ ہوتا کہ اُسکو عداوت قلبی حضرت علی سے تھی اور قاتلان عثمان کا ایک بہانہ ہی تھا اسواسطے کہ بعد وفات حضرت علی کے جو حضرت علی کو گالیاں دیتا رہا ہے اور باوجود صلح کرنے حضرت
امام حسن کے اور سپرد کر دینے خلافت کے جو اُنکو زہر دلوایا ہے یہ عداوت کی جہت سے تھا یا اور کسی وجہ سے اور قاتلان عثمان ظالم نہیں تھے کہ اُنمیں صحابہ بھی شریک تھے چنانچہ بعد اسکے جواب خط کے رد میں
تجھے معلوم ہوگا اور اصحاب کو اہل سنت کہتے ہیں کہ کلہم عدول اور تو اُنکو ظالم کس جہت سے کہتا ہے اور عیب اور نامردی پن کی کوئی صورت نہیں ہے کہ ائمہ علیہم السلام بسبب نہ ہونے انصار کے
ناچار تھے اور اگر یہ عیب ہے تو رسولخدا صلعم کیطرف بھی عائد ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک وقت تک رہے اور نامردی یہ تھی کہ جناب رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر جہاد میں سے بھاگ جاتے تھے اور ائمہ
علیہم السلام کیطرف عیب نامردہ پن کا تہمت اہل سنت کی ہے سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ **قال الشیخ الاشعری** اور طرفہ تر شیعوں کا گزشتہ اور سنئے سید مرتضی جو بڑے محقق
مذہب شیعہ میں وہ اسبات کے قائل ہیں کہ حضرت امیر پر اپنی خلافت اور حکومت کے زمانہ میں بھی تقیہ باقی تھا الٰہی یہ تقیہ نہوا ایک جان کا وبال ہوا کسی رہ حضرت امیر کا پیچھا نہیں
چھوٹتا مگر کوئی اُن سے پوچھے کہ اگر اُسوقت تقیہ اُنپر واجب تھا تو امیر معاویہ کو کیوں معزول کیا حضرت تو اُس سے پہلے سے ڈرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس شخص کا مکر بہت بڑا ہے حالانکہ
مغیرہ بن شعبہ اور عبداللہ بن عباس کے صلاح بھی یہی تھی کہ ابھی معزول نہ فرمائیں بعد استقامت معزول فرمائیگا مگر آپنے نہ مانا اور یہ نہ ماننا آخر کو موجب کیا کیا خرابیوں کا
ہوا یہ سب شیعوں ہی کی کتابوں میں ہے سید مرتضی صاحب کی دلیل سنئے وہ فرماتے ہیں کہ خلافت مرتضوی برائے نام تھی امیر معاویہ ہمیشہ اُن سے لڑتے رہے معہذا آپکی فوج اور
آپکے ساتھی اکثر اولاد صحابہ تھے جو آپکی دشمن جان گذری میں اور اُنکے دلمیں خلیفہ اول و ثانی کا عدل و فضل جما ہوا تھا اگر حضرت امیر اُسوقت کما ینبغی اظہار حق کرتے
تو بہت دشواری ہوجاتی گمان غالب تھا کہ فوج بھی پھر جاتی اس سبب سے عالم خلافت میں بھی اُنپر تقیہ واجب تھا اور اظہار حق حرام اس اعتقاد میں ہر چند سید مرتضی نے تمام امامیہ کا
خلاف کیا ہے کیونکہ وہ سب اسبات کے قائل ہیں کہ قبل خلافت آپ پر تقیہ واجب تھا اور بعد خلافت آپ پہ بھی حرام تھا لیکن بزعم خود بڑی دور اندیشی اور کمال چالاکی کری تھی پر چلا
نے چلنے دی اُنہوں نے اپنی عندیہ میں اسکا بچاؤ کیا تھا کہ مبادا کوئی سنی حضرت کی ایام خلافت کے خطبوں اور ملفوظات کو جن میں اصحاب کرام خصوصا خلیفہ اول و ثانی کی تعریف
ہی دیکھکر ناک میں دم کر دے یا یہ گرفت کر بیٹھے کہ دین شیعہ حق ہے تو حضرت امیر کی خلافت تو عب میں اخیر تھی آپنے کیوں نہ اُسکو شایع ذایع کیا اگر آپ دین شیعہ کو رواج دیتے اور
اسے مشہور کرتے تو روئے زمین میں یہی دین ہوتا اور سنیوں کا دین نیست و نابود ہو جاتا جیسے ابوبکر و عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو تمہارے گمان کے موافق نیست و نابود
کر دیا اور اپنا ساختہ پرداختہ مروج کر دیا اور آپکے بعد کسینے دین کو کتاب میں کنج و کاو نہیں کی سوا آپ ہی کا دین باقی رہنا چاہیئے تھا القصہ حضرت امیر آخر میں خلیفہ ہوئے تھے یہ
بات دین کی ترقی کے لیئے ایسی مفید ہوئی تھی کہ در صورت برعکس ترتیب کی ہرگز متصور نہیں پھر کیا سبب کہ دین اہل سنت ہی مشہور رہا اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو
بھی دین اہل سنت ہی پسند تھا **اقول** جو کچھ یہ سید مرتضی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں گو شتر نہیں ہے بلکہ موافق تحقیق کے فرماتے ہیں اور اُنکا زمانہ ائمہ علیہم السلام کے زمانہ سے قریب تھا

اور اپنے آبا و اجداد سے سنتے چلے آئے تھے اور البتہ اکثر ہمراہیان جناب امیر صحابہ اور اولاد صحابہ معتقدین ابوبکر و عمر تھے اور علی کی خلافت کو مبنی بر خلافت شیخین جانتے تھے اگر خلاف اُنکی مرضی کے کچھ کرتے تو وہ لوگ منتشر ہو جاتے اور غدر ڈال دیتے اور حضرت علی قلیل الانصار ہو جاتے اور مقابلہ میں دشمن کے مشکل ہوتی اور اب ہمراہ ہو کر دشمنوں سے لڑتے تو دین سو یہ اصحاب اور اولاد اصحاب جو حضرت علی کی طرف تھے اسقدر نہ تھے جسقدر کہ معاویہ کی طرف تھے اور معاویہ کی طرف والے ہمدردان خاص شیخین کے تھے اور حضرت علی سے عداوت رکھتے تھے اسی لئے معاویہ کی طرف ہو گئے تھے اور جو کہ حضرت علی کی طرف تھے وہ شیخین اور حضرت علی دونوں سے اختصاص رکھتے تھے لیکن شیخین کے کئے ہوئے کو مقدم جانتے تھے اسیواسطے جسوقت حضرت علی نے تراویح کی جماعت کا موقوف کرنا چاہا تو واعمراہ واعمراہ کر کے فریاد ہونے لگی سو اسواسطے حضرت علی علیہ السلام متفرق ہو جانے جماعت کے خوف سے اور فتنہ و فساد برپا ہو جانے کے اندیشہ سے ان کو لحاظ کرتے تھے جیسے کہ تمہارے نزدیک قاتلان عثمان کے سپرد کرنے میں فساد کے برپا ہونے کی جہت سے تامل کرتے تھے اور خود تو بھی بعد اسکے خط کے جواب میں لکھتا ہے عثمان کے قتل ہونیکے ذکر میں کہ حضرت امیر کا چارہ اُنہیں کچھ نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ وہ بسبب کثرت اور شورہ پشتی کے کسی سے نہ دبتے تھے سو انصاف کرنا چاہیے کہ تم تو قاتلان عثمان کے باب میں حضرت امیر کے تقیہ کے قائل ہو کہ وہ اپنی خلافت میں قاتلان عثمان سے ناچار تھے اور اگر ہم کہیں کہ وہ محبان شیخین سے اپنی خلافت میں ناچار تھے تو اس مقدمہ میں تم ہم پر طعن کرو واہ کیا خوب انصاف ہے اے بے انصافو اور سید مرتضیٰ علیہ الرحمۃ کا جو قول لکھا ہے وہ بعینہ اسطرح سے نہیں ہے جیسے کہ لکھا ہے کہ خلیفہ اول اور ثانی کا عدل اور فضل انکی دل میں جما ہوا تھا اور تقیہ حضرت علی پر واجب اور اظہار حق حرام تھا مگر اسکے قریب قریب ہے اور قول اُنکا سب امامیہ کے خلاف بھی نہیں ہے بلکہ سب امامیہ یہی کہتے ہیں جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے اور امامیہ یہ نہیں کہتے ہیں کہ قبل خلافت تقیہ انپر واجب تھا اور بعد خلافت حرام تھا بلکہ دونوں وقتوں میں ایک مصلحت تھی اور قبل خلافت کا حال تو مفصل ہم کئی مرتبہ لکھ چکے اور خلافت کے بعد کا حال اب تحریر ہوا جس طرح سے کہ تم قاتلان عثمان کے سپرد نہ کرنے میں عذر کرتے ہو ایسے ہی ہم عذر کرتے ہیں اور دور اندیشی اور رجال الی سید مرتضیٰ نے کچھ نہیں کی بلکہ جو امر کہ واقعی تھا وہ لکھا یہ تیری بدگمانی اُنکی طرف ہے بسبب تعصب مذہب کے اور خطبوں میں حضرت علی کی اصحاب اخیار کی تو البتہ تعریف ہے اور خلیفہ اول و ثانی کی کہیں نہیں ہے بلکہ مذمت اُنکی ہے اور خاص خطبہ شقشقیہ تو اُنکی مذمت ہی میں ہے اور دین شیعہ اپنی خلافت میں جو بخوبی شائع اور ذائع نکیا تو اُسکی وجہ تو ہم لکھ چکے لیکن اسکے ضمن میں دین شیعہ بھی چلا آتا تھا اور اگر دین شیعہ دین حق تھا تو باوجود اس غلبہ اور کثرت مخالفین کے چلا آیا اور وہ حضرت تو یہ جانتے تھے کہ دین حق کہ جو دین شیعہ ہے خوب رواج پائے لیکن دشمنوں نے مہلت نہ دی کہ مطمئن ہو کر بدعات ثلاثہ کو موقوف کریں اول تو خلیفہ ہوتے ہی حضرت عائشہ نے اور انکے ساتھ طلحہ و زبیر نے جنگ کیا اور بعد اسکے خوارج لڑے اور معاویہ تو ہمیشہ لڑتا ہی رہا یہانتک کہ شہید ہو گئے سو کس وقت چین سے بیٹھتے تھے کہ دین کو پاک صاف کرتے اسطرف تو دشمنوں نے تو چھوٹنے ہی نہیں دیا اور چاہتے تھے کہ آدمی یکسو میری طرف ہو جائیں تو میں احکام حقہ جاری کروں چنانچہ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ زمانہ خلافت علی میں قاضیوں نے عرض کی کہ احکام شرعیہ کو بدستور سابق جاری رکھیں یا اور طرح سے آپ فرماتے ہیں اُن حضرت نے فرمایا کہ اقضوا ما کنتم تقضون فانی اکرہ الاختلاف حتی یکون الناس جماعۃ او اموت کما مات اصحابی یعنی حکم کرو تم جو کچھ کہ تھے تم کہ حکم کرتے تھے تحقیق کہ میں ناخوش جانتا ہوں اختلاف کو یہانتک کہ ہو جائیں آدمی ایک جماعت متفق یا مر جاؤں میں جیسے مر گئے اصحاب میرے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی منتظر اتفاق کے تھے کہ سب میری مطیع ہو جائیں تو کل احکام کو موافق شرع کے جاری کروں سو اتفاق سب کا نصیب ہی نہوا اور اہل سنت کا دین تو یہی ہے کہ دین معاویہ ہے اسواسطے کہ اہل سنت معاویہ کو بھی خلیفہ حق اور امام صدق جانتے ہیں جیسا کہ صواعق محرقہ میں ہے اور ابوبکر اور عمر کا دین کوئی دین جدید نہ تھا بلکہ یہی دین اسلام تھا لیکن انہوں نے اس دین میں بہت تصرف کیا تھا کہ اپنی رائے سے اسمیں خلاف شرع کے افراط اور تفریط بھی کی تھی اور اسیواسطے حضرت علی نے خلافت کو بعد عمر کے بشرط اتباع سیرت شیخین قبول نکیا تھا چنانچہ صواعق اور تاریخ الخلفاء وغیرہ میں لکھا ہے اور حضرت علی کے زمانہ میں خلیفہ ہوتے تھے لیکن ترقی دین کی اس سبب سے نہیں ہوئی کہ جو ہم لکھ چکے اور دین اہل سنت جو کہ دین معاویہ ہے وہ دین تو حضرت علی کو ہرگز پسند نہ تھا اس دین والوں سے تو حضرت علی جبتک زندہ رہے جنگ کرتے رہے اور مشہور دین اہل سنت ہی نہیں رہا بلکہ دین شیعہ بھی ساتھ ہی چلا آیا ہے مگر کیا ہے کہ بنی امیہ دشمنان خاندان نبوت کا جو غلبہ اور حکومت رہی ہے تو دین اہل سنت میں آدمی کثرت سے ہے اور دین شیعہ میں قلیل اور صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کی روایتیں جو کہ شیعہ بھی صحاح ستہ میں موجود ہیں اور اہل سنت لکھتے ہیں کہ یہ ثقات اور معتمد تھے انکی روایتوں کو ترک نہیں کر سکتے اور اگر ترک کریں تو احادیث بھی ضائع ہو جائیں سو شیعہ بھی ہمیشہ سے چلے آتے ہیں گو تھوڑے ہیں اور شہرت اہل سنت کی بسبب کثرت انکے کے ہے نہ باعتبار دین کے

قال الشیخ الاشعری

الغرض اس اندیشہ سے سید مرتضیٰ صاحب نے یہ چکر کھایا اور یہ بیٹی لی تھی لیکن یہ نہ سوجھی کہ خلافت اور ولایت انکے تھی ملک میں تصرف ہو حکم احکام چلتے ہوں محصول اور خراج رعیت سے وصول کر سکیں چور قزاق کو سزا دے سکے سو یہ بات سوائے شام کے اور کونسے ملک میں حاصل نہ تھی خصوصاً حجاز اور حرمین اور عمان اور بحرین اور آذربائیجان اور عراقین اور فارس اور خراسان میں بے کھٹکے آپکی حکومت تھی پھر یہ تھوڑی سلطنت تھی امیر معاویہ کے پاس تو اتنا ملک تھا بھی نہیں وہ اپنے ملک میں جو حکم چاہتے تھے جاری کرتے

تھے ادہر ابو بکر صدیق کو دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقط ملک عرب میں حکومت چھوڑ کر اس عالم سے تشریف لیگئے تھے اور پھر تسیر چار طرف معاندین زور پر تھے مسیلمہ کذاب اور بنو حنیفہ ملک یمامہ میں ایک طرف اور سجاح شبیبہ بنی تمیم میں کہ اُسنے تمام عرب میں کوئی قبیلہ نتھا جدہے بر سر پرخاش منکرین زکوۃ اپنی ہی طرف کھینچ رہے تھے بنو غسان جا رہے سے باہر جُدے سے نکلے جاتے تھے ادہر گرد و نواح مدینہ کے مرتدین کا جا بجا زور و شور تھا آپکے ساتھ گنتی چنے کہ مدینہ والے ہی تھے اور با اینہمہ کسی بات میں کسی سے نہ دبے - اور کسی حکم میں مداہنت نکی اگر زکوۃ نہ دینے والوں کو اُنکے طور پر راضی کر لیتا اور اَوروں کو اُنکی ہوا اُن کی طور پر تو کچھ مشقت نہوتی ابو بکر صدیق با وجود اس قلت سامان اور عدم شجاعت کے اتنے دشمنوں سے بھی نگھبرائے حالانکہ اکثر انکے دشمن لڑائی کے مشتاق تھے اور بعضے بعضے تو چھوٹے سے بادشاہ تھے اور حضرت علی با اینہمہ شجاعت و کرامت اور زور و قدرت اور شوکت سلطنت اور امامت اور ولایت کہ ابو بکر کو ایک بھی اُن اوصاف جزیلہ میں سے نصیب نتھا اظہار حق میں ملوم رہی کہیں میں نہیں اتنی سستی فرمائیں اگر ابو بکر صدیق کو یہ اوصاف کہیں سے ملجاتے پھر کافر نام کو بھی ہوش کا آدمی بھی دنیا میں رہتا تو ہمارا ذمہ تھا **اقول** اس اندیشہ سے سید مرتضی علیہ الرحمۃ نے جگر نہیں کھایا ہی جو کہ تحقیق ہے وہ اُنہوں نے لکھا ہے مدینہ ہی سب شیعہ کہتے ہیں مسیر چند احکام خلافت اُنکے زمانہ میں جگہ جاری تھی لیکن عذر مذکور کی جہت سے اور بسبب اختلاف باقی رہنے کے کہ آپ موافق شرع کے احکام کو جاری نکرتے اور اُدھر معاویہ کیطرف کہ اُدھر ایک کثرت تھی اور سوا شام کے اور شہر بھی اُس کے پاس بہت تھے وہاں خلاف شرع کے احکام باقی رہتے تو اس اختلاف کو پسند نہیں کرتے تھے اور منتظر تھے کہ سب جماعت متفق ہو جائے تو میں احکام کو جاری کروں اور یہی قاضیوں کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا اور اگر کثرت ملک حضرت علی کے پاس تھے تو کیا ہوا ہمراہی حضرت علی کی جو تھی تو وہ تو ہر ایک امر میں مطیع نتھے جن سے مثل شام معاشرت رہتی تھی اور ابو بکر سے علی کو کیا نسبت ہے کہ ابو بکر کے ہمراہ جو تھے وہ ہر امر میں مطیع اور ایک آن تھے اور اتفاق کی جہت سے اپنے مخالفوں پر غالب ہوتی تھے چنانچہ مشہور ہے کہ ۵ دو دل یک شود بشکند کوہ را ؛ پراگندگی آرد انبوہ را ؛ اور حضرت علی کے ہمراہیوں کا یہ حال تھا کہ وہ ہر بات کو حضرت علی کے مانتے ہی نتھے ایک مرتبہ عمرو عاص کی حیلہ سازی سے معاویہ نے قرآنوں کو نیزوں پر لٹکوایا اپنی فوج سے کہکر اور حضرت علی کی فوج کے سامنے قرآنوں کو لیکر کہڑی ہوئی حضرت علی کی فوج نے اُنپر وار کرنے میں تامل کیا کہ قرآنوں کو لگائی میں اور حضرت علی نے ہر چند اپنی فوج سے کہا کہ انکو مارو کہ یہ انکا فریب ہے اور یہ کلام اللہ صامت ہے اور میں کلام اللہ ناطق ہوں کہ تمکو حکم کرتا ہوں لیکن کسی نے کہنا نہ مانا اور مولوی عبد العزیز صاحب نے بھی تحفہ میں لکھا ہے کہ ہمراہی حضرت علی کی اطاعت نکرتے تھے پھر حضرت علی ابو بکر کے برابر کیونکر ہو جائیں گے انتظام میں اور ابو بکر کے پاس سامان قلیل نتھا جہاد کرنیوالے بہت ہی بہت ہی تھے لاکھ آدمیوں کے قریب تو جناب رسولخدا صلعم کے ہمراہ حجۃ الوداع میں تھے جس وقت خم غدیر پر پہنچے تھے وہ سب کے سب اور سوائے اُنکے ابو بکر کے ہمراہ تھے اور ایسے وقت میں شجاعت اور کرامت اور زور قوت کام نہیں آتی ہے اور اگر یہ اوصاف بکار آمد ہوتے تو جناب رسولخدا صلعم کی برابر تو ان اوصاف میں کوئی بھی نتھا اور علی بھی حضرت کے ہمراہ مکہ میں تھے لیکن بسبب قلت انصار کے درگاہ جناب باری عز اسمہ سے حکم ہجرت کا نازل ہوا اگر یہ اوصاف کافی ہوتے تو اپنے وطن اصلی کو کیوں چھوڑتے **قال الشیخ الاشعری** باقی یہ کہنا کہ آپکی فوج اکثر اولاد صحابہ تھی اگر کوئی سنی کہتا تو زیب بھی دیتا سید مرتضی صاحب کس مونھ سے کہتے ہیں قاضی نور اللہ صاحب کے نہیں سنتے وہ کیا فرماتے ہیں کہ حضرت علی کے ساتھ قریش میں سے کل پانچ ہی آدمی تھے باقی تیرہ قبیلہ معاویہ کے ساتھ اس لئے آپکو فتح میسر نہوئی بالجملہ شیعوں کی اقرار سے آپکے ہمراہ کوفیان جان نثار تھے جو معتقدان شیعہ ہیں اگر وہ ہوتے اور صحابہ کی اولاد ہی ہوتی تو جیسے انکو عدل و فضل شیخین کا دیکھے تھا ویسے اعتقاد تھا اور اسکے باعث انکی راہ روش پسند تھی ایسے ہی اپنی ماں باپ سے رسول اللہ صلعم کا طریقہ بھی سنے سنائی یاد تھا معہذا اگر پھر جاتے تو کیا تھا آخر دین مرتضوی میں وہ آسائشیں اور سہولتیں ہیں کہ منکر بھی معتقد ہو جاتے متعہ کا آواز سنکر امیر معاویہ کے ہمراہی بھی ہمراہ ہو جاتے بلکہ جس اہل مذہب کے کان میں بشارت پہنچی کہ جیتے جی یہ مزے ہیں اور مرکر سیدھے بہشت میں پہنچتے کیوں نہوتے حضرت امیر کی ہمرکابی اختیار کرتے علاوہ بریں غسل رجلین کے تخفیف تراویح سے بے کھٹکے ایسا دین اور ایسا ایمان تو قسمت ہی سے ملتا ہے اگر اظہار دین خود کرتے تو تمام ملک اور اطراف عجم ممد و معاون ہوتے **اقول** جو کچھ لکھتا ہے بے سند لکھتا ہے دروغ گویوں کی پیروی ہی اور اصحاب رسولخدا صلعم کے کچھ قریش ہی تو نہیں تھے تاکہ مخالفت و نو بر آگوں کی لکھنی میں لا نعم آئے بلکہ اصحاب حضرت صلعم کی قریش سے سوا اکثر تھے اور اکثر کے معاویہ کے ہمراہ ہونے میں تو کچھ شبہہ بھی نہیں ہے کہ دوست علی کی صحابہ میں سے تھوڑے ہی تھے اور یہ شیعوں نے کب اقرار کیا ہے کہ سب آدمی ہمراہ حضرت علی کے کوفے ہی تھے کوفی بھی ہونگے اور معتقد تو شیعوں کا کوفیوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے سنیوں کا مقتدا البتہ ابو حنیفہ کوفی ہے اور صحابہ اور اولاد صحابہ حضرت علی کی طرف کیونکر ہوتی کہ علی نے جہادوں میں رسولخدا صلعم کے ہمراہ ہو کر کسی کے باپ کو قتل کیا تھا اور کسی کے بیٹے کو اور کسی کے بھائی کو اور کسی کے بھتیجے کو اور کسیکے بھانجے کو اور کسیکے ماموں کو اور کسیکے چچا کو جس وقت کہ ابو بکر اور عمر جہاد میں سے بھاگ جاتے تھے اور یہی سبب تھا علی کی دشمنی اور ابو بکر و عمر کی دوستی کا اور ابو بکر و عمر کا عدل و فضل بھی ہمنے فرض کیا کہ علی کی عداوت میں بیان کرتے ہونگے لیکن اپنے باپ دادا سے جو سنا تھا وہ یہ تھا کہ اس علی نے ہمارا ناس کر دیا ہے اور ہمارے قبیلے کے قبیلے اسی نے مارے تلواروں کے فنا کر دیے ہیں علی سے ہرگز دوستی نکرنا کہ یہ ہمارا قاتل ہے اور طریقہ رسولخدا صلعم کا تو وہ کیا سنتے بلکہ شیخین کا طریقہ اپنے باپوں سے سنکر اعتقاد کرتے تھے اور دین مرتضوی کی جو آسائشیں لکھی ہیں اول تو متعہ کہ اُسکے حکم کی آیت قرآن شریف میں موجود ہے اور اہل سنت کی تفسیروں میں لکھا ہوا ہے کہ یہ آیت

اخبار شیعہ کے ہرگز ایسے نہیں ہیں جو بالکل جھوٹ لکھ... اُنکا صدیق ہونا متخیل نہو گا اور متعہ رسولخدا صلعم کے زمانہ میں تھے اور میں نحو ہ ادکرتا ہوں
اور اُس زمانہ سے پہلے اگر کوئی مخالف مذہب حق کا فر ہی تھا تو اُس تنہائی کی ... صلے اللہ علیہ و آلہ ... عمر نے ایک شب ... اُنکو دکھا کر خود کہا
سبکے سب ... کافر و منافق ہی تھے اور اُن کی کتب سنیوں کی کتابوں میں ... رہتلاؤ کہ وہ غسل با لکہتا ہے یا مسح پا کو کہتا ہے ... حضرت علی ...
... کوئی کافر بھی ... مذہب میں رہنے ... میں راح حضرت علی سوا اپنے دوستوں کے اُنکو جاری کرنے ہی نہیں پایا اور اگر لوگ حضرت علی کے دین کی طرف ... ہوا
... اور خوف کہ بیان ... کی کون صورت ہے ... تو مزہ کی جہت سے متعہ کو بُرا جانتا ہو تو نکاح دائمی کو بھی ترک کر دے کہ اسمیں بھی تو مزہ ہے اور یہ دونو مرے موافق ... خدا
... علی کا اعتقاد دشمنان علی کی قسمت میں نہتا اسواسطے جاری ہونے نہ پایا **قال الشیخ الاشعری** سبحان اللہ سنیوں سے تو مقابلہ پھر ... اُن
... حسبیوں سے لیکر آخر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کے ممد و معاون ہی لوگ تھے جو آپکے دشمنان جانی کے بھائی برادر یا اولاد تھے خالد بن الولید عکرمہ بن ابی جہل
... ابو جہل کے بھانجے اور ابوبکر صدیق ابو قحافہ کے بیٹے حضرت عثمان ابو سفیان کے قرابتی علی ہذا القیاس اور لوگ ایسے ہی تھے **اقول** سنیوں کے مقابلہ میں
تو شیعہ ہمیشہ گفتگو میں غالب رہے ہیں سنی کیا مقابلہ کرینگے شیعوں کا اور رسولخدا صلعم کے ممد و معاون ابوبکر اور عمر اور عثمان کس روز ہوئے تھے ہمیشہ تو جہادوں میں سے بھاگا کرتے تھے
رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑکر اور خالد بن الولید اور عکرمہ اکثر جہادوں میں تو کفار کے طرف ہو کر مسلمانوں کو قتل ہی کیا کرتے تھے اخیر میں مسلمان ہوئے تھے اور ممد و معاون حضرت صلعم کا
وہ شخص تھا کہ جو ہمیشہ ابتدا سے آخر تک دین کی کمک میں کفار کو قتل کرتا رہا ہے اور سوا اُنکے اور لوگ ایسے تھے کہ حضرت علی نے جو اُنکے اقارب کو قتل کیا تھا اس جہت سے اُنسے عداوت
رکھتے تھے **قال الشیخ الاشعری** اب بس کیجئے اور ایک دو آیت لکھ دیجئے جس سے معلوم ہو جائے کہ مقربان الٰہی کا کام ہمیشہ سے ستم کشی اعداء دین رہا ہے اور مدام اچھے لوگوں نے
اُنکے ہاتھ سے ایذائیں اُٹھائی ہیں جو خداوند کریم کے نزدیک سختی اور پختگی پسندیدہ ہے نہ کہ سستی اور مداہنت اِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ ... يَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَالَّذِينَ يَأْمُرُونَ
بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ یعنی جو لوگ کہ انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو کہ جو حق بات کہتے ہیں اُنکو سخت عذاب کی بشارت سُنا دے اس سے معلوم ہوا کہ
انبیاء اور اچھے لوگ تقیہ نہیں کیا کرتے بلکہ حق گوئی میں دریغ نہیں کرتے اور اسی سبب سے اُنکو قتل کر دیتے تھے **اقول** ستم کشی اعداء دین کے ہاتھ سے تو آل رسول مقبول کا کام
تھا کہ بعد رسولخدا صلعم کے ہمیشہ اعداء دین کے ہاتھوں سے ایذائیں پاتے رہے ہیں اور یہ آیت بھی انبیاء علیہم السلام کی اور اُنکے حق میں ہے کہ حق گوئی سے اُنکو آزار پہنچے ہیں
یہانتک کہ مقتول ہو گئے اور تقیہ کو یہ آیت باطل نہیں کرتی ہے اگر بعض اوقات کسی نے کسی امر میں تقیہ کیا ہو بعد حق گوئی کے اسواسطے کہ حق کے کہنے میں تو وہ تقیہ کرتے ہی
نہتے وہ تو حق کو ہمیشہ کہتے رہتے تھے چاہے کوئی مانے چاہے نہ مانے اور جو کہ اُنکے مطیع تھے وہ تو اُسکو تسلیم کرتے تھے اور جو کہ مخالف تھے وہ اُسکو نہیں مانتے تھے اور زبردستی منوا دینے کی قدرت نہتی
اور جب حق کو بیان کر دیتے اور دشمنوں کو وہ حق بیانی ناگوار ہوتی تو پھر کسی ایسے امر میں وہ تقیہ کرتے اور جناب امیر کو اپنی خلافت میں اگرچہ حق گوئی کی قدرت تھی لیکن مصلحت تھی
جیسا کہ ہم لکھ چکے **قال الشیخ الاشعری** يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ یعنی اے ایمان والو تم میں سے مرتد ہو جائے گا تو بلا سے اور اللہ ایسے لوگوں کو لے آئیگا جنسے خدا کو محبت ہوگی اور خدا کے
اُنکو محبت ہوگی مومنوں کے سامنے تو ذلیل نظر آئینگے اور کافروں کے سامنے بڑے سخت ہونگے اور راہ خدا میں جہاد کرینگے اور کسیکے ملامت کرنے سے نہ ڈرینگے اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے
محب و محبوب وہی لوگ ہیں جو کافروں کے سامنے دبکر نہیں رہتے اور اُنکی خوشامد نہیں کرتے بلکہ اُنسے کھنچے رہتے ہیں اور کسیکی ملامت سے نہیں ڈرتے اور تقیہ میں سوا کفار کی خوشامد اور
اُنکی موافقت کے اور اندیشہ ملامت کے اور کیا ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ محبوبوں اور محبوں کا کام نہیں بلکہ دشمنان خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے **اقول** مطلب آیت کا کچھ
ہے اور اپنی رائے سے یہ شیخ لکھتا کچھ ہے اور کلام خدا میں تحریف کر کے اپنے ایمان کو برباد کرتا ہے اور اول تو ترجمہ ہی بیجا کرتا ہے چنانچہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین کا ترجمہ یہ ہے
کہ مومنوں کے سامنے ذلیل نظر آئینگے اور کافروں کے سامنے بڑے سخت یہ ترجمہ ہی نہیں ہے اور یہ کیا تعریف ہوئی کہ محبوبان خدا مومنوں کے سامنے ذلیل نظر آئینگے یہ تو مذمت
ہوئی اور مومنوں کو کافروں کا ذلیل نظر آنا چاہئے یا محبوبان خدا کا اور معنی صحیح اسکے یہ ہیں کہ نرمی اور تواضع کرنیوالے مومنین پر اور سختی کرنیوالے ہونگے کافروں پر ہونگے اور یہ آیت
میں کہاں ہے کہ کافروں کے سامنے دبکر نہیں رہتے اور اُنکی خوشامد نہیں کرتے بلکہ اُنسے کھنچے رہتے ہیں تاکہ تو اس مضمون سے تقیہ ثابت ہو جو آیت میں نہیں ہے تقیہ کو باطل کرے خداے تعالیٰ تو
اس آیت میں اُن لوگوں کی تعریف کرتا ہے کہ جو دوستان خدا ہیں اور خدا اُنکا دوست ہے اور مومنین کے سامنے تو تواضع سے پیش آتے ہیں اور کفار پر سختی کرتے ہیں اور راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں
اور جہاد کرنے میں کسی ملامت کرنیوالے سے ڈرتے نہیں ہیں بتلاؤ تقیہ کو یہ آیت کیونکر باطل کرتی ہے اور جو مضمون کہ آیت میں نہ ہو اور تو اپنی رائے سے ایجاد کر کے بیان کرے تو کون
کون مسلمان معتقد قرآن تسلیم کریگا اور حضرت موسیٰ نے جو تقیہ کیا ہے جیسے کہ تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے اور جناب رسولخدا صلعم نے جو قوم عائشہ سے کہ اُنکے انکار کے خوف سے خانہ کعبہ کو دوبارہ...

دوبارہ نہ بنا سکے جیسا کہ صحاح اہل سنت میں لکھا ہی تو
سے وہ دشمنان خدا و رسول ہوگئی اور تو جانتا بھی ہی کہ یہ آیت جناب امیرؑ میں حکومت چھوڑ کر اس عالم سے تشریف لیگئے تھے اور پھر تیسرے چار طرف معاندین زور پر تھے مسیلمہ
معاویہ وغیرہ مرتدین پر انہوں نے جہاد کیا اور یہ سب اوصاف اس آیت کے حضرت علی ہی میں پائی قبیلہ تمام عرب ہے برسر پرخاش منکرین زکوۃ اپنی ہی طرف کھینچ رہے تھے بنو عثمان
اور رسول خدا کو دوست رکھنا اور خدا اور رسول خدا کا اسکو دوست رکھنا چنانچہ کتب صحاح اہل سنت میں لکھا ہی کہ جنگ خیبر ہونے والے ہی تھی اور سب ابنیہ کسی بات میں کسی سے نہ تھے - اور برابر
کل کو میں ایسے شخص کو اپنا علم دونگا کہ بھاگنے والا نہیں اور خدا اور رسول خدا کو دوست رکھے اور وہ اسکو دوست رکھیں بعد وہ علی ابن ابیطالب تھے چنانچہ ابوبکر بھی من قلت سامان اور عدم شجاعت کے
زور و قدرت و شوکت و سلطنت اور یہ
علاوہ جاکرار غیر فرار یحب الله ورسوله ویحبه الله ورسوله اور ابوبکر اور عمر کے بھاگ گئے پر بنا کر کے جو حضرت نے یہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ ابوبکر اور عمر کافر نام کوئی یونس کا
کو دوست نہیں رکھتے تھے اور نہ خدا اور رسول خدا انکو دوست رکھتے تھے اور جہاد کرنیکا وصف جو آیت میں ہے وہ بھی حضرت علی کی واسطے ہی کہ اپنی ذات سے وہ خود جہاد اپنے زمانہ میں
اور معاویہ پر جہاد کیا اور کسی ملامت کرنیوالے کا خوف نکیا اور ملامت کرنا مسلمانوں پر جہاد کرنے سے ہوتا ہے نہ کفار پر جہاد کرنے سے سو آیت حضرت علی اور انکے ہمراہیان مخلصین کی میں
بعضے اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ آیت ابوبکر کے حق میں ہی سو غلط ہی اسواسطے کہ ابوبکر میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے تھے نرمی اور تواضع مومنین کے ساتھ یہ تھی کہ زبردستی انسے بیعت لی
اور سعد بن عبادہ کو ذلیل کیا اور زبیر وغیرہ کو بے عزت کیا اور سختی کفار پر یہ تھی کہ جنگ بدر میں کفار پر رحم کھا کر فدیہ لینے کا مشورہ دیا جسپر آیت عتاب نازل ہوئی اور خدا اور رسول کا
دوست رکھنا اس روایت مذکورہ لاعطین الرایۃ غدا الخ سے معلوم ہوگیا کہ وہ ایسے نہ تھے اور جہاد کرنا تو معلوم ہے کہ ہمیشہ جہاد میں سے بھاگا کرتے تھے ایک کافر کو بھی کبھی قتل نکیا اور نہ اپنی خلافت میں
کبھی اپنی ذات سے جہاد کیا اگر کو نکو جہاد کا حکم دیتے تھے اور خدا تعالے انکو کہتا ہی کہ جو خود اپنی ذات سے جہاد کریں **قال الشیخ الاشعری** اب الحمد للہ کہ عاقلان منصف کے لیے خوبی تقیہ
عقل و نقل سے خوب واضح ہوگئی مناسب وقت یوں ہی کہ عرف اور دستور خلائق پر بھی اسی کو منطبق کر کے کچھ اسکی بزرگی بتلا دیجے جملہ آفاق میں پسندیدہ خلائق پختگی اور استقامت ہے
اور تلون کو سب لوگ ناپسند کرتے ہیں خاصکر دین کے مقدمات میں اور وہ بھی بہر اتنا کہ ایک دفعہ تو راشوری اور پھر بالکل بے نمکی سو پیغمبران دین اور ائمہ ہدی اگر ایک دفعہ احکام دین سنا کر بعد خوف
جان یا خوف آبرو یہم کاسہ کفار ہو جائیں تو سب کے نزدیک یہ بہن نشین ہو جائیگا کہ یہ لوگ خام طمع دنیا طلب ہیں پھر وہ معجزات کا عطا ہونا جو محض حسن اعتقاد خلائق کے لیے ہے سب رائگاں
ہو جائے اور جو لوگ کہ آمادہ ہدایت ہوں وہ منحرف ہو جائیں اور جو راہ پر آئے ہوں وہ اس حب جاہ کو دیکھکر بے اعتقاد ہو کر ہٹ جائیں بلکہ ایسے لوگوں کو سخت دنیادار سمجھیں معہذا
ظاہر ہی کہ نصیحت کی تاثیر کے لیے خود عمل کرنا رکن اعظم ہی جب تقیہ ہوا تو عمل کجا لاجرم اس صورت میں ہدایت کے کرنیکی کوئی صورت نہیں بالجملہ تقیہ کے بطلان پر عقل اور نقل اور
عرف تینوں متفق ہیں پر جسکی چشم انصاف کور ہو اسکو کیا نظر آئے اور نقل مشہور ہے بلکہ حدیث شریف ہے حبک الشیء یعمی ویصم یعنی تجھے اگر کسی چیز سے محبت ہو جائیگی تو اسکے عیوب اور
نقصانات کی دیکھنے سننے میں وہ محبت تجھکو اندھا بنا دیگی ہی اگر محبت مذہب دل سے ایک طرف کر کے ان تقریروں اور اثبات تقیہ کی تقریروں کو موازنہ کریں تو انشاء اللہ تعالی
مولوی عمار علی صاحب بھی تو بہ کر اٹھیں میرزا در علی کو تو شیعہ کیا بنائیں اور اب ہمکو اسکی ضرورت نہیں ہی کہ بعد اسکے بھی کچھ بیان کریں **اقول** البتہ عقلمندوں پر
کو معلوم ہوگیا ہی کہ تقیہ عقلا اور نقلا اسیطرح سے درست ہے جو کچھ کہ تو نے اسکے بطلان میں لکھا ہی کہ ہمنے اس سب کا جواب معقول دیدیا ہی اور عرف کو منقولات شرع میں کیا دخل ہی
جسوقت کہ خلاف حکم خدا کے ہو اور عرف بھی تقیہ کے بطلان کو نہیں چاہتا ہی کہ عرف میں بھی آدمی کو اپنی نفس کا محفوظ رکھنا واجب ہے نہ ہلاکت میں ڈالنا اور ہرچند پختگی اور استقامت
پسندیدہ خلائق ہی اور تلون غیر پسندیدہ لیکن بعضی وقت ضرورت میں استقامت بیکار ہی چنانچہ مشہور ہے کہ الضرورۃ تبیح المحظورات اور تمہارے شیخ سعدی لکھتے ہیں کہ ؎ نہ ہر جائے
مرکب توان تاختن ٭ کہ جاہا سپر باید انداختن ٭ اور دین کے مقدمہ میں تلون کا تو قائل کوئی نہیں ہے اور نہ کوئی انبیاء کو یہ کہتا ہی کہ وہ خوف جان یا خوف آبرو کے لیے ہم کاسہ کفار ہو جاتے
ہیں اور جو کفار کہتے ہیں وہ ہی کہنے لگتے ہیں اور نہ یہ ہی کہ وہ طمع دنیا اور جاہ و مال کے لئے تقیہ کرتے ہیں مگر یہ ہی کہ جس امر میں سوائے تبلیغ احکام کے مظنہ آزار پہنچنے کا اور فتنہ و فساد کے برپا
ہونیکا ہوتا ہی تو وہاں جو کہ حق کہنا یا کرنا ہوتا ہی تو اسکو نہ کہتے ہیں کرتے ہیں چنانچہ بروایت مسلم حضرت ابراہیم نے تین جھوٹ بولے اور جو کہ حق اور امر واقعی تھا اسکو بیان نہ کیا اور جناب
رسول خدا صلعم خوف انکار قوم عائشہ سے خانہ کعبہ کو ڈھا کر بنیاد ابراہیم پر نہ بنا سکے اور باقی رہی ائمہ علیہم السلام جو کہ بنی امیہ و بنی عباس کے زمانہ میں تھے سو انسے کچھ عداوت نہ ہی تھی پر
بلکہ ان لوگونکو خاندان نبوت سے عداوت ذاتی تہی اور حق کے پہنچانے میں طالبان حق کی روبرو تو کبھی وہ خلاف حق کے بیان نہیں کرتے تھے اور جسکو جانتے تھے کہ اسکو طلب حق
منظور نہیں ہے اور یہ محض سعایت اور غمازی کی واسطے آیا ہی تو اسوقت اسکے روبرو تقیہ کا کلام کرتے تھے کہ حاکم سے جا کر نہ کہدے اور ہم نوالہ و ہم کاسہ تو وہ اپنے دوستوں ہی کے ساتھ
ہوتے تھے نہ دشمنوں کے ساتھ پس جو کچھ اس نے لکھا ہی سب باطل ہی یہ بات ہی نہ تھی اور باقی رہی عوام سو دنیا کی طمع کے لیے انکے واسطے بھی تقیہ نہیں ہے مگر واسطے حفاظت نفس کے
چنانچہ صحیح بخاری اور تفسیر کبیر میں لکھا ہی بلکہ تفسیر کبیر میں تو یہ لکھا ہی کہ مال کی حفاظت کے واسطے بھی تقیہ کرنا درست ہے چنانچہ پہلے اس سے عبارت اسکی ہم لکھ چکے اور جب لکھنا

اخبار شیعہ کے ہرگز ایسے نہیں ہیں تو بالکل جھوٹ ... انکا صدیق ہونا متخیل نہوگا اور شیعوں ...
اور اُس زمانہ سے پہلے اگر کوئی مخالف مذہب حق کا فری تھا تو اُس تنہائی ... صلے اللہ علیہ وآلہ ... چھپکر نماز کا ہیکو پڑھتے تھی علانیہ پڑھنی چاہئے تاکہ
سکیے ... تابع و معلق ہی تھے اور ... کتابوں ... ومحبہ ... نے تو واسطے ہدایت کے کلمۂ کفر اپنی زبان پر جاری کیا تھا چنانچہ تفسیر
... ہندی کا فر بھی ... ترجمہ ... اپنے مذہب میں رام اور ... عرفہ سے جیسے کہ ہم لکھ چکے اور تقیہ سے ہمکو دوستی موافق حکم خدا کے ہے اور موافق روایات کتب
... اور خو ... ہندو ... کتبات مذہب کے واسطے اور ... اندھا کیا ہی جیسے کہ تم ابوبکر کی دوستی میں اندھے ہوگئے ہو اور حق صریح کو مٹاتے ہو اور ہماری کتابو
... دوستی میں ایسے اندھے ہوگئے ہو کہ کہتے ہو شیعوں نے ہماری کتابوں میں یہ روایتیں داخل کردی ہیں بھلا یہ کیسی عقل میں آتا ہے
... آخرت میں بھی ... سب جمع کرلیا تھا اُسکو چھانٹنے نہیں پائے تھے اور محبت تقیہ سے اپنی خوشی نہیں ہے بلکہ شارع کی جانب سے اسکا حکم ہے اور جو کچھ تونے لکھا
حسب فرمان الٰہی ... خلاف عمل علماء اہل سنت کے ہے اور مولوی عمار علی صاحب کیا تو یہ کرینگے کہ انکے نزدیک تو حقیت تقیہ کی ثابت ہے اب تجھکو ہماری تحریر دیکھکر اُسکے لکھا
... امیر معاویہ کے حوالہ ... نے ... جو لکھا تھا سب باطل ہوگیا تو اور کیا لکھیگا اور میرزا در علی صاحب بہادر سے شیعہ بنے ہوئے ہیں انکو کوئی کیا غیبہ کریگا **قال الشیخ الاشعری** لیکن اتمام

حجت کے لیے اتنا اور معروض خدمت علماء شیعہ ہے کہ اگر بالفرض التقدیر فرض محال تقیہ ثابت بھی ہوجاے تو موافق جمہور شیعہ حضرت امیر پر ہنگام خلافت تقیہ حرام تھا پھر تعریف صحابہ کو تقیہ پر
کیوں محمول کیا جاے اور سلمنا کہ ہنگام خلافت بھی امیر پر تقیہ فرض تھا تو قطع نظر اسکے کہ یہ تعصب ہے تعصب ہے اور اس قول کی قابل نے عقل کی بھی ناک کرلی ہے اسمیں کیا عذر کرینگے کہ حضرت امام
باقر بھی ابوبکر صدیق کی تعریف کرتے ہیں حالانکہ موافق مذہب شیعہ وہ خدا کی طرف سے تقیہ کرنے سے ممنوع تھے اور تقیہ انپر حرام تھا علی بن عیسیٰ اردبیلی اثنا عشری اپنی کتاب کشف الغمہ
عن معرفۃ الائمہ میں نقل کرتے ہیں سئل الامام ابو جعفر عن حلیۃ السیف ہل یجوز فقال نعم قد حلی ابوبکر الصدیق سیفہ فقال الراوی تقول ہکذا فوثب الامام عن مکانہ فقال نعم
الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق فمن لم یقل لہ الصدیق فلا صدق اللّٰہ قولہ فی الدنیا والاخرۃ یعنی حضرت امام ابوجعفر یعنی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ تلوار کے قبضہ پر
چاندی سونے کا کچھ نقش نگار یا تہنی وغیرہ بھی درست ہے یا نہیں آپنے فرمایا ہاں درست ہے اسلیے کہ ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار پر چاندی کا جھول کرایا تھا راوی نے کہا کیا آپ ابوبکر کو
صدیق فرماتے ہیں آپ غصہ میں آئے اور جگہ سے اچک اٹھے اور فرمانے لگے ہاں صدیق ہاں صدیق ہاں صدیق جو اُنہیں صدیق نکہے اللہ اُسکی بات کو دنیا اور آخرت میں سچی نکرے فقط اب
گوش گزار اہل انصاف یہ ہے کہ سب امامیہ اس بات پر متفق ہیں کہ علی بن عیسیٰ اردبیلی علم و فضل میں یکتا اور نقل و روایت میں ثقہ معتمد علیہ ہیں انکی روایت پر کوئی سقم نہیں لگا سکتا

اقول آجتک کوئی حجت بھی تمہاری تمام نہوئی اور تقیہ کو علماء اہل سنت نے تو جایز کیا بلکہ بعض جگہ واجب کہتے ہیں چنانچہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے اور مولوی عبدالعزیز صاحب بھی تحفہ میں
وہ ہی گیا رہویں باب میں جایز لکھتے ہیں اور تو اُسکو محال لکھتا ہے اور جب تو عاجز ہوا اور دیکھا کہ قرآن اور حدیث سے تقیہ ثابت ہے تو خود اقرار کیا لیکن تاویل اُسکی یہ کی کہ وہ لنگڑے لولوں کے واسطے ہے
اور یہاں اُسکو محال لکھتا ہے تیرے قول کا کچھ ٹھکانا نہیں اور حضرت امیر نے تقیہ کیسکے خوف سے اپنی خلافت میں نہیں کیا ہے چنانچہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے بلکہ ایک مصلحت سے جیسے کہ قاتلان عثمان
کو خوف برپا ہونے فتنہ اور فساد ہی معاویہ کے سپرد نکر سکے جیسا کہ تم بھی کہتے ہو اور تعریف صحابہ اخیار کی حضرت امیر نے اپنی خلافت میں کی ہے خلفاء ثلاثہ کی بلکہ اُنکی تو مذمت کی ہے اور تعریف انکی
کیونکر کرتے انکو تو وہ پہلے ہی سے کاذب اور خائن جانتے تھے چنانچہ صحیح مسلم میں لکھا ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام نے بھی تعریف ابوبکر کی ہرگز نہیں کی ہے یہ اتہام علماء اہل سنت کا اُنپر ہے اور
اور کشف الغمہ کا جو تو حوالہ دیتا ہے صاحب کشف الغمہ نے یہ روایت ابن جوزی محدث اہل سنت سے نقل کی ہے اور وہ اکثر روایتیں اہل سنت کی کشف الغمہ میں نقل کرتے ہیں منجملہ انکے یہ روایت بھی ہے
مولوی عبدالعزیز صاحب نے واسطے دھوکا دینے کے یہ تو لکھا نہیں ہے کہ یہ روایت اسمیں ابن جوزی سے منقول ہے اسیقدر لکھدیا کہ کشف الغمہ میں ایسا لکھا ہے اور اُنکی پیروی سے تونے بھی
ایسا ہی لکھدیا اور مولوی عبدالعزیز صاحب کے لکھنے پر تونے اعتماد کرکے اکثر مقام میں دھوکا کھایا ہے اور ... لکھدیا ہے پہلے تجھ کو چاہئے تھا کہ تحفہ کے جواب کو دیکھ لیتا تاکہ معلوم ہوجاتا کہ یہ سچ
لکھتے ہیں یا جھوٹ لکھتے ہیں تونے انکی پیروی میں مفت اپنے ایمان کو خراب کیا اور صریح یہ روایت اہل سنت کی کتابوں کی ہے اور صواعق محرقہ میں موجود ہے اور دارقطنی نے اسکی تخریج
کی ہے چنانچہ اسمیں لکھا ہے اور اسطرح کی اور روایتیں بھی اسمیں ہیں اور دارقطنی بڑے استاد کامل تھے ایسی روایتوں کو وضع کرکے طرف ائمہ علیہم السلام کے منسوب کرنے میں اور شیعوں کی
کسی کتاب میں یہ روایت نہیں ہے مگر کشف الغمہ میں اہل سنت کی کتابوں سے منقول ہے سو یہ روایت قابل اعتبار نہیں ہے کہ سراسر جھوٹ اور موضوع ہے یہ بھی عذر ہے اس روایت کا جو کسی
ہمنے لکھا ہے اور تقیہ سے اسکو ہم نہیں کہتے ہیں اور علی بن عیسیٰ اربلی کے علم و فضل میں کیا شک ہے اور نقل روایت میں بھی وہ بڑے معتمد علیہ ہیں لیکن اس روایت کو انہوں نے ابن جوزی
سے نقل کیا ہے اسواسطے یہ روایت قابل اعتبار نہیں ہے اور علی بن عیسیٰ اربلی تھے اردبیلی نتھے اسمیں بھی مولوی عبدالعزیز صاحب کی پیروی سے تونے دال کا اضافہ کرکے غلطی کی

قال الشیخ الاشعری باقی رہی یہ بات کہ حضرت امام محمد باقر پر تقیہ کے حرام ہونے کی کیا دلیل سو یہ وجہ معقول اسکا جواب انہیں سے منقول ہے سنیے کلینی میں روایت ہے کہ عن معاذ بن
کثیر عن ابی عبداللہ قال ان اللہ عزوجل انزل علی نبیہ کتابا فقال یا محمد ہذہ وصیتک الی النجباء فقال من النجباء یا جبرئیل فقال علی بن ابی طالب وولدہ و کان علی الکتاب خواتیم من ذہب فدفعہ رسول اللہ صلعم الی

وامرہ ان یفک خاتمہ منہ فیعمل بما فیہ ثم دفعہ الی الخ

نفسک للہ ففعل ثم دفعہ الی علی بن الحسین ففک خاتما فوجد فیہ ان جب حکومت چھوڑ کر اس عالم سے تشریف لیگئے تھے اور پھر تیسرے چار طرف معاندین زور پر تھے سلیمہ

علی بن الحسین علیہم السلام ففک خاتما فوجد فیہ حدث الناس و افتہم کھلی قبیلہ تمام عرب بے برسر پرخاش منکرین زکوٰۃ اپنی ہی طرف کھینچ رہے تھے بنو غسان

لاحد علیک ثم دفعہ الی جعفر الصادق ففک خاتما فوجد فیہ حدث الناس و افتہم ولا تخافن بینے والے ہی تھے اور اپنے برابر کسی بات میں کسی سے نہ تھے - اور

فی حرز و امان ففعل ثم دفعہ الی ابنہ موسیٰ علیہ السلام وھکذا الی قیام المہدی علیہ السلام ورواہ من طریق آخر عن معاذ بن کثیر ایضاً انتہٰی چنانچہ اس قلت سامان اور عدم شجاعت کے

حاصل روایت کا یہ ہے کہ کلینی میں معاذ بن کثیر سے روایت ہے وہ حضرت امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ابو بکر و عمر باوجود قدرت و شوکت و سلطنت اور

وصیت نامہ نجبا کو آپ نے فرمایا اے جبرئیل نجبا کون ہیں جبرئیل نے کہا علی بن ابی طالب و انکی اولاد اور اس کتاب پر سونے کی مہریں لگی ہوئی تھیں یہ خود دیکھ کافر نام کوئی مومن کا

لیسے ہی اس خط پر لاکھ کی جگہ سونے کی مہریں لگی ہوئی تھیں سو حضرت پیغمبر صلعم نے اس وصیت نامہ کو حضرت علی کو دیا اور یہ فرمایا کہ ایک مہر کو توڑیں اور جو اسکے نیچے ہے مخلصین کو اپنے زمانہ میں

نے حضرت امام حسن کو دیا انہوں نے بھی ایک مہر کو توڑ کر اسکے نیچے جو کچھ نکلا اس پر عمل کیا پھر انہوں نے حضرت سید الشہدا امام حسین رضی اللہ عنہ کو دیا انہوں نے مہر توڑی تو اسکے نیچے

سے یہ نکلا کہ ایک قوم کو شہادت کی طرف لیجا اسلئے کہ انکی شہادت تیرے ہی ساتھ ہے اور اپنی جان کو اللہ کے واسطے خرید لے انہوں نے ایسا ہی کیا بعد اسکے انہوں نے حضرت امام زین العابدین

کو وہ وصیت نامہ دیا انہوں نے مہر کو توڑا تو اسمیں نکلا کہ سر جھکا چپکا ہو کر بیٹھ رہ اور اپنے گھر ہی میں رہ اور اپنے رب کی عبادت کیے جا یہانتک کہ موت آجاے سو انہوں نے ویسا ہی کیا پھر انہوں نے وہ وصیت نامہ

اپنے بیٹے امام محمد باقر کو دیا انہوں نے جو مہر کو توڑا تو اسمیں پایا کہ لوگوں سے حدیثیں بیان کر اور فتوے دے اور اپنی اہل بیت کے علوم کو پھیلا اور اپنے آبا و اجداد صالحین کی تصدیق کر اور سوا خدا کے کسی سے مت ڈر اسلئے

کہ کوئی تجھپر قادر نہو سکیگا پھر انہوں نے اپنے بیٹے امام جعفر صادق کو وہ وصیت حوالہ کی انہوں نے جو مہر توڑی تو اسمیں یہی پایا کہ حدیثیں بیان کر لوگوں سے اور فتوے دے اور کسی سے سوا خدا کے مت ڈر

اور یعنی اہل بیت کے علوم کو پھیلا اور اپنے آبا و اجداد صالحین کی تصدیق کر اسلئے کہ تو خدا کی حفظ و امان میں ہے سو انہوں نے بھی ویسا ہی کیا پھر انہوں نے اپنے بیٹے موسیٰ کو وہ وصیت دی اور اسیطرح امام مہدی

تک برابر چلا گیا اور دوسری سند سے کلینی ہی معاذ بن کثیر مذکور کی واسطے سے امام محمد باقر سے روایت کرتا ہے اور اس روایت میں پانچویں مہر میں یعنی حضرت امام محمد باقر کی نوبت میں اتنا اور بھی ہے کہ

اور کہتا رہ حق بات امن میں اور خوف میں اور سوا خدا کے کسی سے مت ڈر فقط اس روایت میں غور فرمائیے کہ حضرت امام باقر کو کس تاکید سے تقیہ کی ممانعت ہے پھر بھی حضرت امام محمد باقر جنکو یہ وصیت تھی کہ

حق کے سوا کبھی کچھ اور مت کہیو حضرت ابو بکر صدیق کی اتنی کچھ تعریف فرماتے ہیں کہ اس سے بڑھکر اور کوئی مرتبہ بجز نبوت کے نہیں ہے اسلئے کہ بعد انبیا کے کلام اللہ میں صدیقین ہی کو ذکر فرماتے ہیں اور یہ

بھی اس تاکید سے کہ بد دعا فرماتے ہیں ان لوگوں کے حق میں جو انہیں صدیق نہ کہیں اور ابھی کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں **اقول** اس روایت سے حرمت تقیہ کی ہرگز ثابت نہیں ہے اور نہ اس روایت میں تقیہ

کی ممانعت ہے جھوٹ کیوں لکھتا ہے اس روایت میں تو حکم احادیث کے پھیلانیکا اور علوم اہلبیت کے منتشر کرنیکا ہے کہ بخوف علم کو ظاہر کرو اور کسی سے خوف نہ کرو سو انہوں نے کثرت سے احادیث کو پھیلایا اور حق کے بیان کرنے میں

کسی سے خوف نہیں کیا دیکھو تو کہ یہ ہزاروں لاکھوں احادیث جو شیعوں کی کتابوں میں ہیں یہ انہی کی ہیں یا کسی اور کی خاصکر امام جعفر صادق کہ انکے زمانہ میں کثرت سے انتشار احادیث ہوا اور علوم دین

جاری ہوئے اور حق کے بیان کرنے میں کبھی انہوں نے تامل نہیں کیا اور نہ کسیکا خوف کیا مگر بعضے وقت جو کوئی دشمن مخالف واسطے سعایت کرنیکے اور واسطے غمازی کرنیکے نزدیک حاکم ظالم کے کسی حکم کو سنکر

آتا تھا اور اسمیں استفسار کرتا تھا تو وہ اس حکم میں کہ جسکو پہلے ظاہر کر چکے تھے یا تو ذو معنیین یا اسکی مرضی کے موافق بیان کرتے تھے اور جو کہ حق ہو اسکو تو وہ پہلے ہی بیان کر چکے تھے اور ابو بکر کی تعریف

تو حضرت امام محمد باقر نے ہرگز نہیں کی ہے یہ اتہام علماء اہل سنت کا ہے اور پھر مولوی عبد العزیز صاحب کی اس روایت کے بیان میں خیانت کرنی کہ یہ لکھا کہ کشف الغمہ میں روایت ابن جوزی سے

منقول ہے اور اگر کوئی سنی اپنی کتاب میں شیعہ کی کسی روایت کو لکھے کہ عن ہشام بن الحکم عن ابی عبد اللہ علیہ السلام انہ قال ان ابا بکر و عمر کانا غاصبین ظالمین غصبا حق اہلبیت الرسول صلعم

اور کوئی شیعہ سند پکڑے کہ اہل سنت کی فلانی کتاب میں اس طرح سے لکھا ہے تو فرمایئے کہ اہل سنت کے علماء اسکو قبول کرینگے ہرگز نہ قبول کرینگے اور اگر تقیہ سے ابو بکر کی تعریف بیان کرتے ابو بکر کے

کسی معتقد کے ڈر سے تقیہ کرکے تو مضائقہ بھی نہ تھا کہ جناب رسولخدا صلعم نے ایک شخص کو اسکے پیٹھ پیچھے تو برا کہا ہے اور اسکے روبرو بکشادہ پیشانی اور خاطر داری سے پیش آئے ہیں اسکے شر سے محفوظ

رہنے کے واسطے چنانچہ پہلے اس سے ہم مشکوٰۃ کے باب الادب سے لکھ چکے سو تعریف ابو بکر کی تو امام محمد باقر نے کی ہی نہیں ہے کہ اسمیں ہم تقیہ کو دخل دیں **قال الشیخ الاشعری** پھر

اس روایت سے فقط یہی فائدہ نہیں ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق کا صدیق ہونا بے غل و غش ثابت ہو گیا اور کسیکو تقیہ کے احتمال کی گنجایش نرہی بلکہ شیعوں کے مذہب کا بطلان اور

سنیوں کے مذہب کی حقانیت بھی تحقیق ہو گئی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرات شیعہ قاطبۃً امامیہ خواہ غیر امامیہ خواہ اثنا عشریہ خواہ غیر اثنا عشریہ اس بد دعا کے اندر داخل ہیں

جو حضرت امام مستجاب الدعوات امام محمد باقر کی زبان مبارک سے صادر ہے سو کو تو شیعوں کو بھی اسکے قبول ہونے میں تامل نہیں سو اس سبب سے بالیقین ہم کو معلوم

ہو گیا کہ انکے دعوے محبت اہل بیت اور دعوی اسلام اور دعوی ایمان سب خداوند کریم کے نزدیک جھوٹا ہے اور آخرت میں بھی خداوند کریم انکی تکذیب فرمائیگا سو اس سے